

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ — ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد ہفتم

شمارہ نمبر ۱۳۰

جنوری ۱۹۸۴ء

مدیر:

محمد طفیل

ادارۂ فروغِ اردو ، لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۰۰ روپے

ترتیب

مکالماتِ رسول ﷺ

کاتبانِ وحی

سِیَرُ الطیبات (سرورِ کائنات کی بیٹیوں کا ذکر)

عہدِ نبویؐ کے چند نامور سپہ سالار

حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ

حضرت زید بن حارثہؓ

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ

سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ

رسول اللہؐ کے فیصلے

رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ سیاست

بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے والے وفود

محمد طفیل پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو، لاہور سے شائع کیا

طلوع

چیونٹی، ایک ننھی سی جان!
جب سلیمان علیہ السلام کی فوج ایک مقام سے گزرنے والی تھی تو ایک چیونٹی نے دُوسری چیونٹیوں سے کہا:
"اپنا بچاؤ کر لو، فوج آ رہی ہے"۔

یہ بات سلیمان علیہ السلام نے آسمان پر سن لی، کیونکہ وہ ایسی قدرت رکھتے تھے۔

قرآن میں یہ واقعہ یُوں آیا ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَوْا
عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ
وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ (سورۃ النمل)

(اور سلیمان کے لیے ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انھیں (صف بندی کے لیے) روکا جاتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمھیں روند نہ ڈالیں اور انھیں خبر بھی نہ ہو (سلیمان) اس بات پر مسکرا کر ہنس پڑے)

چیونٹی کی آواز، ایک نحیف آواز، حضرت سلیمان کو آسمانوں پر سنائی دیتی ہے ——— اور جو لفظ کُن سے پُوری کائنات تخلیق کر سکتا ہو اُس نے بھی تو اپنے بندے کی آواز سنی ہو گی!

آوازیں

"چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں"

محمد طفیل کی بھی التجا پوری ہو ——— اُس محمد طفیل کی کہ جو خود بہ طفیلِ محمدؐ ہے!

محمد طفیل

اس شمارے میں

اس جلد میں مضمون تھوڑے ہیں مگر بے حد اہم ہیں۔ پہلا مضمون مکالماتِ رسولؐ ہے۔ یہ مضمون میرے اُسی جذبہ کی ترجمانی کرتا ہے کہ حضورؐ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ نکلا ہو اُسے ان نمبروں میں بھی محفوظ کیا جاتے۔ "دربارِ رسالت کے فیصلے" بھی ایسی نوعیت کا مضمون ہے۔ جو اپنے اندر حکمتوں کے خزانے رکھتا ہے۔ ایک نکتہ کی وضاحت سے ہزار نکتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ مضامین ہماری زندگی کے رہنما مضامین ہیں، قلید ہیں!

کاتبانِ وحی پر اتنی تفصیل سے مضمون اردو کی کسی سیرت کی کتاب میں نہ ملے گا۔ ابوبکر صدیقؓ بھی کاتبِ وحی، خالدؓ بن ولید بھی کاتبِ وحی اور ابو ایوب انصاریؓ بھی کاتبِ وحی!

اسی طرح سیر الطیبات پر مضمون، جو حضورؐ کی بیٹیوں سے متعلق ہے خاصی تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔

عہدِ نبویؐ کے سپہ سالار، یوں تو ہم نے قبل ازیں چوتھی جلد میں بھی "مہماتِ رسولؐ" کے تحت چند مضامین پیش کیے تھے مگر یہ مضمون قدرے مختلف ہے، یہاں بحث کون کس محاذ پر لڑا اور کیا کارنامے انجام دیتے۔

سیرت ابنِ ہشام، جو سیرت کی بنیادی کتاب ہے۔ اس میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچنے والے وفود کا اتنا تفصیل سے ذکر نہیں ہے جتنا کہ اس مضمون میں ہے۔ یعنی یہ مضمون اس موضوع پر اضافہ ہوا۔

آخر میں "النبی الامی" مضمون ہے۔ وُہ ہستی کہ جو جامع کمالات تھی۔ جن کی زبان سے نکلا ہُوا ایک ایک لفظ حکمت رکھتا تھا۔ وُہ اُمّی تھا، ان کی زبان پر جو کچھ تھا وہ منشائے خداوندی تھا، وہ حکمِ خداوندی تھا۔ یہاں اس مضمون کی اشاعت اسی نکتہ کی وضاحت کے لیے ہے۔ کون جان سکتا تھا کہ جو ایسے حکمت آمیز کلمات کہہ رہا ہے وہ اُمّی ہے۔ جو ایسے فیصلے دے رہا ہے وُہ اُمّی ہے۔

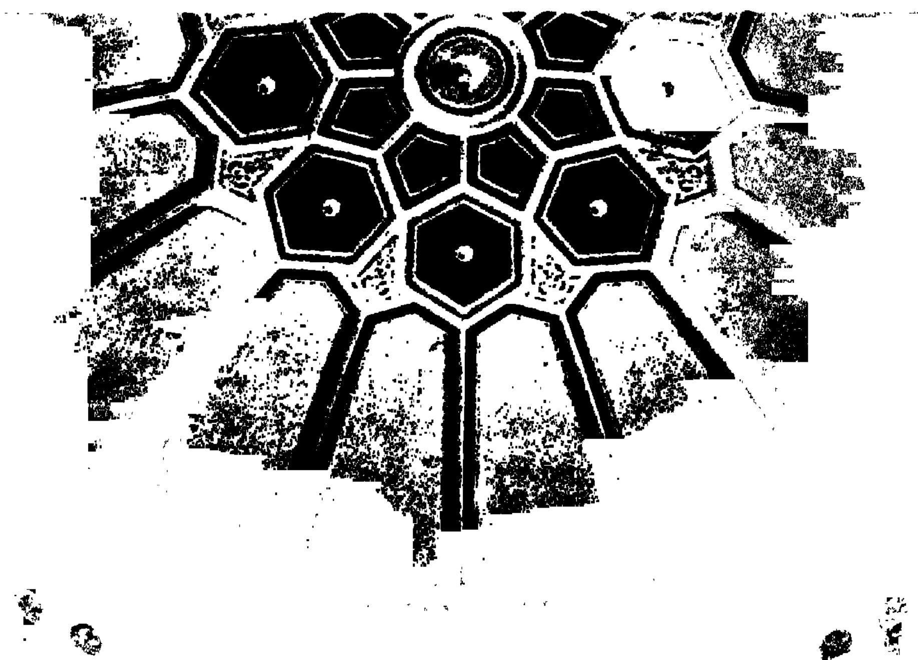
ایک مستشرق نے "THE HUNDREAD" کتاب میں رسول اللہؐ کو پہلا نمبر ایسے تو نہیں دیا جبکہ اس نے عیسٰی علیہ السلام کو تیسرا نمبر دیا حالانکہ عقیدتاً اُسے عیسٰی علیہ السلام کو پہلا نمبر دینا چاہیے تھا۔ یہ فضیلتیں، یہ عظمتیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔

محمد نقوش

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط

آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے پسندیدہ طریقہ سے۔ (النحل: ۱۲۵)

مکالماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم



مکالماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پروفیسر فیض اللہ منصور

اصنافِ ادب میں مکالمہ منفرد خصوصیات کا حامل ہے، تقریر و تحریر کے مقابلہ میں یہ صنف اثر انگیزی میں کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ متکلم اور مخاطب کے درمیان براہِ راست گفتگو ہوتی ہے۔ مزید برآں اس میں آمد کی سی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ مکالمہ متکلم کی شخصیت، اس کے مزاج و مرتبہ اس کے علم و فضل، فکر و نظر کی افتاد، اس کے ظاہر و باطن کے احوال، غرضیکہ متکلم کے ہر پہلو کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ماحول کے تقاضوں کا بھی عکاس ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے افہام و تفہیم کا جو ماحول پیدا ہوتا ہے وہ کسی بھی دوسری صنفِ ادب میں ممکن نہیں، نیز یہ تعلیم و تعلم کا بھی موثر ترین ذریعہ ہے۔

عالمی ادب میں عظیم مکالمات کی فہرست زیادہ لمبی چوڑی نہیں، جدید تحقیق کے مطابق اس کی ابتدا سسلی کے "سوانگ اَدب" سے ہوئی۔ یہ سوانگ نثرِ مسجع میں لکھے گئے تھے۔ یہ ناپید ہیں۔ ان کے بعد افلاطون، جو سسلی کے سوانگ ادب سے واقف تھا، نے مکالمات کو اپنی فکر کا ذریعۂ اظہار بنایا۔ وہ اپنی مشہورِ زمانہ اکاڈمی میں اپنے طلبہ کو مکالمات کے ذریعہ اپنے فلسفیانہ افکار کی تعلیم دیتا تھا۔ افلاطون نے مکالمات کو ایک نیا اور منفرد اسلوب دیا۔ اور اپنے فلسفیانہ افکار کے اظہار کے لیے جس طریقے سے اس نے اپنایا یہ صرف افلاطون کا حصہ ہے۔ افلاطون کے بعد دو فرانسیسیوں برنارڈ ڈی فانٹی نیلی اور فینی لون نے "مردوں کے مکالمات" کے نام سے اپنے افکار کو پیش کیا۔ تاریخِ ادب میں جان۔ ڈی ویلڈی، ٹرکوانٹو ٹاسو ڈانو بیرونو۔ گلیلیو وغیرہ کے مکالمات کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان اہم مکالمات میں سے کچھ کا موضوع، نیچرل تھیالوجی، حیات صوفیہ اور مافوق الفطرت مسائل ہیں۔ جبکہ کچھ روزمرہ مسائل سے متعلق طنزیہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔

عالمی ادب کے ان تمام مکالمات میں جو شہرتِ دوام افلاطون کے حصہ میں آئی وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی، جہاں کہیں بھی مکالمات کا نام آتا ہے یا لیا جاتا ہے۔ اس سے مراد مکالماتِ افلاطون ہوتی ہے۔ افلاطون کی عظمت ایک فلسفی اور ادیب کی حیثیت سے مسلّم ہے۔ اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن وہ بنیادی طور پر ایک فلسفی اور حکیم تھا۔ ظاہر ہے کہ فلسفہ کی ابتدا بھی تشکیک سے ہوتی ہے اور انتہا بھی تشکیک پر۔ اس لئے جب ہم مکالماتِ افلاطون کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے، اپنی تمامتر عظمت کے باوجود اُن کے مکالمات میں مسائل سلجھتے نہیں، الجھتے جاتے ہیں اور قاری کسی ایک حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتا۔ اس لئے اُن کی ہمہ گیری محلِ نظر ہے۔ اُن کے مکالمات میں فلسفیانہ افکار و مسائل بھرپور انداز میں ملتے ہیں جو افلاطون کی شخصیت (بحیثیت فلسفی کے) کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ ایک فرد کے فکر کا نچوڑ ہیں۔ اور انسانی فکر اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود محدود ہوتی ہے۔ دوسری قابلِ لحاظ بات جو ہمیں پیشِ نظر رکھنی چاہیئے وہ ہے ان کی افادیت۔ افادیت کے لحاظ سے مکالمات

فلاطون کا دائرہ محدود تر ہے کیوں کہ اس کی فلسفیانہ موشگافیاں اور مبحث کا سمجھنا ایک خاص طبقہ تک محدود ہے - نیز یہ کہ اس خاص طبقہ کے دانش ور بھی اس کے افکار کی تشریح اور تفصیل میں متفق نہیں — اور عمل کے لحاظ سے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک عظیم فلسفی کے عظیم افکار ہیں — جو عمل کی بنیاد نہیں بن سکتے -

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ ہیں - اگرچہ آپؐ کے "مکالمات" کو دوسرے مکالمات کی طرح منضبط اور مدون نہیں کیا گیا - یہ قدر بے بہا احادیث، سِیَر، شمائل، مغازی اور تاریخ کی کتب میں بکھرے پڑے ہیں - جہاں کہیں کوئی قاری مکالماتِ نبویؐ کا مطالعہ و تجزیہ کرتا ہے - تو اس کا ذہن اس حقیقت کو فوراً قبول کر لیتا ہے کہ ان کے پیچھے اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کارفرما ہے اور اس پردے میں اللہ کا نبیؐ بول رہا ہے — کوئی فلسفی، ادیب، یا دانش ور نہیں -

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات اپنی خوبیوں کے لحاظ سے منفرد ہیں - ان کی خصوصیات کا احاطہ کرنا تو ایک ناچیز بندے کے بس کی بات نہیں تاہم اہم خوبیاں یہ ہیں:-

سلاست و سادگی -

ایجاز و جامعیت

برجستگی و معنویت

گفتگو کا متوازن انداز - یعنی برمحل، مناسبِ حال عام فہم بات چیت

فلسفیانہ موشگافیوں اور گنجلک اندازِ بیان سے پاک -

فصاحت و بلاغت

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہمہ گیر ہیں - ایک مفکر اور دانش ور سے لے کر ایک عامی تک ان کے مطالعہ سے یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں -

یہ خوبیاں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات کو دنیا کے دوسرے "مکالمات" کے مقابلے میں منفرد و ممتاز اور ہر لحاظ سے بلند و برتر ثابت کرتی ہیں ان کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان تو الگ رہے، منصف مزاج غیر مسلم سکالر بھی اس بات کا اقرار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید ہر لحاظ سے ایک منفرد اور اعلیٰ اور ارفع مقام کا حامل ہے بعینہٖ کلام سید الابرار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے منفرد و ممتاز ہے - وہ اللہ کا کلام ہے، یہ اللہ کے نبیؐ کا — اور ہر لحاظ سے ایک معجزہ ہے -

سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں دینِ اسلام کی تکمیل ہوئی - اس لحاظ سے آپؐ دین و شریعت کے مکمل ہیں - اللہ کی آخری اور کامل الکتاب آپ پر نازل ہوئی - نبوت آپ کی ذات میں اتمام کو پہنچی - اس لحاظ سے آپ کسی ایک امت، کسی ایک قریہ، کسی ایک ملک کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے، بلکہ آپ کی بعثت پورے عالم کے لیے ہے - بلکہ عالمین کے لئے اور ہمہ گیر ہے - اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمیع صفات سے نوازا - آپ ترجمانِ وحی الٰہی، بشارتِ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور انسانِ کامل ہیں - ظاہر ہے کہ اس منصبِ جلیلہ

کو بطریق احسن پورا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع علوم کی کلید عطا کی گئی۔ شریعت کے اسرار و غوامض سے آپؐ کو آگاہ فرمایا گیا۔ حقیقت کائنات کے اسرار آپ پر واضح فرمائے گئے ۔ اس دانۂ دانِ علومِ الٰہیہ کو نہ صرف کلام پر کامل قدرت عطا کی گئی بلکہ فصاحت و بلاغت کا ایسا جوہرِ عظیم عطا کیا گیا کہ بڑے سے بڑے فصاحت کے دعوے داروں نے آپ کے قدموں میں سر جھکانے کو مقامِ شرف سمجھا۔

آپؐ کا کلام شیرینی، جامعیت اور خوبی کے لحاظ سے منفرد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو کلام کا ایسا سلیقہ ودیعت فرمایا تھا کہ دل اس کو سن کر مسحور ہو جاتے تسکین و اطمینان کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے۔ دماغوں کو ایک نئی روشنی ملتی ۔ جو شک و ارتیاب کے کانٹوں کو نکال کر انھیں گلزار بنا دیتی۔ آپ کو فصاحت و بلاغت جامعیت و معنویت، ایجاز و اعجاز۔ جو کلام کی بلند ترین خصوصیات ہیں۔ عطا کی گئیں اس کی مثال حضورؐ کے وہ کلمات ہیں جن کا جواب دُنیا کی کسی زبان کے ادب العالیہ میں نہیں ملتا ۔ اور نہ ہی ممکن ہے۔ ویسے تو آپؐ کا پورا کلام اقوالِ زریں کا نفیس نمونہ ہے لیکن اختصار کے لیے جوامع الکلم ایک ایسا نمونہ ہیں جس سے حضورؐ کے کلام کی خصوصیاتؐ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ ان اقوال کو حضورؐ نے ایک خوب صورت گفتگو میں پیش فرمایا۔ جو حضرت علیؓ سے آپ نے فرمائی ۔ یہ مکالمہ سنئے۔

حضرت علیؓ عرض کرتے ہیں "یا رسول اللہؐ! آپ کا طریقہ کیا ہے؟" حضورؐ فرماتے ہیں :-

معرفت، میرا راس المال ہے۔
عقل، میرے دین کی اصل ہے۔
محبت، میری بنیاد ہے۔
شوق، میری سواری ہے۔
ذکرِ الٰہی، میرا مونس ہے۔
اعتماد، میرا خزانہ ہے۔
حزن، میرا رفیق ہے۔
علم، میرا ہتھیار ہے۔
صبر، میرا لباس ہے۔
رضا، میری غنیمت ہے۔
عجز، میرا سرمایہ ہے۔
زہد، میرا حرفہ ہے۔
یقین، میری خوراک ہے۔
صدق، میرا ساتھی ہے۔
طاقت، میری ڈھال ہے۔

جہاد، میرا خلق ہے۔[1]

یہ مکالمہ پڑھ کر ہر فہمیدہ انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جس طرح "الکتاب" کا مثیل کسی سے نہیں بن پڑا۔ اسی طرح حضورؐ کے کلام کا مثیل بھی ممکن نہیں۔ جس طرح قرآن مجید ہر لحاظ سے اکمل، احسن ہے بعینہٖ کلام رسول اللہ بھی ہر لحاظ سے اکمل و کامل ہے۔ ایک دوسرا مکالمہ ملاحظہ کریں۔ حضورؐ سے جب آپ کے مسلک و فرائض سے متعلق استفسار کیا جاتا ہے۔ تو آپؐ فرماتے ہیں۔

میرے رب نے مجھے نو (۹) باتوں کا حکم دیا ہے:۔

۱۔ کھلے اور چھپے، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھوں۔
۲۔ محبت اور غصہ، دونوں حالتوں میں حق و انصاف کی بات کہوں۔
۳۔ امیری ہو یا فقر، ہر حال میں راستی اور اعتدال پر قائم رہوں۔
۴۔ جو مجھ سے تعلق توڑے، میں اس سے رشتہ جوڑوں۔
۵۔ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دوں۔
۶۔ محروم کرے والے کو عطا کروں۔
۷۔ میرا سکوت، فکر و تدبر کا سکوت ہو۔
۸۔ میری نگاہ۔ نگاہ عبرت ہو۔
۹۔ ذکر الٰہی۔ میری گفتگو کا محور و مرکز ہو۔ اور نیکی کا حکم دوں، بدی سے روکوں۔

محدثین، مورخین، علمائے سیر و مغازی نے اپنی تالیفات میں حضورؐ کے مکالمات کثیر تعداد میں محفوظ کئے ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا نہایت ہی عرق ریزی کا کام ہے۔ لیکن جب کوئی ان کا مطالعہ کرتا ہے، تو اس پر اُن دُرِّ نایاب کی قدر و قیمت آشکارا ہو جاتی ہے۔ یہ آبدار موتی ایک سلک میں پروئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک موتی بھی اپنی جگہ سے ہٹانا ممکن نہیں۔ یہ مکالمات آپؐ کی بھرپور شخصیت۔ آپ کے منصب جلیل، آپؐ کے اخلاق حسنہ، آپؐ کے وہبی علم و فضل اور آپ کے جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں۔ آج بھی اثر انگیزی کے لحاظ سے اُن کی وہی کیفیت ہے جو روز اول تھی ان کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود تکلم فرما رہے ہوں دل والے تو دل کی آنکھ سے وہ منظر تک ترکیز دیکھتے ہیں۔ قاری پر ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے جسے زبان اور بیان ادا کرنے سے قاصر ہیں! الفاظ ایسے مناسب و موزوں فقرے ایسے نپے تلے، بیان ایسا مربوط اور مکمل۔ مطلب ایسا واضح و صاف اور انداز ایسا دلنشیں کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ دل میں اترتے چلے جاتے ہیں — اس پر جامعیت، معنویت۔ سبحان اللہ، گفتارِ رسولِ رحمت۔ کلام نبی اللہ۔ کون ہے ایسا بدنصیب جو اس عظیم نعمت سے محروم رہنا پسند کرے۔

آپؐ کی دعوت میں اعتدال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی گفتگو کا انداز بھی متعدل و متوازن ہے۔ آپؐ کا واسطہ ہر قسم کے لوگوں

---

[1] رحمت للعالمین جلد نمبر ۲ ص ۱۹۹

سے تھا۔ اِن میں مہذب وغیر مہذب، دانش مند و اُجڈ، عاقل و گنوار، خواص اور عامی۔ امیر اور غریب، سب شامل تھے۔ لیکن ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے۔ نہایت تحمل سے گفتگو فرماتے۔ جس سے پتھر دل بھی موم ہو جاتے۔ آپ کی گفتگو سادہ و سہل ہوتی جس میں حکمت و دانش علم و حلم پیغمبرانہ جلال و جمال، عظمت و شکوہ رسالت — واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ایسا انداز گفتگو کہیں اور ملنا محال ہے۔ اگر ہم اس انداز تکلم کو اندازِ رسالت کہیں، تو بجا ہوگا۔ کیوں کہ بطور نبی اللہ کے اس کا انداز منفرد و ممتاز ہے۔ یہ وہبی ہے کسبی نہیں۔

آپ کے اندازِ گفتگو کے مختلف زاویے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ آپ کی خدمت میں ہر قسم کے افراد، یا گروہ حاضر ہوتے نئی دین کی معلومات حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوتے۔ کئی مسائل دین سمجھنے کے لئے مختلف قسم کے سوالات کرتے۔ کفار و مشرکین محض مزاحمت و مخالفت کی وجہ سے ایسے حیلے بہانے پیش کرتے، جن کا مقصد ترغیب، تحریض یا غم و غصہ کا مظاہرہ ہوتا۔ استفسارات کرنے والوں میں اجنبی، تاجر، مزدور، کسان، رؤسا۔ شاعر، خطیب، غرض ہر حیثیت کے لوگ شامل ہوتے — کمال تو یہ ہے کہ آپ ہر شخص سے اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق گفتگو فرماتے۔ عربی زبان کی ہر بولی پر ایسی قدرت آپ کو حاصل تھی کہ مختلف علاقوں سے آنے والے چاہے بدوی تھے یا حضری۔ اُن سے اُن کے اپنے لب و لہجہ اور بولی میں گفتگو فرماتے۔

صحابہ کرام جو شب و روز آپ کی خدمت میں رہتے۔ اُن کو قرآنی علوم کی تعلیم اکثر مکالمات کی صورت میں دیتے۔ جو سوال وہ کرتے اُن کا نہایت ہی تشفی بخش جواب دیتے، جو اشخاص بیعت کے لئے آتے۔ تو اُن کے پوچھنے پر اُن کو دین کی نہایت ہی آسان اور سادہ تعلیمات ارشاد فرماتے۔ آپ کے بولنے کا انداز بالکل ہی الگ تھا۔ جب آپ گفتگو فرماتے — تو لہجہ نہایت ہی مناسب ہوتا۔ آواز نہ اتنی بلند کہ گونج پیدا ہو اور نہ اتنی دھیمی کہ مخاطب سن ہی نہ سکے۔ الفاظ جملے، فقرے ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تاکہ مخاطبین ایک ایک لفظ سن لیں اور اُسے اپنے دل پر نقش کر لیں۔ اور اگر کوئی بات پوچھنا چاہیں تو سوچ سمجھ کر موقع پر ہی پوچھ لیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح مسلسل اور تیز نہیں ہوتی تھی۔ آپ دھیرے دھیرے بولتے تھے مضمون اس قدر سادہ اور واضح کہ سننے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے۔"

ایک دوسری روایت کے مطابق :

"اگر کوئی شخص چاہتا تو حضور کے بولے ہوئے الفاظ گن سکتا تھا۔"

آپ گفتگو میں اس قدر تحمل سے کام لیتے کہ سوال والا پورے اطمینان سے اپنی بات کہہ لیتا۔ آپ اس کی بات پوری توجہ، انہماک، اور ہمدردی سے سماعت فرماتے اور جب تک وہ اپنی بات پوری نہ کر لیتا۔ آپ خاموش رہتے۔ اور یہی انداز اپنی گفتگو میں بھی قائم رکھتے۔ گفتگو سننے کے بعد قاری کے ہر سوال کا جواب نہایت ہی اطمینان سے مختصر مگر پُرمغز الفاظ میں دیتے۔ زبان نہایت ہی سادہ ہوتی۔ اور بیان بھی سہل۔

ان خصوصیات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نفسیات انسانی کے ماہر تھے۔ اس لئے اپنی گفتگو میں نفسیاتی مسلمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے — اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنے کی وجہ سے سائل آپ کی بات سنتے ہی پوری طرح متوجہ ہو جاتا — اِس

پر آپ کے کلام کا امتیاز۔ محفل میں ایسا سکوت طاری ہو جاتا جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔

آپ کے اندازِ تکلم کی اپنی خصوصیات کی بدولت۔ ہر مخاطب نے اپنے فہم اور استعداد کے مطابق آپ کے کلمات، خطبات، احکام مسائل اور سب سے بڑھ کر مکالمات کو حرزِ جان بنایا اور ہمیشہ یاد رکھا۔ جب کہ اعلیٰ استعداد کے لوگوں نے حضورؐ کے اس عظیم سرمایہ کو ہر لحاظ سے محفوظ رکھنے کی سعیِ بلیغ کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے قرآن کے ساتھ ساتھ آپؐ کے فرمودات کو نہ صرف سینوں میں محفوظ کیا بلکہ اسے سفینوں میں منتقل کر کے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا۔

حضورؐ کے مکالمات کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا اسوۂ حسنہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ حضورؐ کی شفقت و رافت، حلم اور تواضع۔ دلوں کو پھیر دیتی تھی۔ اسی سادہ طریقہ سے آپ تعلیم دیتے تھے۔ نجد کا ایک بدوی مدینہ آتا ہے۔ اتنا سلیقہ بھی نہیں کہ مسجدِ نبوی اور محفلِ نبوی کا احترام کرے۔ وہ اپنا اونٹ مسجد کے اندر لا کر دروازے سے باندھ دیتا ہے۔ اور نہایت اکھڑپن سے مجلسِ رسولؐ میں در آتا ہے۔ آتے ہی نہایت ہی درشت لہجے میں سوال کرتا ہے:

"کون ہے ابنِ عبد المطلب؟"

صحابہ کرام اس کے درشت لہجے کو محسوس کرتے ہیں لیکن مجسم رحمت سرورِ عالمؐ نہایت ہی تحمل سے جواب دیتے ہیں: "میں ہوں۔"

وہ کہتا ہے:

"میں نجد سے آیا ہوں، قبیلہ بنو سعد سے تعلق ہے، قبیلہ والوں نے حقیقتِ حال معلوم کرنے کو مجھے بھیجا ہے، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میرا لہجہ سخت اور درشت ہے، میں سختی سے بات کروں گا آپ برا محسوس نہ کریں۔"

رحمت للعالمین جواب دیتے ہیں:

"تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو، میں دل پر میل نہیں لاؤں گا۔"

پھر وہ سوال کرتا ہے اور حضورؐ نہایت ہی اطمینان سے اس کے ہر سوال کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ حالاں کہ پورے مکالمہ میں سائل کا لہجہ درشت رہتا ہے۔ تعلیم اور تحمل کا یہ طریقہ اس طرح کارگر ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص بیاختہ پکار اٹھتا ہے:

"تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو صادق نبیؐ بنایا ہے، میں آپ کی بتائی ہوئی باتوں میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ میں آپؐ کا دین قبول کر چکا ہوں۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں، میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔"

آپؐ صحابہ کو دین کی تعلیم دیتے وقت اسی طریق سے کام لیتے تھے۔ ایجاز و اختصار اور جامعیت کو ملحوظِ خاطر رکھتے، اندازِ بیان دلنشین اور مسائل نہایت ہی سادہ زبان میں بیان فرماتے۔ ایک مکالمہ جو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ہوا، جس کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری ہیں۔ صحابہ کرام عرض کرتے ہیں:

"یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟"

آپؐ فرماتے ہیں: "اس کا اسلام جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔"
ایک صحابی:۔ "یا رسولؐ اللہ! اسلام کی بہترین خصوصیت کونسی ہے؟"
رسول اللہؐ:۔ یہ کہ تم (بھوکے کو) کھانا کھلائے۔ واقف و ناواقف سب کو سلام کرے۔
صحابہؓ:۔ کونسا عمل افضل ہے؟
رسول اللہؐ: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔
صحابہؓ:۔ اس کے بعد کونسا عمل۔؟
رسول اللہؐ: جہاد فی سبیل اللہ۔
صحابہؓ:۔ پھر کونسا عمل؟
رسول اللہؐ:۔ حج مبرور (وہ حج جس کے بعد گناہوں کا ارتکاب نہ کرے)۔ اس مختصر سے مکالمہ میں معانی کی ایک پوری کائنات بیان فرمائی گئی ہے۔ ان کی تشریح اور توضیح کے لیے سیکڑوں صفحات بھی سیاہ کئے جائیں، پھر بھی ان کے معنی اور مطالب بیان کرنے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ علمائے دین نے حضورؐ کے کلام کی تشریح و توضیح کے لیے کئی کئی ضخیم مجلدات لکھی ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی ایجاز و اعجاز، جامعیت اور معنویت کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تاثر کا یہ عالم کہ جس نے بھی دین کا کوئی مسئلہ دریافت کیا، اس کو حرزِ جاں بنالیا۔ اور اس کی ایک ایک جزء پر عمل کرنا اپنا فرض اولین جانا۔ بدوی کی مثال ہی کافی ہے کہ اس نے سوالات کئے، مسائل کا علم حاصل کیا اور پھر انہیں ضابطۂ عمل بنالیا۔ صحابہ کی مثال ظاہر و باہر ہے۔ کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے؟

فصاحت و بلاغت حضورؐ کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اگرچہ بنیادی طور پر آپ نہایت ہی سادگی سے سادہ لفظوں میں پند و نصائح بیان فرماتے لیکن آپ کسی کو تعلیم دیتے یا کلام کو زیادہ مؤثر و دلنشین بنانے کا ارادہ فرماتے تو سوال کی صورت میں شروع فرماتے۔ اس طرح۔ آپ کی گفتگو مکالمات کی صورت اختیار کرلیتی۔ یہ مکالمات مختلف حالات، مختلف ماحول اور مختلف مقامات پر صورت پذیر ہوئے ہیں، اس لیے پیرایہ بیان بھی مختلف ہے۔ اور بلاغت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ اختلاف بیان آپ کے کلام کی بلاغت و فصاحت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کوہ صفا کا مکالمہ اس انداز کی بہترین مثال ہے۔

سید المرسلین تمام قبائل قریش کو اکٹھا کرنے کے لیے کوہ صفا پر جاتے ہیں اس غرض کے لیے "یا صباحاً" کی صدا لگاتے ہیں۔ اس آواز کو سنتے ہی قریش کے سارے لوگ کوہ صفا کے دامن میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر آپ اُن کے نفسیاتی لمحات کو تصرف میں لانے کے لئے تمثیلی پیرایۂ بیان اختیار فرماتے ہیں۔ کیوں کہ ان حالات میں تمثیل۔ ایک مؤثر ترین عامل ثابت ہوتا ہے۔ اور حاضرین۔ جن میں ہر درجے کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ ہمہ تن توجہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم ارشاد فرماتے ہیں :۔

اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اے بنی کعب!
اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جرار تیار کھڑا ہے اور

وہ تم پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا ہے۔
تو کیا تم میری بات کا یقین کر لوگے!
— اس انداز اور طرزِ بیان۔ کا تحیر؟۔ سب یک آواز پکار اٹھتے ہیں :
"کیوں نہیں ۔ ہمیں یقین ہے ۔
ہم نے ہمیشہ آپ کو صادق پایا ہے ۔"
یہ ابتدائی مرحلے طے ہوتے ہی ۔ سرورِ عالم فوراً نہایت ہی حکیمانہ انداز سے اپنا پیغام بیان فرماتے ہیں :۔
چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔
" تو خوب غور سے سنو! میں تم کو ایک سخت اور المناک عذاب سے آگاہ کرتے اور ڈرانے
آیا ہوں۔ جو بالکل تمہارے سامنے ہے ۔"

یہ دراصل منصبِ نبوت کی صحیح صحیح نشان دہی تھی یعنی حقائق ، دینی اسرار و غوامض اور وہبی علوم میں نبوت کو جو خصوصیت اور انفرادیت حاصل ہے۔ یہ اس کی بیّن شان ہے کہ حضورؐ نے کیسی حکمت کے ساتھ ان خصوصیات کی مختصر طور پر ترجمانی کی ۔ اس کی نظیر ۔ دنیا کے مذاہب اور عالمی ادب کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ اس سے زیادہ قابلِ فہم اور واضح پیرایہ بیان اور اسلوب۔ ناممکن ہے یہ اسلوب رسالت کی منفرد خصوصیت ہے ۔

ویسے تو حضورؐ کے مکالمات کی تعداد اس قدر زیادہ ہے۔ کہ اُن تمام کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اور ہر مکالمہ اپنی جگہ۔ ایک نادر دستاویز ہے۔ دو ایک مزید مثالیں اس ضمن میں کافی رہیں گی۔

غزوۂ حنین میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تالیفِ قلوب کی غرض سے کہ کے نومسلم رئیسوں اور دیگر نومسلموں کو مالِ غنیمت میں سے حصہ وافر عطا فرماتے ہیں، تو بعض انصاریوں کو محرومی کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ حضورؐ کے علم میں جب یہ بات آتی ہے تو آپ انصار کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا فرمان جاری کرتے ہیں آپ جس اندازِ حکیمانہ اور پُر تاثیر لہجے میں اُن سے گفتگو فرماتے ہیں ۔ کہ جو دلوں کے تار چھیڑ دیتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، محبت اور شوق کے ولولے از سرِ نو انگڑائی لیتے ہیں ۔ آپؐ فرماتے ہیں۔

" اے گروہِ انصار! جس وقت میں تمہارے یہاں آیا تو کیا تم گمراہ نہیں تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری بدولت ہدایت فرمائی ۔ تم محتاج تھے ۔ اللہ نے میری وجہ سے تمھیں غنی بنا دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ پروردگار نے میرے طفیل تمہارے دلوں کو جوڑ دیا ۔"

انصار اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضورؐ پھر یہی کلمات دہراتے ہیں تو انصار جواب دیتے ہیں :۔
" ہمارے پاس آپ کی اس بات کا کیا جواب ہے ۔ سارا فضل و احسان اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا ہے ۔"

سرورِ عالم موقع کی مناسبت سے بات کا رُخ فوراً موڑ دیتے ہیں تا کہ حاضرین میں ندامت کے ساتھ ساتھ سر بلندی کے احساسات بھی پیدا

ہوں۔ اور انصاف کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ آپؐ انسانی نفسیات کے کس قدر ماہر تھے ارشاد ہوتا ہے :

اے گروہ انصار! نہیں! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور تمہارا کہنا بجا ہوگا۔ جس کی تصدیق میں خود کروں گا۔
یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد! تم ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ اپنوں نے تمہیں جھٹلایا۔
ہم نے تمہاری تصدیق کی۔
تم بے سہارا تھے۔ ہم نے تمہیں سہارا دیا۔
تمہیں وطن سے نکال دیا گیا، ہم نے تمہیں پناہ دی
تم خالی ہاتھ تھے۔ ہم نے ہمدردی کی۔ ہم نے تمہاری امداد کی۔

اس کے بعد آپؐ نے انصار کی طرف رُخ کرکے ایک ایسی بات، ایک ایسے انداز میں فرمائی جس کی تاثیر اور رقت آمیزی بے مثال ہے۔ اس بات کے سنتے ہی انصار بے تاب ہو گئے۔ ایمانی محبت کے سوتے دلوں سے بے ساختہ پھوٹ پڑے اور آنکھوں کی راہ سے بہ نکلے۔ آپ نے فرمایا :

اے گروہ انصار! کیا تم اس پر خوش نہیں کہ لوگ اپنے ساتھ بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے نبی کو لے جاؤ۔

آپ کے مکالمات تاثیر اور رقت انگیزی میں درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے۔ پتھر دل بھی آپ کی باتیں سن کر موم ہو جاتے۔
مسجد نبوی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ تھی۔ جہاں آپ صحابہ کو ۔ دور سے آنے والوں کو ہر سطح کے لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضور کی تعلیم دینے کا انداز بھی منفرد تھا۔ آپ لمبی چوڑی اور بے معنی گفتگو سے احتراز فرماتے۔ کبھی آپ خود بات چھیڑ دیتے۔ اور بیچ بیچ میں حاضرین کے سوالات کا جواب بھی عطا کرتے جاتے۔ کبھی حاضرین استفسار کرتے ۔ تو آپ ان کے جواب دیتے ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے تعلیم و تعلّم کے لئے مکالمات کا انداز اختیار فرمایا۔ کیونکہ ہر لحاظ سے مکالمات تعلیم کا بہتر اور مؤثر ترین طریق ہیں جدید تعلیمی نظریات بھی اس طرز تعلیم کی تائید کرتے ہیں سوال و جواب سے موضوع پوری وضاحت سے سائل کے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔
حضور کے اس طرز تعلیم سے اُمّی بھی مستفید ہوتے اور عالم بھی۔
انداز ملاحظہ کریں۔ ابن مسعودؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔

یا رسول اللہ! کون سا عمل افضل ہے؟
آپ جواب دیتے ہیں: وقت پر نماز پڑھنا۔
ابن مسعود: حضورؐ! اس کے بعد؟
رسول اللہ: والدین سے حسن سلوک۔

ابن مسعود: اور اس کے بعد یا نبی اللہ؟

رسول اللہؐ: جہاد فی سبیل اللہ۔

ایک اعرابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ اس کا نام عمرو بن عبسہ ہے۔

عمرو: آپ کون ہیں؟

رسول اللہؐ: میں اللہ کا رسول ہوں۔

عمرو: کیا آپ کو خدا نے مبعوث کیا ہے؟

رسول اللہؐ: بے شک مجھے خدائے واحد و لا شریک نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

عمرو: آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔

رسول اللہ: اللہ کو ایک مانو۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور نہ کوئی دوسرا عبادت کے لائق ہے۔ قرابت داروں سے محبت و شفقت سے پیش آؤ۔

.... (الخ)

حضور سرورِ عالم کے سارے مکالمات ——— دین، دین کے مسائل۔ قوانین شریعت اور عام زندگی کے مسائل سے مالا مال ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد ہی تعلیم و تعلّم ہے۔ یہ سلسلہ نہ صرف آپ کی حیات مبارک تک ہی جاری رہا۔ بلکہ یہ فیضانِ رسالت آج بھی جاری ہے۔ اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکالمات میں کبھی کبھار تشبیہ و استعارہ سے بھی کام لیتے تھے۔ اس کا استعمال آپؐ نے اخبارِ غیب کے سلسلہ میں فرمایا یا کسی مسئلہ کی تعبیر میں۔ لیکن عام حالات میں اس صنعت کا استعمال نہیں فرماتے تھے۔ مکالمۂ جبرئیل میں جب نو وارد حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاماتِ قیامت بیان کرنے کو کہتا ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے:

قربِ قیامت کی بدیہی علامتیں یہ ہوں گی کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔

گڈریوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو گی.... اور وہ بلند و بالا عمارات بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے

انجام سے غافل لوگ قوموں کی قسمت کے مالک ہوں گے۔

جنابِ سید المرسلین کے علم کا سرچشمہ وحیِ الٰہی ہے جس کی بدولت آپؐ کو یقین و اذعان کی عظیم نعمت حاصل ہوئی۔ اور آپ کی منزل نہ صرف آپ کو نظر آئی بلکہ عین الیقین کی حد تک اُن کے سامنے تھی۔ جس پر پہنچنے کے لیے آپ سراپا عمل تھے ——— اس یقین کا بھرپور اظہار آپ کے کلام میں موجود ہے۔ اور یہی آپ کے مکالمات کا امتیازی وصف ہے۔ اور وہ تعلیمات جو آپ کے مکالمات کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ہر آدمی کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان کی روشنی میں انسان ایک ہی جست میں عشق کی تمام منزلیں طے کر لیتا ہے اور یہ جہانِ رنگ و بو اس کے لیے بیکراں نہیں رہتا۔

المختصر حضور کے مکالمات میں حکمت و موعظت، حقائق کے اسرار و غوامض، ہدایت و استقامت کے دُرِّ بے بہا، علم و عرفان کے

بے بہا موتی عقل وفہم کے نادر جواہر، اس قدر کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ اس بحرِ زخّار میں غواصی کرنے والے کو ہر قسم کی نعمت بغیر مترقبہ مل جاتی ہے۔ شکوک وشبہات کے کانٹے دور ہو جاتے ہیں۔ تذبذب سے نجات ملتی ہے۔ عین الیقین اور حق الیقین جیسی منزل پر پہنچ کر سائل شرحِ صدر جیسی عظیم نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

حقیقت وحی :

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وحی کے بارے میں مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی :

حارث : یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟

رسول اللہ : کبھی تو یہ صورت ہوتی ہے کہ مجھے ایک گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، وحی کی یہ قسم میرے لیے سخت دشوار ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو جو کچھ وحی میں ارشاد ہوا تھا۔ وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔
اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ فرشتہ خود کسی شخص کے روپ میں میرے سامنے آجاتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اُسے حفظ کر لیتا ہوں۔

صحیح بخاری ؒ، کتاب الوحی ص۲

بعثت :

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے پہل وحی کی ابتدا سچے اور پاکیزہ خوابوں کی صورت میں ہوئی چنانچہ جو خواب آپ دیکھتے وہ روز روشن کی طرح سچ ثابت ہوتا۔ اس کے بعد آپ گوشہ نشینی کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ غارِ حرا کی تنہائیوں میں قیام فرماتے کئی کئی راتیں عبادت میں مصروف رہتے، جب آپ کو توشہ کی ضرورت ہوتی تو گھر تشریف لاتے، چند روز حضرت خدیجہ کے گھر قیام فرما کر پھر غارِ حرا تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ ایک دن جبکہ آپ غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے۔ اللہ کا فرستادہ پیغامِ حق لے کر آپ کے پاس آیا اور کہا۔

فرشتہ :۔ پڑھئے۔

رسول اللہ :۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

فرشتہ :۔ (بہت زور سے حضورؐ کو بھینچتے ہوئے) پڑھئے۔

رسول اللہ :۔ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

فرشتہ : (پھر نہایت ہی زور سے حضورؐ کو اپنے بازوؤں میں دباتے ہوئے) پڑھئے۔

رسول اللہ : میں پڑھنا نہیں جانتا۔

فرشتہ : (حضور کو چھوڑتے ہوئے) اچھا تو "پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔

انسان کو جمے ہوئے خون سے تخلیق کیا پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے .....“

یہ کلمات آپ کو حفظ تو ہو گئے لیکن جب آپ واپس لوٹے تو تھر تھر کانپ رہے تھے، جس وقت آپ حضرت خدیجہؓ کے ہاں پہنچے تو فرمایا:

”خدیجہ! مجھے کمبل اڑھا دو — مجھے کمبل اڑھا دو۔

چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ پر کمبل ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب قلب مبارک کو ذرا سکون ہوا تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنا دیا اور فرمایا:

خدیجہ! خدا کی قسم مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہے۔

حضرت خدیجہ! آپ کو بشارت ہو۔ آپ ہرگز خوف نہ کھائیں خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔

آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، امین ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں آپؐ مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں، حق کا ساتھ دیتے ہیں آپ مصائب کو بھی خاطر میں نہیں لاتے قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے! مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔

ابن ہشام

امزید تشفی کے لئے ا حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ عہد جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ عبرانی زبان میں انجیل لکھتے اور پڑھتے تھے۔ اس وقت بڑھاپے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے ورقہ سے کہا:

خدیجہ: بھائی جان ذرا اپنے بھتیجے سے اُن کی کیفیت کا حال سنئے۔

ورقہ: بھتیجے۔ تمہیں غار میں کیا نظر آیا۔؟

(حضور سے غارِ حرا کا پورا ماجرا سننے کے بعد)

یہ تو وہی ناموس اعظم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کے پاس بھیجا تھا۔ کاش میں اس وقت تندرست توانا ہوتا۔

کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دے گی۔

رسول اکرمؐ: تو کیا میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟

ورقہ: ہاں، جب کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا، جو آپ لائے ہیں تو لوگ اس کے دشمن بن گئے۔ اگر میں آپ کے اس کٹھے وقت تک زندہ رہا۔ تو آپ کا ساتھ دوں گا۔

چند روز بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وحی کا سلسلہ بھی تھوڑے عرصے کیلئے منقطع ہو گیا۔ پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کی بابت آپؐ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے فرمایا۔

رسول اللہؐ: ایک روز میں جا رہا تھا کہ راستہ میں مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ آنکھیں اوپر اٹھائیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا زمین اور آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب سا طاری ہو گیا۔ فوراً گھر واپس ہوا اور کہا۔

مجھے کمبل اوڑھا دو، کمبل اوڑھا دو۔
اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں
یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ
وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ
وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ
وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ
اے کملی والے! اُٹھ اور لوگوں کو خوفِ خدا سے ڈرا۔
اپنے رب کی بزرگی بیان کر، اپنے لباس کو پاک رکھ اور نجاست سے دور رہ۔
پھر تو وحی کا سلسلہ خوب شروع ہو گیا اور لگاتار رہا۔

۱- صحیح بخاری جلد اول کتاب الوحی صہ ۱ تا ۱۱
۲- سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱ صہ ۲۶۴ - ۲۶۱

تخلیق اول:۔

۱- تخلیق اول سے متعلق حضرت جابر انصاریؓ کے استفسار پر یہ گفتگو ہوئی:

حضرت جابرؓ: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے بتلایئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟

رسول اکرمؐ: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی تخلیق سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبیؐ کا نور پیدا فرمایا۔ یہ نور اللہ کی قدرت سے، جہاں اُسے منظور ہوا، سیر کرتا رہا۔
اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم، نہ بہشت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتے بھی نہیں تھے، آسمان تھا نہ زمین، سورج تھا نہ چاند، جن تھا نہ انس۔ اللہ پاک نے جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کے چار حصے کئے، ایک حصہ سے قلم پیدا فرمایا۔ دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔

۲- ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے استفسار پر حضورؐ نے یہ گفتگو فرمائی۔
صحابہ: یا رسول اللہ! آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی؟
رسول اکرمؐ: آدم اس وقت روح اور جسد کے درمیان تھے جبکہ مجھ سے میثاق نبوت لیا گیا۔
بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا۔ اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر میں تھے۔
میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا مصداق ہوں۔

اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔
(مشکوٰۃ، مصنف عبدالرزاق، سنن ترمذی، شعبی)

اپنے خاندان کے لوگوں کو دعوت

جس وقت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی آیت اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ کا نزول ہوا تو آپ نے بحکم خداوندی اپنے عزیزوں کو جن میں بنی عبد المطلب بنی ہاشم کے علاوہ بنی عبد مناف وغیرہ بھی تھے، اپنے ہاں مدعو کیا۔ اس دعوت کی غرض و غایت — اپنوں کو دین کی دعوت دینا تھا۔ دعوت کے خاتمے پر جب حضور نے اپنی بات پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کے چچا ابولہب نے اپنی بے معنی، بے جا باتوں سے محفل کو منتشر کر دیا۔ مجبوراً حضور صلعم نے دوسرے دن انھیں پھر اپنے ہاں بلایا۔ یہ تعداد میں چالیس یا اس سے کچھ اوپر تھے۔ دعوتِ دین پیش کرنے کی خاطر آپ نے گفتگو کا آغاز فرمایا۔

رسول اللہؐ :۔ اے حاضرین! میں تم سب کے لئے دُنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، مجھے علم نہیں کہ کسی شخص نے اس سے بہتر اور افضل شے اپنی قوم کو پیش کی ہو۔ اللہ پاک کا حکم ہے کہ میں تم کو اس کی دعوت دوں تباؤ۔ ! تم میں سے کون میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے۔

حضرت علی: یا رسول اللہ۔ اگرچہ میں کمزور ہوں پھر بھی میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

ابوطالب: میں عبد المطلب کے دین کو تو نہیں چھوڑ سکتا، البتہ تمھیں جو فرض سونپا گیا ہے اُسے بجا لاؤ۔ میں تمہاری حمایت و حفاظت کے لئے حاضر ہوں۔

ابولہب :۔ خدا کی قسم، یہ کوئی خوش آئند بات نہیں، اپنے بھتیجے کو منع کریں۔ اس سے پہلے کہ دوسرے اس کے مقابل آئیں۔

ابوطالب: خدا کی قسم، جب تک جان میں جان ہے۔ میں اس کی حفاظت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔

رسول اللہؐ: اے بنی عبد المطلب، اے عباس، اے محمدؐ کی پھوپھی صفیہ، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! تم لوگ نارِ جہنم سے اپنا آپ بچاؤ، یہ میرے اختیار سے باہر ہے کہ تمھیں اللہ کی پکڑ سے بچا سکوں — ہاں میرے مال میں تمہارا حق ہے، جو جی چاہے، طلب کرو۔

(بلاذری جلد ۱، تاریخ الکامل ۲، سیرت سرور عالم جلد ۲، تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۱-۸۹
سیرت ابن ہشام جلد ۱)

قبائل قریش کو دعوت :

تبلیغ دین کے سلسلہ میں یہ قدم انقلابی نوعیت کا تھا۔ کیوں کہ اللہ پاک کی طرف سے آپ کو صریح حکم ملا، فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (سورہ حجر ۹۴)

(پس جو حکم تمھیں خدا کی طرف سے ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو، اور مشرکوں کی پرواہ مت کرو) تو آپ صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھے

۱۔ سورۃ الشعراء ۲۱۴۔

اور بلند آواز میں یہ صدا لگائی۔ یا صباحاہ :۔ اس آواز کے سنتے ہی لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ جو خود نہیں آ سکے، انہوں نے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپؐ نے گفتگو کا آغاز فرمایا:۔

رسول اللہؐ :۔ اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب، اے بنی عبدشمس۔ اے آلِ قریش۔
اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تیار کھڑا ہے۔ اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔
تو کیا تم اس بات پر یقین کر لوگے؟

لوگ (ایک آواز) : ہاں ہمیں تمہاری بات کا یقین ہے ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا۔

رسول اللہ :۔ تو غور سے سنو کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتے اور آگاہ کرنے آیا ہوں، جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی کوشش کرو، اللہ نے مجھے اپنے قریبی عزیزوں کو خبردار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم لوگ میرے عزیز و اقارب ہو، یہ بات میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے کہ میں تمہاری آخرت میں سفارش کر سکوں، جب تک کہ تم لا الٰہ الا اللہ نہ پڑھ لو۔ ہاں اگر اسلام قبول کر لو تو میں اپنے اللہ کے ہاں تمہاری شہادت دے سکتا ہوں اس کلمہ کی بدولت عرب تمہارے تابع اور عجم تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔

اے آلِ قریش۔ سنو! خدا کے مقابلہ میں میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔

قیامت میں صرف متقی اور پرہیزگار لوگ میرے قریب ہوں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے تو اعمال حسنہ لے کر حاضر ہوں اور تمہارے سروں پر دنیا کا بوجھ ہو، تمہاری پکار بھی اس وقت رائیگاں جائے گی۔ (سناٹا چھا جاتا ہے)

ابولہب (وقفہ کے بعد) خدا تجھے غارت کرے، کیا صرف یہی بتلانے کے لئے ہمیں بلایا تھا۔

(صحیح بخاری، مسلم، ترمذی (متفق علیہ)

سیرت ابن ہشام : جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ - ۲۷۸ تاریخ طبری جلد اول ص ۹۱)

مکالمات عمرو بن عبسہ

۱۔ عمرو بن عبسہ کا بیان ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی مجھے بت پرستی سے نفرت ہو گئی۔ کیوں کہ یہ بے جان مورتیاں نہ کسی کو نفع دے سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اپنی تلاش حق کے دوران میری ملاقات ایک اہلِ کتاب سے ہوئی، اس سے مکہ میں ایک نئے نبی کے ظہور کی پیش گوئی کی اور بتایا کہ وہ نبی بت پرستی کو مٹا کر خدائے واحد کی پرستش کی تبلیغ کریں گے۔ وہ ایک افضل ترین شریعت کے حامل ہوں گے۔

میں اسی انتظار میں گھڑیاں گنا کرتا کہ اسی اہل کتاب کی زبانی پتہ چلا کہ "وہی نبی" کا ظہور ہو چکا ہے۔ میں مکہ کی جانب چل پڑا، عکاظ میں میلہ زوروں پر تھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ فرما رہے ہیں، جب آپ کو قدرے اکیلے پایا۔ تو آپ کے قریب گیا اور گفتگو کا آغاز کیا :

عمرو :- آپ کون ہیں ؟
رسول اکرمؐ : میں اللہ کا نبی ہوں -
عمرو : کیا آپ کو اللہ نے مبعوث کیا ہے ؟
رسول اکرمؐ : بے شک ، میں خدائے واحد ولاشریک کا فرستادہ ہوں
عمرو :- آپ کی دعوت -؟
رسول اکرمؐ :- خدائے تعالیٰ پر ایمان - کہ وہ لاشریک ہے -
بت پرستی سے اجتناب
اپنوں سے محبت
عمرو : کوئی شخص آپ پر ایمان بھی لایا ہے ؟
رسول اکرمؐ :- ہاں ، ایمان لانے والوں میں ایک آزاد - (ابوبکر)
اور ایک غلام (بلال) دونوں شامل ہیں -
عمرو :- اسلام کیا ہے ؟
رسول اللہ : ہر شخص کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا - مساکین کی دیکھ بھال کرنا -
عمرو : اور ایمان -
رسول اللہ : اللہ کی راہ میں صبر و رضا سے کام لینا -
عمرو : اسلام کا سب سے اعلیٰ درجہ کونسا ہے -
رسول اللہؐ : نہ کسی کو زبان سے دکھ دو ، نہ کسی کو یدی ایذا پہنچاؤ
عمرو :- ایمان کی رفعت کی کیا علامت ہے ؟
رسول اللہ :- اخلاق حسنہ ،
عمرو :- یارسول اللہ ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں ،
آپ کی تعلیمات پر میرا ایمان ہے -
اے اللہ کے نبی ! مجھے بھی ابوبکر اور بلال کی طرح اپنی رفاقت کا شرف بخشئے -
رسول اللہؐ : ہمیں جس قدر مظالم کا نشانہ بنایا جارہا ہے - وہ تم برداشت نہیں کرسکتے - فی الحال واپس جاؤ - وہ وقت قریب ہے کہ دین غالب ہوگا تم کو علم ہو جائے گا - اس وقت جہاں میرا قیام ہو - آجانا -

(تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۸۶)

۲- عمرو بیان کہتے ہیں کہ میں کہنے کر تو وطن واپس چلا آیا لیکن دن رات اسی فکر میں مبتلا رہتا۔ کہ الٰہی کب وہ مبارک ساعت طلوع ہوگی جب اسلام غالب ہوگا اور حبیبِ خدا کے دیدار سے دیدہ و دل منور ہوں گے، وہ مبارک ساعت آخر کو آن پہنچی۔ میں دن رات ایک کر کے مدینہ پہنچا۔ حضور کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا:۔

عمرو :۔ یا رسول اللہ! آپ نے مجھے پہچانا۔؟

رسول اللہ:۔ ہاں، تم وہی تو ہو، جو مکے میں حاضر ہوئے تھے۔ اور میری تصدیق کی تھی۔

عمرو: یا رسول اللہ! مجھے بھی اس کلام کی تعلیم دیں۔ جس کا نزول آپ پر ہوا ہے۔ (اصابہ۔)

(۳) عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے مدینہ ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گفتگو کا آغاز کیا۔

عمرو: یا رسول اللہ! مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمائیے۔

رسول اللہ:۔ صبح کی نماز جب پڑھ لو۔ تو سورج کے نکلنے کا انتظار کرو۔ جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو کوئی نماز نہ پڑھو۔ یہاں تک کہ وہ اونچا ہو جائے۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو، اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آگے۔ ان اوقات کی نماز میں فرشتے شرکت کرتے ہیں۔

اس کے بعد سایہ ڈھلنے تک کوئی نماز نہ پڑھو۔ کیوں کہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو۔ یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ پھر سورج غروب ہونے تک نماز نہ پڑھو، کیونکہ تو وہ غروب ہوتے وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔

عمرو: اے اللہ کے رسول! وضو سے متعلق کچھ ارشاد ہو۔

رسول اللہ: جو شخص بھی وضو کرتے وقت جب ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے، تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری آلائشیں اور لغزشیں نکل جاتی ہیں۔

اس کے بعد جب شریعت کے مطابق منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی گندگی اور لغزشیں داڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں۔ جب وہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ہاتھوں کی لغزشیں دور ہو جاتی ہیں۔

سر کے مسح کے ساتھ، سر کی آلائشیں دور ہو جاتی ہیں۔

جب پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی آلائشیں۔ اس کے پیروں کے پوروں کے راستے نکل جاتی ہیں۔ اب اگر وہ کھڑا ہو لیا۔ نماز بھی پڑھ لی۔

اور سبحانک اللّٰہم پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا کی، جیسے کہ اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اور اپنے دل کو محض اللہ کے واسطے خالی کر لیا۔

تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا اپنی ماں سے
پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (صحیح مسلم۔ بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ - ۲۶۶)

قریش کا ردِ عمل، ترغیب و تحریص کے ہتھکنڈے اور ناکامی

قریش کی سخت مخالفت اور ستم رانیوں کے باوجود بھی اسلام روز بروز بڑھ رہا تھا۔ جب کفارِ مکہ کو حبش میں بھی ناکامی ہوئی تو رئیسانِ قریش سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ تاکہ کوئی لائحہ عمل بنایا جائے۔ آخر کار انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ترغیب و تحریص کے ہتھکنڈوں کو استعمال میں لایا جائے اگر یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوا تو دھمکی سے کام لیا جائے۔ اس خدمت کے لیے مکہ کے ایک صاحب ثروت رئیس عتبہ نے اپنی خدمات پیش کیں، وہ حضور کے پاس آیا اور گفتگو کا آغاز کیا۔

عتبہ: میرے بھتیجے تم ہمارے درمیان جس حیثیت کے مالک ہو، وہ تمہارے علم میں ہے۔ تم نے اپنی قوم کو ایک ایسے فتنے میں مبتلا کیا ہے، جس نے اُن کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ تم نے اُن کو، اُن کے آبا، کو بیوقوف و احمق ٹھہرایا۔ ان کے مذہب کی توہین کی، ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہا۔ میں کچھ باتیں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں، شاید تمھیں کوئی بات قبول ہو۔

رسول اللہؐ: ابوالولید: کہو میں سن رہا ہوں۔

عتبہ: بھتیجے۔ اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں اس قدر مال و دولت دیں گے کہ تو مکہ کا امیر ترین شخص بن جائے۔
اگر عزت اور ناموری کی خواہش ہے تو ہم سب تمھیں اپنا رئیس ماننے کو تیار ہیں۔
اگر تمہارا مقصود حصول حکومت ہے تو ہم تمھیں عرب کا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔
غرض جو چاہو، سو کرنے کو ہم تیار ہیں۔ مگر تم اپنے اِس طریقہ سے باز آ جاؤ۔
اور اگر تمہارے دماغ میں کوئی خلل واقع ہو گیا ہے، یا آسیب اور جن وغیرہ کا اثر ہے جس کا دفعیہ تمہارے بس میں نہیں۔ تو بتادو، ہم تمہارا علاج کرائیں، اس کا سارا خرچ ہم برداشت کریں گے۔

رسول اللہؐ: تم نے جو کچھ کہنا تھا۔ کہہ چکے؟

عتبہ: ہاں۔

رسول اللہؐ: جو کچھ تم نے میری بابت کہا۔ اس میں ذرہ برابر صداقت نہیں نہ ہی میرا مقصود مال و دولت جاہ و عزت یا حکومت ہے اور نہ ہی میرے دماغ میں خلل ہے، میری حقیقت کا عکاس اللہ کا یہ کلام ہے۔ (آپ نے سورۂ فصلت کی چند آیات ـ سجدۃ تک تلاوت فرمائیں .....) عتبہ کلام الٰہی

کے سننے میں ایسا محو ہوا، کہ اُسے ہوش تک نہ رہا۔ تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا ابو الولید
— میں نے جو کچھ کہنا تھا۔ تم نے سن لیا۔ اب تمہاری مرضی —
عتبہ جب واپس ہوا۔ تو اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اس کے رفیقوں نے پوچھا۔
ابو الولید: کیا خبر لائے ہو؟
عتبہ:۔ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں سُنا بخُدا۔ نہ وہ شعر ہے نہ جادو۔
نہ منتر ہے نہ کہانت میری مانو تو محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

جب ترغیب و تحریص کے ہتھکنڈے بھی ناکام ہوگئے۔ تو سارے رئیس اکٹھے ہو کر حضورؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے تو دھمکانے کے انداز میں کہا۔

اے ابوطالب — ہم نے آپ کا بہت لحاظ کیا، اب ہمارے لیے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے۔
اگر تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی مذمت سے باز نہ آیا اور ہمارے بزرگوں کو بُرا بھلا کہتا رہا، تو ہم
اُسے جان سے مار ڈالیں گے۔ عافیت چاہتے ہو تو اپنے بھتیجے کو روکیں۔

— یہ حالت دیکھ کر ابوطالب کا دل بھر آیا۔ اس نے حضور صلعم کو بلایا اور کہا۔
جانِ پدر! ان کے معبودوں کو بُرا مت کہو، ان کے بزرگوں کی توہین نہ کیا کرو — اگر
یہی صورت حال رہی تو میں بھی تمہاری کچھ حمایت نہیں کر سکوں گا۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو، جس کو
میں اٹھا نہ سکوں۔

رسول اللہؐ:۔ چچا! خدا کی قسم اگر یہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں، اور
یہ چاہیں کہ میں اس کام سے باز آجاؤں۔ ایسا ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر
دے یا اس کام میں میری جان بھی جاتی رہے۔

ابوطالب (حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر)
میرے بھتیجے، جاؤ، جو تمہارا دل چاہے، کہو، اور جس طرح جی چاہے تبلیغ کرو، خدا کی قسم میں کسی
حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

اس ناکامی پر قریش بڑے جز بز ہوئے اور ایک فیصلہ کن اقدام کے لئے انہوں نے حرم پاک میں ایک مجلس مشاورت بلائی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ (حضرت) محمدؐ کو بُلا کر ان سے بالمشافہ گفتگو کی جائے، اس غرض کے لیے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا بھیجا۔ سید المرسلینؐ خوشی خوشی حرم کعبہ تشریف لائے۔ کیوں کہ آپ کو رئیسانِ مکہ کے ایمان لانے کی بڑی آرزو تھی، جب حضورؐ وہاں پہنچے — تو انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا:

قریش:۔ اے محمدؐ! بخدا ہمیں علم نہیں کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو اتنی مشکلات میں مبتلا کیا ہو، جیسی تم

نے ہم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی مصیبت ایسی نہیں جو تمہاری وجہ سے ہم پر نہ آئی ہو۔
اب ہمیں بتاؤ کہ اس نئے دین سے تمہارا مقصود اگر مال اکٹھا کرنا ہے — تو ہم تمہیں
اتنا مال دے دیں گے کہ تم امیر ترین شخص بن جاؤ۔
اگر عزت و سرداری کی خواہش ہے، تو ہم تمہیں اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں۔
اور اگر حکومت چاہتے ہو، تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔
اور اگر تم پر کوئی آسیب یا جن غالب آگیا ہے تو ہم جھاڑ پھونک کے ذریعہ
اپنے خرچ پر تمہارا علاج کروانے کو تیار ہیں۔ تاکہ تم تندرست ہو جاؤ یا پھر ہم تمہیں معذور
سمجھیں۔

رسول اللہؐ :۔ تم نے جو کچھ کہا۔ اس میں رتی بھر صداقت نہیں۔ میں جو تعلیم لے کر آیا ہوں، وہ نہ طلب
اموال کے لیے ہے اور نہ اس کا مقصد محض جلب شرف یا محض حصول سلطنت ہے۔ حق تو یہ ہے
کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے۔
مجھے اپنا بشیر اور نذیر بنایا ہے۔
میں نے اپنے آقا کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اور تمہیں سمجھائے دیتا ہوں۔ اگر ان تعلیمات
پر عمل کرو گے تو دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ گے۔
انکار کرو گے۔ تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان کیا
فیصلہ کرتا ہے۔

قریش:۔ چلو ایسا ہی سہی۔ اگر تم ہماری باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، تو یہ بات تو سنو۔ تمہیں اچھی طرح
معلوم ہے کہ ہمارا علاقہ تنگ ہے۔ پانی کی سخت قلت ہے۔ زندگی بسر کرنا ہمارے لئے
سخت دشوار ہے۔ ہمارے لئے دعا کرو کہ یہ پہاڑ جنہوں نے ہمارے شہر کو گھیر رکھا ہے۔
وہ تمہارا پروردگار پیچھے دھکیل دے تاکہ ہمارا شہر کشادہ ہو جائے۔ اس میں شام اور عراق
جیسی نہریں جاری کر دے۔ ہمارے اسلاف کو زندہ کر دے۔ ان میں قصی بن کلاب بھی ہوں۔
وہ حق گو سردار تھا۔ ہم اس سے تمہاری بابت دریافت کر لیں گے۔ اگر اس نے تمہاری تصدیق
کی۔ اور تم نے ہمارے دوسرے مطالبات بھی پورے کر دیئے تو ہم بھی تمہاری تصدیق کریں گے
اور مان لیں گے کہ تو خدا کا فرستادہ ہے۔

رسول اللہؐ: میں تمہاری طرف ان چیزوں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں تو یہ تعلیم دے کر
مبعوث کیا گیا ہوں، جسے اگر تم قبول کرو تو دُنیا و آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہے۔ اگر نہیں

مانو گے ۔ تو میں حکم الٰہی کا انتظار کروں گا ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ میرے اور تمہارے درمیان جو چاہے فیصلہ فرما دے ۔

قریش :- اچھا ۔ اگر تمھیں ہماری خاطر منظور نہیں تو اپنی ذات کے لیے ہی خدا سے سوال کرو ، اپنے خالق سے استدعا کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو لگا دے ۔ جو تمہارے کلام کی تصدیق کرے تا کہ ہم تمہاری مخالفت سے باز رہیں یا پھر یہ استدعا کرو ، کہ وہ تمہارے لئے محل ، باغات ۔ اور سونے چاندی کے ڈھیر مہیا کر دے ۔ تاکہ تم ان فکروں سے بے نیاز ہو جاؤ ۔ جو تمہیں لاحق ہیں ۔ تا کہ ہم جان لیں کہ خدا کے ہاں تمہارا کوئی مرتبہ ہے ۔

رسول اللہ ؐ :- میں ان باتوں کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا ۔ اور نہ ہی میں یہ چاہوں گا کہ اللہ سے اس قسم کی استدعا کروں مجھے تو اللہ نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے ۔

پس اگر تم اسے مان لو تو دنیا و آخرت کی بھلائی ہے اور تم نہیں مانو گے ، تو میں صبر کروں گا ۔ حتیٰ کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے ۔

قریش :- اچھا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی گرا دو ۔ کیوں کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے ۔

پس جب تک تم ایسا نہیں کرو گے ، ہم ایمان نہیں لانے کے ۔

رسول اکرم ؐ :- یہ خدا کے اختیار میں ہے ، وہ اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے ۔

قریش : محمدؐ : کیا تیرے خدا کو اس بات کا علم نہ تھا کہ ہم تجھے بلائیں گے ، کیا اس نے تمھیں پہلے سے یہ نہیں بتایا کہ ایسے ایسے سوال کریں گے ، یہ یہ چیزیں طلب کریں گے ۔ کیا ہماری باتوں کا جواب تمہارے خدا نے تمھیں نہیں بتلایا ۔ اور یہ کہ وہ ہم سے کیا معاملہ کرنے والا ہے ۔ ہم تم پر ایمان لانے کے نہیں ۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے صحیح ہے کہ تم یمامہ میں رہنے والے رحمٰن نامی شخص سے تعلیم حاصل کرتے ہو ۔

اے محمدؐ ہم نے اپنے تمام عذر پیش کر دیے ، ہم نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اب تمھیں اس دین کی اشاعت نہیں کرنے دیں گے ۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۰۱ تا صفحہ ۳۱۴)

تاریخ طبری جلد اول ص ۹۱ - ۹۵

مکالمۂ ابو جہل

ابو طالب سخت بیمار تھے ۔ ابو جہل ، ابو سفیان اور چند دیگر بڑے سالے قریش عیادت کے لیے آئے ، اور کہا :

ہم تو آپ کی عظمت کے قائل ہیں۔ آپ کے بھتیجے نے ہمیں سخت فتنہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اُس نے اپنے اور قریش کے درمیان اختلاف کی ایک خلیج حائل کر دی ہے۔ آپ بھی اچھی طرح اس سے واقف ہیں، بہتر ہے کہ آپ کے سامنے وہ اور ہم کوئی معاہدہ کر لیں۔ ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ ہمارے دین کی توہین نہ کرے۔ ہم اُن کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالیں گے۔

ابو طالب نے حضورؐ کو بلایا۔ آپ پر قریش کا موقف پیش کیا اور آپؐ کو اس کام سے باز رہنے کی تلقین کی۔ جب ابو طالب نے بات ختم کی تو حضورؐ نے فرمایا:

رسول اللہؐ: عمِ محترم، میری تو صرف ایک بات ہے۔ اگر قریش اسے مان لیں، تو عرب و عجم دونوں اُن کے زیرِ نگیں ہو جائیں۔

ابو جہل: بتاؤ۔ ہم ایک نہیں ایسی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں تاکہ اختلاف مٹ جائے۔

رسول اللہؐ: وہ یہ کہ تم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کو مان لو۔ جھوٹے خداؤں کا جُوا گردن سے اُتار دو۔

ابو جہل (سکتے کے عالم میں)۔ اے محمد۔ عجیب بات کہی تم نے، بھلا اتنے معبودوں کو چھوڑ کر ہم کیسے ایک خُدا کی عبادت شروع کر دیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے

(سیرت ابن ہشام جلد ۱)

ضماد کا اسلام

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ضماد ازدی مکہ مکرمہ آئے، یہ تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کا دھندا کیا کرتے تھے، مکہ کے رئیس اس کے پاس گئے اور ان احمقوں نے اُسے بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ جس سے دماغ میں خلل واقع ہوا ہے۔ ضماد نے جب یہ باتیں سُنیں تو اس کے دل میں حضورؐ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا، دل میں سوچا کہ میں آپؐ کو جھاڑ پھونک کروں۔ شاید خدائے تعالیٰ میرے ہاتھوں اُسے شفا دے دے۔ یہی سوچ کر وہ حضورؐ کے پاس آیا اور بولا۔

ضماد: اے محمدؐ، سنا ہے آپ پر آسیب کا اثر ہے، میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔ آپ اگر چاہیں، تو میں علاج کے لیے تیار ہوں۔

رسول اللہؐ: اے ضماد! تمام تعریفیں اللہ کو زیب دیتی ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اس کی استعانت کے خواستگار ہیں، جسے اللہ پاک ہدایت دے۔ اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جسے راہ سے ہٹا دے، کسی کی مجال نہیں کہ اُسے راہِ راست پر لے آئے۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ واحد ہے۔ لاشریک ہے اس بات کی بھی شہادت

دیتا ہوں کہ محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے۔

ضماد: (حضورؐ کی بات کے درمیان بولتے ہوئے)، یہ کلمات پھر سے ارشاد فرمائیے (حضورؐ نے یہ کلمات تین بار دُہرائے۔ تو ضماد بولا)

میں نے کاہنوں کے قول سُنے، ساحروں کے منتر پڑھے، شاعروں کے اشعار سے محظوظ ہوا لیکن بخدا۔ ان کلمات کا جواب نہیں، ایسا کلام کبھی سننے میں نہیں آیا۔ بخدا یہ تو بحر معرفت کے دُرِّ بے بہا ہیں۔ ان کی گہرائی کے کیا کہنے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائیے۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ (یہ کہہ کر اس نے اسلام پر بیعت کر لی)

(صحیح مسلم بحوالہ (ترجمان السنۃ جلد ۲)

عبداللہ بن سلام کا اسلام

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام اپنے باغ میں پھل توڑنے میں مصروف تھے۔ جب انھیں پتہ چلا کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف فرما ہوئے ہیں فوراً حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو کا آغاز کیا۔

ابن سلام: میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں، جن کا علم نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ بتلائیے؟

۱۔ قیامت کی علامات میں سب سے پہلی علامت کونسی ہے؟

۲۔ اہل جنت کا سب سے پہلے کھانا کیا ہوگا؟

۳۔ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کب ہوتا ہے؟

رسول اکرمؐ: جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ابھی ابھی ان باتوں کی اطلاع دی ہے۔ سنو:

۱۔ قیامت کی سب سے پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت دھکیل کر لے جائے گی۔

۲۔ رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو یہ مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے کی جائے گی۔

۳۔ جہاں تک بچہ کی مشابہت کا تعلق ہے۔ اگر مرد کا مادہ غالب ہوا تو بچہ باپ پر ہوتا ہے جہاں عورت کا مادہ غالب رہا وہاں بچہ ماں پر ہوتا ہے۔

ابن سلام: یا رسول اللہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، (کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد) اے اللہ کے نبی۔ اہل یہود الزام تراشی میں بہت آگے ہیں، اگر آپ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے پہلے میرے اسلام کا حال ان سے کہیں گے تو وہ فوراً مجھ پر کوئی نہ کوئی بہتان باندھ دیں گے، بہتر ہے کہ آپ پہلے ان سے میرے متعلق دریافت فرمالیں۔

جب یہود آپ کی خدمت میں آئے تو ابن سلام اوٹ میں ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اُن سے پوچھا:۔
رسول اللہؐ: عبداللہ بن سلام کس قسم کے آدمی ہیں؟
یہود: وہ ہم سب میں بہتر، ہم سبھوں کے سردار ہیں۔
رسول اللہ: اور اگر وہ اسلام قبول کر لیں۔ تو؟
یہود: توبہ۔ اللہ تعالےٰ اُن کو ایسی حرکت سے محفوظ رکھے۔
ابنِ سلام: (اوٹ سے باہر آکر) اشھدان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ
یہود: (نہایت ہی غصے سے) یہ شخص ہم سب میں بدتر ہے۔ بدتر کی اولاد ہے.....
ابنِ سلام:۔ یا رسول اللہ! مجھے اُن سے اسی قسم کی بہتان طرازی کی توقع تھی۔

(بخاری شریف)

سفرِ طائف

ابنِ اسحٰق کی روایت ہے:۔ جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ بھی اپنے خالق سے جا ملیں، تو قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی آزادی حاصل ہو گئی۔ حضورؐ طائف کی جانب تشریف لے گئے تاکہ بنی ثقیف سے مدد حاصل کر کے اُن کی حفاظت میں رہیں۔ آپ کو توقع تھی کہ شاید وہ اس دعوت پر لبیک کہیں۔ آپؐ اُن کے پاس تنہا تشریف لے گئے۔ آپؐ سب سے پہلے بنو ثقیف کے رئیسوں، عبد یالیل، مسعود اور حبیب، تین بھائیوں سے ملے۔ یہ لوگ بے حد مغرور اور سرکش تھے۔ آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بول اُٹھے۔

پہلا بھائی: میں کعبہ کے غلاف کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو۔
دوسرا بھائی: کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا۔ جس کے پاس سواری تک میسر نہیں۔ اُسے اگر رسول بنانا ہی تھا تو کسی حاکم یا رئیس کو بناتا۔
تیسرا بھائی: میں تو تم سے بات ہی نہیں کرنے کا۔ اگر تو خدا کا رسول ہے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے تب تو یہ بات خطرے سے خالی نہیں کہ میں تیرے کلام کو رد کروں اور اگر تو خدا پر بھی بہتان باندھتا ہے تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ تیرے ساتھ بات کروں۔
رسول اللہؐ: میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم نے جو کیا، کیا مگر جو کچھ مجھ سے سنا ہے اُسے اپنے پاس رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔

لیکن ان مغرور رئیسوں نے یہ بات راز میں نہ رکھی، اپنے غلاموں اور اوباشوں کو حضورؐ کے پیچھے لگا دیا۔ اُن کی بدتمیزیوں کی وجہ سے آپ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ وہ دونوں وہاں موجود تھے۔ آپ انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ جب قدرے سکون ہوا، تو اللہ کے حضور نہایت الحاح اور زاری سے دعا فرمائی۔

" خدا وندا! میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں اے ارحم الراحمین تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تو نے مجھ پر قابو پالینے کا یارا دے دیا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا کرتا اور دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں "

(طبرانی، معجم کبیر، زاد المعاد، طبری۔ البدایہ ابن کثیر)

عتبہ اور شیبہ نے جب حضورؐ کی بے بسی دیکھی۔ تو انھیں آپؐ کی حالت زار پر رحم آیا۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کو ایک طاس میں انگور کے خوشے دے کر حضورؐ کی طرف بھیجا عداس طاس لے کر آیا اور آپ کے حضورؐ کے سامنے رکھ کر گویا ہوا۔

عداس : کھائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھی اور انگور تناول فرمانے لگے۔ عداس یہ کلمات سن کر حیران ہوا اور کہنے لگا :۔

عداس :۔ واللہ یہ کلام تو ایسا ہے کہ یہاں کے رہنے والے نہیں بولتے۔

رسول اللہؐ : اے عداس، تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

عداس :۔ حضور! نینوی کا۔

رسول اللہ، تیرا دین کیا ہے؟

عداس :۔ حضورؐ میں نصرانی ہوں۔

رسول اللہ: کیا اسی شہر کے، جو مرد صالح یونس بن متی کا مسکن تھا؟

عداس :۔ آپ کو کیا خبر۔ کہ یونس بن متی کون تھا؟ اور کیسا تھا۔

رسول اللہ: وہ میرے بھائی اور نبی تھے۔ اور میں بھی نبی ہوں۔

عداس یہ سنتے ہی آپ پر جھک گیا، آپ کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ یہ دیکھ کر عتبہ اور شیبہ ششدر رہ گئے۔ جب عداس واپس ہوا تو کہا ـــ

عتبہ و شیبہ :۔ کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے سر اور ہاتھوں کو بوسہ دینے لگا۔

عداس :۔ جناب عالی! آج روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ انہوں نے مجھے ایسی بات کی خبر دی ہے جو صرف اللہ کا نبی ہی دے سکتا ہے۔

عتبہ/شیبہ : کم بخت۔ کہیں وہ تجھے تیرے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ تیرا دین اس کے دین سے کہیں بہتر ہے۔

۱۔ تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۱۱

۲۔ سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۶۵ تا صفحہ ۲۶۷۔

ہجرتِ مدینہ :۔

جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ تو آپؐ نے فرمایا :۔

" ابوبکر! جلدی نہ کرو، شاید اللہ تعالٰی تمہارے لئے کوئی ساتھی پیدا کر دے۔"

یہ کلمات سن کر حضرت ابوبکرؓ کو امید بندھ گئی کہ شاید اس " ساتھی " سے مراد حضورؐ کی اپنی ذات مبارک ہے۔ اس لئے انہوں نے دو اونٹنیاں محض اسی سفر کے لئے خرید لیں، انھیں اپنے گھر ہی میں پلتے رہے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ بلا ناغہ روزانہ صبح یا شام ہمارے گھر تشریف لاتے۔ جس روز اللہ کی طرف سے آپ کو ہجرت کا حکم ملا۔ آپ اُس روز خلافِ معمول ٹھیک دوپہر میں ہمارے یہاں تشریف لائے۔ میرے والد (حضرت ابوبکرؓ) نے آپ کو دیکھتے ہی کہا کہ ضرور کوئی غیر معمولی بات پیش آئی ہے کہ آپؐ اس وقت تشریف لائے ہیں آپ اندر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے۔ گھر میں اس وقت میرے اور میری بہن اسماءؓ کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

رسول اللہؐ :۔ ابوبکر! جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ انھیں یہاں سے ہٹا دو۔

ابوبکرؓ :۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہاں میری بیٹیوں کے سوا کوئی غیر نہیں فرمایئے کیا حکم ہے؟

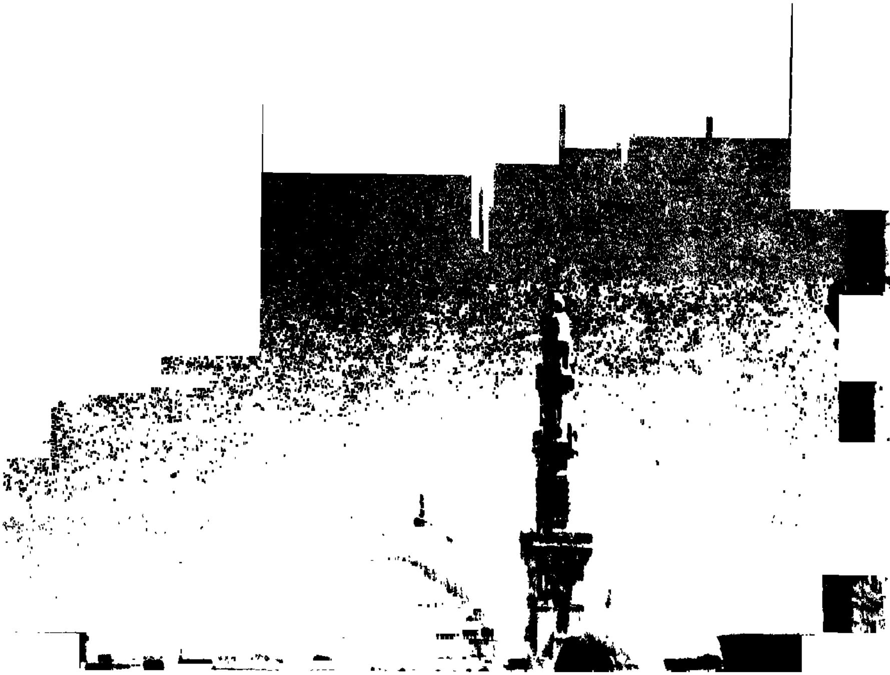
رسول اللہؐ :۔ اے ابوبکر۔ اللہ نے مجھے ہجرت کے سفر کا حکم دے دیا ہے۔

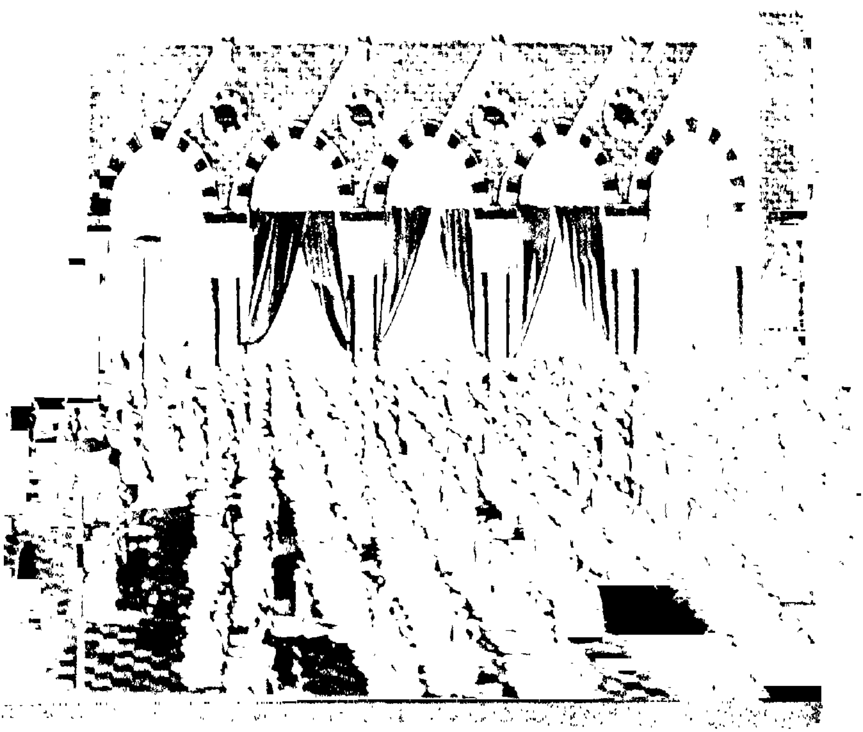
ابوبکرؓ :۔ حضور۔ تو مجھے بھی ساتھ چلنے کا شرف عطا فرمائیں۔

رسول اللہؐ : ہاں تم سفرِ ہجرت میں میرے رفیق ہوگے۔

ابوبکرؓ : (فرطِ مسرت سے روتے ہوئے) یا رسول اللہ۔ یہ میرے پاس دو سواری کے اونٹ ہیں ان کو میں نے پہلے سے اسی سفر کے لئے تیار کر رکھا تھا۔

ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ فرما لیا۔ تو آپ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے۔ دونوں حضرات گھر کے پشت کی طرف جو کھڑکی تھی۔ وہاں سے نکلے اور جبل ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ایک غار میں قیام فرمایا۔ عبداللہ بن ابوبکر ـــ دن میں جو باتیں حضورؐ کے متعلق ہوتیں، شام کو آن سے حضورؐ کو مطلع کرتا۔ شام کے وقت اسماء بنت ابوبکرؓ





مسجد نبوی کا بیرونی منظر

کھانے آتیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر بکریاں چراتا۔ شام کو وہاں لے آتا۔ اس طرح قدموں کے نشان باقی نہ رہتے۔ تین دن گزرنے کے بعد عامر بن فہیرہ اونٹنیاں لے کر پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے دونوں اونٹنیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیں۔ ان دونوں میں سے جو بہتر تھی، اُسے آگے رکھا۔ اور عرض کی۔

ابوبکرؓ : میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپ اس پر سوار ہو جائیں۔

رسول اللہ: نہیں، مجھے ایسی سواری پر بیٹھنا گوارا نہیں، جو میری نہ ہو۔

ابوبکرؓ : اے اللہ کے رسولؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا یہ آپؐ کی خدمت میں ہدیہ ہے۔

رسول اللہؐ: نہیں، ایسا نہیں ہوگا، لیکن بتاؤ تو تم نے اِسے کتنے میں خریدا۔

ابوبکرؓ : اے اللہ کے رسولؐ۔ وہ آپ کی ہوگئی۔

۱۔ تاریخ طبری جلد۲ صفحہ ۱۳۵

۲۔ سیرت ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۶

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان مکالمات

۱۔ صفوان بن عسال مرادی کہتے ہیں، ایک یہودی نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ مجھے اُس نبی کے پاس لے چلو، ہم اُن سے آیت وَلَقَدْ آتَیْنَا مُوسیٰ ..... الخ کا مطلب دریافت کریں گے۔ وہ بولا۔ خدارا ایسا غضب نہ کرنا۔ انھیں نبی مت کہو۔ اگر کہیں انہوں نے تیری زبان سے نبی کا لفظ سن لیا، تو وہ بہت مسرور ہوں گے ـــــ وہ دونوں حضورؐ کے پاس آئے اور گفتگو کا آغاز کیا۔

یہود :۔ ان آیات (ولقد آتینا موسیٰ ... الخ) سے کیا مراد ہے؟

رسول اکرمؐ : ان سے مراد وہ احکام ہیں جو موسیٰ پر نازل کئے گئے وہ احکام یہ ہیں :

کسی کو اللہ تعالےٰ کا شریک نہ ٹھیراؤ۔

چوری نہ کرو۔

زنا نہ کرو۔

کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر یہ کہ حق ہو۔

سحر کا عمل نہ کرو۔

سود نہ کھاؤ

کسی بے گناہ کو پکڑ کر کسی حاکم کے پاس اِس لئے نہ لے جاؤ کہ وہ اُسے قتل کر دے۔

کسی پاکباز، عفیفہ عورت پر اتہام مت لگاؤ۔

جہاد میں پشت نہ پھیرو۔

اور ہاں۔ تمہارے لیے ایک خصوصی حکم بھی ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کا جواز پیدا کرنے کے لئے شریعت کی حدود مت توڑو۔

یہود : (حضورؐ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیتے ہوئے)
ہم گواہی دیتے ہیں۔ آپ بے شک برحق نبی ہیں۔

رسول اللہؐ : تو پھر میری اتباع میں کون سی چیز تمہیں مانع ہے۔

یہود : حضرت داؤد کی یہ دعا۔ کہ ان کی نسل میں ہمیشہ نبوت رہے گی، ہمارے لئے روک ہے۔ اگر ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ تو ہمیں خوف ہے کہ کہیں یہودی ہمیں مار ہی نہ ڈالیں۔

(احمد، ابوداؤد، بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۲ صـ ۶۹)

(۲) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا جب ایک یہودی عالم وہاں آیا۔ آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔

یہودی : السلام علیک یا محمدؐ!
یہ الفاظ سنتے ہی میں غصے سے بھر گیا، اور یہودی کو دھکا لگایا۔

یہودی : تم نے مجھے دھکا کیوں دیا؟

ثوبان : اس لئے کہ تم نے یا رسول اللہ کہنے کی بجائے آپؐ کو نام سے پکارا۔

یہودی : میں نے تو وہی نام لیا، جو آپؐ کے گھر والوں نے آپ کا رکھا ہے۔

رسول اللہؐ : واقعی! میرے گھر والوں نے مجھے یہی نام دیا ہے۔

یہودی : میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے چند باتیں دریافت کروں۔

رسول اللہؐ : آخر یہ باتیں جان کر تمہیں کیا ملے گا؟

یہودی : چاہتا ہوں کہ یہ باتیں اپنے کانوں سے سنوں۔

رسول اللہؐ : (چھڑی سے زمین کریدتے ہوئے) اچھا۔ پوچھو۔

یہودی : جس دن زمین کی صورت بدل جائے گی آسمان دگرگوں ہوں گے۔ اس دن بھلا مخلوقِ خدا کہاں ہوگی؟

رسول اللہؐ : اس تاریکی میں جو پل صراط سے پہلے محیط ہوگی۔

یہودی : وہ کون لوگ ہوں گے جن کا گذر سب سے پہلے پل صراط پر ہوگا؟

رسول اللہؐ : مہاجرین کے فقیر۔

یہودی : جنت میں داخل ہونے والوں کو سب سے پہلے ناشتہ میں کیا ملے گا؟

رسول اللہؐ : مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا ٹکڑا۔

یہودی :- اس کے بعد اہل جنت کی کونسے طعام سے ضیافت کی جائے گی؟

رسول اللہؐ :- وہ بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے کناروں پر چرا ہوگا۔

یہودی :- ان کے لیے مشروب کونسا ہوگا۔

رسول اللہؐ :- چشمہ سلسبیل کا پانی ۔

یہودی :- بس آخری بات پوچھنی ہے۔ جس کا علم روئے زمین پر سوائے نبی کے کسی کو نہیں۔

رسول اللہؐ :- اگر جان بھی لو، تو تمھیں کیا فائدہ ملے گا، بہرحال پوچھو۔

یہودی : فرمائیے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا کیسے بنتا ہے۔

رسول اللہؐ :- یہ تو کوئی راز نہیں، مرد کا مادہ سفید رنگ کا اور گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا مادہ زرد اور رقیق ہوتا ہے۔ ملاپ کے دوران جس کا مادہ غالب رہے۔ تو اولاد بھی اُس کے مناسب ہوگی، اگر مرد کا مادہ غالب رہا تو لڑکا۔ ورنہ لڑکی پیدا ہوگی۔

یہودی : بے شک آپ نے حق بات کہی، آپ سچے نبی ہیں

رسول اللہؐ : اس شخص نے جو باتیں دریافت کی ہیں، اُس کے استفسار سے پہلے مجھے ان میں سے کسی بات کا علم نہیں تھا۔۔۔ یہاں تک کہ اس کے پوچھنے پر اللہ تعالےٰ نے مجھے ان باتوں کے متعلق آگاہ فرمایا ؛ (مسلم شریف)

۳- ابن عباسؓ۔ اور ابن اسحاق۔ دوسروں سے روایت بیان کرتے ہیں کہ یہودی علما کی ایک جماعت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اُن کے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گفتگو کا یوں آغاز ہوا۔

علمائے یہود : یا رسول اللہؐ ! ہمیں چند باتیں پوچھنی ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ ان باتوں کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو نہیں۔

رسول اللہؐ : جو دل چاہے شوق سے پوچھو، تمہاری باتوں کا اگر تمہیں جواب مل جائے۔ جس کی صداقت پر تمہیں یقین ہو۔ تو پھر وعدہ کرو کہ تم اسلام لے آؤ گے ۔ اور اس بات کا بھی عہد کرو جس کا عہد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے

یہودی : ہمیں اقرار ہے، ہمیں چار باتیں بتایئے جو ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ یہ باتیں بتا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

رسول اللہؐ : مجھ سے اللہ تعالےٰ کے نام پر عہد کرو کہ اگر میں نے تمھیں اُن کا جواب دے دیا تو پھر تم ضرور میری تصدیق کرو گے ۔

یہودی :- ہاں۔ ہمیں منظور ہے۔

رسول اللہؐ : اب جو مناسب سمجھو، پوچھ لو۔

یہودی : ہمیں وہ چیزیں بتایئے۔ جن کو تورات کے نزول سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا تھا ۔

رسول اللہؐ :- میں تمہیں اُس خدائے واحد کی قسم دیتا ہوں، جس نے موسیٰؑ پر توریت نازل فرمائی تھی
کیا تم نہیں جانتے کہ انہیں کھانے میں اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹنی کا دودھ نہایت مرغوب تھا۔ وہ سخت بیمار ہوئے اور جب یہ بیماری طوالت پکڑ گئی تو انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے شفا عطا فرمائی تو میں اپنی پسندیدہ کھانے پینے کی چیزوں کو ترک کر دوں گا۔

یہودی : یا رسول اللہ، بے شک آپ نے صحیح فرمایا۔
ہمیں یہ بتائیے کہ لڑکا اپنی ماں پر کیوں جاتا ہے، جبکہ نطفہ تو باپ کا ہوتا ہے۔

رسول اللہؐ : میں تمہیں اس خدا کی ذات کی قسم دیتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نہیں جانتے کہ مرد کا نطفہ سفید اور کثیف ہوتا ہے جبکہ عورت کا نطفہ رقیق اور زردی مائل ہوتا ہے۔ ان دونوں میں جو بھی دوسرے پہ غالب رہتا ہے، اولاد اُسی کے مشابہ ہوتی ہے۔

یہودی : بے شک آپ نے حق بات فرمائی۔
ہاں تو توراۃ میں نبی اُمّی کی کیا علامت بیان کی گئی ہے ؟

رسول اللہؐ : میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اور ان نعمتوں کی جو اللہ پاک نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائیں (سچ کہو) کہ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں، کہ اُس نبی کی جس کے متعلق تمہارا زعم ہے کہ میں وہ نہیں، ایک علامت یہ ہے کہ نیند صرف اس کی آنکھوں پر طاری ہوتی ہے جبکہ دل اس کا بیدار رہتا ہے۔

یہود :- یہ سچ ہے۔

رسول اللہؐ :- پس میری نیند بھی ایسی ہے، میری آنکھ سوتی ہے۔ پر میرا دل بیدار رہتا ہے۔

یہود :- بس آخری بات بتا دیجئے۔ وہ یہ کہ کونسا فرشتہ (روح) آپ کے پاس آتا ہے۔

رسول اللہؐ :- تمھیں قسم ہے اللہ کی اور ان نعمتوں کی جو اللہ نے بنی اسرائیل کو بخشی تھیں، کیا تم نہیں جانتے کہ وہ جبرئیل ہے۔ میرا دل و رفیق ہے۔ میرے پاس آتا ہے۔ مجھ سے پہلے بھی جو نبی ہوتے۔ اُن کے پاس بھی آتے تھے۔

یہود :- آپ سچ فرماتے ہیں؛ اور اسی بات پر آپ سے جدا ہوتے ہیں۔ اے محمدؐ! وہ ہمارا دشمن ہے۔ وہ سختیوں اور خونریزیوں کا لانے والا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی اور آپ کا رفیق کوئی اور ہوتا۔ تو ہم ضرور آپ کی تصدیق کرتے اور آپ کی اتباع کرتے۔

۱- ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۶۰۹ تا ۶۱۱
۲- ابوداؤد بحوالہ ترجمان السنہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۲

غزوۂ بدر الکبریٰ

جنابِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ صحابہ کرام کے ہمراہ ۸ رمضان ۲ ہجری کو مدینہ سے نکلے، منزلیں تیزی سے طے کیں تاکہ قافلہ ابوسفیان کو جالیں۔ وادی ذفران جا کر پتہ چلا کہ لشکرِ قریش قافلہ کی حفاظت کے لئے آن پہنچا ہے۔ صورتِ حال مختلف تھی، اب مقابلہ قافلے کے محافظوں سے نہیں، رؤسائے قریش اور اہل مکہ سے تھا، مدینہ واپسی بھی خطرے سے خالی نہیں تھی۔ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے آپ نے صحابہ سے مشورہ ضروری سمجھا، آپؐ نے انھیں اکٹھا کیا لشکر قریش کی خبر دی۔ اور فرمایا:۔

رسول اللہؐ: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور اپنی جاں نثاری کا اظہار کیا، حضرت عمر فاروقؓ نے بھی موزوں طریقے سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

رسول اللہؐ:۔ اے لوگو۔ مجھے مشورہ دو کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

مقدادؓ: (نہایت ہی جوش سے) یارسول اللہ! جس چیز کا آپ کو اللہ پاک نے حکم دیا ہے، اس پر عمل فرمائیے۔ ہم سب آپؐ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں، جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا کہ جاؤ اور تیرا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہاں سے ہلنے کے نہیں (ہم عہد کرتے ہیں) کہ آپؐ کا خالق اور آپؐ جہاد و قتال کریں۔ ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ قتال میں برابر کے شریک ہوں گے۔

ہم آپؐ کے دائیں اور بائیں۔ آگے اور پیچھے قتال کریں گے۔

تمام صحابہ: (ایک آواز) یارسول اللہؐ! ہم بنی اسرائیل نہیں، نہ اُن کی تقلید کریں گے، ہم ہر حال میں آپؐ کے ساتھ ہیں۔

رسول اللہؐ: (تمام صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے)۔ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ بھی تو اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔

(سعد بن معاذ سمجھ جاتے ہیں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے سخن انصار کی طرف ہے)

سعد بن معاذؓ: کیا آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟

رسول اللہؐ: ہاں۔

سعدؓ:۔ ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپؐ کی تصدیق کی، اور اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ کا دین برحق ہے جہاں تک اطاعت اور جاں نثاری کا تعلق ہے، ہم آپؐ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔

یارسول اللہؐ! آپؐ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرما دی جو منشائے مبارک ہو، کیجئے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں جس قدر چاہیں عطا فرمائیں۔ مال کا جس قدر حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب ہوگا جو

ہمارے پاس رہے گا آپ ہم کو جو حکم دیں، ہم اطاعت کریں گے، اگر آپ ہم کو برک الغماد تک جانے کا حکم دیں گے، ہمیں مستعد پائیں گے،
اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو رسالت کے منصب پر فائز کیا۔ آپ اگر سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے، ہمیں پیچھے رہ جانے والوں میں نہیں پائیں گے، ہم دشمن کے مقابلہ میں نڈر ہیں، ہم رزم میں ثابت قدم اور سپاہی اور بزم میں راست گفتار ہیں۔
ہمیں اللہ تعالیٰ سے توقع ہے کہ ہماری جاں نثاری سے آپ مسرور و مطمئن ہوں گے بسم اللہ کیجئے،

رسول اللہؐ: (جاں نثارانہ خطاب سے مسرت محسوس کرتے ہوئے) - اللہ کے نام پر چلو۔ اللہ پاک کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ دو جماعتوں (قافلہ ابوسفیان یا لشکر قریش) میں سے کسی ایک پر مجھے ضرور غلبہ و نصرت عطا فرمائے گا۔

(دریں اثنا حضرت سعد بن وقاص دو غلام پکڑ کے لے آئے۔ حضورؐ نے صورت حال معلوم کرنے کے لئے ان سے پوچھ گچھ کی —)

رسول اللہؐ:- اچھا یہ تو بتاؤ کہ ان کے یہاں روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں۔

غلام:- کسی دن نو۔ اور کسی دن دس۔

رسول اللہؐ: معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ تقریباً ایک ہزار ہیں۔

(ہاں تو لشکر میں کون کون شامل ہیں)؟

غلام:- اکثر رئیسان قریش (نام بتاتے ہیں)

رسول اللہ:- اے لوگو! لو مکہ نے اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔

چونکہ ابوسفیان نے راستہ بدل لیا اور قافلے کو ساحل بحر کی جانب سے بچا کر لے گیا۔ اس لیے لشکر اسلام دشمنوں کے مقابلہ کے لئے عازم بدر ہوا، آپؐ پانی کے قریب پہنچ کر رک گئے تو حباب بن منذر جو بدر کے محل وقوع سے خوب واقف تھے۔ حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کی،

حباب: یارسول اللہؐ! آپ نے اپنی مرضی سے یہ مقام منتخب فرمایا ہے، یا اللہ پاک نے وحی کے ذریعے آپ کو یہاں ٹھیرنے کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہؐ: حباب! اگر کوئی مصلحت ہو تو اس مقام کو تبدیل کرنے میں کوئی امر مانع نہیں،

حباب:- یارسول اللہ! لوگوں کو حکم دیجئے، یہاں سے کوچ کرکے اس کنوئیں پر پڑاؤ کریں جو دشمن سے قریب ہے۔ اور حکم دیجئے کہ اس کے عقب میں جس قدر کنوئیں ہیں ان کو پانی سے بھر دیں، ایسا کریں تو ہمیں پانی کی کمی نہیں رہے گی۔ لیکن دشمن پانی کی کمی کی وجہ سے سخت مشقت میں مبتلا ہوگا۔

رسولؐ اللہ: (حباب کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے) قبول ہے۔ اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔
سنو ہمیں اپنے تمام کام باہمی مشورے سے طے کرنے چاہئیں، آئندہ میں بھی کسی کام کا قصد نہ کروں گا،
جب تک مشورہ نہ کر لوں۔

رسولؐ اللہ: (جنگ شروع ہونے سے پہلے) - اے لوگو! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے آج
جس نے بھی صبر و استقامت سے جنگ میں حصہ لیا، اور ایمان و احتساب کے اس عالم میں شہید ہوا، کہ اس نے
نہایت بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور پیٹھ نہ دکھائی — تو اللہ تعالیٰ کی جنت کے دروازے اس
کے لیے کھلے ہیں۔

جنگ ہوئی۔ جس میں ۷۰ کافر مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ باقی اہل مکہ نے راہِ فرار اختیار کی۔ مقتولین کی لاشیں ایک گڑھے میں دبادی گئیں، حضورؐ نے اپنے صحابہ کے ساتھ وہ رات میدانِ بدر میں بسر کی، رات کے کسی لمحے حضورؐ اُس گڑھے کی طرف آئے اور فرمایا:

رسول اللہؐ: اے گڑھے میں دبے ہوئے قریشیو! اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے امیہ بن خلف،
اے ابن ہشام (ابوجہل) (دیکھ لیا)۔ خدا نے جو وعدہ تم سے کیا تھا۔ کیا تم نے اُسے سچا پایا؟
ہاں، مجھ سے جو وعدہ میرے رب نے کیا تھا۔ وہ تو پورا ہو گیا۔

صحابہ:- یارسول اللہؐ! کیا یہ سنتے ہیں؟

رسول اللہؐ: ہاں! تم یہ بات ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ لیکن یہ جواب نہیں دے پاتے۔

اسیرانِ بدر

مدینہ پہنچنے کے پندرہ دن بعد آپؐ نے صحابہ کو بلا بھیجا تاکہ اسیرانِ بدر کے متعلق مشورہ سے کوئی بات طے کی جائے، آپؐ نے گفتگو کا آغاز فرمایا۔

رسول اللہؐ: تحقیق اللہ نے تم کو اِن پر قدرت دی ہے۔
(بتاؤ۔ ان کے متعلق کیا فیصلہ دیا جائے)

حضرت عمرؓ: یارسول اللہ، مناسب یہی ہے کہ اِن سب کی گردن اڑا دی جائے، یہ خدا اور رسول کے دشمن ہیں
انہوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کے ساتھ جنگ کی۔

رسولِ اکرمؐ: (مزید استفسار کی خاطر) اے لوگو! بتحقیق اللہ نے تمہیں اُن پر قدرت دی ہے۔ کل یہ تمہارے بھائی تھے

حضرت ابوبکرؓ:- یارسول اللہؐ! یہ لوگ سب کے سب آپ ہی کی قوم سے ہیں، میری رائے تو یہ ہے کہ انھیں فدیے
کر رہا کیا جائے، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں نارِ جہنم سے نجات دے دے، ان کے دل اسلام کی
طرف مائل ہو جائیں۔ اور یہی لوگ کافروں کے مقابلہ میں ہمارے معین و مددگار ثابت ہوں۔

رسول اللہؐ : اے عمرؓ تیری مثال حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ جیسی ہے۔ حضرت نوحؑ نے تنگ آ کر اپنی قوم کے لیے یہ دعا کی تھی: "اے پروردگار! مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو، تو اگر ان کو چھوڑ دے گا، تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور بدکار کافروں کو جنم دیں گے۔" (سورہ ۷۱)
اور حضرت موسیٰ نے تنگ آ کر دعا کی تھی کہ:

"اے ہمارے پروردگار۔ مٹا دے ان کے مال و متاع اور مہر کر دے ان کے دلوں پر، یہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں اپنی آنکھوں سے" (القرآن ۱۰-۸۸)

اور اے ابوبکرؓ۔ تیری شان حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کفار و مشرکین کے لئے دعا کی تھی کہ

"پس جس نے میری پیروی کی، وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی پس، تو ارحم الراحمین ہے" (القرآن)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے جانی دشمنوں کے لئے پروردگار کے حضورؐ فریاد کی۔

"اے اللہ! اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔" (القرآن)

(آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ اس تمثیلی ارشاد کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو، اصل بات یہ ہے کہ تم میں کوئی بھی ایسا نہیں، جسے کچھ احتیاج نہ ہو، بہتر یہ ہے کہ اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر رہا کر دو۔ اور جو فدیہ نہ دے سکیں، انہیں قتل کر ڈالو۔"

۱- تاریخ طبری: جلد ۱ ص ۱۵۲ تا ص ۳۶
۲- ابن ہشام: جلد ۱ ص ۳۰ تا ص ۷۳۹

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں

جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور رسالتمآبؐ کے دروازہ پر کئی لوگ جمع تھے۔ لیکن کسی کو ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ آئے تو انہیں حضورؐ نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ان کے فوراً بعد حضرت عمر فاروقؓ آئے تو انہیں بھی شرف باریابی حاصل ہو گیا۔ یہ دونوں حضرات اندر گئے تو دیکھا کہ سید المرسلینؐ خاموش اور مغموم بیٹھے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا کہ کوئی ایسی بات کہی جائے۔ جسے سن کر حضورؐ ہنس پڑیں۔

حضرت ابوبکرؓ: یا رسول اللہؐ! اگر بنت خارجہ مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کرتیں، تو میں اُس کے آڑے آتا۔

رسول اللہؐ (مسکراتے ہوئے) ابوبکرؓ تم دیکھ نہیں رہے۔ میری بیبیاں اسی غرض کے لیے میرے گرد جمع ہیں۔
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، (حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ کے گلے دباتے ہوئے)۔
"آخر تم حضورؐ سے آپؐ کی بساط سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیوں کرتی ہو۔ اتنا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپ کے پاس نہیں۔"
حضرت عائشہؓ و حفصہؓ: "بخدا ہم پھر کبھی اس قسم کا مطالبہ پیش نہیں کریں گی۔"

اس سلسلہ میں حضورؐ نے ایک ماہ یا ۲۹ دن تک اپنی ازواج سے علاحدگی اختیار کرلی، اسی پر قرآن کی آیت قُل لازواجِکَ ...... (المحسنات منکن اجراً عظیما ..... نازل ہوئی۔ اس میں آپ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ خدا اور خدا کے رسولؐ اور دنیاوی فراخی میں سے جسے چاہیں اختیار کریں۔ اللہ اور رسول کو اپنائیں تو دُنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ورنہ دنیا و آخرت دونوں کا خسران"۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ فوراً حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔
رسول اللہؐ: عائشہ! سنو! میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں بہتر ہے کہ اس کا جواب سوچ سمجھ کر دو، عجلت سے کام نہ لو اور اپنے والدین سے بھی اس ضمن میں مشورہ کرلو۔
حضرت عائشہؓ: یا رسول اللہؐ۔ فرمایئے۔ وہ کیا بات ہے۔؟
(رسول اللہؐ نے وہ آیت پڑھ کر سنا دی۔ وہ بے ساختہ بول اٹھیں)
یا رسول اللہؐ کیا آپ کی رفاقت کا مسئلہ بھی ایسا ہے۔ جس کے لئے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی مجھے مشورہ کی ضرورت نہیں، میں دل و جان سے، بغیر کسی استخارہ کے اللہ اور اللہ کے رسول کو اختیار کرتی ہوں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گی کہ میرے جواب سے کسی دوسری بی بی کو آگاہ نہ فرمائیں۔
رسول اللہؐ: نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا، مجھ سے تو جس نے پوچھا میں اُس کو تمہارا جواب سنا دوں گا۔ مجھے اس لیے مبعوث نہیں کیا گیا کہ لوگوں کو مشقت (آزمائش) میں ڈالوں میں معلم ہوں، میرا فرض ہے کہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کروں۔ (اور انہیں تعلیم دوں)

(صحیح مسلم۔ بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۲ صفحہ ۹۱)

مکالمات بسلسلۂ صلح حدیبیہ (فتح مبین)

مسلمانوں کو مکہ چھوڑے چھٹے سال بیت چکے تھے، ہر ایک بیقرار تھا کہ زیارت کعبہ سے اپنے دیدہ و دل منور کرے، حج و عمرہ ادا کرکے اللہ کی خوشنودی حاصل کرے۔ ان ہی دنوں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خوش خبری سنائی کہ ہم ان شاء اللہ قریبی زمانے میں امن و سلامتی سے حدود حرم میں داخل ہوں گے۔ بس پھر کیا تھا۔ آتش شوق بھڑک اٹھی۔ اور دل مسرت سے لبریز ہو گئے۔

حج بیت اللہ کا اعلان کر دیا گیا۔ قبائل کو بھی دعوت نامے بھیجے گئے۔

یوم دوشنبہ یکم ذی قعدہ ۶ھ کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ سو صحابہ کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے، اس مقدس جماعت کے پاس بحکم الٰہی، نیام شدہ تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ازواجِ مطہرات میں صرف حضرت ام سلمہؓ ساتھ تھیں۔

جب یہ قدسی صفات جماعت ذوالحلیفہ پہنچی تو حضورؐ کے ساتھ تمام رفیقوں نے احرام باندھا قربانی کے جانوروں پر نشان لگائے گئے۔

قریش بخوبی واقف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق محض حج کے ارادہ سے مکہ آ رہے ہیں۔ پھر بھی ان سرکشوں نے فیصلہ کیا کہ کسی صورت میں مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے انہوں نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے دو سو سواروں کا ایک دستہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابو جہل کی سرکردگی میں آگے بھیجا۔ یہ دستہ مقام ذی طویٰ میں آکر ٹھیر گیا۔

حضورؐ اور آپ کے رفیق مقام عسفان تک پہنچے تو آپ کو یہاں بنی کعب کا ایک شخص ملا آپ نے اس سے استفسار فرمایا۔

رسول اللہؐ :- سناؤ : قریش کس حال میں ہیں۔

وہ شخص : وہ آپ کی روانگی کا سن کر غصے میں بے حال ہو گئے۔ انہوں نے عہد کیا ہے کہ وہ آپ کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ کو روکنے کے لیے انہوں نے دو سو سوار بھیجے ہیں جو ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔

رسول اللہؐ : افسوس، صد افسوس کس قدر غلط کار ہیں قریشی۔ جنگ نے اُن کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اُن کے لئے بہتر تھا کہ مجھے قبائل عرب کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے اگر میں قبائل عرب کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتا، تو اُن کی دلی تمنا بر آتی۔ اور اگر اللہ کے حکم سے میں اُن پر غالب آجاتا تو پھر وہ فوج در فوج دینِ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوتے۔ اس میں اُن کی عزت بلند ہوتی۔

اگر انھیں یہ بھی منظور نہیں تھا، تو جنگ کر سکتے تھے۔ اُن کے پاس قوت ہے۔ نہ جانے قریش کے عزائم کیا ہیں بخدا! جس مقصد کے لئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے، اُس کے لیے اس وقت تک جد و جہد جاری رکھوں گا، تاآنکہ مجھے اُن پر غلبہ حاصل ہو، یا پھر میں ہی نہ رہوں۔

اسی دوران قریش کا لشکر آن پہنچا، لیکن آپ کسی حالت میں بھی جنگ نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے دوسرا راستہ اختیار فرمایا اور ایک شخص کی رہنمائی میں دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوتے مرار نامی ٹیلہ کے قریب جب حدیبیہ کی گھاٹی میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی اُسے اُٹھانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس لیے حضور نے اپنے ساتھیوں کو حدیبیہ کی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔

رسول اللہؐ : اس اونٹنی کو مکے میں داخل ہونے سے اُس ذاتِ پاک نے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے

ہاتھی کو روک دیا تھا۔ اب قریش مجھے صلہ رحمی کا واسطہ دیتے ہوئے جس امر کی بھی دعوت دیں گے وہ مجھے قبول ہوگی۔

مکہ والوں کو حقیقت حال کا علم ہوا تو اُن میں اضطراب پھیل گیا، آپؐ نے اس موقعہ پر مناسب سمجھا کہ صحابہ کرام میں سے کسی صاحب کو مکہ بھیجا جائے تاکہ وہ انھیں اطمینان دلائے کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں، حج وعمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو بلایا۔ اور ارشاد فرمایا۔

رسول اللہؐ: اے عمر! تم قریش کے پاس جاؤ۔

حضرت عمر: یا رسول اللہ! مکہ میں بنی عدی بن کعب کا ایک فرد بھی موجود نہیں، جو اس وقت میری حمایت کرے۔ جب مکہ والے میرے درپے آزار ہوں۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں اور کس درجہ میرے دشمن ہیں آپ عثمانؓ کو وہاں جانے کا حکم دیں۔ اُن کا پورا خاندان مکہ میں موجود ہے جو اُن کی حمایت میں اُٹھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ سفارت کا فریضہ بطریق احسن انجام دے سکتے ہیں۔

رسول اللہ: (حضرت عثمان کو بلا کر حکم دیتے ہوتے)؛ اے عثمان جاؤ ابو سفیان اور دوسرے سرداران قریش کو ہمارا پیغام پہنچادو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ حج اور عمرہ ادا کرنے کا ہے۔ اُن کو اسلام کی دعوت بھی دینا۔ اور مکہ میں جو اہل ایمان موجود ہیں۔ اُن کو یہ بشارت سنا دو، گھبرائیں نہیں، عنقریب اللہ تعالےٰ مکہ میں اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔ اور انھیں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

حضرت عثمان مکہ پہنچے۔ تو قریش کے اکابرین سے ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے یہ بات چیت کی:

قریش:۔ اے عثمان! اگر تم کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔

عثمانؓ:۔ ہم سب کعبہ کی زیارت اور فریضہ حج ادا کرنے کے لیے آئے ہیں جب تک رسول اللہؐ طواف نہ کرلیں، میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا۔ میری اس بات کا ثبوت قربانی کے جانور ہیں، جو ہم اپنے ساتھ لائے ہیں، ہم زیارت و قربانی کے بعد مدینہ واپس چلے جائیں گے۔

مکہ والوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے ہاں روک لیا، مسلمانوں کے کیمپ میں یہ بات پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ مسلمان طیش میں آ گئے۔ حضورؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا۔

جب تک ہم اِن لوگوں سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لیں۔ یہاں سے قدم نہیں ہٹائیں گے۔ (اپنا دست مبارک تھام کر):۔ یہ عثمانؓ کی طرف سے ہے۔ تمام صحابہؓ نے موت پر بیعت کی، تاریخ میں یہ بیعت بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور رہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ حضرت عثمان واپس پہنچ گئے۔ قریش کو بھی احساس ہو گیا کہ جنگ میں خسارہ ہے۔

اس دوران بُدیل بن ورقہ خزاعی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور گفتگو کا آغاز کیا۔

بُدیل :۔ حضور! آپ کس ارادے سے آئے ہیں۔ قریش آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔
رسول اللہؐ: ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے، ہم عمرہ کی نیت سے یہاں پہنچے ہیں، قریش کو پہلے ہی جنگ نے خستہ حال بنا دیا ہے، اگر وہ چاہیں تو میں کچھ مدت اُن سے طے کر لوں، تاکہ اس مدت میں کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے۔ وہ مجھے اور عرب کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہوا، تو وہ چاہیں تو ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ ورنہ انھیں کچھ مدت کے لیے آرام کا موقع تو مل جائے گا۔ بُدیل! میری بات غور سے سنو! اللہ تعالیٰ یقیناً اس دین کو غالب فرمائے گا۔
اپنے دین کے ظہور، غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ اُس خالقِ حقیقی نے فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ ہاں۔ اگر وہ جنگ ہی چاہتے ہیں، تو قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میں دین کے معاملہ میں قتال سے گریز نہیں کروں گا۔ اس وقت تک کہ یا تو میری جان چلی جائے یا اللہ کا دین غالب ہو کر رہے۔

بُدیل نے واپس جا کر قریش کو صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے صلح کے خواہش مند ہیں۔ وہ لڑائی کے ارادہ سے نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں۔ لیکن کفر والے اپنی ضد پہ قائم رہے۔ اور مزید گفتگو کے لیے عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ حضورؐ نے اُس سے بھی وہی بات کہی جو بُدیل سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے عرض کیا:۔

عروہ :۔ اے محمدؐ! مکہ آپ کا وطن ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود ہلاک و تباہ کیا ہو۔ یہ بھی سن لیں کہ اگر قریش نے آپ پر غلبہ پا لیا۔ تو آپ کے ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر لیں گے۔

ابوبکرؓ: کیا کہا۔ کیا ہم — ہم حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ راہِ فرار اختیار کریں گے۔؟

عروہ صحابہ کی جاں نثاری کے مظاہر بچشم خود دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ چنانچہ واپس جا کر کہا:

اے میری قوم! میں نے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ میں نے قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت بھی دیکھی ہے۔ لیکن خدا کی قسم جو جاہ و جلال میں نے یہاں دیکھا۔ نہ کہیں دیکھنے میں آیا اور نہ سنے میں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق آپ کا ایسا ادب اور اس درجہ تعظیم بجا لاتے ہیں، جو بادشاہوں کا مقدر بھی نہیں۔

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جاں نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے بہت اچھی تجویز پیش کی ہے۔ میری مانو تو اس تجویز کو مان لو۔ اسی میں تمہاری عافیت ہے۔

متکبرانِ قریش کو یہ بات کہاں گوارا تھی۔ انہوں نے سہیل بن عمرو کو معاملات طے کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے سہیل کو دیکھا تو فرمایا :

"البتہ اب معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔ سہیل کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ قریش صلح کرنے پر مائل ہو گئے ہیں"

کافی بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ معاہدۂ صلح تحریر کیا جائے۔ آپؐ نے حضرت علی کو طلب فرمایا۔ اور ارشاد ہوا۔

رسول اللہؐ : اے علی ! لکھو ، بسم اللہ الرحمان الرحیم

سہیل :۔ مجھے یہ کلمہ منظور نہیں، مجھے نہیں علم کہ رحمان کون ہے ۔تم اُسی پرانے دستور کے مطابق لکھو۔ باسمک اللّٰھم۔

رسول اللہؐ :۔ (مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود)۔ اچھا تو باسمک اللّٰھم ہی لکھو (ذرا توقف کے بعد) آگے لکھو، یہ وہ عہدنامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے .....

سہیل : ٹھہریئے۔ خدا کی قسم۔ اے محمدؐ۔ اگر ہمارا اس پر ایمان ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکتے ہی کیوں ۔کیوں آپ سے جنگ کرتے ۔پھر تو جھگڑے کی کوئی بات ہی نہ رہتی۔ آپ اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھیں ۔

رسول اللہؐ : میں اللہ کا رسول ہوں، کب تک تم نہ مانو گے ۔ (حضرت علی سے) رسول اللہ کو مٹا دیں ۔

حضرت علیؓ : یا رسول اللہ ! خدا کی قسم ، مجھ سے یہ نہیں ہونے کا ۔

رسول اللہ : تو مجھے وہ جگہ بتا دو ، (حروف مٹاتے ہوئے حضرت علی سے) : محمد بن عبداللہ لکھو اور۔ اللہ کے رسول نے یہ معاملہ اس پر کیا ہے کہ تم لوگ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان روک نہ بنو تاکہ ہم اس کا طواف کریں ۔

سہیل : اے محمد اس طرح تو سارے عرب میں چرچا ہو گا کہ قریش نے دب کر یہ معاہدہ کیا ہے ۔ ہاں۔ آئندہ سال آپ طواف کر سکتے ہیں۔ مکہ میں تین دن قیام کی اجازت ہوگی ۔ہم مکہ خالی کر دیں گے۔ اور یہ بھی سن لیں کہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے پاس صرف نیام شدہ تلواریں ہوں گی۔

رسول اللہؐ :۔ مجھے منظور ہے۔

سہیل : یہ بھی لازم ہوگا کہ اگر ہمارے یہاں سے کوئی شخص آپ کے یہاں چلا جائے گا۔ خواہ وہ آپ کے دین پر ہو تو آپ اس کو ہمیں لوٹا دیں گے ۔

صحابہؓ : سبحان اللہ ! یہ عجیب بات رہی اگر کوئی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اُسے کس طرح مشرکوں کے حوالے کر سکتے ہیں ۔

یہ بات ہو رہی تھی کہ سہیل کا بیٹا ابوجندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا، گرتا پڑتا۔ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے پاس پہنچ گیا۔ سہیل نے اُسے دیکھا تو پکار اٹھا۔

سہیل: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، یہ پہلا شخص ہے جسے معاہدے کے مطابق آپ کو لوٹانا ہوگا۔

رسول اللہؐ: ابھی تو تحریر بھی مکمل نہیں ہوئی۔

سہیل: اگر ایسا ہے، تو پھر کسی بات پر میں آپ سے معاملہ کرنے کو تیار نہیں۔

رسول اللہؐ: میرے لئے ہی سہی، اسے اجازت دے دو۔

سہیل: نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہؐ: اچھا۔ جو جی میں آئے کرو، مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا

ابوجندل: (یہ جملہ سن کر) یا رسول اللہ۔ مسلمان بھائیو! میں تو آپ کے دین پر ہوں، مجھے کیوں مشرکوں کے حوالے کر رہے ہو؟ دیکھتے نہیں، کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

رسول اللہؐ (ابوجندل کو تسلی دیتے ہوئے): اے ابوجندل! صبر سے کام لو اللہ پر بھروسا رکھو، ہم معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے یقین رکھو، ضرور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی راہ پیدا کر دے گا۔

سہیل: یہ معاہدہ دس سال کے لئے ہوگا۔ اس مدت میں فریقین کشت و خون سے احتراز کریں گے۔

رسول اللہؐ: منظور ہے۔

سہیل: اگر قریش کا کوئی بندہ اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا آیا۔ تو اُسے واپس کیا جائے گا۔ لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آ گیا۔ تو وہ اس کی واپسی کے پابند نہیں ہوں گے۔

رسول اللہ: یہ بھی منظور ہے۔

سہیل: جو شخص یا قبیلہ محمدؐ کے معاہدہ اور جوار میں داخل ہونا چاہے ہو سکتا ہے۔ اس طرح جو قریش سے معاہدہ کرنا چاہیں۔ ان پر بھی کوئی پابندی نہ ہوگی۔

رسول اللہؐ: یہ بھی منظور ہے۔

معاہدے کی شرطیں بظاہر بڑی کڑی تھیں، اور اس قدر روح فرسا کہ صحابہ بیقرار ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی تو جان پر بن آئی۔ وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی۔

حضرت عمرؓ: یا رسول اللہؐ: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں۔

رسول اللہؐ: کیوں نہیں۔

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟

رسول اللہؐ : بے شک ۔
عمرؓ : کیا وہ مشرک نہیں ۔
رسول اللہؐ : یقیناً ہیں ۔
عمرؓ : یارسول اللہ! پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟
رسول اللہؐ : اے عمر! میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں ، اس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا ۔ وہ میرا معین و مددگار ہے ۔
عمرؓ : کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے ۔
رسول اللہؐ : اے عمر! یہ میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے ۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب اس صلح نامے سے فارغ ہوئے تو قربانی کے جانور ذبح کیے ۔ حلق کرایا ۔ احرام اتارا ۔ صحابہ نے بھی حضورؐ کی تقلید کی ۔ بعض نے سر کے بال منڈائے اور بعض نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی ۔ حضورؐ نے یہ دیکھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ۔

رسول اللہؐ : اللہ کی رحمت ہو اُن پر جنہوں نے بال منڈوائے ہیں ۔
صحابہ : یارسول اللہؐ! اور بال ترشوانے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟
رسول اللہؐ : (دوبارہ) اللہ کی رحمت ہو اُن پر جنھوں نے بال منڈوائے ہیں ۔
صحابہ : بال کٹوانے والوں کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے ۔
رسول اللہؐ : اللہ بال کٹوانے والوں پر بھی رحم فرمائے ۔
ایک صحابی : یارسول اللہ! آپؐ نے بال منڈوانے والوں کے لیے دوبارہ رحمت کی دُعا کی ، جبکہ بال کٹوانے والوں کے لیے ایسا نہیں فرمایا اس کا سبب؟
رسول اللہؐ : انہوں نے (بال منڈوانے والوں نے) اپنے دل میں شک وشبہ کو جگہ نہیں دی ۔

آپؐ نے حدیبیہ میں دو ہفتے قیام فرمایا ۔ پھر مدینہ کو مراجعت فرمائی ۔ ابھی مکہ اور مدینہ کی درمیانی منزل میں تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں ۔

انا فتحنا لک فتحاً مبینا ۔۔۔۔ نصراً عزیزا ۔۔۔

حضور نے صحابہ کو جمع کرکے یہ آیات تلاوت فرمائیں اور انھیں فتح مبین کا مژدہ سنایا ۔
صحابہؓ : یارسول اللہ ۔ کیا یہ فتح مبین ہے؟
رسول اللہؐ : اے لوگو! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے ، یقیناً "یہ فتح مبین" ہے ۔

ابوبصیر صاحب عِلبس (سلسلۂ حدیبیہ) جاری ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچ گئے ، تو ابوبصیر جس نے اسلام قبول کرلیا تھا کسی طرح قریش کی قید سے جان چھڑا کر

مدینہ پہنچا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضری دی قریش نے بھی اپنے دو کارندے حضورؐ کی خدمت میں ابوبصیرؓ کو واپس لانے کے لیے بھیجے۔ آپ نے از روئے معاہدہ ابوبصیرؓ کو ان کے حوالے کر دیا۔

رسول اللہ: ہمارے اور قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ معاہدہ کے خلاف کرنا مجھے پسند نہیں، بہتر ہے تم واپس چلے جاؤ۔

ابوبصیر۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں۔ وہ تو مجھے طرح طرح کی ایذائیں دیتے ہیں دین کے معاملہ میں مجھے فتنہ میں ڈال دینا چاہتے ہیں۔

رسول اللہؐ:۔ اے ابوبصیر! صبر سے کام لو۔ اللہ کی ذات پر بھروسا رکھو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ ضرور تم ایسے ستم رسیدہ لوگوں کے لیے نجات کی کوئی نہ کوئی سبیل کھول دے گا۔

قریش کے کارندے ابوبصیرؓ کو لے کر روانہ ہوگئے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر ستانے کے لیے رکے اور کھجوریں کھانی شروع کیں۔ ابوبصیرؓ نے کسی طرح ان سے تلوار لی اور ایک شخص کو ایک ہی وار میں ختم کر دیا دوسرا آدمی وہاں سے بھاگا اور حضورؐ کے پاس جا کر رکا۔

رسول اللہؐ: اے شخص۔ تو نہایت ہی خوفزدہ ہے۔ تجھ پر کونسی افتاد پڑی ہے؟

وہی شخص: یا رسول اللہؐ! آپ کے رفیق نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اور شاید میرا بھی یہی حشر ہو۔

(اتنے میں ابوبصیرؓ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور عرض کی)

ابوبصیر:۔ یا رسول اللہؐ: آپ کی شرط تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی آپؐ نے جو عہد کیا۔ اُسے پورا کر دکھایا آپؐ نے مجھے اُن کے حوالے فرمایا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن سے نجات دی۔ یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے۔ اگر میں واپس مکہ چلا جاؤں تو یہ لوگ دین سے مجھ کو پھر جانے پر مجبور کریں گے یہ میرا ذاتی فعل ہے، میرے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔

رسول اللہؐ ــ یہ تو لڑائی کو ہوا دینا چاہتا ہے۔

اس کے بعد ابوبصیر مدینہ سے چلا گیا، سمندر کے کنارے عیص کے مقام پر اس نے ڈیرے ڈال دیئے۔ مکہ میں مقیم مظلوم مسلمانوں کو جب ابوبصیرؓ کی بابت علم ہوا۔ تو وہ بھی بھاگ بھاگ کر اس کے پاس جمع ہونے لگے ان میں ابوجندلؓ بھی شامل تھا۔ بس پھر کیا تھا۔ مکہ والوں کا جو بھی قافلہ ادھر سے گذرتا اُسے لوٹ لیتے۔ آدمیوں کو جو مزاحمت کرتے قتل کر دیتے۔ قریش کا ناک میں دم کر دیا قریش نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ خدارا معاہدے سے اس شرط کو نکال دیا جائے۔ آئندہ جو شخص بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچے گا۔ ہمارا اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہوگا۔

۱۔ صحیح بخاری: باب شروط الجہاد۔ حدیبیہ

۲۔ صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسیر۔ صلح حدیبیہ

۳۔ زاد المعاد۔ ابن قیم

۴ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ تا صفحہ ۳۹۱ ۔

۵۔ تاریخ طبری: جلد ۱ صفحہ ۳۲۴ تا صفحہ ۳۴۵

مکالمات بسلسلہ غزوہ فتح (فتح مکہ)

بنو بکر اور بنو خزاعہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے صلح حدیبیہ کی وجہ سے فریقین بے خوف ہوگئے۔ بنو بکر نے قریش کے رئیسوں کے اکسانے پر ایک رات جبکہ بنو خزاعہ وتیر نامی چشمہ پر محوِ خواب تھے۔ تاریکی میں حملہ کر دیا۔ بنو بکر کے ساتھ رئیسانِ قریش بھی شامل تھے۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم پاک میں پناہ لی۔ مگر انہیں وہاں بھی امان نصیب نہ ہوئی۔ ان کے بہت سے آدمی قتل ہوگئے۔ ان کا سردار عمرو بن سالم ایک وفد لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور صورتِ حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ حضورؐ کا رخ انور غصے سے سرخ ہوگیا۔ آپ نے ایک قاصد کے ذریعے رؤسائے مکہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ وہ ان تین باتوں میں سے جو چاہیں اختیار کرلیں۔

۱۔ مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

یا ۲۔ بنو نفاثہ کے عہد اور عقد سے علاحدگی اختیار کی جائے۔

یا ۳۔ معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کیا جائے۔

مکہ والوں نے جلد بازی میں حضور کی شرائط کو ٹھکرا دیا۔ جب قاصد چلا گیا تو انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ انہوں نے اگرچہ ابوسفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے مدینہ بھیجا۔ مگر — اسے ناکامی ہوئی۔

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چلنے کی تیاری، سامانِ سفر، آلاتِ حرب درست کرنے کے احکامات جاری فرما دیے، ساتھ ہی یہ احکامات بھی جاری کئے کہ یہ تمام تیاریاں پوشیدہ رکھی جائیں — اور اُن کا اظہار اور اعلان نہ کیا جائے۔ حلیف قبائل کو بھی تیاری کے پیغامات ارسال کر دیے گئے۔

حاطب بن ابی بلتعہ

جنابِ رسالتمآبؐ کی واضح ہدایات کے باوجود ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ سے غلطی سرزد ہوگئی۔ اُس نے اہلِ مکہ کے نام ایک خط لکھا جس میں اُن کو آپؐ کی حربی تیاریوں سے متعلق اطلاع دی۔ یہ خط ایک عورت کے ہاتھ مخفی طور پر روانہ کیا۔ آپؐ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوگئی۔

حضورؐ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ انہوں نے اُسے روضۂ خاخ میں جا لیا اور اُس سے خط برآمد کرلیا۔ خط لے کر حضور کی خدمت میں پہنچے، حضورؐ نے حاطب کو بلا کر فرمایا۔

رسول اللہؐ: — حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟

حاطب: یا رسول اللہ! آپ مواخذہ میں جلدی نہ فرمائیں۔ میری قریش سے کوئی قرابت نہیں۔ اور نہ ہی میں منافق ہوں۔ میرے قریش کے ساتھ صرف حلیفانہ تعلقات ہیں۔

حضورؐ! میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ وہاں اُن کا کوئی حامی و ناصر نہیں، وہ غیر محفوظ ہیں۔ میں نے اس طرح قریش پر احسان کرنا چاہا تاکہ اس کے بدلے میں وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں۔
خدا کی قسم! میں مرتد نہیں ہوا۔ میں نے اسلام سے منہ موڑ کر یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض وہی تھی۔ جو میں نے حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔

رسول اللہؐ: یقیناً۔ تم نے سچی بات کہی ہے۔

عمرؓ: (جوش سے) یا رسول اللہؐ! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

رسول اللہؐ: نہ، نہ، ایسا نہ کہو۔ حاطب غزوہ بدر میں شامل تھا۔
اے عمر! تمہیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ نے شرکائے بدر کی ایسی لغزشیں معاف کر دی ہیں۔
(اس کی تصدیق قرآن نے کر دی)

عمرؓ: یا رسول اللہ! اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

جناب رسالتمآب دسویں رمضان المبارک کو دس ہزار صحابہ کی معیت میں مکہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں حضرت عباسؓ مل گئے، سامان مدینہ بھجوا دیا۔ اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ:

یہ حضرات ابواء کے مقام پر آپ کو ملے، اسلام لانے کی غرض سے مدینہ آ رہے تھے۔ ابوسفیان بن حارث آپؐ کا چچا زاد اور رضاعی بھائی تھا۔ نبوت کے بعد آپ کا جانی دشمن بن گیا اور آپ کی ہجو میں شعر بھی کہے۔ عبداللہ، آپؐ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا۔ حضورؐ کے شدید مخالفوں میں سے تھا۔ دونوں نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا اس پر ام المومنین ام سلمہؓ نے سفارش کی

ام المومنینؓ: یا رسول اللہ۔ ایک آپؐ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا فرزند ہے۔

رسول اللہؐ: مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ ابن عم نے میری آبرو ریزی کی اور پھوپھی کا بیٹا وہی شخص ہے، جس نے مکہ میں کہا تھا۔ خدا کی قسم! میں تم پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔ تو اگر سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے۔ اور میں ان آنکھوں سے تجھے جاتے دیکھوں، پھر ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے۔ چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور یہ گواہی دیں کہ تجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے تو پھر بھی میں ایمان لانے کا نہیں۔

ام المومنین: آپ کے مکارم اخلاق سے یہ توقع ہے کہ آپ کے در سے آپ کا ابن عم اور پھوپھی زاد بھائی نامراد نہیں جائیں گے جب آپ کا ترحم اور عفو عام ہے تو پھر یہ قرابتدار محروم کیوں رہیں۔

ابوسفیان: یا رسول اللہ! اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں دیتے۔ تو میرے لئے اس کے سوا چارہ

نہیں کہ اپنے بیٹے کو لے کر کسی صحرا میں نکل جاؤں۔ اور وہاں بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔

قسم ہے اللہ پاک کی، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلا شبہ ہم قصوروار ہیں۔

رسول اللہؐ: آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہارا قصور معاف کرے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔

<u>ابوسفیان</u>: یہ قدسی صفات لشکر۔ منزلیں طے کرتا ہوا مرالظہران پہنچا۔ وہاں پہ پڑاؤ ڈال دیا قریشِ مکہ بدعہدی کی وجہ سے خوفزدہ تھے کہ نہ جانے کب آپ مکہ پر چڑھائی کر دیں۔ چنانچہ ابوسفیان بن حرب، بدیل اور حکیم اسی غرض سے نکلے تھے کہ انہوں نے جب اسلامی لشکر دیکھا تو ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے کہ پہرہ داروں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ انہوں نے پہرہ داروں سے بھی بات چیت کرنے کی کوشش کی کہ اتنے میں حضرت عباسؓ حضورؐ کے خچر پہ سوار ادھر آنکلے۔ انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا۔ اُسے اپنے پیچھے خچر پر سوار کرکے حضورؐ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو دیکھا تو اُسے قتل کرنا چاہا۔ لیکن وہ تیزی سے نکل کر آپؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ بھی تلوار سونتے ہوئے وہاں آن پہنچے۔ اور کہا:

عمرؓ: یارسول اللہؐ! یہ اللہ اور رسولؐ کا دشمن ابوسفیان ہے۔ الحمد للہ، بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آگیا ہے۔ اجازت مرحمت فرمایئے کہ ابھی اس کا سر قلم کر دوں۔

عباسؓ:۔ یارسول اللہؐ! میں نے اس کو اپنی امان میں لے لیا ہے۔

عمرؓ:۔ حضورؐ! اجازت دیجئے کہ .....

عباسؓ: (جھلا کر) اے عمرؓ! ذرا صبر سے کام لو، اس کا تعلق اگر بنو عدی سے ہوتا تو تم اس قدر اصرار نہ کرتے۔ چونکہ یہ بنی عبد مناف سے متعلق ہے۔ اس لئے تم اس کو قتل کرنے پر مصر ہو۔

عمرؓ: اے عباس! مجھے تمہارا اسلام اپنے باپ خطاب کے اسلام کی نسبت زیادہ محبوب ہے۔ میرا باپ اگر اسلام لے آتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی تمہارے اسلام لانے سے ہوئی، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہؐ کو تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ مرغوب تھا۔ میں تو تمہیں اس نگاہ سے دیکھتا ہوں، تم جو چاہے سمجھو۔

رسول اللہؐ: عم محترم! ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ صبح میرے پاس لے آنا۔

صبح کے وقت حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابوسفیان کو مخاطب فرمایا۔

رسول اللہؐ : افسوس اے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو یقین کرے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان :۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نہایت ہی حلیم و کریم ہیں۔ نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ بخدا قسم اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آج ہمارے کام ضرور آتا۔ اور میں آپ کے مقابلہ میں اس سے مدد مانگتا۔

رسول اللہؐ :۔ افسوس! اے ابوسفیان۔ کیا تیرے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ تو مجھ کو اللہ کا بھیجا ہوا رسول تسلیم کرے؟

ابوسفیان : میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، بیشک آپ حد درجہ حلیم و کریم ہیں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں ابھی تک آپ ہم پر مہربان ہیں۔ باوجود میری عداوت کے مجھ پر نظر کرم ہے۔ مجھے اس میں ذرا تردد ہے۔

حضرت عباس کے سمجھانے سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے عرض کی۔

عباس :۔ یا رسول اللہ۔ ابوسفیان مکہ کے رئیسوں میں سے ہے۔ فخر اسے پسند ہے۔ اس لئے کوئی ایسا اکرام فرمائیں جو اس کے لئے عزت و شرف اور امتیاز کا باعث ہو۔

رسول اللہؐ : اچھا اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے۔

ابوسفیان : یا رسول اللہ! میرے گھر میں سارے لوگ کہاں سما سکتے ہیں؟

رسول اللہؐ : اچھا تو جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔

ابوسفیان :۔ مسجد حرام میں بھی اتنی وسعت نہیں کہ سارے لوگ اس میں سما سکیں۔

رسول اللہؐ : اچھا تو جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے۔ وہ بھی مامون ہے۔

ابوسفیان :۔ واقعی! اس میں سب کی بہتری ہے۔

حضرت عباسؓ رسول پاکؐ کے ارشاد کے مطابق ابوسفیان کو لے کر ایک پہاڑی پر ٹھیر گئے۔ مقصد یہ تھا کہ ابوسفیان، حضورؐ کی رفعت و شان اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مجاہدین صف شکن روانہ ہوتے۔ قبائل آلاتِ حرب سے لیس جوق در جوق گذرنے لگے، تو ابوسفیان یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پکار اٹھا۔

ابوسفیان۔ بخدا، تمہارا بھتیجا تو بہت بڑے ملک کا بادشاہ بن گیا ہے۔

عباسؓ : ابوسفیان۔ یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔

قبائل باری باری گذرنے لگے جو قبیلہ بھی سامنے سے گذرتا، ابوسفیان پوچھتا یہ کون لوگ ہیں۔ آخر میں جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سواری۔ مہاجرین اور انصار کے زرہ پوش جلو میں اس شان سے گذری کہ ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ مہاجرین کے علمبردار حضرت زُبیر تھے اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔

سعد بن عبادہ: (ابوسفیان کو دیکھ کر نہایت ہی جوش سے): آج کا دن یوم کارزار ہے آج کعبہ میں قتل وقتال حلال ہوگا۔

ابوسفیان (گھبراہٹ سے): یہ کون ہیں؟

حضرت عباس: یہ مہاجرین اور انصار کا لشکر ہے۔ جس میں رسول اللہؐ جلوہ فرما ہیں۔

ابوسفیان (حضور کو سامنے دیکھ کر زور سے) یا رسول اللہ! کیا آپ نے سعد بن عبادہ کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی قوم کو قتل کریں؟

یا رسول اللہ! آپ کو اللہ کا، اور قرابتوں کا واسطہ آپ نیکی، حلم اور صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر ہیں۔

رسول اللہؐ: اے ابوسفیان (گھبراؤ نہیں)۔ آج کا دن مہربانی اور صلۂ رحمی کا ہے۔ آج قریش کو سربلندی اور عظمت نصیب ہوگی۔

سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عظمت وشوکت کا دن ہے۔ خانہ کعبہ کی عظمت بحال ہوگی، اس کو غلاف سے مزین کیا جائے گا۔

حضورؐ نے انصار کا علم سعد سے لے کر اُس کے بیٹے کو دے دیا۔ سرورِ ذیشانؐ بصد عجز و نیاز مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے رخِ انور پر مسرت وانبساط کے آثار کے ساتھ تضرع، عجز اور خشیت بھی جھلک رہی تھی۔ آپ نے غسل فرما کر۔ خانہ کعبہ کا قصد کیا۔ چند سرپھروں نے حضرت خالد کی جماعت پر حملہ کیا۔ جس میں ۲ مسلمان شہید ہوئے۔ ۱۳ کافر مارے گئے امن وامان بحال ہوگیا، فتح کی تکمیل ہوگئی۔ حضور سید المرسلینؐ نہایت ہی عاجزی سے مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔ یہ رمضان کی بیسویں تاریخ تھی۔ آپ بابِ کعبہ پر فروکش ہوئے اور خطبہ دیا۔ جس میں نسلی تفاخر بے جا غرور، جیسی بدعات کی بیخ کنی فرمائی۔ خطبہ سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ جبابرۂ قریش ایک طرف کھڑے ہیں، یہ وہی تو تھے جنہوں نے حضورؐ کو ایذائیں دیں مکہ سے نکالا، غریب مسلمانوں پر ستم ڈھائے، اُن کو گھروں سے نکالا ــــ آپ کو لہولہان کیا، مدینہ پر یلغاریں کیں۔

رحمت للعالمین ــ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا۔

رسول اللہؐ: (نہایت خوف انگیز لہجے میں): ۔تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟

قریش: تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔

رسول اللہ: آج تم پر کوئی الزام نہیں۔

جاؤ! آج تم سب آزاد ہو۔

عثمان بن طلحہ:۔

جب آپؐ کعبہ سے باہر آئے تو کلید کعبہ رحمت للعالمین کے دستِ مبارک میں تھی۔ رخِ انور۔ مہِ تاباں کی طرح دمک رہا تھا۔

حضرت علی: (کلید کعبہ آپؐ کے ہاتھ میں دیکھ کر) یا رسول اللہؐ! اللہ آپ پر درود و سلام بھیجے۔ سقایہ کے ساتھ حجابت
بیت اللہ کا شرف بھی ہمیں مرحمت فرمائیں۔
رحمت عالمینؐ :۔ عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟
(عثمان کو بلایا گیا!)
:۔ عثمان! لو۔ یہ کلید کعبہ ہے۔ آج حسن سلوک اور پاس وفا کا دن ہے۔ لو، یہ کلید ہمیشہ کے لئے تمہارے
پاس رہے گی۔ یہ میں نے خود تمہیں نہیں دی۔ یہ اللہ پاک نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے
کوئی تم سے یہ کلید نہیں چھین سکے گا۔
(تھوڑے سے توقف کے بعد) :۔ عثمان! وہ دن یاد ہے میں نے ہجرت مدینہ سے ایک روز پہلے تم
سے یہ کلید طلب کی تھی، تو تم نے نہایت ہی درشتی سے انکار کر دیا تھا۔
اور میں نے کہا تھا۔ عثمان! تم یہ کلید ایک دن میرے ہاتھ میں دیکھو گے اور میں اپنے اختیار سے جس
ہاتھ میں چاہوں گا۔ رکھوں گا۔
تم نے کہا تھا۔ کہ ایسا ہوا تو وہ دن قریش کی بڑی ذلت اور تباہی کا ہوگا۔
اور میں نے کہا تھا کہ نہیں، وہ اس دن آباد اور باعزت ہوں گے۔ یہ اُن کی عظمت کا دن ہوگا۔
عثمان :۔ یا رسول اللہ، بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے چہرہ مبارک بیت اللہ کی طرف تھا، دیر تک اللہ پاک کی حمد و ثنا میں مشغول رہے، صفا کے دامن میں انصار جمع تھے۔ حضورؐ کا یہ استغراق دیکھ کر بعض انصار کی زبانوں سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے،

انصار :۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالےٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور آپ کی زمین — فتح کر دی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں مقیم
ہو جائیں۔ مکہ میں رہ پڑیں اور مدینہ واپس تشریف لے جانے کا ارادہ ترک فرما دیں۔
رسول اللہ: (بات کرنے کو تھے کہ وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ نزول کے بعد)
اے گروہ انصار! کیا تم نے یہ اور یہ باتیں کی ہیں؟
انصار :۔ ہاں۔ یا رسول اللہ!
رسول اللہؐ :۔ تو غور سے سنو، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔ میں نے اللہ کے حکم سے
ہجرت کی ہے۔ اب تو ———
تمہاری زندگی۔ میری زندگی ہے اور تمہاری موت میری موت ہے۔

انصار :- (روتے ہوئے) - یارسول اللہ - (ہمیں معاف فرمائیں) ہمیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو، جس شمع کے ہم پروانے ہیں، وہ شمع ہماری محفل سے نہ اٹھالی جائے - ہم غلامانِ جاں نثار اور خادمانِ وفا شعار ہر قسم کے ایثار کے لیے تیار ہیں - لیکن اللہ اور اس کے رسول کے بارہ میں انتہائی بخیل ہیں -

رحمت للعالمین :- اللہ اور اُس کا رسول تمھیں معذور - لیکن حق پر سمجھتے ہیں -

---

دُعا سے فراغت کے بعد رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عامہ کا آغاز فرمایا - لوگ بیعت کے لیے دامن صفا میں جمع تھے - آپؐ اسلام پر - اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت پر بیعت لیتے گئے - مردوں کے بعد عورتوں کی باری آئی - کہ کی عورتوں کے ساتھ ہندہ - زوجۂ ابوسفیان بھی نقاب اوڑھ کر حاضر ہوئی - اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے حضور کے عم محترم حضرت حمزہؓ کی نعش کی بے حرمتی کرائی تھی - حیا اور ندامت دامن گیر تھی - نقاب اوڑھ کر حاضر ہوئی - اس کے اور حضورؐ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی :-

ہندہ : یارسول اللہ! آپ ہم سے کن چیزوں کا عہد اور میثاق لیتے ہیں؟

رحمت للعالمینؐ : خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا -

ہندہ : یارسول اللہ! آپ ہم سے اُن باتوں کا عہد لیتے ہیں، جن کا اقرار آپ نے مردوں سے نہیں لیا، تاہم ہمیں منظور ہے -

رحمت للعالمینؐ : اور یہ کہ چوری نہیں کریں گی،

ہندہ :- یارسول اللہ! میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے بغیر ان سے پوچھے کچھ لیا کرتی ہوں خدا معلوم، یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں؟

رحمت للعالمینؐ : بقدرِ ضرورت شوہر کے مال سے آنا لے سکتی ہو کہ دستور کے مطابق تیری اور تیرے بچوں کی ضرورت پوری ہو سکے اور یہ کہ زنا نہ کرو گی -

ہندہ : یارسول اللہؐ! کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے؟

رحمت للعالمینؐ : اور اولاد کو قتل نہیں کرو گی -

(مزاح کے انداز میں)

ہندہ :- یارسول اللہؐ! ہم نے بچپن میں انھیں پال پوس کر بڑا کیا - اور آپ نے جنگ بدر میں انھیں مار دیا - لیں آپ اور وہ جانیں -

رحمت للعالمینؐ :- اور کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گی -

ہندہ : خدا کی قسم۔ کسی پر بہتان باندھنا۔ نہایت ہی قبیح فعل ہے اور آپ ہم کو رشد وہدایت اور مکارم اخلاق کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتے۔

رحمت للعالمینؐ :۔ اور کسی کار خیر میں نافرمانی اور حکم عدولی نہیں کروگی۔

ہندہ : ہم اس مجلس میں آپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کے ارادہ سے نہیں آئے۔

(بیعت کرنے کے بعد)

یا رسول اللہ! اسلام سے پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ ہمیں مبغوض نہیں تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن بخدا، اب آپ اور آپ کے چہرہ سے زیادہ مجھے کوئی شے محبوب نہیں۔

رحمت للعالمینؐ : ابھی ـــ میری محبت میں اور اضافہ ہوگا۔

عکرمہ کا معاملہ

غزوہ فتح میں جن اشخاص کو آپؐ نے مباح الدم قرار دیا۔ ان میں سے عبداللہ بن ابی سرح، عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن اسود، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، عبداللہ بن زبعری۔ ہبیرہ بن ابی وہب (تینوں مشہور شاعر تھے) اور ہندہ زوجہ ابوسفیان کو معاف فرما دیا۔ عکرمہ ـ غزوہ فتح میں حضرت خالد کے جیش پر حملہ کرنے والوں میں تھے مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی ام حکیم بنت حارثہ اسلام لائیں اور اپنے خاوند کے لئے امان کی درخواست کی جسے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ وہ یمن پہنچیں اور اپنے خاوند عکرمہ بن ابی جہل کو سمجھا بجھا کر مکہ لے آئیں۔ ابھی وہ پہنچے نہیں تھے کہ حضورؐ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

رحمت للعالمینؐ : عکرمہ مومن ہوکر آ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے باپ کو برا بھلا کہنے لگو، مُردوں کو برا کہنے سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

عکرمہؓ : (خدمت اقدس میں حاضر ہوکر) حضور! یہ میری بیوی حاضر ہے۔ اس نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔

رحمت للعالمینؐ :۔ اس نے سچ کہا، تجھ کو امان ہے۔

عکرمہؓ :۔ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

رحمت للعالمینؐ :۔ شہادت دو کہ اللہ واحد ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھے، حج بیت اللہ کرو، الخ

عکرمہؓ :۔ یا رسول اللہ! بیشک، آپ نے خیر مستحسن اور پسندیدہ باتوں کی دعوت دی ہے۔

یا رسول اللہؐ! اس دعوت سے پیشتر بھی آپ ہم میں سب سے زیادہ پیارے اور نیکوکار تھے۔

(کلمۂ شہادت پڑھنے اور بیعت کرنے کے بعد)

یا رسول اللہؐ! میں اللہ اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں مسلمان، مجاہد اور مہاجر ہوں

یا رسول اللہؐ! آپؐ سے درخواست ہے کہ آپ میرے لیے دُعائے استغفار فرمائیں۔ (حضورؐ دعائے مغفرت فرماتے ہیں)

یا رسول اللہؐ! قسم ہے رب ذوالجلال کی:

جو خرچ میں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے کیا۔ اس سے دو گنا۔ لوگوں کو اللہ کی راہ پر لانے کے لئے کروں گا۔

یا رسول اللہ! جس قدر قتال۔ خدا اور اسکے رسولؐ کے خلاف کیا ہے، اس سے بڑھ کر رب ذوالجلال کی راہ میں کروں گا — اور جس مقام پر جا کر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہے اس مقام پر جا کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں گا۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب المغازی صفحہ ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۸۱

۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب المغازی والسیر۔

۳۔ مسند احمد۔ ۴۔ الکامل۔

۵۔ تاریخ طبری جلد ۱ صـ ۳۸۶ تا صـ ۴۰۸۔

۶۔ ابن ہشام جلد ۲ صـ ۴۶۹ تا ۴۹۶۔

غزوۂ حنین و طائف

حنین مکہ و طائف کے درمیان ہوازن اور بنو ثقیف کے جنگجو قبائل کا مسکن تھا، مکہ کے فتح ہونے کی خبر سن کر ان کے ہوش ٹھکانے نہ رہے، انہوں نے پیش بندی کے طور پر بیس ہزار جنگجو افراد کی جمعیت اکٹھی کی۔ اس میں بنی ہوازن، ثقیف، بنی نصر اور بنی جشم کے قبائل شامل تھے۔ ان کا سردار رئیس قبیلہ مالک بن عوف نصری تھا، یہ لوگ اپنے ساتھ اہل وعیال اور مال مویشی بھی لے آئے۔ ان کے ساتھ جہاں دیدہ، جنگ آزمودہ سردار درید بن صمہ بھی تھا۔ وہ بوڑھا اور نابینا تھا۔ اس نے مالک کو مشورہ دیا کہ اہل وعیال اور مال مویشی کو ساتھ نہ لیا جائے۔ لیکن مالک نے اس کی بات نہ مانی، یہ لوگ اوطاس کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ شوال ۸ھ کو ۱۲۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ حنین کے ارادے سے روانہ ہوئے ان میں ۲۰۰۰ نو مسلم شامل تھے، بعض غیر مسلم بھی ساتھ تھے۔ اس بار انھیں اپنی کثرت پر ناز تھا۔ لیکن اس قسم کی خود پسندی۔ اللہ کو ناپسند ہے۔ لشکر اسلام نے حنین کی وادی کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ صبح کو لشکر وادی میں داخل ہوا، سرور عالمؐ پیچھے پیچھے اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔

ان پر قبائل ہوازن و ثقیف کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے۔ تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ اسلامی لشکر اس اچانک یلغار سے منتشر ہوگیا۔ صرف رفقائے خاص حضورؐ کے ساتھ باقی رہ گئے۔ حضورؐ جلال کا پیکر بن کر پکار اٹھے۔

رسول اللہؐ: میں سچا نبی ہوں، کذاب نہیں۔ اللہ پاک نے مجھ سے جو فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ ضرور پورا ہوگا۔ میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

حضرت عباسؓ: (نہایت ہی بلند آواز سے) اے گروہ انصار! کہاں ہو؟ تم ہی تو تھے جنہوں نے حضور صلعم کو پناہ دی تھی۔ آپ کی امداد کی تھی۔

اے گروہ انصار، مہاجرین۔ کہاں ہو؟ تم وہی تو ہو جنہوں نے درخت کے نیچے اپنے پیغمبر کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی۔ کہاں ہو؟ ادھر آؤ۔ پیغمبر اسلامؐ زندہ ہیں۔

اس آواز میں ایسا اثر تھا کہ جاں نثاران خیر البشرؐ ہر طرف سے پروانہ وار شمع رسالت کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ ایسی بے جگری سے برق کی مانند لشکرِ اعدا پر ٹوٹے کہ دشمن کو بھاگتے ہی بنی۔

رسول اللہ (دشمنوں پر مشت خاک پھینکتے ہوئے) بُرے ہوئے یہ چہرے۔

یہ کہنا تھا کہ میدان دغا دشمنوں سے خالی ہو گیا۔ دشمن کو اہل و عیال اور مال مویشی کا بھی ہوش نہ رہا۔ بے شمار قیدی، اور کثیر مالِ غنیمت لشکرِ اسلام کے ہاتھ آیا۔ جسے جعرانہ منتقل کر دیا گیا۔

لشکرِ اسلام نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ محاصرہ طوالت اختیار کر گیا۔ اس لئے آپ نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ اور لشکر کے ساتھ واپس جعرانہ تشریف لائے۔ مالِ غنیمت میں سے خمس نکال کر باقی لشکرِ اسلام میں تقسیم فرمایا۔ حضورؐ نے تالیف قلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے رؤسائے قریش اور نو مسلموں کو دل کھول کر مال عطا فرمایا۔ اشرافِ قریش کو زیادہ مال ملا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر انصار کے بعض نوجوانوں کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے۔

انصاری:۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش کو تو مالا مال کر دیا اور ہمیں چھوڑ دیا۔ حالاں کہ ہماری تلواروں سے ابھی تک ان کا خون ٹپک رہا ہے۔

مشکلات اور شدائد میں تو ہم بلائے جائیں۔ اور مالِ غنیمت دوسروں کو ملے۔

سعدؓ بن عبادہ نے یہ شکوہ حضورؐ کے گوش گذار کیا:

سعد بن عبادہ:۔ انصار کی اس مالِ غنی کی تقسیم کے بارے میں جو آپؐ کو شکایت ملی ہے۔ ان کو شکایت ہے کہ آپ نے اپنی قوم میں اسے بانٹ دیا ہے قبائل عرب کو زیادہ عطیات ملے ہیں اور انصار محروم رہ گئے۔

رسول اللہؐ: سعد! تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟

سعد: یا رسول اللہ! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔

رسول اللہؐ: سعد! انصار کو اس احاطہ میں جمع کرو۔

(انصار کے مجمع سے)

اے انصار! یہ کیا بات ہے جو میں سن رہا ہوں؟

انصار:- یارسول اللہ! ہمارے سربرآوردہ، سمجھدار اور اہل رائے لوگوں میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی، صرف بعض نوجوانوں سے جذبات میں آکر یہ لغزش سرزد ہوگئی۔

رسول اللہؐ:- اے گروہ انصار! آخر ایسا کیوں؟ شاید تمہارے دلوں میں گرہ پڑ گئی ہے۔ کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم سب گمراہ تھے، پھر میرے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے تمھیں ہدایت نصیب فرمائی تم سب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اللہ نے میرے واسطے سے تمہارے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیئے۔

تم مفلس و نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمھیں صاحب ثروت بنایا؟

انصار: بے شک اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہم پر بیشمار احسانات ہیں۔

رسول اللہؐ: اے گروہ انصار! کیا تم مجھے میرے سوال کا جواب نہ دوگے۔

انصار: یارسول اللہؐ! ہم کیا عرض کریں؟ آپ نے جو فرمایا - بالکل درست ہے - سارا فضل واحسان اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے۔

رسول اللہؐ: نہیں! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو، اور جو تم کہوگے سچ ہوگا اور میں اس کی تصدیق بھی کروں گا۔

اے گروہ انصار—تم کہہ سکتے تھے۔

کہ اے محمدؐ! تم ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ (آپؐ) تم کو اپنوں نے جھٹلا دیا تھا۔ اس وقت ہم نے (آپ کی) تیری تصدیق کی اور (آپ کو) تمہیں سچا تسلیم کیا۔

اپنے سارے تمہارا ساتھ چھوڑ چکے تھے ہم نے تمہاری مدد کی تم کو اپنوں نے بے خانماں کردیا تھا۔ ہم نے تمہیں پناہ دی تم آئے تو خالی ہاتھ تھے۔ ہم نے تیری یاری اور غم گساری کی۔ اے گروہ انصار! کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ دنیا کی چند روزہ سرسبزی و شادابی کے لئے جو متاع قلیل میں نے انھیں اُن کی تالیف قلب کے لئے دی ہے۔ تاکہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

تمہارے ایمان، ایقان اور اذعان پر مجھے اعتماد اور کامل بھروسا ہے - اس اعتماد پر میں نے تمھیں چھوڑ دیا تمہارے دلوں میں میرے بارے میں بھی کچھ خیال آتا ہے؟

اے گروہ انصار! قریش نے قتل و خونریزی، اور قید و بند کے مصائب اٹھائے ہیں — اس عطا اور داد و دہش سے اُن کے نقصانات کی کچھ تلافی مقصود ہے - میری خواہش ہے کہ اُن کے دل اسلام سے مانوس ہوجائیں۔

تم تو ان مصائب سے محفوظ رہے۔

اے گروہِ انصار۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ، بھیڑ اور بکریاں لے کر گھروں کو جائیں

اور تم اللہ کے رسولؐ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ تم جس چیز کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے وہ اس

سے کہیں بہتر ہے جو وہ لے کر جائیں گے۔

بخدا، اگر ہجرت امرالٰہی نہ ہوتا۔ تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔

اگر لوگ کسی ایک راستہ اور وادی میں چلتے اور انصار کسی دوسری گھاٹی میں، تو میں انصار ہی کا رفیق ہوں۔

انصار تو شعار ہیں اور دوسرے لوگ دثار ہیں (شعار جسم کا پہلا کپڑا۔ دثار اوپر والے کپڑے)

اے اللہ! انصار پر رحم فرما۔

انصار کی اولاد پر رحم فرما۔

اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔

انصار: (بے ساختہ روتے ہوئے۔ با چشم و ریش نم)

ہم اس پر دل و جان سے راضی ہیں،

ہم خوش ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حصہ اور ہمارے نصیب میں آئیں،

(اس سے زیادہ خوش بختی کون سی ہے؟)

وفدِ بنی ہوازن

بنو ہوازن کا ۱۴ افراد پر مشتمل ایک وفد رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اسلام قبول کرنے کے بعد سیدالمرسلینؐ کے دست مبارک پر بیعت کی بعد ازاں حضورؐ کی خدمت میں اپنے اہل و عیال اور مال و اموال کی واپسی کے لیے درخواست پیش کی۔ رئیسِ وفد زُہیر بن صُرد۔ کھڑے ہوئے اور گفتگو کا آغاز کیا:

زُہیر: یارسول اللہؐ! ان قیدیوں میں آپؐ کی ماسیاں (خالائیں) آپؐ کی پھوپھیاں شامل ہیں۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جنہوں نے بچپن میں آپ کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا کبھی چھاتی پر لٹایا۔ تو کبھی گود میں لیا۔

ہماری عورتوں نے اگر حارث غسانی اور نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا اور اُن کو ہمارے اوپر یہی اختیار حاصل ہوتا۔ جو آج آپ کو ہم پر حاصل ہے۔ تو اس مصیبت میں ضرور ہمارے کام آتے۔

اور آپ — آپ کی شان تو ان سب سے ارفع و اعلیٰ ہے آپ سب سے بہتر، اور سب سے افضل قرابت دار ہیں،

آپ ہم پر احسان فرمائیں۔ اللہ آپ پر احسان فرمائے گا۔

رحمت للعالمینؐ :۔ اے اہلِ ہوازن! تم نے آنے میں دیر کر دی، مَیں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ اور جب تم نہ آئے تب میں نے مال واسباب اور تمام قیدی غانمین میں تقسیم کر دیئے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کون کون ہیں؟ —

مجھے سب سے زیادہ وہ بات پسند ہے جو سچی ہو، اب یہ بتاؤ کہ تمھیں تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں زیادہ محبوب ہیں، یا اپنا مال واسباب؟

زہیر :۔ یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اہل وعیال اور مال واسباب میں۔ ایک چیز کا اختیار دیا ہے۔ تو سنئے۔

ہم اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتے، آپ کا احسان ہوگا کہ آپ ہمارے اہل وعیال واپس کر دیں۔ ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں۔

رحمت للعالمینؐ :۔ اے اہلِ ہوازن! جو چیز میرے اور بنی عبد المطلب کے حصہ میں آئی ہے۔ مجھے اُس پر اختیار ہے اس لئے وہ سب تمہارا ہے لیکن جو کچھ دوسرے مسلمانوں کے حصہ میں جا چکا ہے۔ اس پر میرا اختیار نہیں ہاں کل صبح / ظہر کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر یہ کہنا :۔

کہ ہم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بنا کر پیش کرتے ہیں کہ آپ ہمارے اہل و عیال (جنھیں تم نے غلام اور باندی بنایا ہے) واپس فرما دیں۔

میں اس وقت تمہیں اپنا اور بنی عبد المطلب کا حصہ بھی دے دوں گا اور مسلمانوں سے سفارش کروں گا کہ وہ اپنا اپنا حصہ تمہیں واپس کر دیں۔

—— دوسرے روز جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو زُہیر نے آپؐ کی ہدایت پر عمل کیا۔ ان کے سربرآوردہ افراد نے نہایت ہی فصاحت وبلاغت سے اپنا مدعا بیان کیا اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ انھیں قیدی واپس کر دیں۔

سید المرسلین رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی اور ارشاد فرمایا۔

رسول اللہؐ : اے لوگو! بنی ہوازن تمہارے بھائی ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ جو چیز میرے حصہ میں آئی ہے یا بنی عبد المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے۔

اے بنو ہوازن، وہ تمہارے حوالے ہے،

میں تمہارے لیے دوسرے لوگوں سے سفارش کرتا ہوں۔

مناسب یہی ہے کہ دوسرے مسلمان بھی اُن کے قیدی واپس کر دیں۔

جو شخص برضا ورغبت ایسا کرنے کو تیار نہیں۔ میں بعد میں اُس کا معاوضہ ادا کروں گا۔

مہاجرین: یا رسول اللہؐ! ہمارے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سارا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

انصار: اے اللہ کے نبی! ہمارے حصّہ کا جو کچھ ہے وہ بطیب خاطر۔ سارا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

بنی تمیم، بنی فزارہ اور بنی سلیم کے بعض افراد اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے، حضورؐ نے اُن سے فرمایا:۔

رسول اللہؐ: اگر کسی کے پاس ان کے قیدی ہوں، وہ ان کو خوشی دلی سے ان کے حوالے کر دیں۔ اگر وہ اس پر راضی نہیں، تو پھر بھی بنو ہوازن کے حوالے کر دیں اُن کو ہر حصہ کے بدلے میں چھ حصّے اُس پہلے مالِ غنیمت سے ملیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کرے گا۔

لوگ: یا رسول اللہ! آپ کی خاطر ہم خوشی سے واپس کرنے کو تیار ہیں۔

رسول اللہ: مجھے معلوم نہیں کہ تم میں سے کون راضی ہے اور کون نہیں اس لئے تم اپنے رئیسوں سے مشورہ کرو۔ وہ ہمیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں۔

رحمت للعالمین کے فرمان، عمل اور سفارش کے نتیجے میں تمام غانمین نے بنو ہوازن کی عورتیں اور بچے خوشی خوشی واپس کر دئے۔ وہ بھی خوشی خوشی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے علاقے کو لَوٹ گئے۔

بی بی شیماؑ

غزوۂ حنین میں اسیر ہونے والے افراد میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی بی بی شیماؑ بھی شامل تھیں۔ بی بی شیماؑ آپؐ کی رضاعی بہن تھیں، انہوں نے مسلمانوں کو بتایا بھی کہ میں آپ کے رسولؐ کی رضاعی بہن ہوں۔ مسلمان چونکہ اُن کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے اُن کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ بی بی شیماؑ اور حضورؐ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:۔

بی بی شیماؑ: یا رسول اللہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہوں۔

رسول اللہؐ: تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔

بی بی شیماؑ: یا رسول اللہ، ہے:۔ ایک روز جب میں نے آپؐ کو پشت پر اٹھا رکھا تھا، آپ نے میری پیٹھ میں دانت گاڑ دیئے تھے۔ اس کا نشان اب تک باقی ہے۔ یہ دیکھیں۔

رسول اللہ: (نشان پہچان کر): مرحبا — آؤ۔ اس چادر پر بیٹھو اور رہاں۔ اگر تم چاہو تو بہت محبت اور عزت کے ساتھ میرے پاس رہ سکتی ہو۔ یہ بات میرے لئے خوشی کا باعث ہوگی، تمہارا بھائی ہوں، اگر تم واپس اپنے

قبیلہ میں جانا چاہتی ہو۔ تو تم کو اختیار ہے۔ آؤ میں تمہیں تحائف و سامان کے ساتھ عزت اور تکریم سے رخصت کر دوں۔

بی بی شیماؓ: برادر مکرم: آپ جو کچھ عنایت فرمانا چاہیں، دے دیں اور مجھے میری قوم میں واپس بھجوا دیں۔
رسول اللہؐ: مجھے منظور ہے۔

آپ نے اپنی رضاعی بہن کو تین غلام، ایک کنیز اور چند بکریاں عطا کیں۔ یہ عنایات کریمانہ دیکھ کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا — اور اپنے وطن لوٹ گئیں۔

۱۔ زاد المعاد جلد ۱، ۲
۲۔ صحیح بخاری جلد ۲، کتاب المغازی ص ۶۱۰ تا ص ۶۱۲
۳۔ صحیح مسلم۔ کتاب المغازی۔
۴۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۳۳ تا ص ۴۵۵۔
۵۔ تاریخ طبری جلد ۱ ص ۴۱ تا ص ۴۳۔

عام الوفود

ضمام بن ثعلبہ

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں (قرآن مجید میں) اس بات کی ہدایت کی گئی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے ضرورت سوالات نہ کیا کریں اس لئے ہم اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ اہل بادیہ میں کوئی اللہ کا بندہ آنکلے۔ وہ حضورؐ سے سوالات کرے اور ہم سنیں۔ اتفاقاً ایک گنوار شخص اونٹنی پر سوار وہاں آن پہنچا۔ اونٹنی کو مسجد کے اندر لایا اور اُسے دروازے سے باندھ دیا۔ خود بیباکی سے حضور کی مجلس میں درآیا۔

ضمام:۔ ابن عبد المطلب کون ہے؟
رسول اللہؐ:۔ میں ہوں ابن عبد المطلب۔

ضمام: میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ مجھے میرے قبیلہ والوں نے حقیقت حال معلوم کرنے کو بھیجا ہے۔ میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میرا لہجہ سخت اور درشت ہے، امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔

رسول اللہؐ:۔ جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ میں دل میں میل نہیں لاؤں گا۔

ضمام: اے محمدؐ! آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کے رب کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟

رسول اللہؐ :- ہاں خدا گواہ ہے۔ اُس نے سچ کہا۔ ایسا ہی ہے۔

ضمام : آسمان کس نے بنایا ہے؟

رسول اللہ : اللہ نے۔

ضمام : اور زمین کا خالق کون ہے؟

رسول اللہ : اللہ۔

ضمام : اچھا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کئے، ان میں قسم قسم کی چیزیں کس نے پیدا کیں۔

رسول اللہؐ : اللہ نے۔

ضمام : اُسی کی قسم ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے، سچ بتائیں کیا واقعی اللہ تعالےٰ نے آپ کو رسول بنایا ہے۔

رسول اللہؐ۔ ہاں۔

ضمام : آپ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی کہا تھا کہ دن رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔

رسول اللہؐ : اس نے سچ کہا۔

ضمام : اس ذات کی قسم، جس نے آپؐ کو پیغمبر بنایا۔ سچ بتائیے۔ کیا واقعی اللہ تعالےٰ نے اس کا آپؐ کو حکم دیا ہے؟

رسول اللہؐ : ہاں

ضمام :- آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے اموال پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے،

رسول اللہؐ :- اس نے سچی بات کہی۔

ضمام : اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس تعلیم کا حکم دیا ہے۔

رسول اکرمؐ : ہاں

ضمام :- آپ کے ایلچی نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم پر سال میں ایک ماہ (ماہِ رمضان) کے روزے فرض ہیں۔

رسول اللہؐ۔ ہاں، اس نے درست کہا۔

ضمام : اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ کیا اُسی نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہؐ :- ہاں

ضمام : آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم میں ہر اس شخص پر جو صاحب استطاعت ہو، حج فرض ہے۔

رسول اللہؐ : میرے سفیر نے سچ کہا۔

ضمام :- اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث کیا، کیا یہ اُسی کا حکم ہے۔

رسول اللہؐ — ہاں

ضمام : اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر مبعوث کیا ہے ۔ نہ تو میں ان احکام میں کچھ زیادتی کروں گا اور نہ کمی جو دین آپ لائے ہیں۔ میں اس کو قبول کر چکا ہوں ۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں، جو میرے پیچھے ہے۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے،

میں بنو سعد بن بکر کا بھائی ہوں،

رسول اللہ: اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو یقیناً جنت میں جائے گا۔

۱- احمد و مسلم / بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۱ صد ۵۴۶

۲- صحیح بخاری جلد ۱ کتاب العلم ص ۵۹ - ۶۱

وفد عبد القیس

ابی جمرہؓ حضرت عباسؓ سے روایت کرتے ہیں ۔

جب عبد القیس کا وفد مدینہ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے استفسار فرمایا۔

رسول اللہؐ :- یہ کون لوگ ہیں ۔

صحابہؓ : یا رسول اللہ یہ قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں ۔

رسول اللہؐ : مرحبا۔ خوش آمدید۔ (تم لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا) نہ تو دنیا میں رسوائی کی نوبت آئی اور نہ آخرت میں شرمندہ ہوگے

عبد القیس :- یا رسول اللہ! ہم ایک لمبی مسافت طے کرکے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں ۔
اے اللہ کے نبی! آپ کے اور ہمارے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں۔ یہ جنگجو اور جھگڑالو ہیں اس لیے ہم آپ کی خدمت میں اشہر حُرُم (حرام مہینے۔ جن میں جنگ ممنوع ہے) ہی میں حاضری دے سکتے ہیں ۔ اس لئے آپ ہمیں مختصر مگر واضح تعلیمات تبلا دیں۔ جن پر ہم خود بھی عمل کرتے رہیں اور ہمارے قبیلے کے دیگر افراد بھی ۔
ایسی تعلیمات جن پر عمل کرکے ہم جنت کے حق دار بنیں ۔
یا رسول اللہؐ — ان برتنوں سے متعلق بھی ہمیں آگاہ فرمائیں ۔ جن میں نبیذ پی جاتی ہے ان کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟

رسول اللہ :- اے عبد القیس کے لوگو! میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں،
یہ کہ صرف اللہ پر ایمان لائیں، جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان کیوں کر لایا جاتا ہے؟

عبدالقیس: یا رسول اللہ: اللہ اور اللہ کے رسول کو ہی علم ہے۔
رسول اللہؐ: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے لاشریک ہے۔ صرف وہی ذات عبادت کے لائق ہے۔
اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں۔
نماز قائم کرو۔
اپنے اموال میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔
اے ربیعہ کے لوگو! میں چار چیزوں کے استعمال نہ کرنے کا تمہیں حکم دیتا ہوں وہ چار چیزیں یہ ہیں:
روغنی ٹھلیا (حنتم)، کدو کے تونبے (دُبا) کریدے ہوئے لکڑی کے برتن (نقیر) اور زفت کے روغن لگے برتن کے استعمال سے اپنا آپ روکیں۔
عبدالقیس:- اے اللہ کے رسول! آپ کو کیا معلوم کہ نقیر کیا ہوتی ہے؟
رسول اللہ:- اے عبدالقیس۔ خوب جانتا ہوں، تم کھجور کے تنے میں زخم لگا کر اُس کا رس نکالتے ہو۔ اس میں کھجوریں ڈال کر جب پانی ملاتے ہو، تو اس میں اُبال پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ جوش بیٹھ جاتا ہے تو لے پیتے ہو۔
عبدالقیس: یا رسول اللہ! تو پھر ہم پانی پینے کے لئے کس قسم کے برتن استعمال کریں۔
رسول اللہ: چمڑے کی مشکیں استعمال کریں، جن کا منہ بندھا ہوا ہو۔
عبدالقیس: یا رسول اللہ۔ ہمارے یہاں چوہوں کی کثرت ہے۔ وہ چمڑے کی مشکیں کاٹ کر خراب کر دیتے ہیں۔
رسول اللہ: کچھ بھی ہو، (اسے استعمال کریں)۔
اور ہاں۔ ان باتوں کو خوب یاد کر لو، جو لوگ نہیں آسکے اور جو تمہارے اس طرف رہتے ہیں، ان کو بھی ان تعلیمات سے آگاہ کرو۔

وفد عبدالقیس (جاری) ایک نصرانی کا قبول اسلام۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ وفد عبدالقیس کے ہمراہ ایک نصرانی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا نام جارود بن علاء تھا۔ اس کے اور حضور صلعم کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔
جارود نصرانی:- یا رسول اللہؐ میں پہلے سے ایک دین (عیسائیت) کا پیروکار ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کے دین کی خاطر میں اپنے دین کو ترک کر دوں۔ میرے ساتھی بھی آپ کے دین میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔

کیا آپ ہمارے ضامن بن سکتے ہیں ؟

رسول اللہؐ : ہاں میں ضمانت دینے کو تیار ہوں، کیوں کہ جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں، وہ اس دین سے کہیں بہتر ہے۔ جس پر اب تم ہو۔

۱۔ زادالمعاد جلد ۳ ، صفحہ ۹۷ بحوالہ رحمت للعالمین
۲۔ صحیح مسلم بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۵۵
۳۔ صحیح بخاری جلد اول، کتاب الایمان صفحہ ۵
۴۔ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۷۷ - ۹۰

عدیؓ بن حاتم طائی

۹ھ۔ ربیع الاول کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم حضرت علی کی قیادت میں طے کے علاقے کی طرف بھیجی لشکر اسلام کی آمد کی خبر سنتے ہی عدی بن حاتم ۔ معہ اپنے اہل وعیال کے شام کی طرف فرار ہوگیا۔ حضرت علیؓ نے طے کے بہت سارے لوگوں کو قید کیا ، ان میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ یہ ایک بھاری بھرکم لیکن مدبر عورت تھی۔ یہ قیدی مدینہ لائے گئے ۔ اور انھیں مسجد نبوی کے قریب ایک حظیرہ میں رکھا گیا۔ سفانہ بھی اُن کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف سے گذر ہوا ، تو سفانہ نے حضورؐ کی خدمت میں التجا کی :

سفانہ :۔ میں سردار قوم کی بیٹی ہوں، میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا ، وہ مرگیا۔ اور مجھے فدیہ دے کر چھڑانے والا فرار ہوگیا۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں اللہ تعالےٰ آپ پر احسان فرمائے گا ۔

رسول اللہؐ : تمہارا فدیہ دینے والا کون ہے ؟

سفانہ : عدی بن حاتم۔ میرا بھائی ۔

یہ سن کر حضورؐ چلے گئے دوسرے دن حضورؐ پھر وہیں سے گذرے ۔ اگرچہ میں مایوس تھی۔ پھر بھی ہمت کر کے آپؐ کے قریب گئی اور التجا کی :

سفانہ :۔ میرا باپ مرچکا ہے، چھڑانے والا بھاگ گیا ہے آپ مجھ پر احسان فرما کر آزاد کردیں اللہ آپؐ پر احسان فرمائے گا ۔

رسول اللہؐ : کون ہے تمہارا چھڑانے والا۔

سفانہ : میرا بھائی ۔ عدی بن حاتم ۔

رسول اللہؐ : وہی جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے فرار ہوا ہے ۔ تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں میں نے تمہاری درخواست قبول ہے۔ اور میں تجھ پر احسان کرتا ہوں ، بہتر ہے جانے میں عجلت نہ کرو، میں چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم کا کوئی قابلِ اعتماد شخص مل جائے تو تمہیں اس کے ہمراہ بھیج دوں ۔

(حضورؐ نے سفانہ کو سواری اور لباس عطا فرمایا۔ جب آپؐ اُسے رخصت فرمانے لگے تو بولی :-)

سفانہ : خدا کرے وہ ہاتھ تیرا ہمیشہ شکر گذار رہے جو خوشحالی کے بعد فقیر اور خالی ہو۔
اور وہ ہاتھ آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقر کے بعد امیر ہو۔

سفانہ جب شام پہنچی تو سیدھا اپنے بھائی کے پاس گئی۔ تو بولی۔

سفانہ : او قطع رحمی کرنے والے ظالم۔ تجھے اپنے بال بچے تو عزیز تھے۔ اُن کو حفاظت سے اپنے ساتھ لے آیا لیکن اپنے باپ کی امانت کو چھوڑ دیا۔ جس کی حفاظت تیرا فرض تھا۔

عدی : میری بہن! خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میں واقعی ظالم ہوں، میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ ہاں تو، سفانہ! تم نے اُن صاحب (رسول اللہؐ) کو کیسا پایا؟

سفانہ : خدا کی قسم۔ میری مانو تو تم فوراً جا کر اُن سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو اُن کی طرف پیش قدمی میں سبقت کرنا تیرے لیے فضیلت کا باعث ہے۔ اور اگر وہ بادشاہ ہیں۔ تو ان کے پاس جانے میں تمہاری ذلت نہیں اور تم، تم ہی رہو گے۔

عدی : خدا کی قسم، تم نے مجھے بہت ہی نیک مشورہ دیا ہے۔

عدی بیان کرتے ہیں :-

میں شام سے سیدھا مدینہ پہنچا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تھے۔ میں مسجد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سامنے جا کر سلام عرض کیا۔

رسول اللہؐ : کون!

عدی :- یا رسول اللہ! عدی بن حاتم۔

سرورِ عالم کھڑے ہو گئے۔ مجھے لے کر آپ گھر کی طرف چلے تو ایک ضعیفہ مل گئی۔ جس نے آپ کو روک لیا۔ آپ بڑی دیر تک نہایت تحمل سے اُس کی باتیں سنتے رہے۔ میرے دل نے فیصلہ کیا کہ "خدا کی قسم۔ یہ بادشاہ نہیں" بڑھیا سے فارغ ہو کر آپ مجھے گھر لے گئے۔ آپ نے چمڑے کا ایک گدا میری طرف بڑھایا اور فرمایا۔

رسول اللہؐ :- عدی! اس پر بیٹھ جاؤ۔

عدی : نہیں حضورؐ۔ آپ ہی اس پر بیٹھیں۔

رسول اللہؐ : (اصرار کے ساتھ) نہیں، تم بیٹھو۔

چنانچہ میں گدے پر بیٹھ گیا۔ جبکہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود زمین پر بیٹھ گئے۔

عدی : (اپنے آپ سے) خدا کی قسم۔ یہ کام کسی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔

رسول اکرمؐ :- اے عدی۔ کیا تم رکوسی نہیں ہو؟

عدی : جی ہاں!

رسول اکرمؐ :۔ تم تو اپنی قوم سے پیداوار کا چوتھا حصّہ لیتے ہو۔

عدی : جی ہاں!

رسول اللہؐ :۔ لیکن ایسا کرنا تو تیرے دین میں جائز نہیں۔

عدی :۔ یا رسول اللہ۔ خدا کی قسم آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ (جی ہی جی میں) خدا کی قسم۔ یہ نبی مرسل ہیں کہ آپ کو اُن باتوں کا بھی علم ہے۔ جو دوسرے نہیں جانتے۔

رسول اللہؐ : اسے عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر مانع ہے کہ مسلمان غریب ہیں، خدا کی قسم وہ وقت دور نہیں جب مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہو گی کہ کوئی شخص مال لینے والا باقی نہ رہے گا۔

اسے عدی : شاید تمھیں اس دین میں داخل ہونے سے یہ چیز روک رہی ہے کہ ہم مسلمان تعداد میں تھوڑے ہیں۔ جبکہ ہمارے دشمن کثیر تعداد میں۔

خدا کی قسم وہ گھڑی قریب ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور بیت اللہ کا حج کرے گی اور اُسے کسی کا ڈر خوف نہیں ہوگا۔

اے عدی!۔ اے عدی۔ اس دین میں داخل ہونے سے تم اس لئے بھی ہچکچا رہے ہو کہ حکومت اور سلطنت دوسری قوموں کے ہاتھ میں ہے۔ واللہ۔ وہ وقت دور نہیں جب تو خود اپنے کانوں سے سن لے گا کہ ارض بابل کے سفید محل مسلمانوں نے فتح کر لئے ہیں۔

اے عدی!۔ بتاؤ۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے میں تمھیں کیا تامل ہے۔
کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہو سکتا ہے۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص۲۱۲ تا ص۲۱۶
۲۔ تاریخ طبری جلد ۳ ص۴۴۶ - ۴۴۹
۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۱،

ثمامہ ابن اُثال

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔ یہ سوار ایک نجدی کو گرفتار کرکے لے آئے۔ جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ انہوں نے حضورؐ کے حکم سے ثمامہ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آپؐ اس کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا :

رسول اللہؐ:- اے ثمامہ! کہو، کس حال میں ہو؟

ثمامہ:- ٹھیک ہوں اے محمدؐ! اگر مجھے قتل کر دو۔ تو یہ قتل ایک ایسے شخص کا ہوگا جو اپنی قوم کا سردار ہے۔
اگر احسان کرو، تو اُسے احسان فراموش نہیں پاؤ گے اور اگر میرے بدلے مال چاہتے ہیں۔
تو جتنا بھی طلب کرو حاضر ہے۔

آپ نے اتنی ہی گفتگو فرمائی۔ ثمامہ کو اِسی حال میں چھوڑا اور تشریف لے گئے۔ دوسرے دن پھر تشریف لائے اور فرمایا۔

رسول اللہؐ:- یہ تو ثمامہ! اب کیا خیال ہے؟

ثمامہ:- اے محمدؐ! میرا اب بھی وہی خیال ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔
اگر احسان کرو گے۔ تو مجھے شکر گذار پاؤ گے۔

دوسرے دن بھی آپ ثمامہ کو اُسی حال میں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ تیسرے دن پھر وہاں آئے تو فرمایا:

رسول اللہؐ:- ثمامہ! کیسا حال ہے؟

ثمامہ: میں تو عرض کر چکا ہوں۔

رسول اللہ:- ثمامہ، مبارک ہو۔ تمہیں رہا کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اُسے رہا کر دیا گیا، ثمامہ مسجد کے قریب کھجوروں کے ایک باغ میں گیا، وہاں پر غسل کیا۔ اس کے بعد مسجد نبوی میں حاضری دی ــــ اور کہا۔

ثمامہ:- میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

(حضور کو مخاطب کرتے ہوئے)

یا محمدؐ! آج سے پہلے روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کسی چہرے پر غصہ نہیں آتا تھا لیکن آج آپ کا رُخِ انور میرے لیے محبوب ترین چہرہ ہے۔ خدا کی قسم، آپ کے دین سے زیادہ مجھے کسی دین سے نفرت نہ تھی۔ پر آج میرا محبوب ترین دین یہ ہے۔ خدا کی قسم، آپ کے شہر سے زیادہ مجھے کسی دوسرے شہر سے نفرت نہیں تھی، اب یہ شہر، مجھے تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔

یارسول اللہ! آپ کے سواروں نے مجھے عین اُس وقت گرفتار کیا۔ جب میں عمرہ کی نیت سے کہ جا رہا تھا۔ فرمایئے۔ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔

رسول اللہؐ:- بشارت ہو تمہیں۔ جاؤ اور عمرہ ادا کرو۔

جب ثمامہؓ ــ عمرہ کے لیے کہ پہنچے تو وہاں کافروں سے یہ گفتگو ہوئی۔

ایک کافر :- ثمامہ! اسنا ہے تم بے دین ہو گئے ہو۔

ثمامہ :- ہرگز نہیں، میں تو اللہ کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی۔ جس نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں دیں گے۔ تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آنے کا۔

۱۔ صحیح بخاری : جلد ۲، کتاب المغازی صد ۲۲۹-۲۳۰

۲۔ ترجمان السنۃ جلد ۲ صد ۱۵۷ - ۱۵۶

ابورزین عقیلی

ابورزین عقیلی مدینہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہ گفتگو ہوئی :-

ابورزین : یارسول اللہ- ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟

رسول اللہؐ :- تو اس بات کی شہادت دے کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ جو وحدہٗ لاشریک ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ اور اللہ کا رسول تجھے تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

کسی کو اللہ کا شریک ہرگز نہ ٹھیراؤ چاہے اس کے لئے تمہیں آگ میں بھی کودنا پڑے۔

ان لوگوں سے بھی تمہیں محبت ہو، جن سے رشتہ اور نسب کا تعلق بھی نہ ہو۔

جس وقت تم ان خوبیوں کے حامل بن جاؤ، تو سمجھ لو کہ تمہارے دل میں ایمان کی حلاوت ایسی رچ بس گئی ہے۔ جیسے شدت کی گرمی میں کسی پیاسے کے دل میں پانی کی محبت۔

ابورزین :- یارسول اللہ- اس بات کا مجھے کیسے علم ہوگا کہ میرا ایمان کامل ہو گیا ہے۔

رسول اللہؐ :- میری امت میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں کہ جب نیکی کرے تو اس کو عزور ہو کہ میں نے نیکی کی ہے- ہاں اُسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کا اجر اللہ تعالےٰ عطا کریں گے۔

لیکن جب کوئی بُرائی کرے تو اُسے محسوس ہو کہ یہ بُرائی ہے- اس کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور توبہ کرے۔

اور یہ یقین رکھے کہ سوائے اُس ذات پاک کے کوئی بخشنے والا نہیں۔

— جب یہ صفات پائی جائیں۔ تو سمجھو کہ ایسا شخص یقیناً مومن کامل ہے۔

(مسند احمد بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۱ صد ۱۵۵)

ابن المنفتق

ابن المنفتق حضورؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں میدان عرفات پہنچا۔ اُس کے اور حضورؐ کے درمیان یہ بات چیت ہوئی،

ابن المنفتق :۔ یارسول! میں دو باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں آتش دوزخ سے مجھے کونسا عمل بچا سکتا ہے؟
جنتی بننے کے لئے کیا عمل چاہیے۔؟

رسول اللہؐ :۔ اے سائل! سوال تو تو نے نہایت مختصر کیا مگر بات بڑی ہی طویل دریافت کی۔
غور سے سنو!
صرف خدائے واحد کی عبادت کرو۔
کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔
فرض نماز اچھے طریقے سے ادا کیا کرو۔
اپنے اموال میں زکوٰۃ ادا کرو۔
رمضان کے روزے رکھو۔
اور جو بات تو پسند کرتا ہے کہ لوگ تیرے ساتھ کریں۔ ویسا ہی تو اُن کے ساتھ کر۔
اور جو بات تو اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کر۔

(۔صحیح بخاری۔ کتاب الحج)

معاویہ بن حیدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چیت

معاویہ بن حیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تو اُن کے درمیان یہ بات چیت ہوئی۔

معاویہ :۔ یارسول اللہ! میں بیسیوں مرتبہ قسم کھا چکا تھا کہ میں نہ تو آپ کے پاس حاضر ہوں گا۔ اور نہ ہی آپ کا دین قبول کروں گا ــــ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اے اللہ کے نبیؐ! میں قطعاً بے علم شخص ہوں، ناسمجھ ہوں بس وہی میرے لئے کافی ہے، جو اللہ اور اللہ کا رسول مجھے بتا دے۔
میں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ اللہ پاک نے آپ کو ہمارے پاس کیا کیا احکام دے کر بھیجا ہے؟

رسول اللہؐ :۔ (سب سے پہلے) اسلام کا حکم دیا ہے۔

معاویہ :۔ اسلام کیا ہے؟

رسول اللہؐ :۔ اسلام یہ ہے کہ تو اقرار کرے کہ میں اپنا آپ اللہ کے سپرد کر چکا۔ کفر و شرک ترک کر دے۔
نماز پڑھے۔ زکوٰۃ دے۔
تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ انھیں ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے کام آنا

چاہیے جو شخص اسلام لانے کے بعد شرک کرے۔
اس کے سارے اعمال اکارت گئے۔
جب تک وہ انھیں چھوڑ کر۔ پھر سے اسلام قبول نہ کرے۔
(تمام لوگوں سے) - عجیب بات ہے، میں تو تمھیں پکڑ پکڑ کے نار جہنم سے بچانا چاہتا ہوں (اور تم ایک نہیں سنتے)
سن لو، میرا پروردگار (قیامت کے روز) مجھے طلب فرمائے گا۔ وہ مجھ سے یقیناً پوچھے گا۔ کہ تم نے
میرے بندوں کو میرا پیغام پہنچا دیا۔
میں عرض کروں گا — اے میرے اللہ! میں نے پہنچا دیا۔
سن لو۔ غور سے سنو،۔
جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ میرا پیغام اُن تک بھی پہنچا دیں۔ جو یہاں نہیں۔
سنو! پھر تم بھی بلائے جاؤ گے، اور تم غلط بات نہیں کہہ سکو گے۔
سب سے پہلے انسانی بدن کے جوڑے بیان دیں گے۔
وہ تمہاری رانیں — اور ہاتھ ہوں گے۔

معاویہ :- یا رسول اللہ — بس، ہمارا دین یہ ہے؟
رسولؐ اللہ: ہاں — یہ تو تمہارا دین ہے۔ بھلائی جہاں بھی کرو گے، تمہارے حق میں، کافی ہوگی۔
(احمد، حاکم۔ بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۵۸۰)

سوید ازدی کا وفد

سوید ازدی بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے سات آدمی جناب سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بات چیت شروع کی تو آپؐ کو ہمارا انداز بہت بھایا۔ آپ نے فرمایا:

رسول اللہؐ :- تم کون لوگ ہو؟

سوید :- یا رسول اللہ! مسلمان

رسول اللہ (تبسم فرماتے ہوئے) : لوگو! ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے بتاؤ۔ تمہارے قول اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

سوید : یا رسول اللہ! پندرہ چیزیں ہیں۔ جن پر ہم قائم ہیں ان میں پانچ تو ایسی ہیں، جن کے متعلق آپ کے سفیروں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اُن پر یقین رکھیں۔
دوسری پانچ ایسی ہیں۔ جن کے متعلق حکم دیا ہے کہ اُن پر عمل کریں۔

اور تیسری پانچ وہ ہیں۔ جن پر ہم زمانۂ جاہلیت سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں، اور اب بھی اُن پہ ہمارا عمل ہے اگر آپ ناپسند نہ کریں تو ہم انھیں ترک کر دیں گے۔

رسول اللہ: وہ پانچ باتیں کونسی ہیں جن پر یقین رکھنا ضروری ہے۔

سوید: یہ کہ ہم اللہ، اُس کے رسولوں، اس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں پر ایمان لے آئیں اور یہ یقین رکھیں کہ موت کے بعد بھی زندگی ہے۔

رسول اللہ: وہ پانچ باتیں کون سی ہیں۔ جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔؟

سوید: یارسول اللہ یہ کہ: ہم اقرار کریں اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج بھی کریں۔

رسول اللہ: اچھا تو وہ پانچ باتیں کونسی ہیں۔ جن پہ تم زمانۂ جاہلیت سے عمل پیرا ہو؟

سوید: یارسول اللہ۔ وہ یہ ہیں۔

و فراخی میں شکر کرنا۔
و مصائب میں صبر کرنا۔
و تقدیر پر راضی رہنا۔
و جنگ میں ثابت قدم رہنا
و اور دشمنوں کو مصائب میں گھرا دیکھ کر خوشی نہ منانا۔

رسول اللہ: سبحان اللہ۔ تم تو سارے دانا و بینا نکلے۔

اچھا تو اب پانچ مزید باتوں کی میں تمھیں تلقین کرتا ہوں تاکہ مل ملا کر بیس بن جائیں۔ اگر بات ایسی ہے جیسی کہ تم نے ذکر کی ہے تو:

۱۔ ضرورت سے زیادہ خوراک ذخیرہ نہ کرو۔
۲۔ ضرورت سے زیادہ مکانات تعمیر نہ کرو۔
۳۔ ہر چیز پائیدار نہیں۔ جسے تم نے اسی دنیا میں چھوڑ دینا ہے۔ اس میں مسابقت کی کوشش نہ کرو۔
۴۔ خدائے واحد کا خوف دل میں رکھو، اُسی کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے۔ اور اسی کے سامنے تم نے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔
۵۔ اُس گھر کی فکر کرو۔ جہاں تم نے ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔

شرح المواہب: بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۱ ص ۵۰۸۔

وفد کندہ

حج کے موقع پر جب حضرت علیؓ نے اعلان کیا۔ تو خصوصاً جنوبی یمن کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ آنے شروع ہوئے۔ انھیں میں اسی سواروں پر مشتمل۔ ایک وفد اپنے رئیس اشعث بن قیس کی سرکردگی میں مدینہ پہنچا۔ لباس تبدیل کئے اور خوب سج سج سے مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کے جبّوں کے استر ریشمین تھے۔ جن پر خوب صورت نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا۔ اور زلفیں کندھوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ ان کو دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا:۔

رسول اللہؐ: کیا تم لوگ ابھی تک اسلام نہیں لائے؟

اشعث: یا رسول اللہ۔ خدا کے فضل سے ہم سب مسلمان ہیں۔

رسول اللہ: پھر یہ ریشمیں لباس کیوں پہن رکھے ہیں؟

(یہ سنتے ہی سب نے اپنے ریشمیں جبّے تار تار کر دیئے۔)

رئیس وفد نے عرض کی:۔

اشعث: یا رسول اللہ! ہم دونوں آکل المرار کی اولاد ہیں۔

رسول اللہؐ (تبسم فرماتے ہوئے)۔ اے لوگو! آکل المرار کی اولاد میں سے ہونے کا فخر اگر ہوگا۔ تو عباس بن عبد المطلب اور ربیعہ بن حارث کو۔ میں تو اُس کی اولاد میں سے نہیں، ہم تو نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ ہم لوگ اپنا نسب ماں کی طرف سے نہیں ملتے، بلکہ اپنے باپ کی نسبت سے مانتے ہیں۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صہ ۱۲۲)

وفد اشعریین

جب یمن کا وفد مدینہ کے قریب پہنچا تو صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی:۔

صحابہ:۔ یا رسول اللہ ایک جماعت آرہی ہے۔ جو نہایت ہی رقیق القلب ہے۔

رسول اللہ (وفد کے پہنچنے پر) اہل یمن آن پہنچے۔

ایمان بھی یمن والوں کا ہے اور حکمت بھی،

ان کے دل نہایت رقیق۔ اور طبائع نرم ہیں۔

اہل یمن: یا رسول اللہؐ! ہم آپؐ کی خدمت میں اس خاطر حاضر ہوئے ہیں کہ آپؐ سے دین کی سمجھ حاصل کریں آپؐ تکوین عالم کی ابتداء، اور آغاز سے متعلق کچھ فرمائیں۔

رسول اللہؐ:۔ اے اہل یمن! غور سے سنو!

جب کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ تو خُدا تھا۔
اُس کا عرش پانی پر تھا۔
پھر اُس نے آسمان و زمین کی تخلیق فرمائی
اور ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا۔

بخاری / فتح الباری بحوالہ سیرت المصطفٰےؐ جلد ۳ ص ۲۷۵۔

وفد بنو حارث

بنو حارث نجران کا ایک معزز قبیلہ تھا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو اُن لوگوں کیطرف بھیجا۔ آپ نے خالدؓ کو ہدایت فرمائی کہ تین دن تک دعوتِ اسلام دیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔ ہاں اگر پھر بھی وہ اسلام نہ لائیں۔ تو پھر اُن سے جنگ کرنا۔ حضرت خالد کی دعوت پر اُن لوگوں نے لبیک کہا۔ اطراف و جوانب کے لوگوں نے بھی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ اس خوش خبری کی اطلاع حضرت خالدؓ نے آپؐ کو ایک خط کے ذریعہ دی۔ جس کے جواب میں حضورؐ نے خالد کو ہدایت کی کہ وہ بنو حارث کا ایک وفد لے کر آئیں۔ چنانچہ حضرت خالد بنی حارث کا ایک وفد لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے جب وفد کے ارکان کو دیکھا تو فرمایا:۔

رسول اللہؐ :۔ یہ کون لوگ ہیں۔ جو ہندوستان کے لوگوں سے ملتے جُلتے ہیں؟

بنو حارث :۔ یا رسول اللہ! ہمارا تعلق بنی حرث بن کعب سے ہے۔ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ خُدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد ہے۔ لاشریک ہے۔ اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہؐ :۔ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

سنو، تم وہ لوگ ہو، کہ جنھیں جب للکارا جائے۔ تو آگے بڑھ کر جرأت سے مقابلہ کرتے ہو۔

اہلِ وفد خاموش رہے۔ حضورؐ نے اس بات کا تین بار اعادہ فرمایا۔ جب چوتھی بار اسے دہرایا۔ تو اہلِ وفد میں سے ایک شخص یزید بن عبدالمدان نے عرض کیا

یزید بن عبدالمدان :۔ ہاں، اے اللہ کے رسول! ہم وہ ہیں کہ جب ہمیں للکارا جاتا ہے تو ہم پیش قدمی کر کے جرأت سے مقابلہ کرتے ہیں۔

رسول اللہؐ : اگر خالد مجھے یہ نہ لکھتے کہ تم اسلام لے آئے ہو، اور تم نے قتال نہیں کیا۔ تو میں تمہارے سروں کو تمہارے قدموں کے نیچے بچھا دیتا۔

یزید بن عبدالمدان :۔ اللہ کی قسم نہ ہم نے آپؐ کی حمد و ثنا کی نہ خالد کی ۔

رسول اللہؐ :- پھر کس کی ثناخوانی کی؟

یزید بن عبدالمدان :- یارسول اللہ۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس نے ہمیں آپ کے واسطے سے سیدھی راہ دکھائی۔

رسول اللہؐ :- تم نے سچ کہا،

ہاں۔ یہ تو بتاؤ کہ زمانہ جاہلیت میں تم اپنے دشمنوں پر کیوں کر غالب رہتے ؟

یزید :- یارسول اللہ! ہم تے تو کسی کو مغلوب نہیں کیا

رسول اللہؐ : کیوں نہیں، جن لوگوں نے بھی تمہارے خلاف جنگ کی۔ تم ان پر غالب رہے۔

یزید : یارسول اللہؐ! ہم اپنے دشمنوں پر اس لئے غالب رہتے کہ ہم متحد ہیں - آپس میں اختلاف نہیں کرتے۔ آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہیں کرتے - ہم کسی پر ظلم میں پہل نہیں کرتے - سختی اور تنگی کے وقت صبر کرتے ہیں۔

رسول اللہؐ : بجا - تم نے سچ کہا - آج سے قیس بن حصین تمہارا امیر ہے۔

سیرت ابن ہشام جلد ۲ صہ ۲۲۹ تا ۲۳۱ ۔

وفد بنو ثقیف

ابن اسحاق کا بیان ہے - رسول اللہ جب غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے - تو ان دنوں بنو ثقیف کا وفد جو چھ افراد پر مشتمل تھا۔ مدینہ پہنچا - مغیرہ بن شعبہؓ نے اُن کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے اپنے اونٹوں کو چھوڑ دیا - کیوں کہ یہ اُن کے ہم جد تھے اس کی اطلاع دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے - راستہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ان کو مل گئے ـــ انہوں نے مغیرہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس وفد کی آمد کی اطلاع جناب رسالتمآبؐ کو دیں گے ـ مغیرہ واپس ہوئے اور اپنے بھائیوں بنو ثقیف کے پاس پہنچے - حضرت مغیرہ نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے آداب بتائے - اس کے باوجود بھی انہوں نے جاہلیت کے طور طریق برتے - جب یہ لوگ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے - تو آپؐ نے اُن کے لیے مسجد کے ایک کونے میں خیمہ لگوادیا - خالد بن سعید بن العاص نے بنو ثقیف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سفیر کے فرائض انجام دیئے ـــ حضرت مغیرہؓ بھی ان کے قریب رہنے کی کوشش کرتے - بنو ثقیف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہ بات چیت ہوئی -

بنو ثقیف نے چند ایک مطالبات بھی پیش کئے۔

بنو ثقیف : اے صاحب! ہم نے آپ کی باتیں غور سے سنیں - آپ اپنی ذات پر ایمان لانے کی تاکید فرماتے ہیں - لیکن اپنے رسول ہونے کی شہادت نہیں دیتے -

رسول اللہؐ : اے گروہ ثقیف! اپنے رسول ہونے کی شہادت تو سب سے پہلے میں نے دی ہے -

بنو ثقیف: کیا آپ ہمارے ساتھ تحریری معاہدہ کرنا پسند کریں گے؟

رسول اللہؐ: اسلام لانے کی صورت میں۔ ورنہ نہیں۔

بنو ثقیف نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور پھر گفتگو شروع ہوئی۔

بنو ثقیف: جہاں تک زنا کا تعلق ہے۔ ہم لوگ اکثر مجرد رہتے اور غیر شادی شدہ رہتے ہیں اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔

رسول اللہؐ: وہ تم پر قطعاً حرام ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: "اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ وہ بے حیائی ہے اور (بہت ہی) بری راہ ہے"۔ (بنی اسرائیل سورہ: ۱۷/۳۲)

بنو ثقیف: سود کے بارے میں جو آپ کہتے ہیں۔ تو ہمارا سارا مال سود ہی سود ہے ۔؟

رسول اللہؐ: سود قطعاً حرام ہے۔ ہاں اصل راس المال لینے کا تمہیں حق ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں "اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو۔ اگر ایمان رکھتے ہو۔ تو جتنا سود (لوگوں کے ذمہ) باقی رہ گیا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔" (۲ : ۲۷۸)

بنو ثقیف: جہاں تک شراب کا تعلق ہے تو وہ تو ہماری زمین کا نچوڑ ہے۔ ہم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

رسول اللہؐ: اللہ تعالےٰ نے اسے حرام کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"اے ایمان والو، شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (سورۃ مائدہ ۵/۹۰)

بنو ثقیف: ہمیں نماز سے بھی معاف فرمایا جائے۔

رسول اللہؐ: قطعاً نہیں۔ جس دین میں خدا کی عبادت نہ کی جائے۔ اس دین میں کوئی بھلائی نہیں۔

بنو ثقیف: ربہ بت کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

رسول اللہؐ: اس کو توڑ دیا جائے۔

بنو ثقیف: اگر ربہ کو معلوم ہو جائے کہ آپ اسے توڑ دینا چاہتے ہیں۔ تو وہ اپنے تمام پجاریوں کو ملیا میٹ کر دے۔

حضرت عمرؓ: تمہارا برا ہو۔ تم کس قدر جاہل ہو۔ ربہ ایک پتھر کے سوا ہے کیا؟

بنو ثقیف: ابن خطاب ہم تمہارے پاس نہیں آئے ہیں۔

(حضورؐ سے): آپ خود اسے توڑ ڈالیں، ہماری یہ جرأت نہیں کہ ہم اس پہ ہاتھ اٹھائیں۔

رسول اللہؐ: میں اپنے آدمیوں کو بھیج دوں گا۔ وہ تمہارے لئے یہ کام انجام دیں گے۔

بنو ثقیف :۔ یا رسول اللہ، آپ ہمارے لئے ہماری قوم کا کوئی امیر بنا دیجئے ۔

رسول اللہؐ :۔ آج سے عثمان بن ابی العاص تمہارے امیر ہیں۔

(جو اگرچہ عمر میں کم ہیں لیکن علم دین میں انھیں اچھی سمجھ ہے)

ابوبکرؓ : یا رسول اللہؐ! درحقیقت میں نے اس لڑکے کو ان لوگوں میں تفقہ فی الدین اور تعلیم قرآن کا سب سے زیادہ حریص پایا۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صہ ۶۵۴ تا ۶۵۴

۲۔ تاریخ طبری جلد ۱ صہ ۴۳۳ تا ۴۳۶ ۔

۳۔ زاد المعاد جلد ۲ بحوالہ نبی رحمت جلد ۲

مکالمۂ جبرئیل علیہ السلام

حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں:

ایک روز ہم جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھے کہ اچانک ایک اجنبی وہاں آن پہنچا۔ سفید براق لباس زیب تن کئے ۔ گھنے سیاہ بال ۔ نہ تو چہرے پر کسی قسم کی تھکان کے اثرات تھے۔ اور نہ ہی لباس شکن آلود تھا نووارد کو حاضرین میں سے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا ۔ وہ نہایت ہی بے تکلفی سے آگے بڑھا ۔ اور حضورؐ کے بالکل قریب جُڑ کر، دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ حضورؐ کے گھٹنوں پر اس طرح رکھ دیئے جیسے پرانی شناسائی ہو، اور یوں بات چیت شروع کی ۔

نووارد ـــ اے محمدؐ! اسلام کیا ہے ؟

رسول اللہؐ :۔ اسلام یہ ہے کہ تم (دل وزبان سے) اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمدؐ اس کے رسول ہیں نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ اور اگر خدا توفیق دے تو بیت اللہ کا حج ادا کرو۔

نووارد : سچ فرمایا آپ ، واقعی اسلام یہی ہے ۔

اور ہاں ، احسان کیا چیز ہے ؟

رسول اللہؐ : اللہ کی عبادت اس طور کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ مقام (مشاہدۂ حق) تمھیں حاصل نہ ہو ـــ تو پھر اس تصور کے ساتھ عبادت کرو گویا وہ تمھیں دیکھ رہا ہے ـــ اور وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے ۔ اگر یہ کیفیت بھی پیدا نہ ہو سکے تو خدا کے متعلق اتنا یقین ضرور رکھو کہ وہ تمہارے قیام و سجود کو دیکھ رہا ہے ۔

نووارد :۔ سبحان اللہ۔ واقعی احسان کی حقیقت یہی ہے ـــ اور ہاں ! ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

رسول اللہ : یہ یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ واحد او لاشریک ہے۔ فرشتوں کو حق جانو۔
اللہ کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں کی تصدیق کرو۔
آخرت کے دن، ہر خیر و شر کی تقدیر
اور قیامت کا اقرار کرو۔

نووارد :۔ بے شک ایمان یہی ہے۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔
اور ہاں قیامت کب آئے گی؟

رسول اللہ :۔ اس کے متعلق میرا علم سائل کے علم سے زیادہ نہیں، یہ اُن پانچ چیزوں میں سے ہے جس کا علم سوائے خالق ارض و سما کے کسی کو نہیں۔
ارشاد ربانی ہے :۔
"یقیناً صرف اللہ کے پاس ہے قیامت کے وقت خاص کا علم اور وہی نازل کرتا ہے بارش
(یعنی اسی کے علم میں ہے کہ بارش کب اور کہاں ہوگی)
اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہوتا ہے — اور کسی نفس کو پتہ نہیں کہ کل کیا ہوگا؟
اور کسی نفس کو خبر نہیں کہ اس کی موت کب اور کہاں واقع ہوگی۔
یقیناً اللہ ہی ان باتوں کا پورا جاننے والا ہے۔ اور ان کی پوری خبر رکھنے والا ہے۔

نووارد :۔ حق بات فرمائی آپ نے۔
اور ہاں تو قیامت کی کچھ علامات ہی بتلا دیجئے؟

رسول اللہ :۔ قرب قیامت کی ظاہر اور واضح علامات یہ ہیں، لونڈی اپنے آقا کو جنے گی (اولاد والدین کو غلام سمجھے گی)
چرواہے اس قدر مال و زر کے مالک ہوں گے کہ بڑی بڑی، بلند و بالا عمارات تعمیر کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں گے — انجام سے غافل لوگ قوموں کی قسمت کے مالک ہوں گے
(یعنی نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور معاملات کے اختیارات کی زمام ہوگی)

یہ گفتگو کرنے کے بعد نووارد اٹھا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا، نہ اُس کے آنے کی کسی کو خبر ہوئی۔ اور نہ جانے کا پتہ چلا۔
رسول اللہؐ :۔ جاؤ۔ اور اُسے دوبارہ میرے پاس لاؤ۔ (تلاش بسیار کے بعد بھی پتہ نہیں چلتا)
حضورؐ :۔ اے لوگو! جانتے ہو یہ اجنبی کون تھا؟

حاضرین : یا رسول اللہ۔ اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہمیں کچھ علم نہیں۔
رسول اللہؐ : یہ جبرئیل امین تھے۔ اس لئے تمہاری محفل میں تشریف لائے کہ تمہیں دین کی تعلیم دیں۔

صحیح مسلم - بحوالہ حضرت عمرؓ - کتاب الایمان
صحیح بخاری - بحوالہ حضرت ابوہریرہ - جلد ۱، کتاب الایمان ص۱۷، ۱۸، ۱۹
معارف الحدیث - جلد ۱ کتاب الایمان ص۵۷ تا ص۶۱ -

"فتنوں کا ظہور اور اُن سے بچنے کی تدابیر"

حضرت علیؓ اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہؐ: اے علیؓ! عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا

علیؓ : یا رسول اللہ! ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی کیا سبیل ہے۔

رسول اللہؐ: اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

اس میں پہلی امتوں کے واقعات، ان کو خبردار کرنے کے لئے تنبیہ اور تمہارے لئے احکام ہیں۔

یہ محض قصے کہانیوں کی کتاب نہیں، محکم فیصلہ ہے۔

جو سرکش اس سے کنارہ کشی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر ضعف مسلط کرے گا۔

جس نے اللہ کی کتاب کے علاوہ کہیں اور راہ ہدایت کی جستجو کی، اللہ تعالیٰ راہِ راست سے اُسے دور کردے گا۔

یہی — اور صرف یہی، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔

یہی ذکر حکیم ہے۔

یہی صراط مستقیم ہے۔

یہی وہ کتاب اللہ ہے جو اس پر عمل کرے گا، وہ بُری خواہشات میں مبتلا نہیں ہوگا۔

زبانیں شک و ارتیاب سے محفوظ رہیں گی۔

یہی وہ الکتاب ہے، جس سے علماء کی طبائع سیر نہیں ہوتیں بار بار کی تلاوت سے شوق مزید بڑھتا ہے۔

اس کے عجائب لا انتہا:

جس نے اس کے ساتھ کلام کیا، حق ہمیشہ اس کے ساتھ رہا۔

جس نے اس کی تعلیمات پر عمل کیا، ثواب کا مستحق ٹھہرا۔

جس نے اس کے موافق حکم جاری کیا - انصاف کیا۔

اور جس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا - اُس نے راہِ راست پائی۔

(دارمی) بحوالہ خلاصہ مطالب قرآن ص۲۳

سہیل بن سعد بیان فرماتے ہیں کہ ہم سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اتنے میں ایک عورت وہاں آئی اور کہنے لگی:

وہ عورت :۔ یا رسول اللہ! میں نے اپنی جان آپ کو ہبہ کر دی۔

آپ نے عورت کو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن عورت وہیں کھڑی رہی حاضرین میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر حضور کی خدمت میں عرض کیا۔

وہ شخص :۔ یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی حاجت نہیں تو میرے ساتھ اس کا نکاح فرما دیں۔

رسول اللہؐ : مہر کے طور پر دینے کو کچھ پاس ہے؟

وہ شخص : یا رسول اللہ کچھ بھی نہیں۔

رسول اللہؐ : کیا لوہے کی انگوٹھی بھی دینے کو نہیں؟

وہ شخص : یا رسول اللہ! یہ بھی میسر نہیں۔ بس یہ تہ بند ہے۔ اگر فرمائیں تو نصف پھاڑ کر اسے دے دوں اور نصف اپنے لیے رکھ لوں۔

رسول اللہؐ : تجھے کچھ قرآن مجید یاد ہے۔

وہ شخص : جی ہاں۔ یا رسول اللہ! کچھ سورتیں حفظ کر رکھی ہیں۔

رسول اللہؐ : جا۔ میں نے اس عورت کو تجھے نکاح میں دے دیا۔ قرآن کی ان سورتوں کے سبب جو تمہیں یاد ہیں۔

صحیح بخاری جلد ۲ : کتاب النکاح ۵۰۳ - ۴۹۹

قصاص

عروہ بن زبیر کا بیان ہے : بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ نامی نے فتح مکہ کے موقعہ پر چوری کا ارتکاب کیا۔ اس کے رشتہ دار جو صاحب حیثیت تھے، حضرت اسامہ بن زید کے پاس گئے۔ انھیں درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کریں تاکہ حد جاری نہ ہو۔

اسامہ بن زید نے حاضر ہو کر جب سفارش کی تو حضورؐ جلال میں آ گئے۔

رسول اللہؐ : اسامہ! اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرنے آیا ہے؟

اسامہؓ : یا رسول اللہؐ! میرے لیے اللہ پاک سے دعا فرمائیں کہ میری بخشش فرما دے۔

رسول اللہؐ : (اللہ پاک کی تعریف و توصیف کرنے کے بعد)

تم سے پہلے والی قومیں بھی اس لئے تباہ ہوئیں۔ جب اُن میں کا کوئی صاحب ثروت آدمی چوری کرتا۔ تو اس پر حد جاری نہ کرتے لیکن جب یہ قصور کسی غریب سے سرزد ہو جاتا، تو اُسے فوراً سزا دیتے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر محمد کی بیٹی فاطمہؓ بھی (نعوذ باللہ!) اس قصور میں ماخوذ ہو کر آئے تو میں اس کے ہاتھ

تعلیم کر دوں ۔

بخاری : جلد ۲ ۔ کتاب المغازی صہ ۱۸۸

بیعت آخر

مجاشعؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی مجالدؓ کو فتح مکہ کے بعد حضورؐ کی خدمت میں بیعت کے لیے لے گئے ۔ وہاں جا کر اُسے حضورؐ کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا ۔

مجاشعؓ : یارسول اللہ ! آپ کی خدمت میں میرا بھائی حاضر ہے ۔ آپ اس سے ہجرت پر بیعت لیجیے ۔

حضورؐ : ہجرت تو تمام ہو چکی اور ثواب مہاجرین لے چکے ۔

مجاشعؓ : یارسول اللہ ! پھر آپ اس سے کس بات پر بیعت لیں گے ؟

حضورؐ : اسلام ، ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ۔

بخاری جلد ۲ جزء ۱۷ کتاب المغازی صہ ۱۸۹ ۔

صحف بنی اسرائیل

ایک روز حضرت عمر فاروقؓ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :

عمر فاروقؓ ۔ یارسول اللہ ! یہود کی بعض باتیں اس لائق ہیں کہ اُن کو یاد رکھا جائے ۔ اگر آپ اجازت دیں تو اُن میں سے چند ایک لکھ لی جائیں ۔

رسول اللہؐ : اے عمر ! کیا تم بھی گمراہی کے گڑھے میں گرنا چاہتے ہو ' یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں کو پس پشت ڈالا ۔ تو ذلت اُن کا مقدر ہوئی ۔

میں تمہارے پاس آفتاب کی مانند روشن اور آئینہ کی طرح شفاف شریعت لایا ہوں ۔

بخدا ، اگر آج موسیٰؑ بقید حیات ہوتے ، تو اُن پر بھی میری پیروی لازم ہوتی ۔

(صحیح مسلم ، بحوالہ مل صہ ۳۶۰، ۳۵

اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت

عبدالرحمٰن بن ابی قراد بیان کرتے ہیں ۔

ایک وقت حضور سید الکونینؐ نے وضو فرمایا ۔ وہاں جو صحابہ موجود تھے ۔ انہوں نے استعمال شدہ پانی کو اپنے چہروں وغیرہ پر ملنا شروع کر دیا ۔ حضورؐ نے یہ رنگ دیکھ کر فرمایا ۔

رسول اللہؐ :۔ آخر، تم ایسا کس جذبے کے تحت کرتے ہو؟
صحابیؓ : محض اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت کے جذبہ سے۔
رسول اللہؐ : تو جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اُن کے لئے لازم ہے کہ
جب بات کریں تو سچ بولیں۔
جب کوئی امانت اُن کے سپرد کی جائے۔ تو مطالبہ پر اُس کے مالک کے حوالے کریں۔
اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔
(مشکٰوۃ۔ ایمانیات)

ایک فیصلہ

علقمہ بن وائل اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے۔ جب ایک شخص دوسرے شخص کو رسی سے گھسیٹتے ہوئے وہاں لایا۔ اور عرض کیا:
یا رسول اللہ! اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے، یہ قاتل ہے۔
رسول اللہؐ: (قاتل سے) کیا تو نے اِس قتل کا ارتکاب کیا ہے؟
(مدعی سے) اگر اس شخص نے قتل کا اعتراف نہ کیا تو تمہیں (دعویٰ کے ثبوت میں) شہادت لانی ہوگی۔
مدعا علیہ: یا رسول اللہ۔ مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا ہے۔
رسول اللہؐ: کیوں؟
مدعا علیہ: حضور! میں اور وہ ایک درخت سے لکڑیاں کاٹ رہے تھے کہ اُس نے بغیر کسی وجہ کے مجھے گالی دی، مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے اس کے سر پر کلہاڑی ماری جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔
رسول اللہؐ: کیا تیرے پاس کچھ مال ہے جو دیت میں ادا کرسکے؟
مدعا علیہ: حضور! میرے پاس اِس کمبل اور کلہاڑی کے سوا کچھ نہیں۔
رسول اللہؐ:۔ کیا تیرے قبیلہ والے تجھے چھڑا لیں گے؟
مدعا علیہ:۔ حضور! میری قوم کی نظروں میں میری اس قدر وقعت نہیں۔
رسول اللہؐ: (رسی مدعی کی طرف پھینکتے ہوئے) جاؤ۔ تم جانو اور تمہارا ساتھی مدعی جب قاتل کو لے کر جانے لگا تو حضورؐ نے فرمایا:
اگر اس نے (مدعی) اس (قاتل) کو قتل کر دیا۔ تو یہ بھی اُسی کی طرح قاتل ٹھیرے گا۔
یہ بات سُن کر وہ شخص واپس پلٹا اور عرض کیا:
مدعی:۔ یا رسول اللہؐ۔ آپ کا فرمان ہے کہ اگر میں نے اِسے قتل کر دیا تو میں بھی اُسی کی طرح قتل کا مرتکب ٹھیروں گا۔ حالانکہ میں نے

تو اسے آپ کے علم سے پکڑا ہے۔

رسول اللہ : کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ یہ شخص اپنے اور مقتول کے گناہ اپنے سر لے۔

مدعی : یا رسول اللہ! کیوں نہیں۔

رسول اللہ : تو پھر ایسا ہی ہوگا۔ اس صورت میں اس کے سر اپنے اور اس کے حریف کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔

یہ سن کر مدعی نے رسی پھینک دی، اور قاتل کو آزاد کر دیا۔

(صحیح مسلم)

سہیل کہتے ہیں کہ ایک شخص کا گذر حضورؐ کے سامنے سے ہوا تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس سے دریافت فرمایا:

رسول اللہ :۔ اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

حاضرین : اگر یہ شخص کہیں شادی کا پیغام دے تو برضا و رغبت قبول کیا جائے گا۔

اگر یہ کسی کے حق میں سفارش کرے تو مان لی جائے گی۔

اگر یہ کوئی بات کرے تو لوگ غور سے سنیں گے۔

اسی اثنا میں ایک دوسرے شخص کا وہاں سے گذر ہوا تو آپؐ نے پوچھا۔

رسول اللہ : اس شخص کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

حاضرین : یہ تو ایسا شخص ہے کہ اگر کہیں شادی کے لیے پیغام بھیجے تو کوئی قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔

اگر کسی کی سفارش کرے تو کوئی نہ مانے۔

اگر کوئی بات کرے تو کوئی اس کی بات پر کان نہ دھرے۔

رسول اللہ : تو غور سے سنو۔

یہ شخص تنہا پہلے شخص جیسے مال دار لوگوں سے کہیں بہتر ہے۔

(بخاری شریف)

بغیر عمل کے علم بے معنی چیز ہے

حضرت زیاد بن لبید بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

رسول اللہ : ایسا وقت آنے والا ہے جب دین کا علم باقی نہیں رہے گا۔

زیاد :۔ یا رسول اللہ۔ دین کا علم کیوں کر محو ہوگا؟ جب کہ ہم خود قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اپنی اولادوں کو اس کی تعلیم دے رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہماری اولاد اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دیتی رہے گی۔

رسول اللہ : خوب زیاد! میری نگاہ میں تو تم نہایت ہی عاقل اور فہیم آدمی تھے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ

یہود و نصاریٰ ۔ تورات اور انجیل کی تلاوت و تعلیم میں کس قدر محو ہیں۔ لیکن انہوں نے ان کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔

(ابن ماجہ)۔ بحوالہ زادِ عمل صفحہ ۱۲)

آسان احتساب

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو اکثر نمازوں میں یہ دعا فرماتے سنا۔ اے اللہ مجھ سے آسان محاسبہ کیجیو۔ تو میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا ۔

حضرت عائشہؓ : اے اللہ کے نبی! آسان محاسبہ سے حضورؐ کی کیا مراد ہے؟

رسول اللہؐ : اے عائشہ! آسان محاسبہ یہ ہے کہ اللہ پاک بندہ کا اعمال نامہ ملاحظہ فرماتے وقت درگذر سے کام لیں ۔ اے عائشہ! اگر کہیں احتساب کے وقت ایک ایک چیز کی چھان بین ہوئی ۔ تو بس وہ ہلاک ہوا۔

(مسند احمد، بحوالہ زادِ عمل صفحہ ۵۰ - ۵۱)

بیعت عمرو بن العاص

حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور گفتگو کا آغاز کیا ۔

عمروؓ : یا رسول اللہؐ : اپنا ہاتھ بڑھائیے ۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں ۔

(حضورؐ نے جب اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تو آپ نے فرمایا)

رسول اللہؐ : اے عمرو! ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟

عمروؓ : یا رسول اللہ۔ میری ایک شرط ہے ۔

رسول اللہؐ : کیسی شرط؟

عمرو : یا رسول اللہ! یہ کہ اسلام لانے سے قبل جس قدر گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں۔ وہ سب معاف فرمائے جائیں۔

رسول اللہؐ : اے عمرو! کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ اسلام پہلے کے کئے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ یہی حال ہجرت اور حج کا ہے ۔ یہ بھی اُن گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ جو انسان پہلے کر چکا ہو ۔

(مسلم)

پند و نصائح

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتیں نصیحت فرمائیں ۔ وہ یہ ہیں۔

آپؐ نے فرمایا :۔ اے معاذ !

و اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا، چاہے اس میں تمھیں جان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

و اپنے والدین کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا چاہے وہ تمھیں بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں یا مال سے دست بردار ہونے کا۔

و فرض نماز ہرگز ترک نہ کرنا۔ جو شخص جان بوجھ کر فرض نماز ترک کرتا ہے ۔
وہ اللہ تعالےٰ کی حفاظت اور نگرانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

و شراب کے نزدیک نہ پھٹکنا کہ یہ اُمّ الخبائث ہے ۔

و اللہ کی نافرمانی سے بچنا کہ یہ اللہ کے غضب کو ہوا دیتی ہے۔

و دشمن کے مقابلے میں پیٹھ مت دکھانا چاہے تمہارے سارے ساتھی قتل ہو جائیں ۔

و جب کہیں لوگوں پر کوئی وبا نازل ہو تو وہاں سے بھاگنا مت ۔

و اہلِ خانہ کو اپنی حیثیت کے مطابق اخراجات دینا۔

و اہلِ خانہ کی تربیت سے غافل نہ رہنا۔

و اپنے اہلِ خانہ کو خوف دلانا کہ وہ اللہ کے حقوق ادا کریں ۔

(ترغیب و ترہیب / طبرانی ۔ بحوالہ زادِ راہ صـ ۱۱۱، ۱۱۲)

کبیرہ گناہ

حضرت عمیرؓ کا بیان ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

رسول اللہؐ :۔ وہ لوگ جو :۔ پانچ وقت فرض نمازوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں ۔
رمضان کے روزے رکھتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔
زکوٰۃ دلی رغبت سے ادا کرتے ہیں۔ محض اس نیت سے کہ آخرت کا توشہ ثابت ہو۔
اور اُن بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں جن سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے۔
اللہ کے دوست ہیں ۔

صحابہ :۔ اے اللہ کے نبیؐ ! وہ گناہِ کبیرہ کون کون سے ہیں ؟

رسول اللہؐ :۔ وہ نو ہیں ۔ ۱۔ اللہ کا شریک ٹھیرانا
۲۔ ناحق کسی مومن کی جان لینا ۔
۳۔ جہاد سے منہ موڑنا ۔

۴۔ کسی پاکباز و پاکدامن خاتون پر بہتان لگانا۔
۵۔ جادو کا علم سیکھنا۔
۶۔ یتیم کا مال کھانا۔
۷۔ مسلمان والدین کے حقوق ادا نہ کرنا۔
۸۔ سود خوری۔
۹۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا۔ حالاں کہ اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہو اور مرنے کے بعد قبر میں بیت اللہ کی جانب تمہارا رُخ کیا جاتا ہے۔

ایسا شخص جو ان کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے نماز ٹھیک سے ادا کرے۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کرتا ہو۔

تو ایسا شخص جنتی ہے اور اُسے جنت میں میری رفاقت نصیب ہوگی۔

(طبرانی)

اسلام وایمان

عمرو بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور درج ذیل گفتگو کی:

وہ شخص: یارسول اللہ! اسلام کیا چیز ہے؟

رسول اکرمؐ: یہ کہ تیرے قلب میں سوائے اللہ کے کوئی نہ ہو، تیری زبان اور تیرے ہاتھوں سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔

وہ شخص: اے اللہ کے نبی!۔ اسلام کا افضل ترین رکن کونسا ہے؟

رسول اکرمؐ: ایمان،

وہ شخص: ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

رسول اکرمؐ: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور بعث بعد الموت پر یقین رکھے۔ اس کے رسولوں پر دل سے ایمان لائے۔

وہ شخص:۔ اے اللہ کے رسول:۔ ایمان کی بہتر خصوصیت کونسی ہے؟

رسول اکرمؐ: ہجرت۔

وہ شخص: ہجرت کسے کہتے ہیں؟

رسول اکرمؐ:۔ یہ کہ تو بُرے اعمال کو ترک کر دے۔

وہ شخص: بہترین ہجرت کے متعلق ارشاد فرمائیے۔

رسولؐ اکرمؐ :- جہاد — کافروں کے خلاف دل وجان سے جہاد کرنا۔
وہ شخص :- اچھا تو بہتر جہاد کون سا ہے؟
رسول اکرمؐ :- ایسے شخص کا جہاد کہ اس راہ میں جس کی سواری بھی زخمی ہو، اور وہ خود بھی راہِ حق میں مارا جائے۔
اس کے علاوہ دو عمدہ عمل یہی ہیں — حج — جس کے بعد گناہوں کا ارتکاب نہ کرے۔ اور عمرہ — کی ادائیگی۔

(احمد، بحوالہ ترجمان السنۃ ص۵۵۹)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے ایک گفتگو

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے بعد مدینہ تشریف فرما ہوئے۔ تو یمن کے نومسلم رئیسوں کا ایک وفد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے درخواست کی کہ یمن کی امارت پر کسی ایسے شخص کا تقرر فرمایا جائے، جو عام تبلیغ کے ساتھ ساتھ مسائل دین کی تعلیم بھی دے۔ اور ملک کا نظم و نسق بھی انصاف سے چلائے۔

اس اہم ذمہ داری کے لیے آپؐ کی نظر انتخاب حضرت معاذ پر پڑی۔ آپ نے انھیں طلب کیا اور فرمایا:-

رسول اللہؐ :- میں چاہتا ہوں کہ تمھیں یمن کا عامل مقرر کیا جائے۔ وہاں تمہیں قسم قسم کے مسائل در پیش ہوں گے، جب تمہارے پاس کوئی مسئلہ آئے تو بتاؤ کس طرح فیصلہ کرو گے؟

معاذؓ : یا رسول اللہ! اللہ کی کتاب کے مطابق۔

رسول اللہؐ :- اگر تمھیں قرآن مجید میں اس کے متعلق کوئی نص صریح نہ ملے تو پھر؟

معاذؓ :- تو پھر سنت نبوی کی روشنی میں اس کو حل کروں گا۔

رسول اللہؐ : اگر سنت میں اس کا حل نہ پاؤ تو پھر؟

معاذؓ : اے اللہ کے رسولؐ۔ اس صورت میں میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس معاملہ میں مجھ سے کوتاہی نہیں ہوگی۔

رسول اللہؐ :- (معاذ کے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) شکر ہے اس ذات پاک کا جس نے اپنے رسول کے عامل کو اس چیز کی توفیق بخشی، جس سے اللہ اور اللہ کا رسولؐ دونوں راضی رہیں۔

(سنن ابوداؤد، سنن ترمذی)

اس کے بعد آپؐ نے یمن والوں کے نام فرمان لکھنے کا حکم صادر فرمایا اور معاذ کو ارشاد فرمایا:-

— اے معاذ! عوام سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ سختی سے اجتناب کرنا۔ لوگوں کو خوش رکھنا تاکہ وہ متنفر نہ ہوں باہمی تعاون سے کام کرنا۔

اے معاذ! تمھیں وہاں دوسرے مذاہب کے پیرو کار بھی ملیں گے۔ جب ان کے پاس تم پہنچو۔ تو انھیں توحید و رسالت

کی دعوت دینا جب وہ اسے قبول کرلیں، تو انھیں بتانا کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو انھیں بتانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ یہ تمہارے صاحبِ ثروت لوگوں سے لے کر تمہارے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی، جب وہ اس پر راضی ہو جائیں تو کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تم اُن کی بہترین چیزیں لے لو۔ مظلوم کی بددُعا سے ڈرتے رہنا کہ اُس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

(بخاری جلد ۲ کتاب المغازی صد ۲۱۲)

(جب معاذؓ یمن جانے کے لئے تیار ہو کر آئے تو رسالتمآبؐ نے کچھ دور تک اُن کی مشایعت کی۔ اثنائے گفتگو آپ نے فرمایا)

رسول اللہؐ : معاذ! تم پر قرضوں کا بوجھ ہے۔ اگر کوئی ہدیہ پیش کرے تو قبول کر لینا۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ اور ہاں شاید۔ تم سے میری ملاقات نہ ہو سکے، جب مدینہ واپس آؤ۔ تو تمھیں میری قبر دیکھنے کو ملے۔

(معاذ بیقرار ہو گئے۔ آنسو پھوٹ پڑے، بڑے ادب سے حضورؐ کو الوداعی سلام کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔)

جاؤ۔ تمھیں اللہ کے سپرد کیا۔ خدا تمہاری حفاظت فرمائے ہر قسم کے مصائب سے محفوظ رکھے۔ اور جن و انس کے شر سے بچائے۔

(چالیس جان نثار خیرالبشرؐ کے صد ۴۱-۲۴۰)

قابلِ تعجب ایمان

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے درمیان درج ذیل گفتگو ہوئی۔

رسالتمآبؐ :- تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابلِ تعجب ہے؟

صحابہؓ :- یارسول اللہ! فرشتوں کا۔

رسالتمآبؐ :- کیوں انھیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں جبکہ وہ ہمہ وقت اللہ پاک کے حضورؐ میں حاضر رہتے ہیں۔

صحابہؓ :- اے اللہ کے نبیؐ! ۔ تو پھر انبیا کرام کا۔

رسالتمآبؐ :- وہ کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ اللہ کی وحی کا اُن پر نزول ہوتا ہے۔

صحابہ :- اچھا تو پھر ہمارا۔

رسالتمآبؐ :- تم کیوں ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں سن لو۔ غور سے سنو! ۔ میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابلِ تعجب اُن لوگوں کا ایمان ہے، جو تمہارے بعد آئیں گے۔

اُن کے حصے میں تو چند اوراق آئیں گے جن میں کتاب مقدس ہو گی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے۔

اس پر ایمان لے آئیں گے۔

(مستدرک حاکم، ابنِ کثیر بحوالہ ترجمان السنہ جلد ۱ صفحہ ۱)

ایمان کی حقیقت

محمد بن صالح انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عوف بن مالکؓ سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے فرمایا:
عوف! سناؤ کس حال میں ہو؟
عوف:۔ یا رسول اللہؐ! اللہ کا فضل ہے، سچا اور پکا مومن ہوں،
رسالتمآبؐ: اے عوف! ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے، تمہارے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟
عوف:۔ یا رسول اللہ! میں نے اپنے نفس کو دنیاوی علائق سے آزاد کر لیا ہے۔ رات میں بیدار رہتا ہوں۔
تپتی دوپہروں میں پیاسا رہتا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پروردگار عالم کا عرش میری نگاہوں کے سامنے ہے، اہلِ جنت ایک دوسرے سے مصروف ملاقات ہیں اور اہلِ دوزخ چیخ و پکار میں مصروف ہیں۔
رسالتمآبؐ:۔ مبارک ہو، تمہیں حقیقت کی معرفت حاصل ہو گئی۔ اس کیفیت کو ضائع نہ کرنا۔

(ترجمان السنہ جلد دوم صفحہ ۲۱)

شرم وحیا

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا:
اللہ تعالیٰ سے ایسا شرماؤ جیسا شرمانے کا حق ہے۔
صحابہؓ: یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں اُس سے حیا آتی ہے۔
رسول اللہؐ: یہ اصل حیا نہیں،
جو شخص حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ سے شرماتا ہے۔ اُسے لازم ہے کہ:۔
اپنے دماغ کو، اپنے چشم و گوش کو، اپنی زبان و دہن کو اپنے شکم و خواہشات کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ جسے آخرت کی خواہش ہو، اُسے چاہیے کہ دنیا کی زیب و زینت میں جی نہ لگائے۔
جس شخص نے یہ سارے مراحل طے کر لئے۔ سمجھ لو کہ اُس نے خالقِ ارض و سما سے شرمانے کا حق ادا کر دیا۔

(مشکوٰۃ شریف بات تمنی الموت)

پند ونصائح

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا:۔

یارسول اللہؐ ۔ بہترین آدمی کی کیا نشانی ہے ؟

رسالتمآبؐ :۔ ہر وہ شخص جو صدوق اللسان ہو، مخموم القلب ہو ۔

صحابہؓ : اے اللہ کے نبی ! صدوق اللسان شخص تو ہم پر واضح ہو گیا ۔ ذرا مخموم القلب کی تشریح فرمادیں کہ ہم سمجھنے سے قاصر ہیں ۔

رسالت مآبؐ : اس سے مراد ایسا شخص ہے جو دل کا صاف ہو ۔ جو نہ گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہو، اور نہ اس پہ ظلم و تعدی کا بار ہو ۔

جس کا دل کینہ و حسد سے پاک ہو ۔

(ابن ماجہ بحوالہ ترجمان السنہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۱ ۔

رسالت مآبؐ مقام تشریع میں

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران فرمایا : اے لوگو ! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض قرار دیا ہے اس لئے حج ادا کیا کرو ۔

ایک شخص ! یارسول اللہ ۔ کیا ہر سال ۔

(حضورؐ خاموش رہے، سائل نے تین مرتبہ اپنی بات دہرائی تو حضورؐ نے فرمایا)

رسالت مآبؐ :۔ اگر میں اس کا اقرار کر لیتا ۔ اور ہاں کہہ دیتا تو پھر ہر سال تم پہ حج فرض ہو جاتا ۔ لیکن ہر سال حج ادا نہ کر سکتے ۔

اے لوگو ! جب تک میں خود تم سے کوئی بات نہ کہوں تم بھی سوال نہ کیا کرو ۔ تم سے پہلے کی امتیں صرف اس لئے ہلاک ہوئیں ۔ کیوں کہ وہ اپنے انبیا کرام سے بیجا سوالات کرتے تھے جس کے نتیجے میں وہ بے جا اختلافات میں پڑ گئے ۔

اس لیے ۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اپنے مقدور بھر اس پر عمل کرو ۔

اور جس بات سے روکوں، اُسے یک قلم ترک کر دیا کرو ۔ (صحیح مسلم)

گناہِ عظیم

حضرت ابن مسعودؓ اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک گفتگو :

ابن مسعود : یارسول اللہ ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے ؟

رسالت مآبؐ : اپنے خالق کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے ۔

ابن مسعود: اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟
رسالت مآبؐ: اپنی اولاد کو محض اس لئے قتل کرنا کہ ان کی کفالت کرنی ہوگی۔
ابن مسعود: اس کے بعد۔
رسالت مآبؐ:۔ اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

جو لوگ نہیں پکارتے ساتھ اللہ کے دوسروں کو
اور نہیں قتل کرتے کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو، بغیر حق کے
اور نہیں جاتے نزدیک زنا کے۔
اور جو ایسا کرے گا۔ سخت گنہگار ہوگا۔

(صحیح بخاری جلد ۳ جز ۲۲ ص ۲۴۶)

اللہ کا حق

معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ میں حضور رسالت مآبؐ کے ساتھ ایک ہی اونٹنی پر سوار تھا۔ ہمارے درمیان صرف کٹھی کا پالان حائل تھا۔ اثنائے سفر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

رسول اللہؐ: معاذ!
معاذ: لبیک یا رسول اللہ!
(حضورؐ نے سواری کی رفتار تیز کر دی اور تھوڑی دیر بعد پھر ارشاد فرمایا)
رسول اللہ: معاذ!
معاذ: میں حاضر ہوں، یا نبی اللہ!
رسول اللہ: (تھوڑے سے وقفہ کے بعد) معاذ!!!
معاذ: میں حاضر ہوں، یا رسول اللہ۔ فرمائیے۔
رسول اللہؐ:۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر ان کے خالق کا کیا حق ہے؟
معاذ: اے اللہ کے نبی! اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔
رسول اللہ: تو سنو، اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ (تھوڑے توقف کے بعد)

کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟
معاذ :۔ یا رسول اللہ۔ اللہ اور اللہ کے رسول کو ہی علم ہے۔
رسول اللہؐ :۔ بندوں کا یہ حق ہے کہ اللہ پاک انہیں عذاب سے چھٹکارا دے جب وہ اللہ کا حق ادا کر دیں۔
(صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۲۸۹)

قیامت کی علامات

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور رسالتمآب کی مجلس میں بیٹھے تھے اور حضور رسالت مآبؐ ہم سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اور پوچھنے لگا۔
اعرابی :۔ قیامت کب قائم ہوگی؟
(آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اپنی گفتگو جاری رکھی جب آپ نے اپنی بات مکمل کر لی تو اس طرف متوجہ ہوئے۔)
رسالت مآبؐ :۔ ہاں! تو قیامت سے متعلق دریافت کرنے والا کہاں ہے؟
اعرابی :۔ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔
رسالتمآبؐ : تو سنو، جب لوگ امانتیں ضائع کرنے لگیں تو سمجھو۔ قیامت قریب ہے۔ اس کا انتظار کرو۔
اعرابی :۔ یا رسول اللہ! امانت داری کیوں کر اٹھ جائے گی؟
رسالت مآبؐ :۔ حکومت کی ذمہ داریاں نا اہلوں کے سپرد کی جانے لگیں تو سمجھو۔ قیامت قریب ہے۔
(صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب العلم صہ ۲۳۲ / ۵۵)

افضل عمل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضور رسالتمآبؐ کے درمیان ایک گفتگو :
ابن مسعودؓ :۔ یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟
رسالتمآبؐ :۔ وقت پر نماز ادا کرنا۔
ابن مسعودؓ :۔ اس کے بعد؟
رسالتمآبؐ :۔ والدین سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔
ابن مسعودؓ :۔ اس کے بعد؟
رسول اللہؐ :۔ جہاد فی سبیل اللہ۔

(صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الجہاد صہ ۲۱۷)

جہاد فی سبیل اللہ

ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مندرجہ ذیل گفتگو کی :
وہ شخص :- یارسول اللہ! قتال فی سبیل اللہ کا کیا مطلب ہے؟ کیوں کہ ہم میں سے کوئی تو غیرت کے سبب سے قتال کرتا ہے اور کوئی غصے ہی آکر۔
رسول اللہؐ : (سر مبارک اٹھاتے ہوئے)
جو شخص محض اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قتال کرے وہی قتال فی سبیل اللہ ہے۔
(صحیح بخاری جلد ۱ کتاب العلم ص ۹۶)

بہترین اسلام

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔
صحابہؓ : یارسول اللہؐ! کونسا اسلام افضل ہے؟
رسول اللہؐ : اس کا اسلام جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔
ایک شخص :- یارسول اللہ۔ اسلام کی بہترین خصلت کونسی ہے؟
رسول اللہؐ : یہ کہ تو کھانا کھلائے اور واقف و ناواقف سب کو سلام کرے۔
صحابہؓ :- یارسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟
رسول اللہؐ :- اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لانا۔
صحابہؓ :- پھر کونسا عمل؟
رسول اللہؐ :- جہاد فی سبیل اللہ
صحابہؓ :- پھر کونسا —؟؟
رسول اللہؐ :- حج مبرور (جس کے بعد گناہوں کا ارتکاب نہ کرے)
(صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الایمان ص ۲۷، ۳۵)

مسلم اور مومن

سعد بن ابی وقاصؓ روایت بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ میں آپ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے تقسیم کے دوران ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا، جو اُن میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اس پر میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔
سعد :- یارسول اللہ! اس شخص کو محروم کرنے کا سبب؟ اللہ کی قسم میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں۔

سرورِ عالمؐ : مومن سمجھتے ہو کہ مسلم ؟

سعدؓ : (قدرے توقف کے بعد) ، حضور اس شخص کو نہ دینے کا کیا سبب ہے ؟
اللہ کی قسم میرے نزدیک تو یہ مومن ہے ۔

سرورِ عالمؐ : مومن سمجھتے ہو یا مسلم ۔ ؟ ؟

سعدؓ : (تھوڑی دیر بعد) حضورؐ ! ۔

سرورِ عالمؐ : میں ایسے شخص کو جو ضعیف الایمان ہو دیتا ہوں ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالےٰ اِسے دوزخ میں نہ ڈال دے ۔
حالانکہ دوسرا آدمی مجھے نسبتاً زیادہ عزیز ہوتا ہے (کامل الایمان ہوتا ہے) مگر اسے نہیں دیتا ۔ (اُسے تالیف قلب کی ضرورت نہیں)

(صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الایمان صہ ۳۳)

مقاماتِ انبیاءؑ کی نشان دہی

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ حضورؐ نے پوچھا :۔

رسول اللہؐ : ۔ اس وادی کا کیا نام ہے ؟

صحابہؓ :۔ اے اللہ کے نبیؐ ! یہ وادی ازرق ہے ۔

رسول اللہؐ : اے لوگو ! گویا میں اپنی آنکھوں سے موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں ، وہ اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں اور اپنے رب کی تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گذر رہے ہیں ۔
(ہم وہاں سے چل پڑے اور دوسری گھاٹی میں پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا)

رسول اللہؐ : اس گھاٹی کا نام کیا ہے ؟

صحابہؓ :۔ حضورؐ ! ۔ اسے ہرشی یا لفت کہتے ہیں ۔

رسول اللہ : تو سنو گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ یونس (علیہ السلام) اُون کا جُبہ پہنے ایک اونٹنی پر سوار ہیں ، اونٹنی کی مہار ، درخت کی چھال سے بنی ہوئی ہے ۔ وہ بھی اپنے رب کی تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گذر رہے ہیں ۔

(ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ حج کے سفر کے دوران جب ہمارا گذر وادیِ عسفان سے ہوا تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔)

رسول اللہؐ :۔ ابوبکر ! اس وادی کا کیا نام ہے ؟

ابوبکرؓ: یارسول اللہ! یہ وادیٔ عسفان ہے۔

رسول اللہ: تو سنو! اس وادی سے حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت ابراہیم علیہم السلام گذرے، اُن کی لنگیاں، عبائیں اور چادریں اُون کی تھیں، وہ اونٹوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں، یہ حضرات اللہ تعالےٰ کے قدیم گھر (بیت العتیق) کا طواف کرنے جارہے تھے۔

مسلم شریف، مسند احمد،
بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۳ صہ ۳۰۴

اعمالِ حسنہ

حضرت کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ کے فرمان کے مطابق منبر کے قریب جمع ہوئے۔ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے اور منبر کی طرف بڑھے۔ جب آپؐ نے قدم مبارک پہلی سیڑھی پر رکھا فرمایا۔ آمین۔ اسی طرح دوسری اور تیسری سیڑھی پہ قدم رکھتے وقت بھی آپؐ نے آمین فرمایا۔ یہ نئی بات تھی۔ اس لیے جب حضورؐ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اور منبر سے نیچے اترے تو ہم سب نے عرض کیا۔

صحابہ: یارسول اللہؐ! آج ہم نے آپ کی زبان مبارک سے وہ بات سنی۔ جو پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی۔

رسول اللہ: اے لوگو! جونہی میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا: "وہ شخص غارت ہو جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور بخشش سے محروم رہا" اس پر میں نے کہا۔ آمین جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم دھرا۔ تو انہوں نے کہا: "ایسا شخص خدا کی رحمت سے محروم رہے۔ جس کے سامنے آپ کا نام لیا گیا تو اس نے آپ پر درود و سلام نہیں بھیجا" تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں تیسری سیڑھی کی طرف بڑھا تو جبرئیل بولے: "وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور رہے، جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا اُن میں سے ایک کو ضعیفی کی حالت میں پایا۔ اور جنت کا حق دار نہیں بنا" تو میں نے کہا۔ آمین۔

(حاکم۔ ابن حبان) / بحوالہ زادِراہ صہ ۱۱۸، ۱۱۹

حقیقتِ صدقہ

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ہر روز صدقہ کرے"

اس پر صحابہ نے عرض کیا:

صحابہؓ: یارسول اللہ! ہمارے پاس اس قدر مال کہاں۔ کہ ہر روز صدقہ کریں؟

رسول اللہؐ :۔ صدقہ کرنے کے کئی ایک راستے ہیں۔
و سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرنا۔
و دوسروں کو برائیوں سے روکنا اور اعمال نیک کی تلقین کرنا۔
و راستہ سے کانٹے وغیرہ دور کرنا۔
و نابینا شخص کو راستہ دکھانا۔
و کسی شخص کو اس کے نیک مقصد کے حصول میں امداد دینا۔
و مصیبت میں گھرے ہوئے فریادی کی دست گیری کرنا۔
و کسی ناتواں ضعیف کا بوجھ اٹھانا۔
یہ بھلائی کے کام اگر کوئی انجام دے تو اُسے صدقات کے برابر ثواب ملے گا۔

(ترغیب و ترہیب) بحوالہ زادِ راہ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹

پسندیدہ صفات

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون ہے جو میری باتیں غور سے سُنے، اور اس پر عمل کرے۔ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچائے تاکہ وہ بھی اس پر عمل کریں۔

ابوہریرہؓ : یا رسول اللہؐ! فرمایئے۔ میں حاضر ہوں۔
رسول اللہ (میرا ہاتھ تھامتے ہوئے)، تو سنو وہ پانچ باتیں یہ ہیں۔
۱۔ اللہ کی نافرمانی سے بچو، 'بہت بڑے عابد بن جاؤ گے'۔
۲۔ جو روزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر فرما دی ہے اس پر قناعت کرو۔ 'سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے'۔
۳۔ اپنے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، 'مومن بن جاؤ گے'۔
۴۔ دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو، جو تمہیں اپنے لیے پسند ہو۔ 'مسلم بن جاؤ گے'۔
۵۔ زیادہ نہ ہنسو۔ ایسا کرنے سے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔

(مشکوٰۃ / زادِ راہ صفحہ ۱۲۸)

اعمالِ جنت

براؓ بن عازب کہتے ہیں کہ ایک مسلمان بدو، حضورؐ کے پاس آیا اور اس طرح گفتگو شروع کی:
بدو :۔ یا رسول اللہ! وہ کون سے اعمال ہیں، جن پر عمل کروں تو مجھے جنت ملے۔

رسول اللہؐ : کہے تو تم نے مختصر الفاظ ہیں۔ لیکن بات بڑی اچھی پوچھی ہے۔

اگر جنت کی خواہش ہے تو کسی جان کو آزاد کراؤ اور گردنوں کی غلامی سے اُسے نجات دلاؤ۔

بدو :- یارسول اللہ! یہ تو ایک ہی بات ہوئی۔

رسول اللہؐ :- نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔

اگر تم کسی غلام یا کنیز کو پورے طور پر آزاد کر دو، جو کچھ اس پر خرچ ہوا ہے، اُسے خود ادا کرو۔ تو تم نے کسی جان کو آزاد کروا دیا۔ ہاں اگر چند ایک آدمی کسی غلام یا کنیز کو آزاد کرائیں۔ جس میں تمہارا بھی حصّہ ہو تو تم نے گردن چھڑائی۔

اپنی دودھ والی اونٹنی کسی کو بخشش دو تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔

قطع رحمی کرنے والے رشتہ داروں سے تم ناطہ جوڑو۔

بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، اگر یہ اعمال تم نہ کر سکو۔ تو

لوگوں کو نیک بات کہو۔ بُری باتوں سے روکو

اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

(احمد/ترغیب و ترہیب بحوالہ زادِراہ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

محبوب و مردود بندے

حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رسول اللہؐ : اے ابن مسعود! اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے بندوں کے درمیان رزق کی تقسیم فرما دی ہے۔ اُسی طرح اخلاق بھی بانٹ دیے ہیں اللہ تعالیٰ رزق تو ہر ایک کو عطا کرتا ہے۔ اُن کو بھی جو اُس کو پیارے ہیں، اُن کو بھی جو اُس کو ناپسند ہیں۔

لیکن دین پر چلنے کی توفیق صرف اُن کو عطا ہوتی ہے جو اللہ کو محبوب ہیں۔

سارے دیندار اللہ کے پیارے بندے ہیں۔

قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔

کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اُس کا دل اور اس کی زبان —دونوں مسلمان نہ ہو۔

اور کوئی بندہ اس وقت تک مومن کہلانے کا مستحق نہیں جب تک اُس کا ہمسایہ اُس کے بوائق سے سے اپنے آپ محفوظ نہ سمجھے۔

صحابہ : یارسول اللہ! بوائق سے آپ کی کیا مراد ہے؟

رسول اللہؐ: کسی کا حق مارنا، ظلم کرنا۔ تو سنو! کسبِ حرام کرنے والا اللہ کی برکت سے محروم رہتا ہے۔
اس کی خیرات رائیگاں جاتی ہے۔ جو مال چھوڑ کر وہ مرجاتا ہے۔ وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہے۔
اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے نہیں بھلائی سے مٹاتا ہے۔

(احمد)

ایک وصیت

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوذر غفاریؓ کا مکالمہ۔

ابوذرؓ: یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔

رسول اللہؐ: اللہ سے ڈرو، یہ تمام اعمالِ حسنہ کی بنیاد ہے۔

ابوذرؓ: اے اللہ کے نبیؐ! کچھ اور فرمایئے۔

رسول اللہؐ: قرآن کی تلاوت کرو، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو یہ اعمال دنیا میں تمہارے لیے روشنی کا ذریعہ ہوں گے
اور آسمانوں پہ تمہارے ذکر کا باعث ہوگا۔

ابوذرؓ: یا رسول اللہؐ: مزید ارشاد ہو

رسول اللہؐ: بہت زیادہ مت ہنسو، یہ دلوں کو مردہ اور چہروں کو تاریک بنا دیتا ہے۔

ابوذرؓ: یا رسول اللہ! کچھ اور فرمایئے!

رسول اللہؐ: جہاد میری اُمت کی رہبانیت ہے۔ اسے فرض سمجھو، غریبوں سے محبت رکھو، اُن کے
قریب جاؤ۔

ابوذر: یا رسول اللہ! مزید ارشاد فرمائیں۔

رسول اللہ: ہمیشہ اُن کی طرف دیکھو جو مال و مرتبہ میں تم سے کم ہوں۔ ایسوں کو مت دیکھو، جو دنیاوی
مال و جاہ میں تم سے آگے ہوں۔ اگر ایسا کرو گے، تو کفرانِ نعمت کے جذبہ سے محفوظ رہو گے۔
ہمیشہ سچی بات کہو، چاہے کڑوی کیوں نہ ہو۔

ابوذر: یا رسول اللہؐ! کچھ اور مرحمت فرمائیں۔

رسول اللہؐ: اے ابوذر! دوسروں کے عیوب سے صرف نظر کرو۔ ہمیشہ اپنی کمزوریوں اور عیوب
کو نگاہ میں رکھو۔ کبھی اس بات کا بُرا نہ مناؤ کہ لوگ وہی کچھ کرتے ہیں، جو تم کرتے ہو۔
یہ گناہِ کبیرہ ہے کہ آدمی کی نگاہ اپنے عیوب پر تو نہ ہو، لیکن ہمیشہ دوسروں میں عیوب ڈھونڈھتا
پھرے۔ (ابوذر کے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔)

اے ابوذر! عقل مند وہ ہے جو غور و تدبر سے کام لے انجام کو نظر میں رکھ کر کام کرے۔ حرام سے

نیچے کہ یہ سب سے عظیم تقویٰ ہے۔
حسنِ اخلاق سے پیش آئے کہ اس سے بڑی کوئی شرافت نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف دل میں نہ لانا۔

بیہقی شعب الایمان۔ ترغیب و ترہیب بحوالہ ترجمان السنہ جلدؔ صد ۲۰۱

ایک جامع مکالمہ

حضرت جابر بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ میرا گذر ایک مقام پر ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک شخص کلام فرما رہے ہیں، اور مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔ وہ صاحب جو کلمہ بھی منہ سے نکالتے ہیں، لوگ آمنا وصدقنا پکار اٹھتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں —؟ لوگوں نے کہا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
میں اُن کے پاس گیا اور عرض کیا۔
جابرؓ: علیک السلام۔ یا رسول اللہ
رسول اللہؐ: علیک السلام مت کہو۔ ایسا تو مردوں کو کہا جاتا ہے۔
السلام علیک کہا کرو۔
جابرؓ: آپ اللہ کے رسول ہیں؟
رسول اللہؐ: ہاں!
اس اللہ کا، جسے تم مصیبت میں پکارو، تو مصیبت دور فرما دے بارش کے لیے دعا کرو، تو پانی برسائے اور تمہارے لئے غلّہ اُگائے۔ کسی صحرا یا بیابان میں دوران سفر، اگر تمہاری سواری گم ہو جائے۔ اُسے پکارو، تو تمھیں تمہاری سواری واپس مل جائے۔
جابرؓ: اے اللہ کے نبیؐ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔
رسول اللہ: کسی کو بُرا بھلا نہ کہو۔
احسان کو حقیر مت جانو۔
تمہارا تہبند ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تکبر کو پسند نہیں فرماتا:
ہمیشہ اپنا تہبند نصف پنڈلی تک رکھو،
اگر کوئی تمھیں بُرا بھلا کہے۔ تمہارے عیب گنوا کر تمھیں شرمندہ کرے تو تم صبر کرو۔ اس صورت میں اللہ تعالےٰ خود اس سے بدلہ لے گا۔ ظلم کے قریب نہ جاؤ۔ یہ قیامت کے دن ظالم کے لئے تاریکیوں کا سبب بنے گا۔

خود غرضی، حرص مال، اور بخل سے دُور رہو، ان عادات نے تم سے پہلوں کو غارت کیا، لوگوں کو قتل و غارت گری پر اُکسایا۔ جان، مال، آبرو تباہ ہوئے جس کی وجہ سے کئی دوسرے گناہ وجود میں آئے۔

(مسلم، ترمذی، نسائی)

اسوۂ حسنہ

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔

۱۔ کھلے اور چھپے ۔ ہر حال میں خدا سے ڈروں ۔

۲۔ مہربانی ، غصہ، دونوں صورتوں میں انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دوں ۔

۳۔ امیری ہو یا فقیری۔ ہر حال میں راستی و اعتدال پر قائم رہوں ۔

۴۔ جو مجھ سے قطع تعلق کرے۔ میں صلہ رحمی برتوں۔

۵۔ زیادتی کرنے والے کو معاف کردوں ۔

۶۔ محروم کرنے والے کو عطا کردوں۔

۷۔ میری نگاہ ، نگاہِ عبرت ہو ۔

۸۔ میرا سکوت ، فکر و تدبر کا حامل ہو۔

۹۔ اللہ کا ذکر۔ میری گفتگو کا محور و مرکز ہو،

اور نیکی کا حکم دوں اور بدی سے روکوں ۔

(مشکوٰۃ شریف)

ایک خاص واقعہ

اُسامہ بن زید کہتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کے سلسلہ میں جہینہ کے اطراف میں بھیجا۔ وہاں جب پہنچے، تو دشمنوں کا ایک آدمی ہمارے ہاتھ لگا، اُس نے فوراً ہی لا الٰہ الا اللہ پڑھا۔ مگر میں نے تیغ اُن سُنی کر دی اور اُسے قتل کر دیا ——یہ حادثہ میرے لیے بعد میں ذہنی خلفشار کا موجب بن گیا۔ جب ہم واپس مدینہ پہنچے تو میں نے سارا ماجرا حضورؐ کے گوش گذار کیا —— تو حضورؐ نے فرمایا۔

واقعی۔ کیا لا الٰہ کہنے کے باوجود بھی۔ تم نے اُسے قتل کر دیا ؟

اُسامہؓ : ہاں، یا رسول اللہؐ ! ایسا ہی ہوا، مگر اُس نے کلمہ محض جان کے خوف سے پڑھا۔ دل سے نہیں۔

رسول اللہؐ: اُسامہ! کیا تو نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ کہ اُس نے محض جان کے خوف سے اسلام کا اقرار کیا، یا واقعی یہ اُس کا دلی اقرار تھا ؟

اُسامہ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے یہ جملہ بار بار دُہرایا۔ تو میری جان پر بن آئی۔ حالت یہ ہوگئی کہ میں تمنا کرنے لگا۔
کاش! میں نے اسی دن اسلام قبول کیا ہوتا۔

خیرات

ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں، سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رسول اللہؐ: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا فرض ہے۔

صحابہؓ: اے اللہ کے نبیؐ! اگر قدرت نہ ہو؟

رسول اللہؐ: ہاتھوں سے محنت کرے۔ خود بھی مستفید ہو اور خیرات بھی کرے۔

صحابہؓ: یارسول اللہ! اگر یہ بھی ممکن نہ ہو؟

رسول اللہؐ: تو دوسرے عاجز، محتاج اور معذور بندوں کی امداد کرے۔

صحابہؓ: اے اللہ کے رسول! اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو؟

رسول اللہؐ: اچھی باتوں کی تلقین کرے۔

صحابہؓ: اگر یہ بھی نہ کر سکے تو؟

رسول اللہ: برائی سے اپنا دامن بچائے۔ یہی اُس کا صدقہ ہے۔

(بخاری جلد ۳، کتاب الادب صفحہ ۲۵۴)

حکومت کے طلبگار

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہمراہ میں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا، میرے ایک ساتھی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

ایک ساتھی:- یارسول اللہؐ۔ اللہ تعالےٰ کے امر سے آپ حاکم وقت ہیں۔ مجھے بھی ملک کے کسی حصّہ کی امارت عطا فرمایئے۔

دوسرا ساتھی:- یارسول اللہ۔ میری بھی یہی تمنا ہے۔

رسول اللہ:- خدا کی قسم! جو شخص بھی ہم سے حکومت کا طلب گار ہوگا۔ ہم اُس کو ہرگز حاکم نہیں بنائیں گے۔

عبدالرحمان بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ حضور رسید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

اے عبدالرحمان، حکومت اور امارت کے طلب گار نہ بننا، کیوں کہ اگر طلب کرنے پر تجھے امارت حکومت ملی، تو تو اللہ تعالےٰ کی مدد سے محروم رہے گا۔ اللہ اگر بن مانگے تجھے امارت مل گئی تو

اللہ تعالیٰ تمہارا معاون و مددگار ہوگا۔
ہاں. اگر تم نے کوئی کام کرنے کی قسم کھالی۔
اور پھر اُس کے خلاف کرنا مناسب سمجھا۔
تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے جو کام بہتر معلوم ہو۔ وہی کر

بخاری جلد ۶ کتاب الاحکام صفحہ ۲۳۴-۲۳۵۔

قیامت میں رفیق

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور میں مسجد سے باہر نکل رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے دریافت کیا۔

وہ شخص: اے اللہ کے نبی — قیامت کب برپا ہوگی؟

رسول اللہؐ: تو نے قیامت کے لیے کوئی توشہ بھی تیار کیا ہے۔

وہ شخص: (سوچتے ہوئے!) حضورؐ! میں نے بہت زیادہ روزے، نماز اور صدقہ تو تیار نہیں کیا۔ البتہ مجھے اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے شدید محبت ہے۔

رسول اللہ! تو سن لے، قیامت کے روز تجھے اُسی کی رفاقت نصیب ہوگی جو تجھے محبوب ہوگا!

(بخاری جلد ۶: کتاب الاحکام صفحہ ۲۳۰)

طوالتِ نماز

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:
یا رسول اللہ! خدا کی قسم کہ میں صرف اس وجہ سے صبح کی نماز میں شامل نہیں ہوتا۔ کہ فلاں صاحب نماز کو زیادہ طویل کر دیتے ہیں۔

رسول اللہؐ: (سخت جلال میں): تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو لوگوں کے دلوں میں دین کے خلاف نفرت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔
یاد رکھو۔ اگر تم میں سے کسی کو امام مقرر کیا جائے۔ تو وہ نماز میں اختصار سے کام لے۔
مقتدیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں، اور ضعیف العمر بھی ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں کام پر جانا ہوتا ہے

(بخاری جلد ۶، کتاب الاحکام صفحہ ۲۴۱)

حضرت علی حیدرؓ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ

سنتِ مصطفویہؐ و طریقِ محمدیہؐ:-

حضرت علی حیدرؓ:۔ یارسول اللہ۔ اپنی سنت اور طریقہ سے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں ۔
رسول اللہ: اے علی:

معرفت میرا راس المال ہے
عقل میرے دین کی اصل ہے ۔
محبت میری بنیاد ہے ۔
شوق میرا مرکب ہے
ذکر الٰہی میرا مونس ہے
اعتماد میرا خزانہ ہے
حزن میرا رفیق ہے ۔
علم میرا ہتھیار ہے
صبر میرا لباس ہے ۔
رضا میری غنیمت ہے ۔
عجز میرا فخر ہے ۔
زہد میرا حرفہ ہے ۔
یقین میری خوراک ہے ۔
صدق میرا ساتھی ہے ۔
طاعت میری خلق ہے ۔
اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۔
(کتاب الشفاء قاضی عیاض، بحوالہ رحمت للعالمین جلد ۳ ص ۱۹۹)

یہود سے ایک گفتگو

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ کچھ یہودی دربار رسالت میں آئے اور کہا:
السام علیکم (تم پر موت وارد ہو) تو میں نے جواباً کہا۔
علیکم ولعنکم اللہ وغضب اللہ۔
(تم ہی پر موت وارد ہو، اللہ کی پھٹکار ہو تم پر، اللہ کا غضب تم پر بھڑکے)
رسول اللہ: اے عائشہ، صبر کرو، نرمی اور ملائمت اختیار کرو۔ سخت کلامی سے بچو،

حضرت عائشہؓ : یا رسول اللہؐ ! آپ نے ان کی بات نہیں سُنی ۔
رسول اللہؐ :۔ تو نے میرا جواب نہیں سنا ۔ میں نے بھی تو اُن کا جملہ انہیں پہ لوٹا دیا ۔
میرے الفاظ کو تو بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل ہو گی ۔ مگر
اُن کے قول کو نہیں ۔

(صحیح بخاری کتاب الادب صفحہ ۲۵۰)

(۲)

تعلیمات

صدقات ، محنت کی کمائی

ایک غریب آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

ایک غریب انصاری : یا رسول اللہؐ ۔ حاجت مند ہوں کچھ عطا فرمایئے ۔
رسول اللہؐ : کیا تیرے گھر میں کچھ بھی نہیں ؟
انصاری : صرف ایک کمبل ہے جس سے اوڑھنے بچھونے کا کام لیتے ہیں ۔ پانی پینے کا ایک پیالہ ہے ۔
رسول اللہؐ : یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ ۔
(کمبل اور پیالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے) کون ہے جو ان دونوں چیزوں کو خریدلے ۔
ایک شخص : یا رسول اللہؐ ۔ میں ان کی قیمت ایک درہم دے سکتا ہوں ۔
رسول اللہ :۔ اے لوگو ! کوئی ہے ۔ زیادہ قیمت لگانے والا ؟ ۔ (۳ بار فرمایا)
دوسرا شخص : یا رسول اللہ ! میں دو درہم دینے کو تیار ہوں ۔
رسول اللہ : اچھا یہ چیزیں لو اور ۲ درہم اس کے مالک کو دے دو ۔
(انصاری سے) ، سنو ! ایک درہم میں اپنے بال بچوں کے لئے کھانے پینے کا سامان لو اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خرید لو ۔ پھر میرے پاس آؤ ۔
وہ شخص کلہاڑی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس میں دستہ لگایا ۔ (کلہاڑی انصاری کو دیتے ہوئے) جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو ۔ پندرہ دن تک میرے پاس نہ آنا ۔
وہ شخص پندرہ دن تک حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی :۔
انصاری : یا رسول اللہ ۔ کل دس درہم کمائے ۔ کچھ کا تو کپڑا خریدا ۔ کچھ پیسوں سے غلہ ۔

رسولؐ اللہ : اپنی محنت سے کمانا تمہارے لیے اس سے بہت بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے
سوال کرنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہو۔
سوال کرنا صرف تین آدمیوں کو زیب دیتا ہے۔
ایک وہ جو فقر و فاقہ سے بالکل نادار و لاچار ہو گیا ہو۔
دوسرا وہ جس پر قرض کا بوجھ ہو، یا تاوان کا۔
تیسرا وہ، جس کو خون بہا ادا کرنا ہو، اور ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔
(ابو داؤد — بروایت حضرت انسؓ معارف الحدیث جلد ۴)

انفاق اور توکل

رسول اللہؐ (حضرت بلال کے پاس چھواروں کا ڈھیر دیکھ کر)۔ اے بلال! یہ کیا ہے؟
حضرت بلالؓ : یا رسول اللہ۔ اسے آنے والے دنوں کے لئے ذخیرہ کیا ہے۔
رسول اللہ صؐ :۔ بلال! کیا تمھیں اس بات کا خوف نہیں کہ کل قیامت کے روز تمھیں اس کی سوزش
اور تپش برداشت کرنی پڑے۔
اے بلال۔ جو رزق تمھیں ملے۔ اُسے اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرو۔
اور یہ خوف مت کھاؤ کہ اللہ پاک کمی کر دے گا۔

شعب الایمان بیہقی
معارف الحدیث جلد ۴ بروایت حضرت ابوہریرہؓ

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر اور نہ کرنے کا خسارہ

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ اس وقت کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔
رسول اللہؐ : کعبہ کے رب کی قسم، وہ لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں؟
ابوذرؓ : میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ کون لوگ؟
رسول اللہؐ : وہ جو دولت مند اور سرمایہ دار ہیں۔
ہاں ان میں وہ لوگ عافیت میں رہیں گے جو اپنی دولت ہر طرف نہایت فراخ دلی اور کھلے ہاتھوں
(کار خیر) میں صرف کرتے ہیں مگر ان میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔
(صحیح بخاری و مسلم)

بہتر صدقہ

ایک شخص :۔یا رسول اللہؐ! کونسا صدقہ زیادہ بڑا ہے؟ اور بڑے اجر والا ہے؟

رسول اللہؐ :۔ صدقہ کا زیادہ اجر اس صورت میں ہے کہ تم تندرست بھی ہو۔ تم میں مال کی چاہت بھی ہے اور تمہیں محتاج ہونے کا خطرہ ہو، اور دولت مند بننے کی آرزو بھی۔

ایسا نہ ہو کہ تم اسی سوچ بچار میں عمرِ عزیز گذار دو۔ جب موت سر پہ آن کھڑی ہو، جان کھنچ کر حلق میں آگئی ہو۔ تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو، کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو۔ — حالاں کہ اب تو مال ان وارثوں کو مل ہی جائے گا۔

(صحیح بخاری و مسلم) بروایت ابوھریرہؓ

مکالمہ ۲

ایک شخص: یارسول اللہؐ! میرے پاس ایک دینار ہے۔

رسول اللہؐ: اس سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرو

وہی شخص: ان کو پورا کرنے کے لیے میرے پاس ہے۔

رسول اللہؐ: تو اس سے اپنی اولاد کی ضرورتوں کو پورا کرو۔

وہی شخص: ان کو دینے کے لئے میرے پاس اور ہے۔

رسول اللہؐ: تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو۔

وہی شخص: یارسول اللہ۔ اُسے دینے کو بھی میرے پاس ہے۔

رسول اللہؐ: تو تمہارے غلام اور خادم اس کے حق دار ہیں۔

وہی شخص: ان کے لیے بھی میرے پاس (گنجائش) ہے۔

رسول اللہؐ: پھر تم ہی بہتر جانتے ہو۔

(ابوداؤد، نسائی) بحوالہ ابوھریرہؓ

——— معارف الحدیث جلد ۴

اہل قرابت اور صدقہ

ابوطلحہ انصاریؓ :۔ یا رسول اللہؐ! ارشاد ربانی ہے :۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔

ترجمہ (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم اپنی پیاری چیزوں کو راہِ خدا میں خرچ نہ کرو)

اے اللہ کے رسولؐ! مجھے اپنے سارے اموال میں بیرحاء سب سے زیادہ عزیز ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں میرا یہ توشہ ہوگا اور ثواب کا باعث اُس لئے جیسا اللہ تعالیٰ آپؐ کو سمجھائے اس بارے میں فیصلہ دیں۔

رسول اللہؐ: سبحان اللہ۔ یہ تو بڑی ہی سود مند اور کار آمد جائداد ہے۔ میں نے سن لیا جو تم نے کہا مناسب یہی ہے کہ تم اسے اُن قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو جو حاجت مند ہوں۔

ابو طلحہؓ: یا رسول اللہؐ۔ ایسا ہی ہوگا۔

چنانچہ ابو طلحہؓ نے وہ باغ اپنے عزیزوں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

(صحیح بخاری و مسلم بروایت حضرت انس)

مرنے والوں کی طرف سے صدقہ

سعد بن عبادہ: یا رسول اللہ۔ میں موجود نہیں تھا۔ جب میری والدہ انتقال فرما گئیں۔ اب اگر میں اُن کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا صدقہ کا انھیں فائدہ ملے گا؟

رسول اللہؐ: ہاں! (اس کا فائدہ) انھیں ضرور پہنچے گا۔

سعد بن عبادہ: یا رسول اللہؐ! آپؐ میرے گواہ ہیں کہ میں نے اپنا باغ مخراف۔ اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کردیا۔

(صحیح بخاری: بروایت ابن عباسؓ)

رمضان کا چاند: (شہادت)

بدوی: یا رسول اللہ! میں نے آج چاند دیکھا ہے۔

رسولؐ اللہ: کیا تم 'لا إلٰہ الا اللہ' کی شہادت دیتے ہو؟

بدوی: ہاں، یا رسول اللہ! میں 'لا إلٰہ الا اللہ' کی شہادت دیتا ہوں۔

رسول اللہؐ: اور کیا تم 'محمد رسول اللہ' کی شہادت دینے پر تیار ہو؟

بدوی: ہاں! اے اللہ کے رسولؐ۔ میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں۔

رسول اللہؐ: بلال جاؤ اور لوگوں میں چاند کا اعلان کردو کہ کل سے روزے رکھیں۔

ابی داؤد، ترمذی۔ بروایت ابن عباس

معارف الحدیث جلد ۴

روزے کا کفارہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص وہاں آیا اور عرض کیا:-

ایک شخص:- یا رسول اللہ! میں تو برباد ہو گیا۔

رسول اللہؐ: کیا ہوا۔ کیوں؟

وہی شخص:- میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔

رسول اللہؐ: کیا تمہارا کوئی غلام ہے، جسے اس فعل کے کفارہ کے طور پر آزاد کر دو؟

وہی شخص:- یا رسول اللہؐ نہیں۔

رسول اللہؐ: پھر دو مہینے متواتر روزے رکھو۔

وہی شخص: حضور! ایسا کرنے کی اپنے میں سکت نہیں پاتا۔

رسول اللہؐ:- تو کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟

وہی شخص:- حضور! میرے پاس اتنا مال نہیں۔

رسول اللہؐ:- تو پھر انتظار کرو۔

(اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کا ایک بڑا ٹوکرا آیا)

رسول اللہؐ:- سائل کہاں ہے؟

وہی شخص: میں حاضر ہوں، یا رسول اللہ!

رسول اللہؐ:- اس ٹوکرے کو لو اور صدقہ کر دو۔

وہی شخص:- یا رسول اللہ۔ کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجتمند ہوں؟ خدا کی قسم۔ مدینہ کی دونوں طرف کی چٹانوں کے درمیان میرے اہلِ خانہ سے زیادہ کوئی دوسرا حاجت مند نہیں۔

رسول اللہؐ (ہنستے ہوئے کہ دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے) اچھا۔ یہ کھجوریں اپنے اہلِ خانہ ہی کو کھلا دو۔

(صحیح بخاری)

نفلی روزے

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

رسول اللہؐ: مجھے تمہارے متعلق علم ہوا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دیتے ہو۔

عبداللہ:- ہاں، یا رسول اللہؐ۔ ایسا ہی ہے۔

رسول اللہؐ :۔ یہ معمول ترک کر دو۔ روزے بھی رکھو اور ناغہ بھی کیا کرو۔
رات میں نماز بھی پڑھا کرو اور سوؤ بھی،
تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔
تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔
تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔
تمہارے مہمان بھی تم پر حق رکھتے ہیں۔

سنو! جو مسلسل روزہ رکھے۔ اُس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں۔ ہر مہینہ میں تین نفلی روزوں کا حکم ہے۔ اگر اس پر تمہارا عمل ہو تو سمجھو کہ ہمیشہ روزہ سے رہے۔

بس ہر مہینہ میں تین روزے رکھو اور ہر ماہ (تہجد) میں ایک بار قرآن پاک ختم کیا کرو۔

عبداللہؓ :۔ یارسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔

رسول اللہؐ : تو پھر تم (حضرت) داؤدؑ کے اسوہ پر عمل کرو۔ ایک دن روزہ رکھو، ایک دن ناغہ کرو۔ سات راتوں میں ایک بار قرآن ختم کیا کرو۔ اس سے زیادہ نہیں۔ (صحیح بخاری)

۲۔ ایک شخص :۔ یارسول اللہؐ! آپ کا روزہ رکھنے کا طریقہ کیا ہے۔

حضرت عمرؓ : (حضورؐ کے رُخِ انور پر ناگواری کے اثرات دیکھتے ہوئے) ———

ہم راضی ہیں اللہ، کو اپنا رب مان کر اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی مان کر ——— ہم اللہ کی ناراضی اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(حضورؐ کے رُخِ انور پر شگفتگی دیکھتے ہوئے) :۔ یارسول اللہؐ! اس شخص کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے جو لگاتار روزہ رکھے؟

رسول اللہؐ : نہ اُس نے روزہ رکھا، نہ افطار کیا۔

حضرت عمرؓ :۔ ایسے شخص کے بارے میں حضورؐ کا کیا فرمان ہے جو دو دن روزہ سے رہے اور ایک دن ناغہ کرے۔

رسول اللہؐ : کیا کسی شخص میں اتنی سکت ہے؟

حضرت عمرؓ :۔ اس بارے میں حضورؐ کا کیا خیال ہے کہ ایک دن روزہ سے رہے۔ اور ایک دن ناغہ کرے۔

رسول اللہؐ :۔ یہ سنت داؤدؑ ہے۔

حضرت عمرؓ :۔ اس بارے میں حضورؐ ارشاد فرمائیں کہ ایک دن تو روزہ سے ہو اور دو دن ناغہ کیا جائے ——— تو کیسا رہے۔

رسول اللہؐ :- میری آرزو ہے کہ اللہ پاک مجھے اس کی قوت عطا فرمائے ہر مہینہ میں ۳ نفلی روزے رمضان تا رمضان، مسلسل روزے رکھنے کے برابر ہیں۔
یوم عرفہ کا روزہ اپنے سے پہلے سال اور اپنے بعد کے سال کے گناہوں کو پاک کر دیتا ہے۔ مجھے اپنے اللہ سے اسی کرم کی توقع ہے۔ جہاں تک یوم عاشورا کے روزے کا تعلق ہے مجھے امید ہے کہ اللہ پاک اس سے پہلے سال کے گناہوں کی تطہیر کر دیتا ہے۔

(صحیح مسلم)

یوم عاشورہ کا روزہ

۱۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

" ہجرت فرمانے کے بعد جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہود یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ کے اور یہود کے درمیان یہ بات چیت ہوئی "

رسول اللہؐ :- آخر اس میں کونسی ایسی خصوصیت ہے کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟

یہود :- ہمارے نزدیک اس دن کی بڑی عظمت ہے۔ یہی وہ دن ہے جب اللہ پاک نے موسیٰؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی یہی وہ دن ہے۔ جب فرعون بمع اپنے لشکر کے اللہ کے حکم سے غرقِ آب ہوا، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے شکر ادا کرنے کی خاطر اس دن روزہ رکھا۔ ہم بھی حضرت کی پیروی کرتے ہیں۔

رسول اللہؐ :- اللہ کے پیغمبر موسیٰؑ سے ہمارا تعلق تم سے کہیں زیادہ ہے۔ اور ہم اس لحاظ سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

چنانچہ حضورؐ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی اس کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری)

۲۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں :- جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کو روزہ رکھنا اپنا معمول بنا لیا تو اپنی امت (صحابہؓ) کو بھی اس کا حکم دیا۔ بعض صحابہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

صحابہؓ :- یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ کے نزدیک یہ دن بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے، وہ اسے خاص دن کی حیثیت سے مناتے ہیں۔

رسول اللہؐ :- ان شاء اللہ۔ اگلے سال ہم نویں کو بھی روزہ رکھیں گے۔

(صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور سرورِ کائنات ؐ کے درمیان گفتگو

رسول اللہ ؐ: اے عائشہ، کیا تمہارے پاس اس وقت کچھ کھانے کو ہے؟

حضرت عائشہؓ: حضور۔ اس وقت تو کچھ بھی نہیں۔

رسول اللہ ؐ: اچھا۔ تو اب ہم روزہ رکھ لیتے ہیں۔

(پھر کسی دوسرے دن حضرت کی تشریف آوری)

حضرت عائشہؓ: یا رسول اللہ ؐ! آج ہمارے ہاں حَیس ہدیہ میں آیا ہے۔ آپ اسے نوش فرمالیں۔

رسول اللہ ؐ: تو لاؤ۔ ویسے تو ہم نے آج روزے کی نیت کر رکھی تھی۔ پھر آپ نے نوش فرمالیا اور روزہ نہیں رکھا۔

احرام

ایک مکالمہ

ایک شخص: یا رسول اللہ مُحرِم کو کیا کیا کپڑے پہننے چاہئیں؟

رسول اللہ ؐ: (مُحرِم) کُرتا قمیص پہنے نہ سر پر عمامہ باندھے۔ نہ شلوار یا جامہ پہنے اور نہ بارانی۔ اور نہ پاؤں میں موزے پہنے، ہاں اگر اس کے پاس چپل یا جوتا نہ ہو تو مجبوری ہے۔ ایسے میں وہ موزے پہن لے، لیکن ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر جوتے جیسا بنا لے۔ اور ہاں۔ ایسا کوئی کپڑا استعمال نہ کرو جس میں زعفران یا ورس لگا ہو۔

بخاری بروایت عبداللہ بن عمرؓ

یوم النحر — کی گفتگو

ابوبکرہ ثقفیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے گفتگو فرمائی۔

رسول اللہ ؐ: زمانہ گھوم پھر کر اپنی اُس اصلی حالت پر آ گیا ہے۔ جیسا کہ وہ اس وقت تھا جب زمین و آسمان تخلیق کئے گئے۔ سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ ان میں کے ۴ مہینے خاص طور پر قابلِ احترام ہیں — تین مہینے تو لگاتار ہیں یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام — اور چوتھا مہینہ رجب ہے، جو جمادی الآخر اور شعبان کے بیچ میں آتا ہے۔

بجے مضر کے لوگ زیادہ مانتے ہیں۔

ہاں بتاؤ تو یہ مہینہ کون سا ہے؟

حاضرین: یا رسول اللہ ؐ! اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

رسول اللہؐ : (چند لمحے خاموشی کے بعد) "یہ" ذی الحجہ" نہیں ہے؟

حاضرین - بیشک، اے اللہ کے رسولؐ!

رسول اللہؐ :- ہاں تو- اس شہر کا کیا نام ہے؟

حاضرین : یا رسول اللہؐ- اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہی زیادہ علم ہے -

رسول اللہؐ (تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد- کیا یہ "مکہ" نہیں -

حاضرین ، بے شک - اے اللہ کے نبی -

رسول اللہ : آج کونسا دن ہے ؟

حاضرین ؛ اللہ اور اللہ کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں -

رسول اللہؐ : کیا آج "یوم النحر" نہیں

حاضرین : یا رسول اللہ - یقیناً آج یوم النحر ہے

رسول اللہؐ :- تو غور سے سنو ، تمہارے خون ، تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں - بالکل اسی طرح جیسے آج کے مبارک اور مقدس دن میں ، اس بلدۃ الحرام میں اور تمہارے اس ماہ حرام میں کسی کا مال لوٹنا یا کسی کی آبرو پر حملہ کرنا حرام ہے - وہ وقت قریب ہے - جب تمہیں اپنے مالک کے حضور پیش ہونا ہے - جہاں تمہیں اپنے اعمال کا حساب پیش کرنا ہوگا -

خبردار - اے لوگو خبردار ، میرے بعد کہیں گمراہ نہ ہو جانا -

اے لوگو ! بتاؤ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا -

حاضرین :- یا رسول اللہ ! بے شک آپ نے رسالت کا حق ادا فرما دیا -

رسول اللہؐ : (اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے) :- "اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ" اے اللہ تو گواہ رہنا -

(حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے) :- اے لوگو غور سے سنو !

جو لوگ یہاں موجود ہیں ، انہیں چاہیے کہ وہ (میرا پیغام) ان لوگوں تک پہنچا دیں جو لوگ یہاں موجود نہیں ، (ایسا ہوتا ہے کہ) بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے کے ذریعے کوئی بات پہنچے ، وہ اس سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں -

———— (صحیح بخاری ، صحیح مسلم)

قربانی

رسول اللہؐ : (عید الاضحیٰ کے موقعہ پر) : اے لوگو ! تم میں سے جو شخص قربانی کرے ، اُسے چاہئیے کہ (قربانی سے)

تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔

صحابہؓ: (دوسرے سال) یا رسول اللہ۔ کیا اس سال بھی ہم ویسا کریں جیسا آپ نے گئے سال ہمیں ہدایت فرمائی تھی۔

رسول اللہؐ: نہیں، خوب کھاؤ۔ کھلاؤ اور پس انداز بھی کرو۔ گذشتہ سال عام لوگ تنگدستی کا شکار تھے۔ اس لیے میں نے تمھیں (پس انداز کرنے سے منع کیا تھا)۔ میری خواہش تھی۔ کہ غریب لوگ بھی قربانی کے گوشت سے متمتع ہو سکیں۔

(صحیح بخاری: صحیح مسلم)

حرم پاک کی حرمت

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جناب رسالتمآب نے فرمایا۔

رسول اللہؐ:- اے لوگو! ہجرت تمام ہوئی۔ البتہ جہاد باقی ہے۔ اور نیت بھی، تو جب تمہیں اللہ کی راہ میں کوچ کرنے کا حکم ملے تو اس کی تعمیل کرو۔

یہ بلدۃ الحرام! اللہ تعالےٰ اس شہر کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے۔ جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ (اور تا قیام قیامت محترم رہے گا)

مجھ سے پہلے اللہ نے کسی بندے کو اس محترم سرزمین میں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ مجھے بھی اگر اجازت ملی۔ تو تھوڑے سے وقفے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی یہ رخصت صرف ہنگامی تھی۔

اس لمحے کے بعد قیامت تک کے لئے اس سرزمین حرام میں نہ تو قتال کی اجازت ہے اور نہ کسی ایسے اقدام کی جو اس کی عظمت و حرمت کے منافی ہو۔ اس سرزمین کی کانٹے دار جھاڑیاں بھی کاٹنا خلاف ادب ہے۔ یہاں شکار کرنا بھی منع ہے اگر یہاں کوئی گری پڑی چیز ملے۔ تو اس کے اٹھانے کا وہی حق دار ہے۔ جو باقاعدہ اس کا اعلان اور تشہیر کرے۔ یہاں اُگنے والی سبز گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔

حضرت عباسؓ:- یا رسول اللہؐ! اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیں۔ یہاں کے آہن گر اسے (بھٹیوں میں) استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتیں پاٹنے میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

رسول اللہؐ:- اچھا۔ تو اس کے کاٹنے کی اجازت ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

طہارت سے غفلت

حضرت ابن عباس کا بیان ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا:

رسول اللہ: ان قبروں کے مکینوں پر عذاب ہو رہا ہے۔
یہ عذاب کسی بھاری یا ایسے گناہ کی وجہ سے بھی نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ ان میں سے ایک گناہ تو یہ ہے کہ وہ پیشاب کی آلائش سے بچنے اور اسے دور کرنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا۔
دوسرے میں چغلیاں کھانے کی عادت تھی۔

حضور نے کھجور کی ایک سبز شاخ لی، اس کو درمیان سے چیرا۔ اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔

صحابہ: (یہ دیکھتے ہوئے) یا رسول اللہ۔ اس کا فائدہ؟

رسول اللہ: مجھے امید ہے کہ جب تک یہ ٹکڑے سبز رہیں گے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں

جب سورۂ توبہ کی اس آیت کا نزول ہوا:

"فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ"

(اس (مسجد قبا) میں ایسے بندے ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں، اللہ پاکیزگی پسند کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار فرمایا:

رسول اللہ: اے انصاریو! اللہ نے پاک صاف رہنے والوں میں تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ وہ کونسی صفائی اور طہارت ہے، جو تم کرتے ہو؟

انصار: یا رسول اللہ! ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں۔
غسلِ جنابت کرتے ہیں۔
اور استنجا میں پانی استعمال کرتے ہیں۔

رسول اللہ: بہت خوب، اس کو تم اپنے اوپر لازم کر لو۔

(ابن ماجہ / معارف الحدیث جلد ۳)

رسول اللہ: اے لوگو! میں تمہارے لیے مثل ایک باپ کے ہوں۔ اس لیے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں کہ:
جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ۔ تو نہ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو اور نہ اس طرف تمہاری پیٹھ ہو۔
استنجا کرتے وقت تین پتھر استعمال کیا کرو۔ استنجا میں لید اور ہڈی ہرگز استعمال نہ کرو۔ اور استنجا کرتے

وقت اپنا دایاں ہاتھ استعمال میں نہ لاؤ۔

(ابن ماجہ، دارمی / معارف الحدیث جلد ۳)

وضو:- ایک مکالمہ:

رسول اللہؐ :- کیا تمھیں میں وہ اعمال نہ بتاؤں — ؟ جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔
اور درجات بلند فرماتے ہیں۔

صحابہؓ : یا رسول اللہؐ ضرور ارشاد فرمائیں۔

رسول اللہؐ : چاہے تکلیف ہو، چاہے ناگوارِ خاطر ہو — وضو پورا پورا کرو۔
تمہارے قدم ہمیشہ مسجد کی طرف اٹھیں۔
ایک نماز کے بعد تمھیں دوسری نماز کا انتظار ہو۔
پس یہی ہے حقیقی رباط۔ یہی ہے اصلی رباط
(شیطان کی غارت گری کے خلاف حصار)

(صحیح مسلم بروایت ابوہریرہؓ)

اے لوگو! دس چیزیں امورِ فطرت میں داخل ہیں:

۱۔ لبیں ترشوانا۔
۲۔ داڑھی کا چھوڑنا۔
۳۔ مسواک کا استعمال۔
۴۔ ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا۔
۵۔ ناخن کٹوانا۔
۶۔ انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا۔
۷۔ بغل کے بال صاف کرنا۔
۸۔ زیرِ ناف بالوں کی صفائی۔
۹۔ پانی کا استنجے میں استعمال۔

(صحیح مسلم بروایت حضرت عائشہؓ)

ایک اعرابی :- یارسول اللہؐ! وضو کرنے کا طریقہ بتائیے؟

رسول اللہؐ : (ہر عضو کو تین بار دھو کر دکھاتے ہوئے)
اے شخص! وضو کرنے کا یہ طریقہ ہے۔

تو جو بھی اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ کرے گا۔
وہ برائی۔ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہوگا۔

سنن نسائی۔ بروایت حضرت عمرو بن العاصؓ
معارف الحدیث جلد ۳ صفحہ ۴۲

لقیط بن صبرہؓ : یارسول اللہ۔ وضو کی بابت کچھ فرمائیں۔
رسول اللہؐ : وضو اچھی طرح اور پورا پورا کرو
ہاتھ پاؤں دھوتے وقت اُن کی انگلیوں میں خلال کرو۔
نتھنوں میں پانی چڑھا کر اُن کی اچھی طرح صفائی کرو۔
مگر روزہ کی حالت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

سنن ابی داؤد۔ بروایت لقیطؓ
معارف الحدیث جلد ۳ صفحہ ۷۱

سعد بن ابی وقاص وضو کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گذرے۔ دیکھا تو فرمایا:
رسول اللہؐ : یہ کیسے سعد! کیوں اسراف سے کام لے رہے ہو۔
سعدؓ : یارسول اللہؐ! وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟
رسول اللہؐ : کیوں نہیں۔ یہ بھی اسراف میں داخل ہے۔ چاہے تم آب رواں کے کنارے پر ہی کیوں نہ بیٹھے (وضو کر رہے) ہو۔

مسند احمد بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص
معارف الحدیث جلد ۳ : ۷۹

حضرت بلالؓ اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ

رسول اللہؐ :۔ (فجر کی نماز کے بعد) : اے بلال! وہ کونسا عمل ہے؟
جس سے تمہیں زیادہ اجر و ثواب کی توقع ہے۔
جنت میں مجھے تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے آگے آگے سنائی دی ہے۔
حضرت بلالؓ : یارسول اللہ۔ میرا عمل جس سے مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خیر و ثواب کی امید ہے۔ یہ ہے کہ میں نے رات یا دن میں۔ کسی بھی وقت جب بھی وضو کیا ہے۔ اُس وضو سے نماز ضرور پڑھی ہے۔
اس قدر۔ جتنی توفیق مجھے حق تعالے نے عطا فرمائی ہے۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

غسل: رسول اللہؐ : اے لوگو! جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے اس لئے غسل جنابت میں، بالوں کو خوب اچھی طرح دھونا چاہیے۔ اور جسم کے جس حصہ پر بال نہ ہوں۔ اُس کو بھی اچھی طرح صاف صاف دھو لینا چاہیے۔

ابی داؤد ۔ ابن ماجہ بروایت حضرت ابوہریرہؓ

معارف الحدیث جلد ۳ صہ ۸۵

حضور سرورِ عالمؐ کا غسل جنابت:۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی غسل جنابت فرماتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے تھے۔ پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجا کو صاف کرتے اور دائیں ہاتھ سے اُس پر پانی ڈالتے جاتے (طہارت کے بعد) وضو کرتے، جیسا وضو نماز کے لئے کیا جاتا ہے۔ پھر پانی لے کر اپنی انگلیوں سے پانی کر بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے ۔ جب یقین ہو جاتا ہے کہ تمام بالوں میں پانی پوری طرح پہنچ گیا ہے تو دونوں ہاتھ بھر کر تین دفعہ اپنے سر پر پانی ڈالتے۔ اور پھر سارے بدن پر پانی بہاتے ۔ آخر میں دونوں پاؤں دھو لیتے تھے ۔

صحیح بخاری / مسلم بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ

نماز:

(۱) : (صحابہ:۔ حضورؐ! نماز کے متعلق کچھ فرمائیں)

رسول اللہؐ :۔ جو بندہ اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو نماز قیامت کے دن اُس کے واسطے نور ہو گی ۔ بُرہان ہوگی۔ اور اس کے لیے ذریعہ نجات بنے گی۔
لیکن جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہ کیا تو نماز نہ اس کے لیے نور ہوگی۔ نہ بُرہان اور نہ وسیلہ نجات قیامت میں ایسا بدبخت قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف جیسے لوگوں کا رفیق ہوگا۔

مسند احمد بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص

معارف الحدیث جلد ۳ : ۱۱۲

(۲) سخت سردی کے دن تھے۔ پت جھڑ کا موسم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے (ابوذرؓ ساتھ تھے) آپ نے ایک درخت کی ۲ شاخوں کو پکڑ کر زور سے ہلایا۔ تو ایک دم پتے جھڑنے لگے ۔
حضور نے فرمایا:۔

رسول اللہؐ : اے ابوذر ۔

ابوذرؓ : میں حاضر ہوں، حضورؐ!

رسول اللہؐ : (جھڑے ہوئے پتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) جب کوئی مومن بندہ نماز کو

اللہ کے لیے خاص کرکے ادا کرتا ہے۔ تو اس کے گناہ بھی ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

مسند احمد بروایت ابوذر غفاریؓ / معارف الحدیث جلد ۲، ص ۱۱۵

(۳) صحابیؓ: یارسول اللہؐ! نماز کے اوقات تعلیم فرمائیں۔

رسول اللہ: نمازِ فجر کا وقت اس لمحہ تک ہے۔ جبکہ سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو۔

نمازِ ظہر کا وقت وہ ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی طرف ڈھل جائے۔ یہ نمازِ عصر تک رہتا ہے۔

نمازِ عصر اس وقت تک ادا ہوسکتی ہے۔ جب تک کہ سورج زرد نہ پڑنے لگے اور اس کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے۔

نمازِ مغرب کا وقت وہ ہے جب آفتاب بالکل غروب ہوجائے۔ یہ شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔

نمازِ عشاء کی نماز تم نصف رات گئے تک ادا کرسکتے ہو۔

(صحیح بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص)

عورتوں کی نماز کا حکم

ام حمید ساعدیہؓ اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ۔

ساعدیہؓ: یارسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے، آپ کی اقتدا میں نماز ادا کروں۔

رسول اللہؐ: جانتا ہوں، تمہیں میرے ساتھ نماز ادا کرنے کا بڑا اشتیاق ہے۔

لیکن غور سے سنو!

تمہاری وہ نماز جو تم گھر کے اندرونی حصہ میں ادا کرو۔ افضل اور بہتر ہے اس نماز سے جو تم بیرونی دالان میں پڑھو۔ اور بیرونی دالان میں نماز کا ادا کرنا بہتر ہے اس نماز سے جو تم اپنے گھر کے صحن میں ادا کرو۔

اور اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کرو۔

اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں نماز آن کر ادا کرو۔

کنز العمال:

معارف الحدیث جلد ۲ : ۱۸۹

نماز باجماعت

رسول اللہؐ:۔ جس شخص نے بھی نماز باجماعت کے لیے مؤذن کی آواز سنی اور بغیر کسی عذرِ واقعی کے جماعت میں نہ آیا۔ تو اس کی نماز اللہ کے ہاں ہرگز قبول نہیں ہوگی۔

صحابہؓ:۔ یا رسول اللہ! واقعی عذر سے آپ کی کیا مراد ہے؟
رسول اللہ:۔ جان و مال کا خوف یا مرض۔

ابی داؤد، دارقطنی بروایت ابن عباسؓ
معارف الحدیث جلد ۳ : صہ ۱۹۷

صحیح نماز

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک طرف تشریف فرما تھے۔ ایک شخص مسجد میں آیا۔ نماز پڑھی اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔

رسول اللہؐ:۔ تم نے نماز صحیح طریقے سے ادا نہیں کی۔ دوبارہ پڑھو۔ وہ شخص واپس ہوا۔ نماز ادا کی اور دوبارہ حضورؐ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

رسول اللہؐ (سلام کا جواب دیتے ہوئے) تم نے اس بار بھی نماز صحیح طریقہ سے ادا نہیں کی۔ پھر پڑھو۔

وہ شخص دوسری بار واپس ہوا۔ نماز ادا کی۔ لیکن حضورؐ نے اس بار بھی وہی فرمایا تو اس شخص نے حضورؐ کی خدمت میں التجا کی۔

—— یا رسول اللہؐ! مجھے صحیح طریقے سے نماز ادا کرنا سکھا دیجئے۔ اور فرمائیے میں نماز کس طرح پڑھوں۔

رسول اللہؐ:۔ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔ تو خوب اچھی طرح وضو کر لو۔ پھر قبلہ رُو ہو کر تکبیر تحریمہ کہو اور نماز شروع کر دو۔ اس کے بعد قرآن کا جو حصہ تمہیں یاد ہو اور تم اُسے آسانی سے پڑھ سکو اس کی قرأت کرو۔ قرأت کے بعد نہایت اطمینان اور سکون سے رکوع کرو۔ رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر نہایت ہی اطمینان اور سکون سے سجدہ کرو۔

پھر اٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اپنی ساری نماز میں اسی طریق پر عمل کرو۔
(یعنی نماز کے تمام ارکان خوب اطمینان اور سکون سے ادا کرو)

(بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں، میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر کے لئے سکوت فرماتے دیکھا۔ تو ایک دفعہ عرض کیا۔

—— یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ ذرا بتایئے تو سہی کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیانی سکوت میں کیا پڑھتے ہیں؟

رسول اللہؐ: اے ابوہریرہ!۔ میں اللہ کے حضورؐ دعا کیا کرتا ہوں۔

اے بار الٰہا! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے۔ جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔
اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل دور ہونے سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

اے اللہ! میری خطائیں پانی سے، برف سے اور اولوں سے صاف فرما دے۔

(بخاری و مسلم)

نماز میں مناسب قرأت

حضرت جابرؓ کا بیان ہے۔ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ پہلے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں مسجد نبوی میں نماز ادا کرتے اور پھر اپنے قبیلہ کی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ ایک رات حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے اور نماز پڑھانی شروع کی اور سورۂ بقرہ کی قرأت کرنے لگے۔ اس پر ایک شخص نے جماعت سے علیحدہ ہو کر تنہا نماز ادا کی۔ اہل جماعت نے محسوس کیا اور کہا:۔

اہل محلہ: اے فلانے تو منافق تو نہیں ہو گیا؟

وہی شخص: اللہ کی قسم۔ ایسا ہرگز نہیں۔ میں حضورؐ کی خدمت میں جا کر خود یہ معاملہ پیش کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی

وہی شخص: یا رسول اللہ! ہم اونٹوں کے ذریعے پانی سینچتے ہیں۔ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں۔ معاذ عشاء کی نماز آپ کے پیچھے پڑھنے کے بعد اپنی مسجد کو لوٹے۔ نماز شروع کی جس میں سورۂ بقرہ کی قرأت شروع کر دی؟

رسول اللہؐ: (معاذؓ کی طرف رخ فرماتے ہوئے)

معاذ! کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہوں؟ یہ سورتیں پڑھا کرو۔ سورۂ والشمس وضحٰہا، سورۂ والضحٰی۔ سورۂ واللیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربک الاعلٰی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

درود شریف: کعب بن عجرہؓ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ

کعبؓ: یا رسول اللہؐ! اللہ پاک نے ہمیں آپ کی خدمت سلام کرنے کا طریقہ تو بتلا دیا۔ اب آپؐ ہمیں یہ تعلیم دیں کہ آپؐ پر (درود) و صلوٰۃ کیسے بھیجا کریں۔

رسول اللہؐ: اس طرح پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود، اور انبیاء کے جسموں کی حفاظت

حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

' جمعہ کا دن افضل ترین ایام میں سے ہے - اسی میں حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی - اسی دن وہ خالق حقیقی سے جا ملے - جمعہ کے دن ہی قیامت کا صور پھونکا جائے گا اور یہی دن ہوگا جب مخلوقات پر موت کی اور فنا کی بیہوشی اور بے حسی طاری ہوگی لہٰذا تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو - کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اور پیش کیا جاتا رہے گا -

صحابہؓ :- یا رسول اللہ! آپ کا پاک جسد تو اس وقت مٹی میں مل کر مٹی ہو چکا ہوگا - پھر ہمارا درود آپؐ پر کیوں کر پیش ہوگا -

رسول اللہؐ :- اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے - (ان کے اجساد صحیح وسالم رہتے ہیں)

ابو داؤد، نسائی ، ابن ماجہ

معارف الحدیث جلد ۳ : ۲۷۸

عیدین

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے تشریف فرمائے مدینہ ہوئے - تو اہلِ مدینہ دو تہوار منایا کرتے تھے - ان تہواروں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے - حضورؐ نے یہ دیکھ کر اہلِ مدینہ سے پوچھا -

—— ان دو دنوں کی حقیقت کیا ہے - جن کو تم خاص کر کے مناتے ہو ؟ -

اہلِ مدینہ :- یا رسول اللہ - ہم یہ تہوار ایام جاہلیت سے مناتے چلے آ رہے ہیں - اسی طرح کھیل تماشے ہوتے تھے -

رسول اللہؐ :- اے لوگو، اب ان تہواروں کو رہنے دو - ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دو بہتر دن مقرر فرمائے ہیں - یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر

ابو داؤد

(معارف الحدیث جلد ۳ : ۳۹۷)

عید قربان :

زید بن ارقمؓ روایت فرماتے ہیں کہ صحابہؓ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قربانی سے متعلق یہ گفتگو ہوئی :

صحابہؓ :- یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے ؟

رسول اللہؐ :- اے لوگو - یہ تمہارے عظیم باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے -

صحابہؓ :- یا رسول اللہ - ان قربانیوں کا کیا اجر ہمیں ملے گا -

رسول اللہؐ : قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی -

صحابہؓ :- حضور - کیا اون کا بدلہ بھی ملے گا -

رسول :- ہاں ! اون والے جانور کا بدلہ بھی اسی طرح ملے گا - اس کے ہر بال کے عوض ایک نیکی -

(احمد - معارف الحدیث ۳ : ۲۹۰

صحابہؓ :۔ یارسول اللہ کن جانوروں کی قربانی جائز نہیں ؟
رسول اللہؐ : (دستِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے) چار ۔
ایک لنگڑا جانور، جس کا یہ نقص عیاں ہو۔
دوسرا کانا ۔ جس کی یہ خرابی ظاہر ہو۔
تیسرا بیمار جانور ۔
چوتھا لاغر و کمزور ۔ جس کی ہڈیاں بھی خشک ہوں ۔

(ابی داؤد ۔ معارف الحدیث ۳ : ۲۱۵)

بروایت براءؓ بن عازب

میت پر گریہ وزاری

حضرت عبداللہ بن عمر روایت فرماتے ہیں ، سعد بن عبادہ سخت بیمار پڑ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، عبدالرحمان بن عوف ، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود کو ساتھ لے کر عیادت کو گئے ۔ آپ جب اندر تشریف لائے تو سعد کی حالت غیر تھی ۔ تو پوچھا ۔
۔ کیا اللہ کو پیارے ہو گئے ؟
وہ لوگ ! ۔ نہیں حضورؐ ! ابھی زندہ ہیں ۔
حالت غیر دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ آپؐ کے رُخِ انور پر گریہ کے آثار دیکھ کر اور لوگ بھی رونے لگے آپؐ نے ایسے میں ارشاد فرمایا :

رسول اللہؐ : اے لوگو ! غور سے سنو ، اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے غم پر تو سزا نہیں دیتا ۔ لیکن یہ زبان مستوجب سزا ہو سکتی ہے اور رحمت بھی یہ حقیقت ہے کہ اگر میت کے گھر والے گریہ زاری کریں تو اس کو عذاب ہوتا ہے ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

رحمت وشفقت :

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیم جان کنی کی حالت میں تھے جب ہم (میں اور عبدالرحمان بن عوف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے ابراہیم کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے ۔

عبدالرحمان بن عوف : (حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تعجب سے) یا رسول اللہ ، آپ بھی ۔ ؟
رسول اللہؐ : اے ابن عوف :۔ یہ شفقت اور دردمندی ہے آنکھ نم ہے ۔ دل مغموم ہے ۔ لیکن زبان پر ہم وہی لائیں گے جسے اللہ پسند فرماتا ہے : (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ٥)

اے ابراہیم، ہم پر تمہاری جدائی بھاری ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تعزیت کا ایک خط: ۔ معاذؓ بن جبل کے بیٹے کے انتقال پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؐ

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام

سلام علیک:۔ بیشک تعریف کا سزاوار اللہ ہے۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجرِ عظیم عطا فرمائے اور تمھیں صبر دے۔ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال، سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ اور امانتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد فرمایا ہے جب تک اللہ کی مرضی تھی۔ تم اس سے شاداں اور جی بہلاتے رہے۔ اور جب اس نے چاہا۔ اپنی امانت تم سے واپس لے لی، اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بڑا اجر دے گا۔ اگر تم نے رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت سے صبر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت تم پر ہوگی۔ اور ہدایت نصیب ہوگی۔

پس اے معاذ۔ صبر سے کام لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ جزع فزع کر کے تم اس اجرِ عظیم کو ضائع کر دو۔ اور پھر تمھیں اس بات پر ندامت ہو یقین رکھو، جزع فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آیا۔ بلکہ اس سے رنج وغم بھی دور نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جو حکم نازل فرماتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے وہ یقیناً ہو چکا۔ (ٹل نہیں سکتا) والسلام۔

(معجم کبیر طبرانی) / معارف الحدیث جلد ۳، ۲۶۶

حضورؐ پر ایمان لانا۔ نجات کیلئے ضروری ہے

ایک صاحب: یا رسول اللہؐ۔ ایک نصرانی ہے جو انجیل کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے اسی طرح ایک یہودی ہے جو توراۃ کے احکام پر چلتا ہے۔ اگرچہ وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت پر عمل نہیں کرتا۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا فرمان ہے؟

رسول اللہؐ: یہودی ہو یا نصرانی۔ اگر اس کو میری دعوت پہنچ گئی اس کے بعد بھی اُس نے میری پیروی اختیار

نہیں کی تو وہ شخص دوزخ کا حصہ ہے۔

(دارقطنی ۔ بروایت عبداللہ بن مسعودؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں، غزوۂ تبوک میں ہمارے پاس سامانِ رسد ختم ہو گیا۔ بھوک کے مارے ہم لوگوں کی جان پر بن آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

صحابہؓ : یا رسول اللہ! اجازت دیں کہ ہم باربردار اونٹوں کو ذبح کر لیں تاکہ ان کا گوشت کھائیں اور اُن کی چربی بھی استعمال میں لائیں۔

رسول اللہؐ : اچھا تو ذبح کر لو۔

حضرت عمر : یا رسول اللہ! آپ نے اجازت دے دی۔ اس طرح سواریاں کم ہو جائیں گی، مناسب سمجھیں تو لوگوں کو حکم دیں کہ جو کچھ بچا کھچا سامان خوراک کا ان کے پاس ہو لے آئیں۔ آپؐ اللہ کے حضور دعا فرمائیں۔ ان شاء اللہ، اللہ پاک اس میں برکت دیں گے۔

رسول اللہؐ! ہاں، یہی مناسب ہے۔

اے لوگو! دستر خوان بچھا دو۔ جو تھوڑا بہت (خوراک کا سامان) ہے اس پر لا کر ڈال دو۔

(دعا فرمانے کے بعد)

اے لوگو! (کھاؤ بھی) اور اپنے اپنے برتن بھر لو۔

(سب نے سیر ہو کر کھایا۔ برتن بھی بھر لیے، پھر بھی باقی بچ رہا)

رسول اللہؐ: (اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے) میں شہادت دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ غور سے سنو : جو شخص بھی شک و ریب کے بغیر کامل یقین اور پورے اذعان کے ساتھ۔ یہ دو گواہیاں دے گا۔ وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔

(صحیح مسلم)

لا الٰہ الا اللہ

عتبان بن مالک : (التجا کرتے ہوئے) یا رسول اللہ! بینائی کمزور پڑ گئی ہے میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، میرے (مکان) اور میری قوم کے درمیان ایک نالہ پڑتا ہے۔ بارشوں کے موسم میں جب اس میں پانی آ جاتا ہے۔ تو میں نماز پڑھانے کے لیے مسجد تک نہیں جا سکتا۔

یا رسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ آپ میرے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں۔ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ کر اسے برکت دیں، تاکہ میں اسی مقام کو مستقلاً نماز کے لیے خاص کر لوں۔

رسول اللہؐ: ان شاء اللہ! میں ضرور آؤں گا۔

(دوسرے روز صبح کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے ساتھ وہاں جاتے ہیں)

رسول اللہؐ: عتبان کیا ہم اندر آسکتے ہیں؟

عتبانؓ: یا رسول اللہ۔ میرے سر اور آنکھوں پر تشریف لائیے۔

رسول اللہؐ: عتبان کس جگہ نماز ادا کی جائے؟

(حضورؐ نے اللہ اکبر فرما کر نماز شروع فرما دی۔ ہم آپؐ کے پیچھے صف میں کھڑے ہوگئے۔ رسالتمآبؐ نے دو رکعت ادا کرنے کے بعد سلام پھیرا، آپؐ کے سامنے حزیرہ رکھا گیا آپؐ کی آمد کی خبر سن کر دوسرے لوگ بھی دوڑے دوڑے آئے۔ ان میں سے کسی نے کہا)

ایک شخص: مالک بن دخشن کہاں؟

دوسرا شخص: اس کا ذکر نہ کرو، وہ تو منافق ہے، اُسے اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت نہیں۔

رسول اللہ: ایسا نہ کہو۔ وہ تو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہے اور اس سے اس کا مقصود رضائے الٰہی ہے۔

وہی شخص: یا رسول اللہ! اللہ اور اللہ کا رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ اس کا رُخ اور اس کی خیرخواہی منافقوں کی طرف دیکھی ہے۔

رسول اللہؐ: غور سے سنو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہو۔ اس کا مقصد اس کار سے محض حصولِ رضائے الٰہی ہو:۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

وساوس

ایک آدمی: یا رسول اللہ! کبھی کبھار دل میں ایسے ایسے فاسد خیالات آتے ہیں (کہ سوچتا ہوں) ان کو زبان پر لانے سے بہتر ہے کہ جل کر خاک سیاہ ہو جاؤں۔

رسول اللہؐ: شکر ہے اس ذات پاک کا جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔

(ابوداؤد بروایت حضرت ابن عباس)

صحابہؓ: یا رسول اللہؐ! بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں، ایسے فاسد خیالات اور وساوس پاتے ہیں کہ اُن کو زبان پر لانا۔ بہت ہی بُرا، اور بھاری معلوم دیتا ہے۔

رسول اللہؐ: کیا واقعی۔ ایسی حالت سے دوچار ہو؟

صحابہؓ: یا رسول اللہ بالکل ایسا ہی ہے۔

رسول اللہؐ: یہ تو خالص ایمان ہے۔ (صحیح مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ)

رسول اللہ :۔ تم سے کسی کسی کے پاس شیطان کو آنے کا موقعہ ملتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ فلاں چیز کا
خالق کون ہے؟
فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہہ اٹھتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟
اگر سوالات کا سلسلہ یہاں تک دراز ہو جائے تو بندہ کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ
مانگے، اور سوچنا چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ)
رسول اللہ :۔ سنو! تم لوگوں میں فضول سوالات (وساوس) اور چون وچرا کا سلسلہ ہمیشہ جاری
رہے گا۔ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ یہ احمقانہ سوال بھی پیدا ہوگا، کہ اللہ ساری مخلوقات
کا خالق ہے۔ تو پھر اللہ کو پیدا کرنے والا کون ہے؟
پس جس کسی کو یہ حالت پیش آئے،
تو وہ پڑھے: کہ اللہ پر اور اللہ کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رض)

عذابِ قبر — ایک تعلیمی مکالمہ

زید بن ثابت انصاری بیان کرتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک دن اپنے خچر پر سوار قبیلہ بنو نجار کے باغ میں سے گذرے۔ چلتے چلتے آپ کا خچر بدک
اٹھا۔ دیکھا تو وہاں پانچ چھ قبریں تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا:
رسول اللہ: یہ کن لوگوں کی قبریں ہیں۔ کوئی ان سے واقف ہے؟
ایک ساتھی: یا رسول اللہ، مجھے معلوم ہے۔
رسول اللہ: یہ کب مرے تھے؟
وہی ساتھی: یا رسول اللہ زمانۂ شرک میں۔
رسول اللہ: (تو سنو)! ان لوگوں پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم
لوگ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوئے گھبراؤ گے، تو میں اللہ پاک سے دعا کرتا کہ عذابِ قبر سے جتنا
کچھ میں سن رہا ہوں، اس کی معمولی سی جھلک تم بھی سن لیتے۔ (صحابہ سے مخاطب ہوتے ہوئے) دوزخ
کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگو۔
صحابہؓ (بیک زبان) ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔
رسول اللہ: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔


مكتبة مكة

جائے ولادت نبیؐ پاکؐ، جہاں ان دنوں لائبریری ہے

صحابہؓ : ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۔
رسول اللہؐ : تمام فتنوں سے پناہ مانگو ۔ ظاہری فتنوں سے بھی اور باطنی فتنوں سے بھی ۔
صحابہؓ : ہم ظاہری اور باطنی ہر قسم کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں ۔
رسول اللہؐ : دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو ۔
صحابہؓ : ہم فتنۂ دجال سے بھی، اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۔ (صحیح مسلم)

حیات بعد الموت

ابورزین عقیلی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چیت

ابورزین : یا رسول اللہؐ! اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق کو دوبارہ کیسے زندہ کریں گے اس دنیا میں اس امر کی کیا علامت ہے؟
رسول اللہؐ : کبھی تمہارا گذر اپنی قوم کی وادی میں اس وقت ہوا ہے جبکہ زمین مردہ، سبزے سے خالی، خشک اور سٹری ہو ۔ اور پھر کبھی تم نے دیکھا کہ یہی سرسبز زمین جی اٹھی ہو، وہ ہری بھری لہلہا رہی ہو ۔
ابورزین : یا رسول اللہؐ! ہاں ۔
رسول اللہؐ : یہی ہے نشانی ۔ اس کی مخلوق میں ۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا ۔

ابورزین ۔ بحوالہ معارف الحدیث ۱ : ۲۱۳

رویائے باری تعالےٰ عزاسمہٗ

صحابہ کرامؓ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ

صحابہؓ : یا رسول اللہؐ! کیا قیامت کے روز باری تعالےٰ کا دیدار ہمیں نصیب ہوگا ۔
رسول اللہؐ : دوپہر کا وقت ہو مطلع صاف ہو ۔ تو کیا تمہیں آفتاب کو دیکھنے میں کوئی وقت پیش آتی ہے ؟
صحابہؓ : یا رسول اللہ ہرگز نہیں ؟
رسول اللہؐ : مطلع صاف ہو ۔ چودھویں رات کا چاند چمک رہا ہو ۔ تو اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی امر مانع ہوتا ہے ۔
صحابہؓ : نہیں، اے اللہ کے رسول ؟
رسول اللہؐ : قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس طرح آفتاب و ماہتاب کو معمولی آنکھ سے دیکھتے ہو ۔ نہ تم میں کوئی اختلاف و نزاع پیدا ہوتا ہے نہ کشمکش اسی طرح تمہیں اللہ پاک قیامت میں نظر آئیں گے ۔
تو اے لوگو! غور سے سنو :

قیامت میں جب بندہ اللہ کے حضور پیش ہوگا تو رب العزت فرمائیں گے ۔ اے فلاں ۔
کیا میں نے تمہیں دنیا میں عزت نہیں بخشی تھی ؟
کیا تمہیں اپنی قوم کا رئیس نہیں بنایا تھا ؟

کیا تم کو بیوی (جیسی نعمت) عطا نہیں کی تھی؟
کیا تیرے لئے گھوڑے اونٹ مسخر نہیں کئے تھے؟
کیا تمہیں مہلت نہیں دی تھی کہ ریاست میں حکم چلائے اور مال غنیمت میں سے چوتھا وصول کرے؟

اور بندہ عرض کرے گا۔
ہاں۔ اے رب العزت۔ تو نے یہ سب کچھ مجھے عطا کیا تھا۔
پھر اللہ تعالےٰ فرمائیں گے:۔
تو کیا تمہیں اس بات کا گمان تھا کہ تمہیں ایک دن میرے سامنے پیش ہونا ہے؟

بندہ عرض کرے گا:۔
رب العزت، مجھے یہ گمان نہیں تھا۔
پس باری تعالیٰ فرمائیں گے:
جس طرح تو نے مجھے بھلائے رکھا۔ آج اُسی طرح میں بھی تمہیں اپنے رحم وکرم سے دور رکھے دیتا ہوں۔
اسی طرح دوسرے بندے سے اور پھر تیسرے بندے سے باری تعالیٰ فرمائیں گے۔ تو بندہ عرض کرے گا:۔
باری تعالیٰ۔ میں تجھ پر ایمان لایا۔ تیری کتابوں پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا۔ نمازیں ادا کیں، روزے رکھے صدقہ بھی دیا۔ اور اس کے علاوہ دوسری خوبیاں بھی گنوائے گا۔ اللہ پاک فرمائیں گے، ٹھہرو، ہم ابھی تجھ پر گواہ بلاتے ہیں۔ وہ بندہ جی ہی جی میں کہے گا۔ کون ہے آخر مجھ پر گواہی دینے والا؟ اس کے منہ پر مہر کر دی جائے گی۔ اور اس کی ران کو حکم دیا جائے گا کہ بول —
اس پر اس کی ران، اس کی ہڈیاں، اس کا گوشت، اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔
یہ صرف اس لئے ہوگا کہ بندہ کا عذر باقی نہ رہے۔
یہ شخص منافق (ثابت) ہوگا، (اس کی منافقت) اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنے گی۔
(صحیح مسلم)

زُھد اور ترک دنیا

ایک شخص: یا رسول اللہ، کوئی ایسا عمل بتلائیں جسے اگر میں کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور اللہ کے بندے بھی
رسول اللہؐ:۔ دنیا سے دل نہ لگاؤ۔ لوگوں کے مال و مرتبہ سے اعراض و بے رخی اختیار کرو، تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔
(ترمذی/ابن ماجہ/بروایت سہل بن سعد)

رسول اللہؐ: ارشاد ربانی ہے "فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہٗ للاسلام"
(پس جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دینے کا قصد فرماتے ہیں تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں) تو سنو!
اس کا مطلب یہ ہے، کہ نور جب سینہ میں آتا ہے تو وہ سینہ کھل جاتا ہے۔

صحابہؓ: یا رسول اللہؐ۔ اس امر کی کوئی پہچان۔
رسول اللہؐ: (اے لوگو!) دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اس سے طبیعت کا اکتا جانا اور ہٹ جانا۔
آخرت جو ابدی قیام گاہ ہے اس کی طرف دل کا میلان ہونا اور موت کی آمد سے قبل اس کی تیاری میں لگ جانا۔
(یہ تین باتیں اس امر کی پہچان ہیں)
(البیہقی بروایت ابن مسعودؓ)

رسول اللہؐ:- زہد کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ بندہ حلال کو اپنے اوپر حرام کرے۔
مال و دولت کو ضائع کر دے۔
زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ
جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر کلی اعتماد نہ رکھو۔
زیادہ اعتماد اس پر رکھو جو اللہ کے پاس اور قبضہ میں ہے۔
جب تمہیں تکلیف اور ناگوار حالات سے سابقہ پڑے تو ایسی خواہش نہ کرو کہ کاش یہ بات تمہیں
پیش نہ آتی بلکہ تمہارے دل میں اس اُخروی ثواب کی لگن ہو جو ان کے بدلے میں تمہیں عطا ہوگا۔
(ترمذی بروایت ابوذر غفاریؓ / بحوالہ (معارف الحدیث جلد ۲)

دنیاوی لذات کی حقیقت

حضرت عمر فاروقؓ بیان فرماتے ہیں، میں حضور سرورِ کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے جس پر صرف کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چٹائی پڑی ہوئی تھی جس کے کھردرے پن کی وجہ سے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نشان پڑ گئے تھے۔ سرہانے کھجور کی چھال سے بھرا ہو چمڑے کا تکیہ رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ میں نے عرض کیا۔
عمر فاروقؓ۔ یا رسول اللہ! اللہ کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ آپ کی امت کو خوشحالی عطا فرمائے۔
روم اور فارس والے خدا پرست بھی نہیں۔ پھر بھی دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں۔
رسول اللہؐ: اے ابن خطاب! کیا تم بھی انھیں رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہو۔ یہ سب تو وہ لوگ
ہیں کہ ان کو وہ لذتیں اس دنیا میں دی گئی ہیں۔
اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے محض اس دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لئے آخرت
کے (ابدی) مزے۔ (مسلم و بخاری)

رسول اللہؐ (ایک دوسرے موقعہ پر) اے لوگو! تین باتیں ایسی ہیں، جن پر میں قسم کھاتا ہوں۔ اس کے

علاوہ ایک بات اور ہے جسے تمھیں بتانا چاہتا ہوں تمھیں چاہیے کہ انھیں یاد رکھو۔

جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں یہ ہیں :-

۱۔ صدقہ دینے سے مال میں ہرگز کمی واقع نہیں ہوتی۔

۲۔ کسی بندہ پر جب ناجائز ظلم وستم کیا جاتا ہے۔ اگر وہ صبر سے کام لے تو باری تعالیٰ اُس کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

۳۔ جو شخص (دنیا والوں کے آگے) دست سوال دراز کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و محتاجی مسلط کر دیتا ہے۔

ان کے علاوہ میری یہ بات غور سے سنو۔ اور اسے یاد رکھو، دنیا میں چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں:-

و وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا۔ اور انھیں صحیح طریقے سے زندگی گذارنے کا علم بھی عطا کیا۔ یہ اپنا مال ناجائز خرچ نہیں کرتے۔ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ جو کچھ خرچ کرتے ہیں محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ یہ بلند ترین مرتبہ کے مالک ہیں۔

و دوسرے وہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا ہے۔ لیکن وہ دنیاوی مال و دولت سے محروم ہیں — یہ نیک نیت بندے دل و زبان سے دُعا کرتے ہیں۔ کاش، ہمیں اگر مال و دولت حاصل ہوتا، تو ہم بھی اللہ کے (نیک بندوں کی طرح) نیک کاموں میں خرچ کرتے۔ یہ بھی پہلوں کی مانند بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔

و تیسرے وہ جن کے پاس مال و دولت تو ہے لیکن صحیح علم سے تہی دامن ہیں۔ یہ نادان، خوف خدا سے بے نیاز ہو کر اللہ کی نعمت کا بے جا اسراف کرتے ہیں۔ ناجائز طریقے سے مال لٹاتے ہیں۔ صلہ رحمی سے دور رہتے ہیں۔ ایسے لوگ۔ بدترین لوگ ہیں۔

و اور وہ لوگ بھی ہیں کہ نہ تو ان کے پاس دنیاوی مال ہے اور نہ علم۔ ان کی ہمیشہ یہی آرزو ہوتی ہے۔ کہ اے کاش ہمارے ہاتھ بھی اگر مال آجاتا، تو ہم بھی فلاں شخص (مصرف) کی طرح مزے اڑاتے۔ نیت ان کی بھی فاسد ہے۔ یہ بھی بدترین مخلوق ہیں۔

(ترمذی بروایت ابو کبشہ)
معارف الحدیث ۲

ایک اور موقع پر :-

اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو۔ جو مال و دولت، حُسن و صورت میں تم سے بڑھا ہوا ہو۔ تو تمھیں چاہیے کہ ان بندوں پر نگاہ کرو۔ جو اس حیثیت میں (تم سے کمتر ہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم

جامع نصیحت

ایک صاحب : یا رسول اللہ! مجھے نصیحت کیجئے لیکن مختصر ہو،
رسول اللہؐ : اے شخص، غور سے سنو!

جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو۔ تو تمھیں یہی خیال دل میں لانا چاہیے۔ کہ تم سب سے الوداع کہہ کر رخصت ہونے والے ہو۔ (خالق حقیقی سے ملنے والے ہو)۔

ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالو جس کے لئے کل تمھیں معذرت کرنی پڑے۔ اور جس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے۔ دوسرے لوگوں کے مال سے نہ تو سروکار رکھو اور نہ توقع۔ (محض خدا سے توقع رکھو) (مسند احمد)

کتابیات

۱۔ صحیح بخاری ، ۲ جلد ، ناشران قرآن لمیٹڈ ، لاہور
۲۔ صحیح مسلم ۔ ،، ، لاہور ۔ مکتبہ رحمانیہ
۳۔ سیرۃؐ ابن ہشام ۲ جلد ۔
۴۔ تاریخ طبری ۔ جلد اول
۵۔ مشکوٰۃ شریف ،
۶۔ ترجمان السنتہ ۔ سید بدر عالم میرٹھیؒ
۷۔ معارف الحدیث ۔ مولانا محمد منظور نعمانی
۸۔ سیرۃ سرورِ عالمؐ ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۹۔ رحمت للعالمینؐ ۳ جلد ۔ قاضی محمد سلیمان ، سلمان منصور پوری ۔
۱۰۔ محبوبِ کائناتؐ : عبدالمجید دہلوی ۔
۱۱۔ مکالمات نبویؐ : ابویحییٰ امام خان نوشہروی ۔
۱۲۔ نہج الفصاحت : سید نصیر الاجتہادی ۔
۱۳۔ خاتونِ پاکستان : رسولؐ نمبر
۱۴۔ موطا امام مالک : اسلامی اکاڈمی لاہور
۱۵۔ بلاغِ مبین : مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی

کاتبانِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: حافظ محمد سعد اللہ

۱۔ حضرت ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الاموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کے دو بھائی عمرؓ اور خالد آپ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کا اسلام لانا آپ کو ناگوار گزرا اور فرمایا:

الا لیت میتا بالصریمة شاهد[1] لما یفتری فی الدین عمرو وخالد
اطاعا معاً امر النساء فاصبحا یعینان من اعدائنا من یکاید

[ترجمہ: کاش! عمرو اور خالد اپنے دین میں کمزور پڑنے سے پہلے کٹی ہوئی فصل کی طرح موت کی آغوش میں چلے گئے ہوتے۔

ان دونوں نے بیویوں کا کہا مانا اور ہمارے ان دشمنوں کے مددگار بن گئے جنہوں نے ہمیں تھکا دیا ہے]

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا تو حضرت ابان نے آپ کو پناہ دی اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے آپ سے فرمایا:

اقبل وادبر ولا تخف احدا[2]۔ آپ یہاں وہاں جہاں جانا چاہیں تشریف لے جائیں اور کسی سے خوف زدہ نہ ہوں۔

اس وقت مکہ مکرمہ میں بنو سعید بہت بڑے سردار ہیں۔ آپ حدیبیہ کے بعد جلد ہی اسلام لے آئے کیونکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ سے نجد کی طرف ایک مہم پر روانہ کیا تھا اور آپ مع غنائم کے خیبر میں حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور ان غنائم کی تقسیم کے بارے میں عرض کیا تھا[3]۔ اس وقت خیبر فتح ہو چکا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیبیہ اور خیبر کے درمیانی تین[4] ماہ کے عرصے میں اسلام لائے جب رسول[5] اللہ نے سنہ ۹ھ میں[6] علاء بن الحضرمی کو بحرین سے معزول کیا تو ابان بن سعید کو بحرین کے خشکی اور سمندری تمام معاملات پر

---

[1] الاستیعاب ۱: ۴۷، اور اسد الغابہ ۱: ۳۵ میں لفظ الصریمة نقل ہوا اور الاصابہ ۱: ۱۳ میں الطوبیہ نقل ہوا، جس سے مصرعہ کے معنی یہ ہوتے ہیں: کاش! تم کسی سخت تیز پتھر کے لگنے سے مر گئے ہوتے۔

[2] الاستیعاب ۱: ۷۵ اور الاصابہ میں ہے: اسبل واقبل یعنی آپ جہاں چاہیں جائیں اور جو کہنا چاہیں کہیں۔

[3] اسد الغابہ: ۳۶ [4] تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۵۰ [5] سیر اعلام النبلاء ۱: ۱۸۹

عامل[1] مقرر فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت ابان بحرین کے عامل تھے۔ اس کے بعد حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شام کے محاذِ جنگ پر روانہ ہو گئے جہاں آپ شہید ہو گئے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ اجنادین سنہ ۱۳ ہجری میں شہید ہوئے اور بعض نے یرموک میں سنہ ۱۵ھ میں آپ کی شہادت بتائی ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کافی عرصہ بعد تک زندہ رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مصحف لکھوایا تھا اس کی عبارت حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی[2] مگر اس روایت پر علامہ ابنِ حجر نے جرح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت شاذ ہے اور اس میں نعیم بن حماد عن الدراوردی متفرد ہے۔ اور معروف یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مصحف کی کتابت کرنے والے حضرت سعید بن سعید بن العاص ہیں جو کہ حضرت ابان بن سعید کے بھتیجے ہیں[3] اور حقیقتِ حال اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ آپ کو عمر بن شبہ[4]، ابوبکر بن ابی شیبہ[5]، ابن عبدالبر[6]، ابن الاثیر[7]، ابن کثیر الدمشقی[8]، ابن سید الناس[9]، العراقی[10]، الانصاری[11]، المسعودی[12] اور ابن مسکویہ[13] نے حضرت نبی کریمؐ کے کاتبین میں شمار کیا ہے۔

۲۔ سیدنا حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن کعب النجاری تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ مبارک ہند بنت سعید بن عمرو تھا۔ آپ بنی الحارث بن الخزرج سے تھیں[14]

حضرت ابوایوب الانصاری سابقون الاولون میں سے تھے یعنی آپ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں موجود تھے۔ اس کے بعد غزواتِ بدر، اُحد اور خندق سمیت ان تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں واقع ہوئے[15]

ہجرت کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ کی طرف چلے تو بہت سے قبائل نے آپ کے ٹھہرانے کی تمنا ظاہر کی لیکن یہ سعادت سیدنا ابوایوب کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب بیٹھ گئی اور آپ نے اونٹنی کا کجاوہ کھولا اور اٹھا کر گھر لے گئے۔

---

[1] الاستیعاب ۱: ۷۵
[2] الاستیعاب ۱: ۷۷، اسد الغابہ ۱: ۴۷، المصباح المضئ ۱۸: أ
[3] الاصابہ ۱: ۱۴
[4] المصباح المضئ ۱۸-أ
[5] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۰
[6] الاستیعاب ۱: ۵۱
[7] الکامل ۲: ۳۱۳
[8] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۰
[9] عیون الاثر ۲: ۳۱۵
[10] العجالۃ السنیہ ۲۴۶
[11] المصباح المضئ ۱۸-أ
[12] التنبیہ والاشراف ۲۴۹
[13] تجارب الامم ۱: ۲۹۱
[14] الاصابہ ۱: ۴۰۵
[15] سیرت ابن ہشام ۱: ۴۹۶-۴۹۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کے نچلے حصّے میں ٹھہر گئے۔ حضرت ابوایوب نے مکان کے بالائی حصّہ میں قیام فرمانے کے لیے عرض کیا تو آپ نے جواباً فرمایا مجھے اور میرے ملنے والوں کو اس میں آرام رہے گا کہ نیچے کے حصّے میں ہوں[1]۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ مکان کے بالائی حصّے میں منتقل ہو گئے۔ اتفاقاً ایک دن حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا پانی سے بھرا ہُوا ایک مٹکا ٹوٹ گیا اور آپ اور آپ کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا نے بہت کوشش کرکے پانی کو نیچے ٹپکنے سے اس لیے روکے رکھا کہ کہیں یہ پانی حضور پر جا نہ پڑے۔ اس کے بعد حضرت ابوایوب نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالائی حصّے میں منتقل ہونے پر رضامند ہو گئے[2]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ جب عراق جانے لگے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا گئے، بعد میں حضرت ابوایوب عراق میں حضرت علی کے پاس آ گئے اور خوارج کی جنگ میں حضرت علیؓ کی طرف سے حصّہ لیا۔ اس کے بعد پُوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کر دی اور معرکۂ قسطنطنیہ میں شہید ہوئے[4]۔

جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو یزید بن معاویہ جو اسلامی لشکر کا اس وقت کمانڈر تھا عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور آپ سے آپ کی خواہش پوچھی، آپ نے فرمایا، جب میں مر جاؤں تو میری میّت کو کوشش کرکے دشمن کی سرزمین میں آگے لے جا کر دفن کر دینا۔ جب آپ کا انتقال ہُوا تو یزید نے ایک دستہ تیار کیا جس کی نگرانی میں آپ کو قسطنطنیہ کے قریب لے جا کر دفن کر دیا گیا[5]۔

آپ کو الیعمریؒ[6]، العراقیؒ[7]، ابنِ سیدالناسؒ[8] اور الانصاریؒ[9] نے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے۔

۳۔ سیّدنا ابُوبکر الصدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

افضل الامت خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور کے ساتھی، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے سب سے وفا شعار دوست بہت ہی مشفق محب اور بڑے زیرک وزیر سیدنا عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان القرشی التیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[10] ہجرت سے پچاس برس قبل پیدا ہوئے[11]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی محبت کی وجہ سے مجھ پر سب سے

---

۱ سیرت ابن ہشام ۱/۴۹۸، الاستیعاب ۱/۴۰۴، الاصابہ ۱/۴۰۵

۲ الاصابہ ۱/۴۰۵، اسدالغابہ ۲/۸۱

۳ الاستیعاب ۱/۴۰۴، الاصابہ ۱/۴۰۵

۴ الاصابہ ۱/۴۰۵

۵ اسدالغابہ ۵/۱۴۳

۶ العجالۃ السنیہ والفیۃ العراقی ۲۴۶

۷ شرح الفیۃ العراقی ۲۴۶

۸ عیون الاثر ۲/۳۱۶

۹ المصباح المضئ ۲۱-أ

۱۰ الکلام مقتبس من تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۲

۱۱ تذکرۃ الحفاظ ۱/۵

زیادہ احسان کرنے والے ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ البتہ ان کے ساتھ اسلامی اخوت و محبت کا رشتہ ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے دروازے کے سوا باقی تمام صحابہ کے مسجد والے دروازے بند کر دیے جائیں[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ابوبکر صدیقؓ کے سوا کسی کا ایسا احسان نہیں جو ہم نے چکانہ دیا ہو، البتہ صدیق کے احسان کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ادا کرے گا[2]۔

جناب ابوبکرؓ کو کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ابن شبہؒ[3]، المزیؒ[4]، ابن کثیرؒ[5]، ابن سیدالناسؒ[6]، العراقیؒ[7] اور الانصاریؒ[8] نے شمار کیا ہے۔ بقول علی بن حسین علی الاحمدی' جرجی زیدان مسیحی نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لکھنا نہ جانتے تھے۔ اور اس نے صدر اسلام میں مکہ میں کتابت جاننے والوں میں آپ کا نام درج نہیں کیا۔

جرجی زیدان لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی سے بہت سی غلط باتیں آپ کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ اور سرداروں کے حواریوں نے اپنے سرداروں کے بارے میں ایسے ایسے دعوے شروع کر دیے جو خود ان سرداروں نے اپنے بارے میں نہیں کیے تھے نہ ان کے وہم و گمان میں اس طرح کی باتیں کبھی آئی تھیں۔ مثلاً یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ لکھنا جانتے تھے۔ علی الاحمدی نے اس پر کوئی علمی بحث نہیں کی بلکہ اس کے بیان سے صرف خلفائے راشدین کے اور دیگر صحابہ کے ساتھ اس کا روایتی بغض ظاہر ہوتا ہے۔

ہم جرجی زیدان کی بات کس طرح مان لیں جبکہ وہ تاریخ اسلامی کے بیان میں اپنے مذہبی تعصب کی بنا پر بددیانتی کا مرتکب ثابت ہو چکا ہے اور صلیبی مرکز کا اہم ترین رکن رہا ہے اور اس کے برعکس عمر بن شبہ ایک مسلم مورخ جو اس سے گیارہ صدیاں قبل ہوا ہے اس کی بات کو ہم کس طرح رد کر دیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس نے یہ روایت واقدی سے بحوالہ البلاذری کی فتوح البلدان[9] نقل کی ہے۔ لیکن اس روایت میں تو زمانۂ جاہلیت اور صدر اسلام میں بعض ان کتابت جاننے والوں کے نام گنوائے گئے ہیں جو لکھنا سکھاتے تھے۔ اس روایت میں نہ تو واقدی نے تمام اہلِ مکہ اور تمام اہلِ عرب کے لکھنے والوں کا احصاً کیا ہے اور نہ ہی بلاذری نے، تو پھر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ سیدنا صدیق لکھنا نہ جانتے تھے۔ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے بہت کم لکھا۔ لیکن اس استدلال سے یہ ثابت کرنا کہ آپ لکھنا جانتے ہی نہ تھے۔ ایک امر واقع کے خلاف ہے۔ سراقہ بن مالک کی روایت

---

[1] بخاری، فضائل صحابہ مسلم، فضائل صحابہ ۲

[2] فتح الباری ۷/۱۳. نقلاً عن سنن الترمذی

[3] الروض الانف ۲/۲۳۰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض اوقات ابوبکرؓ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی لکھا ہے۔

[4] تہذیب الکمال ۴ ب

[5] البدایہ والنہایہ ۳۵۱

[6] عیون الاثر ۲/۳۱۵

[7] شرح الفیہ العراقی ۲۲۵

[8] المصباح المضیٔ ۸ ب

[9] فتوح البلدان ۵۸۰

سے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے لکھنے کی تصدیق ہوتی ہے، جیسے زہری نے عبدالرحمٰن بن مالک بن جعشم سے اس نے اپنے والد سے اور اس نے سراقہ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ جس وقت سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر غار سے نکل کر چلے اور سراقہ کی زمینوں کے پاس سے گزرے اور سراقہ آپ کے پاس پہنچ گیا اور اس کے گھوڑے کے دھنس جانے کا واقعہ پیش آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکتوبہ امان کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا اور آپ نے اس کے لیے ایک امان نامہ لکھا اور اس کے حوالہ کر دیا[۱]

اور مسند امام احمدؒ میں یہ جو وارد ہوا ہے کہ وہ امان نامہ عامر بن فہیرہ نے لکھا تھا۔ ابن کثیر نے ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ امان نامہ کا کچھ حصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لکھا اور کچھ حصہ آپ کے غلام عامر نے لکھا[۲] و اللہ اعلم بالصواب۔

امام بخاریؒ کی روایت میں کئی مرتبہ اور دیگر کتب سنت میں بھی کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک کا یہ قول وارد ہوا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو احکام زکوٰۃ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمائے، لکھ کر دیے[۳]۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض دفعہ لفظ کَتَبَ بمعنی املا یعنی لکھوانا کے معنی میں بھی آیا ہے لیکن جب تک کوئی ضروری وجہ نہ ہو اور اصل مراد لیا جا سکتا ہو تو مجاز مراد لینا جائز نہیں۔

ان دلائل کی موجودگی میں ہم یقین سے جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لکھنا جانتے تھے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لکھا جیسا کہ کتب مغازی اور سیر میں وارد ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ

آپ کا پورا نام صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الاموی تھا۔ آپ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس برس زیادہ تھی[۵] آپ مؤلفۃ القلوب[۶] میں سے تھے۔ آپ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جس طرح پہلے اسلام دشمن سرگرمیوں میں سرگرم تھے اس طرح اب اسلام کی نصرت میں سرگرم ہو گئے[۷] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے[۸] آپ نے اسلامی جنگوں میں سے حنین و طائف اور یرموک میں

---

[۱] البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۵۱ ، الوثائق السیاسیہ ص ۳۶

[۲] مسند احمد ابن حنبل ۴ : ۱۷۶

[۳] البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۵۱

[۴] بخاری کتاب الزکوٰۃ ۳۳ - ۳۷

[۵] الاصابہ ۲ : ۱۷۹

[۶] جو لوگ کسی مالی یا معاشرتی احسان سے ترغیب پاکر مسلمان ہو جائیں ۔ تاریخ خلیفہ ۱ : ۹۰ ، الاصابہ ۲ : ۱۷۹

[۷] اسد الغابہ ۵ : ۲۱۶

[۸] سیرت ابن ہشام ۲ : ۴۳۰ ، الاصابہ ۲ : ۱۷۹

حصہ لیا۔ آپ کی ایک آنکھ بھی ان جنگوں میں ضائع ہو گئی۔ جنگ یرموک کے دن کا ایک واقعہ ابن سعد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ اس دن تمام لوگوں کی آواز جنگ کے ہنگاموں میں دب گئی تھی مگر ایک آواز "اے اللہ کی مدد قریب آ" بہت بلند تھی اور وہ آواز حضرت ابوسفیانؓ کی تھی[1]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا تھا[2]۔

واقدی نے کہا ہے کہ ہمارے رواۃ نے اس بات کا انکار کیا ہے کیونکہ اس وقت نجران کے عامل عمرو بن حزم تھے[3]۔

حضرت ابوسفیانؓ زمانۂ جاہلیت سے ہی لکھنا جانتے تھے۔ واقدی نے آپ کو مکہ کے زمانۂ جاہلیت میں لکھنے والوں میں شمار کیا ہے[4]۔

آپ کو کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں العراقی[5]، ابن سید الناس[6]، ابن مسکویہ[7] اور الانصاری[8] نے شمار کیا ہے۔

آپ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۹۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ بعض نے آپ کی وفات میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے آپ کا ۳۰ھ ہجری میں انتقال ہوا، بعض نے کہا ہے کہ ۳۱ھ میں، جبکہ کچھ نے ۳۴ھ کی روایت کی ہے[9]۔

۵۔ حضرت ابوسلمۃ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوسلمہؓ زیادہ تر اپنی کنیت سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن پورا اسم گرامی عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن مخزوم المخزومی ہے[10]۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے[11]۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ گیارھویں مسلمان تھے[12]۔ اس لیے آپ سابقون الاولون میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی شادی حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ پھر آپؓ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے ام المومنین ہونے کے شرف سے نوازا[13]۔

مصعب الزبیری کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن الاسد نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی[14]۔

ابن مندہ نے بھی یہی روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن الاسد نے اپنے ہودج اور ساز و سامان سمیت سب سے پہلے

---

[1] الاصابہ ۲ : ۷۹
[2] الاستیعاب ۲ : ۱۹۰، الاصابہ ۲ : ۱۷۹
[3] تاریخ خلیفہ ۱ : ۷۳
[4] فتوح البلدان : ۵۸۰
[5] شرح الفیہ العراقی ۲۴۶
[6] عیون الاثر ۲ : ۳۱۶
[7] تجارب الامم ۱ : ۲۹۱
[8] المصباح المضیٔ ۲۵ - ۲۸ أ
[9] الاستیعاب ۲ : ۱۹۱، الاصابہ ۲ : ۱۸۰
[10] الاصابہ ۲ : ۳۳۵
[11] اسد الغابہ ۳ : ۱۹۵
[12] سیرۃ ابن ہشام ۱ : ۲۵۲
[13] الاصابہ ۲ : ۳۳۵
[14] الاستیعاب ۲ : ۳۳۸

حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعدہٗ سب سے پہلے مدینہ کی طرف بھی آپ نے ہی ہجرت کی[1]

ابونعیم نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ نے بیعت عقبہ سے قبل مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حضرت ام سلمہؓ آپ کے ہمراہ تھیں[2] لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی بلکہ بعد میں ہجرت کی۔

آپ غزوۂ بدر اور احد میں شامل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غزوۃ العشیرہ پر جاتے ہوئے ۲ھ میں مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا[3]

ابن ابی عاصم نے حدیث ابن عباسؓ کے شروع میں یہ روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں اعمالنامے وصول کرنے والوں میں حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے شخص ہوں گے۔

آپ کی وفات غزوۂ اُحد میں لگے ہوئے زخموں سے جانبر نہ ہو سکنے کی وجہ سے ۴ھ میں ہوئی۔[4]

آپ کاتبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ آپ کا ذکر کاتبین میں ابن مسکویہ[5]، ابومحمد الدمیاطی[6]، العراقی[7]، ابن سید الناس[8]، الیعمری[9] اور الانصاری[10] نے کیا ہے۔

۶۔ حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ

اسم گرامی اُبی بن کعب بن قیس بن زید بن معاویہ بن عمرو الانصاری النجاری تھا۔ آپ کی کنیت ابو المنذر اور ابوالطفیل تھی۔ آپ بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ آپ نے غزوۂ بدر اور باقی تمام غزوات میں حصہ لیا۔ آپ کا شمار فقیہ اور قاری صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ بلکہ آپ کو سید القرأ بھی کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو قرآن سناؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام آپ کو بتایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ تب حضرت ابی بن کعب فرطِ مسرت سے رونے لگے[11]

حضرت ابی بن کعب نبی کریمؐ کے معروف کاتبین اور قرأ میں سے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ ۳ : ۱۹۶
[2] اسد الغابہ
[3] اسد الغابہ
[4] الاصابہ ۲ : ۳۳۵
[5] تجارب الامم ۱ : ۲۹۱
[6] المصباح المضئ ۳۴ ب
[7] شرح الفیۃ العراقی ۳۴۶
[8] عیون الاثر ۲ : ۳۱۶
[9] العجالۃ السنیہ شرح الفیۃ العراقی ۳۴۶
[10] المصباح المضئ ۳۴۔ أ
[11] بخاری، تفسیر لم یکن ۲۰

واقدی نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھا[1]۔ آپ کا ذکر بطور کاتبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن شبہ[2]، الطبری[3]، ابنِ مسکویہ[4]، الیعقوبی[5]، الجہشیاری[6]، ابن الاثیر[7]، العراقی[8]، المزی[9]، ابنِ کثیر[10] اور الانصاری[11] نے کیا ہے۔

ابنِ خیثمہ کی روایت ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر وحی لکھنے والوں میں سے سب سے اوّل ہیں[12]۔ ابنِ اثیر کی روایت کے مطابق ابی بن کعب رسول اللہؐ کے سب سے پہلے کاتب ہیں[13]۔ ابنِ سیدالناس کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد انصار میں سے ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے کاتب ہیں[14]۔ روایت مذکورہ سے طبری کی اس روایت کی تائید ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان وحی کی کتابت کرتے تھے۔ لیکن اگر بامرِ مجبوری وہ موجود نہ ہوتے تو اس صورت میں حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت وحی لکھا کرتے تھے[15]۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مہاجرین کتابت کی مہارت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ کیونکہ اگر بوقتِ ضرورت ان میں سے کوئی نہ ہوتا تب دوسروں کو لکھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ انصار میں سے حضرت ابی بن کعب سب سے پہلے کاتبِ وحی ہیں۔ رہا یہ قول کہ آپ سب سے پہلے کاتبِ وحی ہیں، تو مکّہ میں بھی قرآن نازل ہوتا رہا جب کہ ابی بن کعبؓ وہاں موجود نہ تھے۔ لہٰذا اس قول کا اطلاق جائز نہ ہوگا کہ ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے سب سے پہلے وحی لکھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ قرآن کے آخری حصّہ کی کتابت آپ نے سب سے پہلے کی ہے اور اس کے بعد بعض دوسرے اصحاب نے[16]۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے "الوثائق السیاسیہ" میں کئی ایک ایسے مکاتیب کا ذکر کیا ہے جن میں کاتب کا نام ابی بن کعب درج ہے۔ مثال کے طور پر وثیقہ نمبر ۶۳، ۶۴، ۷۶، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۶۳، ۱۷۴، ۲۰۶،

---

[1] المصباح المضئی ۱۸

[2] المصباح المضئی ۸-ب

[3] تاریخ الطبری ۲: ۱۷۹

[4] تجارب الامم ۱: ۲۹۱

[5] تاریخ الیعقوبی ۲: ۸۰

[6] الوزراء والکتاب ۱۲

[7] اسد الغابہ ۱: ۵۰

[8] شرح الفیۃ العراقی ۲۴۵

[9] تہذیب الکمال ۵: ۲۴۰

[10] البدایہ والنہایہ ۵: ۲۴۰

[11] المصباح المضئی ۱۸-أ

[12] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۱

[13] الکامل ۲: ۱۳

[14] عیون الاثر ۲: ۳۱۵

[15] تاریخ الطبری ۶: ۱۷۹، تجارب الامم لابن مسکویہ ۱: ۲۹۱

[16] الاصابہ ۱: ۱۹، الاستیعاب ۱: ۵۰-۵۱ نقلاً عن الواقدی۔

۲۴۴ھ[1]

مورخین میں آپ کی تاریخِ وفات پر اختلاف ہے۔ ابنِ معین کے مطابق آپ کی وفات ۱۹ یا ۲۰ھ میں ہوئی۔ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی وفات شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے چند روز قبل بروز جمعہ ہوئی[2] واقدی نے بعض دُوسرے ذرائع سے روایت کیا ہے کہ آپ ۲۲ھ میں فوت ہوئے۔ اور بعض دوسرے مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷۔ حضرت ارقم بن ابی الارقم عبد مناف بن اسد المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ ساتویں اسلام لانے والے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے آپ گیارھویں اسلام لانے والے تھے۔

آپؓ کا گھر دامنِ کوہِ صفا میں مرکزِ دعوتِ اسلام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کے گھر میں مسلمانوں سے ملا کرتے تھے۔ آپ یہیں سے اسلام کی دعوت خفیہ طور پر دیتے رہتے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے اس خفیہ محفوظ اڈے میں سب سے آخری مسلمان ہونے والے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دعوت کا کام اعلانیہ کرنا شروع کر دیا۔

حضرت ارقم پہلے پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ نے جنگِ بدر میں حصہ لیا اور غنائم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک تلوار حصہ سے زیادہ عطا کی[3] آپ نے تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدقات جمع کرنے پر مامور فرمایا[5] مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک حویلی بھی عطا فرمائی تھی[6]

آپ کا اسمِ گرامی کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ابنِ کثیر[7]، العراقی[8]، الانصاری[9] اور ابن سید الناس[10] نے شمار کیا ہے۔

ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے عظیم ابن الحارث المحاربی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک بہت بڑی جاگیر لکھ کر دی[11]

---

[1] الوثائق السیاسیہ : ڈاکٹر محمد حمید اللہ
[2] الاصابہ ۱ : ۱۹-۲۰
[3] اسد الغابہ ۱ : ۶ ، العقد الثمین ۳ : ۱۸۴
[4] الاصابہ ۱ : ۲۸۰
[5] اسد الغابہ ۱ : ۶۰
[6] الاصابہ ۱ : ۲۸
[7] البدایہ والنہایہ ۱ : ۶۰
[8] العجالۃ السنیہ شرح الفیہ : ۲۴۷
[9] المصباح المضئی : ۱۸ ب
[10] عیون الاثر ۲ : ۳۱۶
[11] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۴۱

ڈاکٹر حمید اللہ کے "الوثائق السیاسیہ" میں وثیقہ نمبر ۸۴ ، ۸۸ ، ۱۷۹ ، ۲۱۲ پر حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے دستخط بحیثیت تحریر کنندہ موجود ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی وفات ایک ہی روز ہوئی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آپ ۵۵ھ میں فوت ہوئے جبکہ آپ کی عمر ۸۰ برس سے تجاوز کر چکی تھی اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔[۱]

۸۔ حضرت بریدہ بن الحصیب بن عبداللہ بن الحارث الاسلمی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بوقتِ ہجرت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپؓ بمقام الغمیم اسلام لائے۔[۲] آپ نے غزوۂ اُحد کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی[۳] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تقریباً سولہ غزوات میں حصہ لیا۔[۴] آپ مدینہ سے بصرہ تشریف لے گئے تھے اور وہاں ایک مکان بنا لیا تھا مگر پھر بغرض جہاد وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور آخر زندگی میں مرو میں قیام فرمایا وہیں آپ کی وفات ہوگئی اور وہیں آپ دفن ہوئے۔ کاتبینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں آپؓ کا شمار ابنِ سید الناس[۵]، العراقی[۶] اور الانصاری[۷] نے کیا ہے۔

ہلال بن سراج بن مجاعہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کو یمن میں ایک جاگیر عطا کی تھی اور اس عطا یا ہبہ کی تحریر حضرت بریدہ نے یہ لکھی :

"محمد رسول اللہ کی طرف سے مجاعہ بن مرارہ جو بنی سلم سے ہے کے لیے کہ میں تم کو ایک سرحدی زمین دیتا ہوں جو کوئی تم سے اس معاملہ میں جھگڑا کرے اسے چاہیے کہ میرے پاس آئے۔"

اس کو بریدہ نے لکھا[۸]

۹۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن قیس انصار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ جس طرح کہ حضرت حسان بن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے۔[۹] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ثابت نے خطبہ دیا اور فرمایا ہم دشمن سے آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی جان اور اپنی اولاد کی کرتے ہیں لیکن اس کے

---

[۱] اسد الغابہ ۱ : ۶۰ ، العقد الثمین ۳ : ۲۸۱ ، الاصابہ ۱ : ۲۸ [۲] اسد الغابہ ۱ : ۱۷۵

[۳] اسد الغابہ ۱ : ۱۷۵ [۴] الاصابہ ۱ : ۱۴۶ [۵] عیون الاثر ۲ : ۳۱۶

[۶] العجالۃ السنیہ شرح الفیہ العراقی ۲۴۶ [۷] المصباح المضئی ۱۸ ب [۸] المصباح المضئی ۱۸ : ۱

[۹] اسد الغابہ ۱ : ۲۲۹

بدلے میں کیا ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت۔ تمام مجمع نے بیک زبان کہا ہم اس پر خوش ہیں[1] سب سے پہلے غزوۂ احد میں شمولیت کی۔ اس کے بعد تقریباً تمام غزوات میں شامل رہے[2]

ایک مرتبہ حضرت ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے غیر حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ثابتؓ کے بارے میں مجھے کون بتائے گا، تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں معلوم کرکے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ شخص حضرت ثابت کے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپؓ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اس نے دریافت کیا: کیا بات ہے؟ تو حضرت ثابتؓ نے جواب دیا کہ میں مصیبت میں پڑ گیا ہوں، برباد ہو گیا ہوں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونچی آواز سے گفتگو کی ہے اور میرے تمام اعمال ضائع ہو گئے ہیں اور میں اہلِ دوزخ میں سے ہو گیا ہوں۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ثابت کا قصہ اور آپ کی حالت بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ اور انؓ سے کہو کہ تُو اہلِ دوزخ میں سے نہیں بلکہ اہلِ جنت میں سے ہے[3]

آپؓ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں ابنِ سعد[4]، المزی[5]، ابنِ کثیر[6]، العراقی[7]، ابنِ سید الناس[8] اور الانصاری[9] نے کیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے "الوثائق السیاسیہ" میں وثیقہ نمبر ۱۵ میں تحریر کنندہ کا نام قیس بن شماس الرویانی لکھا ہے لیکن صحابہ کرام میں اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا، شاید یہ ثابت بن قیس بن شماس ہوگا۔ آپ جنگِ یمامہ میں ۱۱ھ میں شہید ہوئے۔ آپؓ کی شہادت کے بعد ایک شخص نے خواب میں آپ سے آپ کے ساز و سامان کے بارے میں وصیت سُنی؛ پھر اس شخص نے یہ خواب حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سنایا۔ تو آپؓ نے اس خواب کی وصیت کو جائز قرار دیا[10]

۱۰۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیہقی کی ابنِ اسحاق والی روایت کے سوا میں نے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جعفر رضی اللہ عنہ کا نام کسی کو ذکر کرتے نہیں پایا[11]۔ مزید برآں یہ کہ میرے نزدیک یہ شخصیت بھی غیر واضح ہے کیونکہ اس نام کے متعدد صحابہ کرام تھے۔ شاید

---

[1] الاصابہ ۱: ۱۹۵ — [2] اسد الغابہ ۱: ۲۲۹، الاصابہ ۱: ۱۹۵

[3] الاستیعاب ۱: ۱۹۳-۱۹۴، اسد الغابہ ۱: ۲۲۹، الاصابہ ۱: ۱۹۵

[4] طبقات ابن سعد ۱/۲: ۸۲ — [5] تہذیب الکمال ۴۴ ب — [6] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۱

[7] العجالۃ السنیہ شرح الالفیہ ۲۴۵ — [8] عیون الاثر ۲: ۳۱۵ — [9] المصباح المضئ ۱۹-أ

[10] الاستیعاب ۱: ۱۹۵، اسد الغابہ ۱: ۲۲۹-۲۳۰، الاصابہ ۱: ۱۹۵-۱۹۶

[11] مثال کے طور پر دیکھیے الاصابہ ۲: ۲۳۹-۲۹۹

یہ جعفر ابن ابی طالب ہیں یا جعفر ابن ابی سفیان۔

بیہقی نے ابنِ اسحاق کے اس سلسلہ سے روایت کیا ہے جس میں ابنِ اسحاق محمد بن جعفر بن الزبیر سے اور وہ عبداللہ ابنِ زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ارقم سے لکھنے کے لیے کہا، حضرت عبداللہ بن ارقم اور آپ کے غلام بھی لکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن ارقم پر اتنا اعتماد ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بعض بادشاہوں کو بھی خط لکھواتے تھے۔ بعد میں آپؐ صرف یہ فرما دیتے کہ یہ لکھ کر اس پر مُہر لگا دو اور بھروسہ کی بنا پر اس لکھے ہوئے کو بھی دوبارہ نہ سنتے تھے۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ سے بھی لکھواتے تھے اور حضرت زید وحی اور خطوط دونوں چیزیں لکھتے تھے۔ جب کبھی حضرت زید اور عبداللہ بن ارقم وقت پر موجود نہ ہوتے اور کسی کا نذارکو، کسی بادشاہ کو یا کسی دوسرے انسان کو کوئی چیز لکھ کر دینا ہوتی تو حضرت جعفر سے لکھوا لیتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی آپ کے لیے لکھا ہے۔ حضرات زید بن مغیرہ و معاویہ و خالد بن سعید بن العاص وغیرہ کا شمار بھی عربوں میں سے لکھنے والوں میں ہوتا تھا۔[۱]

۱۱۔ حضرت جہم بن سعد رضی اللہ عنہ

ابنِ حجر کی روایت ہے کہ حضرت جہم رضی اللہ عنہ کو القضاعی نے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ حضرت زبیر اور جہم اموالِ صدقہ لکھا کرتے تھے۔

اسی طرح مفسر القرطبی نے بھی اپنی تالیف مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کاتبین میں آپ کا ذکر کیا ہے۔[۲] اس کے علاوہ العراقیؒ اور الانصاریؒ نے آپ کا شمار کاتبین کے ضمن میں کیا ہے۔

۱۲۔ حضرت جہیم بن الصلت بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے خواب میں دیکھا کہ گھوڑے کا سوار کھڑا ہے اور قوم قریش کے بڑے بڑے شرفا کی موت کی خبر سنا رہا ہے۔ آپ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ جب یہ بات ابوجہل نے سنی تو کہنے لگا کہ بنی مطلب میں سے ایک اور نبی پیدا ہو گیا ہے۔ کل تک معلوم ہو ہی جائے گا کہ کون کون قتل ہوگا، ذرا ہمارا ٹکراؤ تو ہونے دو۔[۳] آپ کے اسلام لانے میں علما کا اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰: ۱۲۶ (یہ روایت سنن الکبریٰ کے مطبوعہ نسخے میں ہے اور ابن حجر نے ابن اسحاق سے الاصابہ جلد دوم کے صفحہ ۲۰۷ پر روایت نقل کی ہے کہ جب حضرات زید بن ثابت اور ابن الارقم بوقتِ ضرورت موجود نہ ہوتے تو حضرت علی اور حضرت عمر یہ خدمت سرانجام دیتے) مجھے یہ معلوم نہیں کہ کون سی روایت صحیح ہے خصوصاً جبکہ آج تک ان کتب کی کوئی تحقیقی اشاعت منظرِ عام پر نہیں آئی۔

[۲] الاصابہ ۱: ۲۵۵ — [۳] شرح الفیہ العراقی ۲۴۶ — [۴] المصباح المضئ ۱۹ ب

[۵] سیرت ابن ہشام ۱: ۶۱۸

نے لکھا ہے کہ آپ فتح خیبر کے سال میں مسلمان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تیس وسق یعنی ۱۸۰ من غلہ وغیرہ عطا کیا[۱]۔ اور ابن الاثیر کی روایت بھی یہی ہے[۲] لیکن ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوتے رہے[۳]

البلاذری نے لکھا ہے کہ جہیم بن الصلت زمانہ جاہلیت سے لکھنا جانتے تھے۔ پھر اسلام آیا تو بھی آپ لکھتے تھے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بھی لکھا[۴]۔ المسعودی نے لکھا ہے کہ زبیر بن العوام اور جہیم بن الصلت اموالِ صدقہ کی تفصیلات لکھا کرتے تھے[۵] اس کے علاوہ آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھنے والوں میں ابن شبہ[۶]، یعقوبی[۷]، ابن مسکویہ[۸]، ابن سید الناس[۹]، العراقی[۱۰]، ابن حجر[۱۱]، الانصاری[۱۲] اور البلاذری[۱۳] نے شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے "الوثائق السیاسیہ" میں وثیقہ نمبر ۱۰ میں کاتب کا نام جہیم بن الصلت لکھا ہوا ہے۔

۱۳۔ حضرت حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود القرشی العامری[۱۴] اخو سہیل بن عمرو و سلیط بن عمرو

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار الارقم کو تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے سے پہلے اسلام لائے تھے[۱۵]، اور دو دفعہ اپنے دیگر بھائیوں کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی[۱۶]۔

واقدی نے اور دیگر متاخرین نے لکھا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی جانب ہجرت اول میں شمولیت کی[۱۷] آپ جنگِ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے[۱۸]۔

کاتبین میں ابنِ مسکویہ[۱۹]، ابن سید الناس[۲۰]، العراقی[۲۱] اور الانصاری[۲۲] وغیرہم نے آپ کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ حضرت حذیفہ بن الیمان العبسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا تعلق علاقہ یمن سے تھا۔ غزوۂ بدر کے وقت آپ موجود تھے لیکن مشرکینِ مکہ سے ایک معاہدہ پہلے کر چکے تھے جس کی

---

[۱] الاستیعاب ۱: ۲۴۷، العقد الثمین ۳: ۵۴۴ [۲] اسد الغابہ ۱: ۳۱۱
[۳] الاصابہ ۱: ۲۵۵ [۴] الاصابہ ۱: ۲۵۵ [۵] التنبیہ والاشراف ۲۴۵
[۶] المصباح المضئ ۸ ب [۷] تاریخ یعقوبی ۲: ۸۰ [۸] تجارب الامم ۱: ۲۹۱
[۹] عیون الاثر ۲: ۳۱۵ [۱۰] شرح الفیۃ العراقی ۲۴۷ [۱۱] الاصابہ ۱: ۲۵۵
[۱۲] المصباح المضئ ۱۹ ب [۱۳] انساب الاشراف ۱: ۵۳۲ [۱۴] الاستیعاب ۱: ۳۴۷
[۱۵] العقد الثمین ۴: ۴۵، اسد الغابہ ۱: ۳۶۳ [۱۶] الاصابہ ۱: ۳۰۱
[۱۷] الاصابہ ۱: ۳۰۱ [۱۸] تجارب الامم ۱: ۲۹۱ [۱۹] عیون الاثر ۲: ۳۱۶
[۲۰] شرح الفیۃ العراقی ۲۴۶ [۲۱] المصباح المضئ ۲۰ ب

رُو سے آپ کفار پر تلوار نہ اُٹھا سکتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے معاہدے کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: معاہدہ پُورا کرو اور ان کے خلاف اللہ سے ہمارے لیے مدد مانگو[1] غزوۂ اُحد میں حضرت حذیفہ شریک ہُوئے۔ اس غزوہ میں حضرت حذیفہ کے والد غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔[2] غزوۂ احزاب (خندق) میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو ایک جاسوسی کی مہم پر مامور فرمایا تاکہ کفار کی نقل و حرکت کی خبر لے آئیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافقین کی حرکات پر نظر رکھنے کے لیے مامور تھے اور آپ کو صاحبِ سرِ رسول اللہؐ بھی کہا جاتا ہے[3]

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگر کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے: اگر حذیفہ (رضی اللہ عنہ) اس کے جنازے میں شامل ہوگا تو عمرؓ بھی شامل ہوگا اور اگر حذیفہ شامل نہ ہوگا تو عمر بھی شامل نہ ہوگا۔[4]

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا: کوئی تمنّا کرو۔ اُنہوں نے تمنّا کی کہ ان کے وُہ گھر جن میں وہ رہتے ہیں جواہرات اور روپے پیسے بھرے ہوئے ہوں اور وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کہا میں چاہتا ہُوں کہ میرے پاس ابی عبیدہ، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن الیمان جیسے لوگ ہوں جن کو میں اللہ کی اطاعت کے لیے عامل مقرر کروں[5]

حضرت حذیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دبا کا عامل مقرر فرمایا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک دبا کے عامل تھے[6]

آپ جنگِ نہاوند میں شریک تھے۔ ہمدان، رے اور دینور کے علاقے آپؓ نے سنہ ۲۲ ہجری میں فتح کیے[8] آپ نے فتح جزیرہ میں بھی حصّہ لیا اور نصیبین میں پڑاؤ کے دوران شادی کی۔[9]

حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ ابنِ سیرین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جب بھی کسی کو عامل مقرر فرماتے تو اس کے تقرری کے کاغذات میں لکھتے میں فلاں کو (عامل بنا کر) بھیجتا ہُوں اور اس کو یہ یہ حکم دیتا ہُوں۔ مگر حذیفہؓ کے تقرر نامہ میں لکھا کہ ان کی بات سُنی جائے اور ان کی اطاعت کی جائے جو کچھ طلب فرمائیں دیا جائے۔ جب آپ مدائن پہنچے تو وہاں کے کسانوں نے آپ کا خیر مقدم کیا جب آپ نے اپنا عہد نامہ یا سندِ تقرر پڑھ کر سُنائی تو لوگوں نے کہا: آپ جو چاہتے ہیں ہم سے طلب کریں۔ آپ نے فرمایا: میں آپ سے اپنے لیے دو وقت کا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہوں گا جب تک کہ میں تم میں رہوں آپ مدائن کے عامل رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو لکھا کہ آپ ایک مرتبہ مدینہ حاضر ہوں۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو آپ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو حضرت عمرؓ اس راستے پر ہو لیے جس راستے سے حضرت حذیفہ آ رہے تھے۔ جب آپ نے

---

[1] اسد الغابہ ۱: ۳۹۱، الاصابہ ۱: ۳۲۱ یہ مفصل قصہ صحیح مسلم میں بھی ذکر ہوا ہے [2] الاصابہ ۱: ۳۲۱ - ۳۳۲

[3] اسد الغابہ ۱: ۳۹۱ [4] الاستیعاب ۱: ۲۷۸، اسد الغابہ ۱: ۳۹۱ [5] اسد الغابہ ۱: ۳۹۱-۳۹۲

[6] ابن سعد ۵: ۳۸۵ [7] اسد الغابہ ۱: ۳۹۱ [8] الاستیعاب ۱: ۲۷۸

[9] اسد الغابہ ۱: ۳۹۱

حضرت حذیفہ کو بالکل اسی حال میں دیکھا جس حال میں کہ روانہ ہوئے تھے تو آپ آگے بڑھے اور بڑھ کر حضرت حذیفہ سے چمٹ گئے اور فرمایا : تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں [1]

آپ کاتبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ آپ کا شمار کاتبین میں قرطبی [2]، ثعلبی [3]، عراقی [4] اور انصاری [5] نے کیا ہے، اور ان سب نے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ کھجور کی چھال پر لکھا کرتے تھے۔ اور مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ حجاز کی متوقع آمدنی کے گوشوارے مرتب فرمایا کرتے تھے [6]

آپ کا انتقال ۳۶ھ میں شہادتِ عثمانؓ کے بعد ہوا [7]

۱۵۔ حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الجہشیاری نے لکھا ہے کہ حصین بن نمیر اور مغیرہ بن شعبہ لوگوں کے معاملات لکھا کرتے تھے [8]

انصاری نے لکھا ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ اور حصین بن نمیر لوگوں کے قرض اور معاملات تحریر کیا کرتے تھے [9] اور ابنِ مسکویہ نے آپ کو کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر عوام الناس کے معاملات لکھا کرتے تھے اور خالد اور معاویہ اگر موقع پر موجود نہ ہوتے تو ان کی نیابت بھی کرتے تھے [10]

ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ العباس بن محمد اوندلسی نے معتصم بن صمادح کے لیے ایک تاریخ کی کتاب جمع کی تھی جس میں اس نے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بوقتِ ضرورت لکھا کرتے تھے اور اس طرح متاخرین کی جماعت نے لکھا ہے جن میں المولد النبویؐ میں قرطبی نے اور شرح السیرۃ میں القطب الحلبی نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس روایت کو القضاعی کی کتاب کتاب النبیؐ سے ماخوذ بتایا ہے [11] اور اسی طرح آپ کا ذکر کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں العراقی [12]، الیعقوبی [13] نے بھی کیا ہے۔ ابن حجر حصین بن نمیر کی شخصیت کے تعین کے بارے میں مذبذب ہی رہے ہیں۔

۱۶۔ حضرت حنظلہ بن الربیع بن صیفی بن ریاح التیمی رضی اللہ عنہ

آپ اکثم بن صیفی کے بھائی کے لڑکے تھے۔ آپ کے بارے میں روایت مشہور ہے کہ آپ ایک دفعہ حضرت سیدنا

---

[1] اسد الغابہ ۱: ۳۹۲
[2] المصباح المضئ ۲۱-أ
[3] العجالۃ السنیہ علی الفیۃ السیر ۲۴۶
[4] ایضاً، المصباح المضئ ۲۱-أ ب
[5] ایضاً
[6] التنبیہ والاشراف ۲۴۵
[7] الاستیعاب ۱: ۲۷۸
[8] الوزراء والکتاب ۱۲، التنبیہ والاشراف مسعودی
[9] المصباح والمضئ ۲۰ ب
[10] تجارب الامم ۱: ۲۹۱
[11] الاصابہ ۱: ۳۳۹
[12] شرح الفیۃ العراقی ۲۴۷
[13] تاریخ یعقوبی ۲: ۸۰

صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے روتے ہوئے گزرے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استفسار فرمایا کہ کیوں روتے ہو؟ حضرت حنظلہ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! حنظلہ تو منافق ہوگیا ہے (معاذاللہ) کیونکہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور دوزخ کی بابت بتاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم ان کو دیکھ رہے ہیں اور جب ہم لوٹتے ہیں تو ہم اپنی عورتوں میں اور کھیتی باڑی میں مشغول ہوجاتے ہیں اور تقریباً وہ سبھی کچھ بھول جاتے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا یہ بات تو میں بھی اپنے اندر پاتا ہوں۔ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں۔ دونوں حضرات رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

اے حنظلہ! تجھے کیا ہوا؟

عرض کی: میں منافق ہوگیا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! (معاذاللہ)

جب آپ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو گویا ہم ان چیزوں کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جب آپ سے الگ ہوکر گھروں کو جاتے ہیں تو اپنی عورتوں اور کھیتیوں میں مشغول ہوکر یہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

اے حنظلہ! اگر تم اس حال پر ہمیشہ قائم رہو جو میرے پاس ہونے سے ہوتا ہے تو یقیناً فرشتے تم سے مجلسوں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں اور بستروں پر تم سے ملاقات کریں۔ لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کو اہلِ طائف کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ آیا وہ صلح چاہتے ہیں یا نہیں؟ جب حضرت حنظلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اہلِ طائف کی طرف جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا: اس کی اور اس جیسوں کی اقتدا کیا کرو۔[2]

آپ کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ جہشیاری نے لکھا ہے کہ آپ تمام کاتبین کے نائب تھے اور ہر ایک کی طرف سے "جب وہ غیر حاضر ہوتا" لکھتے تھے۔ اس طرح آپ کا نام "کاتب" پڑگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مُہر حضرت حنظلہ کے پاس رکھ چھوڑی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر تیسرے دن مجھے تمام لکھایا ہوا یاد دلا دیا کرو۔ حضرت حنظلہ تیسرے روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اموال اور طعام وغیرہ جو آپ کی تحریری تحویل میں ہوتا یاد دلا دیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو سونے سے پہلے پہلے تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔[3]

حضرت حنظلہ مشہور کاتبین میں سے ہیں۔ امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں لکھا ہے: حنظلہ رضی اللہ عنہ کاتب النبی تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔[4]

امام مسلم نے طبقات میں لکھا ہے کہ حنظلہ بن الربیع کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔[5] ابن سعد نے

---

[1] اسد الغابہ ۲: ۵۸ نقلاً عن الترمذی [2] اسد الغابہ ۲: ۵۸

[3] الوزراء والکتاب ۱۲: ۱۳ [4] التاریخ الکبیر ۲/۱: ۳۶ [5] الطبقات لمسلم بن حجاج القشیری ۸۰ ب

واقدی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کی اور اسی وجہ سے آپ کا نام کاتب پڑ گیا[۱]۔ آپ کا ذکر کاتبین میں یعقوبی[۲]، ابن الاثیر[۳]، المزی[۴]، ابن سید الناس[۵]، العراقی[۶]، ابن شبہ[۷]، خلیفہ بن الخیاط[۸]، ابن کثیر[۹]، ابن حجر[۱۰]، الانصاری[۱۱] اور مسعودی[۱۲] نے کیا ہے۔

آپ نے جنگِ قادسیہ میں حصہ لیا، اس کے بعد کوفہ میں قیام پذیر ہو گئے اور جنگِ جمل کے دوران میں کوفہ میں حضرت علیؓ کے نائب مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آپ قرقیسیا تشریف لے گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں وہیں وفات پائی[۱۳]۔

۱۷۔ حضرت حویطب بن عبد العزیٰ بن ابی قیس القرشی العامری رضی اللہ عنہ

آپ نے بہت طویل عمر پائی۔ آپ فتح مکہ کے سال تقریباً ساٹھ برس[۱۴] کی عمر میں مسلمان ہوتے۔ آپ کا شمار مؤلفۃ القلوب[۱۵] میں ہوتا ہے۔ آپ کو غنائم حنین میں سے ایک سو اونٹ عطا کیے گئے[۱۶]۔ آپ پکے مسلمان تھے۔

امام احمد ابن حنبلؒ نے امام شافعیؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حویطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی بہت تعریف کرنے والوں میں سے تھے[۱۷]۔ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کے پتھروں کی مرمت پر بعض دوسرے اصحاب کے ساتھ مامور فرمایا تھا[۱۸]۔

آپ کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ آپ کا ذکر کاتبین میں ابنِ مسکویہ[۱۹]، العراقی[۲۰]، ابن سید الناس[۲۱] اور الانصاری[۲۲] نے کیا ہے۔ آپ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہی ہے کہ آپ کی وفات ۵۴ھ ہجری میں خلافتِ امیر معاویہؓ کے دور میں ہوئی[۲۳]۔

---

[۱] طبقات لابن سعد ۶ : ۳۶۱
[۲] تاریخ یعقوبی ۲ : ۸۰
[۳] اسد الغابہ ۲ : ۵۸
[۴] تہذیب الکمال ۴ ب
[۵] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
[۶] شرح الفیۃ العراقی ۲۴۵
[۷] المصباح المضئ ۸ ب
[۸] تاریخ خلیفہ ۱ : ۷۷
[۹] البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۴۲
[۱۰] الاصابہ ۱ : ۳۵۹ - ۳۶۰
[۱۱] المصباح المضئ ۲۰ - أ
[۱۲] التنبیہ والاشراف ۲۸۲
[۱۳] الاصابہ ۱ : ۳۶۰ ، اسد الغابہ ۲ : ۵۸
[۱۴] الاستیعاب ۱ : ۳۸۷
[۱۵] الاستیعاب ۱ : ۳۸۷ ، الاصابہ ۱ : ۳۶۴ ، اسد الغابہ ۲ : ۶۷
[۱۶] الاستیعاب ۱ : ۳۸۴ ، اسد الغابہ ۲ : ۶۷
[۱۷] العقد الثمین ۴ : ۲۵۲
[۱۸] الاستیعاب ۱ : ۳۸۴ ، الاصابہ ۱ : ۳۶۴
[۱۹] تجارب الامم ۱ : ۲۹۱
[۲۰] شرح الفیۃ العراقی ۲۴۶
[۲۱] عیون الاثر ۲ : ۳۱۶
[۲۲] المصباح المضئ ۲۰ ب
[۲۳] العقد الثمین ۴ : ۲۵۳

۱۸۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص بن امیۃ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ

آپ بہت پہلے اسلام لائے۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام لائے تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ تیسرے، چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں[۱]

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ آپ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں اور آپ کا باپ آپ کو آگ میں دھکا دے رہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کندھوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچ رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان کیا تو آپ نے اسلام قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ آپ مقام اجیاد میں نبی کریمؐ سے ملے اور اسلام قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کو مخفی رکھا[۲] جب آپ کے والد کو کسی طرح اس بات کا علم ہوا تو سخت ناراض ہوا۔ آپ کو مارا پیٹا اور گالیاں دیں۔ آپ کے بھائیوں کو حکم دیا کہ کوئی آپ سے گفتگو نہ کرے ورنہ میں اس کے ساتھ بھی وہی کروں گا جو اس کے ساتھ کیا ہے۔ پھر آپ کو قید کر دیا گیا اور آپ پر سخت تنگی کی گئی آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھا گیا حتیٰ کہ مکہ جیسے گرم علاقہ میں تین دنوں تک آپ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور آخر کار اپنے والد سے اپنے تمام تعلقات توڑ لیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور آپ کے ہی ہو کر رہنے لگے[۳]

جب صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کرنا پڑی تو حضرت خالد نے سب سے پہلے ہجرت کی اور آپ کی بیوی امیمۃ بنت خالد الخزاعیۃ بھی آپ کے ساتھ تھی اور وہاں آپ کم و بیش دس سال مقیم رہے۔ اس کے بعد آپ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی معیت میں دو کشتیوں میں فتح خیبر کے موقع پر بمقام خیبر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے مسلمانوں سے کہا کہ آپ کو غنائم خیبر میں سے حصہ دیا جائے[۴] حضرت خالدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ لوٹ آئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے عمرۃ القضا، حنین، تبوک اور طائف کے غزوات میں حصہ لیا[۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مذحج اور صنعاء الیمن کے صدقات کا عامل مقرر فرمایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ اس عہدہ پر فائز تھے[۶] حضرت خالد کی کوشش سے ہی اہل طائف اور نبی کریم کے درمیان صلح ہوئی اور آپ ہی نے وفد ثقیف کو اہل طائف کا نوشتہ لکھ کر دیا[۷]

کتابتِ وحی ابن حجر عسقلانی نے ابی داؤد کی کتاب المصاحف کی روایت کے حوالہ سے جو ابراہیم بن عفیہ نے ام خالد بنت خالدؓ سے اخذ کی ہے انھوں نے بیان کیا میرے والد نے سب سے پہلے بسم اللہ

---

[۱] الاستیعاب ۱ : ۳۹۹ [۲] ابن سعد، الطبقات ۴/۱ : ۶۸-۶۷ [۳] ایضاً

[۴] العقد الثمین ۴ : ۲۶۶ [۵] ایضاً، الاستیعاب ۱ : ۴۰۰ [۶] ایضاً

[۷] طبقات ابن سعد ۴/۱ : ۶۹، البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۴۳

الرحمٰن الرحیم لکھا[1]۔ اور یہ مشہور ہے کہ یہ جملہ قرآن مجید میں سے ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ ہجرتِ حبشہ سے قبل آپ مصحف لکھتے ہوں جبکہ آپ اس زمانہ میں ہمہ وقت نبی کریمؐ کے پاس رہتے تھے۔ اور انصاریؒ نے حضرت خالد کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہؐ کے لیے سب سے پہلے لکھا[2]۔ اور یہ قول اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس کو حضرت خالد کے مکہ میں قیام کے زمانے کے متعلق مانا جائے کیونکہ ہجرتِ مدینہ کے بعد تو اُبی بن کعب، زیدؓ بن ثابت اور علیؓ بن ابی طالب کتابتِ مصحف پر مامور تھے اور حضرت خالد غزوۂ خیبر سے قبل مدینہ میں تشریف فرما ہی نہ تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت خالد قدیم الاسلام تھے اور وہ پہلے صحابی ہیں جو مکہ میں آپ کے حکم سے مصحف یعنی وحی بھی لکھتے رہے۔ اور جب پھر مدینہ لوٹے تو نبی کریمؐ کے لیے دوبارہ خطوط لکھنا شروع کیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ حضرت خالد اور حضرت معاویہ بن سفیان آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی ضروریات اور معاملات لکھا کرتے تھے[3]۔

آپ مشہور کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ آپ کا ذکر کاتبین میں ابنِ اسحاق[4]، ابنِ سعد[5]، ابنِ شبہ[6]، الطبری[7]، الجہشیاری[8]، ابنِ اثیر[9]، ابنِ کثیر[10]، المزی[11]، عراقی[12]، ابن سید الناس[13]، ابن مسکویہ[14]، الانصاری[15] اور بعض دوسروں نے بھی کیا ہے۔

مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام امور کی کتابت فرمایا کرتے تھے[16]۔ الوثائق السیاسیہ میں وثیقہ جات نمبری ۱۹، ۲۰، ۱۱۴، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۴ اور ۲۲۳ کے کاتب آپ ہیں۔

بنو سعید کا وفاتِ رسول اللہؐ کے بعد عہدوں اور وظیفوں کو چھوڑ دینا

حضرات خالد و ابان و عمرو پسران سعید بن العاص نے نبی کریمؐ کی وفات کے بعد اپنے اپنے عہدے چھوڑ دیے اور لوٹ آئے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے ان حضرات کو پھر اپنے فرائض سنبھالنے کو کہا تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ہم بنو سعید نبی کریمؐ کے بعد کسی دوسرے کے لیے عامل بن کر جانے کے قابل نہیں ہیں[17]۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کو شام کے مرتدین کے مقابلے میں بھیجا[18]۔ آپ بقولِ بعض یوم اجنادین میں اور بقولِ دیگر یوم مرج الصفر میں ۱۳ھ میں شہید ہوئے[19]۔

---

1. اصابہ ۱: ۴۰۶ نقلاً عن المصاحف لابی داؤد، الاستیعاب ۱: ۴۰۰
2. المصباح المضئ ۱۲ب
3. تاریخ الطبری ۶: ۱۷۹، الجہشیاری۔ الوزراء والکتاب ۱۲
4. البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰
5. الطبقات ۴/۱: ۶۹
6. المصباح المضئ ۱۲ب
7. تاریخ الطبری ۶: ۱۷۹
8. الوزراء والکتاب ۱۲
9. الکامل ۲: ۳۱۳
10. البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۲
11. تہذیب الکمال ۴ب
12. شرح الفیۃ العراقی ۲۴۵
13. عیون الاثر ۲: ۳۱۵
14. تجارب الامم ۱: ۲۹۱
15. المصباح المضئ ۱۲ب
16. التنبیہ والاشراف ۲۴۵
17. الاستیعاب ۱: ۴۰۱
18. الاصابہ ۱: ۴۰۷
19. ایضاً

۱۹ - حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قائد المجاہدین سیف اللہ خالد بن ولید اسلام کے بہت بڑے شہسوار، معرکہ آزما اور مکہ میں بہت بڑے سردار تھے۔ آپ کی کنیت ابو سلیمان تھی۔ آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔

آپ اُمّ المومنین حضرت میمونہ بنت حارث کے بھانجے تھے[1] آپ ہجرت سے چالیس برس قبل پیدا ہوئے[2] زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کا شمار معززینِ قریش میں ہوتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں جنگی مہارت و سیادت کے امتیازات آپ کے پاس رہتے تھے۔ آپ کے پاس ایک قبہ نما اسلحہ خانہ تھا جہاں سے لشکر وغیرہ کی تیاری کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ آپ جنگ میں قائد ہوا کرتے تھے۔ لہذا غزوۂ اُحد میں آپ کفارِ مکہ کی فوج کے حصّے کی کمان کر رہے تھے یہاں تک کہ واقعہ حدیبیہ تک آپ کفار کے طرف دار اور کمان دار رہے[3]۔ واقعہ عمرۃ القضا کے وقت حضرت خالد مکہ سے اس لیے بھاگ گئے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی دیکھ نہ لیں۔ جب آپ نے حضرت خالدؓ کی بابت ان کے بھائی ولید ابن ولید سے سوال کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ ہمارے پاس آتا تو ہم اس کی عزت کرتے۔ اور یہی بات ولید نے حضرت خالد کی طرف لکھ بھیجی تو آپؐ کی اس شفقت سے حضرت خالد کے دل میں اسلام جاگزین ہو گیا[4]۔ اور آپ فتح خیبر کے بعد ۸ھ میں مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ جب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے آج ہماری طرف پھینک دیے ہیں[5]۔ حضرت خالد کو نبی کریمؐ نے ان کے گھر کے لیے ایک قطعۂ زمین دیا[6]۔ جب آپ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اسلامی لشکروں کی قیادت عطا کی اور آپ مشرکین سے جنگ کرنے میں پیش پیش ہوتے تھے۔ رسول اللہ کی معیت میں فتح مکہ میں حصہ لیا۔ رسول اللہ نے آپ کو عُزّیٰ کا بُت گرانے کے لیے بھیجا۔ آپ نے جا کر اس کو مسمار کر دیا۔ غزوۂ حنین میں آپ زخمی ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ کے زخم پر دم فرمایا اور وہ بند ہو گیا[9]۔

آپ ہمیشہ اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑوں اور زرہوں میں محبوس رہتے تھے[10] اور آپ کا سب سے بڑا مشغلہ جہاد تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: جہاد کی وجہ سے میں قرآن کا کثیر حصہ حاصل نہیں کر سکا[11]۔ مرتدین کے معرکوں میں آپ کے بڑے بڑے کارنامے ہیں، فتح عراق اور شام میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سیدنا حضرت عمرؓ نے آپ کو قیادتِ جیوشِ اسلامی سے معزول کر دیا تھا لیکن آپ نے ایک مسلمان سپاہی کے لیے مثالی قائم کر دی اور نئے سالار حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۱ : ۲۶۴ [2] ایضاً [3] الاصابہ ۱ : ۴۱۳

[4] العقد الثمین ۴ : ۲۹۰ نقلاً عن سیرۃ ابن ہشام [5] ایضاً [6] الاصابہ ۱ : ۴۱۳

[7] الاستیعاب ۱ : ۴۰۶ [8] طبقات ابن سعد ۴/۲ : ۱ [9] الاستیعاب ۱ : ۴۰۷

[10] ایضاً ۱ : ۴۱۳ [11] ایضاً

قیادت میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے جنگ لڑتے رہے[1]۔ حضرت عمرؓ سے صحیح اسناد سے مروی ہے کہ حضرت خالدؓ کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے: ابوسلیمان (خالد) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، ہم نے اس کے بارے میں وہ گمان کیا جو اس میں نہ تھا[2]۔

آپ کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے آپ کا اسمِ گرامی کاتبین میں عمر بن شبہ[3]، ابنِ کثیرؒ[4]، ابنِ سید الناسؒ[5]، عراقیؒ[6] اور الانصاریؒ[7] نے لکھا ہے۔

ابنِ کثیر نے حضرت خالد کے رقم کردہ ایک خط کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عتیق بن یعقوب نے عبدالملک بن ابی بکر سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے اور اس نے عمرو بن حزم سے روایت کیا کہ یہ اراضیات رسول اللہ کی ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام مومنین کی طرف کہ یہاں کوئی شکار نہ کرے اور شکار کو نہ پکڑے اور نہ ہی قتل کرے اگر کوئی ایسا کرتا ہوا پایا گیا تو اسے کوڑے مارے جائیں گے اور اس کے کپڑے اتار دیے جائیں گے۔ اور اگر کوئی ان حدود کو توڑے گا تو وہ ماخوذ ہوگا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُو برو پیش کر دیا جائے گا۔ اور یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے اور اسے خالد نے رسول اللہؐ کے حکم سے لکھا ہے۔ اور کوئی انہیں پامال نہ کرے ورنہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوگا جیسا کہ محمد رسول اللہ نے حکم دیا ہے[8]۔

حضرت خالدؓ کی وفات ۲۱ھ[9] میں حمص میں ہوئی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو وصیت کی اور حضرت عمرؓ نے آپ کی وصیت پوری فرما دی[10]۔

۲۰۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ ہجرت سے ۱۸ برس قبل پیدا ہوئے۔ مدائنی نے لکھا ہے کہ حضرات طلحہؓ، علیؓ اور زبیرؓ ابن عوام ہم عمر تھے[11]۔

حضرت زبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ کے حواری تھے۔ لڑکپن ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ بروایت عروہ بوقت قبولِ اسلام آپ کی عمر ۸ برس کی تھی[12]۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بعد جلد ہی اسلام لائے۔ آپ نے اسلام برضا و خوشی قبول کیا تھا[13]۔ یہ مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی بلندیوں سے سب کو پکارا تو حضرت زبیرؓ

---

[1] طبقات ابن سعد ۲/۷ : ۱۲۱
[2] ایضاً
[3] المصباح المضئ ۸ ب
[4] البدایہ والنہایہ ۵
[5] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
[6] العجالۃ السنیۃ علی الفیۃ السیرۃ ۲۴۶
[7] المصباح المضئ ۲۲ : ۱
[8] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۴۴
[9] سیر اعلام النبلاء ۱ : ۲۷۶
[10] الاصابہ ۱ : ۴۱۵
[11] سیر اعلام النبلاء ۱ : ۲۸
[12] ایضاً
[13] اسد الغابہ ۲ : ۱۹۷

بھی نکلے اور ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت کم و بیش بارہ برس کے ہوں گے۔ رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا:

اے زبیر! تلوار کیوں لیے ہوئے ہو؟

تو آپ نے عرض کی:

یا رسولؐ اللہ! یہ اس لیے لایا ہوں کہ آپ سے اگر کوئی جھگڑا کرے تو میں اس کو اس سے ماروں۔

اس طرح اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تلوار اٹھانے والے حضرت زبیرؓ ہیں۔

آپ کا چچا آپ کو اسلام لانے پر (طرح طرح کی) اذیتیں پہنچاتا، آپ کو اُلٹا لٹکا دیتا اور آپ کو دُھونی دیتا، مگر آپ فرماتے:

"لا ارجع الی الکفر ابداً۔" [1]

(اب میں کبھی بھی کفر کی طرف نہیں لوٹوں گا)

آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی مگر وہاں زیادہ دیر قیام نہیں رہا۔ [2]

حضرت زبیرؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو گھوڑ سوار تھے۔ دائیں طرف حضرت زبیرؓ اور بائیں جانب حضرت مقدادؓ بن الاسود تھے۔ [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حضرت زبیرؓ کو سعدؓ بن عبادہ کا جھنڈا عطا فرمایا (اس طرح) حضرت زبیرؓ دو جھنڈوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ [4] آپ تمام غزوات میں شریک رہے اور کسی غزوۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پیچھے نہیں رہے۔ [5]

مناقب آپ عشرہ مبشرہؓ میں سے ایک ہیں۔ [6] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا:

"لکل نبی حواری و حواری الزبیر۔" [7]

(ہر نبی کا ایک حواری (دوست، خیرخواہ، مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے)

آپ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے دور میں فتح مصر میں حاضر ہوئے۔ [8] آپ اُن چھ میں سے ایک ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے مشورہ اور امارت کا اہل ٹھہرایا۔ [9] حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ نے اپنا نام رجسٹر سے مٹا دیا۔ [10]

جنگِ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ میں جنگ کے لیے نکلے۔ حضرت علیؓ

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۷

[2] سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۹

[3] سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۷

[4] سیر اعلام النبلاء ۱: ۳۴

[5] ایضاً ۱/ ۲۹

[6] ایضاً ۱: ۳۲

[7] ایضاً ۱: ۳۹

[8] ایضاً ۱: ۳۷

[9] سیرۃ ابن ہشام ۱: ۴۴۳، سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۰

[10] الاستیعاب ۱: ۵۸

[11] اسد الغابہ ۲: ۱۹۸

نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول یاد دلایا تو واپس مڑ گئے اور جنگ نہ کی۔ واپسی میں جبکہ آپ وادی سباع میں نماز پڑھ رہے تھے[۱] ابنِ جرموز نے آپ کو قتل کر دیا۔ یہ مقام بصرہ سے ۹ فرسخ (تقریباً ۲۷ میل) پر واقع ہے[۲]۔ یہ واقعہ (قتل) جمادی الاولیٰ ۳۶ھ میں پیش آیا ہے[۳]۔ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے جب سُنا تو آپ پر روئے[۴]۔ حضرت علیؓ نے آپ کے قاتل سے فرمایا:

"تبوّء یا اعرابی مقعدك من النار"۔

(اے اعرابی! تُو اپنا مقام اور ٹھکانہ جہنّم میں بنا)

کیونکہ حضورؐ نے بیان فرمایا کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہوگا[۵]۔

آپ کاتبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔

مسعودی نے کہا، زبیر بن عوام اور جہیم بن الصلت اموالِ صدقات لکھا کرتے تھے[۶]۔ آپ کا اسمِ گرامی کاتبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ابنِ شبہ[۷]، ابن کثیرؒ[۸]، عراقیؒ[۹]، ابن سیدالناسؒ[۱۰] اور انصاریؒ[۱۱] وغیرہم نے درج کیا ہے۔ آپ (زبیر) نے ہی قبیلہ طی کے بنو معاویہ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط تحریر فرمایا[۱۲]۔

۲۱۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

آپ ابوخارجہ زید بن ثابت بن ضحاک بن زید خزرجی انصاری، بہت بڑے امام، قرأ اور علمائے میراث کے شیخ، مدینہ کے مفتی اور کاتبِ وحی ہیں۔ آپ کے والد یومِ بعاث کو قتل ہو گئے۔ حضرت زید اس وقت چھ برس کے تھے[۱۳]۔ یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے حضرت زید اس وقت گیارہ برس کے تھے اور سترہ سُورتیں سیکھ چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سُورتیں پڑھ کر سُنائیں تو آپؐ بہت خوش ہوئے[۱۴]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پُورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا[۱۵]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ یہود کی زبان سیکھیں، تو آپ نے صرف نصف ماہ میں اس زبان کو سیکھ لیا۔ حضرت زیدؓ خود فرماتے ہیں: "میں (اس زبان میں اتنا ماہر ہو گیا تھا کہ) یہود کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھتا تھا اور ان کی طرف سے آمدہ خطوط آپؐ کو پڑھ کر سُناتا تھا"[۱۶]

۱۔ اسد الغابہ ۲: ۱۹۹
۲۔ الاصابہ ۱: ۵۴۶ عن ۶۶ اور ۶۷ سنہ
۳۔ سیر اعلام النبلاء ۱: ۴۲

۴۔ سیر اعلام النبلاء ۱: ۳۹
۵۔ ایضاً ۱: ۴۰
۶۔ التنبیہ والاشراف ۲۴۵

۷۔ انظر المصباح المضیٔ ۸ ب
۸۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۴
۹۔ العجالۃ السنیہ ۲۴۶

۱۰۔ عیون الاثر ۲: ۳۱۵
۱۱۔ المصباح المضیٔ ۲۳-۱
۱۲۔ انظر الوثائق السیاسیہ، الوثیقۃ، رقم/۱۹۳

۱۳۔ سیر اعلام النبلا ۲: ۳۱۰
۱۴۔ ایضاً ۲: ۳۰۷
۱۵۔ صحیح بخاری، فضائل القرآن ۸، طبقات ابن سعد ۲: ۳۵۵، العبر ۲۸۶، الفہرست لابن الندیم ۲۷
۱۶۔ التاریخ الکبیر للبخاری ۲/۱: ۳۸۱

آپ اس امت کے قضاۃ اور فقہائ میں شمار ہوتے ہیں۔ امام شعبیؒ نے کہا :

" (قابلِ ذکر) قاضی چار ہیں، حضرت عمرؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ"[1]

حضرت مسروق نے فرمایا :

" صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چھ آدمی (خاص طور پر) اصحابِ فتویٰ ہیں، حضرت عمرؓ ، حضرت علیؓ ، ابنِ مسعودؓ ، زیدؓ ، اُبیؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ۔"[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا :

" افرض امتی زید بن ثابت۔"[3]

(میری اُمت میں سب سے زیادہ علمِ فرائض جاننے والے زید بن ثابت ہیں)

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمِ فرائض میں تالیف فرمائی۔[4]

آپ غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ پہلا غزوہ جس میں آپ شریک ہُوئے وہ غزوۂ خندق ہے۔[5]

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر بنی نجار کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں تھا۔ یہ جھنڈا پہلے عمارۃؓ بن حزم کے پاس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر زید بن ثابت کو عطا فرمایا۔ عمارہؓ نے عرض کیا :

" یا رسول اللہ ! میری طرف سے کوئی شکایت پہنچی ہے ؟"

آپؐ نے فرمایا :

" لا و لکن القراٰن مقدم"۔[6]

(نہیں، بلکہ قرآن مقدم ہے)

(کیونکہ حضرت زید قرآن کے زیادہ عالم تھے) جنگِ یمامہ میں ایک تیر آپ کو لگا مگر اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔[7]

---

[1] العلل لابن المدینی : ۴۳ ، سیرِ اعلام النبلاء ۲ : ۳۱۰

[2] سیر اعلام النبلاء ۲ : ۳۱ ، العلل لابن المدینی : ۴۴

[3] سیر اعلام النبلاء ۲ : ۳۰۹

[4] انظر للتفصیل دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ ، الجزء الانجلیزی : ۵۹ - ۶۰

[5] سیر اعلام النبلاء ۲ : ۳۱۰

[6] الاصابہ ۱ : ۵۶۰ ، الاستیعاب ۱ : ۵۵۲

[7] الاستیعاب ۱ : ۵۵۳

جنگ یرموک میں غنائم تقسیم کرنے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی[1] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو زید بن ثابت کو اپنا خلیفہ (نائب) مقرر کر جاتے اور بسا اوقات مدینہ منورہ واپسی پر ان کو کھجور کا باغ بھی مرحمت فرماتے[2] حضرت عثمانؓ بھی جب حج پر تشریف لے جاتے تو آپ ہی کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب ٹھہرا جاتے[3]

آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ تمام مورخین نے آپ کو کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ مثلاً ابنِ اسحاق[4]، خلیفہ بن خیاط[5]، عمر بن شبہ[6]، بخاری[7]، طبری[8] اور جہشیاری[9] نے کہا ہے کہ "زید بن ثابت کتابتِ وحی کے ساتھ ساتھ بادشاہوں کو بھی خطوط لکھا کرتے تھے۔" اور مسعودی[10] نے لکھا ہے کہ آپ کے متعلق کتابتِ وحی کی خبر درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ جس کے لیے مراجع (حوالے) ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر حاضر نہ ہوتے تو بھی آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتابتِ قرآن کے لیے بلواتے۔ حضرت براء بن عازب نے فرمایا جب یہ آیت (لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ادع لی زیدا، ولیجیٔ باللوح والدواۃ والکتف"[11]

(زید کو میرے پاس بلاؤ اور وہ تختی، دوات اور قلم ساتھ لائیں)

اسی امتیازی وصف کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے آپ کو ایک ہی جگہ قرآن مجید جمع کرنے کی تکلیف دی[12] یہی وہ صفات تھیں جن کی بدولت ایک مرتبہ پھر آپ کو عہد عثمانی علیٰ صاحبہا رضوان اللہ میں مصاحفِ عثمانی نقل کرنے والی جماعت کا انچارج بنایا گیا[13]۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ والامۃ الاسلامیہ مدینۃ لہ الی یوم القیامۃ۔

۲۲۔ السجل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ، كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ) {الانبیاء: ۱۰۴}

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۲: ۳۰۶، الاصابہ ۱: ۵۶۱ [2] الاصابہ ۱: ۵۶۲ [3] الاستیعاب ۱: ۵۵۳
[4] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰ [5] تاریخ خلیفہ ۱: ۷۷ [6] المصباح المضئ ۸ ب
[7] فتح الباری ۹: ۲۲ [8] تاریخ الطبری ۶: ۱۷۹ [9] الوزراء والکتاب ۱۲
[10] التنبیہ والاشراف ۲۴۶، تجارب الامم لابن مسکویہ ۱: ۲۹۱ [11] صحیح بخاری، فضائل القرآن ۴
[12] صحیح بخاری، فضائل القرآن ۳ [13] ایضاً ۳

(وہ دن (بھی) یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم (نفخۂ اولیٰ کے وقت) آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے (اور) ہم نے جس طرح اوّل بار پیدا کرنے کے وقت ہر چیز کی ابتدا کی تھی اسی طرح (آسانی سے) اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے یہ ہمارے ذمّہ وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پُورا) کریں گے)

مفسرین نے کلمہ "السجل" کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد کتاب ہے، بعض نے کہا یہاں السجل سے مراد ایک فرشتہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے اس صحابی کا نام مراد ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت فرمایا کرتے تھے۔[۱]

ابوداؤد، نسائی اور اسی طرح طبری نے ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"السجل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب تھے۔"[۲]

خطیب نے اپنی تاریخ میں ابنِ عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"السجل کاتب النبی۔"

(سجل کاتبِ نبیؐ تھے)

پھر کہا:

"ھذا منکر جدا لا یصح اصلا من حدیث ابن عمر"[۳]

(یہ بہت منکر قول ہے ابنِ عمرؓ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں)

اور ابنِ کثیر نے کہا کہ:

"اسی طرح ابنِ عباسؓ سے بھی کوئی صحیح روایت منقول نہیں۔"

اور مزید یہ کہا کہ:

"حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے اگرچہ یہ روایت سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ اس جماعت میں سے ایک ہمارے شیخ الحافظ الکبیر ابو الحجاج المزی ہیں۔"

اور میں (ابنِ کثیر) نے اس حدیث پر ایک علٰحدہ رسالہ لکھا ہے۔ امام ابو جعفر بن جریر اس حدیث کے انکار کے درپے ہوئے اور اس کا بالکلیہ رد کیا اور کہا:

صحابہ میں سجل نامی کوئی شخص معروف نہیں اور کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہیں۔ ان میں کوئی ایک ایسا نہیں، جس کا

---

[۱] تفسیر ابنِ کثیر: ۴: ۶۰۱ - ۶۰۲، البیہقی السنن الکبریٰ: ۱: ۱۲۶

[۲] تفسیر ابنِ کثیر: ۴: ۶۰۲

[۳] تفسیر ابنِ کثیر: ۴: ۶۰۲ وقد صححہ ابن حجر انظر الاصابہ: ۲: ۱۵

نام" السجل" ہو۔ اس سلسلہ میں آپ نے سچ فرمایا اور یہ اس حدیث کے منکر ہونے پر قوی دلائل میں سے ہے۔ اور جن لوگوں نے اس نام کو اسماء صحابہؓ میں شمار کیا ہے انہوں نے اسی (موضوع) حدیث پر اعتماد کیا ہے۔ واللہ اعلم[۱] اور میرے نزدیک یہ روایت موضوع ہے یہاں میں نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ میری غلطی نہ نکالی جائے۔

الانصاری نے ایک قصہ بیان کر کے کچھ غلط کر دیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک نصرانی اسلام لایا۔ اس نے سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران پڑھیں۔ وُہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھتا بھی تھا۔ بعد میں وُہ دوبارہ نصرانیت کی طرف لوٹ گیا اور کہا کرتا:

ما یدری محمد الا ما کتبت لہ۔

(محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لکھے ہوئے کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے)

اللہ تعالیٰ نے اس پر موت واقع کی اور لوگ اس کو دفن کر کے آگئے، صبح کو دیکھا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا۔[۲]

الانصاری نے اس مجہول آدمی کا نام" السجل" بتایا ہے، لیکن اس نے اس کلام کی کوئی سند نہیں ذکر کی۔ بہرحال اس" السجل" کو کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ذکر کیا ہے۔[۴]

ابنِ اثیرؒ، ابنِ سید الناسؒ[۵] اور العراقیؒ[۶] نے الفیہ السیرۃ میں اسے ذکر کیا ہے۔

۲۴۔ سعید بن سعید بن العاص القرشی الاموی رضی اللہ عنہ

وہ خالد اور ابان بن سعید بن العاص کے بھائی ہیں۔ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے۔[۷] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن آپ کو بازارِ مکہ کا عامل بنایا۔[۸] یوم طائف میں شہید ہوئے۔[۹] آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے —— ابن سید الناس نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے[۱۰] اور اسی طرح الفصاری نے بھی ذکر کیا ہے۔[۱۱]

---

[۱] ذکرہ ابن مندہ و ابونعیم کما فی اسد الغابہ ۲: ۲۶۱ [۲] تفسیر ابن کثیر: ۴: ۶۰۲

[۳] بخاری المناقب: ۲۶، الحدیث ۳۶۱۷، وجاء فی روایۃ مسلم کما فی الفتح ۶: ۶۲۵ "کان منا رجل من بنی النجار"۔

[۴] اسد الغابہ: ۲: ۲۶۱، وفیہ کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجہول۔

[۵] عیون الاثر، ۲: ۳۱۶ [۶] العجالۃ السنیہ: ۲۴۶

[۷] اسد الغابہ: ۲: ۳۰۹ [۸] الاستیعاب ۲: ۸، اسد الغابہ ۲: ۳۰۹، الاصابہ ۲: ۴۸

[۹] الاستیعاب ۲: ۸، الاصابہ: ۲: ۴۷

[۱۰] عیون الاثر ۲: ۳۱۵ نقلاً عن الدمیاطی

[۱۱] المصباح المضئی: ۲۴ نقلاً عن ابن عبد البر

ابن مسکویہ نے کہا: سعید کے دونوں بیٹے عثمان اور ابان کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں[1]۔ یہاں سعید کا لفظ پڑھنے میں غلطی لگی ہے۔

۲۴۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[2]

سردارانِ قریش میں شمار ہوتے تھے۔ آپ قدیم الاسلام اور مہاجرینِ حبشہ میں سے ہیں[3]۔ عروہ نے ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نجاشی نے جب انہیں (ام حبیبہؓ کو) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دے دیا تو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا[4]۔

حضرت ابوبکرؓ نے فتوحاتِ شام میں انہیں بھیجا[5]۔ حضرت عمرؓ نے انہیں (شرحبیل کو) شام کے علاقوں میں سے ایک علاقے کا والی مقرر کیا[6]۔

آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ عمر بن شبہ[7]، المسعودی[8]، الیعقوبی[9]، المزی[10]، العراقی[11]، ابن سید الناس[12] اور الانصاری نے آپ کو کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے اور کہا ہے: آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کی ہے۔

مہاجرینِ حبشہ میں سے تھے[13]۔

داریون دو مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی شکل میں آئے، ایک مرتبہ ہجرت سے پہلے اور ایک مرتبہ ہجرت سے بعد۔ پہلی مرتبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین کے ایک قطعہ کا سوال کیا۔ حضورؐ نے چمڑے کا ایک ٹکڑا منگوایا اور اس پر تحریر لکھ دی۔ یہ تحریر شرحبیل بن حسنہ نے لکھی تھی[14]۔

آپ شام میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ کو فوت ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔

۲۵۔ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو التیمی رضی اللہ عنہ

ان آٹھ میں سے ایک ہیں جو پہلے پہل اسلام لائے اور ان پانچ میں سے ایک ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

[1] تجارب الامم: ۱: ۲۹۱ (کذا فی النسخۃ المطبوعہ) — [2] الاستیعاب: ۲: ۱۴۱

[3] الاستیعاب: ۲: ۱۴۱، الاصابہ: ۲: ۱۴۳ — [4] سیر اعلام النبلاء: ۲: ۱۵۶

[5] الاصابہ: ۲: ۱۴۳ — [6] الاستیعاب ۲: ۱۴۱، الاصابہ: ۲: ۱۴۳ — [7] المصباح المضئی ۸ ب

[8] التنبیہ والاشراف: ۲۴۶ — [9] تاریخ الیعقوبی: ۲: ۸۰ — [10] تہذیب الکمال ۴ ب

[11] العجالۃ السنیہ: ۲۴۵ — [12] عیون الاثر: ۲: ۳۱۵ — [13] المصباح المضئی: ۲۵-۱ — [14] الوثائق السیاسیہ: وثیقہ ۴

ہاتھ پر اسلام لائے[۱] اللہ کے راستے میں بہت اذیتیں اُٹھائیں[۲] جب حضرت زبیرؓ مسلمان ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ اور زبیر کے درمیان ہجرت سے قبل ہی مکہ میں مواخات قائم فرما دی[۳]

غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت شام میں تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ کاروانِ قریش کی جاسوسی کرنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ جب واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (غنیمت میں) اپنے حصہ کے متعلق بات کی آپ نے فرمایا: تجھے حصہ ملے گا۔ پھر عرض کیا: میرا (اخروی) اجر؟ آپ نے فرمایا تجھے اجر و ثواب بھی ملے گا۔ پھر اُحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے[۴] غزوۂ اُحد میں بڑی خوب صورت آزمائش میں ڈالے گئے۔ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی جان کے ذریعے بچاؤ کیا، تیر اپنے ہاتھوں پہ لیتے تھے حتیٰ کہ آپ کی انگلیاں شل ہو گئیں اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "طلحۃ الخیر" کا نام دیا۔

بیعتِ رضوان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی[۵] غزوۂ حنین میں بھی آپ نے عظیم کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام "طلحۃ الجود" رکھا اور غزوۂ تبوک کے موقعہ پر "طلحۃ الفیاض"۔ آپ اُن دس خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی[۶]

ابن السکن نے کہا: کہا جاتا ہے کہ طلحہ نے چار ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جن کی ایک ایک بہن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں بھی تھی:

۱۔ اُمّ کلثومؓ بنتِ ابی بکرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بہن
۲۔ حمنہؓ بنت جحش، حضرت ام المومنین زینبؓ کی بہن
۳۔ الفارعہؓ بنت ابی سفیان، ام المومنین ام حبیبہؓ کی بہن
۴۔ رقیہؓ بنت ابی امیہ ام المومنین ام سلمہ کی بہن رضوان اللہ علیہم اجمعین[۷]

حضرت طلحہؓ بڑے سخی، فیاض، غنی اور مالدار تھے۔ قبیصہ بن جابر نے کہا: میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بن مانگے حضرت طلحہؓ سے زیادہ مال دینے والا ہو[۸]

حضرت عمرؓ جب جابیہ میں تشریف لائے تو حضرت طلحہؓ ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو مہاجرین کا امیر بنایا[۱۰]

---

۱ الاصابہ: ۲: ۲۲۹
۲ اسد الغابہ: ۲: ۵۹
۳ اسد الغابہ: ۲: ۹۲
۴ ایضاً
۵ اسد الغابہ: ۲: ۵۹، سیر اعلام النبلاء: ۱: ۱۵
۶ الاستیعاب: ۲: ۲۲۰
۷ الاستیعاب: ۲: ۲۲
۸ انظر الاستیعاب: ۲: ۲۲۰
۹ الاصابہ: ۲: ۲۳۰
۱۰ سیر اعلام النبلاء: ۱: ۱۶

حضرت عمرؓ نے ان چھ آدمیوں میں آپ کو بھی رکھا جو شوریٰ کے لیے منتخب کیے گئے تھے[1] ابتداءً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی نہ تھے مگر جب آپ کی شہادت کے وقت حاضر ہوئے تو گزشتہ موقف سے پھر گئے اور حضرت عثمان کی مدد نہ کرنے پر نادم ہوئے۔ قاتلینِ عثمانؓ نے آپ کو پکڑ کر حضرت علیؓ کے پاس حاضر کیا حتیٰ کہ آپ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی[2] پھر ان لوگوں کے ساتھ بھی نکلے جو خونِ عثمانؓ کا مطالبہ لے کر اُٹھے تھے۔

واقعہ جمل میں مروان بن الحکم کے تیر سے شہید ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے آپ پر رحم کھایا۔ آپ کے چہرہ اور داڑھی سے گرد و غبار کو جھاڑا اور فرمایا:

کاش! میں آج سے بیس سال قبل کا فوت ہو گیا ہوتا۔

اور مزید فرمایا:

"بشروا قاتل طلحة بالنار"[3]

(طلحہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت سنا دو)

حضرت طلحہؓ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ابنِ مسکویہ[4]، ابن سید الناس[5]، العراقی[6] اور الانصاری[7] وغیرہ نے آپ کو کاتبانِ نبیؐ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

۲۶۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[8]

قبیلہ ازد سے متعلق سیاہ رنگت والے، طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ کے غلام اور قدیم الاسلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں دعوتِ اسلام دینے سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ قبولِ اسلام کی پاداش میں انہیں بہت اذیت دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا[9] جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں چھپے ہوئے تھے عامر اس غار کے اردگرد کے علاقے میں بکریاں چراتے رہتے جب شام ہوتی تو بکریوں کو غار کے پاس لے آتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ (جو غار میں چھپے رہتے تھے)[10] بکریوں کا دودھ دوہ لیتے۔ جب صبح ہوتی تو عبداللہ بن ابی بکر یارانِ غار کے پاس سے عامر بن فہیرہ اور ان کی بکریوں کے قدموں کے نشانات پر چلتے، حتیٰ کہ وہ مٹ جاتے[11]

---

[1] الاستیعاب ۲ : ۲۲۰
[2] سیر اعلام النبلاء ۱ : ۲۲
[3] ایضاً ۱ : ۳۳
[4] تجارب الامم ۱ : ۲۹۱
[5] عیون الاثر ۲ : ۳۱۶
[6] العجالۃ السنیہ ۲۴۶
[7] المصباح المضیٔ ۲۹ ب
[8] الاستیعاب ۳ : ۸
[9] الاصابہ ۲ : ۲۵۶
[10] الاستیعاب ۳ : ۷
[11] اسد الغابہ ۲ : ۹۱

(گویا) ہجرت مدینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رفیق سفر رہے[۱]
غزوہ بدر اور اُحد میں شریک ہوئے۔ بئر معونہ میں شہید ہوئے اور آپ کی نعش مبارک مقتولوں میں نہ مل سکی[۲]
آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ المزی[۳]، ابن کثیر[۴]، العراقی[۵]، ابن سیدالناس[۶] اور الانصاری[۷]
وغیرہ نے آپ کا اسم گرامی کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ (سفرِ ہجرت میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک المدلجی کو جو امان نامہ لکھ دیا وہ عامر بن فہیرہ نے آپؐ کے حکم سے لکھا تھا۔

سراقہ (خود) کہتے ہیں:

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان نامہ لکھ دینے کی درخواست کی تو آپؐ نے عامر بن فہیرہ کو ارشاد فرمایا انہوں نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر وہ امان نامہ تحریر کر دیا۔" [۸]

۲۷۔ العباس رضی اللہ عنہ

میں (محمد مصطفیٰ الاعظمی) نے کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھانے والوں میں سے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے حضرت عباسؓ کا ذکر کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بعد میں آنے والا (عموماً) اپنے سے قبل کے لوگوں پر اعتماد کرتا ہے۔ میں اس امر سے کوئی مانع نہیں پاتا کہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں حضرت عباسؓ کے نام کا اضافہ کر دوں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ عباسؓ کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میرے نزدیک مبہم ہے کیونکہ صحابہ کرام میں بہت سارے ایسے حضرات موجود ہیں جن کا نام نامی عباس ہے۔ جن کو ابن عبدالبر، ابن حجر اور ابن اثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے زیادہ تر عباسؓ سے مراد عباسؓ بن عبدالمطلب ہی ہوتے ہیں، اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ وہ تحریر جس پر ہم اس نام کے اضافہ کرنے کا اعتماد کر رہے ہیں، غنائم خیبر اور ان کو امہات المومنین وغیرہ پر تقسیم کرنے کے متعلق ہے۔ مشہور یہی ہے کہ فتح خیبر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے سے پہلے ہوئی ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ وثیقہ فتح خیبر کے کچھ دن بعد لکھا گیا ہے تو (تطبیق ہو سکتی ہے) یہ جائز ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ وہ وثیقہ یہ ہے:

---

[۱] الاستیعاب ۲: ۷-۸ [۲] الاستیعاب ۲: ۸ [۳] تہذیب الکمال ۶۴ ب
[۴] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۸ [۵] العجالۃ السنیۃ ۲۴۵
[۶] عیون الاثر ۲: ۳۱۵ [۷] المصباح المضئ

[۸] حم ۴: ۱۷۶، و انظر ایضاً الوثائق السیاسیہ /ز، والبدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۸ للتوافق بین روایۃ کتابۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ لہذا الخطاب وبین کتابۃ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ذکر ما اعطی محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نساءہ من قمح خیبر۔ قسم لهن مئة وسق وثمانین وسقا، ولفاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خمسة وثمانین وسقا ولاسامة بن زید اربعین وسقا وللمقداد بن الاسود خمسة عشر وسقا ولام رمیثه خمسة اوسق۔"

ترجمہ: "ذکر خیبر کی الحس گندم کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو عطا فرمائی۔ ازواج مطہرات کے لیے ایک سو اسی (۱۸۰)، فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پچاسی (۸۵)، اسامہؓ بن زید کے لیے چالیس (۴۰)، مقدادؓ بن الاسود کے لیے پندرہ (۱۵) اور ام رمیثہ کیلئے پانچ وسق ہوں گے۔"

(وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً چار سیر پاکستانی وزن کا ہوتا ہے)

عثمانؓ بن عفان اور عباسؓ گواہ بنے اور عباسؓ نے ہی لکھا۔[1]

۲۸۔ عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث القرشی الزہری رضی اللہ عنہ

ان کے دادا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔[2] فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔[3] ان لوگوں میں سے تھے جن کا "حَسُنَ اِسْلَامُہٗ" اسلام بہت اچھا تھا۔ بڑے پاکباز اور صاف ستھرے آدمی تھے۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن ارقم سے بڑھ کر کوئی شخص خدا سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔[4]

اشہب نے حضرت مالک سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے،

"میں نے عبداللہ بن الارقم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔"

اور عبداللہ سے فرمایا:

اگر تو سابقون اولون سے ہوتا تو میں تجھ پر کسی کو مقدم نہ کرتا۔[5]

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے کاتب رہے۔[6]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۳: ۳۵۲-۳۵۳؛ انظر ایضاً الوثائق السیاسیہ وثیقہ ۱۸

[2] الاصابہ ۲: ۲۷۳   [3] ایضاً

[4] سیر اعلام النبلاء ۲: ۳۴۴   [5] الاستیعاب ۲: ۲۶۲

[6] السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰: ۱۲۶ ھو الذی کتب کتاب ابی بکر الی اھل القادسیہ۔

حضرت عمرؓ نے آپ کو بیت المال کا نگران بنایا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی کافی عرصے تک بیت المال کے متولی رہے۔ بعدازیں اس خدمت سے الگ ہو گئے۔ جب آپ بیت المال کے نگران تھے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور معاوضہ تین ہزار (درہم یا دینار) دینا چاہے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا :

انما عملت للہ تعالیٰ ، وانما اجری علی اللہ[۱]

(میں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر کام کیا ہے ، بے شک میرا اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے)

وفات سے قبل آپ کی بینائی چلی گئی[۲] آپ کی وفات خلافتِ عثمانیؓ میں ہوئی[۳] رضی اللہ عنہ وارضاہ

آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں اور آپ کا اسمِ گرامی کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں ابن اسحاق، ابن شبہؒ ، بخاری، مسلم بن الحجاجؒ ، طبریؒ ، جہشیاریؒ ، المسعودیؒ اور ابن مسکویہؒ وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔

ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط آیا تو آپ نے فرمایا میری طرف سے کون جواب دے گا !

عبداللہ بن الارقم نے جواب دیا : " میں !"

اور انھوں نے اس کا جواب لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا[۱۱] تو حضورؐ نے فرمایا : ٹھیک ہے۔ اور پسند فرمایا اور دعا فرمائی :

" اللّٰھم وفقہ۔"[۱۲]

(اے اللہ ! اسے (خیر کی) توفیق عطا فرما)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن الارقم سے کہا کہ حضورِ اکرمؐ نے آپ کے لکھے ہوئے کو پسند فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں یہ چیز ہمیشہ دل میں رہی حتیٰ کہ میں نے ان کو بیت المال کا متولی مقرر کیا[۱۳]

---

[۱] سیر اعلام النبلاء ۲ : ۴۴۴   [۲] اسد الغابہ ۳ : ۱۱۶   [۳] الاصابہ ۲ : ۲۷۴

[۴] المصباح المضی ۸ ب   [۵] الطبقات للامام مسلم ۸۰ ب   [۶] تاریخ الطبری ۶ : ۱۷۹

[۷] الوزراء والکتاب ۱۲   [۸] التنبیہ والاشراف ۲۴۵   [۹] تجارب الامم ۱ : ۲۹۱-۲۹۲

[۱۰] انظر علی سبیل المثال " تہذیب الکمال " للمزی ۳۴ ب ، البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۴۹ ، الاصابہ ۲ : ۲۷۳ ، الاستیعاب ۲ : ۲۶۲

[۱۱] الاستیعاب ۲ : ۲۶۱

[۱۲] السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰ : ۱۲۶

[۱۳] الاصابہ ۲ : ۲۷۴

ابنِ اسحاق نے محمد بن جعفر بن الزبیر سے اور انہوں نے عبداللہ بن الزبیر سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث سے لکھوایا کرتے تھے اور وہ آپ کی طرف سے بادشاہوں کو جواب دیا کرتے تھے۔ کتابت میں ان کی امانت پر حضورؐ کو اس قدر اعتماد تھا کہ آپؐ انھیں کسی بادشاہ کی طرف خط لکھنے کا حکم فرماتے تو وہ لکھ کر اور مُہر لگا کر بند کر دیتے حضورؐ اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ بن ثابت سے بھی لکھوایا کرتے تھے اور وہ وحی لکھا کرتے۔ جب ابن الارقم اور زید بن ثابت غائب ہوتے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی طرف کوئی چیز لکھوانے کی ضرورت ہوتی تو جو بھی حاضر ہوتا اسے ارشاد فرماتے کہ لکھ دو۔ ان لوگوں میں (عموماً) حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت مغیرہؓ اور حضرت معاویہؓ تھے[۱]

طبری ان کی کتابت اور تخصص کی نوعیت بھی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث اور العلاء بن عقبہ لوگوں کے درمیان باہمی ضروریات (لین دین کی دستاویزات) لکھا کرتے تھے۔ عبداللہ بن الارقم بسا اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں کو مکاتیب (بھی) لکھا کرتے تھے[۲]

الجہشیاری کہتے ہیں کہ عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث اور العلاءؓ بن عقبہ قبائل کے درمیان باہمی معاہدات، ان کے درمیان پانی (کی تقسیم وغیرہ) کے معاہدات اور انصار کے مردوں اور عورتوں کے درمیان مکانات کے تصفیوں کو لکھا کرتے تھے[۳]

اور مسعودی نے کہا کہ عبداللہ بن الارقم الزہری اور العلاء بن عقبہ لوگوں کے درمیان کی دستاویزات، قرض کی تحریریں، تمام خرید و فروخت کے معاہدے، اور دیگر معاملات لکھا کرتے تھے[۴]

۲۹۔ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما

آپ قدیم الاسلام تھے، فتح حنین اور طائف کے معرکوں میں موجود رہے۔ غزوۂ طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ابو محجن ثقفی نے آپ کو تیر چلا کر مارا جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ یہ زخم اس وقت تو مندمل ہو گیا مگر بعد میں پھر پھوٹ پڑا جس سے آپ کی وفات شوال ۱۱ھ میں اپنے والد کے زمانۂ خلافت میں ہو گئی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر میں حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ اور ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اترے[۵]

میں (مصنف) نے کسی (سوانح نگار) کو نہیں پایا کہ اس نے آپ کا ذکر کاتبانِ نبیؐ میں کیا ہو لیکن "الوثائق السیاسیہ"

---

[۱] الاصابہ ۲ : ۲۷۳، انظر ایضاً السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰ : ۱۲۶ وفیہ تفصیل اکثر

[۲] تاریخ الطبری ۲ : ۱۷۹ [۳] الوزراء والکتاب ۱۲ [۴] التنبیہ والاشراف ۲۴۵

[۵] الاستیعاب ۸۷۴ - ۸۷۵ تحقیق البجاوی

وثیقہ رقم/ ۴۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی کاتب تھے۔

۳۰۔ عبداللہ بن خطل یا عبدالعزّیٰ بن خطل (قُتِلَ مُرْتَدًا)

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کتابت کرتا تھا۔ ابن سیدالناس نے کہا کہ ہمیں نزال بن سبرہ اور علی کے واسطے سے یہ روایت پہنچی کہ ابن خطل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا کرتا تھا۔ جب "غفور رحیم" کے الفاظ نازل ہوتے تو وہ "رحیم غفور" اور جب "سمیع علیم" کے الفاظ کا نزول ہوتا تو وہ "علیم سمیع" لکھ دیتا۔ ابن خطل نے خود کہا کہ "میں وہی لکھتا تھا جو میں چاہتا تھا"۔

بعد میں مرتد ہو گیا اور مکہ چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ابن خطل کو قتل کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن وہ قتل کر دیا گیا جبکہ وہ کعبہ مشرفہ کے غلاف سے چمٹا ہوا تھا۔

ابن سیدالناس نے کہا: یہ ایک وہم ہے دراصل یہ واقعہ ابن ابی سرح کے متعلق مشہور ہے[1]۔

الانصاری نے ایک اور چیز کا اضافہ کیا اور کہا کہ وہ (ابن خطل) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا کرتا تھا۔ "غفور رحیم" کی جگہ "رحیم غفور" اور "سمیع علیم" کی جگہ "علیم سمیع" لکھ دیتا۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"اعرض علیّ ما کنت املی علیك"

(جو کچھ میں تجھے املا کراتا تھا وہ مجھے دکھا)

جب اس نے لکھا ہوا پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

"تو نے "غفور رحیم" کی جگہ "رحیم غفور" اور "سمیع علیم" کی جگہ "علیم سمیع" لکھ دیا ہے"۔

الانصاری نے بتایا کہ ابن خطل نے کہا:

"میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے واسطے وہی کچھ لکھتا جو چاہتا"۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ چلا گیا[2]۔

العراقی نے کہا کہ وہ (ابن خطل) کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا پھر گمراہ ہو گیا[3]۔ مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے کاتبِ نبی صلی اللہ ہونے پر کوئی معتبر سند موجود نہیں۔ ابن عبدالبر نے فتح مکہ کے روز اس کے خون کے مباح ہونے کی وجوہات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اسلام لایا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ ایک اور مسلمان آدمی بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ وہ (ابن خطل) اس مسلمان پر چڑھ دوڑا اور اسے قتل کر دیا۔ اقدامِ قتل کے بعد مرتد

---

[1] عیون الاثر ۲: ۳۱۶

[2] المصباح المضئ، ۲۰۳-۱

[3] العجالۃ السنیہ، ۲۴۷

ہوگیا اور مشرکینِ مکہ کے ساتھ جا ملا[1]

راجح وہی قول ہے جسے ابنِ اسحاق نے ذکر کیا کہ عبداللہ بن خطل بنی تیم بن غالب کا ایک فرد تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا وجہ یہ تھی کہ اس کے اسلام لانے کے بعد آپؐ نے اُسے صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ اس کے ساتھ دو اور انصاری بھی بھیجے اس کے ساتھ اس کا غلام تھا جو اس کی خدمت کرتا تھا اور وہ غلام مسلمان تھا۔ ابنِ خطل نے ایک جگہ قیام کیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ وُہ ایک پہاڑی بکرا ذبح کرکے اس کے لیے کھانا تیار کرے۔ یہ کہہ کر خود سو گیا۔ جب اٹھا تو کھانا تیار نہیں تھا، پس اس نے غلام پر زیادتی کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا اور خود مرتد ہوگیا[2] اس کی دو لونڈیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گایا کرتی تھیں۔ حضورؐ نے اس لعین کے ساتھ ان لونڈیوں کے قتل کا بھی حکم فرمایا[3]

اس وجہ سے ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا بلکہ مصدق تھا۔ چونکہ اس نے شیطان کی پیروی کی تھی اور اپنے مسلمان خادم کو بلا کسی جرم کے (سوائے اس کے کہ اس نے کھانا نہیں تیار کیا تھا) قتل کر دیا تھا۔ پھر سزا سے ڈرتے ہُوئے مرتد ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر وُہ اپنی گمراہی میں انتہا کو پہنچ گیا حتیٰ کہ اپنی لونڈیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہلواتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو مباح قرار دیا۔

۱۳۔ عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امرأ القیس الخزرجی الانصاری رضی اللہ عنہ

بلند پایہ شاعر تھے۔ ایامِ جاہلیت سے پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے[4] انصار میں سابقین اولین سے ہیں۔ عقبہ میں ستر آدمیوں کے ساتھ تھے اور انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک ہیں[5] غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل العالیہ کی طرف غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد و نصرت کی خوشخبری سنانے کے لیے بھیجا[6] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر کی طرف نکلے تو ان کو الموعد کا خلیفہ بنایا[7]

غزوۂ اُحد، خندق، صلح حدیبیہ، غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاءؐ میں شریک رہے[8] ثابت نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقعہ پر مکہ میں داخل ہُوئے اور ابنِ رواحہ آپ کے سامنے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ   نحن ضربناکم علی تأویلہ
ضرباً یزیل الھام عن مقیلہ   ویذھل الخلیل عن خلیلہ

---

[1] الدرر فی المغازی والسیر ۲۴۳ [2] سیرۃ ابنِ ہشام ۴ ؛ ۴۱۰ ایضاً المغازی للواقدی ۸۵۹ - ۸۶۰
[3] ابن ہشام ۴ ؛ ۴۱۰ [4] لمدیقنا الفاضل الدکتور حسن باجودہ دراسۃ ممتعۃ عن ہذا الشاعر
[5] طبقات ابنِ سعد ۳/۲ : ۷۵ [6] ایضاً ۳/۲ ؛ ۷۹ [7] ایضاً
[8] ایضاً [9] الاصابہ ۲ ؛ ۳۰۶

ترجمہ: اے کفار! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے سے ہٹ جاؤ۔ ہم نے تمہیں آپؐ کے لوٹا نے پر ایسی مار ماری جو کھوپڑی کو اس کی آرام گاہ سے جدا کر دے اور جو دوست کو دوست سے غافل کر دے۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

اے ابن رواحہ! حرم مکہ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے اشعار؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عمر! اسے شعر کہنے دے۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس کا کلام کفار پہ تیروں سے زیادہ سخت ہے۔

عبداللہ بن رواحہ کا (ایک دفعہ) اپنی بیوی کے ساتھ بڑا ملیح (عجیب) قصہ ہوا اور وُہ یہ کہ ایک رات اپنی لونڈی کے پاس چلے گئے اور اس سے ہم بستر ہوئے۔ ان کی بیوی کو بھی معلوم ہوگیا۔ بیوی نے شکوہ و ملامت کی تو انکار کر دیا۔ بیوی کہنے لگی: اگر تم سچ کہتے ہو تو قرآن مجید کی تلاوت کرو (کیونکہ جنبی تلاوت نہیں کرسکتا) لطف کی بات یہ تھی کہ بیوی نہ قرآن کا علم رکھتی تھی اور نہ ہی پڑھ سکتی تھی، تو ابنِ رواحہ نے کہا:

شهدت بان وعد الله حق وان النار مثوى الكافرينَ
وان العرش فوق الماء حق وفوق العرش رب العالمينا
وتحمله ملائكة غلاظ ملائكة الاله مسومينا

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور جہنم کافروں کا ٹھکانا ہے۔ اور پانی کے اوپر عرش کا ہونا حق ہے اور عرش کے اوپر تمام جہانوں کا پروردگار جلوہ فرما ہے۔ اس عرش کو بڑے سخت جان اور نشان زدہ ملائکہِ الٰہی اٹھائے ہُوئے ہیں۔

یہ سن کر بیوی نے کہا:

صدق الله وكذبت عينى[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور میری آنکھ نے غلط دیکھا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش میں ان کے بہت سارے قصیدے ہیں۔ ابنِ حجر نے کہا: ابنِ رواحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو کچھ کہا اس میں یہ شعر بڑا شاندار رہے:

لو لم تكن فيه آيات مبينة
كانت بديهته تنبيك بالخبر

---

[1] الاستیعاب ۲: ۲۹۶-۲۹۷

ترجمہ : اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپؐ کی ظاہری شکل وصورت ہی
ایسی (حسین وجمیل) تھی جو آپؐ کے نبی برحق ہونے کی خبر دیتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خیبر کی کھجوروں کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب موتہ کی طرف لشکر روانہ فرمایا تو (اپنے آزاد کردہ غلام) حضرت زیدؓ بن حارثہ کو امیر لشکر بنایا اور فرمایا اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب، جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ، اگر عبداللہ بھی شہید ہو جائیں تو تمام مسلمان فوراً کسی دوسرے آدمی کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔ جب مسلمان مقام "معان" میں اُترے تو انہیں معلوم ہوا کہ ہرقل مقام مآب میں ایک لاکھ رومیوں اور ایک لاکھ مستعربوں کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ مسلمانوں نے دو دن "معان" میں قیام کیا اور ارادہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کی کثیر تعداد کی خبر دی جائے اور آپ کی طرف سے حکمِ ثانی کا انتظار کیا جائے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ نے انہیں شجاعت و مردانگی پر اُبھارا۔ مومنین کی تعداد اس وقت صرف تین ہزار تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے پیش قدمی کی اور رومیوں سے بلقاء کے ایک گاؤں میں مردانہ وار مقابلہ کیا۔ پھر مسلمان (وہ جگہ چھوڑ کر) موتہ کی طرف ہٹ آئے۔ اس جنگ میں زیدؓ بن حارثہ شہید ہو گئے تو جعفرؓ بن ابی طالب نے جھنڈا تھام لیا۔ انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا تو عبداللہؓ بن رواحہ نے جھنڈا پکڑ لیا، حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

یہ جنگ جمادی (اولیٰ یا اخری) ۸ھ میں ہوئی۔[1]

آپ (عبداللہؓ بن رواحہ) کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ابنِ سعد[2]، عمرو بن شبہ[3]، ابنِ عبدالبر[4]، ابنِ حجر[5]، العینی[6]، العراقی[7]، ابنِ سید الناس[8] اور الانصاری[9] وغیرہم نے آپ کا اسمِ گرامی کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں شمار کیا ہے۔

۳۲- عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ

ابنِ اثیر نے کہا کہ عبداللہ عقبہ، بدر اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔[11][12] یہ وہی عبداللہ ہیں جنہیں خواب میں اذان کا طریقہ دکھایا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ اسی طرح اذان دیں جس طرح عبداللہؓ نے دیکھا ہے۔[13]

---

[1] الاصابہ ۲ : ۳۰۷ [2] اسد الغابہ ۳ : ۱۵۸ - ۱۵۹ [3] الاصابہ ۲ : ۳۰۶
[4] المصباح المضی ۳۳ - ب [5] الاستیعاب ۲ : ۳۰۱ [6] الاصابہ ۲ : ۳۰۶
[7] عمدۃ القاری ۲۰ : ۱۹ [8] العجالۃ السنیہ ۲۴۶ [9] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
[10] المصباح المضی ۳۳ - ب [11] الاستیعاب ۲ : ۳۱۲ وقد اختلف فی وفاتہ حتی قال بعضہم استشہد ببدر
[12] اسد الغابہ ۳ : ۱۶۶ [13] الاصابہ ۲ : ۳۱۵ ، الاستیعاب ۲ : ۳۱۱ - ۳۱۲ ، اسد الغابہ ۳ : ۱۶۶

آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔[1]
تمام تذکرہ نگاروں واقدیؒ، ابن سید الناسؒ، ابن کثیرؒ، العراقیؒ اور الانصاریؒ نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں شریک کیا ہے۔ ابنِ سعدؒ نے عبد اللہؓ بن زید کا وُہ خط بھی محفوظ کیا ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لخم کے قبیلہ حدس کو لکھا تھا۔[6] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا :

"لخم کے قبیلہ حدس میں سے جس شخص نے ایمان قبول کیا، نماز قائم کی، زکوٰۃ دی، اللہ تعالیٰ کا حصّہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ ادا کیا اور مشرکین سے قطع تعلق کر لیا تو وُہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمّہ میں ہے (یعنی امن میں ہے) اور جس شخص نے اس کے دین سے رجوع کیا تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمّہ سے بری ہے۔ اور جس شخص کے اسلام کے متعلق کسی مسلمان نے گواہی دی وہ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمّہ میں ہے اور مسلمانوں میں سے ہے۔"

یہ تحریر عبد اللہؓ بن زید نے لکھی۔

۳۳۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بن الحارث القرشی العامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ حضرت عثمان بن عفّان کے رضاعی بھائی اور قریش کے عقلمند اور سخی لوگوں میں سے ایک ہیں۔[7] آپ کے قبولِ اسلام کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ ابنِ سعد نے کہا کہ قدیم الاسلام تھے۔[8] ابن عبد البر نے کہا فتح مکّہ سے قبل اسلام لائے اور ہجرت کی۔[9] ابنِ اثیر نے بھی اسی طرح کہا کہ فتح مکّہ سے قبل اسلام لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت فرمائی۔[10] بعد میں مرتد ہو گئے۔ اور مشرکین کے ساتھ جا ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون کو مباح قرار دیا۔ فتح مکّہ کے روز حضرت عثمانؓ نے ان کے لیے سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دی اور ان کے اسلام کو قبول کیا۔[11] پھر ان کا اسلام بہت ہی پختہ ہوا۔[12] سنہ ۲۰ھ میں حضرت سیّدنا عمر بن الخطابؓ کے عہد میں فتح مصر کے وقت سپہ سالار لشکر عمروؓ بن العاص کے میمنہ کے امیر تھے۔ اور انہی کے زمانہ میں الصعید پر بھی امیر مقرر ہوئے۔

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عمروؓ بن العاص کو معزول کر کے سنہ ۲۵ھ میں عبد اللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو

---

[1] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۵۰ [2] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵ [3] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۵۰
[4] العجالۃ السنیہ ۲۴۷ [5] المصباح المضی ۲۵-۱
[6] طبقات ابن سعد ۱/۲ : ۲۱، انظر ایضاً الوثائق السیاسیہ، وثیقہ رقم /۴۱
[7] اسد الغابہ ۳ : ۱۷۳، العقد الثمین ۵ : ۱۶۷ [8] الطبقات ۷/۲ : ۱۹۰ [9] الاستیعاب ۲ : ۳۷۵
[10] اسد الغابہ ۳ : ۱۷۳ [11] فتح الباری ۸ : ۱۱ [12] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۵۰

امیر مقرر فرمایا۔ ۲۷ھ میں ابن ابی سرحؓ نے افریقہ فتح کیا اور یہ ایک بہت بڑی فتح تھی جس میں وافر مالِ غنیمت حاصل ہوا حتیٰ کہ ایک گھوڑ سوار کا حصہ مالِ غنیمت میں تین ہزار مثقال سونے تک جا پہنچا[1] اِس لشکر میں ان کے ساتھ عبادلہ ثلاثہ عبداللہؓ بن زبیر، عبداللہؓ بن عمر، عبداللہؓ بن عمرو بھی تھے۔[2] ۳۱ھ میں ابن ابی سرح نے ارضِ نوبہ کے سیاہ فاموں سے[3] اور ۳۴ھ میں روم کے صواری سے جہاد کیا[4]۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۵ھ میں مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور سائب بن ہشام بن عمیر کو نائب مقرر کیا (رستے میں ہی) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ مصر کی طرف لوٹ گئے۔ جب مصر پہنچے تو مصر میں داخلے سے منع کر دیے گئے۔ یہ عسقلان یا رملہ کی طرف چلے گئے اور فتنہ سے الگ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی :

اللهم اجعل آخر عملی الصبح۔

(اے اللہ العالمین ! میرا آخری عمل صبح کی نماز ہو)

صبح ہوئی تو وضو کیا اور نماز پڑھی۔ دائیں جانب سلام پھیرا، بائیں طرف ابھی سلام پھیر ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے روح قبض فرمالی۔[5] صحیح قول کے مطابق ان کی وفات ۳۶ھ میں ہوئی۔[6]

وہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ ارتداد سے پہلے کتابت کیا کرتے تھے۔ تمام مصادر کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔[7]

ایک شبہ کا ازالہ

کیا ابنِ ابی سرح قرآن میں تبدیلی کیا کرتے تھے؟ اور کیا وہ اس بات کے مدعی تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جدھر چاہتے پھیر دیتے؟

واقدی نے کہا : عبداللہ بن ابی سرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کر دیا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپؐ اسے "سمیع علیم" لکھواتے اور وہ "علیم حکیم" لکھ دیتا۔ بالآخر وہ آزمائش میں پڑ گیا اور کہتا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں سمجھتے جو کچھ کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے جو کچھ چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔ یہ جو میں نے کتابت کی ہے میری طرف وحی کی گئی ہے جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف وحی کی جاتی ہے۔" بعد ازیں مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح قرار دیا۔[8]

الانصاری نے ابن الکلبی سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ابن ابی سرح فتح مکہ سے قبل اسلام لایا اور ہجرت کی اور کاتبِ وحی تھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ قریش میں وہ پہلا شخص ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کی۔ پھر وہ مرتد ہو کر مکہ کی طرف چلا گیا

---

[1] الاصابہ ۲ : ۳۱۷ [2] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۵۱، اسد الغابہ ۳ : ۱۷۳
[3] الاستیعاب ۲ : ۳۷۷، العقد الثمین ۵ : ۱۹۷ [4] الاستیعاب ۲ : ۳۷۷ [5] الاصابہ ۲ : ۳۱۷
[6] الاصابہ ۲ : ۳۱۷ [7] سیرۃ ابن ہشام ۳ : ۴۰۹، تاریخ خلیفہ بن خیاط ۱ : ۷۷، تاریخ الیعقوبی ۲ : ۸۰
[8] المغازی للواقدی ۸۵۵

اور کہا کرتا: "میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پھیر دیتا ہوں جدھر چاہتا ہوں۔ وہ مجھے "عزیز حکیم" لکھواتے میں کہتا "علیم حکیم"۔ وہ فرماتے ہر طرح ٹھیک ہے۔"[۱]

"انسان العیون میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی سرح کے قتل کا حکم فرمایا۔ وہ فتح مکہ سے قبل اسلام لایا اور آپؐ کے لیے کتابت کیا کرتا تھا۔ آپؐ اسے "سمیعا بصیرا" لکھواتے اور وہ "علیما حکیما" لکھ دیتا۔ اور جب آپؐ "علیما حکیما" لکھواتے تو وہ "غفورا رحیما" لکھ دیتا۔ وہ اس قسم کی قبیح حرکتیں کرتا رہتا، حتیٰ کہ اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں سمجھتے نہیں۔" جب اس سے یہ جرم سرزد ہوا تو اب مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکا اور مرتد ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا اور کہا گیا ہے جب اس نے آیت "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین" (المومنون: ۱۲) اللہ تعالیٰ کے قول "ثم انشأناہ خلقا اٰخر" تک لکھی تو تخلیق انسان کی تفصیل سے بڑا متعجب ہوا اور حضورؐ کے لکھوانے سے قبل بول اٹھا "فتبارك الله احسن الخالقين"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ جملہ لکھ لے اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے۔ عبد اللہ کہنے لگا: "اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں اور ان کی طرف وحی کی جاتی ہے تو میں بھی نبی ہوں اور میری طرف بھی وحی آتی ہے۔" پس مرتد ہو کر مکہ کی طرف نکل گیا اور قریش سے کہا: "میں محمدؐ کو جدھر چاہتا تھا پھیر دیتا تھا۔"[۲] ابنِ عبد البر نے بھی الاستیعاب میں اسی طرح کا واقعہ کتابتِ قرآن کے سلسلہ میں نقل کیا ہے۔[۳]

فرانسیسی مستشرق "ریجس بلاشیر" نے ایک سوال اٹھاتے ہوئے کہا کہ جب ہم بعض ثقہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھروسہ کر سکتے ہیں تو عبد اللہ ابن ابی سرح جیسے آدمی کے متعلق کیا کہیں گے جو مرتد ہو گیا تھا اور جو "غفورا رحیما" لکھ دیتا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے "عزیزا حکیما" لکھواتے تھے۔[۴] اس پر اس کے ایک شاگردِ رشید نے یہ اضافہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ ان کا کاتب کلمات میں تبدیلی کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا قصہ غلط ہے اور ابنِ ابی سرح کی طرف غلط منسوب ہے۔ اسلام سے اس کا ارتداد مسلّم ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ارتداد سب سے بڑا گناہ ہے۔ مگر جب ایک آدمی مرتد ہو گیا تو اب اس کے لیے کوئی مانع نہ رہا اس بات سے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مرضی سے پھیرنے کا دعویٰ کرے۔ لیکن یہ کہاں جائز ہے کہ ہم اس کے ارتداد کی وجہ سے ہر کردہ یا ناکردہ بُرے عمل کو اس کی طرف منسوب کرتے جائیں۔ اس واقعہ سے انکار کے میرے نزدیک دو سبب ہیں:

اوّلاً یہ کہ اس قسم کے قصہ کی نسبت متعدد لوگوں کی طرف کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک عبد اللہ بن خطل الانصاری ہے جو مرتد ہو کر مرا تھا اور دفنائے جانے کے بعد زمین نے اس کو باہر پھینک دیا تھا۔[۵]

---

[۱] المصباح المضی ۳۴ [۲] انسان العیون ۳: ۲۲۸ [۳] الاستیعاب ۲: ۳۷۵۔
[۴] تاریخ القرآن، عبد الصبور شاہین [۵] ایضاً: ۵۵ نقلاً عن رسالۃ الشراذ، ۱۴

اور دوسرا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی لکھواتے تو کاتب سے فرماتے کہ اسے دُہرا۔ اگر کوئی غلطی رہ جاتی تو قبل اس کے کہ کتابت رسمی شکل اختیار کرتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اصلاح فرما دیتے۔

دوسرے یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے جبکہ اس کے خلاف لکھا جائے جو آپ نے لکھوایا ہے اور قرآن من جانب اللہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن میں ادنیٰ دخل مباح نہیں۔ نہ ہی قرآن آپ کی تالیف اور آپ کے افکار کا مجموعہ ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم واقدی وغیرہ کے کلام کو قبول کریں اور کہیں کہ ابن ابی سرح اس کے خلاف لکھا کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے تھے پھر آپ کو پڑھ کر سناتے تو آپؐ فرماتے کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اسے برقرار رکھتے ؟ یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ حضورؐ اپنی املا اور جو نازل ہوا ہے اس کے خلاف کو برقرار رکھیں پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیں ؟ برسبیل تنزل اگر ہم فرض کر لیں کہ اسی طرح واقعہ ہوا تو ہم یہ جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین۔

(مومن ایک ہی بل سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا)

روزمرہ کی زندگی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے کسی ملازم سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے تو ہم اس کی جگہ دوسرا ملازم رکھ لیتے ہیں اور پہلے سے زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ اب پہلے کی طرح دھوکہ اور جھوٹ اور فریب کی نوبت نہیں آنے دیتے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلافِ املا کا واقعہ ہوا تو دوسری مرتبہ بلکہ تیسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوا۔ حاشا وکلا ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہا۔ قرآن مجید کی ہر قسم کی تحریف سے سلامتی، اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن مجید کے معاملہ میں غایت درجہ کی احتیاط جس کی شہادت دوستوں سے قبل دشمنوں نے دی۔ ان تمام چیزوں کی موجودگی میں ہمارے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ ہم قرآن مجید میں تغیر کے اس قسم کے قصوں کو تسلیم کر لیں خصوصاً ایسی روایات کی بنا پر جو بے سند ہیں اور جن کو ابن ابی سرح کے دشمنوں نے تراشا اور پھر ان سے دوسروں نے نقل کی۔

معتمد علیہ قدیم مصادر ابن ابی سرح کے متعلق اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ذکر کرتے۔ قدیم مصادر میں سے ہمارے پاس سیرۃ ابنِ ہشام اور سیرۃ ابنِ اسحاق ہے۔ وہ اس کے متعلق اتنا ہی بیان کرتے ہیں کہ کاتبِ نبویؐ تھا پھر مرتد ہو گیا۔

ابنِ اسحاق نے کہا ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ ابی سرح کے قتل کا حکم دیا کیونکہ وہ اسلام لایا تھا ، آپؐ کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا۔ پھر وہ مرتد ہو کر مشرک ہو گیا اور قریشِ مکہ کی طرف چلا گیا[1]

---

[1] سیرۃ ابنِ ہشام ۳ : ۴۰۹

ابنِ سعد نے کہا کہ قدیم الاسلام اور کاتبِ وحی تھا۔ پھر آزمائش میں پڑا اور مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا۔[1]

خلیفہ ابنِ خیاط نے کہا، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا۔ پھر مرتد ہو گیا اور اہلِ مکہ سے جا ملا۔[2]

اور طبری نے کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی سرح کے قتل کا حکم فرمایا کیونکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد اور مشرک ہو گیا تھا۔[3]

جب قدیم اور قابلِ اعتماد مآخذ ابن ابی سرح کے متعلق قرآن مجید میں تغیر کا کوئی ذکر نہیں کرتے اور غالب گمان یہ ہے کہ اصل میں یہ حکایت ابن کلبی سے منقول ہے جو شیعہ تھا اور عثمانیوں کا دشمن تھا اور واقدی سے منقول ہے جو ضعیف بلکہ وضعِ حدیث کے ساتھ متہم تھا۔ پھر ان کے بعد جو لوگ آئے انہوں نے بغیر کسی تحقیق کے اس واقعہ کو نقل کر دیا۔ تحقیق و تفتیش کی ضرورت کچھ اس لیے بھی محسوس نہ کی گئی کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ جب معاملہ کی حقیقت اس طرح ہے کہ اس واقعہ کو ان لوگوں نے ذکر کیا جو عثمانیوں کی عداوت میں مشہور رہیں تو یہ لوگ جو کچھ کہیں اس کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ان عبارات کی بنیاد پر کوئی لکھنے والا ابنِ ابی سرح کی طرف تحریفِ قرآن کے انتساب پر کوئی بقدرِ کفایت دلیل نہیں پاتا اور اس پر مستزاد یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "کذالک انزل اللہ" (اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے) کہہ کر اس کی توثیق فرما دیتے ہیں۔ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کوئی ایسی بات کہ فلاں فلاں قرآن میں تحریف کیا کرتا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غافل تھے، جھوٹی اور خلافِ واقع بات ہے۔ دین اس قسم کی ہفوات کو تسلیم کرتا ہے نہ علمی مباحث میں ایسی باتوں کو کوئی حیثیت حاصل ہے۔

۴۳۔ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا نام حباب تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا۔[4] بدر، اُحد اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔[5] ان کا باپ رئیس المنافقین تھا، اور یہ وہی تھا جس نے غزوۂ تبوک میں کہا تھا:

لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ۔ (المنافقون: ۸)

یعنی ہم مدینہ پہنچے تو مدینہ سے عزت والا آدمی ذلیل آدمی کو نکال باہر کرے گا۔

اس کے بیٹے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۲: ۱۹۰ [2] تاریخ خلیفہ ۱: ۷۷ [3] تاریخ الطبری ۳: ۵۹
[4] الاستیعاب ۲: ۳۳۵ [5] ایضاً

یا رسولؐ اللہ ! اللہ کی قسم، وہی (اس کا باپ) ذلیل ہے اور آپ عزت والے ہیں[1] اور اس نے آپؐ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ :

"لوگ یہ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہوں۔ تُو اپنے باپ کے ساتھ نیکی اور حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آ۔"

ابنِ عمرؓ نے کہا، جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول مرا تو اس کا بیٹا عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے آپؐ کی قمیص کی درخواست کی تاکہ اس میں اپنے باپ کو کفن دے سکے۔[2] وہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ یعقوبی[3]، عمر بن شبہ[4]، ابن عبدالبرؒ[5]، سہیلی[6]، عراقی[7]، ابنِ حجرؒ[8]، ابن سیدالناس[9]، انصاری[10] اور عامری[11] وغیرہم نے ان کا نام کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ خلافتِ ابی بکرؓ میں مرتدین کے ساتھ جنگ میں ۱۲ھ میں شہید ہوئے۔[12]

۳۵۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص القرشی الاموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ امیر المومنین اور تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ عام الفیل سے چھ سال بعد میں پیدا ہوئے۔[13] وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی زوجہ رقیہ دخترِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔[14] آپ قدیم الاسلام ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے۔[15] غزوۂ بدر کے ایام میں آپ کی زوجہ محترمہ فوت ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمارداری کی خاطر عثمان کو مدینہ ہی میں چھوڑا تھا مگر غانمین بدر میں آپ کا حصہ اور اجر مقرر فرمایا۔[16] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے اپنی دوسری لختِ جگر اُمِّ کلثومؓ کا نکاح کر دیا۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی شہادت کی خبر دی۔ آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ یعقوبی[17]، عمر بن شبہ[18]، واقدی[19]، طبری[20]، ابنِ مسکویہ[21]، جہشیاری[22]، ابنِ کثیر[23]، ابنِ اثیر[24]، مزی[25]، ابن سیدالناس[26]، عراقی، انصاری[27] اور دوسرے بہت سے لوگوں

---

[1] الاستیعاب ۲ : ۳۳۶
[2] الاصابہ ۲ : ۳۳۶
[3] المصباح المضی ۸ ب
[4] الاستیعاب
[5] المصباح المضی ۳۲ - أ
[6] العجالۃ السنیۃ ۲۴۷
[7] الاصابہ ۲ : ۳۳۶
[8] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
[9] المصباح المضی ۳۳ : ۱
[10] بہجۃ المحافل ۲ : ۱۶۱
[11] الاصابہ ۲ : ۳۳۶
[12] الاصابہ ۲۱ : ۴۶۷
[13] ایضاً
[14] الاصابہ ۲ : ۴۶۷
[15] ایضاً
[16] تاریخ الیعقوبی ۲ : ۸۰
[17] المصباح المضی ۸ ب
[18] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۴۹
[19] تاریخ الطبری ۲ : ۱۷۹
[20] تجارب الامم ۱ : ۲۹۱
[21] الوزراء والکتاب ۱۲
[22] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۵۱
[23] الکامل ۲ : ۳۱۳
[24] تہذیب الکمال ۴ ب
[25] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
[26] العجالۃ السنیہ ۲۴۵
[27] المصباح المضی ۴ ا ب

نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

ابن کثیر نے کہا: واقدی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ نہشل بن مالک وائلی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے عثمان بن عفان کو حکم فرمایا اور انہوں نے اس کو ایک کتاب لکھ دی جس میں شرائع الاسلام تھے[1]۔

۲ ذی الحجہ ۲۳ھ کو آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو بعد عصر جمعہ کے دن شہید کر دیے گئے[2]۔

۳۶۔ عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد بن سعد نے طبقات میں کہا:

کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عوسجہ بن حرملہ الجہنی کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ مروہ کا علاقہ ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عوسجہ بن حرملہ الجہنی کو عطا کیا (آپ نے اسے بلکثہ کے درمیان مصنعۃ، جفلات اور جداء کا پہاڑی علاقہ عطا فرمایا) کوئی اس کے بارے میں اس کے ساتھ معارضہ نہ کرے۔ جو اس کے ساتھ معارضہ کرے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی حق نہیں اور عوسجہ کا حق ثابت ہے۔"

اس دستاویز کو عقبہ نے لکھا[3]۔

انصاری نے کہا کہ ابن سعد نے اس کا نسب ذکر نہیں کیا[4]۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے کاتب کا نام علاءؑ بن عقبہ بتایا ہے[5]۔ لیکن ابن سعد کی روایت کے مطابق عقبہ ہے نہ کہ عقبہ کا بیٹا۔ میں نے سوائے انصاری کے کاتبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے والوں میں سے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے یہ نام کاتبانِ نبی کی فہرست میں شمار کیا ہو۔ کئی ایک صحابہ کرام ہیں جن کا نام عقبہ ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ وہ عقبہ بن عامر بن عبس الجہنی ہیں۔ کیونکہ ابو سعید بن یونس نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ قاری، علم فرائض و فقہ کے جاننے والے، فصیح اللسان، شاعر اور کاتب تھے نیز قرآن جمع کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ ابو سعید نے کہا کہ میں نے ان کا مصحف مصر میں دیکھا ہے جو مصحف عثمان سے تالیف میں مختلف تھا۔ اس کے آخر میں عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے[6]۔

۳۷۔ العلاءؑ بن الحضرمی رضی اللہ عنہ

اسم شریف العلاءؑ بن عبداللہ بن عباد تھا۔ اور حضرموت سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو امیہ کے حلیفوں اور سادات مہاجرین

---

[1] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۱ [2] الاصابہ ۲: ۴۶۳ [3] طبقات ابن سعد ۱/۲: ۲۴

[4] المصباح المضیٔ: ۱: ۳۷ [5] الوثائق السیاسیۃ وثیقہ رقم/۱۵۴ [6] الاصابہ ۲: ۴۸۹

میں سے تھے۔ ان کا بھائی عمرو بن الحضرمی پہلا مقتول ہے جسے ایک مسلمان نے قتل کیا اور اس کا مال اسلام میں سب سے پہلے مالِ خمس قرار پایا اور اسی کے سبب سے غزوۂ بدر پیش آیا[۱]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بحرین کا والی مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بھی انھیں اسی عہدے پر برقرار رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بحرین کی طرف مرتدین کے قتال کے لیے بھیجا۔ ان کے اور مرتدین کے درمیان بحرِ رقراق پڑتا تھا۔ علاؓ نے اپنے لشکریوں کو لے کر سمندر میں چھلانگ لگادی اور اس طرح سمندر کی اس جگہ کو عبور کر لیا جہاں بڑی بڑی کشتیاں چلا کرتی تھیں۔ سمندر پار کر کے مرتدین کے ساتھ جنگ لڑی اللہ تعالیٰ نے مومنین کو غلبہ عطا فرمایا[۲]۔ انصاری نے کہا کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفار کی سرزمین میں مسجد بنائی، کفار پر جزیہ لگایا اور خلافت کی مُہر کندہ کی[۳]۔ آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ عمرو بن شبہ[۴]، ابنِ مسکویہ[۵]، المسعودی[۶]، ابن الاثیر[۷]، ابن کثیر[۸]، ابنِ سید الناس[۹] اور انصاری[۱۰] نے آپ کا نام کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ کتاب الوثائق السیاسیۃ[۱۱] میں آپ درج ذیل وثائق میں ان کا نام کاتب کی حیثیت سے پائیں گے، وثیقہ ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۹۶۔ ۱۴ھ میں بصرہ جاتے ہوئے راستہ ہی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

۳۸۔ العلاؔ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابنِ حجر نے کہا "مستغفری نے انھیں (العلاء بن عقبہ) صحابہ میں شمار کیا اور کہا کہ انہوں نے عمرو بن حزم کا معاہدہ لکھا ابوموسیٰ نے اس کی اصلاح کی۔ مرزبانی نے بھی اس کا ذکر کیا اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اور ارقم کو انصار کے گھروں میں بھیجا کرتے تھے۔ میں نے تاریخ مصنفہ معتصم بن صمادح میں پڑھا کہ علاء بن عقبہ اور ارقم لوگوں کے درمیان قرض، خرید و فروخت اور دیگر معاملات کی دستاویزات لکھا کرتے تھے"[۱۲]

مسعودی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے[۱۳]۔ وہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ طبری نے کہا کہ عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث اور العلاؔ بن عقبہ لوگوں کو روزمرہ کے معاملات میں دستاویزات لکھ دیا کرتے تھے[۱۴]

ابن الاثیر[۱۵]، ابن کثیر[۱۶]، العراقی[۱۷]، ابن سید الناس[۱۸] اور الانصاری[۱۹] وغیرہم نے بھی ان کا نام کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ

۱۔ الاستیعاب ۲: ۱۰۸ (تحقیق البجاوی)　۲۔ الاصابہ ۲: ۴۹۷

۳۔ سیر اعلام النبلاء ۱: ۱۹۱　۴۔ المصباح المضئی ۳۶ ب　۵۔ المصباح المضئی ۸ ب

۶۔ تجارب الامم ۱: ۲۹۱　۷۔ التنبیہ والاشراف ۲۴۶　۸۔ الکامل ۲/۳۱۳

۹۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۲　۱۰۔ عیون الاثر ۲: ۳۱۵　۱۱۔ المصباح المضئی ۳۶ ب

۱۲۔ الاصابہ ۲: ۴۹۸ ولم یزد ابن علی ہذا شیئاً من غزواتہ واعمالہ ولم یذکر وفاتہ　۱۳۔ التنبیہ والاشراف ۲۴۵　۱۴۔ تاریخ طبری ۶: ۱۷۹

۱۵۔ اسد الغابہ ۴: ۹　۱۶۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۲　۱۷۔ العجالۃ السنیۃ ۲۴۷

۱۸۔ عیون الاثر ۲: ۳۱۶　۱۹۔ المصباح المضئی ۳۶ ب

وسلم میں شمار کیا ہے۔ کتاب "الوثائق السیاسیہ" کے وثیقہ نمبری ۱۵۴، ۱۵۵ اور ۲۱۰ میں ہم ان کا نام بطور کاتب پاتے ہیں۔

۲۹۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب الہاشمی رضی اللہ عنہ

آپ مومنوں کے امیر اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ بعثت نبویؐ سے دس برس قبل پیدا ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی اور کبھی حضورؐ سے جُدا نہیں ہوئے۔ تمام غزوات میں حاضر رہے اور اکثر غزوات میں جھنڈا آپؓ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ منورہ میں رہے۔ اس تخلّف سے آپ کو اضطراب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی، الا انہ لیس بعدی نبی۔"[1]

(کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ میرے نزدیک تیری وہی حیثیت ہو جو ہارون کی موسٰی علیہما السلام کے نزدیک تھی مگر یہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)

۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آپؓ سے نکاح کر دیا۔ آپ کے فضائل اور مناقب بے شمار ہیں آپ کی طرف غلط منسوب فضائل و مناقب کی بھی کمی نہیں، حالانکہ آپ ان غلط فضائل سے غنی ہیں۔

ابن عبدالبر نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے علی! تیرے بارے میں دو آدمی ہلاک ہوں گے، افراط یعنی غلو کرنے والا محب اور تفریط کرنے والا یعنی تیرا مرتبہ گھٹانے والا۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی آج مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا:

"اقضاھم علی بن ابی طالبؓ۔"

(تمام صحابہ میں علی بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"علی اقضانا۔"[3]

(علی ہمارے سب سے بڑے قاضی ہیں)

حضرت معاویہؓ آپ کے ساتھ مخاصمت کے باوجود آپ سے امورِ دینیہ کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے۔ جب انھیں آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو کہا:

---

[1] الاصابہ
[2] الاستیعاب: ۱۱۰۱ (البجاوی)
[3] الاستیعاب ۱۱۰۲
[4] ایضاً

"ذھب الفقه والعلم بموت ابن ابی طالبؓ۔"
(حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ ہی فقہ اور علم بھی چلے گئے)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ نے خلافت کا انتظام سنبھالا۔ لیکن کبھی بھی امن و سکون نصیب نہ ہوا بلکہ ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہمیشہ جنگیں ہوتی رہیں۔ ۱۲ رمضان المبارک ۴۰ھ کو دھوکہ سے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ابن اسحاق[۱]، عمر بن شبہ[۲]، الیعقوبی[۳]، الطبری[۴]، الجہشیاری[۵]، ابن مسکویہ[۶]، ابن الاثیر[۷]، المزی[۸]، ابن کثیر[۹]، العراقی[۱۰]، ابن سید الناس[۱۱]، الانصاری[۱۲] اور دیگر متعدد لوگوں نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبیؐ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ کتاب "الوثائق السیاسیہ" کے مطابق وثیقہ نمبر ۱۱، ۲۳، ۴۴، ۴۵، ۸۵، ۱۱۱، ۱۴۱، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۲، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۳/۱ میں آپ کا نام بطور کاتب موجود ہے۔

۴۰۔ عمر بن الخطاب بن نفیل القرشی العدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ امیر المومنین اور دوسرے خلیفہ راشد ہیں۔ حضرت عمر عام الفیل سے تیرہ برس بعد میں پیدا ہوئے۔[۱۳] آپ قریش کے سرداروں میں سے تھے اور ایام جاہلیت میں سفارت کا کام آپ کے سپرد تھا۔[۱۴] جاہلیت کے دوران مسلمانوں پر بڑے سخت تھے۔ چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے اسلام لانے کے بعد مسلمان ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو عزت و غلبہ نصیب ہوا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کا مشہور قول ہے:

"لا نعبد سرًّا بعد الیوم"
(آج کے بعد ہم چھپ کر عبادت نہ کریں گے[۱۵])

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور قلب میں حق رکھ دیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ الاستیعاب ۱۱۰۸
۲۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰
۳۔ تاریخ الیعقوبی ۲: ۸۰
۴۔ تاریخ الطبری ۶: ۱۷۹
۵۔ الوزراء والکتاب: ۱۲
۶۔ تجارب الامم ۱: ۲۹۱
۷۔ الکامل ۲: ۳۱۲
۸۔ تہذیب الکمال ۹۴ ب
۹۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۳۳۹
۱۰۔ العجالۃ السنیۃ ۲۴۵
۱۱۔ عیون الاثر ۲: ۳۱۵
۱۲۔ المصباح المضی ۱۶-۱
۱۳۔ الاستیعاب ۱۱۴۵ (البجاوی)
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ سیرۃ عمر بن الخطاب لعلی الطنطاوی ۴۰

"اے عمرؓ! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، شیطان اس راستہ ہی کو چھوڑ دیتا ہے جس راستہ پر تو چل رہا ہو۔"[1]

کئی مرتبہ آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔[2] حضرت حذیفہ نے کہا:

"تمام لوگوں کا علم حضرت عمرؓ کے علم کے سامنے گویا مِٹ گیا تھا۔"

ابنِ مسعود نے کہا:

"اگر تمام زندہ عربوں کا علم ایک پلڑے میں اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو حضرت عمرؓ کا پلڑا بھاری ہوگا۔"[3]

آپؓ کے آثار اور اعمال قیامت تک باقی رہیں گے اور ہر راہِ حق کے متلاشی کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتے رہیں گے (باذن اللہ تعالیٰ) ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد آپؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لی، اور ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو ابو لؤلؤ، مغیرہ بن شعبہ کے غلام کے ہاتھوں زخمی ہو کر جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کے مرثیہ میں فرمایا، آپ کے بعد کوئی ایسا آدمی نہیں جو آپ سے مجھے زیادہ محبوب ہو۔ اللہ کی قسم مجھے غالب گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں (رسولِ مقبولؐ اور حضرت ابوبکرؓ) کے ساتھ جگہ دے گا، کیونکہ میں نے اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ "میں، ابوبکر اور عمر آئے، میں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے، میں، ابوبکر اور عمر نکلے۔ مجھے امید ہے اور غالب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ساتھ ہی رکھے گا۔"[4]

آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ابنِ اسحٰق[5]، عمرو بن شبہ[6]، ابنِ مسکویہ[7]، ابن الاثیر[8]، المزی[9]، ابنِ کثیر[10]، العراقی[11]، ابن سید الناس[12] اور انصاری[13] وغیرہم نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبی میں شمار کیا ہے۔

۴۱۔ عمرو بن العاص القرشی السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وُہ ایامِ جاہلیت ہی سے عرب کے ہوشیار، شہسوار اور بہادر لوگوں میں سے تھے۔ اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے اوائل ۸ھ میں خالد بن ولید اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کے ساتھ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ حضور صلی اللہ

---

[1] م فضائل الصحابہ ۴۲
[2] ایضاً ۲۴، ۲۵
[3] الاستیعاب ۱۱۴۹، ۱۱۵۰
[4] م فضائل الصحابہ ۱۴
[5] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰
[6] المصباح المضی ۸-ب
[7] تجارب الامم ۱: ۲۹۱
[8] اسد الغابہ ۴: ۵۳
[9] تہذیب الکمال ۴-ب
[10] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۴۹، ۳۵۲
[11] العجالۃ السنیۃ ۲۴۵
[12] عیون الاثر ۲: ۳۱۵
[13] المصباح المضی ۱۰ ب

علیہ وسلم ان کی آمد اور ان کے قبولِ اسلام سے بہت خوش ہوئے[1] اور فرمایا:

مکہ کی زمین نے اپنے چھپے ہوئے خزانے تمہارے سامنے پھینک دیے ہیں[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا اور عمان کا والی مقرر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ عمان کے والی رہے[3]۔ پھر دورِ فاروقی میں لشکریوں کے امرا میں سے تھے[4]۔ انہی کے ہاتھوں قنسرین فتح ہوا اور اہلِ حلب، منبج اور انطاکیہ نے ان کے ساتھ صلح کی۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو فلسطین کا والی مقرر کیا[5]۔

یہ وہی عمرو بن العاص ہیں جنہوں نے دورِ فاروقی میں مصر کو فتح کیا۔ اسی طرح ۲۲ھ میں غربی طرابلس کو فتح کیا[6]۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کچھ دن عمرو بن العاص کو مصر کی ولایت پر باقی رکھا بعد میں معزول کر دیا۔ اسی معزولی سے عمروؓ اور عثمانؓ کے درمیان تعلقات کی خرابی کی ابتدا ہوئی[7]۔ پھر وہ حضرت کے خلاف حضرت معاویہؓ کے ساتھ تمام جنگوں میں رہے۔ جب حضرت معاویہؓ تمام مسلمانوں کے امیر بن گئے تو انہوں نے عمروؓ بن العاص کو ایک مرتبہ پھر مصر کا والی مقرر کر دیا۔ مصر میں امیر کی حیثیت سے ۴۳ھ میں وفات پائی۔

آپؓ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ ابن شبہ[8]، الیعقوبی[9]، ابنِ عبدالبر[10]، العراقی[11]، ابن سید الناس[12]، العامری[13] اور الانصاری[14] وغیرہ نے آپ کا نام کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

۴۲۔ محمد بن مسلمہ بن سلمہ الانصاری الاوسی الحارثی رضی اللہ عنہ

بعثتِ نبویؐ سے بائیس سال قبل پیدا ہوئے[15]۔ جاہلیت ہی میں ان کا نام محمد رکھا گیا۔ مصعب بن عمیر کے ذریعے شروع ہی سے اسلام قبول کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعد بن معاذ کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابو عبیدہ کے درمیان مواخات قایم فرمائی۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پیچھے رہے۔ کعب بن الاشرف اور ابن ابی الحقیق کے قتل کرنے میں بھی شامل تھے بعض غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اپنا نائب بھی مقرر فرمایا۔ فتح مصر میں بھی شریک تھے[16]۔ محمد بن مسلمہ حق بات کہنے میں بڑے جری تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر بنی حارثہ کے پاس آئے تو انہوں نے محمد بن مسلمہ کو

۱۔ سیر اعلام النبلاء ۳ : ۳۷
۲۔ الاستیعاب ۱۱۸۵ (البجاوی)
۳۔ سیر اعلام النبلاء ۳ : ۳۰
۴۔ الاستیعاب ۱۱۸۷ (البجاوی)
۵۔ الاصابہ ۳ : ۲
۶۔ سیر اعلام النبلاء ۳ : ۷۴
۷۔ الاستیعاب ۱۱۸۷ (البجاوی)
۸۔ المصباح المضئ ۸ ب
۹۔ تاریخ الیعقوبی ۲ : ۸۰
۱۰۔ الاستیعاب
۱۱۔ العجالۃ السنیہ ۲۴۶
۱۲۔ عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
۱۳۔ بہجۃ المحافل ۲ : ۱۶۱
۱۴۔ المصباح المضئ ۳۶ ب
۱۵۔ الاصابہ ۳ : ۳۸۳
۱۶۔ سیر اعلام النبلاء ۲ : ۲۶۷

دیکھ کر فرمایا :

"اے محمدؐ! میرے متعلق تیری کیا رائے ہے ؟"

محمد بن مسلمہ نے فرمایا :

آپ کے متعلق میری پسندیدہ رائے ہے۔ آپ مال جمع کرنے میں قوی، مال سے بچنے والے، مال کی تقسیم میں انصاف کرنے والے ہیں۔ اگر آپ اِدھر اُدھر ہوئے تو ہم آپ کو تیر کی طرح سیدھا کر دیں گے۔"

یہ سُن کر حضرت عمرؓ کہنے لگے :

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میری قوم میں ایسے لوگ پیدا کر دیے ہیں کہ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں۔"[1]

حضرت عمرؓ نے انہیں جہینہ کے صدقات کی وصولی پر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں نگراں ہوتے تھے، حضرت عمرؓ ان کو عمّال کے حالات اور اموال کی تفتیش کے لیے بھیجا کرتے تھے۔[2] یہ فتنہ سے الگ رہے۔ جنگِ جمل، صفین میں شریک نہیں ہوئے بلکہ ربذہ کے مقام پر الگ تھلگ رہے۔[3] اُردن کے ایک آدمی نے ۴۳ھ میں آپ کو مدینہ منورہ کے اندر آپ کے گھر میں شہید کر دیا۔[4] آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ عمر بن شبہ[5]، ابنِ عبد البر[6]، ابنِ کثیر[7]، ابن سید الناس[8]، العراقی[9]، عبد الکریم حلبی[10]، الانصاری[11] وغیرہم نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبیؐ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ ابنِ سعد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہری بن الابیض کی طرف وہ خط بھی محفوظ کر دیا ہے جسے محمد بن مسلمہ نے لکھا تھا۔[12]

۴۳ - معاذ بن جبل الخزرجی الانصاری رضی اللہ عنہ

ہجرتِ نبویؐ سے تقریباً دس برس پہلے پیدا ہوئے۔ قد لمبا، خوبصورت چہرہ، حسین بال، موٹی موٹی آنکھیں اور سامنے کے دانت بجلی کی مانند چمکدار تھے۔ ان ستر انصار میں سے ایک ہیں جو بیعت عقبہ میں حاضر ہوئے اور جن لوگوں نے بنی سلمہ کے بتوں کو توڑا۔[13] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابنِ مسعود کے درمیان اور ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کے اور جعفر بن ابی طالب

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۲ : ۲۶۸
[2] اسد الغابہ ۴ : ۳۳۰
[3] الاستیعاب ۱۳۷۷
[4] الاصابہ ۳ : ۳۸۴
[5] المصباح المضئ ۲ ب
[6] الاستیعاب ۱ : ۵۱
[7] البدایہ والنہایہ ۵ : ۳۵۴
[8] عیون الاثر ۲ : ۳۱۵
[9] التجالۃ السنیۃ : ۲۴۲
[10] المصباح المضئ ۳۷ ب
[11] ایضاً ۳۷ - اُ
[12] طبقات ابن سعد ۱/۲ : ۸۲
[13] الاستیعاب : ۱۴۰۳
[14] الاستیعاب ۱۴۰۴

کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔[1] بیعتِ عقبہ، غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس ہی میں قرآن پاک جمع کیا۔[3] آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

چار آدمیوں سے قرآن سیکھو : عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالمؓ، ابو حذیفہ کے غلام سے۔[4]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت میں یہ بھی فرمایا :

معاذ بن جبل حلال و حرام کا علم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔[5]

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

عورتیں معاذؓ جیسا سپوت جننے سے عاجز آگئیں۔[6] نہایت کریم اور سخی تھے۔ دینے سے ہاتھ نہیں روکتے تھے حتیٰ کہ بہت سارا قرضہ چڑھ گیا۔ اس قرضے کے بدلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تمام مال فروخت کر دیا۔ فتح مکہ کے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کی طرف بھیجا تاکہ اس طرح غنی ہو جائیں۔

ابن عبدالبر نے کہا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن میں قاضی بنا کر بھیجا۔ یہ لوگوں کو قرآن اور اسلام کے احکام سکھاتے اور ان کے درمیان فیصلے بھی کرتے۔ یمن کے عمال سے صدقات کی وصولی بھی انہی کے سپرد ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقۂ یمن کو پانچ آدمیوں پر تقسیم فرما دیا تھا، صنعاء کے علاقہ پر خالد بن سعید، کندہ کے علاقہ پر مہاجر بن ابی امیہ، حضرموت کے علاقہ پر زیاد بن ابی لبید، جند کے علاقہ پر معاذ بن جبل اور زبید، عدن اور ساحل کے علاقوں پر ابو موسیٰ اشعریؓ مقرر تھے۔[7]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد معاذ مدینہ منورہ کی طرف واپس آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا :

"معاذ کے لیے بقدر کفایت مال چھوڑ کر باقی مال اس سے لے لو۔"

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود بھیجا تھا۔ میں ان سے کوئی شے نہ لوں گا مگر یہ کہ وہ از خود دے دیں۔

حضرت عمرؓ، معاذؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے یہ بات کہی۔ حضرت معاذؓ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ مستغنی ہو جائیں۔ لہٰذا وہ ایسا نہیں کریں گے۔ پھر بعد میں ایک خواب دیکھا تو تمام مال لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آ گئے مگر ابو بکرؓ نے کوئی چیز نہ لی اور تمام کا تمام مال انھیں بخش دیا۔ حضرت عمرؓ نے

۱؎ الاستیعاب ۳ : ۱۴۰۳ (البجاوی)　۲؎ الاصابہ ۳ : ۴۲۶　۳؎ م فضائل الصحابہ ۱۱۹

۴؎ م فضائل الصحابہ ۱۱۶　۵؎ الاستیعاب ۴ : ۱۴۰۴ (البجاوی)　۶؎ الاصابہ ۳ : ۴۲۶

۷؎ الاستیعاب ۳ : ۱۴۰۳ (البجاوی)

حضرت ابوعبیدہؓ کی وفات کے بعد انھیں شام کا والی مقرر فرمایا۔ ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس میں شہید ہوئے[1]
آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ یعقوبی نے اس چیز کو ذکر کیا[2] اور انصاری نے نقل کیا[3]۔ یعقوبی کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے آپ کی کتابت کی طرف اشارہ کیا ہو۔

۴۴ - معاویہ بن ابی سفیان القرشی الاموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعثتِ نبویؐ سے پانچ برس قبل پیدا ہوئے[4] ابنِ عبدالبر نے کہا کہ معاویہؓ، ان کے باپ اور ان کے بھائی فتح مکہ کے وقت اسلام لانے والوں میں سے ہیں[5]

واقدی نے روایت کیا ہے کہ معاویہ حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کر چکے تھے مگر اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے سال اسلام کا اظہار کیا۔ عمرۃ القضاء میں وہ مسلمان تھے[6] ابوسفیان نے حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ معاویہ کو اپنا کاتب بنالیں۔ آپؐ نے ان کے اس مطالبے کو قبول فرما لیا[7] حضرت عمرؓ نے انہیں ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کی موت کے بعد شام کا والی مقرر فرمایا۔ چار سال کے بعد حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے ان کو بارہ سال یعنی اپنی شہادت تک شام کا والی مقرر رکھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد معاویہؓ حضرت علی المرتضیٰؓ سے پانچ برس تک برسرِ پیکار رہے[8] ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں اہلِ شام نے آپ کی بیعتِ خلافت کر لی۔ ۴۱ھ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت نے امیر معاویہؓ کی بیعت کی تو تمام عالمِ اسلام نے آپ کی بیعت کر لی اور اس طرح آپ تمام مومنوں کے امیر بن گئے۔ حضرت معاویہؓ بیس برس تک شام کے امیر اور تقریباً اتنا ہی عرصہ خلیفہ رہے[9]۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا:

میں نے معاویہؓ سے زیادہ حکومت کرنے کے لائق کسی کو نہیں دیکھا[10]

ابنِ عمرؓ نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے معاویہؓ سے بڑا سردار نہیں دیکھا۔

کہا گیا: ابوبکرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو فرمایا: اللہ کی قسم وہ لوگ معاویہ سے اچھے تھے، تاہم معاویہ سرداری میں ان سے بھی بڑھ کر تھے[11]۔ ان کے عہد میں بہت ساری فتوحات ہوئیں۔ رجب ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ابنِ اسحاق[12]، ابنِ سعد، ابنِ حنبل، عمر بن شبہ[13]، خلیفہ ابن خیاط[14]، طبری[15]، جہشیاری[16]، المسعودی[17]،

---

[1] الاستیعاب ۱۴۰۵ (البجاوی)
[2] تاریخ الیعقوبی ۲: ۸۰
[3] المصباح المضی
[4] الاصابہ ۳: ۴۳۳
[5] الاستیعاب ۱۴۰۶ (البجاوی)
[6] الاصابہ ۳: ۴۳۲
[7] م فضائل الصحابہ ۱۶۸
[8] الاستیعاب ۱۴۰۷ (البجاوی)
[9] الاستیعاب ۱۴۱۸
[10] الاصابہ ۳: ۴۳۳
[11] الاستیعاب ۱۴۱۸ (البجاوی)
[12] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰
[13] المصباح المضی ۸ ب
[14] تاریخ خلیفہ ۱: ۷۷
[15] تاریخ الطبری ۶: ۱۷۹
[16] الوزراء والکتاب ۱۲
[17] التنبیہ والاشراف ۲۴۶

ابن مسکویہ[1]، یعقوبی[2] اور دیگر بہت سے لوگوں[3] نے آپ کا اسم شریف کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ کتاب "الوثائق السیاسیۃ" کے مطابق وثیقہ نمبر ۹۸، ۱۳۱، ۱۶۴، ۱۸۵، ۲۱۵ اور ۲۲۲ میں آپ کا نام بطور کاتب موجود ہے۔

۴۵۔ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابنِ شہاب نے کہا، معیقیب سعید بن العاص کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک دوسرے نے کہا، سعید بن العاص کی آل کے حلیف تھے۔ شروع ہی میں مکہ کے اندر اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسری ہجرت حبشہ کے وقت ہجرت فرمائی۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو حبشہ سے آپ کے پاس حاضر ہو گئے[4] بیعتِ رضوان اور بعد کے غزوات میں شریک رہے[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک آپ کی نگرانی میں ہوتی تھی[6] شیخین نے آپ کو بیت المال کا نگران مقرر کیے رکھا[7] آپ کو جذام کا مرض ہوا تو حضرت عمرؓ نے حکیموں کو بلا کر آپ کا علاج کرایا جس سے مرض رفع ہو گیا[8] عثمان بن عفان کے دور میں مہر خلافت انہیں کے سپرد تھی[9] ان کے ہاتھ سے مہرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اریس کے کنویں میں گر گئی اور پھر نہ مل سکی[10]

آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ عمر بن شبہ[11] اور الجہشیاری نے آپ کا نام کاتبانِ نبویؐ میں شمار کیا ہے۔ جہشیاری نے یہ بھی کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ غنیمت کی فہرست لکھ دیا کرتے تھے[12] مسعودی[13]، العراقی[14]، ابن سید الناس[15] اور الانصاری[16] وغیرہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ خلافتِ عثمانؓ میں فوت ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ ۴۰ھ کے بعد تک زندہ رہے[17] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۴۶۔ المغیرۃ بن شعبۃ بن ابی عامر الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کو "مغیرۃ الرائی" کہا جاتا تھا۔ عرب کے ہوشیار و چالاک لوگوں میں سے تھے۔ غزوۂ خندق والے سال میں اسلام لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت فرمائی۔ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے۔ طائف میں قبیلہ ثقیف کے

---

1. تجارب الامم ۱: ۲۹۱
2. تاریخ الیعقوبی ۲: ۸۰
3. اسد الغابہ ۴: ۳۸۵، تہذیب الکمال ۴-ب، العجالۃ السنیہ ۲۴۵
4. الاستیعاب ۱۴۸۰ (البجاوی)
5. الاصابہ ۳: ۴۵۱
6. الاستیعاب ۱۴۷۹
7. البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۵، الاستیعاب ۱۴۷۹
8. اسد الغابہ ۴: ۴۰۳
9. الاصابہ ۳: ۴۵۱
10. اسد الغابہ ۴: ۴۰۳
11. المصباح المضی ۸ ب
12. الوزراء والکتاب ۱۲
13. التنبیہ والاشراف ۲۴۲
14. العجالۃ السنیہ ۲۴۶
15. عیون الاثر ۲: ۳۱۵
16. المصباح المضی ۱۴۱
17. الاصابہ ۳: ۴۵۱

باغیوں کی سرکوبی میں ابوسفیانؓ کے ساتھ تھے۔ غزوۂ یرموک میں آپ کی ایک آنکھ زخمی ہوگئی اور اس طرح آپ یک چشم رہ گئے۔ جنگِ یمامہ اور شام و عراق کی فتوحات میں شامل رہے[1] حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو اہلِ نجیر کی طرف بھیجا[2] رستم کی طرف حضرت سعد کے ایلچی بنے[3] اسی طرح امراؤ القیس کی طرف نعمان بن مقرن کے ایلچی بنے[4] حضرت عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا والی مقرر کیا[5] میسان ، ہمدان اور دیگر بہت سارے شہر آپ کے ہاتھوں فتح ہوئے[6] ابنِ اثیر نے کہا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ کا دیوان بنایا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ سے معزول کر کے کوفہ کا گورنر بنایا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت تک کوفہ ہی کے گورنر رہے[7]۔ حضرت عثمانؓ نے اولاً تو بحال رکھا مگر بعد میں معزول فرما دیا[8] جنگِ صفین میں الگ رہے۔ جب تمام لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کرلی تو انہوں نے بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت کرلی[9] حضرت معاویہؓ نے آپ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور آخر دم تک گورنر رہے حتیٰ کہ ۵۰ھ میں وفات پائی[10] آپ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ابنِ اسحاق[11] ، ابنِ شبہ[12] ، ابنِ سعد اور جہشیاری نے آپ کا نام کاتبانِ نبیؐ میں شمار کیا ہے۔ جہشیاری نے مزید یہ کہا کہ مغیرہ بن شعبہ اور الحصین بن نمیر لوگوں کے باہمی معاملات لکھا کرتے تھے[13] یعقوبی[14] ، المسعودی[15] ، ابن مسکویہ[16] ، ابن کثیر[17] ، العراقی[18] ، ابن سیدالناس[19] اور الانصاری[20] وغیرہم نے بھی آپ کا نام کاتبانِ نبیؐ میں شمار کیا ہے۔ کتاب "الوثائق السیاسیہ" کے وثیقہ نمبر ۸۱، ۸۲، ۸۶، ۹۵، ۱۵۳، ۱۹۴، ۱۹۵ اور ۲۰۴ میں آپ کا نام بطور کاتب پایا جاتا ہے۔

۷۴ - نصرانی من الانصار

بنی نجار کا ایک آدمی نصرانی تھا پھر اسلام لایا سورۃ بقرہ اور آلِ عمران پڑھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا۔ مگر دوبارہ مرتد ہوگیا اور کہا کرتا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ نہیں جانتے ، مگر وہ جو میں لکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی۔ لوگوں نے اسے دفنایا تو زمین نے اسے قبول نہ کیا اور باہر پھینک دیا[21]

---

[1] الاصابہ ۲: ۴۵۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً
[5] ایضاً [6] ایضاً [7] اسد الغابہ ۴: ۴۰۷
[8] الاستیعاب ۱۴۴۶ [9] الاصابہ ۳: ۴۵۳ [10] الاستیعاب ۱۴۴۶
[11] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰ [12] المصباح المضئی ۸ ب [13] الوزراء والکتاب ۱۲
[14] تاریخ الیعقوبی ۲: ۸۰ [15] التنبیہ والاشراف ۲۴۵ [16] تجارب الامم ۱: ۲۹۱
[17] البدایہ والنہایہ ۵: ۳۵۰ [18] العجالۃ السنیۃ ۲۴۶ [19] عیون الاثر ۲: ۳۱۵
[20] المصباح المضئی ۴۲ - ۱ [21] الطرخ المناقب ۲۶ ، الحدیث ۳۶۱۷ ، من فضائل ومنحۃ المعبود ۲: ۵

۴۸- یزید بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہؓ کے باپ کی طرف سے بھائی تھے۔ انہیں "یزید الخیر" کہا جاتا تھا۔ ابوسفیانؓ کے بیٹوں میں سب سے افضل تھے[1] عرب کے مسلّم عقلاء اور بہادر لوگوں میں سے تھے۔ فتح مکّہ کے روز اسلام لائے اور پھر حُسنِ اسلام کی داد دی[2]۔ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے۔ حنین کے مالِ غنیمت میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سَو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ چاندی حضرت بلالؓ نے تول کر دی[3]۔ جب حضرت ابوبکرؓ ۱۲ھ میں حج سے لَوٹے تو عمروؓ بن العاص، یزیدؓ بن ابی سفیان، ابوعبیدہؓ بن الجراح اور شرحبیلؓ بن حسنہ کو فلسطین کی طرف روانہ فرمایا۔ ذہبی نے کہا ہے: حضرت ابوبکرؓ نے یزید بن معاویہؓ کو امیر بنایا اور پیدل چل کر ان کے گھوڑے کے ساتھ ان کو رخصت کیا اور کچھ وصیتیں بھی فرمائیں۔ یہ سب کچھ یزید کے کمال شرف اور دین کی وجہ سے تھا[4]۔ رملہ اور بیت جبرین کے درمیان مقام اجنادین پر رومیوں کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہوئی — اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی اور یہ فتح جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو شام کا گورنر مقرر فرمایا۔ شام کی فتح بھی انہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ جب حضرت ابوعبیدہؓ فوت ہوئے تو معاذؓ بن جبل گورنر بنائے گئے۔ جب ان کی بھی وفات ہوگئی تو یزیدؓ بن ابی سفیان والی مقرر کیے گئے[5] تادمِ حیات اس منصب پر فائز رہے[6]۔ حضرت یزیدؓ طاعونِ عمواس میں ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ اُن کی جگہ ان کے بھائی معاویہؓ بن ابی سفیان کو شام کا والی مقرر کیا گیا۔ معاویہؓ کا تقرر یزیدؓ کے احترام اور ان کی تولیت کی تنفیذ کی خاطر تھا[7]۔

آپؓ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم میں سے ہیں۔ ابنِ سعد[8]، ابنِ مسکویہ[9]، ابنِ عبدالبر[10]، ابنِ عبدربہ[11]، العراقی[12]، ابن سید الناس[13] اور الانصاری[14] وغیرہم نے آپ کا نام کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

---

۱ الاستیعاب ۱۵۷۵ (البجاوی) | ۲ سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۳۷ | ۳ الاستیعاب ۱۵۷۵

۴ ایضاً | ۵ سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۳۸ | ۶ الاستیعاب ۱۵۷۵، ۱۵۷۶

۷ الاصابہ ۳: ۶۵۶ | ۸ سیر اعلام النبلاء ۱: ۲۳۸ | ۹ المصباح المضی ۲۴-۱

۱۰ تجارب الامم ۱: ۲۹۱ | ۱۱ الاستیعاب | ۱۲ العقد الفرید

۱۳ العجالۃ السنیہ ۲۴۶ | ۱۴ عیون الاثر ۲: ۳۱۶ | ۱۵ المصباح المضی ۴۲-۱

سیر الطیبات

[سرورِ کائنات کی بیٹیوں کا ذکر]

مولانا مقصود احمد بھوپالی

حضرت زینب رضؓ

نام جنابِ رسولِ خدا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام زینب رضؓ ہے جو راہِ الٰہی میں شہید ہوئیں، اُن کی نسبت حضرت عائشہ رضؓ آنحضرت صلعم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: "وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔"[1]

ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ رضؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے تصدیق رسالت کی اور جن کے فضائل و مناقب اس قدر ہیں کہ اُمتِ مسلمہ میں اُن کا وہی مرتبہ ہے جو اُمتِ ماضیہ میں حضرت مریم رضؓ کا، ابوعمر کا قول ہے کہ سب صاحبزادیوں میں یہ بڑی صاحبزادی تھیں اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور جو لوگ اختلاف کرتے ہیں وہ صحیح نہیں اور نہ قابلِ توجہ ہے، اب اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ اولادِ رسول صلعم میں اولاً حضرت زینب رضؓ پیدا ہوئیں یا حضرت قاسم، علمائے نسب کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اول حضرت قاسم پیدا ہوئے اُن کے بعد حضرت زینب رضؓ۔ ابن کلبی کہتے ہیں کہ پہلے زینب رضؓ پیدا ہوئیں پھر قاسم، بہرحال سب صاحبزادیوں میں حضرت زینب رضؓ سب سے بڑی ہیں۔[2]

ولادت بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر شریف تیس سال کی تھی۔ حضرت زینب رضؓ کے حالاتِ طفولیت کا کتب تواریخ میں کہیں پتہ نہیں چلتا اس لئے اُن کا حال زمانۂ شادی سے قلمبند کیا جاتا ہے۔

نکاح آنحضرت صلعم کی صاحبزادیوں میں سب سے پہلے حضرت زینب رضؓ کی شادی کمسنی میں قبل نبوت اُن کے حقیقی خالہ زاد بھائی ابوالعاص (ملقب بہ لقیط) بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن مناف کے ساتھ ہوئی[3] جو حضرت خدیجہ رضؓ کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔[4]

حضرت زینب رضؓ کے جہیز میں منجملہ دیگر سامان کے ایک عقیق یمنی کا ہار تھا۔ جو حضرت خدیجہ رضؓ نے دیا تھا[5] چونکہ یہ عقیق یمنی کا ہار ایک خاص اہم واقعہ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے آگے کے بیان (عام حالات) میں درج کیا جائے گا۔

---

[1] زرقانی بحوالہ طحاوی ترجمہ حضرت زینب رضؓ [2] طبقات ص ۱۰، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] ایضاً،

اسلام جب آنحضرت صلعم منصب نبوت پر فائز ہوئے تو حضرت زینبؓ بھی اسلام لے آئیں[1]۔ اور اپنے شوہر ابوالعاص کے اسلام لانے سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی[2]۔

عام حالات چونکہ ابوالعاص شرک میں مبتلا تھے بموجب احکام اسلامی زوجین میں تفریق کی ضرورت تھی لیکن چونکہ آنحضرت صلعم اس وقت مکہ میں مغلوب تھے اور کوئی اسلامی قوت موجود نہیں تھی، کفار کی ایذا رسانی کا بازار گرم تھا، اشاعت اسلام کا کام ابتدائی حالت میں تھا غرضکہ یہ ایک پُرآشوب زمانہ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتاً زوجین میں تفریق نہیں فرمائی[3]۔

اسلام کی اشاعت کے ساتھ کفار کی زبردست مخالفت بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، آں حضرت صلعم کو تکلیف دینے کا کوئی طریقہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے اختیار نہ کیا ہو، سمجھا اور ایذا رسانی کیلئے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ قریش کے چند لوگوں نے ابوالعاص کو مجبور کیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں اور بجائے ان کے قریش کی کسی لڑکی سے عقد کر لیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی قرابت کو اچھا خیال فرماتے اور زوجین کے باہمی تعلقات ارتباط اور شریفانہ طرز عمل کی اکثر تعریف فرماتے تھے[4]۔

حضرت زینبؓ کی محبت و ایثار کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ نبوت کے تیرھویں سال جب آنحضرت صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت زینبؓ اپنی سسرال میں تھیں اور ابوالعاص مشرکین کے ہمراہ جنگ بدر میں شریک تھے، عبداللہ بن جبیر بن نعمان نے زمرہ اسارٰی میں ابوالعاص کو بھی گرفتار کیا۔ اس گرفتاری کی خبر اہل مکہ کو پہنچی اہل مکہ اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا، حضرت زینبؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کو یمنی ہار (جو اُن کی والدہ خدیجہؓ نے بوقت جہیز دیا تھا) دے کر روانہ کیا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ ہار پیش کیا گیا، آنحضرت صلعم اُس کو دیکھ کر مغموم و محزون ہوئے اور رقت طاری ہو گئی، حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی رحم آ گیا پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب خیال کرو تو زینبؓ کے قیدی کو رہا کر دو اور اُس کا ہار بھی واپس کر دو لوگوں نے عرض کیا کہ "ہم لوگ بسر و چشم تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں" وہ رہا کر دیئے گئے اور وہ ہار بھی واپس کر دیا گیا[5]۔

لیکن چونکہ سب قیدی فدیہ پر چھوڑے گئے تھے اور یہ اخلاق و انصاف اور شان نبوت کے خلاف ہوتا کہ ابوالعاص بغیر کسی فدیہ کے رہا کئے جاتے اس لئے ابوالعاص کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں[6]۔

حضرت زینبؓ کے لانے کے لیے ابوالعاص کے ہمراہ حضرت زید بن حارث کو روانہ کیا اور ہدایت کی کہ تم بطن یاجج میں

---

[1] طبقات ص ۲ ۔ [2] ایضاً ۔ [3] درالمنثور ص ۲۳۱ ،طبقات ص ۲۱ ۔

[4] طبقات ص ۱۶ تا ص ۶۳، جلد ۸، جلد ۲ - ۱ - زرقانی ص ۱۸۰ جلد ۲۔ وسنن ابوداؤد ص ۲۲۴ جلد ۱ - وطبری ج ۳ ص ۱۳۴۶، سیرت ابن ہشام ص ۲۸ ۔ [5] طبقات ص ۲۱ ۔ [6] ایضاً ۔

ٹھیرے رہنا جب زینبؓ وہاں آجائیں تو اُن کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دی۔ حضرت زینبؓ جب سامان سفر کی تیاری میں مشغول تھیں تو ہند بنت عتبہ اُن کے پاس آئیں اور کہا "اے بنتِ محمدؐ صلعم کیا تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو؟" حضرت زینبؓ نے کہا "فی الحال تو ایسا ارادہ نہیں ہے آگے جو خدا کو منظور ہو۔"

ہند نے کہا "بہن اس پوشیدگی کی کیا ضرورت ہے اگر تم واقعی جا رہی ہو تو کچھ زادِ راہ یا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

ہند کی اس ہمدردی و غمخواری سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک طبقۂ نسواں میں عداوت و دشمنی کا وہ زہریلا اثر نہیں پھیلا تھا جو مردوں میں سرایت کر چکا تھا حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ہند جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ سچے دل سے کہہ رہی تھیں اگر مجھے کسی چیز کی فی الواقع ضرورت ہوتی تو وہ غالباً ضرور پورا کرتیں لیکن وقت کی مصلحت سے انکار کر دیا۔[1]

غرض جب سامان سفر سے فارغ ہو گئیں تو اپنے دیور کنانہ ابن ربیع کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ چونکہ کفار کا غلبہ تھا اور اُن کے تعرض کا خوف تھا اس لیے اُن کے دیور کنانہ بن ربیع نے اپنے ساتھ ترکش اور کمان وغیرہ بھی رکھ لیا۔ جب وہ لوگ روانہ ہوئے تو قریش میں کھلبلی پھیل گئی۔ اور اُن کی گرفتاری کی فکر ہوئی چنانچہ قریش کی ایک جماعت اُن کے تجسس میں نکلی اور مقام ذی طویٰ میں اُن دونوں کو گھیر لیا اس جماعت میں ہبار بن اسود (جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی کے لڑکے تھے اور اس رشتے سے حضرت زینبؓ کے ماموں ہوتے) اور ایک دوسرا شخص بھی تھا دونوں میں سے کسی ایک نے حضرت زینبؓ پر حملہ کیا وہ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں۔ وہ حاملہ تھیں اُن کا حمل ساقط ہو گیا چوٹ بھی زیادہ آئی (ہبار بن اسود کی اس بیجا حرکت پر فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے قتل کی عام اجازت دے دی تھی لیکن انہوں نے اپنی تقصیر کی معافی چاہی اور مشرف بہ اسلام ہوئے تو آنحضرت صلعم نے معاف کر دیا[2]) اس پر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا "جو کوئی اب میرے نزدیک آئے گا وہ ان تیروں کا نشانہ بنے گا۔" پھر لوگ منتشر ہو گئے اور ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آگے بڑھ کر آیا اور کہا "تم اپنے تیروں کو تھوڑی دیر روکے رہو کہ ہم تم سے کچھ باتیں کر لیں۔"

کنانہ نے اپنے تیر ترکش میں رکھ لیے اور اُن سے پوچھا "تم کیا کہتے ہو جو کچھ کہنا ہو جلد کہو۔"

ابوسفیان نے کہا "محمدؐ کے ہاتھوں جو مصیبتیں اور تکلیفیں شکست، رسوائی اور ذلت ہم لوگوں کو پہنچی ہے اس سے تم بے خبر نہیں ہو۔ اب اگر تم محمدؐ کی بیٹی کو علانیہ ہمارے سامنے سے لے جاؤ گے تو لوگ ہماری کمزوری اور بزدلی پر محمول کریں گے اور ہمارے ضعف و ادبار کا پیش خیمہ خیال کریں گے۔ یوں تو تم خود خیال کر سکتے ہو کہ ہمیں محمدؐ کی بیٹی کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۸ تا ص ۳۱ ، طبری ص ۷۰ تا ص ۹۳ جلد ۱۔

[2] اصابہ حالات ہبار بن اسود۔

لیکن مقصد یہ ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو جب ہنگامہ فرو ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محمدؐ کی بیٹی کو واپس کرا لائے تو تم چوری چھپے دوسرے وقت اُن کو لے جانا۔"

کنانہ نے اس بات کو منظور کیا اور وہ واپس آ گئے۔ جب یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہو گیا تو ایک روز مخفی طریقے سے اُن کو لے کر روانہ ہو گئے۔ بطن یاجج میں زید بن حارث انتظار کر رہے تھے اُن کے سپرد کر دیا وہ حضرت زینبؓ کو لے کر مدینہ چلے گئے۔

ابوالعاص کو حضرت زینبؓ سے بہت محبت تھی۔ زن و شوئی کے باہمی تعلقات اتحاد و ارتباط خوشگوار تھے۔

چنانچہ حضرت زینبؓ جب مدینہ تشریف لے گئیں تو ابوالعاص مغموم رہنے لگے۔ ایک مرتبہ شام کے سفر میں حضرت زینبؓ بہت یاد آئیں تو انہوں نے یہ شعر پڑھے[1] ؎

ذکرت زینب لما ورکت ارمًا	جبکہ میں موضع ارم سے گذرا تو زینب کو یاد کیا (زینب یاد
فقلت سقیا لشخص یسکن الحرمًا	آئیں) تو میں نے بیساختہ یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو
بنت الامین جزاها الله صالحة	شاد رکھے جو حرم میں سکونت پذیر ہے آمین (محمد صلعم) کی بیٹی
وکلّ بعلٍ سیثنی مالذی علما	کو خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے۔ اور شوہر اُسی بات کی تعریف
	کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے۔

چونکہ ابوالعاص تجارتی تجربہ اور امانت داری کے لحاظ سے بہت مشہور تھے اس لئے اہل قریش اپنا تجارتی مال اُن کے ہاتھ فروخت کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ھ میں ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو آں حضرت صلعم نے زید بن حارث کو مع ایک سو ستر سوار کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مقام عیص میں دونوں قافلے ملاقی ہوئے[2] سواران اسلام نے مشرکین کو گرفتار کیا اور جو کچھ مال و متاع تھا سب پر قبضہ کر لیا[3] لیکن ابوالعاص سے کوئی مزاحمت نہ کی[4] ابوالعاص نے جب قافلہ کا یہ حشر دیکھا تو فوراً مدینہ پہنچ کر حضرت زینبؓ سے پناہ طلب کی چنانچہ حضرت زینبؓ نے اپنی پناہ میں لے لیا[5] اس وقت آنحضرت صلعم نماز فجر میں مشغول تھے۔ حضرت زینبؓ نے بآواز بلند کہا اِنِّیْ قَدْ اَجَرْتُ اَبَا العاص[6] یعنی میں نے ابوالعاص کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے لوگو! تم نے کچھ سُنا سب نے عرض کیا جی ہاں سنا آپ نے فرمایا مجھے اس سے قبل اس واقعہ کی کچھ اطلاع نہ تھی۔ کیا عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے کمزور آدمی دشمنوں کو پناہ دیتے ہیں[7]

جب آں حضرت صلعم اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت زینبؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ابوالعاص کا جو کچھ مال و متاع لیا گیا ہے وہ واپس کر دیا جائے چنانچہ آنحضرت صلعم نے اہل سریہ سے کہلا بھیجا کہ تم میرے اور ابوالعاص کے رشتہ

---

[1] زرقانی ص ۲۳۳ جلد ۳ و سیرۃ ابن ہشام ص ۳۱ و طبری ص ۱۳۴۹ ج ۱ ۔ [2] طبقات ص ۲۱ ۔ [3] طبقات ص ۲۲
[4] ایضاً و طبری ص ۱۳۵ ، [5] طبقات ص ۲۲ ۔ [6] ایضاً ، [7] ایضاً ، [8] ایضاً۔

سے واقف ہو اگر تم اس کے ساتھ احسان کرو گے اور اس کا مال و متاع واپس کر دو گے تو میری خوشی کا باعث ہوگا۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے سب نے کہا ہم کل چیزیں واپس کرنے کیلئے حاضر ہیں چنانچہ سب چیزیں واپس کر دی گئیں۔ ادھر تو یہ حکم اہل سریہ کو بھیجا اور ادھر اپنی بیٹی زینبؓ سے یہ فرمایا کہ تم ابوالعاص کی خاطر و مدارات اور اعزاز و احترام میں کوئی کمی نہ کرنا۔ لیکن جب تک وہ مشرک رہیں اُن کی قرابت سے احتراز کرنا کیونکہ اسلام و کفر دونوں جمع نہیں ہو سکتے [1]

اس روایت سے عدمِ تفریق زوجین کی پہلی روایت کی تردید ہوتی ہے لیکن اب اسلام کی قوت بڑھ گئی تھی اور استحکام کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور کوئی اسلامی کمزوری بھی نہ تھی اور اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ زوجین میں تفریق ہو جائے۔ اس لیے اب کوئی وجہ نہ تھی کہ اب آں حضرتؐ ایسا حکم نہ دیتے وہ وقت البتہ بہت نازک تھا اسی مصلحت سے اس وقت کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اس کے بعد ابوالعاص اپنا مال و اسباب لے کر مکہ روانہ ہو گئے مکہ پہنچ کر جس جس کا جو کچھ لینا دینا تھا اسے دے کر حساب صاف کر دیا [2] اور ایک روز قریش کو مخاطب کر کے کہا "اے اہلِ قریش اب میرے ذمہ کسی کا کوئی مطالبہ تو باقی نہیں ہے"

اہلِ قریش نے کہا "ہاں بے شک اب کوئی مطالبہ نہیں ہے اور خدا تم کو جزائے نیک دے تم ایک باوفا اور کریم النفس شخص ہو"

ابوالعاص نے کہا "ہاں سن لو اب میں مسلمان ہوتا ہوں اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، خدا کی قسم مجھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اسلام لانے سے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم لوگ یہ خیال نہ کرو کہ میں تمہارے مال کو غبن کر چکا ہوں تو اس لئے مسلمان ہو گیا لیکن اب جبکہ خدا نے مجھے۔ اس بارِ گراں سے بخیر و خوبی سبکدوش کر دیا تو اب کوئی امر حائل نہیں کہ میں اسلام نہ قبول کر وں"

یہ واقعہ محرم ۷ھ کا ہے اس کے بعد حضرت ابوالعاص مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے [3]۔

جب حضرت ابوالعاص مشرف بہ اسلام ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو آنحضرت صلعم نے حضرت زینبؓ کو بعقدِ اول اُن کی طرف رجوع کر دیا [4] یعنی تجدیدِ نکاح نہ کی بلکہ وہی پہلا نکاح قائم رکھا چونکہ اس وقت سورۂ برأت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے مسلمان عورتیں اپنے شوہروں کے پاس اسلام لانے کے بعد بلا تجدیدِ نکاح اُن کی زوجیت میں آجایا کرتی تھیں [5]

حضرت زینبؓ اپنے والد اور شوہر سے بے انتہا محبت رکھتی تھیں [6] قیمتی کپڑے پہننے کی شائق تھیں۔ حضرت انسؓ نے اُن کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا جس پر زرد رنگ کی دھاریاں تھیں [7]

اولاد حضرت ابوالعاصؓ کے صلب سے حضرت زینبؓ کے دو اولادیں پیدا ہوئیں۔ ایک فرزند علی اور دختر امامہ، علی ہجرت کے

---

[1] طبقات صـ۲۲ ۔ [2] طبقات صـ۲۲ ۔ [3] طبقات ص ۲۲ [4] ایضاً ، [5] اصابہ کتاب النسا، حالات زینبؓ ۔ [6] استیعاب ص ۵۴ ، و درِّ المنثور صـ۲۲۱ ، [7] طبقات صـ۲۲ ۔

قبل پیدا ہوئے آنحضرت صلعم نے اُن کو اپنی کفالت میں لیا اور وہ آپ کے سایۂ عاطفت میں فخر و تربیت حاصل کرتے رہے، فتح مکہ کے روز جب آنحضرت صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو علی آپ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ سن بلوغ ہی میں اپنے والد ابو العاص کی زندگی میں انتقال کیا۔ لیکن ابن عساکر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی جنگ یرموک تک زندہ رہے اور اسی جنگ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا[1] لیکن حضرت امامہؓ زندہ رہیں اور حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کا عقد ثانی حضرت امامہؓ سے ہوا حضرت امامہؓ عرصہ تک زندہ رہیں ان کے حالات زندگی آئندہ صفحات میں تفصیل سے لکھے جائیں گے۔

وفات حضرت زینبؓ حضرت ابو العاصؓ کے اسلام لانے کے بعد تقریباً سال سوا سال تک زندہ رہیں اور اپنے والد بزرگوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک ۸ھ میں راہگیر ائے فردوس ہوئیں[2]

حضرت زینبؓ کی علالت کا تذکرہ کسی کتب تواریخ میں نہیں ملا صرف استیعاب میں وفات کا سبب یہ لکھا ہے:

وَكَانَ سَبَبُ مَوتِهَا اِنَّهَا لَمَّا خَرَجَتْ	جب حضرت زینبؓ مکہ سے اپنے والد بزرگوار رسول صلعم
مِنْ مَكَّةَ اِلَىٰ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ	کی خدمت میں آنے لگیں تو راستہ میں ہبار بن اسود اور ایک
وَسَلَّمَ عَمَدَ لَهَا هَبَّارُ بنُ الْاَسودِ و رجل	دوسرے شخص نے حملہ کیا اور ان کو اونٹ پر سے گرا
اخر فَدَفَعَهَا اَحَدُهُمَا فسقطت عَلَىٰ	دیا وہ پتھر پر گر پڑیں بہت چوٹ آئی اور بہت خون
صخرةٍ فاسقطت وَ هَرقَتِ الدماء فلم	نکلا اور آپ کا حمل ساقط ہو گیا عرصہ تک اسی مرض میں
يزل بِهَا مَرَضُهَا ذٰلِكَ حَتّٰى ماتت سنة	مبتلا رہیں حتیٰ کہ ۸ھ میں انتقال کر گئیں۔
ثمان من الهجرة[3]	

حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام عطیہؓ۔ حضرت زینبؓ کے غسل میں شریک تھیں۔ انہی لوگوں نے غسل بھی دیا۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے بوقت غسل فرمایا کہ "ہر عضو کو تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اس کے بعد کافور لگاؤ"[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اُترے اور اپنی نور دیدہ کو ہمیشہ کے لیے سپرد خاک فرمایا۔ اُس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر رنج و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ اور اُس وقت آپؐ نے حضرت زینبؓ کو اور اُن کے ضعف کو یاد کیا تو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے خدا تو زینبؓ کی مشکلات کو آسان کر دے اور اُس کی قبر کی تنگی کو کشادگی سے بدل دے[5]

حضرت زینبؓ کے انتقال کے تھوڑے دن کے بعد حضرت ابو العاص کا بھی انتقال ہو گیا[6]

---

[1] اصابہ صد ۴۰ ۔ [2] طبقات صـ ۲۴ وطبری صـ ۱۳۵۱ ، [3] استیعاب صـ ۷۵۳، [4] طبقات صـ ۲۲ ، ۲۳۔
[5] اسد الغابہ صـ ۴۶۸ ، [6] ایضاً در المنثور صـ ۲۴۱ ۔

حضرت رُقیّہ رضؓ

نام سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی کا نام رقیہ ہے ان کی والدہ ماجدہ بھی حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں۔ یعنی جناب زینبؓ کی حقیقی بہن ہیں۔

ولادت ہجرت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ ابن زبیر اور اُن کے چچا مصعب کا خیال ہے کہ حضرت رقیہ سب صاحبزادیوں میں چھوٹی تھیں چنانچہ جرجانی نسّاب نے اسی قول کو صحیح جانا ہے لیکن ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ بڑی صاحبزادی تھیں اور منجھلی صاحبزادی رقیہ ابوالعباس محمد بن اسحاق سراج بروایت عبداللہ بن محمد بن سلیمان بن جعفر بن سلیمان الہاشمی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس برس کے تھے جب حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں اور تینتیسویں سال حضرت رقیہ کی ولادت ہوئی۔ بہرحال اربابِ سیر نے حضرت رقیہ کو منجھلی صاحبزادی قرار دیا ہے۔

نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے حضرت رقیہ کا پہلا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا[1]۔ جب آنحضرت صلعم شرفِ نبوت پر فائز ہوئے تو قریش کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی۔ قریش نے منجملہ اور تکلیف پہونچانے کے یہ صورت بھی اختیار کی کہ حضرت ابوالعاص سے کہا کہ تم زینبؓ بنت محمدؐ کو طلاق دے دو۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا[2]۔ جب قریش نے حضرت ابوالعاص سے یہ دندان شکن جواب سنا تو اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔ پھر عتبہ کے پاس گئے اُن سے بھی یہی کہا کہ تم رُقیہ بنت محمدؐ کو طلاق دے دو۔ اور قریش کی جس لڑکی سے کہو شادی کرا دیں عتبہ نے منظور کیا اور کہا کہ سعید ابن العاص کی لڑکی سے میرا نکاح کرا دو اس پر قریش بخوشی راضی ہو گئے، اور کیوں نہ ہوتے یہ تو اُن کا عین منشا تھا کہ جس طریقہ سے ہو رسول صلعم کو روحانی و جسمانی تکالیف پہونچائیں چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دیدی۔

لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم درجۂ نبوت پر فائز ہوئے اور سورۂ تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل (حمالۃ الحطب) نے کبیدہ خاطر ہو کر اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ اگر تم نے رقیہؓ بنت رسول اللہ کو طلاق نہ دی تو میری زندگی، اور تمہارے ساتھ میرا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ عتبہ نے بہ تعمیل حکم والدین حضرت رُقیّہ کو طلاق دے دی[3]۔

اس موقعہ پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ عتبہ سے صرف آپ کا عقد ہوا تھا۔ ہنوز رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں[4] آئی۔ اور یہ رسول اللہ صلعم کا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص انعام تھا۔

اسلام اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسلام لائیں اور بیعت اس وقت کی جب اور عورتوں نے آنحضرت صلعم سے

---

۱ طبقات صفحہ ۲۴، ۲ سیرۃ ابن ہشام ص ۲۸ و طبری ص ۱۳۴۶ جلد ۱ ۔ جزء ثالث،
۳ طبقات ص ۲۴ ۴ طبقات ص ۲۴، و اصابہ کتاب النساء رقیہ ۔

شرف بیعت حاصل کی[1]

حضرت عثمانؓ کا قبولِ اسلام اور حضرت رُقیہؓ سے عقد کا عجیب واقعہ

حضرت عثمان اپنے قبول اسلام اور شادی کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ" میں خانہ کعبہ کے صحن میں چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً کسی آدمی نے آکر مجھے یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا عقد عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا چونکہ حضرت رقیہ حسن وجمال اور اپنے قابل رشک اوصاف کے لحاظ سے امتیاز رکھتی تھیں اس لئے میرا رجحان خاطر انکی طرف تھا جب یہ خبر میرے گوش گذار ہوئی تو حسرت ویاس کی کالی گھٹائیں دل پر چھا گئیں ہاتھ پاؤں پھول گئے اپنی شومئی قسمت پر رنجیدہ ہوا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا تدبیر کروں جو مجھے منزلِ مقصود تک پہونچا دے۔

اس خبر سے میں ایسا مضطرب ہو گیا کہ اس جگہ نہ ٹھیرا اور گھر پہونچا۔ یہ نصیب کہ اتفاق سے گھر میں میری خالہ سعدیٰ تشریف رکھتی تھیں جو کہانت میں ماہر تھیں مجھے دیکھتے ہی بے ساختہ بولیں۔

" اَبْشِرْ وَ حُيِّيتَ ثَلَاثًا وِتْرًا	" (اے عثمان) تمھیں مژدہ ہو اور تم پر تین مرتبہ سلام پہونچے
" ثُمَّ ثَلَاثًا وَثَلَاثًا اُخْرٰی	پھر تین مرتبہ اور پھر تین مرتبہ۔ پھر ایک مرتبہ سلام
" ثُمَّ بِاُخْرٰی کَیْ تَتِمَّ عَشْرًا	پہونچے تاکہ دس پورے ہو جائیں۔ (خدا کرے)
" لَقِیتَ خَیْرًا وَوُقِیتَ شَرًّا	تم کو بھلائی نصیب ہو اور برائی سے بچائے جاؤ خدا کی
" اَنْکَحْتَ وَاللّٰهِ حِصَانًا زَاهِرًا	قسم تم نے ایک عفت مآب حسینہ وجمیلہ خاتون سے نکاح کیا
" وَاَنْتَ بِکْرٌ وَلَقِیتَ بِکْرًا	تم بھی ناکتخدا اور ناکتخدا ہی تم کو مل گئی۔ ایک بڑے عظیم القدر جلیل المرتبہ
" وَاَفَیْتَهَا بِنْتَ عَظِیمٍ قَدْرًا "	شخص کی بیٹی تم نے پائی "

مجھے اُن کی ایسی گفتگو سے سخت تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا خالہ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ فرمایا:

" عُثْمَانُ یَا عُثْمَانُ یَا عُثْمَانَ	عثمان اے عثمان اے عثمان، تم صاحب جمال ہو اور
لَکَ الْجَمَالُ وَلَکَ الشَّانَ	صاحب شان۔ یہ نبی صاحب برہان ہیں وہ رسول برحق
هٰذَا نَبِیٌّ مَعَهُ الْبُرْهَان	ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اُن پر فرقان
اَرْسَلَهُ بِحَقِّهِ الدَّیَّان	یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔ اُن کی اتباع کرو اور
وَجَاءَهُ التَّنْزِیلُ وَالْفُرْقَان	بتوں کے فریب میں نہ آؤ۔
فَاتَّبِعْهُ لَا یَغُرَّنْکَ الْاَوْثَانُ[2]	

میں اس مرتبہ بھی کچھ نہ سمجھا اور پھر میں نے کہا کہ ذرا تفصیل وتشریح کے ساتھ فرمائیے تو فرمایا۔

---

[1] طبقات ص ۲۴۔ [2] اصابہ ص ۶۲۵، ۶۲۹

"اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ عِنْدَ اللّٰهِ جَاءَ بِتَنْزِيْلِ اللّٰهِ يَدْعُوْا لَهٗ اِلَى اللّٰهِ مِصْبَاحُهٗ مِصْبَاحٌ وَدِيْنُهٗ فَلَاحٌ مَا يَنْفَعُ الصَّبَاحُ وَلَوْ وَقَعَ الذَّبَاحُ وَسُلَّتِ الصِّفَاحُ وَمُدَّتِ الرِّمَاحُ[1]

محمد بن عبداللہ جو خدا کے رسول اور قرآن لے کر آئے ہیں خدا کی طرف بلاتے ہیں ان کا چراغ دراصل چراغ ہے اس کا دین ذریعہ فلاح ہے قتل و قتال شروع ہوگا اور تلواریں کھینچ کے جائیں گی اور برچھیاں تن جائیں گی، اس وقت شور و غل کوئی نفع نہ دے گا۔

ان کی یہ گفتگو میرے دل پر مؤثر ہوئی اور میں اس کے مآل کار پر غور و فکر کرنے لگا حضرت ابوبکرؓ کے پاس میں اکثر بیٹھا کرتا تھا دو روز کے بعد میں ان کے پاس گیا اس وقت ان کے نزدیک کوئی شخص نہ تھا میں متفکر و پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے دریافت کیا کہ تم آج متفکر کیوں ہو، چونکہ وہ میرے رفیق تھے میں نے ان سے اپنی خالہ کی گفتگو کا ماحصل بیان کیا۔ فرمایا کہ اے عثمان تم ایک سمجھدار آدمی ہو اگر تم حق و باطل کی کوئی تمیز نہ کر و تو بیحد تعجب ہے، تمہاری قوم ان بتوں کی پرستش کرتی ہے۔ کیا یہ بت پتھر کے نہیں ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ نفع پہونچا سکتے ہیں نہ نقصان، میں نے کہا بے شک آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا اے عثمان بے شک خدا کی قسم تمہاری خالہ نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ محمدؐ بن عبداللہ خدا کے رسولؐ ہیں جنہیں خدا نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا ہے۔ پس کیا حرج ہے اگر تم ان کے پاس چلو اور جو کچھ وہ فرمائیں سنو، چنانچہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں گیا (ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس گفتگو کے بعد آں حضرت صلعم خود ہی وہاں تشریف لے آئے) آپؐ نے فرمایا اے عثمان خدائے تعالیٰ تم کو جنت کی طرف بلاتا ہے تم اس کو قبول کرو۔ میں خدا کا رسول ہوں جو تمہارے اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے۔

خدا ہی جانے آپ کے جملوں میں کیا اثر تھا کہ میں بے قابو ہو گیا اور میں نے بے اختیار اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهِ، کہا اور مسلمان ہو گیا[2]

اس واقعہ کے بعد مکہ میں حضرت رقیہ سے میرا عقد ہو گیا[3]

ہجرت: ۵ نبوت میں حضرت رقیہ نے اپنے شوہر حضرت عثمان کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی[4]

اسماء (ذات النطاقین) بنت ابی بکر سے منقول ہے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ غار میں تشریف رکھتے تھے اور میں غار میں کھانا لے کر جایا کرتی تھی ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلعم سے ہجرت کی اجازت طلب کی آپ نے حبشہ جانے کی اجازت دی اس لیے آپ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے کھانا لے کر گئی تو آنحضرتؐ نے استفسار فرمایا کہ عثمان اور رقیہ گئے یا نہیں میں نے عرض کیا کہ جی ہاں گئے آپ نے میرے والد ابوبکرؓ سے فرمایا: "لوط اور ابراہیم کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفار کی ایذا رسانی کے باعث مع اپنی بیوی کے وطن کو خیرباد کہہ کر ہجرت کی[5]"

---

[1] اصابہ ص ۶۲۸ و ص ۶۲۹۔ [2] ماخوذ از اصابہ ص ۶۲۹ [3] طبقات ص ۲۴، در المنثور ص ۲۰ [4] ایضاً
[5] اصابہ ص ۵۵ و طبقات ص ۲۴۔

حضرت رقیہؓ حبشہ سے مکہ واپس آئیں لیکن مکہ کی حالت پہلے سے زیادہ خراب تھی وہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا تو پھر حبشہ چلی گئیں۔

چونکہ وہاں ایک عرصہ تک قیام رہا آنحضرت صلعم کو اُن کی خیریت کے متعلق کوئی خبر نہ ملی اس لئے متفکر تھے کہ اتفاق سے ایک عورت حبشہ سے آئی۔ تو اُس سے آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کا حال دریافت فرمایا عورت نے کہا جی ہاں میں نے دونوں کو دیکھا ہے وہ خیریت سے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی جانب سے اطمینان ہوا تو فرمایا: "رَحِمَهُمَا اللّٰہ اِنَّ عُثْمَانَ مَنْ هَاجر بِاَهْلِه"[1] یعنی خدا ان دونوں پر رحم فرمائے۔

عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔ "با ھلہ" کے بعد صاحب اصابہ کہتے ہیں۔ یعنی "مِن هٰذه الاُمَّة" اس سے مراد یہ تھی کہ اُمت میں پہلے شخص ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی تاویل مناسب نہیں ہے کیونکہ پہلی روایت مذکور ہو چکی ہے۔ لوطؑ اور ابراہیمؑ کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر ہجرت کی۔

حبشہ میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مکہ کی طرف مراجعت کی اور بہت تھوڑے دن قیام کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے[2]

علالت و وفات مدینہ منورہ پہنچ کر ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کی صحت خراب ہو گئی۔ چیچک نکل آئی (صاحب تاریخ الخمیس صفحہ ۱۱۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ کے کنکری لگ گئی تھی جس سے وہ بیمار ہو گئیں) بہر حال وہ اس قدر بیمار ہوئیں کہ صاحب فراش ہو گئیں چونکہ یہی زمانہ جنگ بدر کا تھا اور آنحضرت صلعم جنگ کی تیاری میں مشغول تھے اس لیے آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو اُن کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا[3] اور آپ خود جنگ بدر میں تشریف لے گئے۔

رمضان المبارک کا زمانہ تھا۔ ہجرت کو ایک سال سات مہینے گذر چکے تھے کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا[4] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن[5] عین اس وقت جبکہ حضرت رقیہؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی زید بن حارث فتح مکہ کی خوشخبری لے کر مدینہ میں داخل ہوئے[6] اس لحاظ سے آپ کی وفات ۲ھ ہی میں ہوئی۔

اولاد حبشہ کے دوران قیام میں حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ تھا اور عبداللہ ہی کے نام سے حضرت عثمان کی کنیت ابو عبداللہ تھی[7]

اس ولادت سے قبل ہجرت اولیٰ میں حضرت رقیہؓ کا ایک حمل ساقط ہو چکا تھا[8]

عبداللہ کی ہنوز چھ سال کی عمر تھی کہ ایک مرغ نے اُن کی آنکھ میں چونچ مار دی جس سے تمام چہرہ ورم کر آیا۔ اور نظام جسم

---

[1] اصابہ ص ۵۸۲، ص ۵۸۳۔ [2] ایضاً۔ [3] طبقات ص ۲۴ و اصابہ ص ۵۸۳۔ [4] طبقات ص ۲۴۔ [5] ایضاً [6] اصابہ ص ۵۸۳

[7] اسد الغابہ ص ۴۵۶، [8] ایضاً۔

میں فساد پیدا ہوگیا آخر اسی صدمہ سے جمادی الاول سنہ ۲ھ میں انتقال ہوگیا[۱] آنحضرت صلعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان نے قبر میں اتارا[۲]۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی[۳]

عام حالات

ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری پر حضرت رقیہؓ کی وفات کا حال بیان کیا گیا۔ تو آپؐ نے صبر و شکر کے ساتھ فرمایا اَلْحَقِی بِسَلَفِنَا عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونؓ" عثمان بن مظعون پہلے جاچکے اب تم بھی اُن کے پاس چلی جاؤ۔ (عثمان بن مظعون ایک جلیل القدر اور متدر رکن ملت صحابی تھے مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ میں انتقال کیا تھا۔) آنحضرتؐ کے اس ارشاد پر تمام عورتیں حضرت رقیہؓ کو یاد کرکے رونے لگیں[۴] حضرت عمرؓ بھی آگئے تھے عورتوں کو روتا ہوا دیکھ کر تنبیہ و تہدید فرمانے لگے آنحضرت صلعم نے فرمایا ان لوگوں کو روتا ہوا چھوڑ دو کیونکہ جب رونے کا تعلق قلب اور آنکھ سے ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مبنی ہوتا ہے اور اگر ہاتھ اور زبان تک نوبت پہونچے تو شیطان کی تحریک سمجھنا چاہیئے[۵]

لوگوں نے آنحضرت صلعم سے حضرت رقیہؓ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دَفْنُ الْبَنَاتِ الْمَكْرُمَاتِ[۶]

یعنی سب تعریفیں خدا کی واسطے ہیں بزرگ بیٹیاں دفن کی گئیں۔

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت فاطمہؓ (حضرت رقیہؓ کی چھوٹی بہن) حضرت رقیہؓ کی قبر کے کنارے آنحضرت صلعم کے پہلوئے مبارک میں بیٹھ کر رونے لگیں تو آنحضرت صلعم اپنی چادر کے گوشوں سے اُن کے آنسو پونچھتے جاتے تھے[۷]

محمدؐ بن سعد کہتے ہیں کہ اسی روایت کا ذکر میں نے محمد بن عمر سے کیا تو انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت رقیہؓ کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم جنگ بدر میں تشریف رکھتے تھے۔ بوقت دفن شریک نہ تھے۔ پس گمان غالب یہی ہے کہ یہ روایت کسی دوسری صاحب زادی کے بارے میں ہوگی جن کے دفن میں آپ شریک ہوں گے راوی کو غلط فہمی ہوئی اور اگر کوئی مغالطہ نہیں ہوا تو یہ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم بدر سے مراجعت فرماکر قبر پر تشریف لے گئے ہوں اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

حسن و جمال

حضرت رقیہؓ بہت خوب صورت اور موزوں اندام تھیں درالمنثور میں لکھا ہے[۹] کہ "کانت ذات جمال بارع" یعنی وہ بہت حسینہ وجمیلہ خاتون تھیں۔ حبشہ کا ایک گروہ آپ کے حسن و جمال سے تعجب کرتا تھا، اس گروہ نے آپ کو بہت اذیتیں پہونچائیں۔ آپ نے اُن لوگوں کے لیے بددعا کی اور وہ سب لوگ ہلاک ہوگئے[۱۰]

حضرت عثمانؓ اپنی ہمدم، غمگسار، بیوی کے انتقال سے بہت مغموم و محزون رہنے لگے ان دونوں میں خاصی محبت تھی

" احسن الزوجین راٰهما الانسان رُقَيّة وَزَوْجَهَا عُثْمَان "

یہ مقولہ اُن کی شان محبت میں بولا جاتا تھا جو عرب میں اب بطور ضرب المثل کے استعمال کیا جاتا ہے[۱۱]

---

۱ اسد الغابہ ص۴۵۶ ، ۲ ایضاً ، ۳ طبقات ص۲۲ ۔ ۴ طبقات ص۵۸۲ ۔ ۵ طبقات ص۲۴ و اصابہ ص۵۸۲ ۶ ایضاً ۔
۷ استیعاب ص۷۴۹ ۔ ۸ طبقات ص۲۴ و ۲۵ و اصابہ ص۵۸۲ ۹ درالمنثور ص۲۰۷ ۱۰ ایضاً ۔ ۱۱ اصابہ ص۶۲۹ ۔

حضرت اُمّ کلثوم

نام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی کا نام اُم کلثوم ؓ ہے آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ ؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی تھیں۔

زبیر ؓ کہتے ہیں اُمّ کلثوم حضرت رُقیہ رضؓ اور حضرت فاطمہ ؓ سے بڑی تھیں۔ دیگر ارباب سیر نے زبیر ؓ کے اس قول کی مخالفت کی ہے لیکن صحیح اور قابلِ وثوق یہی ہے کہ حضرت رقیہ رضؓ سے چھوٹی تھیں اس لئے کہ جب حضرت رُقیہ ؓ کا انتقال ہو گیا تو رسول اکرم ؐ نے حضرت اُمّ کلثوم رضؓ کو حضرت عثمان ؓ سے بیاہ دیا[1]

اگر حضرت ام کلثوم حضرت رقیہ سے بڑی ہوتیں تو بالضرور پہلے حضرت ام کلثوم ؓ کا عقد حضرت عثمان ؓ سے ہوتا نہ کہ حضرت رقیہ کا۔ غالباً ارباب سیر نے زبیر کے قول کی تردید اسی قول پر کی ہوگی۔

ولادت آپؐ کا سالِ ولادت کسی کتب تواریخ و سیر میں مذکور نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ چھ سال قبل بعثت ولادت ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ حضرت رقیہ رضؓ کی ولادت سات سال قبل بعثت ہوئی اور حضرت فاطمہ رضؓ کی ولادت پانچ سال قبل ہے۔ اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ حضرت رقیہ سے حضرت ام کلثوم ؓ چھوٹی اور حضرت فاطمہ ؓ سے بڑی ہیں تو لامحالہ ان دونوں کی ولادت کے درمیان کا زمانہ اُن کی ولادت کے لیے تسلیم کرنا پڑے گا۔

آپ کے حالات طفولیت بھی کتب تواریخ و سیر میں مذکور نہیں اور حقیقتہً یہ ہے کہ وہ ایسا پُر آشوب زمانہ تھا کہ معمولی حالات کا تاریخ میں رہ جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔ اس لئے آپ کے زمانۂ شادی کا حال لکھا جاتا ہے۔

نکاح آنحضرت صلعم نے حضرت رُقیہ رضؓ کا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے اور حضرت اُمّ کلثوم رضؓ کا عقد ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے قبل بعثت کر دیا تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلعم مرتبہ و رسالت پر فائز ہوئے اور سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابو لہب نے اپنے ہر ایک بیٹے کو مخاطب کر کے کہا راسی من راسک حرام ان لم تطلق ابنتہ ؐ "یعنی میری زندگی اور میرا اٹھنا بیٹھنا تم لوگوں میں حرام ہے اگر تم نے اُس کی (رسول صلعم) بیٹی کو طلاق نہ دیا۔ (جیسا کہ حضرت رقیہ ؓ کے طلاق کا واقعہ اُن کے بیان میں لکھا جا چکا ہے) (اسی طرح) عتیبہ نے بھی اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ام کلثوم رضؓ کو طلاق دے دی اس لحاظ سے اب دونوں کی طلاق کا زمانہ اور سبب ایک ہی ہوا۔ لیکن ان دونوں بہنوں کی رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں آئی۔ اور یہ خدا کا مخصوص انعام و اکرام تھا جو قبل رخصتی کے ایسا واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت رقیہ کا عقد حضرت عثمان سے ہو گیا تھا جیسا کہ اُن کے بیان میں ذکر ہو چکا۔

جب سنہ ۲ھ میں حضرت رقیہ ؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمان ؓ اُس جانکاہ صدمہ سے بہت زیادہ مغموم و محزون رہنے لگے، آنحضرت صلعم نے اُن کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اے عثمان میں تم کو غم و الم میں مبتلا پاتا ہوں، اس کا کیا سبب ہے حضرت عثمان

---

[1] طبقات صہ ۲۵ ۔ [2] ایضاً صہ ۲۵۔

نے عرض کیا: حضرت رسول صلعم غمگین و پریشان نہ ہوں تو کیا کروں مجھ پر وہ مصیبت پڑی جو کبھی کسی پر نہ پڑی ہوں گی حضورؐ کی صاحب زادی کا انتقال ہو گیا اُن کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی حضور سے جو رشتہ قرابت وابستہ تھا منقطع ہو گیا اب کیا چارہ ہے۔ ابھی اُن کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی اُمّ کلثوم کو اُسی مہر پر جو رقیہ کا تھا تمہارے عقد میں دوں[1]

چنانچہ آنحضرت صلعم نے ربیع الاوّل ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمان سے کر دیا۔[2]

رخصتی: نکاح کے دو مہینے بعد جمادی الآخر ۳ھ میں رخصتی عمل میں آئی[3]

اسلام: حضرت ام کلثومؓ اپنی والدہ کرمہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسلام لائیں[4]۔ اور اپنی بہنوں کے ساتھ بیعت اس وقت کی، جب اور عورتیں آنحضرت صلعم کی شرف بیعت سے بہرہ اندوز ہوئیں[5]

ہجرت | آنحضرت صلعم جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما کر تشریف لے گئے، تو اہل وعیال مکہ ہی میں مقیم رہے۔ لیکن جب مکہ کی حالت زیادہ نازک اور خطرناک ہو گئی تو حضرت سودہؓ اور حضرت فاطمہؓ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگیں تو حضرت اُمّ کلثوم بھی اُن کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں[6]

اولاد: آپ کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی[7]

وفات: وفات تک مدینہ میں قیام رہا۔ شادی کے پانچ سال گذرنے کے بعد شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا[8]۔ انصار کی عورتوں نے آپ کو غسل دیا اس میں اُمّ عطیہؓ بھی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت ابوطلحہؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت فضلؓ بن عباس و اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اُتارا[9]

عام حالات: انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُمّ کلثومؓ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے[10]

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت عثمان سے کہا تم میری بیٹی حفصہ سے عقد کر لو لیکن حضرت عثمانؓ نے ٹال کیا اور کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ وہ سُن چکے تھے کہ آنحضرت صلعم حضرت حفصہؓ سے عقد کرنے کا خیال فرماتے ہیں پھر جب رسول اکرم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کیا میں حفصہؓ کے لئے عثمانؓ سے بہتر شوہر اور عثمانؓ کے لیے حفصہؓ سے بہتر زوجہ تلاش کر دوں پھر آپ نے حضرت حفصہؓ کو اپنے دائرۂ ازدواج میں شرف بخشا، اور حضرت عثمانؓ کا عقد حضرت اُمّ کلثوم سے کر دیا[11]

---

[1] اسدالغابہ صہ ۶۱۲، صہ ۶۱۳۔ [2] طبقات صہ ۲۵۔ [3] ایضاً

[4] ایضاً۔ [5] طبقات صہ ۲۵ [6] ایضاً۔ [7] ایضاً۔ [8] ایضاً و اسدالغابہ صہ ۶۱۲۔ [9] ایضاً۔

[10] استیعاب صہ ۷۹۳۔ [11] طبقات صہ ۲۵

حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں ہوتیں تو ہر ایک لڑکی عثمانؓ ہی کے رشتۂ تزویج میں منسلک کرتا۔[1]

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں تو میں عثمانؓ کے عقد میں دیتا۔[2]

حضرت فاطمہؓ

نام آنحضرت سرورِ کائنات امام البشر خاتم المرسلینؐ کی چھوٹی صاحبزادی کا نام فاطمہؓ اور کنیت ام محمدؐ ہے۔ جن پر تمام مکارم اخلاق وفضائل اوصاف ختم تھے آپؐ کی والدہ معظمہ بھی حضرت خدیجہ بنت خویلد تھیں۔

لقب: آپ سیدۃ النساء عالم اور سردار نساء اہل جنت ہیں۔ آپ کے القاب، زہرا، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ، بتول، ہیں[3]

شیخ ابن حجر فاطمہ، بتول اور زہرا کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا نام فاطمہؓ اس وجہ سے ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے دوست رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا۔

بتول کا لقب اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنے زمانہ کی عورتوں سے فضل و دین اور حسب میں ممتاز تھیں۔ اور زہرا لقب اس وجہ سے تھا کہ آپ کو حیض نہیں آتا تھا[4]

صاحب اخبار الدول زہرا کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ پیدا ہوئے تو مابین عصر و مغرب کا وقت تھا اسی وقت آپ نفاس سے پاک ہوئیں اور غسل کر کے مغرب کی نماز ادا فرمائی اسی واسطے زہرا لقب ہوا۔

مولانا حضرت شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ میں بہجت، زہرت، جمال و کمال بہت زیادہ تھا۔ اس مناسبت سے زہرا لقب قرار پایا۔

علامہ قسطلانیؒ مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ فطم کے معنی لغت میں بچہ کو دودھ پینے سے روکنے کے ہیں، تو گویا حضرت فاطمہ سیدۂ عالم لوگوں کو دوزخ کی آگ سے روکنے والی ہیں۔

اور بتول مشتق ہے بتل سے جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ منتہی الارب میں لکھا ہے کہ بتول بروزن صبور عورت دوشیزہ کو کہتے ہیں۔ جو دنیا اور ماسوائے اللہ سے علیحدہ ہو۔ حضرت مریم والدۂ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی بتول تھا۔

بچپن ہی سے حضرت فاطمہ کی طبیعت میں بہت زیادہ متانت، سادگی اور سنجیدگی تھی۔ آپ کی اور بہنیں لہو ولعب میں مشغول رہتیں لیکن آپ کا دل کھیل کود میں نہیں لگتا تھا۔ وہ بہنیں اپنے قبیلہ کے اکثر گھرانوں میں چلی جایا کرتی تھیں لیکن آپ کہیں آنا جانا

---

۱ طبقات صـ ۲۵ ۔ ۲ تاریخ الخمیس صـ ۳۰۲ ۔ ۳ اصابہ صـ ۳۷۸ ۔

۴ منح شرح قصیدہ ہمزیہ صـ ۲۶۵ و صـ ۲۲۱ سے ماخوذ۔

پسند نہیں فرماتی تھیں ہمیشہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ آپ کی یہ سادگی اور استغنا آنحضرت صلعم کو بہت پسند تھا۔ اسی وجہ سے آپ بتول (تارک الدنیا) کے لقب سے یاد فرمائی جاتی تھیں۔

چونکہ آپ آں حضرت صلعم سے صورت، وسیرت، انداز، ادا، گفتار، رفتار، چلنے پھرنے اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے میں مشابہ تھیں اس لحاظ سے آپ کا لقب زاکیہ، راضیہ بھی ہوا۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ اور یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ اہلِ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے[1]۔

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ کی ولادت اس وقت ہوئی جبکہ خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور اُس وقت آنحضرت صلعم کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی[2] اور آپؓ حضرت عائشہ سے پانچ سال بڑی تھیں[3]۔

نکاح: جس وقت آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اُس وقت حضرت فاطمہؓ ناکتخدا تھیں لوگوں نے پیغام دیئے اُن میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ سے عقد کرنے کی استدعا کی آپ نے فرمایا:

"حکم الٰہی کا انتظار کرو[4]"

اس کا ذکر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کیا اور اُن کو بھی ترغیب دی کہ تم اپنے لئے پیغام دو چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنی استدعا پیش کی اور وہی جواب پایا جو حضرت ابوبکرؓ کو ملا تھا۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لوگوں نے آمادہ کیا لیکن آپ کو اپنی بے سروسامانی پر تامل ہوا اور یہ بھی خیال آیا کہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد میرے لیے کیا گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب لوگوں نے اس امر پر زیادہ مجبور کیا اور آنحضرت صلعم کی قرابت کا استحقاق یاد دلایا تو آپ نے آنحضرت صلعم سے بطریقِ پیغام عرض کیا رسول صلعم نے یہ استدعا قبول فرمائی اور حضرت فاطمہ سے ذکر کیا کہ علیؓ کا رجحان خاطر تمہاری طرف ہے آپ خاموش ہو رہیں۔ چونکہ اس خاموشی سے ایک طرح کی رضامندی معلوم ہوئی اس لئے آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شادی کے چار مہینے بعد اوائل محرم ۲ھ میں حضرت علیؓ سے عقد کر دیا[5]۔

حضرت علیؓ نے شادی کے وقت اپنا اونٹ اور بعض اسباب فروخت کر ڈالا تھا جس کی کل قیمت چار سو اسی ۴۸۰ درہم تک پہونچتی ہے۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا۔ دو ثلث خوشبویات میں صرف کرو اور ایک ثلث متاع[6] میں (یعنی سامان خورد و نوش اور دیگر جملہ ضروریات خانگی) کے[7]۔

---

[1] طبقات ص۱۱، [2] اصابہ ص۱۵۷، [3] اصابہ ص۱۵۷، [4] طبقات ص۱۱، [5] اصابہ ص۱۵۷، [6] طبقات ص۱۱۔

[7] صاحب مصنف سیر الصحابیات صفحہ ۹ حضرت فاطمہؓ کے عقد کے بیان میں لکھتے ہیں: "ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی آپؐ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی اُن کو بھی آپؐ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ پھر مصنف صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

شادی کا حال حضرت علیؓ کی زبانِ قلم سے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی شادی کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ "میرے پاس ایک لونڈی تھی جس کو میں آزاد کر چکا تھا اُس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت فاطمہ کا کسی نے پیغام دیا؟ میں نے کہا معلوم نہیں، پھر اُس نے کہا کہ آپ پیغام دیجئے آپ کو کون سا امر مانع ہے میں نے کہا کس بنا پر پیغام دینے کی جرأت کروں، میرے پاس کوئی چیز نہیں جس سے میں عقد کروں اُس نے مکرر کہا کہ نہیں آپ آنحضرت صلعم کے پاس جائیے چنانچہ میں اس کے اصرار سے حضور صلعم کی بارگاہ میں گیا لیکن آں حضرتؐ کی جلالت و ہیبت کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور میں خاموش بیٹھا رہا مجھ میں بالکل طاقت نہ تھی کہ کچھ گفتگو کرتا لیکن حضورؐ ہی نے توجہ فرما کر دریافت فرمایا کہ کیا فاطمہؓ کے پیغام کے لیے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز مہر ادا کرنے کے لئے بھی ہے عرض کیا نہیں، فرمایا وہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تم کو دی تھی۔ وہ وہی مہر میں دے دو۔ اُس زرہ کی قیمت چار سو درہم سے زائد نہ تھی۔ نکاح ہوا اور وہ زرہ بالعوض مہر دے دی[1]"

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ انصار کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت فاطمہ کے پیغام دینے کی ترغیب دی چنانچہ آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں گئے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو آپ نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ سے عقد کی خواہش ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا: "اھلاً و مرحبا" ان دو کلموں سے زیادہ آپؐ نے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ حضرت علیؓ واپس آئے۔ انصار کی جماعت جو کہ منتظر تھی مستفسر ہوئی کہ حضور نے کیا ارشاد فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلعم نے مجھ سے اہلاً و مرحبا کے سوا اور کچھ نہ فرمایا۔ ان لوگوں نے کہا رسول صلعم کا اہلاً و مرحبا ہی فرمانا کافی ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں۔ لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔"

معلوم نہیں ہوتا صاحب موصوف ابن سعد سے بالخصوص اس روایت سے کیوں اس قدر بدظن ہیں اور صرف حافظ ابن حجر کی نظر انداز کر دینے پر اس روایت کو غیر صحیح ماننے کی کیا وجہ ہے صاحب مصنف نے محض ذاتی رائے سے کام لیا کوئی قوی دلیل پیش نہیں کی اور نہ کسی قسم کا محاکمہ کیا۔ ضعف روایت کے دو ہی سبب ہوتے ہیں یا تو اسناد میں کلام ہو یا درایتاً کوئی نقص ہو بغیر اس کے کہ صاحب موصوف اس اصول سے بحث کرتے اور کسی قسم کے اسباب تبلاتے صرف یہ کہہ کر "بظاہر یہ روایت صحیح نہیں" عہدہ برآ کیسے ہو سکتے ہیں اس روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اس پیغام دینے سے نہ اخلاق پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہے اور نہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم یا آپ کی صاحبزادی کی اس میں کسرِ شان ہے، متعدد اصحاب کا پیغام دینا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پھر آنحضرت صلعم سے شرف انتساب حاصل کرنے کی کس کو آرزو نہ ہوگی چہ جائیکہ حضرت ابوبکرؓ جیسے یارِ غار، اور حضرت عمرؓ جیسے حامیانِ اسلام۔ بہرحال صرف حافظ ابن حجر کا اپنی کتاب میں نہ لکھنا اس روایت کی عدمِ صحت کے لیے کافی ثبوت نہیں ہے۔

[1] اسد الغابہ صفحہ ۵۲۰، صفحہ ۵۲۱۔

جب نکاح سے فراغت ہو گئی تو آں حضور رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ شادی کے لیے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد نے کہا میرے پاس ایک بھیڑ ہے اس سے ولیمہ کر دیا جائے اور اسی طرح سے انصار کے ایک قبیلے نے حسب استطاعت ولیمہ کا انتظام کیا[1]۔

رخصتی : حضرت علیؓ نے ایک چھوٹا سا مکان رسول صلعم کے مکان سے کسی قدر فاصلہ پر کرایہ پر لے لیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اپنی لونڈی ام ایمن کے ہمراہ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے گھر رخصت کر دیا۔ رخصتی کے وقت حضرت علیؓ سے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک تم مجھ سے نہ مل لو کوئی بات (فاطمہ سے) نہ کرنا۔ پھر آنحضرت صلعم حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے پانی طلب کیا اس سے وضو کیا اور حضرت علی پر وہ پانی ڈال دیا اور یہ دعا پڑھی " اللھم بارک فیہما و بارک علیہما و بارک لہما فی نسلہما[2]"

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب دین و دنیا کے بادشاہ کی معزز بیٹی رخصت ہو کر خسرال جانے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جب تک میں تمہارے پاس نہ آؤں تم فاطمہ کے پاس نہ جانا۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ دونوں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ پھر آنحضرت تشریف لائے آپ نے دروازہ کھلوایا۔ ام ایمن دروازہ کھولنے آئیں تو یہ گفتگو ہوئی ۔

آنحضرت صلعم " کیا میرا بھائی بھی اس مکان میں ہے ۔"

اُم ایمن " آپ کے بھائی کیسے ہوئے حالانکہ آپ نے اپنی صاحبزادی کا عقد اُن سے کیا ہے ۔"

آنحضرت صلعم " ہاں وہ ایسا ہی ہے (پھر آپ نے دریافت کیا) کیا اس جگہ اسما بنت عمیس بھی ہیں اور کیا تم بنت رسول اللہ کی تعظیم و تکریم کے لیے آئی ہو ۔"

اُم ایمن " جی ہاں اسماء بنت عمیس بھی ہیں اور میں بنت رسول اللہ کی تعظیم و تکریم کے لیے آئی ہوں ۔"

آپؐ نے ام ایمن کو دعائے خیر سے سرفراز فرمایا پھر پانی طلب کیا۔ پیالہ یا اور کسی برتن میں پانی پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس برتن میں ہاتھ دھوئے[3] اور حضرت علیؓ کو بلا کر اُن کے دونوں شانوں اور بازوؤں اور سینہ پر وہ پانی چھڑک دیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا تو وہ شرم و حیا سے جھجکتی ہوئی آنحضرتؐ کے پاس آئیں آپؐ نے اُن پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا اے فاطمہؓ میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے[4]۔

مہر : حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیغام دینے کا ارادہ کیا تو میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ مہر ادا کرتا اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم مہر کیا دو گے میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے پھر آپ نے فرمایا کہ وہ

---

[1] طبقات صہ ۱۳ ، [2] ایضاً و اسد الغابہ صہ ۵۲۱ و اصابہ صہ ۲۷۰ ، [3] طبقات صہ ۱۵ ۔
[4] طبقات صہ ۱۵ ۔

زرہ حطمی کہاں ہے جو میں نے تم کو جنگ بدر کے بعد دی تھی۔ عرض کیا وہ میرے پاس ہے۔ فرمایا بس وہی مہر میں دے دو۔ چنانچہ میں نے وہی زرہ حضرت فاطمہ کے مہر میں دے دی۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ اُس زرہ کی قیمت صرف چار درہم تھی[۱]

حضرت فاطمہؓ کے مہر کے بارے میں ارباب سیر کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس اُس وقت زر مال کچھ نہ تھا صرف ایک زرہ تھی وہ مہر قرار دی گئی۔ بعض کہتے ہیں چار سو اسی درہم کا مہر قرار پایا جس کا ثلث حصہ رسول اللہ صلعم نے خوشبویات میں صرف کرنے کا حکم دیا بعض کا گمان ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت صلعم کے حکم سے قبل رخصتی وہی زرہ بعوض مہر حضرت فاطمہ کے روبرو پیش کی[۲]

سامان جہیز: حضور سرورِ عالم نے اپنی صاحبزادی سیدۂ عالم حضرت فاطمہ کو مندرجہ ذیل جہیز دیا[۳] نقشی تخت، تکیہ، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی ایبالہ، کپڑا، چکیاں، مشکیزہ، گھڑے۔

اولاد: حضرت فاطمہؓ کے دو لڑکے امام حسنؓ، امام حسینؓ اور دو لڑکیاں ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں[۴] جو اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے عظیم الشان ہیرو ہیں۔

آں حضرت صلعم کو ان سب سے بہت محبت تھی آپ کی سب صاحبزادیوں میں یہ شرف صرف حضرت فاطمہؓ ہی کو حاصل ہوا کہ اُن سے آپ کی نسل چلی[۵]

اور دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محسن اور رقیہ بھی آپ کی یادگار صالحات سے ہیں لیکن بچپن ہی میں رحلت فرما گئے[۶]

فضائل و مناقب

حضرت فاطمہؓ کے فضائل و مناقب بیشمار ہیں منجملہ اُن کے اہل بیت میں اگرچہ بہت سے بزرگ داخل ہیں لیکن ان سب میں زیادہ قابلِ عظمت سیدۂ عالم حضرت فاطمہؓ کا وجود گرامی ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۝ کا نزول حضرت فاطمہؓ کے فضائل مناقب پر خاص طور سے دال ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی نعیم بروایت ابی سعید الخدری لکھتے ہیں:

آنحضرت صلعم نے فرمایا " سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ[۷] یعنی فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں "

ایک دفعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے پھر لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ واقف ہے، آپ نے فرمایا فاطمہ بنت محمد۔ خدیجہ بنت خویلد۔ مریم بنت عمران۔ آسیہ بنت مزاحم۔ (عورت فرعون کی) ان لوگوں کو جنت کی عورتوں پر سب سے زیادہ فضیلت ہے[۸]

---

[۱] طبقات صـ۱۲، [۲] استیعاب صـ۷۷، [۳] طبقات صـ۱۴، صـ۱۶ [۴] استیعاب صـ۷۷، [۵] اسد الغابہ صـ۲،
[۶] زرقانی صـ۱۳۳ ج ۳۔ [۷] استیعاب صـ۷۷ و صـ۷۷۔ [۸] استیعاب صـ۷۷ و صـ۷۷ ۔

خدائے تعالیٰ نے طبقۂ نسواں میں حضرت فاطمہؓ کی ذات مبارک میں جو مناقب و دیعت کئے ہیں اُن کی نظیر سے صفحاتِ تاریخ معلوم ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث حضرت فاطمہؓ کے فضائل کے لیے ایک بہترین شاہد ہے۔ کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران وخدیجۃ بنت خویلد و فاطمۃ بنت محمد وآسیۃ امرأۃ فرعون[1] یعنی تمہاری تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم، خدیجہ، فاطمہ، آسیہ کافی ہیں۔

صداقت و راست گوئی میں بھی حضرت فاطمہؓ کی کوئی نظیر نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ما رأیتُ احداً کان اصدق لھجۃ من فاطمۃ الا ان یکون الذی والدھا صلعم۔ میں نے فاطمہ سے بڑھ کر راست گو کسی کو نہیں دیکھا لیکن اُن کے والد آنحضرت صلعم اللہ مستثنیٰ ہیں[2]۔

حضرت رسول صلعم جب کسی سفر سے مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لاتے[3]۔ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ جس قدر آنحضرت صلعم کو محبت تھی اتنی اور کسی اولاد کے ساتھ نہ تھی، حالانکہ آپ کی بعض بہنیں آپ سے زیادہ تیز، فہیم اور خوب صورت تھیں لیکن آنحضرت صلعم کو حضرت فاطمہ بہت محبوب تھیں[4]۔

حضرت فاطمہؓ اگرچہ رسول صلعم کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن انہوں نے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا[5]۔

حضرت فاطمہؓ کے منجملہ اور فضائل کے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن ایک ندائے غیبی ہوگی کہ یا اھل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمۃ بنت محمد حتی تمر[6] اے لوگو! تم اپنی آنکھیں بند کر لو تاکہ حضرت فاطمہؓ گذر جائیں۔

رسول صلعم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تمہارے غیظ و غضب سے وہ غضبناک ہوتا ہے[7]۔

آنحضرت صلعم جب کسی سفر یا جنگ سے مراجعت فرماتے تو پہلے مسجد میں تشریف لےجاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے پھر دیگر ازواج مطہرات کے پاس[8]۔

ایک تابعی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ صلعم سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا عورتوں میں فاطمہ کو اور مردوں میں اُن کے شوہر علیؓ کو[9]۔

حضرت فاطمہؓ ہمیشہ سے اپنے ہر ایک انداز کھانے پینے، بول چال لباس وغیرہ غرض ہر ایک امر میں رسول صلعم کی پوری تقلید کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہؓ سے زیادہ نشست و برخاست، عادت و خصائل، طرز و گفتگو، لب و لہجہ میں آنحضرتؐ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔

---

[1] ترمذی کتاب المناقب۔ [2] استیعاب ص ۷۵۱ ج ۲۔ [3] اسد الغابہ ص ۵۲۳۔ [4] ایضاً ص ۵۲۵۔ [5] سنن ابو داؤد۔ [6] اسد الغابہ ص ۵۲۳۔ [7] ایضاً ص ۵۲۲ و اصابہ ص ۱۹۸۔ [8] استیعاب ص ۷۵۰۔ [9] ایضاً ص ۷۷۲۔

حضرت فاطمہؓ جب اپنے باپ کے پاس آتیں تو آنحضرت صلعم کھڑے ہو جاتے اور پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھا لیتے اور یہی طریقہ عمل حضرت فاطمہؓ کا بھی تھا[1]

اُمّ سلمہ کہتی ہیں کہ رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ رسول صلعم کا فاطمہؓ ہیں۔ یہی اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے آنحضرت صلعم اُن سے زیادہ محبت رکھتے تھے، حضرت فاطمہؓ کا حلیہ مبارک بھی آنحضرتؐ سے بہت ملتا جلتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میری آنکھوں نے رسول اللہ صلعم کے بعد فاطمہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا[2]

عام حالات : لڑکی خواہ امیر کی ہو یا فقیر کی سن شعور تک تو وہ اپنے شفیق والدین کی گود میں پرورش پاتی ہے اور فطرتاً ایک گونہ اپنے والدین، بہن بھائی اور اُس گھر سے جہاں اپنی عمر کا ایک بہترین حصہ گذار چکی ہے، محبت و ہمدردی ہو جاتی ہے لیکن پھر وہ وقت جلد آجاتا ہے جہاں اُس کو ایک نئی دنیا اور نئی زندگی اور نئے لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اپنے شفیق والدین سے مفارقت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ والدین باتباع شریعت لڑکی کا ہاتھ ایک اجنبی مرد کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور اپنے فرض منصبی سے دست بردار ہو جاتے ہیں وہ وقت لڑکی کے لیے ایک دردناک وقت ہوتا ہے۔

رخصتی کے وقت لڑکی کا گھر بجائے عشرت کدہ کے ماتم کدہ بن جاتا ہے لڑکی تقاضائے دل سے مجبور ہو کر گردن جھکائے زار و قطار روتی رہتی ہے۔

چنانچہ حضرت فاطمہ سیدۃ النساءؓ کا جب عقد ہوا تو آپ بھی بخیال مفارقت رو رہی تھیں۔ اسی عرصہ میں سرورِ کائنات نبی صلعم مکان کے اندر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ کو اس عالم (اشکباری) میں دیکھا تو فرمایا اے بیٹی فاطمہ! یہ رونا کیسا میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی ہے، جو علم و حلم میں سب سے افضل اور اسلام لانے میں سب سے اوّل ہے[3]۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی آنحضرت صلعم عیادت کو تشریف لائے آپؐ نے فرمایا "بیٹی تم کیسی ہو"۔ جواب دیا مجھے تکلیف ہے لیکن اُس تکلیف میں مزید اضافہ یہ ہے کہ میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔

آپؐ نے فرمایا "بیٹی کیا تم کو پسند نہیں ہے کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو"۔ انہوں نے عرض کیا کہ "مریمؑ بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے"؟ آپؐ نے فرمایا "وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں تم اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہو؟ اور خدا کی قسم میں نے تمہاری شادی دنیا اور دین کے سردار سے کی ہے[4]"

آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابوایوب انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ جب حضرت فاطمہؓ کا عقد ہوا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم کوئی مکان کرایہ پر لے لو چنانچہ ایک مکان آنحضرت صلعم کے قیام گاہ سے کسی قدر فاصلہ پر لے لیا اور اُسی مکان میں رخصت کرا کے لے گئے۔ رخصتی کے بعد آنحضرت صلعم حضرت زینبؓ کے یہاں تشریف لے گئے

۱؎ استیعاب ص ۷۷۲ و ابوداؤد بروایت حضرت عائشہؓ ۱۲ ۔ ۲؎ اصابہ ص ۷۲۶ ۔ ۳؎ اسد الغابہ ص ۵۲۰ ۔ ۴؎ استیعاب ص ۷۷۱ ۔

اثنائے گفتگو میں آپؐ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو اپنے قریب بلا لوں۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ آپ حارث بن نعمان سے فرمایئے وہ کوئی مکان آپ کے قریب دے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا بیٹی حارث بن نعمان سے یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے اتفاق سے یہ خبر حارث کو پہنچی تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی صاحبہ کو اپنے قریب کے مکان میں منتقل کرانا چاہتے ہیں لہٰذا میرے مکانات موجود ہیں حضرت فاطمہ کو بلا لیجئے۔ میرا جان و مال اللہ اور اُس کے رسول کے لئے قربان ہے اور بخدا جو چیز آپ مجھ سے لیں گے مجھے اُس کا آپ کے پاس رہنا میرے پاس کے رہنے سے زیادہ محبوب ہوگا۔ رسولؐ نے فرمایا تم نے سچ کہا خدا تم کو برکت دے اور اپنی رحمت تم پہ نازل کرے، پھر حضرت فاطمہ کو حارث کے مکان میں منتقل کرا لیا[1]

حضرت فاطمہؓ نہایت متقی، پرہیزگار، دیندار خاتون تھیں اُن کی زندگی کا تمام تر حصہ زہد و قناعت پر گذرا، صبر و تحمل اور زہد و ورع اور شرم و حیا کی آپ بہترین مثال ہیں دنیاوی تکالیف و مصائب کا آپ کو ذرا بھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی جس عسرت و تنگدستی میں بسر ہوئی اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے گھر کا تمام کام خود کرتی تھیں۔ روزانہ کی محنت و جانفشانی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے، پانی کی مشک سے کمر و سینہ میں نشان بن گئے تھے اور گھر میں جھاڑو دینے اور چولھے کے پاس بیٹھ کر چولھا پھونکنے سے کپڑے میلے و کثیف ہو جاتے تھے۔

فتوحات کی کثرت تھی مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹ رہے تھے لیکن کوئی سوال کرے کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کا کوئی اس میں حصہ تھا تو اس کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بایں ہمہ جب آنحضرت صلعم سے یہ تکلیف دہ حالت عرض کرکے لونڈی کی استدعا کی جاتی تو آپ دوسرے طریقہ سے تسکین و تشفی، وعظ و نصیحت کر دیتے، کبھی کوئی وظیفہ بتا دیتے اور کبھی دنیا کی بے ثباتی کا حال بیان فرما دیتے، کبھی صاف انکار کرکے فرما دیتے کہ یہ فقرأ و یتامیٰ کا حق ہے۔

ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ حقیقتاً چکی پیسنے کے نشان حضرت سیدۃ النساء فاطمہؓ کے ہاتھوں میں پڑ گئے تھے اور چولھا پھونکنے سے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا تھا لیکن یہ قدرت نہ تھی کہ ایک کنیز رکھ سکیں ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب تو پانی بھرتے بھرتے سینہ درد کرنے لگا، آج کل دربارِ نبوت میں بہت سے قیدی آئے ہیں تم جاؤ اور ایک خادم آنحضرت صلعم سے مانگو۔ حضرت فاطمہ نے کہا میں اپنا حال کس سے کہوں میرا خود یہ حال ہے کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے، پھر آپ اپنے والد بزرگوار رسول صلعم کی خدمت میں گئیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کیا حال ہے کیسے آئیں کیا کوئی کام ہے آپ نے عرض کیا کوئی کام نہیں صرف سلام کے لئے حاضر ہوئی۔ حضرت فاطمہ مراسم آداب و سلام بجا لا کر اپنے گھر واپس آئیں جن باتوں کے اظہار کی ضرورت تھی اور جس گذارش کے لیے گئی تھیں شرم کے مارے اُس کا اظہار نہ کیا جب گھر واپس آئیں تو حضرت علیؓ نے کہا تم جس کام کو گئی تھیں کیا کر کے آئیں آپ نے کہا میں سلام کرکے چلی آئی۔ میری شرم و حیا نے اجازت

---

[1] طبقات صفحہ ۱۴ و اصابہ صفحہ ۲۶۔

ندی کر میں کوئی سوال کرتی۔ پھر دونوں میاں بیوی آنحضرت صلعم کی خدمت میں گئے حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پانی بھرتے بھرتے سینہ درد کر آیا۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے اب ایسی تکلیفیں ناقابلِ برداشت ہیں حضورؐ کی بارگاہ میں بہت سے قیدی آئے ہیں اُن میں سے ایک ہم کو دیجیے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا بخدا میں تم دونوں کو کوئی خادم نہیں دوں گا کیا میں اہلِ صفہ کے حق کو چھوڑ دوں اور اُن کو بھول جاؤں۔ جو فقر و فاقہ کی بدولت نان شبینہ کو محتاج ہیں اور میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے کہ میں اُن لوگوں کے لئے صرف کروں اور امداد دوں سوائے اُس کے کہ ان قیدیوں کو فروخت کروں اور اُس کی قیمت سے اہلِ صفہ کی ضرورت پوری کراؤں جب یہ دونوں ایک منصفانہ جواب سن کر گھر واپس آئے تو آنحضرت صلعم اُن کے گھر تشریف لائے اس وقت دونوں اپنے اپنے فقیرانہ بستروں پر آرام کے لیے لیٹ چکے تھے لیکن جب آنحضرت صلعم کو آتے دیکھا تو تعظیماً و تکریماً اُٹھے آپ نے فرمایا تم نے جس چیز کی ضرورت ظاہر کی تھی اور جس کے تم خواہشمند تھے اُس سے بہتر ایک چیز تم کو بتانے کے لیے آیا ہوں انہوں نے عرض کیا فرمائیے۔

آپ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ و الحمد للہ و اللہ اکبر پڑھا کرو، اور سوتے وقت سبحان اللہ، الحمد للہ ۳۳-۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ کر دم کر لیا کرو۔ یہی تمہارے لیے بہترین خادم ہیں[1]

اسی روایت کے سلسلہ میں راوی نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی بے بضاعتی و بے مائیگی کا اظہار کیا ہے کہ جب وہ دونوں بستروں پر آرام کے لئے لیٹے تو اوڑھنے کا چادرہ اس قدر چھوٹا تھا کہ جب آپ دونوں اپنے پیروں کو ڈھانکنا چاہتے تو سر کھل جاتا اور اگر سر ڈھانکنا چاہتے تو پیر کھل جاتے تھے[2]

حضرت علیؓ جناب سیدہ فاطمہؓ کی خاطر داری کا بہت خیال رکھتے تھے، اور کوئی بات منشا کے خلاف پسند نہ کرتے تھے، لیکن پھر بھی رسول اللہ صلعم اُن کو تاکید فرماتے تھے کہ فاطمہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اُدھر حضرت فاطمہ کو بھی بار بار نصیحت کرتے رہتے تھے کہ عورت کا بڑا فرض شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری ہے آپ ہمیشہ دونوں کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے۔ لیکن زن و شوئی کے تعلقات معاشرت ایسے اہم اور سخت ہیں کہ کیسی ہی احتیاط کی جائے پھر بھی کبھی نہ کبھی ایسے اتفاقات پیش آ جاتے ہیں جس سے رنج و ملال پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے لطف و محبت کی زندگانی میں بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ قدرے تشدد سے کام لیا آپ کو ناگوار گذرا آپ کبیدہ خاطر اپنے والد بزرگوار رسول صلعم کی خدمت میں گئیں (آپ کے پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی گئے اور ایسی جگہ کھڑے ہو گئے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت فاطمہ کی گفتگو سن سکیں) حضرت علی کی شدت مزاج و غصہ کی شکایت کی آپ نے فرمایا اے بیٹی جو کچھ میں کہوں اس کو غور و فکر سے سنو اور عمل کرو۔ وہ مرد و عورت ہی کیا جن کے درمیان کوئی امر واقع نہ ہو اور یہ کیا ضروری ہے کہ مرد تمام کام عورت کے منشا کے مطابق ہی کرے اور شوہر اپنی بیوی کو کچھ نہ کہے[3] حضرت علی پر اس مصلحانہ جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ پھر انہوں نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے حضرت فاطمہ رنجیدہ خاطر ہوتیں۔

---

[1] طبقات صفحہ ۱۶ و اصابہ صفحہ ۲۹، و صفحہ ۴۳۰۔ [2] طبقات صفحہ ۱۶۔ [3] طبقات صفحہ ۱۶۔

حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ میں جو تشدد حضرت فاطمہؓ پر کرتا تھا اُس سے میں دستبردار ہوگیا اور میں نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں اب ایسا فعل نہ کروں گا جس سے تم رنجیدہ ہو اور تمہاری دل شکنی ہو[1]۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان جب کبھی خانگی معاملات میں کوئی رنجش ہو جاتی تو آں حضرت صلعم اُسی طرح صلح کرا دیتے اور آپ کو ان دونوں کی مصالحت سے غیر معمولی مسرت ہوتی تھی ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق پھر پیش آیا آپ حضرت علیؓ کے یہاں تشریف لے گئے اُس وقت آپ کے چہرۂ مبارک پر کچھ آثار رنج و ملال کے نمایاں تھے۔ آپ نے ان دونوں میں صلح کرا دی جب باہر تشریف لائے تو آپ کا چہرۂ مبارک بشاش تھا لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے جب آپ گھر میں تشریف لے گئے تو آپ کا چہرہ متغیر تھا اور اب بشاش ہے۔ فرمایا میں نے ایسے دو شخصوں میں مصالحت کرا دی جو مجھے محبوب تر ہیں[2]۔

آنحضرت صلعم دنیاوی زینت و آرائش کو بہت ناپسند فرماتے تھے اور اولاد کے لئے بھی یہی صورت تھی آپ خود بھی زینت و آرائش کی چیز اولاد کو نہ دیتے تھے اور نہ دوسروں کو دینا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک سونے کا ہار دیا جب آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؓ کیا تم لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے اُس کو فروخت کر کے اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردے لگا دیے اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنا دیے جب آنحضرت صلعم حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تو اس ساز و سامان کو دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو آپؐ کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو سمجھ گئیں کہ مزاج کے خلاف گذرا فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا۔ صاحبزادوں کے ہاتھوں سے کنگن اُتار لیے۔ صاحبزادے روتے ہوئے آنحضرت صلعم کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا اگرچہ میرے اہل بیت ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ دنیا کے زخرفات سے آلودہ ہوں اور صحابہ سے فرمایا کہ اس کے عوض ہاتھی دانت کے کنگن خرید کر لا دو[3]۔

ابن ہشام بن مغیرہ برادر ابی جہل نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا تم عوراً بنت ابی جہل سے نکاح کر لو۔ حضرت علیؓ کا یہ ارادہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر یہ خطبہ پڑھا

ان بنی هشام بن المغیرة	آل ہشام علی بن ابی طالب سے اپنی لڑکی کا نکاح
استاذنونی ان ینکحوا ابنتهم علی	کرنے کے لیے مجھ سے اجازت چاہتے ہیں لیکن میں اجازت
بن ابی طالب فلا اذن ثم لا اذن	نہ دوں گا البتہ بن ابی طالب میری لڑکی کو طلاق دے کر
الا ان یرید ابن ابی طالب ان	اُس کی لڑکی سے نکاح کر لیں فاطمہ میری جگر گوشہ ہے
یطلق ابنتی وینکح ابنتهم	جس نے اُس کو اذیت دی گویا اُس نے مجھے اذیت دی

---

[1] طبقات صفحہ ۱۶ و اصابہ صفحہ ۴۷ ۔ [2] ایضاً [3] ابو داؤد و نسائی سے ماخوذ۔

فانما ھی بضعۃ منی یریبنی ما رابھا ویوذینی ما اذاھا۔[1] | جس سے اُسے دکھ پہونچے گا اس سے مجھے بھی پہونچے گا۔

اور فرمایا:

وانی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً ولکن واللّٰہ لا تجتمع بنت رسول اللّٰہ وبنت عدو اللّٰہ ابداً[2] | اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن خدا کی قسم ایک رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔[3]

کسی صاحب کو مبادا یہ خیال ہو کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلعم نے صرف اپنی بیٹی پر سوت پنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو اجازت نہ دی، خطبہ میں یہ الفاظ نہیں اور نہ خطبہ سے دنیاوی مفاد کا ترشح ہے یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کوئی دنیاوی فائدہ کبھی نہیں حاصل کیا باوجود رسول خدا ہونے کے اپنی عمر نہایت عسرت و تنگی سے بسر کی تاکہ غافلین دنیا متنبہ ہو جائیں کہ دنیا کاملین کے لیے باعث عزت و وقعت نہیں۔

حضرت علیؓ کو اجازت نکاح نہ دینے کے چند وجوہ ہیں اولاً اس وجہ سے کہ اس سے حضرت فاطمہ کو تکلیف پہنچتی اور اس تکلیف کا پہنچنا گویا آنحضرت صلعم کو تکلیف پہنچانا تھا اور آں حضرت صلعم کو تکلیف دینا گویا خدائے تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے[4] اور ایسا فعل حضرت علی مرتضیٰؓ کے لیے زیبا نہ ہوتا۔ دوسرے اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ پر بسبب غیرت کے فتنہ و فساد کا احتمال تھا تیسرے آنحضرت صلعم کا اجازت نہ دینا کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ دو عورتوں کا جمع ہونا پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے ممانعت فرمائی ہرگز ایسا خیال نہ تھا بلکہ آپ نے قضائے الٰہی سے متنبہ فرمایا کہ تقدیر الٰہی یہی ہے کہ یہ دونوں جمع نہ ہوں گے۔[5]

یحییٰ ابن سعد قطانی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد سے:

"لا اذن الا ان یرید بن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتھم"

اس ارشاد نبی صلعم کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ نے حرام کر دیا حضرت علی پر کہ وہ حضرت فاطمہ کی حیات میں کسی اور سے نکاح کریں کیونکہ کلام اللہ میں ہے وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[6]

ترجمہ: اور (مسلمانو!) پیغمبر جو چیز تم کو (ہاتھ اٹھا کر) دے دیا کریں وہ تو لے لیا کرو اور جس چیز کے لئے تم کو منع کریں اُس سے دست کش رہو۔"

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۲۸ ج ۲ ۔ [2] استیعاب ص ۷۷۱ ۔
[3] الدرۃ البیضا، حالات فاطمہ، [4] ایضاً ، [5] الحشر پارہ ۲۸ ،

جب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں اجازت نہیں دیتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت فاطمہ کی موجودگی میں بلا اجازت آنحضرت صلعم کے دوسری عورت سے نکاح درست نہیں۔

عمرو بن داؤد کہتے ہیں جبکہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے "فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی مارابھا ویوذینی ما اذاھا" تو بے شک حضرت علی پر حرام ہے کہ فاطمہؓ کی موجودگی میں کوئی دوسرا نکاح کریں، اور اس سے آنحضرت صلعم کو تکلیف دیں اور وما کان لکم ان تو ذوا رسول اللہ کے موافق بھی کسی مسلمان کو لائق نہیں ہے کہ رسول اللہ کو تکلیف و ایذا پہنچائے۔[1]

یحییٰ بن سعد قطانی اور عمرو بن داؤد نے اس مسئلہ کو بہت واضح اور مشرح طریقہ سے صاف کر دیا اب کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ "وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔"

اور

وما کان لکم ان تو ذوا رسول اللہؐ سے تمام شکوک محو ہو گئے اور اسی پر کاربند رہنا چاہیے۔

شعار اسلام ہمارا ایمان ہے کہ ہم اس کو تسلیم کریں اور دل سے عمل کریں رسول اللہ کا ہر فعل ہمارے لیے طریقۂ عمل ہے خدائے تعالیٰ متعدد جگہ اپنے رسولؐ کی اطاعت کے لیے فرماتا ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ۔ (آل عمران پارہ ۳)	اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔
مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النسا پارہ ۵)	جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔
"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ" (الانفال پارہ ۹)	اے وہ لوگو کہ ایمان لائے ہو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُس سے روگردانی نہ کرو۔

خدائے تعالیٰ اپنے رسولؐ کا مرتبہ بتلا کر بندوں کو متنبہ کرتا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب پارہ ۲۱)	پیغمبر مسلمانوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی حق زیادہ رکھتے ہیں (اور مسلمانوں کے باپ کی جگہ ہیں) اور پیغمبرؐ کی بیویاں (ادب و تعظیم میں) اُن کی مائیں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنی جان کا پاس کرتا ہے لیکن پیغمبروں کے حکم کا پاس اس سے زیادہ کرنا چاہیے۔ جو شخص خدا کے

---

[1] الدرۃ البیضا حالات حضرت فاطمہؓ ۱۲

رسولؐ کو قولاً و فعلاً جانی و مالی کوئی ایذا دے یا اُن کے فعل حکم کو استہزا قرار دے یا نکتہ چینی کرے تو اس کے لئے خدائے تعالیٰ تہدید کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا عَظِیْمًا۔	جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو کسی طرح کی ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں خدا کی پھٹکار ہے اور خدا نے اُن کے لیے (ذلت کا) عذاب تیار کیا ہے۔

(الاحزاب پارہ ۲۱)

آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے فرمایا کہ تم لوگوں کی جس شخص سے لڑائی ہے اور جس سے تمہاری صلح ہے اُس سے میری بھی[1]۔ یعنی جن لوگوں سے تم رضا مند نہ ہوگے اُن سے میں بھی رضامند نہ ہوں گا اور جس سے تم خوش نہ ہو گے اُس سے میں بھی۔ یہ اقتضائے محبت کا انتہائی اثر ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں جس وقت میری شادی حضرت فاطمہؓ سے ہوئی تو میرے اور فاطمہؓ کے لیے کوئی بستر تک نہ تھا صرف ایک بھیڑ کی کھال تھی رات کو اُس پر لیٹ رہتا تھا اور دن میں اُس سے مشکیزہ کا کام لیتا تھا اور نہ کوئی خادم تھا[2]۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے حضور صلعم سے عرض کیا کہ آپ ہم دونوں (فاطمہ و علی) میں سے کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم سے زیادہ فاطمہ محبوب ہے اور فاطمہ سے زیادہ تم عزیز ہو[3]۔

آنحضرت صلعم کی سرگوشی و حادثۂ جانگداز

مشہور روایت کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی عمر انتیس سال کی تھی کہ والد بزرگوار رسول صلعم کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا یہ صرف داغِ مفارقت نہ تھا بلکہ داغ یتیمی تھا۔

آنحضرت کی محبوب ترین اولاد آپ ہی تھیں اور دوسرے آنحضرت صلعم کی اولاد میں صرف آپ ہی کا وجود گرامی یہ صدمۂ جانکاہ اُٹھانے اور رونے کے لیے باقی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ وفات سے قبل آنحضرت صلعم کے پاس میں بیٹھی ہوئی تھی کہ فاطمہ آئیں تو آنحضرت صلعم نے "مرحبا یا ابنتی" کہہ کر اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھا لیا پھر آپ نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا وہ رونے لگیں پھر دوبارہ کچھ کان میں فرمایا تو ہنسنے لگیں مجھے بڑا تعجب ہوا اور مجھ سے نہ رہا گیا میں نے فاطمہؓ سے پوچھا یہ کیا بات ہے اس سے قبل میں نے ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا اتصال نہیں دیکھا جیسا کہ اس موقع پر دیکھا۔ فاطمہؓ نے جواب دیا میں ہرگز اپنے باپ کا راز فاش نہ کروں گی جب رسول صلعم کا وصال ہو گیا تو میں نے پھر فاطمہؓ سے کہا اس روز رونے اور ہنسنے کا کیا سبب تھا فاطمہؓ نے کہا چونکہ آنحضرت صلعم اس عالم سے تشریف لے گئے۔ اس لئے اب میں اُس واقعہ کو بیان کرتی ہوں پہلی مرتبہ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ جبریل علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک کا دور کرتے تھے اس کے خلاف معمول سال میں دو بار دور کیا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب

---

[1] اصابہ صہ ۲۸ ، [2] طبقات صہ ۱۳ ، [3] اسد الغابہ صہ ۵۲۲۔

کیا ہے اور تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ اس پر میں رونے لگی پھر آپ نے دوبارہ فرمایا کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ تم دنیا کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ میں یہ سن کر ہنسنے لگی[1]"

وفات سے قبل جب آنحضرت صلعم پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہؓ فرماتی تھیں۔ "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا تمہارا باپ آج کے بعد کبھی بے چین نہ ہوگا۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد تک بنات طیبات میں صرف حضرت فاطمہؓ کا وجود گرامی تھا لیکن حقیقتاً امر یہ ہے کہ آپ پر بہت بڑی مصیبت پڑی اور آپ کی زندگی بھی اُسی دن ختم ہو گئی۔ جس دن یہ صدمہ جانکاہ دیکھنا نصیب ہُوا۔

کتب سیر میں مذکور ہے کہ وفات کے بعد حضرت فاطمہ بہت رنجیدہ رہا کرتی تھیں چنانچہ بقیہ ایام حیات میں آپ کو کسی نے ہنستا ہوا نہیں دیکھا[2]

جب آنحضرت صلعم کی تجہیز و تکفین سے صحابہ فارغ ہو کر حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں آئے اور آپ کی تسلی و تشفی کرنے لگے تو آپ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کیا تم رسول اللہؐ کو دفن کر آئے انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے کئی من خاک کے نیچے اُن حضرت کو دبا دیا[3]

آنحضرت صلعم کی قبر پر آپ تشریف لے گئیں وہاں روئیں اور ایک مُشت خاک قبر شریف سے لے کر آنکھوں سے لگائی اور یہ دو شعر پڑھے[4]

ماذا على من شم تربة احمد	کیا چاہیے اُس شخص کو جو خاک مزار مبارک آنحضرت صلعم
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا	سونگھے (لازم ہے اُس پر یہ کہ پھر) وہ تمام عمر کوئی خوشبو نہ سونگھے
صُبّت علیّ مصائب لو انّها	مجھ پر جو مصیبتیں پڑیں اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو
صُبّت علی الایّام صرن لیالیا	وہ رات ہو جاتے۔

یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہیں۔ جو حضرت فاطمہؓ نے وقت حاضریٔ مزار مبارک پڑھے اور جو اشعار آنحضرت صلعم کے مرثیے کے متعلق آپ سے منسوب ہیں وہ یہ ہیں[5]

اغبرّ آفاق السّماء و کورت	غبار آلودہ کنارے آسمان کے لپیٹ دیا گیا آفتاب اور
شمس النهار و اظلم العصران	تاریک ہو گیا زمانہ۔
والارض من بعد النّبی کئیبة	اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین غمگین و رنجیدہ ہے بلکہ
اسفا علیه کثیرة الاحزان	بوجہ کثرت آلام و افسوس کے شق ہوئی جاتی ہے۔

---

[1] طبقات ص۱۷ و اسد الغابہ ص۵۲۲ و اصابہ ص۱۲۷ و ص۲۱۸۔ [2] درالمنثور ص۳۵۹ و اسد الغابہ ص۵۲۴ ج۔

[3] اسد الغابہ ص۵۲۰، [4] درالمنثور ص۳۶۰۔ [5] درالمنثور ص۳۶۰۔

فلیبکه شرق البلاد و غربها	آنحضرت صلعم پر مشرق و مغرب کے شہر کے لوگوں کو اور
ولتبکه مضر و کل یمان	قبیلہ مضر اور تمام اہل یمن کو رونا چاہئے۔
ولیبکه الطود الاشم وجوه	بلکہ بڑے بڑے پہاڑ اور خلوئے زمین و آسمان اور بیت اللہ
والبیت ذوالاستار والارکان	شریف جس پر پردے لٹکے ہوئے اور ستون والا ہے اس کو
یا خاتم الرسل المبارک ضوؤه	بھی رونا چاہئے۔ اے سب رسولوں کے خاتم (مبارک ہے شاخ
صلی علیک منزل القرآن[1]	اُن کی (سلسلۂ نسب) رحمت بھیجے اُن پر اتارنے والا قرآن کا (یعنی خدا نے ان پر رحمت بھیجی ہے)

آں حضرت صلعم کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ جو کچھ میراث ہے اس کو تقسیم کر دو، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں لیکن دقت یہ ہے کہ خود آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیا جو مال متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کُل کا کُل صدقہ ہوتا ہے اس میں وراثت نہیں ہوتی اس بنا پر میں کیوں کر تقسیم کر سکتا ہوں۔ اس پر حضرت فاطمہ کو بہت قلق ہوا[2]۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ کو اس گفتگو سے سخت صدمہ ہوا اور وہ حضرت ابوبکرؓ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک اُن سے اس معاملہ میں بات چیت نہ کی[3]۔

لیکن طبقات کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ بیمار ہوئیں اور حضرت ابوبکرؓ آپ کو دیکھنے کے لئے آئے تو آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی حضرت علیؓ نے اپنی بیوی سیدہ حضرت فاطمہ سے کہا کہ ابوبکرؓ اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے فرمایا اس کو تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں چنانچہ وہ اندر آئے مزاج پرسی کی اور معذرت چاہی آپ اُن سے خوش ہو گئیں[4]۔ اور کوئی رنج دل میں نہ رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو پہلے بہت ناراض ہوں لیکن بعد میں آپ خوش ہو گئیں اور گذشتہ باتوں کا کچھ نہیں خیال کیا۔

وفات حضرت فاطمہؓ سیدہ عالم کی اور تین بہنیں جس طرح عین جوانی کی حالت میں گزر گئیں اسی طرح حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے آٹھ ماہ بعد اور بعض کے نزدیک ۷۰ یوم کے بعد اس دنیائے فانی سے کوچ کیا[5]۔ اور بعض کے نزدیک دو مہینے اور بعض کے نزدیک چار مہینے لیکن صحیح یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے چھ مہینے بعد بعمر انتیس ۲۹ سال ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ راہگرائے فردوس بریں ہوئیں[6]۔

آنحضرت صلعم کی یہ پیش گوئی کہ میرے اہلِ بیت میں سب سے پہلے ملو گی پوری ہوئی۔

---

[1] درالمنثور صد ۳۶ [2] طبقات صد ۱۸ ۔ [3] صحیح بخاری صد ۵۲۶ جلد ۲ ۔
[4] طبقات صد ۱۷ ۔ [5] استیعاب صد ۷۷۳ ۔ [6] طبقات صد ۱۸ و اسد الغابہ صد ۵۲۴ ۔

انتیس سال کی عمر اُسی وقت تسلیم کی جا سکتی ہے جب کہ سنہ ولادت پانچ سال قبل
اَز ۱۳ھ محری سنہ ولادت مانا جائے تو یہ عمر نہیں ہو سکتی ہاں اگر چوبیس[۲] سال عمر تسلیم کی جائے تو البتہ سنہ
مذکور کے مطابق یہ سن شریف ہو سکتا ہے۔ لیکن ارباب سیر نے اُنتیس سال بالاتفاق تسلیم کیا جس سے سنہ ولادت پانچ سال قبل نبوت
ثابت ہوتا ہے۔

واقدی مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ حضرت عباسؓ نے جنازہ کی نماز
پڑھائی اور حضرت علیؓ اور فضلؓ و حضرت عباسؓ نے قبر میں اُتارا[۳]۔

آپ کے مرض الموت کے متعلق صفحات تاریخ بالکل ساکت ہیں مگر جہاں تک معلوم ہو سکا وہ یہی ہے کہ آپ کا انتقال کسی ایسے
سخت مرض میں ہوا کہ جس کی وجہ سے کچھ عرصہ تک صاحب فراش رہیں۔

ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جس وقت حضرت فاطمہؓ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو حضرت علیؓ گھر میں تشریف نہیں رکھتے تھے، حضرت
فاطمہؓ نے مجھ سے کہا کہ پانی کا انتظام کر دو میں غسل کروں گی اور صاف و عمدہ کپڑے نکال دو وہ پہنوں گی۔ چنانچہ میں نے یہ سب انتظام
کر دیا۔ آپ نے خوب اچھی طرح غسل کر کے کپڑے پہنے پھر فرمایا کہ میرا بستر کر دو میں لیٹوں گی میں نے بستر بھی کر دیا وہ بستر پر قبلہ رو لیٹ
گئیں اور مجھ سے فرمایا اب مفارقت کا وقت قریب ہے میں غسل کر چکی ہوں اس لئے اب غسل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اب
میرا بدن کھولا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی انتقال ہو گیا جب حضرت علیؓ آئے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے اُسی غسل پر
اکتفا کیا اور اُن کو دفن کر دیا[۴]۔ یہی روایت کتاب اصابہ میں اُم رافع سے مروی ہے[۵]۔

جنازہ میں بہت کم لوگوں کو شرکت کا موقع ملا اس کی وجہ یہ تھی کہ رات کو انتقال ہوا اور حضرت علیؓ سے وصیت کر
دی تھی کہ میں رات کو دفن کر دی جاؤں چنانچہ رات ہی کو دفن کر دی گئیں[۶]۔ چونکہ رات کا وقت تھا لوگوں کو وفات کی خبر نہ پہنچ سکی
اس لئے اکثر لوگ شرکت دفن سے محروم رہے۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہائی شرم و حیا تھی جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت اسمأ
بنت عمیس سے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ عورت کا جنازہ قبرستان تک کھلا ہوا جائے اس میں بے پردگی ہوتی ہے اور
مرد و عورت کے جنازہ میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی، مرد یہ اکرتے ہیں کہ جنازہ کھلا ہوا لے جاتے ہیں یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے
حضرت اسمأ نے کہا "یا بنت رسول اللہؐ میں نے حبش میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے اگر آپ حکم دیں تو وہی طریقہ پیش کروں۔
یہ کہہ کر کھجور کی چند شاخیں منگوائیں اور اُن پر کپڑا تانا جس سے ایک پردہ کی صورت نکل آئی۔ آپ کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور

---

[۱] اسد الغابہ ص۲۲۴ و استیعاب ص۷۷۲۔ [۳] طبقات ص۱۷ و ص۱۸۔ [۴] اصابہ ص۱۲۹،
[۵] اسد الغابہ ص۵۲۴

بہت خوش ہوئیں[1] چنانچہ آپ کا جنازہ اسی طرح پردہ میں قبر تک گیا اور اسلام میں یہی پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ اس طریقہ سے اُٹھایا گیا۔ آپ ہی کی ذات مقدس نے اس پردہ کو رائج کیا اور آج تک اسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ آپ کے بعد حضرت زینب رضی بنت جحش کا بھی جنازہ اسی طرح اُٹھایا گیا[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو مغموم و محزون اور بہت پریشان تھے۔ اسی شدت غم والم میں آپ نے یہ شعر پڑھے[3]

اری علل الدنیا علیّ کثیرۃٌ	میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ میں دنیا کی بیماریاں بکثرت
وصاحبها حتی الممات علیلٌ	پیدا ہو گئی ہیں اور اہل دنیا جب تک دنیا میں ہے بیمار ہی ہے
لکل اجتماع من خلیلین فرقة	ہر ایک جانی (ہر وصل) کے بعد دوستوں سے مفارقت
وکل الذی دون الفراق قلیلٌ	ہو جاتی ہے اور وہ زمانہ جو فراق کے سوا ہوتا ہے وہ تھوڑا
وان افتقادی فاطما بعد احمد	ہوتا ہے۔ رسول صلعم کے بعد فاطمہ کی مفارقت اس بات
دلیلٌ علی ان لا یدوم خلیلٌ	پر دلالت کرتی ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت فاطمہ رض کی قبر شریف پر روزانہ تشریف لے جاتے اور حضرت فاطمہ کو یاد کرکے یہ شعر پڑھتے[4]

مالی مررت علی القبور مسلما	خدایا کیا ہے میرے واسطے کہ میں قبروں پر گذرتا ہوں دراں
قبر الحبیب فلم یرد جوابی	حالیکہ حبیب کی قبر کی جانب سلام کرنے والا ہوتا ہوں لیکن حبیب
یا قبر مالک لا تجیب منادیا	کی قبر میرے سلام کا جواب نہیں دیتی اے قبر تجھکو کیا ہو گیا ہے
امللت بعدی خلة الاحباب	کہ پکارنے والے کو کوئی جواب نہیں دیتی (معلوم ہوتا ہے)
	کہ تو نے میرے بعد آئندہ کے لیے دوستوں کی محبت (دوستی) کو
	ملدر کر دیا (منقطع کر دیا)

اس شعر کے جواب میں حضرت علی کو (حضرت فاطمہ کی طرف سے) ہاتف غیبی نے یہ جواب دیا[5]

قال الحبیب وکیف لی بجوابکم	حبیب نے کہا میں کیونکر جواب دوں (کون ضامن ہے میرا
وانا رهین جنادل وتراب	کہ جواب دے) اور میرا حال یہ ہے کہ میں بڑی بڑی چٹانوں
اکل التراب محاسنی فنسیتکم	اور مٹی کے کیف ڈھیر میں دبی ہوئی ہوں مٹی نے میرے تمام
وحجبت عن اهلی وعن اترابی	محاسن کو کھا لیا اور میں تم کو بھول گئی اور میں اپنے اہل اور ہمعصر

---

[1] اسد الغابہ ص۲۲۵ - [2] استیعاب ص۷۷۳، [3] در المنثور ص۳۶۰، [4] در المنثور ص۱۶۰ - [5] ایضاً ص۳۶۰ وص۳۶۱ -

فعليكم منى السلام تقطعت — لوگوں سے پوشیدہ ہو گئی ہوں تم کو میری طرف سے سلام پہنچے
منى و منكم خلة الاحباب — (اور افسوس) مجھ سے اور تم سے دوستی کی بستی منقطع ہو گئی۔

مدفن واقدی کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے کہا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی قبر مقام بقیع میں ہے۔ آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مقام بقیع میں وہ دفن نہیں کی گئیں بلکہ "دار عقیل" میں دفن کی گئیں اُن کی قبر اور راستہ کے درمیان تقریباً سات ہاتھ کا فاصلہ ہے[1]

شرف فضیلت اس امر میں محدثین کا اختلاف ہے کہ اس اُمت میں شرف افضلیت کس کو حاصل ہے۔ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو افضل قرار دیا ہے، کسی نے حضرت فاطمہ رضؓ کو۔ لیکن عام مسلمانوں کا اعتقاد یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ افضل ہیں۔

پھر اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ افضل ہیں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حیثیتیں مختلف ہیں۔ اوّلیت اسلام، اور ابتدائی کوششوں اور تصدیق رسالت اور آنحضرت صلعم کی اعانت و امداد کے لحاظ سے حضرت خدیجہ رضؓ افضل ہیں اور علم و عظمت، ذکاوت، ذہانت، عقل مندی کو دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ رضؓ کا مرتبہ زیادہ ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی ہیں لیکن یہ خیال صرف حسن اعتقاد پر ہے۔ اُن کی ذاتی خوبیوں کا مجموعہ جو ہر خود اُن کی افضلیت پر دال ہے۔ اسلام نسبی، حسبی، شرافت کا لحاظ نہیں رکھتا، زہد و تقویٰ خود ایک ایسا وصف ہے جو اپنے معیار کے اعتبار سے ہر خوبی کے لیے کفیل ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلعم نے خود ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں تمہارا باپ ہوں، آخرت میں تمہاری مدد کروں گا میں بلا اذن کسی کی شفاعت نہ کر سکوں گا تم خود عمل صالح کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اُسی سے امداد چاہو اور یہ سمجھ لو کہ آخرت میں کوئی چیز سوائے عمل صالح کے فائدہ مند نہیں۔"

---

[1] اصابہ ص۳۸۷۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ (العٰدیٰت ۱ تا ۵)

قسم ہے مجاہدین کے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت غبار اُڑاتے ہیں اور جماعت میں جا گھستے ہیں۔



عہدِ نبوی ؐ کے سپہ سالار

عہدِ نبوی ﷺ کے سپہ سالار

راجہ محمد شریف

حضورؐ نے جنہیں امیرانِ عساکر بنایا (ترتیب وار)

۱۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ
۲۔ حضرت عبیدہ بن الحارثؓ
۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
۴۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ
۵۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ
۶۔ حضرت زید بن حارثہؓ
۷۔ حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ
۸۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ
۹۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ
۱۰۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ
۱۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۱۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
۱۳۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ
۱۴۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ
۱۵۔ حضرت کرز بن جابر الفہریؓ
۱۶۔ حضرت غالب بن عبداللہ لیثیؓ
۱۷۔ حضرت عمر فاروقؓ
۱۸۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ
۱۹۔ حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ
۲۰۔ حضرت شجاع بن وہب الاسدیؓ
۲۱۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ
۲۲۔ حضرت عمرو بن العاصؓ
۲۳۔ حضرت خالد بن ولیدؓ
۲۴۔ حضرت سعد بن زید اشہلیؓ
۲۵۔ حضرت قطبہ بن عامرؓ
۲۶۔ حضرت ضحاک بن سفیان کلابیؓ
۲۷۔ حضرت علقمہ بن مجزز مدلجیؓ

ان میں سے چند امیرانِ عساکر کا ذکر (ترتیب وار)

۱۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ
۲۔ حضرت زید بن حارثہؓ
۳۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ
۴۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ
۵۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ
۶۔ سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ
۷۔ حضرت عمر بن العاصؓ
۸۔ حضرت خالد بن ولیدؓ
۹۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راجہ محمد شریف

پیدائش ابن سعد کے بیان کے مطابق آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں چار سال بڑے تھے، اس لحاظ سے آپ اندازاً ۵۶۷ء میں پیدا ہوئے (واللہ اعلم)

قبولِ اسلام نبوت کے چھٹے سال

شہادت غزوہ اُحد — بروز سنیچر، شوال ۳ھ مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء بعمر تقریباً اُنسٹھ، ساٹھ سال

نام و نسب حمزہ نام، ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ اور اسد رسولہ لقب، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت حمزہ رضؓ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیؒ۔

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، آپ کی والدہ ہالہ بنت اُہیب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن تھیں، اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثُوَیبہ رضؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ عمر میں حضرت حمزہ رضؓ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چار برس بڑے تھے [1] شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا شوق بچپن ہی سے تھا، نیز سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی، غرض زندگی کا بڑا حصہ انہی مشغلوں میں بسر ہوا۔

دعوتِ توحید کی صدا اگرچہ ایک عرصہ سے مکّہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہ رضؓ جیسے سپاہی منش اور سیر و شکار کے دلدادہ کو صحرا نوردی سے فرصت ہی کب تھی کہ شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب طریقہ سے اُن کی رہنمائی فرمائی اور اُن کے دل میں وہ شمع روشن کر دی جس نے ان کی زندگی کی تاریکیوں کو یک قلم ختم کر دیا۔ اس انقلاب کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز حضرت حمزہ رضؓ حسبِ معمول شکار سے واپس آتے ہوئے جب کوہِ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا:

"ابو عمارہ، کاش تھوڑی دیر پہلے اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کر رہے تھے کہ ابوجہل نے سخت گالیاں دیں اور بہت بُری طرح ستایا لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے۔" [2]

---

[1] طبقات ابنِ سعدؒ جلد سوم [2] سیر الصحابہ رضؓ حصہ مہاجرین۔

یہ سنتے ہی حضرت حمزہ رضؓ تڑپ اُٹھے، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے اور وہاں پہنچ کر سیدھے ابُوجہل کے پاس گئے اور اس کے سر پر زور سے کمان کھینچ ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر بنی مخزوم کے کچھ آدمی ابُوجہل کی مدد کو دوڑے اور حضرت حمزہ رضؓ سے کہا۔ شاید تم بھی بَددین ہو گئے۔

آپ نے فرمایا:

"جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہاں! میں گواہی دیتا ہُوں کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسولؐ ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! اب میں اس سے پھر نہیں سکتا۔ اگر سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو۔"

ابوجہل نے کہا ابُوعمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے ابھی اس کے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ واقعہ اسلام کے اس زمانے کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ ارقم میں پناہ گزین تھے اور مومنین کا حلقہ صرف چند گزیدہ ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہ رضؓ کے اضافے سے دفعتہً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدباب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت وجا[ہت] ہی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔

حضرت حمزہ رضؓ کے قبول اسلام کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبوی پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے۔ اس لیے صحابۂ کرام کو تشویش ہوئی مگر اس شیرِ خدا نے کہا "کچھ مضائقہ نہیں آنے دو اگر وہ مخلصانہ آئے ہیں تو خیر، بصورت دیگر انہی کی تلوار سے اُن کا سر قلم کر دوں گا۔" غرض دروازہ کھولا گیا، وہ اندر داخل ہُوئے۔ معلوم ہُوا کہ ان کا سر اسلام کی دہلیز پر جھک چکا ہے اور زبان سے کلمۂ جاری ہے۔ چنانچہ حاضرین یہ دیکھ کر جوشِ مُسرّت سے اللہ اکبر کے نعرے بُلند کرنے لگے۔

مواخات

مکہ کی مواخات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید رضؓ بن حارثہ حضرت حمزہ رضؓ کے بھائی قرار پائے تھے۔ آپ اس رشتۂ اخوت کا یہاں تک احترام کرتے اور حضرت زید رضؓ کو اس قدر عزیز جانتے کہ جب غزوات پر تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے۔

ہجرت

بعثت کے تیرہویں سال جب ہجرت مدینہ کا حکم ہُوا تو حضرت حمزہ رضؓ بھی صحابہ کرام رضؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضرت سعد بن خیثمہ رضؓ کے پاس اُترے۔[۱]

مدینہ کی فضاؤں میں چونکہ مسلمانوں کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ اس لیے حضرت حمزہ رضؓ کو خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے اور زورِ بازو آزمانے کا نہایت اچھا موقعہ ہاتھ آیا، چنانچہ رمضان المبارک سنہ ۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا علم ان کو عنایت فرمایا اور تیس ۳۰ صحابہ کرام رضؓ کے ساتھ قریش کی اس جماعت کے مقابلہ پر بھیجا جو ابُوجہل کی ماتحتی میں تین سو کفار پر مشتمل شام سے آ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضؓ سیف البحر کے قریب پہنچے تو کفار سے آمنا سامنا ہو گیا۔ طرفین نے جنگ کے لیے صف بندی کی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو الجہنی نے فریقین کو سمجھا بجھا کر لڑائی سے روک دیا اور حضرت حمزہ رضؓ بغیر کشت و خون مدینہ واپس آ گئے۔

---

[۱] بروایت محمد بن صالح اور عاصم بن عمرو بن قتادہ (ابن سعد)

غزوات: غزوہ ودانؔ

صفر ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قریشِ مکّہ کی نقل و حرکت میں سدِّراہ ہونے کے لیے ابواء پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علم بردار تھے اور فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن چونکہ قریش کی جماعت آگے بڑھ چکی تھی اس لیے لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

غزوہ ذوالعشیرہ

اسی طرح جمادی الآخر ۲ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ صد مجاہدین کے ساتھ پھر قریش کی ایک جماعت کی مزاحمت کے لیے نکلے تو علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہ رضؓ کی دستارِ فضل و کمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ نہ ہوئی اور اس مہم میں صرف بنو مدلج سے امدادِ باہمی کا ایک عہد نامہ طے پایا۔

غزوۂ بدر

اسی سال وسط رمضان المبارک میں بدر کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا۔ صف آرائی کے بعد کفّار کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں نکلے اور ان کے مقابلہ پر مسلمانوں کی طرف سے چند انصاری نوجوان آگے بڑھے۔ لیکن عتبہ نے پکار کر کہا "محمدؐ صلی اللہ وسلم، ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے۔ ہمارے مقابل والوں کو بھیجو۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضؓ حضرت علی رضؓ اور حضرت عبیدہ رضؓ کا نام لیا۔ حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نیزے ہلاتے ہوئے نبرد آزمائی کے لیے اپنے حریفوں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ حضرت حمزہ رضؓ کے مقابلہ پر عتبہ تھا۔ جسے آپ نے ایک ہی وار میں واصل بجہنم کیا۔ حضرت علی رضؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، البتہ حضرت عبیدہ رضؓ اور شیبہ میں دیر تک مقابلہ جاری رہا، حضرت عبیدہ رضؓ زخمی ہو گئے تو حضرت علی رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ نے حملہ کر کے شیبہ کو تہہ تیغ کر دیا۔ مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ بول دیا۔ دوسری طرف سے مجاہدینِ اسلام بھی شیروں کی طرح کفّار پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کا رن پڑا، حضرت حمزہ رضؓ کے سر پر شتر مرغ کی کلغی تھی۔ اس لیے جس طرف گھس جاتے صاف نظر آتے تھے۔ آپ کے دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور مردانہ وار دو دستی حملوں سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے غرض تھوڑی دیر میں جب کفار بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر گئے، تو بعض قیدیوں نے پوچھا "یہ کلغی لگائے کون ہے؟" لوگوں نے کہا حمزہ رضؓ بولے "آج سب سے زیادہ نقصان ہم کو اسی نے پہنچایا۔"

غزوۂ بنو قینقاع

اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں مصروفِ پیکار تھے۔ اُدھر مدینہ کے یہودیوں نے حضورؐ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ کے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس آئے تو یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع کی دست درازیوں کا حال معلوم ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط شوال ۲ھ میں بنو قینقاع کا محاصرہ فرما لیا۔ محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا۔ یہودیوں نے بالآخر محاصرہ کی شدت سے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور اپنی عہد شکنی کے باعث جلاوطن کر دیے گئے۔ اس فوج کشی میں بھی علمبرداری کا منصب حضرت حمزہ رضؓ کو عطا ہوا تھا۔

غزوہ احد

بدر کی شکستِ فاش نے قریشِ مکّہ کی آتشِ انتقام کو اور بھڑکا دیا تھا۔ چنانچہ شوال ۳ھ میں وہ غیظ و غضب کا بادل بن کر مدینہ کی طرف بڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سات سو جاں نثاروں کے ساتھ کوہِ اُحد کے دامن میں روکا، ۷ شوال ۳ھ بروز سنیچر لڑائی شروع ہوئی۔ کفار کی طرف سے

سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی۔ حضرت حمزہ رضؓ اپنی شمشیرِ خارا شگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور ایک ہی وار میں سباع کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت حمزہؓ نے رو بہ صفت کفار کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ آپ جس طرف بھی نکل گئے، صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ غرض اس مردانگی اور جوش سے لڑے کہ تنہا بہت سے کفار کو واصلِ جہنم کر دیا۔

شہادت

حضرت حمزہ رضؓ نے چونکہ جنگ بدر میں قریش کے نامی گرامی سرداروں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ اس لیے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ انہی کے خون کے پیاسے تھے۔ چنانچہ جبیر بن مطعم کا ایک غلام، جس کا نام وحشی تھا، صلۂ آزادی کے لالچ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور حضرت حمزہ رضؓ کا انتظار کرنے لگا۔ اتفاقاً حضرت حمزہ رضؓ اس کے قریب سے گزرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ آپ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے، چونکہ سب کفار اسی شیرِ خدا کے حملوں سے سہمے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی شہادت سے کفار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضؓ کے کان ناک کاٹ کر ہار بنایا۔ نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا، تو پوچھا: "کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے؟" لوگوں نے عرض کی "نہیں" فرمایا، "خدا حمزہ کے کسی عضو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دیتا۔"[1]

تجہیز و تکفین

جنگ ختم ہونے کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی۔ آنحضرت صلعم اپنے محترم چچا کی لاش پہ تشریف لائے، چونکہ ہند نے کان ناک کاٹ کر نہایت دردناک صورت بنا دی تھی۔ اس لیے یہ المناک منظر دیکھ کر حضورؐ کا دل بے اختیار بھر آیا اور مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم پر اللہ کی رحمت ہو، تم ایسے تھے کہ معلوم نہیں ایسا صلہ رحم کرنے والا، خیرات دینے والا کوئی اور ہو۔ اگر صفیہ اپنے دل میں رنج نہ کرتیں، تو میں انہیں چھوڑ دیتا کہ چوپائے خوراک کھا لیتے اور وہ پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے اُٹھائے جاتے، بیشک مجھ پر لازم ہے کہ تمہارے بدلے ان میں سے ستر آدمیوں کا ضرور مثلہ کروں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کھڑے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام سورۂ نحل کی یہ آیتیں لے کر اترے۔

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا	تو وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے اور آپؐ صبر
صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ	کیجیے اور نہیں صبر آپ کا مگر توفیقِ الٰہی اور آپؐ غم
وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ	نہ کیجیے اُن پر اور نہ ہو جیے تنگی میں اس سے جو وہ حق
اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ	کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں، بیشک اللہ ساتھ ہے
مُّحْسِنُوْنَ ۝ (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸)	ان لوگوں کے جو پرہیزگار ہیں اور ان کے جو نیکوکار ہیں

چونکہ وحیِ الٰہی نے ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کا کفارہ دے کر اس

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ سوم

واقعۂ دلگداز پر صبر فرمایا۔

حضرت صفیہ رضؓ حضرت حمزہ رضؓ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے روتے جنازہ کے پاس تشریف لائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دے کر واپس فرمایا۔ حضرت صفیہ رضؓ اپنے صاحبزادے حضرت زبیر رضؓ کو حضرت حمزہ رضؓ کے کفن کے لیے دو چادریں دے گئی تھیں مگر پہلو میں ایک انصاری کی لاش بے کفن پڑی تھی۔ اس لیے دونوں شہیدانِ اسلام میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، لیکن جسم ڈھانپنے کے لیے ایک چادر ناکافی تھی۔ اگر سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ رہ جاتا، چنانچہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر کو چادر سے چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔ غرض اسی عبرت انگیز طریقے سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر ایک ایک کر کے تمام شہدائے اُحد کے جنازے اُن کے پہلو میں رکھے گئے اور حضورؐ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک کی نماز پڑھائی۔ اس طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد حضرت حمزہ رضؓ کی میت کو بصد اندوہ والم اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ کا بے حد قلق تھا، آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد الاشہل کی خواتین کو اپنے عزیز و اقارب پر روتے ہوئے سُنا تو فرمایا "افسوس، حمزہ رضؓ کے لیے رونے والیاں بھی نہیں"۔ جب انصارِ مدینہ نے سُنا تو اپنی عورتوں کو آستانۂ نبوتؐ پر بھیج دیا جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقے سے حضرت حمزہ رضؓ پر گریہ وزاری شروع کی، اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک نالہ و شیون کر رہی تھیں، فرمایا: کیا خوب، یہ اب تک یہاں بیٹھی رو رہی ہیں ان کو حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت حمزہ رضؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

گزشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت حمزہ رضؓ کو وحشیؓ ، حرب نے شہید کیا تھا۔ چنانچہ جب وہ اسلام قبول کر کے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر پوچھا: کیا تم ہی وحشی رضؓ ہو؟ عرض کی "ہاں" فرمایا "تم نے حمزہ رضؓ کو قتل کیا تھا؟" وہ بولے "حضورؐ کو جو کچھ معلوم ہے صحیح ہے" فرمایا "تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟" حضرت وحشی رضؓ اسی وقت اُٹھ کر باہر آ گئے اور پھر جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے، اُن کے سامنے نہ جا سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دور میں مسیلمہ کذاب کو اسی حربہ سے قتل کیا جس سے انہوں نے حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کیا۔ حضرت وحشی رضؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے جاہلیت میں خیر الناس کو قتل کیا اور اسلام میں شر الناس کو[1]

---

[1] مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے والے دو شخص تھے۔ ایک حضرت وحشی رضؓ دوسرے حضرت حبیبؓ بن زید۔ خود حضرت وحشی رضؓ کا بیان ہے کہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو ایک انصاری بھی بڑھے، میں نے مسیلمہ پر حربہ پھینکا اور وہاں کو لگ گیا انصاری نے بھی نہایت تیزی سے تلوار کا وار کیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم دونوں میں سے کس کے وار سے مسیلمہ کا خاتمہ ہوا۔ (رسولِ رحمت صفحہ ۳۰۹ بحوالہ ابن ہشام۔)

اخلاق

حضرت حمزہ رضؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں، شجاعت، بہادری اور جانبازی ان کے مخصوص اوصاف ہیں اُن کے محاسن کی تعریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہی کافی ہیں۔ جو حضورؐ نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے، کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو تم ایسے تھے کہ معلوم نہیں ایسا صلہ رحم کرنے والا، خیرات دینے والا کوئی اور ہو

ازواج واولاد

حضرت حمزہ رضؓ نے متعدد شادیاں کیں اور ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی۔ ایک بیوی کا نام بنت الملہ بن مالک بن عبادہ تھا جو قبیلہ اوس سے تھیں۔ اُن کے بطن سے یعلیٰ اور عامر دو لڑکے تھے۔ یعلیٰ کی وجہ حضرت حمزہ رضؓ کی کنیت ابو یعلیٰ تھی۔ عامر لاولد مر گئے۔ یعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں جو بچپن ہی میں انتقال کر گئیں، دوسری بیوی کا نام خولہ بنت قیس تھا۔ جن کے بطن سے عمارہ پیدا ہوئے جن کی وجہ سے حضرت حمزہ رضؓ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ تیسری بیوی کا نام سلمیٰ بنت عمیس تھا جن کے بطن سے امامہ بنت حمزہ رضؓ پیدا ہوئیں، یہ وہی امامہ ہیں جن کی پرورش کے بارے میں حضرت علی رضؓ، حضرت جعفر رضؓ اور حضرت زید بن حارثہ رضؓ نے جھگڑا کیا تھا۔ ان میں ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ اس کے پاس رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ حضرت جعفر رضؓ کے حق میں کیا کیونکہ ان کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس حضرت جعفر رضؓ کے نکاح میں تھیں۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سوم

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب آپ کا نام زید رضؓ کنیت ابو اسامہ رضؓ اور لقب حِبّ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ والد کا نام حارثہ تھا جو یمن کے ایک نہایت معزز قبیلہ بنو قضاعہ سے تھے۔ والدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ بن عبد عامر تھا جو قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن سے تھیں۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت زید رضؓ بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ۔

ابتدائی حالات حضرت زید رضؓ ابھی بچے تھے کہ اپنی والدہ سعدیٰ کے ساتھ ننہال گئے، انہی دنوں بنی القین کے سوار جو غارت گری سے واپس آ رہے تھے حضرت زید رضؓ کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں حضرت حکیم رضؓ بن حزام کے ہاتھ چار سو درہم میں فروخت کر دیا۔ حضرت حکیم بن حزام رضؓ نے انہیں اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ بنت خویلد کی خدمت میں پیش کیا۔ جن کی وساطت سے حضرت زیدؓ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور دنیا بھر کی شاہنشاہیاں قربان ہیں۔

حضرت زید رضؓ کے والد حارثہ بن شراحیل کو اپنے نونہال کی گمشدگی کا شدید غم ہوا۔ آنکھوں نے سیلِ اشک بہائے اور غمزدہ دل نے جدائی کے رنج و الم کو اس طرح اشعار کے قالب میں ڈھالا۔

(ترجمہ) میں زید پر رویا اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا ہوا۔ آیا زندہ ہے جس کی امید کی جائے یا اُسے موت آ گئی۔ مگر واللہ مجھے معلوم نہیں اگرچہ تلاش میں ہوں کہ آیا تجھے سطحِ زمین کھا گئی یا پہاڑ کھا گیا۔ اس کے متعلق میں قیس اور عمر کو نصیحت کرتا ہوں اور یزید کو بھی وصیت کرتا ہوں اور ان کے بعد جبل کو۔

آخری شعر میں جس جبل کا ذکر آیا ہے اُن سے مراد جبلہ بن حارثہ ہیں جو حضرت زید رضؓ کے بھائی تھے اور یزید سے مراد یزید بن کعب بن شراحیل ہے جو حضرت زید رضؓ کے اخیافی بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے لیے مکہ آئے، اُنہوں نے اس یوسفِ گم گشتہ کو دیکھ کر پہچان لیا اور حارثہ کے غم کی داستان ان کو سنائی، حضرت زید رضؓ کا دل بھی اپنے باپ کی حالتِ زار سن کر بھر آیا اور اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

(ترجمہ) میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں، گو ان سے دور ہوں، میں بیت اللہ میں مشعر حرام کے پاس مقیم ہوں اس لیے اس غم سے باز آ جاؤ جس نے تم کو حزیں کر دیا اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو، کیونکہ الحمد للہ میں بنی معد کے شریف خاندان میں ہوں یعنی ایسا شریف خاندان جو پشت ہا پشت سے معزز ہے۔

بنی کلب کے زائرین جب واپس وطن پہنچے تو انہوں نے حارثہ کو حضرت زیدؓ کے متعلق اطلاع دی، حارثہ اپنے بیٹے کے متعلق

سُن کر نہایت خوش ہوئے اور انہیں ایسا محسوس ہُوا کہ جدائی کی گھڑیاں اب ختم ہونے والی ہیں، مگر پھر اس خیال سے کہ زائرین بنی کلب نے کہیں پہچاننے میں غلطی نہ کی ہو کہنے لگے "ربِ کعبہ کی قسم کیا (واقعی وہ) میرا ہی نُورِ نظر تھا؟" ان لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مُربّی کے حالات بیان کیے تو حارثہؓ اپنے لختِ جگر کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ چنانچہ اُسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل پڑے۔ یہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بصد منت و سماجت عرض کی؛

"اے ابنِ عبداللہ، اے ابنِ عبدالمطلب، اے اپنی قوم کے رئیس زادہ، تم اہلِ حرم اور اس کے مجاور ہو، مُصیبت زدوں کی دستگیری کرتے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہمیں رہینِ منت بناؤ۔ زرِ فدیہ جس قدر چاہو، ہم بخوشی قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وُہ کون ہے؟" حارثہ نے عرض کی "زیدؓ بن حارثہ۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کا نام سُنا تو قدرے توقف کے بعد فرمایا: "کیا اس کے سوا تمہاری کوئی حاجت نہیں؟" عرض کیا "نہیں" ارشاد ہُوا:

"بہتر، زید کو بُلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو وہ تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم،

میں ایسا نہیں ہُوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں۔"

حارثہ اور کعب اس شرط پر نہایت شکر گزاری کے ساتھ راضی ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بُلایا اور پوچھا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" انہوں نے عرض کی "ہاں، یہ میرے والد اور چچا ہیں" حضورؐ نے قرعۂ انتخاب حضرت زیدؓ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا؛

"مَیں کون ہُوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے خواہ مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔"

حضرت زیدؓ کو شہنشاہِ کونینؐ کی غلامی میں جو زندگی کا لطف آیا تھا اس پر ہزاروں آزادیاں نثار تھیں، عرض کی "میں ایسا نہیں ہُوں جو حضورؐ پر کسی کو ترجیح دُوں، آپ ہی میرے باپ ماں ہیں" حضرت زیدؓ کے اس جواب پر حارثہ اور کعب حیران رہ گئے، بولے، "زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔" انہوں نے کہا "ہاں، مجھے اس ذاتِ پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے کہ مَیں اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا۔"

حضرت زیدؓ کی اس غیر متزلزل وفاشعاری نے آقائے شفیق کے قلبِ رؤف و رحیم میں دبی ہوئی محبت کی چنگاری کو مشتعل کر دیا، محسنِ انسانیتؐ انہیں حجرِ اسود کے پاس لے گئے اور فرمایا:

"اے حاضرین گواہ رہو کہ زیدؓ میرے بیٹے ہیں، مَیں اُن کا وارث ہوں، وہ میرے وارث ہیں۔"

اس اعلان سے حضرت زیدؓ کے والد اور چچا کے افسردہ دل، گُلِ شگفتہ کی طرح کھِل اُٹھے اور اپنے لختِ جگر کو اپنے سے ہزاروں درجہ زیادہ شفیق و معزز باپ کی آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ وطن لوٹ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ، زید بن محمدؐ کے نام سے زبان زدِ خاص و عام ہوئے

یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن حکیم نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی، تو وہ پھر اپنے باپ حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔

اسلام اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت و رسالت سے نوازا تو حضرت زید رضؓ نے ابتدا ہی میں شرفِ بیعت حاصل کیا۔ مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت زید رضؓ غلاموں میں سب سے پہلے مومن ہیں۔ ۶ھ بعثت میں جب حضرت امیر حمزہ رضؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو سرورِ کائنات صلعم نے ان سے بھائی چارہ کروا دیا۔ ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہ رضؓ جب غزوات پر تشریف لے جاتے تھے، تو حضرت زید رضؓ کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔

شادی حضرت امِ ایمن رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی کھلائی تھیں، حضورؐ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور اماں کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ ایک روز آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو اسے امِ ایمن سے نکاح کرنا چاہیے۔ حضرت امِ ایمن رضؓ اس وقت اگرچہ عمر میں حضرت زید رضؓ سے دوچند، بیوہ اور حبشی الاصل تھیں تاہم حضرت زید رضؓ نے حضورؐ کی خوشنودی خاطر کے لیے اُن سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ حضرت اُسامہ رضؓ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے، انہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔

ہجرت جب ہجرت کا حکم ہُوا، تو حضرت زید رضؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم رضؓ بن الہدم کے مہمان ہوئے۔ مواخات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس حضرت اُسید بن حضیر رضؓ اور ان کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرما دیا۔ حضرت زید رضؓ اب تک خاندانِ نبوتؐ کے ایک فرد کی طرح پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے مگر یہاں پہنچ کر حضورؐ نے ان کی رہائش کے لیے علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضؓ بنت جحش سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرّۂ افتخار تھا، جو حضرت زید رضؓ کے دستارِ فضیلت پر نصب ہُوا، لیکن یہ پیوند دیرپا ثابت نہ ہُوا، خاندانی اور نسبی عدمِ توازن نے دونوں کے سطحِ مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا۔ حضرت زید رضؓ نے دربارِ رسالتؐ میں حضرت زینب رضؓ کے رویّے کی شکایت کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وَاَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ کی نصیحت فرمائی اور وَاتَّقِ اللّٰه کہہ کر انہیں زیادہ برداشت کے لیے آمادہ کیا، لیکن حضرت زید رضؓ روزمرّہ کی بڑھتی ہوئی ناگواریوں کے پیشِ نظر بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے۔ انقضائے عدّت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضؓ کی دلجوئی کے لیے خود نکاح کرنا چاہا مگر چونکہ زمانۂ جاہلیت کی رسومات کا اثر باقی تھا جن کے تحت متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کا درجہ حاصل تھا، اس لیے منافقین کے اعتراض کا خیال وجۂ تامل ہُوا۔ قرآن حکیم میں بہت پہلے یہ ارشاد ہو چکا تھا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ ۔	محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے
(سورہ الاحزاب، آیت ۴۰)	باپ نہیں۔

اور مسلمانوں کو حکم ہُوا:۔

اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ	مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصل) باپوں کے نام سے پکارا کرو

(سورۃ الاحزاب آیت ۵) خدا کے نزدیک یہی بات درست ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے یہ خطرہ نکال دیا۔ تو آپؐ نے حضرت زیدؓ کی معرفت نکاح کا پیام بھیجا حضرت زینبؓ نے پیام سن کر کہا "جب تک خدا کا حکم نہ ہو میں کچھ نہیں کہہ سکتی" یہ کہہ کر آپ مسجد میں تشریف لے گئیں اس کے بعد ہی اس آیت نے آپ کو امہات المؤمنین میں داخل کر دیا۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (سورۃ الاحزاب آیت ۳۷)

پھر جب زید اس (عورت) سے بے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدت بھی پوری ہوگئی)، تو ہم نے تمہارے ساتھ اس (عورت) کا نکاح کر دیا۔

بہرکیف اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زیدؓ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زیدؓ بن حارثہ مشہور ہوئے۔

غزوات

حضرت زیدؓ کو تیر اندازی میں حد درجہ کمال حاصل تھا۔ آپ کا شمار ان مشاہیر صحابہؓ میں تھا جو اس فن میں یکتائے روزگار تھے۔ غزوۂ بدر سے سریہ موتہ تک جس قدر اہم ترین معرکے پیش آئے سب میں حضرت زیدؓ نہایت پامردی و شجاعت سے شریک کارزار ہوئے۔ اس عرصہ میں آپ صرف غزوۂ مریسیع میں شامل نہ تھے کیونکہ اس دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا تھا۔

متفرق کارنامے

حضرت زیدؓ نے مشہور معرکوں میں شمولیت کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہموں میں سپہ سالاری کے فرائض بھی انجام دیے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں حضرت زیدؓ شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا منصب ان ہی کو عطا ہوتا تھا۔ اس طرح حضرت زیدؓ متعدد بار سپہ سالار بنائے گئے۔ ان مہمات میں پہلی مہم سریہ قردہ تھی، جمادی الآخر سنہ ۳ھ میں آپ سو صحابہؓ کے ساتھ قریش کے ایک قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کے لیے قردہ روانہ کیے گئے، اس مہم میں آپ نے دشمن کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی اور بیش قیمت مالِ تجارت پر قبضہ کرنے کے ساتھ قافلہ کے رہنما فرات بن حیان عجلی کو بھی گرفتار کر لائے۔

ربیع الآخر سنہ ۶ھ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلیم کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ بنی سلیم مدینہ سے چار کوس کے فاصلے پر بطن نخلہ کے پاس مقامِ جموم میں مسکن گزین تھے۔ اس مہم میں حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور آپ مالِ غنیمت کے طور پر بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔

اسی سال جمادی الاوّل کے مہینہ میں آپ کو قریش کے ایک کاروانِ تجارت کو جو شام سے واپس آرہا تھا، روکنے کا حکم ہوا۔ آپ نے ستر سواروں کے ساتھ مقامِ عیص میں اس قافلہ پر کامیاب چھاپہ مارا اور تمام اہلِ قافلہ کو معہ سامان کے گرفتار کر لیا۔ مالِ غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ آپ کے ہاتھ لگا جو صفوان بن امیہ کے لیے شام سے آرہا تھا۔ قیدیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی تھے جنہوں نے اپنی اہلیہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دخترِ نیک اختر زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے قید سے رہائی حاصل کی۔

اسی سال جمادی الآخر میں آپ پندرہ مجاہدین کے ساتھ بنی ثعلبہ کی سرکوبی کے لیے مقام طرف کی جانب روانہ کیے گئے۔ غنیم آپ کی خبر ملتے ہی بھاگ گیا۔ چنانچہ آپ مال غنیمت میں کچھ اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ واپس آ گئے۔

رجب سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بارہ مجاہدین کا قائد بنا کر بنی فزارہ کی سرکوبی کے لیے وادی القریٰ کی جانب روانہ فرمایا، کفار نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے نو کو شہید اور ایک کو زخمی کر دیا تاہم آپ بسلامت مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

رمضان المبارک سنہ ۶ھ میں حضرت زید رضؓ ایک اسلامی کاروانِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ سامانِ تجارت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا مال بھی آپ کے ساتھ تھا۔ لوٹتے وقت وادی القریٰ میں قبیلہ فزارہ کی رہزن و غارت پیشہ جماعت بنی بدر نے تمام قافلہ لوٹ لیا اور مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں۔ حضرت زید رضؓ بمشکل اپنی جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربارِ نبوت میں اس واقع کی اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آ چکے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو ایک جمعیت کے ساتھ قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت زید رضؓ بڑی احتیاط سے دن کو چھپتے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے اچانک ان رہزنوں پر جا ٹوٹے اور انہیں قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، آپ نے آستانۂ نبوت پر پہنچ کر دستک دی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس حالت میں تھے۔ اسی حالت میں باہر تشریف لائے اور آپ کی کامیابی کا سن کر نہایت خوش ہوئے اور جوشِ مسرت سے گلے لگا کر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

جمادی الآخر سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ مقام حسمی کی طرف روانہ فرمایا۔ اس فوج کشی کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم کے قاصد حضرت دحیہ الکلبی رضؓ جب قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آ رہے تھے تو حسمی کے مقام پر نہید بن عارض اور اس کے ساتھیوں نے راستہ روک کر انہیں لوٹ لیا تھا۔ آنحضرت صلعم کو جب اس کی اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے حضرت زید رضؓ کو اس زیادتی کا انتقام لینے پر مامور فرمایا۔ حضرت زید رضؓ نہایت خاموشی کے ساتھ دن کو پہاڑوں میں چھپتے اور رات کو قطع منازل کرتے ہوئے اچانک غنیم پر جا پڑے اور نہید کو مع اس کے بیٹوں اور گروہ کے اکثر افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ مالِ غنیمت میں ایک ہزار اونٹ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے۔

سریہ موتہ اور شہادت

موتہ شام کے علاقہ میں ارضِ بلقاء کی ابتداء میں واقع ہے، اس جنگ کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارث بن عمیر رضؓ ازدی کو جو شاہِ بصریٰ کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے۔ اسی مقام پر شرجیل بن عمرو الغسانی نے شہید کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک چونکہ قاصد کا قتل ایک ناقابلِ معافی جرم تھا اس لیے شرجیل کی یہ قبیح حرکت حضور صلعم کو بہت شاق گزری، یہ مقام اگرچہ مدینہ سے کافی دور تھا اور فوج کشی آسان نہ تھی تاہم حضورؐ نے اس کے انتقام کے لیے تین ہزار کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید رضؓ بن حارثہ کو علمِ قیادت عطا کیا اور فرمایا "اگر زید رضؓ بن حارثہ شہید ہو جائیں، تو حضرت جعفر رضؓ بن ابی طالب امیرِ لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کریں تو حضرت عبداللہ رضؓ بن رواحہ فوج کی قیادت کریں گے۔ حضرت جعفر رضؓ بن ابی طالب چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر سمجھتے تھے کہ قیادت کا شرف انہی کو حاصل ہوگا، اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر یہ عرض کی "یا رسول اللہ، میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپؐ زید رضؓ کو مجھ پر امیر بنائیں گے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس کو جانے دو، تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے!"

جمادی الاوّل سنہ ۸ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ دشمن کو اس لشکر کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی۔ اس لیے ایک لاکھ کا ٹڈی دَل اُمڈ آیا تھا۔ جب مسلمان مقام معان میں پہنچے تو انہیں اس لشکر جرار کا علم ہوا، لیکن حضرت زیدؓ نے اس کثرت کی قطعی کوئی پروا نہ کی اور پیادہ پا دشمن پر بجلی بن کر گرے۔ دوسرے فوجی سرداروں نے بھی آپؓ کی تقلید کی اور دیر تک گھمسان کی جنگ رہی۔ حضرت زیدؓ جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت میں لڑتے لڑتے اتنے آگے نکل گئے کہ دشمنانِ اسلام کے نرغے میں پھنس گئے۔ اسی حالت میں نیزے کے ایک وار نے سرورِ دو عالمؐ کے وفا شعار غلام کی تمنائے شہادت پوری کر دی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شہید کُشت و خون کے بعد واصلِ بحق ہوئے۔ ان تینوں صحابہؓ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے قیادت سنبھالی اور غازیانِ دین کو جمع کر کے ایک ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ سے کسی قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی صحابہؓ کو اُمرائے لشکر کی خبر شہادت سُنا دی۔ حضرت زیدؓ کی خبر شہادت سُنانے کے بعد آپؐ نے فرمایا: "جعفرؓ نے علم لیا اور شہید ہوئے۔" پھر فرمایا" ابن رواحہؓ نے علم لیا اور شہید ہوئے۔" یہ فرماتے وقت حضورؐ فرطِ غم سے آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی نے جب باپ کی شہادت کے متعلق سُنا، تو زار و قطار رونے لگیں۔ اس کی آہ و زاری سُن کر حضورؐ ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے عرض کیا" یارسول اللہ یہ کیا ہے؟" فرمایا" یہ جذبہ محبت ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا۔ چنانچہ آپؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے تقریباً ڈھائی ماہ بعد اس کا انتقام لینے کے لیے حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اُسامہؓ کو مامور فرمایا۔ وہ چونکہ ابھی نہایت کم سن تھے۔ اس لیے اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں ان کی سیادت پر منافقین کو شرارت کا موقع ملا، انہوں نے مسلمانوں میں یہ بات پھیلانی شروع کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں صاحبِ فراش تھے تاہم آپؐ کو جب لوگوں کے اس اعتراض کا علم ہوا، تو آپؐ نے حیاتِ اقدس کے آخری خطبہ میں، جو آپ نے رحلت سے ایک دو دن قبل نمازِ ظہر کے بعد ارشاد فرمایا تھا، اس مسئلہ کی نسبت فرمایا:

> "اگر اُسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے، تو اس کے باپ (زیدؓ) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

اور جب اس ارشاد کے ایک دو دن بعد جبکہ یہ مہم ابھی روانہ نہیں ہوئی تھی، آفتابِ رسالت و نبوت غروب ہو گیا، تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے صحابہؓ کی مخالفت اور ہجوم مصائب کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری فرستادہ فوج کو کوچ کا حکم دیا اور حضرت اُسامہؓ بن زید اپنے شفیق باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے بعد غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اخلاق: حضرت زیدؓ کے صحیفۂ اخلاق میں وفا شعاری کا باب سب سے نمایاں ہے، آپ کی زندگی کا مقصد آقائے نامدارؐ کی رضامندی و خوشنودی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ آپ نے حضرت اُمِ ایمنؓ جیسی معمر اور بیوہ عورت سے محض اس لیے

نکاح کیا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت محبوب رکھتے تھے۔

اگرچہ حضرت زید رض کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی، تاہم ان کے اوصافِ حسنہ اور محاسنِ جمیلہ کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور ان کی اولاد کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ اگر حضرت زید رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہتے تو حضور ان کو اپنا جانشین بناتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض نے ایک دفعہ حضرت زید رض کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکا لی اور فرمایا: "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے۔"

اسلام سے محبت

حضرت زید رض کو اسلام سے اس قدر محبت تھی کہ عین اس وقت جبکہ آپ یقینی موت کے منہ میں تھے، آپ نے ارکانِ دین کی ادائیگی کے لیے بے انتہا خواہش کا اظہار فرمایا جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ظالم کے پنجے سے چھٹکارا دلایا۔ الاستیعاب کے بیان کے مطابق ایک دفعہ حضرت زید رض نے مکہ سے طائف تک کے لیے خچر کرایہ کیا، خچر والا ڈکیتی پیشہ تھا، وہ آپ کو ایک سنسان جنگل میں لے گیا۔ جہاں لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں، وہ جب آپ کو قتل کرنے لگا، تو آپ نے اس سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، اس نے اجازت دے دی، مگر ساتھ ہی کہا کہ جن لاشوں کو تو دیکھ رہا ہے یہ بھی نمازیں پڑھنے والے تھے، لیکن میرے ہاتھ سے تو کوئی بھی نہ بچا۔ حضرت زید رض نے نماز پڑھی اور تین بار یا ارحم الراحمین کہا۔ حضرت جبرائیل ع آئے اور انہوں نے ڈکیت کو قتل کر دیا۔[1]

حلیہ اور عمر

آپ کا قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی تھا۔ آپ نے چون پچپن برس کی عمر میں سریہ موتہ میں جام شہادت نوش کیا۔

ازواج و اولاد

آپ نے متعدد شادیاں کیں جن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، ان میں سے حضرت اسامہ رض بن زید رض آپ کی وفات کے وقت موجود تھے باقی دو کم سنی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد دوم

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب آپ کا نام عامر، کنیت ابوعبیدہ اور لقب امین الامت تھا، والد کا نام عبداللہ تھا، مگر آپ دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت میں فہر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ اُمیمہ بنتِ غنم بن جابر بھی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحابِ سِیَر کے مطابق مسلمان ہوئیں۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر القرشی الفہری۔

قبولِ اسلام جب آفتابِ رسالت طلوع ہوا اس وقت آپ تقریباً ستائیس سال کے تھے۔ ابن سعدؒ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارقم رضؓ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پیشتر آپ کو معہ حضرت عثمان بن مظعون رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے مشرّف باسلام فرمایا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

ہجرت قبولِ اسلام کے بعد قریشِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے۔ آخری دفعہ سب صحابہ رضؓ کے ساتھ ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے اور حضرت کلثوم رضؓ بن الہدم کے پاس اُترے، مواخات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا حضرت سعد بن معاذ رضؓ سے بھائی چارہ کرا دیا۔

غزوات مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مشرکینِ قریش نے مسلمانوں کو سکون سے بیٹھنے نہ دیا اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں مسلمان مجبور ہو کر بدر میں کفار کے مقابل صف آرا ہوئے، یہ حق و باطل کا اوّلین عظیم الشان معرکہ تھا جس میں تین سو تیرہ مسلمانوں نے حصّہ لیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ بھی اس معرکہ میں نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ سرگرمِ پیکار ہوئے۔ آپ کے والد عبداللہ جو کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ قبولِ اسلام کی وجہ سے آپ کے سخت دشمن بن گئے تھے، انہوں نے آپ کو تاک تاک کر نشانہ بنایا مگر آپ نے ہر بار اُن سے درگذر فرمایا لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آ رہے ہیں تو بالآخر اسلامی حمیت نسبی تعلق پر غالب آئی اور ایک ہی وار سے ان کا کام تمام کر دیا۔ حقیقت میں یہ اسلامی جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی۔ جس میں ماں باپ بہن بھائی غرض تمام رشتہ دار ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں۔ قرآن نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ

جو لوگ خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، تم اُن کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے، خواہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے، اور فیضِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے

(سورۃ المجادلۃ، آیت ۲۲)

غزوۂ اُحد میں جب مشرکین قریش کے اچانک حملے سے مسلمان افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگے تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اس معرکہ میں عبداللہ بن قمیہ کے حملے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں رُخسارِ مبارک میں گھس گئیں، جس سے آنحضرت صلعم کو سخت تکلیف تھی، حضرت ابُوعبیدہ رضؓ نے ان کڑیوں کو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس سے ان کے اپنے دو دانت شہید ہو گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں دو دانت کیا اگر جان بھی قربان ہو جاتی تو پروا نہ تھی۔

غزوۂ خندق اور بنو قریظہ میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ پھر ربیع الآخر سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضؓ کو بنو ثعلبہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، آپ چالیس آدمیوں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے رات کے اندھیرے میں بنو ثعلبہ کے مرکزی مقام ذی القصہ پہنچے اور صبح کے وقت ان پر چھاپہ مارا، وہ لوگ حملہ کی تاب نہ لا کر پہاڑوں میں چھپ گئے، صرف ایک آدمی ملا جس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ مالِ غنیمت میں بنو ثعلبہ کے مویشی ہانک کر مدینے لے آئے۔

اسی سال ماہِ ذیقعدہ میں بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے اور جو معاہدہ مسلمانوں اور قریشِ مکہ کے درمیان طے پایا تھا، اس پر بطورِ گواہ دستخط کیے۔ پھر سنہ ۷ھ میں خیبر کی فوج کشی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے، اور اس کی فتح میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا۔

جمادی الآخر سنہ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ ذات السلاسل کی جانب روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، تو انہوں نے دربارِ رسالت مآبؐ میں کمک بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابُوعبیدہ رضؓ کو علیحدہ علَم مرحمت فرما کر دو سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ جیسے جلیل القدر صحابہ رضؓ بھی تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاص کی فوج سے ملی تو قدرتی طور پر امامت اور سپہ سالاری کی بحث پیدا ہو گئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضؓ کی موجودگی میں حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو اس شرفِ گرامی کا استحقاق نہ تھا تاہم حضرت ابُوعبیدہ رضؓ نے ان کی ضد اور اصرار کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور جس مقصد کے لیے گئے تھے اُسے بحسن و خوبی انجام دینے کے بعد مدینہ واپس آئے۔

رجب سنہ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابُوعبیدہ رضؓ کو تین سو مجاہدین کا سردار بنا کر قریشی قافلوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے نیز قبیلہ جہینہ پر حملہ کرنے کے لیے سیف البحر کی طرف روانہ فرمایا، اس لشکر میں حضرت عمر رضؓ اور حضرت جابر رضؓ بن عبداللہ بھی شامل تھے۔ چلتے وقت حضورؐ نے زادِ راہ کے طور پر صحابہ رضؓ کو کھجوروں کا ایک تھیلا مرحمت فرمایا، جب یہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو صحابہ رضؓ نے ہر روز دو تین اُونٹ ذبح کر کے چند روز گزارے، لیکن جب امیر العسکر حضرت ابُوعبیدہ رضؓ نے اُونٹ ذبح کرنے سے منع فرما دیا اور خوراک کے لیے کسی کے پاس

بھی کچھ نہ رہا، تو مجاہدین نے درختوں کے پتے توڑ توڑ کر کھانے شروع کیے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد یہ مصیبت دُور کردی اور سمندر سے ایک تودہ عنبر مچھلی کنارے آ گئی مسلمانوں نے تقریباً اٹھارہ روز تک اسی پر گزر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ لوٹے۔

اسی سال رمضان المبارک میں مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کے معرکے وقوع میں آئے جن میں حضرت ابُو عبیدہ رضؓ نہایت جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

متفرق خدمات

جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابُو عبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمات بھی سُپرد ہوئیں مثلاً سنہ ۹ھ میں جب اہل نجران کے ساتھ ایک عہد نامہ طے پایا اور وہ اسے لے کر واپس وطن جانے لگے، تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے ہمراہ کسی کو بھیجیں جو قرآن و سُنت کی تعلیم دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابُو عبیدہؓ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"یہ اس اُمت کے امین ہیں ان کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے مصالحت کر کے حضرت علاء بن الحضرمی رضؓ کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت ابُو عبیدہؓ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب آپ رقم لے کر واپس مدینہ پہنچے تو اس روز نمازِ صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا: "شاید تم لوگوں کو ابو عبیدہ رضؓ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے" لوگوں نے عرض کیا "ہاں یارسول اللہ" یہ سُن کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کردوں گا، لیکن خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا، بلکہ خوف ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اُوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی۔ اور جس طرح ان کو مناقشت باہمی اور حسد و طمع نے ہلاک کر دیا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دے گی۔"

سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت ابُو عبیدہ رضؓ ساتھ تھے۔ اس سفر سے واپسی کے تقریباً تین ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا لیکن صلحائے اُمت کی کوششوں سے یہ بہت جلد فرو ہو گیا، اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے حضرت ابُو عبیدہ رضؓ کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں آپ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے گروہِ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس لیے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی نہ ہو جاؤ۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی اس مجمع میں موجود تھے، آپ نے خود ان کے نام پیش کر کے فرمایا، دیکھو یہ عمرؓ بن الخطاب رضؓ ہیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُن کی ذات سے اللہ نے دین کو معزز کیا ہے اور یہ دیکھو۔ ابُو عبیدہؓ بن الجراح موجود ہیں جن کو بارگاہِ نبوت سے "امین الامت" کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آگے بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کرلی، اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت

---

[1] سیر الصحابہ مہاجرین حصہ اوّل

کے لیے ٹوٹ پڑے اور اس طرح اُفقِ اسلام فتنہ کے تاریک بادلوں سے صاف ہوگیا۔

شام کی سپہ سالاری

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد ۱۲ھ میں کبارِ صحابہؓ کے مشورہ سے شام پر کئی اطراف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو حمص پر، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق پر، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو اُردن پر اور حضرت عمروؓ بن العاص کو فلسطین پر مامور فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح ان سب کے سپہ سالارِ اعظم ہوں گے۔

حضرت ابوعبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو انہیں قدم قدم پر رُومی جتھوں کا سامنا ہُوا، اُن کی کثرت کا اندازہ کر کے حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام اسلامی فوج کو یکجا کر لیا اور دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی، اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو عراقی مہم چھوڑ کر شام کی طرف جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ حسب الحکم راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہُوئے شامی فوج سے آکر مل گئے اور پھر متحدہ فوج نے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا، جو کامل تین ماہ تک جاری رہا۔

فتح دمشق

یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ صدیق اکبرؓ کا زمانہ ختم ہوگیا اور دمشق کی فتح حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں عمل میں آئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہُوا، تمام اہلِ شہر نے جشن میں خوب شرابیں پئیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی، حضرت خالدؓ بن ولید کی بیدار مغزی اور ہمتِ مردانہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتی تھی، چنانچہ آپ کو جب اہلِ شہر کی غفلت کا علم ہُوا، تو آپ معہ چند جانبازوں کے فصیل پھاند کر اندر داخل ہوگئے اور شہرپناہ کے دروازے کھول دیئے، مسلمان باہر منتظر تھے وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے، اہلِ شہر اس ناگہانی مصیبت کو دیکھ کر گھبرا گئے، ان کی سمجھ میں اس کے علاوہ کچھ نہ آیا کہ وہ حضرت ابوعبیدہؓ سے صلح کی درخواست کریں، حضرت ابوعبیدہؓ شہر کی دوسری طرف متعین تھے اور چونکہ انہیں اس صورتِ حال کا علم نہ تھا، اس لیے صلح قبول کر لی، اب فتح دمشق کی ایک عجیب صورت پیدا ہو گئی تھی، یعنی ایک طرف سے حضرت خالدؓ بن ولید فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری جانب سے حضرت ابوعبیدہؓ مصالحانہ، مسلمانوں کے دونوں لشکر جب وسط بازار میں ملے تو اصل حقیقت کا انہیں علم ہُوا لیکن چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ مصالحت کر چکے تھے، اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور مسلمانوں نے کسی سے کوئی تعرّض نہ کیا۔

اُردن کی فتح

دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں اور بمقام فحل میں خیمہ افگن ہوئیں۔ رُومیوں کو دمشق کے نکل جانے کا بڑا افسوس تھا، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لیے صوبہ اُردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں، لیکن مسلمانوں کے عزم و استقلال کو دیکھ کر پھر حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت و شنید کے لیے ایک سفیر بلایا۔ حضرت معاذؓ بن جبل نے سفارت کے فرائض سرانجام دیے، مگر مفاہمت نہ ہو سکی، اب رومیوں نے براہِ راست حضرت ابوعبیدہؓ سے گفتگو کے لیے قاصد بھیجا، جس وقت وہ اسلامی لشکر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہُوا ہے، افسری ماتحتی کی کوئی تمیز نہیں، آخر قاصد نے گھبرا کر پُوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قاصد نے یہ تصدیق کر کے کہ آپ ہی مسلمانوں کے سردار ہیں یہ پیش کش کی کہ اگر آپ یہاں سے چلے جائیں، تو اسلامی فوج کے ہر شخص کو دو دو اشرفیاں دیں گے، حضرت ابوعبیدہؓ نے انکار فرمایا اور قاصد کا رویہ دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض ذیقعدہ ۱۴ھ میں فریقین میں جنگ شروع ہوگئی، حضرت

ابو عبیدہؓ ایک ایک صف میں جا کر کہتے: "خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

بالآخر کئی خون ریز معرکوں کے بعد عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور اُردن کا پورا صوبہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہو گیا۔

حمص کی فتح

دمشق اور اُردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے، حضرت ابو عبیدہؓ پہلے حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرنے کے بعد حمص کا محاصرہ کر لیا، یہاں دفاع کے لیے کوئی فوجی انتظام موجود نہ تھا تاہم اہل شہر کچھ عرصہ تک امداد کی اُمید پر مدافعت کرتے رہے لیکن جب کوئی اُمید بر نہ آئی تو ناچار خود بخود شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص کے محاصرہ کے دوران میں حماۃ، شیرزا اور معرۃ النعمان وغیرہ فتح کر لیے تھے۔ اس لیے حمص کی تسخیر کے بعد یہاں حضرت عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر خود لاذقیہ روانہ ہو گئے۔

لاذقیہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اُسے فتح کرنے کے لیے ایک نئی تدبیر اختیار کی، آپ نے میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے اور بظاہر محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، اہل شہر نے مسلمانوں کے اس طرح چلے جانے کو تائیدِ غیبی خیال کیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہو گئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ جو اسی رات اپنی فوج کے ساتھ واپس آ کر ان غاروں میں چھپ رہے تھے صبح کے وقت نکل کر اچانک شہر میں داخل ہو گئے اور آسانی کے ساتھ اسلام کا عَلَم بلند کر دیا۔

یرموک کا فیصلہ کُن معرکہ

مسلمانوں کی پے در پے کامیابیوں نے رُومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا، اُنہوں نے ہرقل شہنشاہِ روم کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام روند ڈالا ہے اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں، قیصر اگرچہ اہل اسلام کی روز افزوں فتوحات اور رُومیوں کی درماندگی کے پیشِ نظر شام چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کر چکا تھا تاہم بیکس رُومیوں کی فریاد سُن کر اسے غیرت آگئی، چنانچہ اس نے پوری قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لیے فرمان جاری کر دیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو جب خود شامی اُمرا اور رُؤسا کے ذریعہ ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اچھی طرح دشمن کی تیاریوں کی تحقیق کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا اور اس مُہیب طوفان کو روکنے کے متعلق اُن سے مشورہ طلب کیا، حضرت یزیدؓ بن ابو سفیان حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اور دیگر حاضرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی؛ بالآخر کثرت رائے سے یہ طے پایا کہ "مفتوحہ علاقوں کو چھوڑ کر تمام فوجوں کو دمشق میں جمع کیا جائے"۔ اس فیصلے سے ظاہر ہے کہ مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے حضرت ابو عبیدہؓ نے حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جزیہ کی مد میں وصول شدہ ایک ایک کوڑی لوگوں کو واپس کر دی، مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے عیسائی اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ رو رو کر ان کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے[1]

دمشق میں فوجوں کے اجتماع کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المومنینؓ کو تازہ صورتِ حال سے مطلع کیا، رومیوں کی تیاریوں کا حال سُن کر مدینہ کا ہر شخص جوش سے لبریز ہو کر سر بکف میدانِ جہاد میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے حضرت سعیدؓ بن عامر کی زیرِ قیادت

---

[1] فتوح البلدان

تھوڑی سی مزید کمک شام روانہ کر دی، اس دوران میں حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے فوجوں کے اجتماع کے ساتھ دمشق سے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان میں مورچہ بندی کی یہ جگہ جنگی نقطۂ نظر سے نہایت مناسب اور باموقع تھی، اس کے قریب ہی مقام دیر الجبل میں رومیوں کا ٹڈی دل جو دو لاکھ سے زائد تھا، آکر خیمہ زن ہوا، تعداد میں اگرچہ رومی لشکر مسلمانوں سے سات گنا زیادہ تھا تاہم جو لوگ عربی تلوار کی کاٹ دیکھ چکے تھے، وہ صلح کے متمنی تھے اور یہی خواہش اُن کے سپہ سالارِ اعظم باہان کی تھی غرض مصالحت کے لیے نامہ و پیام شروع ہو گیا۔ اتفاق سے جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکرگاہ میں عین اس وقت پہنچا جب کہ شام ہو چکی تھی، ذرا دیر بعد نماز مغرب شروع ہوئی اور جارج مسلمانوں کے مؤثر طریقۂ عبادت خشوع و خضوع اور محویت و استغراق کو دیکھ کر حد درجہ متاثر ہوا، نماز کے خاتمہ کے بعد اس نے حضرت ابوعبیدہ رضؓ سے چند سوالات پوچھے جن میں ایک یہ تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں، حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے قرآن کی یہ آیات پڑھیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ (نساء آیت ۱۷۱)

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (نساء آیت ۱۷۲)

اے اہلِ کتاب اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو، اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط بات منسوب نہ کرو، حقیقت میں مسیح بن مریمؑ خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریمؑ کی طرف بھیجا تھا۔ مسیح اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی میں عار نہیں ہے

جارج نے جب ان آیات کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اُٹھا کہ بیشک حضرت عیسیٰ ؑ کے اوصاف یہی ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بہ خلوص نیت اسلام قبول کر لیا، وہ اگرچہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا تاہم اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو، حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے اسے واپس جانے پر مجبور کیا اور کہا کل جو سفیر آئے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

غرض رجب ۱۵ھ میں فریقین میں پہلا مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو گئی، اسی دوران میں رومیوں نے سفارت طلب کی، حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے حضرت خالد بن ولید رضؓ کو سفیر بنا کر بھیجا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا البتہ دونوں فریق اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اس جنگ میں رومیوں کا جنگی اہتمام دیدنی تھا، تیس ۳۰ ہزار رومی پاؤں میں بیڑیاں پہن کر لڑائی میں شریک ہوئے اور عیسائی پادریوں نے یسوع مسیح ؑ کا نام لے لے کر اپنے لشکریوں کی آتشِ غضب بھڑکائی لیکن یہ سب کوششیں مسلمانوں کے غیر معمولی جوش کے سامنے بے اثر ثابت ہوئیں اور انجام کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس جنگ کی شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رومیوں کے تقریباً ستر ہزار سپاہی کھیت رہے۔ مسلمان بھی کم و بیش تین ہزار شہید ہوئے جن میں حضرت ضرار بن ازور رضؓ، حضرت ہشام بن العاص رضؓ اور حضرت ابان بن سعید رضؓ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔

یرموک کی فتح کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے استقبال کے لیے چشم براہ تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے حمص پہنچ کر حضرت خالد رضؓ بن ولید کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونوں مقام آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے اور چند دنوں بعد اہلِ انطاکیہ

بھی مطیع ہو گئے۔ اب صرف بیت المقدس رہ گیا تھا جس کا محاصرہ ایک عرصہ سے حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کیا ہوا تھا۔ اسی دوران میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے ہر چند مدافعت کی کوشش کی مگر آخر صلح کے لیے تیار ہو گئے، لیکن شرط یہ پیش کی کہ خود امیر المومنینؓ آ کر معاہدہ صلح لکھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک خط کے ذریعہ حضرت عمرؓ کو اس شرط سے مطلع کیا جسے امیر المومنینؓ نے منظور فرما لیا اور مدینہ میں کاروبارِ خلافت حضرت علیؓ کے سپرد کر کے بیت المقدس روانہ ہوئے۔ آپ جب جابیہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابو عبیدہؓ نے دوسرے فوجی افسروں کے ساتھ آپؓ کا استقبال کیا۔ بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے۔ چنانچہ اسی مقام پر معاہدہ صلح طے پا جانے کے بعد شہر مسلمانوں کے حوالے ہو گیا۔

رومیوں کی آخری کوشش

جزیرہ جو عراق کا حصہ تھا اب تک فتح نہیں ہوا تھا۔ اس کی سرحد شام سے ملی ہوئی تھی، شام پر مسلمانوں کے مکمل قبضہ کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا۔ انہوں نے قیصر روم کو امداد کے لیے لکھا۔ رومیوں کو قسمت آزمائی کا ایک اور موقعہ ہاتھ آیا، چنانچہ وہ ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجیں جمع کیں اور حضرت عمر فاروقؓ کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اس پر امیر المومنینؓ کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ رومیوں کو روکنے کے لیے آگے بڑھے اور میدانِ کارزار میں پہنچ کر ایک پُرجوش تقریر سے مسلمانوں کی تمنائے شہادت کو ایک ایسی قوت بنا دیا جس کے سامنے رومی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک انہیں کوئی جائے پناہ نہ ملی۔ یہ رومیوں کی آخری کوشش تھی جس میں ناکام ہونے کے بعد انہیں پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت

حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں ۱۷ھ میں معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو تفویض کر دیا۔ مؤرخین کے مطابق جب حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق سے روانہ ہونے لگے، تو آپ نے لوگوں سے کہا "تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ امین الامت تمہارا والی ہے۔" اس کے جواب میں حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ خالدؓ اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار ہے۔" غرض اس لطف و محبت کے ساتھ حضرت ابو عبیدہؓ امارت یا ولایت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے انتظامی حیثیت سے مُلکِ شام میں جو مختلف اصلاحات جاری فرمائیں، ان میں اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں، ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپ نے اس میں سرگرم حصّہ لیتے ہوئے شام سے چار ہزار اُونٹ غلّے سے لدے ہوئے بھجوائے، اشاعتِ اسلام میں بھی آپ نے نمایاں حصّہ لیا، قبیلہ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو عیسائیت قبول کر کے مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے حضرت ابو عبیدہؓ کی کوششوں سے اسلام لائے نیز بعض شامی اور رومی عیسائی بھی آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

طاعون عمواس

۱۸ھ میں نہایت شدت سے طاعون کی وبا پھیلی، اس نے اگرچہ تمام مفتوحہ ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا تاہم شام اس کا خصوصی ہدف بنا، بڑے بڑے نامور بزرگ اور یادگار ہستیاں اس کی ہلاکت خیزیوں کا شکار ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ کو اس وبا کا علم ہوا، تو سخت فکر مند ہو گئے اور دار الخلافہ چھوڑ کر شام روانہ ہوئے۔ مقام سرغ پہنچے تو حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے

سرداروں نے استقبال کیا، اس دوران میں وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس صورت حال کے پیش نظر پہلے مہاجرین اور انصار صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف آرا پیش کیں، تاہم قریش کے بوڑھے اور تجربہ کار بزرگوں نے مشورہ دیا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا ہی بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے منادی کرا دی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا۔ سب ساتھ چلیں، حضرت ابوعبیدہؓ چونکہ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے۔ اس لیے یہ حکم انہیں ناگوار گزرا اور آزادی کے ساتھ کہا۔

"افرارا من قدر اللّٰہ" یعنی اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے سنا، تو فرمایا: ہاں تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں"

غرض حضرت عمرؓ وہاں سے واپس لوٹ آئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ چند دنوں کے لیے یہاں چلے آیئے آپ سے کچھ کام ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ، امیر المومنین ؓ کا مقصد سمجھ گئے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ جو مقدر میں ہے وہ پورا ہو گا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر تاکیداً لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف لے جاؤ۔ اس حکم پر حضرت ابوعبیدہؓ نے فوجیں جابیہ میں منتقل کر دیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا، چنانچہ جابیہ پہنچ کر طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض نے شدت اختیار کی تو حضرت معاذؓ بن جبل کو اپنا جانشین بنایا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا: "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبیؐ کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس میں جاں بحق ہوئے ہیں اور اب ابوعبیدہؓ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے"

نماز کا وقت آیا، تو حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے داعیٔ حق کو لبیک کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اخلاق و عادات

حضرت ابوعبیدہؓ کے صحیفۂ اخلاق میں خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں، خوفِ خدا آپ کی رگ و پے میں اس طرح سمایا ہوا تھا کہ محض معمولی واقعات آپ کے لیے سرمایۂ عبرت بن جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے گھر آیا تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہے ہیں، اس نے متعجب ہو کر رونے کا سبب پوچھا، تو فرمانے لگے۔ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا ابوعبیدہؓ اگر اس وقت تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لیے تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمہاری ذات کے لیے ایک تمہارے اہل و عیال کے لیے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لیے اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں۔ ایک تمہارے لیے، ایک غلام کے لیے اور ایک اسباب و سامان کے لیے، لیکن اب دیکھتا ہوں کہ میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ بلند رتبہ ہو گا جو اسی حال میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔

امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ ہمیشہ ہادیٔ برحق کی محبت اور دین برحق کی اطاعت میں سب سے پیش پیش رہے۔ غزوہ بدر میں

باپ کو قتل کیا۔ غزوہ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت رسانی کے لیے دو دانت شہید کیے، سریہ ذات السلاسل میں حضرت عمروؓ بن العاص سے اختلاف ہُوا تو صرف اس خیال سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقِ باہمی کی ہدایت فرمائی تھی، طوقِ اطاعت گلے میں ڈال لیا، یہاں تک کہ زندگی کا آخری لمحہ بھی اطاعتِ رسُولؐ میں گزرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی مگر آپ نے صرف اس بناء پر ٹلنے کا نام نہ لیا کہ اللہ کے رسولؐ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی۔

حضرت ابُوعبیدہؓ کی پوری زندگی زہد و بے نیازی کی ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر شاذو نادر ہی ملے گی۔ ان کی نگاہ میں دُنیا اور اس کی نعمتیں پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی تھیں، شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہؓ کی طرزِ معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفرِ شام کے موقع پر جب فوجی افسروں کو پُرتکلف قبائیں اور زرق برق لباس پہنے دیکھا، تو اس قدر برہم ہوئے کہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور سنگریزے اٹھا اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ تم اس قدر جلد بدل گئے ہو اور تم نے اس سرعت سے عجمی عادات اختیار کر لی ہیں، لیکن زہد و بے نیازی کے اس بادشاہ کے جسم پر اس وقت بھی سادہ کپڑے تھے جن سے عرب کی سادگی نمایاں تھی۔ حضرت عمرؓ ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی دیکھنے میں آئی یعنی ڈھال، تلوار اور اُونٹ کے کجاوہ کے علاوہ کوئی سامانِ راحت موجود نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابُوعبیدہؓ، کاش تم ضروری ضروری سامان تو فراہم کر لیتے، اس بے نیازِ عالم نے جواب دیا "امیرالمومنینؓ ہمارے لیے یہی بس ہے۔"

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابُوعبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطورِ انعام بھیجے۔ اُنہوں نے اسی وقت تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور ایک کوڑی بھی اپنے لیے نہ رکھی، امیرالمومنینؓ نے سُنا تو فرمایا "الحمدللہ، کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔"

ابن سعدؒ کے بیان کے مطابق ایک دفعہ عمر فاروقؓ اعظم نے اپنے ہمنشینوں سے کہا کہ کسی نے کچھ آرزو کی اور کسی نے کچھ، میری آرزو یہ ہے کہ ایک مکان ہوتا جو ابوعبیدہؓ بن الجراح جیسے لوگوں سے بھرا ہوتا۔ پاس بیٹھے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ مَیں نے اسلام میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ فرمایا یہی تو مُراد ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اگر ابُوعبیدہؓ بن الجراح کو پاتا تو انہیں خلیفہ بناتا اور ان کے خلیفہ بنانے میں کسی سے مشورہ نہ کرتا، اگر ان کے متعلق مجھ سے باز پرس ہوتی، تو کہتا کہ مَیں نے اللہ کے "امین" اور اس کے رسولؐ کے "امین" کو خلیفہ بنایا۔

گزشتہ سطُور میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب رومی سفیر اسلامی لشکرگاہ میں پہنچا تو اُسے سردارِ فوج کی شناخت میں دِقت پیش آئی کیونکہ خاکساری اور تواضع کے اس پیکر نے سپہ سالارِ اعظم ہونے کے باوجود کبھی جاہ و حشم سے سروکار نہ رکھا، بہرکیف جب سفیر نے سب کو ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے پایا تو اس نے متحیر اور گھبراہٹ کے عالم میں لوگوں سے پُوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابُوعبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس نے دیکھا کہ ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب افسری اور ماتحتی کی تمیز سے بے نیاز ہو کر فرشِ خاک پر بیٹھا ہے تو اور متحیر ہو گیا۔

حضرت ابُوعبیدہؓ اسلامی مساوات کا حد درجہ خیال رکھتے تھے، آپ کی نظر میں فوج کے ایک معمولی سپاہی کو وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے دشمن کے ایک سپاہی کو پناہ دی۔ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت

عمرو بن العاص رضؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے فرمایا ہم اُسے پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضؓ کا خلق و ترحم سب مخلوق کے لیے عام تھا، شام میں آپ کی شفقت و رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا۔ وہاں عیسائیوں کو اوقاتِ نماز میں ناقوس بجانے اور گزرگاہوں سے صلیب نکالنے کی اجازت نہ تھی تاہم انہوں نے سال میں ایک بار عید کے موقع پر صلیب نکالنے کی اجازت کے لیے درخواست گزاری جسے حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے بخوشی منظور فرما لیا۔ اس رواداری کا اثر یہ ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور برضا و رغبت جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دینے لگے۔

حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے خانگی حالات کی تفصیل تذکروں میں موجود نہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت نے دوسری کسی محبت کو غالب نہ ہونے دیا، غزوۂ بدر میں جب آپ نے رشتۂ اسلام کی مضبوطی کے لیے اپنے باپ کے قتل سے ہاتھ پیچھے نہ کھینچا، تو پھر بیوی بچوں میں غیر معمولی شغف پیدا کرنا آپ کے جذبہ انقطاع الی اللہ کے منافی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی زندگی الحبّ للہ اور البغض للہ کی صحیح عملی تصویر تھی۔

حُلیہ آپ کا قد لمبا، جسم نحیف و لاغر، چہرہ کم گوشت والا اور سامنے کے دو دانت خدمتِ رسولؐ میں قربان ہو گئے تھے۔ ڈاڑھی گھنی نہ تھی اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد و ازواج ابنِ سعدؒ کے مطابق حضرت ابوعبیدہ رضؓ کی اولاد میں دو لڑکے یزید اور عمیر تھے، ان دونوں کی والدہ ہند بنت جابر بن وہب تھیں لیکن بعض تذکروں میں عمیر کی والدہ کا نام ورجا بتایا گیا ہے، بہرکیف ان دونوں کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور لاولد فوت ہو گئے۔

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب

آپ کا نام علی رضؓ لقب حیدر، شیر، اور کنیت ابوالحسن اور ابوتراب تھی، مؤخر الذکر کنیت آپ کو بہت محبوب تھی، اگر کوئی آپ کو اس سے پکارتا، تو بہت مسرور ہوتے، آپ کے والد کا نام ابوطالب والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اسد بن ہاشم تھا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی، چونکہ حضرت ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس لیے حضرت علی رضؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد ہیں ـــ حضرت علی رضؓ مرتضیٰ کے والد حضرت ابوطالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال کی عمر میں اُن کی آغوشِ عاطفت میں آئے اور تقریباً پچاس سال کی عمر تک انہی کے ساتھ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے، تو حضورؐ نے ان ہی کے زیرِ حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا۔ حضرت ابوطالب اس زمانہ میں جبکہ خدا کے آخری نبیؐ ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے، آپؐ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے اور ہر موقعہ پہ آپؐ کے لیے سینہ سپر رہتے تھے، مشرکین قریش نے اس پشت پناہی اور حمایت کے باعث حضرت ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں اُن کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، پھر بھی اس نیک طینت بزرگ نے زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے عظیم بھتیجےؐ کے سر سے دستِ شفقت نہ اُٹھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جائے، چنانچہ حضورؐ نے ابوطالب کی وفات کے وقت انہیں نہایت اصرار کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت دی تاکہ خدا کے آخری نبیؐ کی خدمت و حمایت کے صلے میں انہیں جنت الفردوس کی لامتناہی دولت حاصل ہو مگر صحیح روایات کے مطابق ابوطالب نے اگرچہ علانیہ قبولِ اسلام تو نہ کیا تاہم جس ثبات و استقلال کے ساتھ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا اس کے پیشِ نظر اسلام کی تاریخ میں حضرت ابوطالب کا نام ہمیشہ شکرگزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علی رضؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضؓ بنتِ اسد نے بھی آنحضرت صلعم کی پرورش و پرداخت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا مشہور روایات کے مطابق آپ نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو آنحضرت صلعم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایتِ بے پایاں کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ حضرت ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں [1]

---

[1] سیر الصحابہ رضؓ خلفائے راشدین

حضرت ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اسی لیے حضورؐ نے نیک دل چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنے دامنِ پرورش میں لے لیا تھا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

اسلام حضرت علیؓ کی عمر ابھی صرف دس سال تھی کہ اُن کے شفیق مربیؐ کو دربارِ خداوندی کی طرف سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے اُن کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ روایت ہے کہ ایک روز آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو مصروفِ عبادت دیکھا تو طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ اس پر آنحضرت صلعم نے آپ کو نبوت کے منصبِ گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کرکے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کو یہ سُن کر اگرچہ یک گونہ تعجب ہُوا، لیکن چونکہ آنحضرت صلعم کی پرورش کے باعث فطرت سنور چکی تھی، اس لیے بتوفیقِ الٰہی دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ قبولِ اسلام کے متعلق حضرت علیؓ کا خود اپنا قول ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کو مبعوث ہوئے اور میں سہ شنبہ کو اسلام لایا (ترجمہ)

مکّہ کی زندگی قبولِ اسلام کے بعد حضرت علیؓ مشورہ کے جلسوں میں، تعلیم و ارشاد کے مجمعوں میں، مشرکین و کفار کے مباحثوں میں اور معبودِ حقیقی کی عبادت و پرستش کے موقعوں پر غرض ہر قسم کی صحبتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے، حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام تک چونکہ سرزمین مکّہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر معبودِ حقیقی کی عبادت و پرستش فرماتے تو حضرت علیؓ بھی شریک ہوتے، ایک دفعہ وادیٔ نخلہ میں حسبِ معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے حضرت ابوطالب اِدھر سے گزرے، انہوں نے اپنے پیغمبر بھتیجےؐ اور بلند بخت بیٹے کو عبادت کرتے دیکھا، تو پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلعم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا[1]

حج کے دنوں میں سرزمین مکّہ چونکہ قبائلِ عرب کا مرجع بن جاتی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغِ حق کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی کم عمری کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے تاہم کبھی کبھار آنحضرت صلعم کے ساتھ ہو جاتے اور جب کبھی آنحضرت صلعم کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے تو بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے۔

انتظامِ دعوت نبوت کے چوتھے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ تبلیغ کا حکم ہوا۔ جس کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرنا تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ اپنے قریبی اعزا کو (عذابِ الٰہی سے) ڈراؤ۔

سورہ الشعراء آیت ۲۱۴

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

ے مطابق بنو عبدالمطلب کی دعوت کی اور حضرت علی رضؓ کو انتظامِ دعوت پر مقرر فرمایا۔ حضرت علی رضؓ کی عمر اگرچہ چودہ پندرہ سال کے
ب بھگ تھی، تاہم آپ نے نہایت اچھا انتظام کیا اور مہمانوں کی تواضع بکرے کے پائے اور دودھ سے کی۔ دعوت میں حضرت حمزہ رضؓ،
حضرت عباس رضؓ، ابولہب اور ابوطالب سمیت خاندان کے چالیس افراد شریک تھے، پہلے دن تو ابولہب کی بکواس سے آنحضرت صلعم کو
لنے کا موقع نہ ملا، البتہ دوسرے دن خاندان کے انہی افراد کی موجودگی میں کھانے سے فراغت کے بعد آنحضرت صلعم نے اٹھ کر فرمایا، خدا کی
سم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے؟
ں کے جواب میں صرف ایک آواز بلند ہوئی جو حضرت علی المرتضیٰ رضؓ شیرِ خدا کی تھی۔ آپ نے کہا "گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور
مجھے آشوبِ چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپؐ کا معاون و مددگار اور قوتِ بازو بنوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ سن کر آپ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور پھر حاضرینِ مجلس سے خطاب فرمایا، لیکن اب کی بار حضرت علی رضؓ کے علاوہ کسی نے کوئی جواب
دیا۔ آنحضرت صلعم نے تیسری مرتبہ پھر اپنے سوال کو دہرایا، مگر جب اس بارِ گراں کو اٹھانے کے لیے کوئی آواز نہ ابھری تو حضرت علی رضؓ
جانبازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا۔ اس پر حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

تم میرے وارث اور بھائی ہو۔[1]

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں صدائے اسلام بلند کرتے رہے، لیکن
مشرکینِ قریش نے اس دعوتِ حق کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپؐ کے متبعین پر طرح طرح کے مظالم روا
کیے۔ جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور اہلِ اسلام پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا تو رحمۃ للعالمین ؐ نے اپنے فدائیوں کو ہجرتِ
مدینہ کا حکم دیا، چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ باقی مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے۔ اب مشرکین کو یہ اندیشہ لاحق ہوا
چونکہ مسلمان ان کے پنجۂ اقتدار سے آزاد ہو گئے ہیں، اس لیے کہیں اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لینے پر نہ تُل جائیں، نتیجۃً
ں خطرہ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنا دیا، چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے خدا کے آخری پیغمبر کو قتل کرنے
ارادہ سے رات کے وقت کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر لیا، لیکن مشیتِ ایزدی تو یہ تھی کہ آفتابِ رسالت ؐ کے نور سے تمام عالم منور
جائے اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے، اس لیے وحیِ الٰہی نے آنحضرت صلعم کو کفار کے ارادوں کی اطلاع دے دی اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا
ضرت صلعم نے اس خیال سے کہ کفار کو شبہ نہ ہو حضرت علی رضؓ کو اپنے بستر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔

جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ

حضرت علی رضؓ کو پتہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترِ اطہر پر لیٹنا گویا خود موت کو
دعوت دینا ہے مگر آپ نے ارشادِ نبوت کے مقابلہ پر اپنی جان کو پرِ کاہ کے برابر بھی خیال
یا اور موت کے خطرے سے بے نیاز ہو کر محوِ استراحت ہو گئے۔ اس وقت حضرت علی رضؓ کی عمر بائیس تئیس سال سے زیادہ نہ تھی، اس
نوانِ شباب میں اس جرأتِ ایمانی سے اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا بلاشبہ فدائیت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے

---

[1] سیر الصحابہ رضؓ خلفائے راشدین

بہرحال محاصرہ رات بھر جاری رہا اور مشرکین اس دھوکہ میں رہے کہ بستر پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محوِ استراحت ہیں، لیکن صبح جب انہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر شہنشاہ کونین ؐ کی جگہ ان کے ایک فدائی سر بکف سو رہے ہیں تو اپنی غفلت پر بہت جھنجلائے، پہلے تو وہ غصّے و ندامت کے عالم میں جناب امیرؓ پر پل پڑے مگر پھر انہیں چھوڑ کر اپنے اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکّہ میں مقیم رہے، مکّہ میں چونکہ آنحضرت صلعم کا لوگوں سے کاروبار اور لین دین تھا، اس لیے آپ نے آنحضرت صلعم کی ہدایت کے مطابق پہلے لوگوں کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور پھر عازم مدینہ ہوئے، ان دنوں آنحضرت صلعم حضرت کلثومؓ بن ہدم کے ہاں فروکش تھے، حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جا کر مقیم ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کرایا، تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔

تعمیرِ مسجد مدینہ میں اسلام مکّہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، یہاں ہر آدمی خدائے واحد کی پرستش اور احکامِ شرعیہ کو اطمینان اور دلجمعی سے ادا کرنے کے لیے آزاد تھا، یہ انہی آزاد فضاؤں کا اثر تھا کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ حضورؐ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے صحابہؓ کے ساتھ خود بھی اس کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ تعمیرِ مسجد کے لیے گارا اور پتھر لا لا کر دیتے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔

جو مسجد تعمیر کرتا ہے، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی

چراتا ہے، وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (ترجمہ)

غزوہ بدر سلسلۂ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے۔ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جانبازوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے۔ جن میں سے ایک حیدرِ کرارؓ کے ہاتھ میں تھا۔ بدر کے قریب پہنچ کر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے حضرت علیؓ کو معہ چند منتخب جانبازوں کے بھیجا، آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، چنانچہ مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر جنگی اہمیت کے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا، جنگ کی ابتداء ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ھ کو ہوئی۔ قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ کے لیے قریش کی صفوں سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاری مقابلہ کے لیے نکلے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام و لقب دریافت کیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ جوان یثرب کے ہیں تو انہوں نے ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور آنحضرت صلعم کو پکار کر کہا کہ مقابلہ میں اُن کے ہم پلّہ آدمی بھیجے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے، حکم کی دیر تھی کہ حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ میدان میں آ گئے، حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کا ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ پھر جھپٹ کر حضرت عبیدہؓ کی مدد کو پہنچے اور اُن کے حریف شیبہ پر کاری ضرب لگا کر اسے جہنم رسید کیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلّہ بول دیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ شیرِ خدا نے صفوں کی صفیں الٹ دیں اور جس طرف بھی رُخ کیا۔ ذوالفقارِ حیدری بجلی کی طرح چمکتی دشمنانِ اسلام کے پیچھے اٹھاتی چلی گئی، مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مالِ غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے۔ مالِ غنیمت میں حضرت علیؓ

کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔

حضرت فاطمہؓ سے نکاح

اسی سال یعنی ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا، یعنی اپنی سب سے چھوٹی اور محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے نکاح کر دیا۔ مورخین کے مطابق جب حضرت علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام بھیجا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ عرض کی کہ ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا کچھ نہیں، ارشاد ہوا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے ارشادِ نبوتؐ کی تعمیل کرتے ہوئے چار سو اسی درہم میں اپنی زرہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ بیچی اور رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو بازار سے عطر اور خوشبو خریدنے کا حکم دیا۔ چنانچہ خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔

نکاح کے چند ماہ بعد رخصتی عمل میں آئی، اس وقت تک چونکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے رخصتی کے وقت حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، حضرت علیؓ نے حارث بن النعمانؓ کا مکان کرایہ پر حاصل کیا اور خاتون جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔

صحیح روایات کے مطابق سیدہ زہراؓ کو ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ جہیز میں ملا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں سیدہ فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی، شادی سے پہلے آپ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیے آپ کے پاس کوئی اندوختہ موجود نہ تھا، آپ کی ذاتی ملکیت صرف ایک اونٹ تھا، آپ نے اس کے ذریعہ اذفر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے حضرت حمزہؓ نے اونٹ ذبح کر کے سیخ کباب بنا دیا۔ چنانچہ جب یہ ذریعہ بھی ختم ہو گیا، تو اقلیم زہد کے اس تاجدار نے اسی رقم سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی، آپ نے دعوت میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کے شوربہ کا انتظام کیا جو اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت پُر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا[1]۔

غزوۂ اُحد

۳ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا، ۷ شوال بروز ہفتہ لڑائی شروع ہوئی اور مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ غنیم کو بھاگتے ہی بنی، لیکن ایک درّہ کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین عقب سے یکایک اس طرح ٹوٹ پڑے کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اسی حالت میں اللہ کے رسولؐ زخمی ہو کر خندق میں گر پڑے، مشرکین ادھر بڑھے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ سدِ راہ ہوئے حتیٰ کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حیدر کرارؓ نے علم سنبھالا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار ابو سعد بن ابی طلحہ نے للکارا۔ شیرِ خدا نے آگے بڑھ کر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر گرا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا، حیدر کرارؓ

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین۔

کو اس کی بے بسی پر رحم آگیا اور اُسے زندہ چھوڑ کر واپس آگئے۔

جب مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علی رضؓ معہ دیگر صحابہ رضؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے گئے۔ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لائے جس سے حضرت فاطمہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو دھویا اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی کہ خون بند ہو جائے۔

غزوۂ خندق

ذیقعدہ ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ کفار کے ایک لشکر جرار نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا، کفار خندق کھُد جانے کے باعث مدینہ کے اندر تو داخل نہ ہو سکے تاہم تیر اور پتھر برساتے رہے، مگر مسلمانوں کے صبر و استقلال کے سامنے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، آخر ایک روز سواروں کا ایک دستہ خندق کا ایک کم چوڑا حصّہ دیکھ کر سلع اور خندق کے درمیان والے میدان میں پہنچ گیا، اس دستہ کا سردار عمرو بن عبدوّد تھا جو اگرچہ نوّے سال کا تھا، مگر بہادری میں بے مثال تھا، اس نے تنہا مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علی رضؓ سامنے آئے اور اسے لڑنے کے لیے للکارا، وہ حضرت علی رضؓ کو دیکھ کر ہنس پڑا اور کہنے لگا "اس آسمان کے نیچے ایسی درخواست بھی مجھ سے کی جا سکتی ہے"۔ بہرحال وہ گھوڑے سے نیچے اُتر پڑا اور پوچھا تم کون ہو؟ حضرت علی رضؓ نے اپنا نام بتایا۔ اس نے سُن کر کہا "مَیں تم سے لڑنا نہیں چاہتا" حضرت علی رضؓ نے فرمایا "لیکن مَیں تم سے لڑنا چاہتا ہوں" یہ سُنتے ہی اس نے حضرت علی رضؓ پر ایک زبردست وار کیا، جسے انہوں نے ڈھال پر روکا۔ البتہ آپ کی پیشانی زخمی ہو گئی، اس کے بعد حضرت علی رضؓ نے وار کیا اور ابنِ عبدوّد کی لاش زمین پر تڑپنے لگی۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے، اس محاصرہ کے دوران اگرچہ مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا رہے، تاہم بتائیدِ ایزدی یہ معرکہ بھی مجاہدینِ کرام رضؓ کے ہاتھ رہا۔

غزوۂ بنو قریظہ

غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنو قریظہ پیش آیا، بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود قریش کا ساتھ دیا تھا اور عرب کے تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا تھا، مسلمان غزوۂ خندق سے کامیاب لوٹے ہی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے کی وحی ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلعم نے حسبِ ارشادِ الٰہی بنو قریظہ کا محاصرہ فرما لیا۔ اس مہم میں عَلَم حضرت علی رضؓ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں نمازِ عصر ادا کی۔

سریہ فدک

شعبان ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے بنو سعد بن بکر نے فدک کے قریب لشکر جمع کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بنو سعد کی سرکوبی پر مامور فرمایا، آپ ایک مختصر سی جمعیت کے ساتھ بنو سعد پر حملہ آور ہوئے اور انہیں منتشر کر کے پانچ سو اُونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔

صُلح حدیبیہ

اس کے تقریباً دو ماہ بعد یعنی یکم ذیقعدہ ۶ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ رضؓ کرام کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا ارادہ فرمایا، جب آپؐ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکینِ مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضورؐ نے حضرت عثمان رضؓ کو سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ مشرکین کے ساتھ اس معاملہ کے متعلق گفتگو کریں، کفارِ مکہ نے انہیں روک لیا، ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضؓ شہید کر دیے گئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علی رضؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی، تو مسلمانوں کا جوش قدرے

کم ہُوا اور طرفین میں مصالحت کی بات چیت شروع ہو گئی، نتیجۃً فریقین ایک معاہدہ پر رضامند ہو گئے، جسے ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے حضرت علیؓ کو کاتب مقرر کیا گیا، حضرت علیؓ نے دستور کے مطابق محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے لفظ "رسول اللہ" پر اعتراض کیا کہ اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول تسلیم کر لیتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس کو مٹا دیا۔ اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت صلعم زیارت کا ارادہ ملتوی فرما کر مدینہ تشریف لائے۔

غزوہ خیبر

محرم ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، عرب میں خیبر یہودیوں کا گڑھ تسلیم ہوتا تھا۔ خیبر کی بستی مدینہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر تھی اور متعدد قلعوں پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح کر لیے مگر ایک قلعہ جس کا نام قموص تھا کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تسخیر پر پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو مامور فرمایا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، یہاں تک کہ محاصرہ کو بیس دن گزر گئے۔ آخری دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل علم اس شخص کو دیا جائے گا جس سے اللہ اور اس کا نبیؐ محبت کرتے ہیں۔ یہ خاص علم حضرت عائشہ صدیقہؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا۔

صبح ہوئی تو سب صحابہؓ منتظر تھے کہ قرعہ کس خوش قسمت کے نام نکلتا ہے اور اس فخر و شرف کا تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے کہ دفعۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حیدرِ کرارؓ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ حضرت علیؓ حاضر ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں پر لگایا جس سے شکایت فوراً جاتی رہی، اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علیؓ نے پوچھا یا رسولؐ اللہ کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بناؤں؟ ارشاد ہُوا "نہیں بلکہ پہلے اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

لیکن اہلِ خیبر کی قسمت میں چونکہ اسلام کی عزت کی بجائے شکست کی ذلت و رسوائی لکھی تھی۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ان کا سردار مرحب سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس پر سنگی خود پہنے یہ رجز پڑھتا ہُوا باہر نکلا:

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہُوں، تجربہ کار ہُوں، سلاح پوش ہوں۔"

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا۔

"میں وہ ہُوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا۔ جنگل کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا[1]"

اور جھپٹ کر مرحب پر اس زور کا وار کیا کہ ذوالفقارِ حیدری اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی، اس کے بعد حیدرِ کرارؓ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ قلعہ قموص کو مسخر کر لیا۔

مکہ کی مُہم

رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، یہ تیاریاں اگرچہ نہایت رازداری کے انداز میں کی گئی

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اوّل

تھیں تاہم مشہور صحابی حضرت حاطب رضؓ بن ابی بلتعہ سے یہ لغزش ہوگئی کہ آپ نے مدینہ منورہ کے حالات سے قریش مکہ کو مطلع کرنے کے لیے ایک عورت کو روانہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے حضرت علی رضؓ، حضرت زبیر رضؓ اور حضرت مقداد رضؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور فرمایا، ان حضرات نے قاصدہ کا تعاقب کیا اور خاخ کے باغ میں اسے گرفتار کرکے خط مانگا۔ پہلے اس نے لاعلمی ظاہر کی مگر پھر جامہ تلاشی کے خوف سے خط ان کے حوالے کر دیا۔ تینوں صحابہ رضؓ نے واپس مدینہ پہنچ کر خط آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا، حضورؐ نے حضرت حاطب رضؓ سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ، اس خط سے مخبری یا اسلام دشمنی مقصود نہیں تھی اور نہ ہی قریش سے میرا کوئی نسبی تعلق ہے۔ میں نے اس خیال سے یہ خط لکھا تھا کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ہے۔ لیکن حضرت عمر رضؓ کی آتشِ غضب بھڑک چکی تھی، انہوں نے حضورؐ سے حضرت حاطب رضؓ کے قتل کی اجازت چاہی لیکن رحمۃؐ للعالمینؐ نے فرمایا۔

"یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں [1]"

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ بڑے فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال پہلے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا، بتائیدِ ایزدی مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، خلیلؑ بت شکن کی یادگار کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے حضورؐ نے سب سے پہلے بتوں کو گرانے کا فریضہ ادا فرمایا، پھر خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی مورتوں کو الگ کر دیا اور تطہیرِ کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے۔ لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتوں سے اٹا ہوا تھا، اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ سے پیوست اگرچہ زمین میں نصب تھا، تاہم بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کے کاندھوں پر چڑھ کر اس کو گرانے کی کوشش کی، لیکن وہ جسمِ اطہر کا بار نہ سنبھال سکے۔ اس لیے حضورؐ نے حضرت علی رضؓ کو اپنے شانۂ اقدس پر چڑھا کر اس کو گرانے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضؓ نے حسبِ ارشادِ نبوتؐ بت کو سلاخ سے علیحدہ کر کے اُسے پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔ [2]

ایک غلطی کا ازالہ فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضؓ بن ولید کو تین سو پچاس مجاہدین کے ساتھ بنی جذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا، حضرت خالد رضؓ نے بنو جذیمہ کو دعوتِ اسلام دی جسے انہوں نے قبول کیا، مگر اپنی جہالت اور بدویت کے باعث اسلمنا کی بجائے صبانا (یعنی ہم بے دین ہو گئے) کہنے لگے، حضرت خالد رضؓ نے اس بنا پر سب کو قید کر لیا اور اکثر کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے اور فرمایا:۔

"خداوندا، میں اس سے بری ہوں۔ جو خالد رضؓ نے کیا۔"

پھر حضورؐ نے حضرت علی رضؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا، فاتحِ خیبر نے وہاں پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے

---

[1] سیر الصحابہ رضؓ خلفائے راشدین [2] ایضاً

معاوضہ میں خون بہادیا۔

غزوۂ حنین فتح مکہ کے بعد اسی ماہ میں حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں دشمن نے ایک ایسی جنگی حکمت عملی سے کام لیا کہ مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی اور بارہ ہزار مجاہدین میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے۔ اس میں حضرت علی رضؓ بھی تھے۔ آپ نہ صرف خود پامردی و استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو بھی سنبھال لیا اور غنیم کے امیر لشکر پر حملہ کرکے اس کا کام تمام کردیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری سے لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔

سریہ بنو طے ربیع الآخر ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ قبیلہ بنو طے کا مشہور بت فلس منہدم کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر فجر کے وقت قبیلہ طے پر حملہ کیا، بت خانہ منہدم کرکے عورتیں، اونٹ اور بکریاں گرفتار کرلیں۔ قیدی عورتوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی لڑکی سفانہ بھی تھیں۔

اہل بیت کی حفاظت رجب ۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علی رضؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ لشکر اسلام کی روانگی کے بعد منافقین نے یہ کہنا شروع کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں حضرت علی رضؓ کی طرف سے کچھ گرانی تھی، اس لیے انہیں یہاں ہی چھوڑ گئے۔ حضرت علی رضؓ کو شرکت جہاد سے محرومی کا پہلے ہی غم تھا کہ منافقین کی طعنہ زنی نے آپ کو اور رنجیدہ کردیا۔ چنانچہ آپ مسلح ہو کر جرف کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منافقین کے پروپیگنڈے کا ذکر کیا۔ حضورؐ نے سن کر فرمایا کہ منافقین جھوٹ کہتے ہیں، میں نے تم کو اس لیے چھوڑا تھا کہ میرے اہل اور اپنے اہل میں میرے قائم مقام رہو، پھر ارشاد فرمایا:

"اے علی رضؓ! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لیے، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"[1]

تبلیغ فرمانِ رسولؐ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امیر حج بنا کر تین صد صحابہ رضؓ کے ساتھ مکہ روانہ فرمایا۔ ان کی روانگی کے بعد سورہ برأت کی آیتیں نقض عہد کے بارے میں نازل ہوئیں، ان آیات کو کفار کے سامنے پڑھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو مکہ روانہ فرمایا۔ آپ العرج یا ضجنان کے مقام پر حضرت ابوبکر رضؓ سے جا ملے، حضرت صدیق اکبر رضؓ نے پوچھا کہ وہ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر، حضرت علی رضؓ نے جواب دیا مامور ہو کر۔

حج کے دنوں میں حضرت صدیق اکبر رضؓ نے مسلمانوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضؓ نے سورہ برأت کی چالیس آیات پڑھ کر سنائیں اور اعلان کردیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ کوئی اب برہنہ حج کرنے پائے گا، اور وہ معاہدے جو مشرکین سے تھے، ان کے نقض عہد

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ سوم۔

کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔

حج سے واپسی پر حضرت صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا میرے خلاف کوئی حکم نازل ہُوا؟" فرمایا "نہیں، مگر یہ مناسب نہ تھا کہ میرے اہل کے سوا اور کوئی شخص معاہدہ کے متعلق اعلان کرے۔"

سریہ علیؓ بسوئے یمن

انہی ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اشاعتِ اسلام کے لیے یمن بھیجا، مگر آپ چھ ماہ کی مسلسل کوششوں کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس پر آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو بُلا کر یمن جانے کا حکم دیا۔ حضورؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے حضرت علیؓ کے سر پر عمامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے، عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ سامنے لٹکایا اور دوسرا کنارہ ایک بالشت کے برابر پیچھے چھوڑا، پھر ان کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی۔

"اے اللہ! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر۔"

حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ تبدیل ہو گیا اور چند روز کی تعلیم و تلقین سے قبیلہ ہمدان اسلام کا شیدائی بن گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جوشِ مسرت میں فرمایا: "السلام علیٰ ہمدان"

حج الوداع میں شرکت

حضرت علیؓ یمن میں ہی تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ آپ یہاں سے سیدھے مکہ معظمہ پہنچے اور اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔ آپ کے ساتھ سو اونٹ قربانی کے تھے جو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لائے تھے، اُن میں سے ترسٹھ[۶۳] آنحضرت صلعم نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے اور باقی کو ارشادِ نبوت کے مطابق آپ نے ذبح کیا۔

صدمۂ عظیمہ

حج سے واپسی کے بعد آخر صفر ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علیؓ نے نہایت تندہی کے ساتھ تیمارداری کی اور پوری جانفشانی کے ساتھ خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ایّام میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے کو پہچانتا ہوں، آؤ چلو، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں، آپ نے جواب دیا، میں نہیں کروں گا۔ اگر خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا، تو پھر آئندہ کوئی اُمید باقی نہیں رہے گی[۱]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بروز دوشنبہ بوقتِ چاشت مسلمانوں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ حضرت علیؓ چونکہ حضورؐ کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رُکنِ اوّلین تھے۔ اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک انصاری حضرت اوس بن خولیؓ کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہُوا۔

خلیفہ اول کی بیعت، توقف کی وجہ: سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا اور

---

[۱] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

تو گویا تمام اہلِ مدینہ نے بیعت کی۔ البتہ صحیح روایات کے مطابق حضرت علیؓ نے چھ مہینے دیر کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ بیان کیے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا، آپ اس عرصہ میں تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآنِ حکیم جمع کرنے میں مصروف رہے، چنانچہ جب سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے خود ابوبکرؓ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی۔

عہدِ فاروقی

خلیفہ اول نے سوا دو سال کی خلافت کے بعد وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ کو خصوصی مشیر کی حیثیت حاصل رہی، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں آپ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور آپ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے نہاوند کے معرکہ میں آپ کو سپہ سالار بنانا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ فاروق اعظمؓ جب بیت المقدس گئے تو کاروبارِ خلافت آپؓ کے سپرد کر گئے۔ غرض دونوں بزرگوں میں باہمی عزت و احترام اور اتحاد و یگانگت کا رشتہ حضرت عمرؓ کے آخری لمحہ حیات تک نہایت مستحکم رہا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ آنے پائی۔

دورِ عثمانی

حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے اور تقریباً بارہ سال تک خلیفہ رہے، آپ کی خلافت کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن و سکون سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت مالِ غنیمت کی فراوانی، محاصل و خراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت اور زراعت و تجارت کی ترقی نے جہاں ملک کو فارغ البالی اور عیش و تنعم کے سامانوں سے معمور کر دیا، وہاں بغض و حسد اور رشک و رقابت کا قدم بھی آیا۔ چنانچہ آپ کے دورِ خلافت میں جب فتنہ و فساد شروع ہوا، تو حضرت علیؓ نے اس آگ پر قابو پانے کے لیے نہایت مخلصانہ مشورے دیے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اسے رفع کرنے کے متعلق ان کی رائے پوچھی تو آپ نے نہایت خلوص و آزادی سے فرمایا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کی پیش نظر تھے، پھر ان سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو سامنے رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے یہ سچ ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھی تھی اور گرفت ایسی شدید تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا، برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں، آپ کے عمال اس سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور رعایا سمجھتی ہے کہ یہ سب کچھ دربارِ خلافت کے احکام کی تکمیل ہے۔ نتیجۃً عمال کی تمام بے اعتدالیوں کا ہدف بننا پڑتا ہے۔[1]

سب سے آخر یعنی ۳۴ھ میں مصریوں وفد کا معاملہ پیش آیا، مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمان کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیں۔ پہلے تو حضرت علیؓ نے انکار کیا، لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر درمیان میں پڑے اور حضرت عثمانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر باغیوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کیا، لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً مصر کے باغیوں

---

[1] تاریخ طبری

کا گروہ مدینہ پہنچ گیا اور واپسی کا سبب یہ بیان کیا کہ وہ ابھی راہ میں تھے کہ انہیں ایک ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا۔ انہیں اس پر شک گزرا چنانچہ جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک فرمان ملا جس میں والئ مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ حضرت علی رضؓ اس فرمان کو لے کر حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچے اور اس کی حقیقت دریافت کی۔ اُنہوں نے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت علی رضؓ نے کہا کہ مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی، لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت علی رضؓ بالکل عزلت نشین ہو گئے۔[1]

مصریوں نے جوشِ انتقام میں نہایت سختی سے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور اس معاملہ میں یہاں تک شدت کی کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے دیتے تھے۔ حضرت علی رضؓ کو معلوم ہوا تو عزلت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں ہر طرح سمجھایا مگر باغیوں نے حضرت علی رضؓ کی سفارش کے باوجود محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت نازک تھی۔ باغیوں پر کسی کا قابو نہیں رہ گیا تھا۔ ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی۔ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا اور بہت سے لوگ مدینہ سے ہی باہر چلے گئے تھے لیکن حضرت علی رضؓ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے اور حالات کی سنگینی ختم کرنے کی مساعی فرماتے رہے۔ اس دوران میں جب دیکھا کہ ان کا جوشِ انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے اور ان میں خطا و صواب کی کوئی تمیز بھی باقی نہیں رہی، تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو حضرت عثمان رضؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہو گئے۔ باغی کثیر التعداد ہونے کے باوجود اس مدافعت کی تاب نہ لا سکے۔ چنانچہ وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفۂ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علی رضؓ کو معلوم ہوا، تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی، حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ کو مارا، حضرت محمد بن طلحہ رضؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کو بُرا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعتِ خلافت

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ مدینہ میں ایک شورِ قیامت بپا تھا اور ہر طرف باغی دندناتے پھرتے تھے، تاہم خلافت کا انتظام ضروری تھا۔ اس وقت کبار صحابہ رضؓ میں حضرت علی رضؓ کی شخصیت ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت علی رضؓ کو منصبِ امارت سنبھالنے پر مجبور کیا، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، بالآخر مہاجرین و انصار صحابہ رضؓ کے بیحد اصرار پر آپ نے اس بارِ گراں کو اُٹھانا قبول فرما لیا اور حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے دردناک واقعہ کے تیسرے روز ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ دوشنبہ کے دن لوگوں نے حضرت علی رضؓ کے دستِ اقدس پر بیعت کی، اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ رضؓ شریک تھے۔[2]

قاتلینِ عثمان رضؓ کی تلاش

مسندِ خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علی رضؓ کا اولین کام حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن چند در چند وجوہ کی بنا پر اس گتھی کو سلجھانا آسان نہ تھا۔ سب سے

---

[1] سیر الصحابہ رضؓ خلفائے راشدین [2] طبقات ابنِ سعدؒ حصہ سوم۔

بڑی مشکل یہ تھی کہ متعین طور پر کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی۔ اس حادثہ عظیمہ کی واحد گواہ حضرت عثمان رض کی اہلیہ حضرت نائلہ رض تھیں جو پردہ نشین خاتون تھیں اور محمد بن ابی بکر رض کے علاوہ کسی کو پہچانتی نہ تھیں، حضرت علی رض نے محمد بن ابی بکر رض کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی اور کہا کہ وہ قتل کے ارادے سے گئے ضرور تھے مگر حضرت عثمان رض کے ایک جملہ سے شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ حضرت نائلہ رض نے اس بیان کی تصدیق کی، غرض حضرت علی رض نے مجرموں کا پتہ چلانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ایسی حالت میں حضرت علی رض جیسے پیکر عدل و انصاف کے لیے سخت مشکل تھا کہ بغیر کسی واضح شہادت اور ٹھوس ثبوت کے کسی کو مجرم گردانتے اور قصاص لیتے، لیکن دوسری طرف عوام تو عوام اکابر صحابہ رض تک قصاص چاہتے تھے اور کسی کی حضرت علی رض کی مجبوریوں پر نظر نہ تھی۔ چنانچہ حضرت طلحہ رض حضرت زبیر رض معہ چند دیگر صحابہ رض کے حضرت علی رض سے ملے اور کہا کہ جو جماعت حضرت عثمان رض کے قتل میں شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا قابو نہیں ہے۔

امیر معاویہ رض کی معزولی

حضرت علی رض کے نزدیک اس انقلاب کا اصل سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں، چنانچہ آپ نے عہد عثمانی رض کے تمام عمال کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا، حضرت مغیرہ رض بن شعبہ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہ رض کے ہم پایہ تھے۔ اس فیصلہ کی مخالفت کی اور حضرت علی رض کی خیر خواہی کے پیش نظر یہ عاقبت اندیشانہ مشورہ دیا کہ فی الحال امیر معاویہ رض اور دوسرے عثمانی رض عمال سے کوئی تعرض نہ کیجئے، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں، تو اس وقت جو دل آئے کیجئے گا۔ لیکن حضرت علی رض اس فیصلہ پر سختی سے قائم رہے اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی رض عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کیے، اسی سلسلہ میں عثمان رض بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔ عمارہ رض بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبید اللہ بن عباس رض کو یمن کی ولایت پر مامور فرمایا اور سہل بن حنیف رض کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔

حضرت امیر معاویہ رض کو معزول کرنا آسان نہ تھا، کیونکہ وہ خود بڑے مدبر تھے اور بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آ رہے تھے، چنانچہ سہل بن حنیف رض جب حدود شام میں داخل ہوئے تو امیر معاویہ رض کے سوار مزاحم ہوئے اور انہیں شام کی سرحد تبوک سے ہی لوٹ آنا پڑا۔

حضرت علی رض نے امیر معاویہ رض کو معزول کرنے کے ساتھ ہی انہیں ایک علیحدہ خط لکھا کہ مہاجرین و انصار نے اتفاق رائے سے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ رض حضرت عثمان رض کی دردناک شہادت نیز آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے کی وجہ سے سخت متاثر تھے۔ امیر معاویہ رض نے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے مدینہ سے حضرت عثمان رض کا خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد میں آویزاں کرا دیں، اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے۔

امیر معاویہ رض نے حضرت علی رض کے قاصد کو یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اپنے خاص قاصد کی معرفت ایک سادہ لفافہ حضرت علی رض کے پاس بھیجا، جس پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے علاوہ کچھ تحریر نہ تھا۔ قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا۔ حضرت علی رض نے اس سے شام کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ حضرت عثمان رض کے پیراہن پر رو رہے ہیں اور

اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ جب تک اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے۔ اس وقت تک تلواریں بے نیام رہیں گی۔ اس وقت حضرت علیؓ کے سامنے حقیقت واضح ہو گئی۔ آپ نے فرمایا "خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں"

حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں

جب حضرت علیؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا تو آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرانے والی تھیں، اس لیے اکثر صحابہؓ اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ وغیرہ غیر جانب دار رہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بھی شرکت سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر عازم مکہ ہوئے غرض بہت سے محتاط صحابہؓ نے اس میں شرکت سے احتراز کیا تاہم بعض نے اپنی خدمات بھی پیش کیں[1]

حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں کا ابھی آغاز ہی کیا تھا کہ دوسرا قضیہ پیدا ہو گیا جو اس سے بھی زیادہ شدید اور نازک تھا۔ اس کی تفصیل میں مورخین نے لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ ہر سال حج پر تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ اس سال آپؓ ابھی مکہ میں ہی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، واپسی پر راستہ میں آپ کو ایک عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، لیکن مدینہ میں ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ یہ خبر سن کر آپؓ مکہ لوٹ گئیں۔ لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے اور فتنہ دبتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے تم لوگ خلیفۂ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو۔ انہی دنوں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے مدینہ کے حالات حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ کے لوگ حیران و سرگرداں ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے، ان حضرات کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی اور آپ نے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی دعوتِ قصاص پر ہزارہا مسلمان سرفروشی پر تل گئے، سب سے پہلے والیٔ مکہ عبداللہ بن عامر نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اعلان کیا جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے مگر سواری اور زادِ راہ کا سامان نہ رکھتا ہو اسے پورا سامان دیا جائے گا۔ اس پر چھ سو سواریوں کا انتظام کیا گیا۔ اموی خاندان کے وہ تمام لوگ جو فتنہ و فساد کے دنوں میں مدینہ سے بھاگ کر مکہ آ گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ ایک رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے۔ غرض دعوت میں شریک ہونے والوں کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رائے تھی کہ اصلاحِ احوال کے لیے مدینہ چلنا چاہیے کیونکہ سبائی جماعت اور قاتلین عثمانؓ کا گروہ وہیں ہے۔ کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا، لیکن آخر

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین احمد ندوی

بصرہ جانے کی رائے قرار پائی اور صفر ۳۶ھ میں حضرت عائشہؓ بصرہ کے لیے روانہ ہوگئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان اسلام کی اس نازک گھڑی پر زار زار روتے تھے۔ علامہ طبری رح کے لفظوں میں "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے اور اس دن کا نام "یوم گریہ" پڑ گیا۔

حضرت عائشہؓ بصرہ جاتے ہوئے جس راہ سے بھی گزریں لوگوں کا ہجوم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس ہجوم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ ایسے بہت سے مفسد بھی شامل ہوگئے تھے جن کا کام جنگ کی آگ مشتعل کرنا تھا۔ بہرحال جب حضرت عائشہؓ بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے، عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بصرہ آنے کا سبب پوچھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میرے رتبے کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بلوائیوں اور فتنہ پردازوں نے حرم رسولؐ (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ فساد برپا کرکے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسولؐ کی لعنت کا مستحق بنا لیا۔ انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا، معصوم خون بہایا۔ اس مال کو لوٹا جو ان کے لیے حرام تھا۔ مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حرمتی کی، لوگوں کی آبروریزی کی، مسلمانوں کو مارا، ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے اور جو ان کو رکھنے کے روادار نہ تھے۔ انہیں نقصان پہنچایا مسلمانوں میں ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ اس سے محفوظ ہیں۔ پس مسلمانوں کو لے کر اس غرض سے نکلی ہوں کہ مسلمانوں کو اصل واقعات سے مطلع کروں اور ان کی اصلاح کروں۔ اس خروج سے میرا مقصود مسلمانوں کی اصلاح کرنا ہے"

یہ کہہ کر آپؓ نے آیت قرآنی لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ[1] "تا آخر تلاوت کی۔

یہ جواب سن کر عثمانؓ بن حنیف کے قاصد عمرانؓ بن حصین ان جھگڑوں سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور عثمانؓ نے بزور حضرت عائشہؓ کو روکنے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے اُسے مشورہ دیا کہ اُسے حضرت علیؓ کی آمد تک صلح و آشتی سے کام لینا چاہیے اور ایسا طرز عمل اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے حالات اتنے نازک ہو جائیں کہ تلافی کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے، لیکن عثمانؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لیے نکلا، اس پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مقابلہ کے لیے بڑھے اور حضرت علیؓ کی آمد سے پہلے جنگ چھڑ گئی، لڑائی میں عثمانؓ نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا، لیکن حضرت عائشہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا، تاہم عثمان کی جماعت کے بہت سے سپاہی اور قاتلین عثمانؓ کی جماعت کے آدمی پکڑ پکڑ کر قتل کر دیے گئے، جس کی وجہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف ہوگئی۔

حضرت علیؓ کی تیاریاں

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے مخالفین کے بصرہ پہنچنے سے پہلے وہاں کے بیت المال کی حفاظت کے خیال سے عراق کا قصد کیا۔ کبار صحابہؓ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور پُر زور دلائل سے آپ کو مدینہ سے غیر حاضری کے نتائج سے آگاہ کیا۔ مگر آپ کا اصرار تھا کہ

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۱۱۴

عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں، اس لیے میرا وہاں موجود رہنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ میں منادی کرا دی کہ لوگ سفرِ عراق کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس پر چند محتاط صحابہؓ کے سوا تقریباً تمام اہلِ مدینہ ہمرکاب ہوئے اور حضرت علیؓ ربیع الاوّل ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام صحابی کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا "امیرالمومنین مدینہ سے نہ نکلیے۔ اگر اس وقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہاں نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکزِ حکومت نکل جائے گا" لیکن اب صورتِ حال ایسی پیدا ہو چکی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

حضرت علیؓ مدینہ سے نکل کر ذی قار پہنچے تو آپ کو خبر ملی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ یہ سُن کر آپ نے اسی جگہ قیام کیا اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمارؓ بن یاسر کے ہمراہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر تیار کرنے کے لیے کوفہ بھیجا۔

حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے اس وقت والیٔ کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر کے لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے کہ لوگو! جس فتنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لیے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس اثنا میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور انہیں مسجد سے نکال کر خود مجمع سے مخاطب ہوئے اور لوگوں کو امیرالمومنینؓ کی امداد پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا "صاحبو! امیرالمومنینؓ نے خود اپنے صاحبزادے کو بھیج کر تم کو دعوت دی ہے، لہٰذا دعوت کو قبول کرو اور علمِ حیدری کے نیچے جمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کر دو۔ میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔" ان تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ ہر طرف سے حضرت علیؓ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں۔ تقریباً دس ہزار جانبازوں کی جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسنؓ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں حضرت علیؓ کی فوج سے مل گئی۔ اس کے بعد جناب امیرؓ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رُخ کیا۔[1]

مصالحت کی کوششیں اور سبائیوں کی فتنہ انگیزی

اس وقت بصرہ کے لوگ تین گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ خاموش اور غیر جانب دار تھا، دوسرا حضرت علیؓ کا طرفدار اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی تھا۔ خانہ جنگی کی تیاریاں دیکھ کر پہلے گروہ نے مصالحت کی بڑی کوشش کی اور تقریباً ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ بھی چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دُور ہو جائیں۔ کوفہ کے ایک بزرگ حضرت قعقاعؓ بن عمرو کی معرفت صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

اس کے نتیجے میں امن و آشتی کی جھلک دیکھ رہے تھے

ایک طرف تو اطمینان کی یہ حالت تھی کہ دونوں فریق جنگ کے تمام خیالات دلوں سے دُور کر کے رات کے سنّاٹے میں آرام کی نیند سو رہے تھے اور دوسری طرف ایک گروہ ایسا بھی تھا جو برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھا۔ یہ حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں اور سبائیوں کا گروہ تھا جو اس صلح کو اپنے لیے سمِ قاتل سمجھتا تھا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے۔ چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر شبخون مارا۔ گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا۔ ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے ہر چند لوگوں کو روکنے کی کوشش کی مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا۔ وہ کب رُک سکتا تھا، غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دلآویز خواب پریشان ہوگیا اور امن و صلح کے پیامی فوج کی قیادت سنبھالنے پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آرا ہوئے اور خونریز جنگ شروع ہوگئی۔

جنگِ جمل

عین ہنگامۂ کارزار میں حضرت علیؓ کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی، آپؓ نے اُن سے کہا: "ابُوعبداللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی "ہاں، یارسولُ اللہ، یاد کرو، اس وقت تم سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں، اب مجھے یاد آیا۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ فوراً جنگ سے کنارہ کش ہوگئے اور اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا جانِ پدر، علیؓ نے ایسی بات یاد دلا دی کہ جنگ کا تمام جوش فرو ہوگیا۔ بیشک ہم حق پر نہیں ہیں، اب مَیں اس جنگ میں شرکت نہیں کروں گا۔ تم بھی میرا ساتھ دو، لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر آپ اکیلے بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی اور طرف نکل جائیں، اس سفر میں ایک سبائی عمرو بن جرموز بھی آپ کے ساتھ ہوگیا۔ وادیٔ سباع میں نماز کا وقت آگیا، حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے، ابن جرموز نے بھی اقتدا کی مگر جونہی آپ سجدہ میں گئے۔ اس نے ایسا وار کیا کہ آپ شہید ہوگئے۔ پھر وہ کارگزاری کے طور پر آپ کا سر، گھوڑا، تلوار اور زرہ لے کر خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے فرمایا، ابنِ صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "یہ اس شخص کی تلوار ہے جس نے بارہا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حزن و ملال کے آثار دُور کیے ہیں [1]

حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھا، تو حضرت طلحہؓ کا ارادہ بھی متزلزل ہوگیا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا، تو اس نے تاک کر ایک ایسا تیر مارا جو حضرت طلحہؓ کے گھٹنے میں پیوست ہوگیا۔ تیر چونکہ زہر میں بجھا ہوا تھا اس لیے زہر کے اثر سے آپ کا کام تمام ہوگیا۔

اب میدانِ جنگ میں امیر المومنین رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ اور ان کے جاں نثار رہ گئے تھے۔ فریقین نہایت پامردی سے ایک دوسرے

---

[1] تاریخ اسلام حصّہ اوّل از شاہ معین الدین احمد ندوی

کے مقابل ڈٹے ہُوئے تھے۔ اُمّ المومنینؓ حضرت عائشہ رضؓ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی ہُوئیں جاں نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ نامرتبہ شناس سبائی حضرت عائشہ رضؓ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ کے وفادار بیٹوں میں قبیلہ بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں اور ازدو اُونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں۔ بکر بن وائل، ازد اور بنو ضبہ اُونٹ کو اپنے حصار میں لے کر اس جوش پامردی اور دار فتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار رضؓ کو حیرت تھی، اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کو دعوت دینا تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اُونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر نکیل پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لی، اس طریقے سے چالیس یا ستر آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی، بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص بھی سامنے جاتا تھا مارا جاتا تھا۔ آخر حضرت علیؓ کی فوج کے مشہور شہسوار حارث بن زہیرؓ ازدی مقابلہ پر آئے اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے ردّ و بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک حضرت عائشہ رضؓ کا اُونٹ اپنی جگہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی خونریزی ترک نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ اُونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اُسے گرا دیا جائے۔ اس پر ایک شخص بجیر بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیے، اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔

جنگ کا فیصلہ اپنے حق میں ہونے کے بعد حضرت علی رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کے بھائی محمدؒ بن ابی بکر رضؓ کو، جو جنگ میں ان کے طرفدار تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیر کی خبر گیری کریں، پھر آپ نے عام منادی کرا دی کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے۔ نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے اور نہ کسی کا مال لُوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دیا جائے یا گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے۔ اس کے بعد اُمّ المومنین رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کی مزاج پُرسی کے لیے حاضر ہُوئے اور پوچھا، "امّاں مزاج کیسا ہے؟" اُمّ المومنین رضؓ نے فرمایا، "اچھی ہوں۔ امیر المومنین رضؓ نے فرمایا "خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے"۔ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضؓ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔

چند دن تک بصرہ میں آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد حضرت علی رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو محمد بن ابی بکر رضؓ کے ہمراہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ سواری، زادِ راہ، نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کر کے بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ہمرکاب کیا۔ روانگی کے وقت چند میل تک خود ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں یعنی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو مشایعت کے لیے بھیجا۔

حضرت عائشہ رضؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا، "میرے بچو! یہ جنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ مجھ میں اور علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا"۔ حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں۔ ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ بغرض یکم رجب ۳۶ھ بروز سنیچر حضرت عائشہ رضؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

مرکزِ خلافت کی تبدیلی

حضرت علیؓ نے بصرہ میں چند روز قیام فرمانے کے بعد کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ بروز دوشنبہ شہر میں داخل ہوئے۔ اہلِ کوفہ نے قصرِ امارت میں ٹھہرانے کا اہتمام کیا مگر زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں

زرکش ہونے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میرے لیے میدان بس ہے"۔ غرض میدان میں ہی قیام فرمایا، مسجدِ اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ دیا، جس میں لوگوں کو تقویٰ، پرہیزگاری اور وفاشعاری کی ہدایت فرمائی۔[1]

حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کے خاتمہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ مؤرخین نے اس تبدیلی کے اگرچہ مختلف وجوہ بیان کیے ہیں، تاہم سب سے اہم یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبویؐ کی جو توہین ہوئی، اس نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ مدینہ جیسے علمی اور مذہبی مرکز کو آئندہ شر و فتن سے بچانے کے لیے سیاسی مرکز سے علیحدہ کر دیں، دوسرے حضرت علیؓ کے حامیوں اور طرفداروں کی زیادہ تعداد عراق میں تھی، اس لیے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لیے زیادہ اہم تھا۔

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ منورہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا، لیکن اس سے مدینہ کی سیاسی حیثیت ختم ہو گئی اور حضرت علیؓ خود مرکزِ اسلام سے دور ہو گئے۔ جس کے نتائج اُن کے لیے بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے۔ بہرحال کوفہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے نئے سرے سے ملک کا نظم و نسق قائم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی۔ سہل بن حنیفؓ کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور کیا۔ مدائن پر یزید بن قیس، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، صوبہ خراسان پر خلید بن کاس، بحرین پر عمرو بن ابی سلمہ اور شیر خرہ پر مصقلہ بن ہبیرہ، آذربائیجان پر اشعث بن قیس اور جزیرہ موصل اور شام کے متعلقہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس، حران اور رقہ کے درمیان اُن کے مقابلے پر آئے، امیر معاویہؓ نے عبدالرحمٰن بن خالد کو مدد کے لیے بھیجا اور نتیجۃً اشتر پھر موصل جانے پر مجبور ہو گئے، تاہم موصل میں مستقل قیام کر کے اشتر نے شامی فوج سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور امیر معاویہؓ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روک رکھا۔

صلح کی دعوت

گزشتہ سطور میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو امیر معاویہؓ نے تسلیم نہیں کیا تھا اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ درمیان میں جنگِ جمل پیش آ گئی، جس کے باعث حضرت علیؓ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ چنانچہ اس سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے انہیں پھر ایک دفعہ صلح کی دعوت دی اور حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جریرؓ جس وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اس وقت دربار میں رؤسائے شام کا مجمع تھا۔ امیر معاویہؓ نے پہلے خط لے کر خود پڑھا پھر بلند آواز سے حاضرین کو سنایا۔ بعد حمد و نعت کے، خط کا مضمون یہ تھا۔

"جن لوگوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، انہوں نے میری بیعت کر لی ہے، اس کے بعد کسی کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہیں رہی۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے، اس لیے ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا، وہ جبراً طاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو، عافیت سلامتی اسی

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمان رضؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے۔ اگر تم کو عثمان رضؓ کے حقیقی قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو بیعت کے بعد باضابطہ مقدمہ پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔"[1]

امیر معاویہ رضؓ تقریباً بیس بائیس سال سے شام کے والی تھے۔ اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال اور خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی۔ جس کے حصول کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا۔ نیز حضرت عثمان رضؓ کی شہادت، حضرت علی رضؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی۔ حضرت علی رضؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہ رضؓ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے عرب قبائل جو اگرچہ اموی اور ہاشمی کش مکش سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ تاہم امیر معاویہ رضؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا۔ بعض صحابہ رضؓ بھی مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے۔ مزید نامور مدبر حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ جو تدبر و سیاست میں حضرت عمرو رضؓ بن العاص کے ہم پایہ تھے اور پہلے حضرت علی رضؓ کی طرف مائل تھے۔ اب ان سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہ رضؓ سے آملے تھے لیکن ان تمام موافق حالات کے باوجود حضرت معاویہ رضؓ کو چند الجھنیں ایسی درپیش تھیں، جن کو سلجھانا بہت ضروری تھا۔ اوّل یہ کہ محمد بن حذیفہ جو ان کے شدید مخالفین میں سے تھے، قید خانہ سے بھاگ گئے تھے۔ دوسرے رُومی سواحلِ شام پر حملہ کے لیے ذہیں جمع رہے تھے کہ اسی دوران میں حضرت علی رضؓ کا یہ تہدیدی خط پہنچا، امیر معاویہ رضؓ نے حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو بُلا کر مشورہ کیا، انھوں نے اپنے لیے مصر کی حکومت کا وعدہ لے کر انہیں رائے دی کہ محمد بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں، انہیں تلاش کراؤ اگر مل گئے، تو خیر ورنہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، دوسرے قیصرِ رُوم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کر لو وہ اس شرط پر فوراً تیار ہو جائے گا، لیکن خود حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی نظر میں سب سے اہم بات حضرت علی رضؓ کی یہ عظمت تھی کہ انہیں سبقتِ اسلام اور قرابتِ نبویؐ کا شرف حاصل تھا۔ اس بنا پر انہیں یقین تھا کہ لوگ حضرت علی رضؓ کے مقابلہ پر کبھی بھی امیر معاویہ رضؓ کو ترجیح نہیں دیں گے۔ اس لیے ان کی نظر میں بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے حضرت علی رضؓ جیسی عظیم شخصیت کی مخالفت خطرے سے خالی نہیں تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں اُن کی رائے یہ تھی کہ بہر صورت عمائدِ شام کو یقین دلایا جائے کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں حضرت علی رضؓ کی شرکت تھی اور اس کی ابتدا شام کے بااثر شخص شرجیل بن سمط کندی سے کرنی چاہیے۔ اگر وہ ہمارے ہمنوا ہو گئے، تو ان کے ذریعہ بآسانی اس کی اشاعت ہو جائے گی؛ اس پر امیر معاویہ رضؓ نے شرجیل بن سمط کندی کو بُلا کر اسے یہاں تک اپنا ہمخیال بنایا کہ اس نے رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے شام کا دورہ کیا جس کے نتیجہ میں شام کا پورا ملک حضرت علی رضؓ کے مقابلہ پر امیر معاویہ رضؓ کے ساتھ ہو گیا۔

دوسری طرف حضرت عثمان رضؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی اہلیہ حضرت نائلہ رضؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی، جن کو امیر معاویہ رضؓ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا۔ نمائش برابر جاری رہی، حضرت علی رضؓ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لیے انہیں دمشق طلب کیا تاکہ یہ منظر دیکھ سکیں، لوگ جوق در جوق آتے اور اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر زار زار روتے، غرض فوج سے لے کر ایک عام آدمی تک کے جذبات بھڑک اٹھے اور اہلِ شام نے قسم کھائی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کا بدلہ نہ لیں گے، اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے نہ اپنی بیویوں

---

[1] تاریخِ اسلام حصہ اوّل۔

سے تعلق رکھیں گے۔

پھر مصالحت کی کوشش

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کو اپنے پاس اس وقت تک روک کے رکھا تھا اور یہ حالات مشاہدہ کرانے کے بعد واپس کیا، انہوں نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام امیر معاویہؓ کے ساتھ ہے، لوگ حضرت عثمانؓ کا پیراہن دیکھ کر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور اُن کے قاتلوں کو پناہ دی ہے اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔ حضرت علیؓ پوری طرح امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لیے تیار تھے۔ صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا۔ چنانچہ قاصد کی واپسی کے بعد آپ کے لیے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ جنگ کے انتظامات کریں۔ یہ دیکھ کر ابھی جنگِ جمل کے زخم بھی مندمل نہیں ہوئے کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں بے نیام ہونے والی ہیں بعض مخلص اور اُمت کے خیر خواہ اس تصادم کو روکنے کے لیے تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے اور حضرت علیؓ کے فضائل بیان کر کے اُن کے مقابلہ پر امیر معاویہؓ کی جنگی تیاریوں کا سبب پوچھا، امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے، ہم ان کی خلافت تسلیم کر لیں گے۔ ابو مسلم خولانی نے کہا کہ تم یہی بات لکھ کر دے دو۔ میں خود حضرت علیؓ کے پاس جاؤں گا۔

ابو مسلم خولانی حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور خط اُن کے حوالے کر کے اپنے طور پر گزارش کی کہ اگر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے، تو ہم اور تمام اہلِ شام بخوشی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، کیونکہ بلحاظ فضل و کمال آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، حضرت علیؓ نے یہ سن کر ابو مسلم کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا، دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں حضرت علیؓ سے ملے۔ یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی جمع ہیں اور سب نعرے لگا رہے ہیں کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں"۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے، پھر حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے جواب میں لکھا کہ:

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی کو اُن کے خلاف نہیں بھڑکایا، البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا، تو میں خانہ نشین ہو گیا، مجھے خوب معلوم ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ کے حوالے کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصولِ مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہروی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔" [1]

ایک خط حضرت عمرو بن العاصؓ کو علیحدہ لکھا کہ "دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو، معاویہؓ کی غلط روی میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو"۔ لیکن حضرت علیؓ کی ان کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آپ کو مجبوراً قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، چنانچہ آپ نے حضرت ابو مسعودؓ انصاری کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسّی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رخ کیا۔ اس

---

[1] تاریخِ اسلام حصہ اوّل۔

فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہؓ، سات سو بیعت رضوان کے جاں نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابہؓ شامل تھے۔

معرکہ صفین

حضرت معاویہؓ پہلے سے جنگ کے لیے نکل چکے تھے، ان کا مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لیے ابوالاعور سلمی کی قیادت میں آگے آگے تھے، دوسری طرف علوی فوج کے افسر زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آ رہے تھے کہ فریقین کا آمنا سامنا ہو گیا حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی مدد کے لیے بھیجا۔ ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے، تو رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور امیر معاویہؓ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی، انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کر کے فرات کے ساحل پر فوجیں اتار دیں، تمام مناسب اور اہم مقامات پر مورچے جمانے کے بعد ابوالاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات پر متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لیے کشمکش

اسی دوران میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتاریں۔ شامیوں نے چونکہ پہلے ہی اہم مقامات پر قبضہ کر کے پانی پر پہرا بٹھا دیا تھا۔ اس لیے علوی فوج کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علیؓ نے زبانی پیام کہلا بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، آخر حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ شامی فوجوں کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے، چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ گھاٹ پر پہنچا، ابوالاعور نے روکنا چاہا مگر عراقی فوج نے شکست دے کر گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ اب جو دقت علوی فوج کو پیش آئی تھی وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی لیکن جناب علی مرتضیٰ کی انسانی ہمدردی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی، حضرت علیؓ کے اس فیاضانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ فریقین ایک دریا سے سیراب ہونے کے باعث بے خوف و خطر آپس میں ملنے جلنے لگے اور دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ یہ خیال کیا جانے لگا کہ اب صلح ہو جائے گی۔[1]

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

حضرت علیؓ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر بشر بن عمرو محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی کوشش کی لیکن حسب سابق کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے علاوہ دونوں فوجوں کے علماء، فضلاء اور حفاظ جو اس خونریزی کو ناپسند کرتے تھے اپنے طور پر مصالحت کی کوششوں میں مصروف تھے، اس دوران میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا، یہاں تک کہ اسی حالت میں تین ماہ گزر گئے، بالآخر جب مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو اوائل جمادی الآخر ۳۷ھ میں جنگ چھڑ گئی جو اسی ماہ کے آخر تک جاری رہی اس دوران میں کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی بلکہ ایک ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح شام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی، لیکن جیسے ہی رجب کا چاند طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے جنگ روک دی گئی۔

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی: التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں کہ

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رُک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو، چنانچہ حضرت ابو دردا رضؓ اور حضرت ابو امامہ رضؓ باہلی، امیر معاویہ رضؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم علی رضؓ سے کیوں لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں؟ انہوں نے جواب دیا "عثمان رضؓ کے خون ناحق کے لیے" پھر ان بزرگوں نے پوچھا "کیا عثمان رضؓ کو علی رضؓ نے قتل کیا ہے؟" امیر معاویہ رضؓ نے جواب دیا "قتل تو نہیں کیا، قاتلوں کو پناہ دی ہے اگر وہ انہیں ہمارے حوالے کر دیں تو میں سب سے پہلے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

اس گفتگو کے بعد یہ دونوں بزرگ حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُنہیں امیر معاویہ رضؓ کا مطالبہ سنایا، اسے سُن کر حضرت علی رضؓ کی فوج سے تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے باہر نکل کر نعرہ لگایا: "ہم سب عثمان رضؓ کے قاتل ہیں۔" یہ رنگ دیکھ کر حضرت ابو دردا رضؓ اور حضرت ابو امامہ رضؓ باہلی لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔

غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں، سب ناکام رہیں اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی از سرِ نو جنگ چھڑ گئی، جس کا سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں تقریباً نوے معرکے ہوئے جن میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے[1] لیکن پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پُرجوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ پر اُبھارا، تمام فوج نے بلند حوصلہ ہو کر اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں، اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حیدرِ کرار رضؓ خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ مقابل کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہ رضؓ کے مقصورہ کے قریب پہنچ گئے اور پکار کر کہا "معاویہ رضؓ! خلقِ خدا کا خون گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں۔"

امیر معاویہ رضؓ نے تو اس مجاہدانہ پکار کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ حضرت عمرو رضؓ بن العاص خود فاتح خیبر کے مقابلہ پر نکلے، دونوں میں دیر تک تیغ و سنان کا ردّ و بدل ہوتا رہا، مگر آخر حیدرِ کرار کے وار سے اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے، شیرِ خدا نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر مُنہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے[2]۔"

لیلۃُ الہریر کی فیصلہ کُن جنگ

اس جنگ کے بعد ایک ایک دستہ کا مقابلہ ہونے کی بجائے پوری فوج سے جنگ ہونے لگی، یہ سلسلہ چند دنوں تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے روز ایک مہیب جنگ پیش آئی جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گونج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں سے زمین تھرا رہی تھی۔ عرب مورخین اسی مناسبت سے اسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ دوسرے دن صبح کو مجروحین و مقتولین کے اُٹھانے کے لیے لڑائی ملتوی ہو گئی، اس دوران میں حضرت علی رضؓ نے اپنے طرفداروں سے خطاب کرتے ہوئے نہایت پُرجوش تقریر کی، آپ نے فرمایا: "جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاءاللہ کل اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان نہ چھوڑو جب تک کہ اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔"

---

[1] تاریخ اسلام حصّہ اوّل از شاہ معین الدین احمد ندوی [2] سیر الصحابہ رضؓ خلفائے راشدین

اس معرکہ سے پہلے امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے نہایت جانبازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا، لیکن لیلۃ الہریر کی خونریز جنگ نے کافی حد تک ان کے حوصلوں کو پست کر دیا تھا اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ لشکرِ حیدری کے مقابلہ پر ٹھہرنا ناممکن ہے، ادھر عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے۔ فریقین کے عاقبت اندیش لوگوں کو نظر آ رہا تھا کہ اگر مسلمان باہم اسی طرح نبرد آزما رہے تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہے گی۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اگر جنگ جاری رہی، تو رومی، شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑ لے جائیں گے۔ علوی فوج کے ایک مدبر اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گزشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آئندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی۔

مؤرخین کے مطابق امیر معاویہؓ نے یہ رنگ دیکھ کر حضرت علیؓ کو لکھا کہ "اگر ہم کو اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے، بہرحال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے، ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے" لیکن حضرت علیؓ نے مصالحت کی اس تجویز پر کوئی توجہ نہ دی اور دوسرے روز علی الصبح زرہ بکتر پہن کر اپنی فوج کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے۔

امیر معاویہؓ چونکہ اپنی فوج کی حالت کا اندازہ کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے حریف سے جنگ ختم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس موقع پر انہیں حضرت عمرو بن العاصؓ نے یقین دلایا کہ اب میں ایسی تدبیر کروں گا جس سے قبول و انکار دونوں صورتوں میں حضرت علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے، تو ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا یعنی آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا جسے پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے ہزاروں قرآن نیزوں پر بلند تھے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک عظیم جمعیت کے ساتھ حملہ کیا تو فضل بن ادہم، شریح جذامی اور ورقا بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا "معشرِ عرب! خدارا اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم سے بچاؤ، اگر شامی ختم ہو گئے، تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہلِ عجم سے عراق کو کون بچائے گا آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں اور اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لیے واجب التسلیم ہو۔"[1]

حضرت علیؓ اور فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے ہر چند لوگوں کو سمجھایا کہ ہم کو اس دام تزویر میں نہیں پھنسنا چاہیے یہ حریف نے محض ناکامی و نامرادی سے بچنے کے لیے چال چلی ہے لیکن چونکہ شامیوں کا جادو چل چکا تھا۔ اس لیے باوجود سعی و کوشش کے ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ ہم کو قرآن کی دعوت رد نہیں کرنی چاہیے بعض لوگ اپنے اصرار میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے جناب امیرؓ کو دھمکی دی کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کر دیا، تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے مسعر بن فدکی زید بن حصین اور ابن الکوا اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ اشعث بن قیس نے اس موقع پر جناب امیرؓ سے عرض کی :

"امیر المومنینؓ! میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

لینا چاہیے۔ غرض یہ تدبیر ایسی کامیاب ہوئی کہ مجبوراً جناب علی مرتضیٰ رضؓ کو اپنی فوج کو واپس کیمپ میں لوٹ آنے کا حکم دینا پڑا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت اشتر نخعی نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے۔ اس لیے انہیں واپسی کا حکم سُن کر بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ جب آپ اپنے کیمپ میں واپس آئے تو آپ کی ان لوگوں سے شدید تلخ کلامی ہوئی جنہوں نے حضرت علی رضؓ کو التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا اور قریب تھا کہ باہم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے کہ جناب امیرؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

التوائے جنگ کے بعد فریقین میں خط و کتابت شروع ہوئی اور دونوں طرف کے علماء و فضلاء کا اجتماع ہوا۔ آخر بحث و مباحثہ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے، وہ کتاب اللہ کی رُو سے جو فیصلہ کریں، اس کو قطعی تصور کیا جائے گا۔ اس پر شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص کو حکم بنایا اور اہل عراق کی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کا نام پیش کیا گیا، حضرت علی رضؓ کو اس سے اختلاف تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان پر مجھے اعتماد نہیں وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں۔ اس لیے ان کی بجائے ابن عباس رضؓ کو حکم بنایا جائے لیکن جن لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کا نام تجویز کیا تھا، انہوں نے ابن عباس رضؓ پر یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے عزیز ہیں اور حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے، حضرت علی رضؓ نے اس ردّ و کد کے جواب میں فرمایا، تو پھر اشتر نخعی کو حکم بنایا جائے، اس موقع پر اشعث بن قیس نے اعتراض اُٹھایا کہ جس شخص نے یہ آگ بھڑکائی ہے اُسے حکم کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ غرض جب حضرت علی رضؓ نے دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو آپ چار و ناچار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ پر راضی ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاص رضؓ تو پہلے ہی امیر معاویہؓ کے ساتھ موجود تھے۔ البتہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو بلانے کے لیے قاصد بھیجا گیا، کیونکہ آپ جنگ سے کنارہ کش ہو کر شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے۔ بہرحال آپ تشریف لائے تو دونوں فریق کے ارباب حل و عقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے جمع ہوئے۔ کتابت شروع ہوئی تھی کہ حضرت علی رضؓ کے نام کے ساتھ "امیر المومنین" لکھنے پر امیر معاویہؓ معترض ہوئے اور کہا کہ اگر ہم انہیں "امیر المومنین" مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے لیکن حضرت علی رضؓ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا۔ فدائے رسولؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم یہ تو سنتِ نبویؐ ہے، معاہدۂ حدیبیہ میں رسول اللہ کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا، اس لیے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دستِ مبارک سے مٹایا تھا۔ اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں" چنانچہ "امیر المومنین" کا لفظ کاٹ کر ایک طویل معاہدہ لکھا گیا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

> علی رضؓ اور ان کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو اور امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص رضؓ کو حکم مقرر کیا ہے، یہ دونوں کسی فریق کی رعایت کے بغیر اُمت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق جو فیصلہ کریں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا، اور جو فریق اس کو ماننے سے انکار کرے گا، حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔ لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوگا۔ فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی

رہے گی اور کامل امن و امان رکھا جائے گا۔ دونوں حَکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا اور رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جائے گا۔[1]

متذکرہ عہد نامہ کو دونوں طرف کے سر برآوردہ لوگوں نے اپنے دستخطوں سے مُوثق کیا اور شام و عراق کی سرحد پر دومۃ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لیے مُقرر ہُوا تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون جب فریقین کی فوجوں میں مشتہر کیا گیا، تو اسے سُن کر حضرت علی رضؓ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا جو بعد میں "خارجی" فرقہ کے نام سے موسُوم ہُوا۔ بہرحال اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

تحکیم کا نتیجہ فیصلہ کا مقام چونکہ دومۃ الجندل مُقرر ہُوا تھا اس لیے حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ نے چار چار سو کی جمعیت ساتھ کر کے اپنے اپنے حکَم کو اس مقام پر بھیج دیا۔ حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی۔ اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ جو اپنے زہد و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے۔ تحکیم کی خبر سُن کر اور اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومۃ الجندل تشریف لے آئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے، جو نہایت معاملہ فہم اور نکتہ رس بزرگ تھے، دونوں حکَموں سے علیٰحدہ علیٰحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا اور پیشں گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہو گا۔ بہرحال حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضؓ اور حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، حضرت عمرو بن العاص رضؓ بڑے مدبّر اور دانشمند تھے۔ اُنہوں نے پہلے ہی غیر معمولی عزّت و تکریم کے ذریعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ پر اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ خود خاموش رہتے اور ہر معاملہ پر حضرت ابُوموسیٰ رضؓ سے کہتے کہ چونکہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی رضؓ ہیں اس لیے پہلے آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیے۔ مؤرخین کے مطابق دونوں میں اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے :۔

ابُوموسیٰ اشعری رضؓ : عمرو رضؓ ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں خدا کی خوشنودی اور اُمّت کی فلاح، دونوں باتیں حاصل ہوں۔

عمرو بن العاص رضؓ : کس کو؟

ابُوموسیٰ اشعری رضؓ : عبداللہ بن عمر رضؓ کو جن کا دامن ان ہنگاموں سے پاک رہا ہے۔

عمرو بن العاص رضؓ : امیر معاویہ رضؓ پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

ابُوموسیٰ اشعری رضؓ : امیر معاویہ رضؓ کا کیا رتبہ ہے، وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ ہاں! اگر تم اتفاق کرو تو فاروق اعظم رضؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہ رضؓ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمرو بن العاص رضؓ : میرے لڑکے عبداللہ رضؓ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی۔ فضل و کرم منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ اشعری رضؓ : بیشک تمہارا لڑکا صالح اور راسخ ہے۔ لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اس کا دامن داغدار رہے، برخلاف اس کے ابن

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین احمد ندوی

ابنِ خطیب عبداللہ بن عمرؓ کا با ایں تقویٰ ہر قسم کے دھبّوں سے محفوظ ہے۔ بس آؤ، ان کو ہی مسندِ خلافت پر بٹھا دیں۔

عمرو بن العاصؓ: ابو موسیٰ رضؓ، خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو ایک داڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ: عمروؓ، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے، اب ان کو دوبارہ فتنہ میں نہ ڈالو۔

عمرو بن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰ اشعریؓ: میری رائے تو یہ ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے۔

عمرو بن العاصؓ: مجھے اس سے اتفاق ہے، اُمّت کی بھلائی اسی میں ہے۔

فیصلہ کا اعلان

بعض عاقبت اندیش اور سمجھ دار لوگوں کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی سادہ دلی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا، چنانچہ مذکورہ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس حاضر ہو کر انہیں اس خطرہ سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں تو اس کے اعلان میں خود پیشقدمی نہ کیجئے گا، عمرو بن العاصؓ ہوشیار آدمی ہیں اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کر دیا، تو وہ آپ کو مات دے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حَکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا، ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، انہوں نے عرض کی "میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں سن و سال میں، غرض ہر حیثیت سے مجھ سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری پر یہ جادو چل گیا، چنانچہ آپ بغیر کسی پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا:

صاحبو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ اس اُمّت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کریں، اس لیے میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اتر آئے، تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

صاحبو! ابو موسیٰ اشعریؓ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا، انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا۔ میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں، وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں، اس لیے ان کی جانشینی کے لیے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ سوم

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بہت سادہ اور نیک دل بزرگ تھے۔ آپ یہ فیصلہ سن کر ششدر رہ گئے اور چلا کر کہا: یہ غداری ہے لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔

اس فیصلہ سے قدرتاً حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ شریح بن ہانی نے عمروؓ بن العاص پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے۔ ان طرف سے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا، لیکن بات بڑھنے نہ پائی اور لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفت گزشت کرا دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ روانہ ہوگئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی

یہ فیصلہ اس قدر نامنصفانہ تھا کہ کوئی حق پسند اسے تسلیم نہ کر سکتا تھا اس بنا پر حضرت علیؓ نے فیصلہ کے اعلان کے بعد امیر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں آپ ابھی اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی شورش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کر کے ادھر متوجہ ہونا پڑا۔

اوپر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علیؓ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی مگر پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کے اصرار پر اسے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن اب تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے، تو انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ بارہ ہزار آدمی آپ کی فوج سے کنارہ کش ہو کر حروراء میں اقامت پذیر ہو گئے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو انہیں سمجھانے کے لیے بھیجا، مگر جب وہ ناکام لوٹے تو آپ خود تشریف لے گئے اور انہیں سمجھا بجھا کر راضی کر لیا اور سب کو کوفہ لے آئے۔ اس پر یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان لوگوں کی خاطر داری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کر لی ہے، جناب امیرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے خطبہ دے کر اس افواہ کی پُرزور تردید کی اور فرمایا کہ پہلے انہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا۔ پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ میں معاہدہ نہیں توڑ سکتا۔ خدا فرماتا ہے کہ جو عہد کرو اسے پورا کرو۔ بہرکیف جب ان لوگوں کے مجبور کرنے پر بھی آپ راضی نہ ہوئے تو انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں، تو ہم خدا کے لیے آپ سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا: تو تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور جب تحکیم کے نتیجہ میں نامنصفانہ فیصلہ ملک میں شائع ہوا تو اس گروہ نے عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت علیؑ کی عملی مخالفت شروع کر دی، اس گروہ کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے، لاحکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں جن کے خلاف جہاد فرض ہے اور اس عقیدے سے اتفاق نہ کرنے والوں کا خون مباح ہے۔ چنانچہ ان عقائد کی اشاعت کر کے اس گروہ نے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک معتدبہ جماعت اپنی ہمخیال بنالی اور خفیہ خفیہ نہروان میں جمع ہو کر عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ کسی مسلمان کی جان اُن کے ہاتھوں سے محفوظ نہ تھی، جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے تہہ تیغ کر دیا جاتا، چنانچہ انہوں نے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن خبابؓ کو اسی جرم میں شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بیدردی سے قتل کر دیا۔ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا، غرض جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہمخیال بنا کر چھوڑا یا موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ حضرت علیؑ کو

جب ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے حارث بن مرہ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا، خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

معرکہ نہروان

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جناب امیرؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے کہ مجبوراً آپ کو خارجیوں کی فتنہ انگیزیوں اور قتل و غارت کے سدباب کے لیے فی الحال شام کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا، چنانچہ آپ خارجیوں کے مقابلہ کے لیے نہروان روانہ ہو گئے۔

یہاں پہنچ کر حضرت علیؓ نے اتمام حجت کے لیے حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت قیسؓ بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث مباحثہ کر کے انہیں راہِ راست پر لائیں، جب وہ ناکام ہوئے تو آپ نے خارجیوں کے سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن ان لوگوں کے دل اس قدر تاریک ہو چکے تھے کہ ارشاد و ہدایت کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی اب حضرت علیؓ کے لیے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا، تاہم آپ نے آغاز جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو امان کا علم دے کر اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آ جائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے۔ اس اعلان پر ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں، اس لیے لوٹ چلنا چاہیے اور اس وقت تک کوئی حصہ نہیں لینا چاہیے، جب تک کہ ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کرنے میں سے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں، چنانچہ اس نے پانچسو آدمی لے کر بندنجین کی راہ لی، ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے۔

اس وقت بھی "فاتح خیبرؓ" نے اپنی فوج کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا تا آنکہ خود خارجیوں نے لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر علوی فوج پر اس زور سے حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؓ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضا کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے، لیکن ان کی حملہ آوری میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ایک خارجی شریح بن اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا، تو وہ اس حالت میں بھی لڑتا رہا۔ بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

مورخین کے مطابق جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت علیؓ نے خارجی مقتولین میں اس شخص[1] کو تلاش کرنا شروع کیا، جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی، چنانچہ تلاش کرنے پر ایک گڑھے سے ایک لاش برآمد ہوئی جس میں وہ تمام علامات موجود تھیں

---

[1] اس شخص کا نام ذوالثدیہ تھا، اس کے بازو پر عورت کے سینہ کی طرح ابھار تھا اور اس ابھار پر چند سیاہ بال تھے۔

ذوالثدیہ نے غزوہ حنین کے موقع پر حضورؐ کو مخاطب کر کے تین بار کہا تھا "اے محمدؐ انصاف کرو، تم نے انصاف نہیں کیا۔" اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور آپؐ نے قریش مکہ کے تالیف القلوب کے لیے انہیں زیادہ حصہ دیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے جب اس شخص کی زبان سے تیسری بار یہی بات سنی تو آپؐ نے اس کی طرف توجہ کی اور ارشاد فرمایا:

"میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔"

صحابہؓ میں سے بعض نے اس کے قتل کی اجازت مانگی مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا اور فرمایا:

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔

حضرت علیؓ نے دیکھا، تو سجدے میں گر گئے، پھر فرمایا:

"اللہ اکبر! خدا کی قسم نہ تو میں نے جھوٹ بولا تھا اور نہ میں جھٹلایا جا سکا۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم عمل چھوڑ بیٹھو گے تو میں تمہیں وہ فیصلہ سناتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ ان لوگوں کے حق میں سنایا گیا ہے جو ان خارجیوں سے جنگ کریں گے اور ان سے جنگ کو حق سمجھیں اور اس حق کو پہچانیں جس پر ہم قائم ہیں"

شام کا قصد اور حیدری لشکر کی کمزوری

گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی عہدِ عثمانی کے تمام عمال معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے تھے۔ چنانچہ مصر کی ولایت پر ایک مقتدر صحابی حضرت قیس بن سعدؓ کو مقرر کیا جو بڑے مدبّر اور مصلحت شناس تھے۔ انہوں نے حکمتِ عملی سے تقریباً تمام اہلِ مصر کو جناب علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی؛ البتہ اہلِ خرتبا کو، جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے، راضی نہ ہوا۔ حضرت قیسؓ نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہہ دیا ہم تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتے۔ تاہم تمہاری ہر خدمت کے لیے تیار ہیں۔ ان کی اس پالیسی کا اثر یہ ہوا کہ اہلِ خرتبا مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہ کیا۔ یہ واقعہ جنگِ جمل سے پہلے کا ہے۔

جنگِ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں، تو امیر معاویہؓ کو خوف محسوس ہوا کہ اگر دوسری طرف سے حضرت قیسؓ بن سعد نے شام پر حملہ کر دیا، تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کے لیے خط لکھا کہ "تم بھی قاتلین عثمانؓ کے ساتھ ہو اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ، تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے تیار ہیں اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لیے مخصوص رہے گی۔ حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا، جس کو چاہنا حاکم بنانا۔ اس کے علاوہ اور جو تم چاہو، میں سب پورا کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو۔" حضرت قیسؓ عرب کے نامور مدبر تھے اور تدبر و سیاست میں کسی طور امیر معاویہؓ سے کم نہ تھے، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی کشمکش (جس کا آغاز ہو چکا تھا) اور ملک کی دگرگوں حالت اُن کے سامنے تھی۔ اس بنا پر انہوں نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا۔ امیر معاویہؓ بڑے جہاندیدہ اور رمز شناس تھے، فوراً تاڑ گئے۔ چنانچہ آپ نے انہیں لکھا "تم نے ایسا جواب دیا ہے کہ نہ تم کو دوست سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ ہی دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے۔ مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو، جس کا ادنیٰ اشارہ مصر

"عنقریب ایک قوم خروج کرے گی جو حق کے ساتھ تکلف یا تکلم کریں گے لیکن حق ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اُترے گا، وہ حق سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے، ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ کوتاہ دست آدمی ہوگا، اس کے ہاتھ میں چند سیاہ بال ہوں گے، اگر یہ وہی ہیں، تو تم نے بدترین کو قتل کیا ہے اور اگر وہ نہیں ہیں، تو تم بہترین کے قاتل ہو۔

(ازالۃ الخفا مقصد دوم اور تاریخ طبری حصہ سوم سے ماخوذ)

سرپامال کر سکتا ہے۔" حضرت قیس بن سعدؓ نے اس تحریر کا نہایت سخت جواب دیا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے۔ تم مجھ کو ایک مستحق خلافت سچ گو، حق پرست، سب سے زیادہ ہدایات یاب اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب ترین عزیز کے مقابلہ میں ایک جھوٹے، گم کردہ راہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بعید شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو، تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو، خدا نے چاہا، تو خود تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ حضرت قیسؓ کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی، تو ان کو مصر سے ہٹانے کی یہ تدبیر کی کہ ان کے متعلق یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت قیسؓ بن سعد ہمارے طرفدار ہیں، آپ نے شامیوں کو منع کر دیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ ہمارے ساتھ ہیں اور خفیہ طور پر ان کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں، پھر اس کے ثبوت میں اہلِ خرتبا سے ان کے بہتر سلوک کا حوالہ دیتے، رفتہ رفتہ یہ بات دربارِ خلافت تک پہنچ گئی۔ محمدؓ بن ابی بکرؓ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہلِ خرتبا سے بیعت نہ کرنے کا واقعہ دلیل کے طور پر پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے ان افواہوں سے متأثر ہو کر حضرت قیسؓ کو خرتبا والوں سے بیعت کیلئے لڑنے کا حکم دیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ، آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں، جو اب تک غیر جانب دار ہیں، ان کو جونہی چھیڑا گیا یہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے۔ میرا مشورہ قبول کیجیے اور ان سے تعرض نہ فرمائیے؛ لیکن جب دربارِ خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو حضرت قیسؓ مستعفی ہو کر مدینے چلے گئے اور ان کی جگہ محمدؓ بن ابی بکرؓ والیٔ مصر مقرر ہوئے۔

محمدؓ بن ابی بکرؓ کمسن اور ناتجربہ کار تھے۔ انہوں نے حکمتِ عملی سے کام لینے کی بجائے اہلِ خرتبا پر فوج کشی کر دی جس کے نتیجہ میں شکست کھائی۔ ان کی ناتجربہ کاری کے باعث سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک جگہ کے لوگ حضرت علیؓ کے خلاف تھے مگر اب اور لوگ بھی مخالف ہو گئے۔ چنانچہ مصر کے ایک معتقد رئیس معاویہ بن خدیج کندیؓ نے علانیہ قصاصِ عثمان کی دعوت شروع کر دی جس سے مصر کی فضا مسموم ہو گئی۔

حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمدؓ بن ابی بکرؓ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں۔ لیکن امیر معاویہؓ نے راستہ میں ہی زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرا دیا۔[۱]

اِدھر سے فارغ ہو کر امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاریؓ اور معاویہ بن خدیجؓ سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی دونوں نے اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے انہیں مصر پر حملہ کی دعوت دی، اس پر امیر معاویہؓ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد حضرت عمروؓ بن العاصؓ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ محمدؓ بن ابی بکرؓ کے لیے اگرچہ اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا تاہم چار ہزار کی جمعیت فراہم کر کے اس بے جگری سے لڑے کہ حضرت عمروؓ بن العاصؓ کو معاویہؓ بن خدیج کی مدد طلب کرنی پڑی۔ اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ محمدؓ بن ابی بکرؓ کی فوج کو پیچھے سے گھیر لیا۔ مقابلہ میں ان کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ گئے۔ محمدؓ بن ابی بکرؓ روپوش ہو گئے مگر آخر حضرت عمروؓ بن العاصؓ کے جاسوسوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر کے ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔[۲] غرض

۱؎ سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین ۲؎ تاریخ طبری سوم

اس افسوسناک طریقہ پر سنہ ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور امیر معاویہؓ نے وعدہ کے مطابق حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر کا والی بنایا

ابن حضرمی کی بصرہ میں آمد

فتح مصر کے بعد اسی سال امیر معاویہؓ نے اہل بصرہ کو حضرت علیؓ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لیے عبداللہ بن الحضرمی کو بصرہ روانہ کیا۔ مؤرخین کے مطابق اہل بصرہ نہ صرف واقعہ جمل کے باعث جناب امیرؓ سے کشیدہ خاطر تھے بلکہ وہ بھی امیر معاویہؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کے خون کا معاوضہ طلب کرنے والوں میں تھے۔ اس لیے ابن الحضرمی کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس کی دعوت کو لبیک کہا۔ زیاد کو جو گورنر بصرہ عبداللہ بن عباسؓ کی بغیر حاضری میں نیابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہ خلافت کو اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو امیر المومنین حضرت علیؓ نے اعین بن ضبیعہ کو ابن الحضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ بصرہ پہنچ کر جس طرح ممکن ہو تمیم اور ابن الحضرمی میں نفاق ڈال دو اور جو شخص اس کی مخالفت کرے اس سے بلا تامل لڑو لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے طرفداروں نے ناگہانی طور پر انہیں قتل کرا دیا۔

اعین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیرؓ نے جاریہ بن قدامہ کو ابن الحضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے بصرہ پہنچ کر نہایت حکمت عملی سے ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کا دار سنبل میں محاصرہ کر لیا پھر اس کے گھر کو ابن حضرمی اور اس کے ستر یا چالیس ساتھیوں کے جلا دیا۔ اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت کر لی جس پر امیر المومنینؓ کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کر دیا۔

خریت بن راشد کی بغاوت

معرکہ نہروان میں اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کے حامی ملک میں موجود تھے اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتے رہتے تھے۔ انہی خارجیوں میں خریت بن راشد بھی تھا جو مجوسیوں، مرتدوں اور نو مسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا۔ حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کا مسلسل تعاقب کیا اور رامہرمز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کر کے ملک کو اس کے وجود سے پاک و صاف کر دیا۔ اس کے جو ساتھی قتل سے بچ گئے۔ ان سے پھر اطاعت کا عہد لے کر ان سے نہایت لطف و ترحم کا سلوک کیا۔ اس طرز عمل کا اثر یہ ہوا کہ معقل بن قیس جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی اور اشکبار آنکھوں سے آپ کو رخصت کیا۔

امیر معاویہؓ کا طرز عمل

امیر معاویہؓ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے جبکہ سارا عرب و عجم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر نگین تھا۔ چنانچہ فتح مصر کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا اور سب سے اول سنہ ۳۹ھ میں نعمان بن بشیر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا لیکن یہاں نعمان کو کوئی کامیابی نہ ہوئی اور حضرت علیؓ کے حاکم مالک بن کعب سے شکست کھا گیا۔ پھر اسی سال میں امیر معاویہؓ نے سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار اور مدائن وغیرہ کی طرف روانہ کیا۔ سفیان بن عوف نے انبار پہنچ کر یہاں کی محافظ فوج کے افسر اشرس بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مگر کوئی مقابلہ نہ ہوا، کیونکہ سفیان

ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ پھر اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لیے تیماء روانہ کیا۔ وہ اس فرض کو انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے۔ حیدر کرارؓ کو خبر ہوئی، تو آپ نے مسیّب بن نجبہ فزاری کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ تیماء میں فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ جنگ میں عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ مُسیّب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اسے آگ لگا دی لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر اسے چھوڑ دیا اور باقیماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے۔

اسی سنہ میں حضرت معاویہؓ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ واقصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علیؓ کے باجگذار اعراب پر تاخت کے لیے روانہ کیا۔ ضحاک ثعلبہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے کہ حضرت علیؓ کو اطلاع ہو گئی۔ آپ نے فوری طور پر حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ ان کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ تدمر کے مقام پر فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی، مقابلہ میں حجر نے ضحاک کے انیس ۱۹ آدمی قتل کیے اور باقی شامی رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر نکل گئے۔

ذی الحجہ سنہ ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر بھیجا اور مکہ سے حضرت علیؓ کے عامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کی خدمت اُن کے سپرد کی، مکہ کے علوی حاکم حضرت قثم بن عباسؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اہل مکہ کو مزید مقابلہ کے لیے اُبھارا، لیکن شیبہ بن عثمان کے علاوہ کوئی اس پر آمادہ نہ ہُوا۔ حضرت قثمؓ نے ان حالات سے حضرت علیؓ کو مطلع کر کے خود مکہ چھوڑ دینا چاہا، لیکن حضرت ابُوسعید خدری کی درخواست پر اس اقدام سے باز رہے۔ اسی دوران میں شامی پہنچ گئے، لیکن کسی سے تعرض نہ کیا۔ حضرت علیؓ کو چونکہ صورتِ حال کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ کے حکم سے ریان بن ضمرہؓ اور ابوالطفیلؓ فوجیں لے کر مقابلہ کے لیے پہنچے لیکن کسی سے مقابلہ سے پہلے ہی یزید بن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے۔ البتہ جو ہم سے لڑے گا، اس سے ضرور جنگ کریں گے۔ مزید برآں انہوں نے حضرت ابُوسعید خدری سے درخواست کی کہ میں حرم کی تفریق پسند نہیں کرتا، اس لیے میرے اور قثمؓ کے علاوہ کسی ایسے تیسرے شخص کو امام بنا دیجیے جس میں سب کا اتفاق ہو۔ تجویز چونکہ معقول تھی، اس لیے حضرت ابُوسعید خدریؓ کے ایماء پر قثمؓ الگ ہو گئے۔ لوگوں نے اتفاق رائے سے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا جن کی امارت میں اس سال کا حج ادا ہُوا اور یزید بن شجرہ اختتامِ حج کے بعد واپس چلے گئے۔

اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبدالرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا۔ یہاں کے حاکم شبیبؓ بن عامر نصیبین کے مقام پر تھے۔ انہوں نے کمیل بن زیاد کو ان حالات کی خبر دی، کمیل چھ سو سوار ساتھ لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمٰن کو شکستِ فاش دی۔ شامیوں کی بڑی تعداد کھیت رہی اور ان کے سامان پر کمیل نے قبضہ کر لیا۔ اسی اثناء میں شبیبؓ بھی پہنچ گئے۔ لیکن اس وقت شکست کھا کر واپس جا چکے تھے، تاہم آپ نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا۔ امیر معاویہؓ کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیبؓ کے مقابلہ پر بھیجا، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیبؓ واپس جا چکے تھے۔

دومۃ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے۔ انہوں نے اب تک حضرت علیؓ یا امیر معاویہؓ میں سے کسی کی بیعت نہ کی تھی۔ امیر معاویہؓ نے مسلم بن عقبہ کو ان کی بیعت کے لیے بھیجا، لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ کو خبر ہوئی، تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لیے روانہ کیا۔ مالک اور مسلم میں جنگ ہوئی، مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے۔ اس کے بعد مالک نے دومۃ الجندل کے لوگوں سے بیعت لینی

چاہی، مگر انہوں نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے، وہ بیعت نہیں کریں گے، مالک نے زیادہ اصرار مناسب نہ سمجھا اور واپس چلے آئے۔

حجاز اور عرب کے لیے کشمکش

ابھی تک حجاز جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا، حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھا۔ امیر معاویہؓ نے سنہ ۴۰ھ میں از سرِ نو پھر چھاڑ شروع کی اور مشہور جفاکار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا۔ وہ سیدھا مدینہ پہنچا۔ یہاں کے علوی حاکم حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے حرمِ نبویؐ کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اہلِ مدینہ سے امیر معاویہؓ کے لیے زبردستی بیعت لی اور لوگوں کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو مسمار کر کے مکہ کا رخ کیا اور اہلِ مکہ سے بھی بزور بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے ہی یمن کے حاکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خفیہ طور پر بسر بن ابی ارطاۃ کے حملے کی اطلاع کر دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ امیر معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، وہ ان کو نہایت بیدردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بسر کی آمد سے قبل ہی عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر دربارِ خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی۔ بسر نے یمن پہنچ کر عبدالمدان اور اس کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن بچوں اور حضرت علیؓ کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت کو قتل کیا اور پھر شام روانہ ہو گیا۔

حضرت علیؓ کو بسر بن ارطاۃ کی ان سفاکیوں کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے فوراً جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ بسر اس وقت نجران میں تھا، علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا۔ جاریہ اور وہب نے نجران پہنچ کر بسر کے چند آدمیوں کو تہ تیغ کیا، پھر مکہ کا رخ کیا اور اہلِ مکہ سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر مدینہ پہنچے۔ یہاں کے لوگوں سے حضرت حسنؓ کی بیعت لی اور چند دن ٹھہر کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

فریقین میں مصالحت

مؤرخین کے مطابق اس مسلسل خانہ جنگی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے سنہ ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ مؤرخ طبری کے لفظوں میں "جب دونوں فریقین میں کسی نے بھی دوسرے کی اطاعت قبول نہ کی، تو امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو تحریر کیا کہ اگر تم چاہو، تو ایسا کر لو کہ عراق کی حکومت تمہارے حصہ میں ہو اور شام کی میرے حصے میں تاکہ اس امت سے تلوار رک جائے اور مسلمانوں کے خون نہ بہیں، اس پر حضرت علیؓ راضی ہو گئے۔ (چنانچہ) معاویہؓ کے لشکر شام اور اس کے گرد و نواح کا انتظام کرتے۔" غرض اس صلح کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علیؓ کے پاس رہا اور شام، مصر اور مغرب کا حصہ امیر معاویہؓ کے قبضہ میں آیا۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں اور اندرونی شورشوں کو دبانے میں گزرا۔ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد آپ کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ آپ بیرونی فتوحات کی جانب توجہ فرماتے اور اسلام کی فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ اس سے غافل نہ رہے، چنانچہ آپ نے سیستان اور کابل کی جانب، جو عرب خود مختار ہو گئے تھے۔ ان کو قابو میں کر کے، قدم آگے بڑھایا اور مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت بخشی، سب سے پہلے رضا کار سپاہیوں نے کوکن (بمبئی کا علاقہ) پر حملہ کیا جو اس زمانہ میں سندھ میں شامل تھا۔ مؤرخ بلاذری 'فتوح السندھ' کے باب میں لکھتے ہیں۔

"آخر ۳۸ھ یا اوائل ۳۹ھ میں حارث بن مرۃ العبدی نے (حضرت) علی بن ابی طالبؓ سے اجازت لے کر بحیثیت مطوع سرحد ہند پر حملہ کیا، فتحیاب ہوئے اکثیر غنیمت ہاتھ آئی۔ صرف لونڈی غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کیے گئے۔"

بغاوتوں کا استیصال

حضرت علیؓ نے اگرچہ اپنی جنگی صلاحیتوں اور ہمتِ مردانہ سے امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو مقبوضہ علاقوں سے نکال دیا تھا تاہم مسلمانوں کی خانہ جنگی اور عام بدامنی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جابجا بغاوتیں پیدا ہوگئی تھیں، کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے اور بعض دیگر علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے۔ حضرت علیؓ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے زیاد بن ابیہ کو اس مہم پر مامور فرمایا۔ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن وسکون پیدا کر دیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ ایرانی باغیوں کے ساتھ اس قدر لطف ومہربانی سے پیش آئے کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کے طریق جہانبانی نے نوشیروانِ عادل کی طرز حکومت کی یاد بھلا دی[1]

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ

۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا اندوہناک حادثہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل میں مورخین نے لکھا ہے کہ معرکہ نہروان میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا چنانچہ اس واقعہ کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر جمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی، اس پر عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاص کو قتل کرنے کا بیڑہ اٹھایا، اور پھر ان تینوں صحابہ کو ایک ہی دن یعنی ۱۷ رمضان کی صبح کو قتل کرنے کا پختہ عہد کر کے یہ ملعون اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ابن ملجم جب کوفہ پہنچا تو وہاں اس نے ایک خارجی عورت قطام بنت شجنہ کو دیکھا، جو حسن وجمال میں یگانۂ روزگار تھی ابن ملجم پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہوگیا اور اسے نکاح کا پیغام دیا۔ اس عورت کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہو گئے تھے۔ اس لیے قطام نے نکاح کے لیے حضرت علیؓ کے قتل کی شرط پیش کی۔ ابن ملجم چونکہ پہلے ہی اس ارادہ کی تکمیل کے لیے کوفہ آیا تھا، اس لیے قطام سے نکاح کی خواہش نے اس کے ارادہ کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

غرض مقررہ تاریخ پر نماز فجر کے وقت تینوں قاتلوں نے حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا اس لیے وہ علاج معالجے سے بچ گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اس دن امامت کے لیے نہیں آئے تھے، ایک اور شخص جو ان کا قائم مقام ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے دھوکے میں مارا گیا لیکن جناب امیرؓ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسی صبح

---

[1] سیر الصحابہ خلفائے راشدین

کو جب آپ نمازِ فجر کے لیے نکلے تو ابنِ ملجم اور اس کے ساتھی شبیب بن بجرہ نے، جو آپ کی گزرگاہ میں چھپ رہے تھے، اچانک سامنے آ کر حملہ کر دیا۔ شبیب کا وار خطا گیا مگر ابنِ ملجم کی تلوار پیشانی سے سر کے اندر تک اُتر گئی۔ حضرت علیؓ نے آواز دی، لوگ دوڑ پڑے۔ شبیب تو نکل گیا لیکن ابنِ ملجم گرفتار ہو گیا۔ حضرت علیؓ کی بجائے حضرت جعدہ بن ہبیرہؓ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابنِ ملجم کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے قاتل سے چند سوالات کرنے کے بعد حکم دیا کہ اُسے اچھا کھانا کھلاؤ اور نرم بستر دو۔ آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا، تو اس کو خدا کے حکم کے مطابق قصاص میں قتل کر دینا، اور اگر زندہ رہا، تو اس کے خون کو معاف کرنے یا قصاص لینے کا زیادہ مستحق ہوں گا۔[1] مزید فرمایا کہ میرے بعد ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا، صرف میرے قاتل کو قتل کرنا۔ حضرت حسنؓ سے فرمایا: کہ اگر میں مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مُثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی، اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا۔ جب حالت خراب ہونے لگی، تو آپ نے حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کو بلا کر باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دُنیا میں خیر و برکت کے لیے وصیتیں فرمائیں آپ کی زندگی سے چونکہ مایوسی ہو گئی تھی، اس لیے حضرت جندب بن عبداللہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔[2]

حضرت علیؓ نے اسی روز جس دن کہ آپ زخمی ہوئے یا اس کے تیسرے دن، ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے غسل دیا۔ حضرت حسنؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت کے اس آفتابِ عالمتاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپردِ خاک کیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور مدّتِ خلافت چار سال نو ماہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[3]

ازواج و اولاد

حضرت علیؓ نے سیدۃ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کی رحلت کے بعد مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں، تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

۱۔ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت محسنؓ پیدا ہوئے، حضرت محسنؓ کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ صاحبزادیوں میں حضرت زینبؓ کبریٰ اور حضرت اُمِ کلثومؓ کبریٰ تھیں۔

۲۔ اُمّ البنین بنتِ حزام سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے، ابنِ سعدؒ کے مطابق یہ سب حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔[1]

۳۔ لیلیٰ بنتِ مسعود، انہوں نے عبداللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا، ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

۴۔ اسماء بنت عمیس سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

۵۔ صہباء یا اُمّ حبیب بنت ربیعہ سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔

۶۔ امامہ بنتِ ابی العاص، یہ حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

---

[1] طبقات ابن سعدؒ حصہ سوم [2] تاریخ طبری حصہ سوم [3] طبقات ابن سعدؒ حصہ سوم۔

۷. خولہ بنت جعفر کے بطن سے محمد بن علی پیدا ہوئے جو تاریخِ اسلام میں محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔
۸. اُمِّ سعید بنت عروہ، ان سے اُمّ الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔
۹. محیاۃ بنت امراء القیس سے ایک لڑکی تولد ہوئی جو بچپن میں ہی قضا کر گئی۔

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں، جن سے حسبِ ذیل لڑکیاں پیدا ہوئیں۔
اُمِّ ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، اُمِّ کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، اُمّ الکرام، اُمِّ سلمہ، اُمِّ جعفر، جمانہ اور نفیسہ۔
غرض حضرت علیؓ کی ستّرہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے۔ ان میں سے صرف حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، محمد بن حنفیہ اور عمر سے سلسلۂ نسب جاری رہا۔ مزید ان بزرگوں میں سے حضرت امام حسینؓ کو بنائے لَا اِلٰہ قائم کرنے کے لیے "سر داد، نہ داد دست در دستِ یزید" کی وجہ سے جو شہرت ملی وہ اسلام کی عظمت و رفعت کا ایک ایسا باب ہے جو میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے مقدس خون سے لکھا گیا اور جو قیامت تک حق پرستوں کو یزیدیت کے قلع قمع پر اُبھارتا رہے گا۔

حُلیہ

آپ کا قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، سینہ چوڑا اور اس پر بال تھے۔ آپ نہایت شگفتہ رو، کشادہ جبیں، خنداں رُخ، حسین و جمیل، قوی بازو اور آہنی پنجہ تھے۔ آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی۔ آخر میں بال بالکل سفید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک بار بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

عہدِ مرتضویؓ پر ایک نظر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا۔ آپ کو ایک دن کے لیے بھی ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، اس لیے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد اپنے پیش رووں کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب نہیں رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن میں آپ کو منصبِ خلافت ملا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ لیکن ان گوناگوں مشکلات کے باوجود جنابِ امیرؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے تاہم ان کارناموں پر نظر ڈالنے اور مشکلات کے مقابلہ پر حضرت علیؓ کے تحمل و استقلال اور سلامت روی کے بیان سے پہلے ان اسباب کی ٹوہ لگانا ضروری ہے، جو آپ کے عہدِ خلافت میں اس قدر افتراق و اختلاف اور شر و فساد کا باعث بنے۔

مؤرخین کے مطابق ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے جنہوں نے عثمانیؓ خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے۔ بہرکیف اس کا اندازہ عہدِ صدیقؓ کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس وقت تختِ خلافت پر قدم رکھا اس وقت دنیائے اسلام نہایت پُرآشوب تھی، بہت سے قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ بعضوں نے اسلام کے رکنِ اعظم، زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت علیحدہ انقلاب پر آمادہ تھے، غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویشناک تھی، لیکن دونوں حالتوں میں بیّن فرق ہے۔ یعنی حضرت صدیقؓ اکبر کے سامنے اگرچہ مصائب کا طوفان اُمڈ رہا تھا ہم کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا۔ اس لیے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے۔ کُل صحابہؓ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتیں ما ہوا و ہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا۔ اس لیے ان کو زیر کرنا نسبتاً آسان تھا۔ برخلاف اس کے جنابِ امیرؓ کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ جیسے اکابر

صحابہؓ تھے جن کا سارا بدن غزوہ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں چھلنی ہوگیا تھا اور جنہیں اس جاں نثاری کے صلہ میں بارگاہِ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا۔ ان کے علاوہ امیر معاویہؓ جیسے مدبر تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا۔ مزید حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور اُن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو برسرِ حق سمجھتا تھا ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار وفا شعار ملے تھے جن کی مثالیں حضرت علیؓ کے طرفداروں میں کم تھیں، اس لئے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہدہ برآ ہونا بہت دشوار تھا۔

دوسرے خلافت حقہ قائم کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو جو زمانہ ملا وہ عہدِ رسالتمآبؐ سے تقریباً پچیس سال دُور ہٹ آیا تھا اور اس میں عہدِ رسالتؐ کی اسلامی روح کافی حد تک مضمحل ہو چکی تھی۔ بہت سے جلیل القدر صحابہؓ جو خلافت کے رکنِ عظیم تھے۔ اُٹھ چکے تھے اور اُن کی جگہ نئی پود لے رہی تھی۔ جس میں وہ اخلاص اور اسلامی جوش و ولولہ مفقود تھا۔ جس نے ان کے اسلاف کو خدا اور رسولؐ کی نگاہ میں معزز کیا تھا۔ متعدد اکابر صحابہؓ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ جنابِ امیرؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے۔ ان کا دین و تقویٰ مسلّم لیکن ان میں بہت کم صاحبِ تدبیر و سیاست تھے پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ میں حضرت علیؓ صاحبِ تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک قبول نہ کرتے تھے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کو آغازِ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ آپ کے خلاف فتنہ کھڑا کریں گے لیکن آپ نے اس کو قبول نہ کیا، جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حضرت قیس بن سعدؓ جیسے مدبر کو آپ نے محض محمدؓ بن ابی بکرؓ اور محمدؓ بن جعفر بن ابی طالبؓ جیسے نوجوانوں کی رائے سے متاثر ہو کر مصر سے ہٹا دیا جس کے نتیجے میں مصر ہاتھوں سے نکل گیا نیز آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کرکے اپنے خلاف کر لیا اور نتیجۃً انہوں نے آپ کے مخالفین کے ہاتھ مضبوط کیے!

تیسرے حضرت علیؓ جس زہد و اتقاء دینداری، امانت اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے۔ حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی۔ آپ نازک سے نازک وقت میں بھی جادۂ حق سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے اور بیت المال کی ایک ایک کوڑی کا حساب لیتے اور ایک حبہ بھی بے جا صرف نہ ہونے دیتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف امیر معاویہؓ اپنے طرفداروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزۂ خاص تک دل برداشتہ ہو کر آپ سے جدا ہو گئے تھے۔ جبکہ امیر معاویہؓ کی داد و دہش مخالفین تک کا مُنہ بند کر دیتی تھی۔

مزید برآں ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نو مسلم عجمی تھے۔ جو اہلِ بیت کی محبت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے اور جنہیں حضرت علیؓ تو کیا سرے سے اسلام ہی سے کوئی محبت نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ انہی لوگوں نے اہلِ بیت اور غیر اہلِ بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی، اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات بھی پیش نہ آتے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پُر فریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا۔ پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علیؓ کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا۔ پھر انہی میں وہ لوگ تھے، جنہوں نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ غرض کسی موقع پر بھی انہوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا۔

لیکن ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب امیرؓ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم و ثبات کے ساتھ زندگی کے آخری لمحہ تک ان مشکلات و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرکے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور باہمی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانتداری اور شریعت سے سرِمُو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا۔ اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہوجاتے، لیکن دین ضائع ہوجاتا جس کا بچانا ایک خلیفۂ راشد اور جانشینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا اور اصلی فرض تھا۔

نظامِ خلافت میں اصلاح

اس ضمن میں حضرت علیؓ کا بڑا کارنامہ نظامِ خلافت کی اصلاح ہے۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دَور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافت راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا چنانچہ آپ نے اسے دوبارہ صراطِ مستقیم پر لانے کی سعی فرمائی۔ گو مخالف حالات نے آپ کو پورا موقع نہ دیا، تاہم جہاں تک آپ کے بس میں تھا، آپ نے شیخین کے دَور کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی اور جو بدعنوانیاں حضرت عثمانؓ کے دَور میں پیدا ہوگئی تھیں، انہیں دُور کرکے عہدِ فاروقی کے نظم و نسق کو بغیر کسی ترمیم کے قائم رکھا۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے جنہیں حضرت عمرؓ نے حجاز سے نجران جلاوطن کر دیا تھا، نہایت لجاجت کے ساتھ اپنے وطن آنے کی درخواست کی لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا عمرؓ سے زیادہ کون صائب الرائے ہوسکتا ہے[1]

فوجی انتظامات

حضرت علیؓ فطرتاً سپاہی اور بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے۔ اس لیے فوج کی طرف آپ کی خصوصی توجہ رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے اور شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں، جب امیر معاویہؓ نے سنہ ۳۹ھ میں عراق پر یورش کی تو ان ہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کی وجہ سے بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ اصطخر کا قلعہ حصنِ زیاد اور فراست کا پل آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوئے تھے۔

صیغۂ مال

آپ نے صیغۂ مال میں بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا۔ آپ کے دور سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا لیکن آپ نے انہیں قابلِ محصول قرار دیا۔ چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگذاری تشخیص کی گئی۔

بعض چیزوں پر سے محصول اُٹھا دیا۔ عہد نبویؐ میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب عام طور پر اس کی تجارت ہونے لگی تو آپ نے اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی لیکن حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں اسے منسوخ کر دیا۔

عمال کی اخلاقی نگرانی

عہد فاروقیؓ کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا۔ آپ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے، تو اس کو گراں بہا نصائح کرتے تھے۔ آپ وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو قیامِ عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے ان کی طرزِ حکومت کی تحقیقات کراتے اور ان کی غلط روی کا تدارک فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین احمد ندوی۔

ایک مرتبہ حضرت کعب بن مالک رضؓ انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور کیا اور یہ ہدایت فرمائی :

"تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر رکھو۔"

منذر بن جارود والیٔ اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں غفلت برتتے ہیں تو انہیں لکھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا، تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے۔"

چنانچہ انہیں طلب کرکے معزول کر دیا۔

بیت المال کی حفاظت

حضرت علی رضؓ بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمر رضؓ کی طرح اہتمام کرتے اور عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بدعنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچسو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔ آپ کو معلوم ہوا تو سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا "خدا کی قسم عثمان رضؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ناداری کے باعث مجبور ہو کر مصقلہ امیر معاویہ رضؓ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیر رضؓ کو پتہ چلا تو فرمایا :

"خدا اس کا برا کرے، اس نے کام تو سیدھا کیا، لیکن غلام کی طرح بھاگا اور تاجر کی طرح خیانت کی، خدا کی قسم اگر وہ مقیم ہوتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا نہ دیتا اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا، تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا۔"

اس باز پرس سے آپ کے عزیز و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ حضرت علی رضؓ کو معلوم ہوا تو رقم واپس کرنے کے لئے لکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے، لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے۔ اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علی رضؓ کی صاحبزادی ام کلثوم نے مانگ بھیجا۔ عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھیج دی۔ دوسرے دن حضرت علی رضؓ نے ان کا شمار کیا تو دو پیپے کم نکلے۔ عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا، تو انہوں نے بتا دیا، چنانچہ اسی وقت دونوں پیپے منگوا لیے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع رضؓ بیت المال کے نگران تھے۔ انہوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا حضرت علی رضؓ نے دیکھا تو پہچان لیا، ابو رافع رضؓ سے پوچھا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ فرمایا :

---

[1] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی

"تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو۔ حالانکہ جب فاطمہؓ کے ساتھ میری شادی ہوئی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اسی پر مویشیوں کو چارہ دیتا تھا اور ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔"

خراج کی آمدنی کا احتساب

عمال سے محاصل اور خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ حساب لیتے تھے اور اگر مقررہ وقت سے ذرا بھی تاخیر ہو جاتی، تو فہمائشی احکام جاری فرماتے، ایک دفعہ یزید بن قیس نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا:

"تم نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے معلوم نہیں، لیکن میں تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے، خدا سے ڈرو اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں، مسلمانوں کو معزز کرو لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو۔ خدا نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو۔"

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیے تھے، لکھا:

"جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا، اس نے دنیا میں بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ اس سے زیادہ [illegible] اور اس سے زیادہ دیرپا ہے۔ اللہ کا خوف کرو، تم صالح خاندان سے ہو اس لیے خوش گمانی کا موقع دو، مجھ کو جو خبر ملی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو، خراج ادا کر دو۔"

ذمیوں کے ساتھ سلوک

حضرت علیؓ ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے اور اپنے عمال کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے۔ ذمیوں کو ایک عامل عمرو بن مسلمہؓ کی درشت مزاجی کی شکایت تھی، آپ نے انہیں لکھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کو تمہاری درشت مزاجی کی شکایت ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہیے، لیکن سختی ظلم اور نرمی نقصان کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ ان سے جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو مگر ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو۔"

اہل عجم کے ساتھ آپ نے جس لطف و کرم کا برتاؤ کیا تھا، اس کے متعلق وہ خود کہتے تھے۔ خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

رعایا کے ساتھ شفقت

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا وجود رعایا کے لیے سرچشمۂ جود و سخا اور آئینۂ رحمت تھا۔ بیت المال کے

دروازے غربا و مساکین کے لیے کھلے رکھتے تھے۔ اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی۔ نہایت فیاضی و فراخدلی کے ساتھ مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔

عدل و مساوات

حضرت علیؓ کی نگاہِ عدل و انصاف میں بلا امتیاز مذہب و ملت، خویش و بیگانہ اور امیر و غریب سب یکساں تھے۔ یہاں تک کہ اگر خود کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تو بغیر کسی ادنیٰ رعایت کے حسب قاعدہ عدالت میں حاضر ہوتے، اگر ثبوت نہ ہوتا تو اپنے خلاف فیصلہ سن کر اسے قبول کرتے، ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی جو ایک غیر مسلم کے ہاتھ لگی آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ قاضی نے آپ سے زرہ کی ملکیت کا ثبوت مانگا۔ جب آپ نہ دے سکے تو فیصلہ فریقِ ثانی کے حق میں کر دیا۔ اس فیصلہ سے وہ غیر مسلم اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور کہا:

"یہ تو انبیاء کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں"

بازار کی نگرانی

آپ بازار کی نگرانی اشیاء کے بھاؤ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے، درّہ لے کر بازار نکل جاتے اور دکان داروں کو حسنِ معاملت اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے۔

مذہبی خدمات

امامِ وقت کا سب سے اہم اور مقدس فرض مذہب کی اشاعت و تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؓ عہد رسالتمآبؐ سے ہی ان خدمات میں ممتاز تھے۔ چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی ان ہی کی کوششوں سے پھیلی تھی اور ۹ھ میں جب سورۂ براءۃ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اشاعت و تبلیغ کی خدمت انہی کے سپرد فرمائی تھی۔

آپ کو اگرچہ مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر تک خانہ جنگیوں نے ان امور کی طرف بھرپور توجہ کرنے کی مہلت ہی نہ دی تاہم آپ اس فرض سے غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینیہ میں جب نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے۔ تو آپ نے باخبر ہوتے ہی اتنی شدت سے اس بات کا نوٹس لیا کہ ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں آپ کو خدا کہنے لگے تھے۔ سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔ [1]

فضل و کمال

حضرت علیؓ ابھی بچہ ہی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آغوشِ تربیت میں لے لیا تھا۔ اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابتدا سے ہی درس گاہِ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا پورا موقع ملا تھا۔ مزید جوانی میں رشتہ مصاہرت سے سرفراز ہوئے اور آنحضرت صلعم کے وصال تک چشمۂ علم و حکمت سے سیراب ہوتے رہے۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ قدرت نے تحصیل علم اور کسب کمال کی فطری صلاحیتوں سے بھی آپ کو مالا مال کیا تھا۔ چنانچہ کتب نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ بہت کم صحابہؓ کے حصہ میں آیا، اہل سیر کے مطابق آپ قرآن، تفسیر، حدیث، اور جملہ دینی علوم کا ایک ایسا دریا تھے۔ جن کو زبان نبوت سے "انا مدینۃ العلم و علی بابہا" [2] کی سند ملی۔ آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، جو خود حبر الامۃ تھے۔ فرماتے تھے کہ علم

---

[1] سیر الصحابہ، خلفائے راشدین۔ [2] میں علم کا شہر اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔

کے دس حصوں میں سے خدا نے علیؓ کو نو حصے عطا فرمائے اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے۔

تفسیر اور علوم القرآن

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن حکیم ہے اور حضرت علیؓ زبانِ وحی و الہام سے تعلیم حاصل کرنے کے باعث اس چشمۂ معانی سے پوری طرح سیراب تھے۔ آپ اُن صحابہؓ میں سے تھے۔ جنہوں نے نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاتِ اقدس ہی میں پورا قرآنِ حکیم حفظ کر لیا تھا بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول تک سے واقف تھے۔ کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی ہے[۱] یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علیؓ جو چھ ماہ تک گوشہ نشین رہے۔ اس دوران میں آپ نے آیتوں اور سورتوں کی تنزیلی ترتیب پر کلام الٰہی کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا جس کی تفصیل ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں دی ہے۔

قرآن حکیم میں غیر معمولی درک کی وجہ سے آپ کو کلام الٰہی سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کمال رکھتے اور اس کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں جن لوگوں کو درک نہ ہوتا ان کو درس و وعظ سے روک دیتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا اس سے آپ دریافت فرماتے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا علم ہے، اگر اس کا جواب نفی میں ہوتا، تو آپ اسے وعظ کی اجازت نہ دیتے[۱]

علمِ حدیث

حضرت علیؓ کو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ صبح و شام اٹھتے، بیٹھتے، سفر و حضر میں تقرب کا زیادہ موقع ملا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشاداتِ نبویؐ کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے، پھر وصالِ نبویؐ کے بعد تقریباً تیس سال آپ تعلیم و ارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ مزید حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں یہ خدمت سرانجام دینے کے بعد چونکہ خود آپ کے زمانۂ خلافت میں بھی یہ فیض جاری رہا، اس لیے حفظِ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعتِ صحابہؓ میں نہایت ممتاز تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔ یہ تعداد اگرچہ دوسرے کثیر الروایہ صحابہؓ کے مقابلہ پر بہت کم ہے تاہم یہ آپ کی کمالِ احتیاط کا نتیجہ ہے کیونکہ اس ضمن میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہؓ کی طرح محتاط اور متشدد تھے۔ آپ ان چند صحابہؓ میں شامل ہیں جن کو احادیث نبویؐ قلمبند کرنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے فقہی احکام کے متعلق احادیث کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا جس کا نام صحیفہ رکھا تھا۔

فقہ و اجتہاد

حضرت علیؓ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔ فقہ و اجتہاد کے لیے کلام اللہ اور احادیث نبویؐ میں وسعتِ علم کے ساتھ جس ذہانت طباعی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کی ضرورت ہے۔ حضرت علیؓ کا دامن فضل و کمال ان سے مالامال تھا۔ اس بنا پر فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے صحابہؓ میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ اکابر صحابہؓ

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ [۲] سیر الصحابہ۔ خلفائے راشدین۔

فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے اور آپ کی نگاہِ نکتہ رس مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچ جاتی۔

حضرت عمرؓ جنہیں خود مجتہد اور امام فقہ کا درجہ حاصل تھا، آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت علیؓ کی اس دلیل کے پیشِ نظر کہ مجنون حدودِ شرعی سے مستثنیٰ ہیں، حضرت عمرؓ اپنے ارادے سے باز آگئے۔

حضرت علیؓ کے علم اور آپ کی اجتہادی قوت اور دقتِ نظر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی اسے مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علمِ دین میں ہمارے محتاج ہیں" پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ اہلِ سیر[1] کے مطابق تقسیم میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کتنے دنوں تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں، ام المومنینؓ نے فرمایا کہ جا کر علیؓ سے دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا، کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس پر سائل حضرت علیؓ کے پاس گیا، آپ نے فرمایا: مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔

قضا اور فیصلے

فقہی کمال کا ایک پہلو فصلِ مقدمات ہے۔ اس میں جماعتِ صحابہؓ میں کوئی آپ کا مقابل نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "اقضاہم علیؓ" یعنی صحابہؓ میں علیؓ سب سے بڑے قاضی ہیں کی سند عطا فرمائی تھی اور قضا کی خدمت آپ کو سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ اہلِ یمن کے قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وہاں کے عہدۂ قضا کے لیے منتخب فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں" ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہِ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں علیؓ ہیں اور سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔

ایک دفعہ ایک دلچسپ مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا، آپ نے اس کا جو فیصلہ صادر فرمایا وہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور آپ کی نکتہ سنجی کی ایک روشن مثال ہے۔ اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ دو شخص تھے جن کے پاس مجموعی طور پر آٹھ روٹیاں تھیں، یعنی ایک کے پاس پانچ اور دوسرے کے پاس تین۔ جب دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تو ایک تیسرا شخص بھی آگیا اور کھانے میں شریک ہوا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی، تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور چلا گیا۔ جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے اپنے حصے کے پانچ درہم لے کر تین درہم دوسرے کو دینے چاہے مگر وہ راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا۔ جب بات بڑھی تو معاملہ حضرت

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اول خلفائے راشدین

علیؓ کی عدالت میں پیش ہُوا۔ آپ نے تین روٹیوں کے مالک کو نصیحت فرمائی کہ جو فیصلہ تمہارا رفیق کر رہا ہے اُسے قبول کر لو اسی میں تمہارا نفع ہے مگر اس نے حق کے فیصلے پر اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم ملنا چاہیے اور تمہارے رفیق کو سات۔ وہ شخص اس فیصلے سے سخت متحیر ہُوا۔ آپ نے اس کی حیرانی دُور کرنے کے لیے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے۔ تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ۔ تم دونوں نے برابر کھائیں اور تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے اگر تین جگہ کیے جائیں تو نو ٹکڑے بنتے ہیں اور تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ یعنی کل چوبیس ٹکڑے بنے جن میں سے تم تینوں نے برابر حصے کھائے۔ یعنی آٹھ ٹکڑے فی کس۔ اس طرح تم نے اپنے نو حصوں میں سے آٹھ کھائے اور ایک دوسرے کے حصے میں آیا اور تمہارے رفیق کے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ اس نے خود کھائے اور سات دوسرے مسافر کو دیے۔ اس بنا پر آٹھ درہم میں ایک کے تم اور سات کا وہ مستحق ہے۔

تقریر و خطابت

آپ فصحائے عرب میں تھے۔ آپ کو تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ آپ مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجموعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ آپ کے خطبات، فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں۔ علامہ شریف رضی نے چوتھی صدی ہجری کے آخر میں بڑی جستجو کے بعد ان کو نہج البلاغہ کے نام سے جمع کیا۔ مؤرخین کے مطابق ان سب کا انتساب حضرت علیؓ کی جانب صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک نہج البلاغہ میں اصحاب رسولؐ کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا حضرت علیؓ سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا اس میں لفظی آرائش اور عبارت میں صنعت گری اس حد پر ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں مفقود تھی۔ تیسرے اس میں تشبیہات و استعارات اور واقعات و مناظر کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا پتہ صدرِ اسلام میں اور کہیں نہیں ملتا، نیز اس کے ساتھ حکمت و فلسفہ کی اصطلاحیں اور مسائل کے بیان میں اعداد کا پیش کرنا یہ باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں، چوتھے اس کتاب کی عبارتوں سے علم الغیب کے ادعا کا پتہ چلتا ہے جو حضرت علیؓ ایسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔ تاہم مؤرخین اس حقیقت کے معترف ہیں کہ ان میں بہت سے خطبات حضرت علیؓ کے ہیں۔ بہرکیف ذیل میں نہج البلاغہ کے حوالے سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ حضرت علیؓ جیسے افصح الفصحا کے زورِ بیان اور حُسنِ خطابت کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:

مجھے چھوڑ دو اور (اس خلافت کے لیے) میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈ لو۔ ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رُخ اور کئی رنگ ہیں، جسے نہ دل برداشت کر سکتے ہیں اور نہ عقلیں اُسے مان سکتی ہیں۔ (دیکھو) افقِ عالم پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، راستہ پہچاننے میں نہیں آتا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری اس خواہش کو مان لوں تو تمہیں اس راستہ پر لے چلوں گا جو میرے علم میں ہے اور اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا اور اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو ویسا میں ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ۔ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں اور میرا امیر بننے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔" [1]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۹۰

اہل نہروان (گروہ خوارج) کو اُن کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا :

"میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ تم اس نہر کے موڑوں اور اس نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہوئے ہو گے۔ اس عالم میں کہ نہ تمہارے پاس اللہ کے سامنے (عذر کرنے کے لیے) کوئی واضح دلیل ہو گی اور نہ کوئی روشن ثبوت، اس طرح کہ تم اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے اور پھر قضائے الٰہی نے تمہیں اپنے پھندوں میں جکڑ لیا۔ میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس تحکیم سے روکا تھا لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے مخالف پیمان شکنوں کی طرح انکار کر دیا یہاں تک کہ (مجبوراً) مجھے بھی اپنی رائے کو اُدھر موڑنا پڑا جو تم چاہتے تھے۔ تم ایک ایسا گروہ ہو جس کے سر عقلوں سے خالی اور فہم و دانش سے عاری ہیں۔ خدا تمہارا برا کرے میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے اور نہ تمہارا برا چاہا ہے[۱]۔" ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا :

"خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے حکمت کا کوئی کلمہ سُنا تو اسے گرہ میں باندھ لیا۔ ہدایت کی طرف اسے بلایا گیا، تو دوڑ کر قریب ہوا، صحیح راہبر کا دامن تھام کر نجات پائی۔ اللہ کو ہر طرف نظروں میں رکھا اور گناہوں سے خوف کھایا، عمل بے ریا پیش کیا۔ نیک کام کیے، ثواب کا ذخیرہ جمع کیا۔ بُری باتوں سے اجتناب برتا، صحیح مقصد کو پالیا، اپنا اجر سمیٹ لیا، خواہشوں کا مقابلہ کیا۔ اُمیدوں کو جھٹلایا، صبر کو نجات کی سواری بنا لیا، موت کے لیے تقویٰ کا ساز و سامان کیا۔ روشن راہ پر سوار ہوا۔ حق کی شاہراہ پر قدم جمائے۔ زندگی کی مہلت کو غنیمت جانا، موت کی طرف قدم بڑھائے اور عمل کا زاد ساتھ لیا[۲]۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دعائیہ کلمات :

اے اللہ! تو ان چیزوں کو بخش دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر میں گناہ کی طرف پلٹوں تو تو اپنی مغفرت کے ساتھ پلٹ۔ بارالٰہا! جس عمل خیر کے بجالانے کا میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا، مگر تو نے اسے پورا ہوتے ہوئے نہ پایا، اسے بھی بخش دے، میرے اللہ! زبان سے نکلے ہوئے وہ کلمے جن سے تیرا تقرب چاہا تھا مگر دل اس سے ہمنوا نہ ہو سکا تھا، ان سے بھی درگزر کر۔ پروردگار! تو آنکھوں کے (طنزیہ) اشاروں اور ناشائستہ کلموں اور دل کی (بُری) خواہشوں اور زبان کی ہرزہ سرائیوں کو معاف کر دے[۳]۔

اس زمانہ میں اگرچہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ جو صحابی وحی کی کتابت کرتے اور حضورؐ کے فرامین لکھتے تھے۔ ان میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشاء کا مکمل نمونہ ہیں۔

---

[۱] نہج البلاغہ خطبہ ۳۶۔ [۲] نہج البلاغہ خطبہ ۷۴ [۳] نہج البلاغہ خطبہ ۷۶

شاعری اہلِ سیر کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ شاعری کا بھی نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہیں، چنانچہ حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمۃ الزہرا کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو اشعار نقل کیے ہیں اور ابنِ رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار لکھے ہیں۔ ذیل کا رجز یہ شعر جو آپ نے معرکہ خیبر کے موقعہ پر پڑھا تھا، بخاری میں ہے۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　کلیث غابات کریہہ المنظرہ

(یعنی میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے حیدر رکھا ہے　　جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا)

لیکن بہت سے جعلی اشعار بھی بنا کر آپ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں یہاں تک کہ ایک پورا دیوان 'دیوانِ علی' کے نام سے موجود ہے اور عام طور پر بازاروں میں ملتا ہے، لیکن علماءِ ادب کے نزدیک وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ حضرت علیؓ کی طرف۔

علم نحو کی ایجاد علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ نے رکھی اور سب سے پہلے اپنے احباب میں سے ایک شخص ابوالاسود دولی کو چند اصول تلقین فرما کر اس فن کی تدوین پر مامور فرمایا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی عجمی کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، تو اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنایا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابوالاسود دولی نے حضرت علیؓ کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کیے۔ غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون میں کمال حاصل تھا۔

اخلاق و عادات جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایامِ طفولیت سے ہی فخرِ موجودات نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں تربیت پائی تھی۔ اس لیے آپ قدرۃً محاسنِ اخلاق اور حسنِ تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان نہ کبھی کلمۂ شرک و کفر سے آلودہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی کبھی کسی کے سامنے جھکی آپ کا دامنِ عصمت ہر ایسے گناہ سے مبرّا اور پاک رہا جو ایامِ جاہلیت میں عربوں کا روزمرہ تھے۔ اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان نے کبھی شراب کا ذائقہ تک نہ چکھا حالانکہ یہ ام الخبائث عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اسلام کے بعد اس کا کوئی خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ غرض آپ کی ذات خلقِ نبیؐ کا پیکر اور تعلیماتِ اسلامی کی تصویر تھی۔

زہد آپ کے فضائلِ اخلاق میں زہد و تقویٰ سب سے نمایاں ہیں آپ کی پوری زندگی زہد و ورع میں اس قدر ڈوبی ہوئی ہے کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو زہد و تقویٰ کا مظہر نہ ہو۔ زہد کے بارہ میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ "دنیا مُردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اُسے کتوں کی صحبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

آپ نے زندگی میں غربت و امارت کے مختلف دور دیکھے، لیکن کسی دور میں بھی مزخرفاتِ دنیاوی کی طرف آنکھ نہیں اٹھائی۔ آپ کو ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی عیش و راحت کے تمام سامان میسر آ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی، لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ [1]

---

[1] تاریخِ اسلام حصّہ اوّل از شاہ معین الدین احمد ندوی۔

آپ نے پوری زندگی ایک معمولی سے گھر میں گزاری اور وسائل ہونے کے باوجود کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ جو مختصر سا جہیز اپنے ساتھ لائی تھیں، آپ اس میں تاعمر کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ آپ کے سازو سامان میں ایک مینڈھے کی کھال تھی جو بستر کا کام دیتی تھی اوڑھنے کے لیے ایک مختصر سی چادر تھی۔ جس سے اگر سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔

گھر میں کوئی ملازم نہ تھا۔ سارا کام کاج خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضؓ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ چکی پیسے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔ ایک دفعہ کئی فاقوں کے بعد بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطرافِ مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا، تو اپنی تلوار بیچ کر کھانے پینے کا سامان کیا۔

عبادت وریاضت

عبادت وریاضت آپ کی زندگی کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ وہ (علی رضؓ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔

قرآن حکیم کی آیت۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ	محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں
عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ	پر سخت ہیں باہم رحمدل ہیں، تم ان کو دیکھتے ہو کہ رکوع
رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	سجدہ کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو
وَرِضْوَانًا ۡ	کرتے ہیں۔

پارہ ۲۶ سُوْرَۃُ الفتح آیت ۲۹

کی تفسیر میں مفسرین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ سے حضرت عمر رضؓ بن الخطاب، رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ سے حضرت عثمان رضؓ رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی رضؓ اور يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہ رضؓ مراد ہیں۔ اس سے عبادات میں تمام صحابہ رضؓ پر حضرت علی رضؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ رکوع و سجود تمام صحابہ رضؓ کا مشترک وصف تھا تاہم اس اشتراک میں حضرت علی رضؓ کی تخصیص سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اس اشتراک کے باوجود کچھ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

انفاق فی سبیل اللہ

عبادت وریاضت کی طرح انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا امتیازی وصف تھا چالیس ہزار سالانہ زکاۃ کے بقدر آمدنی کے باوجود پر عسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھا۔ آپ دل کے اس قدر غنی تھے کہ کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں گیا۔ حتیٰ کہ قُوتِ لایموت تک سائلوں کو دے دیتے اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے۔ مؤرخین کے مطابق ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جَو حاصل کیے۔ صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو اس میں سے ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکانے کا انتظام کیا ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک سائل نے آواز دی۔ آپ نے سب اٹھا کر اسے دے دیا۔ پھر بقیہ میں سے دو ثلث پکنے کا انتظام کیا۔ لیکن تیار ہوا تو ایک مسکین یتیم نے دستِ سوال دراز کیا۔ چنانچہ یہ پکا ہوا آپ نے اس کے نذر کیا۔ اسی طرح تیسرا حصہ پکنے کے بعد ایک قیدی کے نذر کر کے خود رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ ایثار کچھ ایسا پسند آیا، تو بطورِ ستائش اس کے صلہ میں وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَـتِـيْمًا وَّاَسِيْرًا کی آیت نازل فرمائی۔ (سورۃ الدہر آیت نمبر ۸)

امانت و دیانت

آپ ایک امینؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ اس لیے امانت داری سے امین تھے۔ ہجرت کے وقت قریش کی جو امانتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھیں، ان کی واپسی حضورؐ نے آپ کے ہی سپرد فرمائی تھی۔ اپنے عہدِ خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جس امانت داری سے حفاظت فرمائی۔ اس کا اندازہ حضرت امِ کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں نارنگیاں آئیں۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی، جنابِ امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم فرماتے وقت آپ برابر حصے لگا کر غایت احتیاط سے قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں، ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، تو اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ آپ نے تمام مال کے ساتھ اس کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمائے۔ ایک مرتبہ تیز سردی میں آپ ایک معمولی سی چادر اوڑھے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا امیرالمومنینؓ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں، فرمایا "میں تمہارے حصے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

شجاعت

شجاعت و شہامت حضرت علیؓ کا ایسا وصف خاص تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا۔ آپ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔

غزوہ بدر میں جبکہ آپ کا عنفوانِ شباب تھا۔ ایسی دادِ شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔ آغازِ جنگ میں ولید آپ کے مقابل آیا اور مقتول ہوا۔ پھر شیبہ پر آپ اور حضرت حمزہؓ قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹے اور اسے جہنم رسید کر دیا۔ غزوۂ احد میں کفار کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ پر ایسا کاری وار کیا کہ اس کے سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو فرطِ مسرت سے آپؐ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور پھر مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔ غزوہ خندق میں، عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدِ وَد کا آپ کے ہاتھ سے مارا جانا غزوہ خندق کے اہم واقعات میں سرِفہرست ہے۔ غزوہ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "کل علم ایسے شخص کو دیا جائے گا جس سے اللہ اور اس کے نبیؐ محبت کرتے ہیں" کے تحت آپ کا انتخاب اور پھر خیبر کے رئیس مرحب کو قتل کر کے خیبر پر اسلامی فتح کا پھریرا لہرا دینا آپ کی شجاعت و بسالت کا ناقابلِ فراموش باب ہے۔ غزوہ ہوازن میں بھی آپ ہر موقع پر ممتاز رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابرؓ کو جھنڈے عنایت فرمائے تھے۔ آپ ان میں شامل تھے اور پھر جب آغازِ جنگ میں کفار نے اچانک مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دی جس کے باعث مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تو آپ ان ممتاز صحابہؓ میں سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ غرض عہدِ نبوت کے بعد خود آپ کے زمانہ میں بھی جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی آپ کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمن کے ساتھ حسنِ سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ بہادر وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے۔ حضرت علیؓ اس میدان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا لیکن بایں ہمہ آپ نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں آپ

کا حریف گر کر برہنہ ہوگیا تو آپ اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ جنگِ جمل میں جب ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اُونٹ کو زخمی کرکے اسے گرا دیا، تو آپ نے آگے بڑھ کر ام المومنینؓ کی خیریت دریافت کی اور پھر بحفاظت انہیں بصرہ کے ایک رئیس کے گھر میں اُتارا۔

جنگِ جمل کا فیصلہ جب آپ کے حق میں ہوگیا تو آپ نے منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے اور زخمیوں کے اُوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ حضرت زبیرؓ جو اس جنگ میں آپ کے حریف کی حیثیت سے مقابلہ پر آئے تھے جب ابن جرموز کے ہاتھ سے قتل ہوگئے، تو آپ نے حضرت زبیرؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دی اور ان کا کٹا ہوا سَر اور تلوار دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔

آپ کا سب سے بڑا دشمن آپ کا قاتل ابنِ ملجم ہو سکتا تھا۔ مگر آپ نے اس کے متعلق جو آخری وصیت فرمائی۔ وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا اور اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا اور جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو مؤرخین کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اسے اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر دو۔ بلاشبہ اپنے قاتل سے ایسے حسنِ سلوک کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اصابت رائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ صاحبِ رائے بھی تھے۔ اصابت رائے پر عہدِ نبوتؐ کے جاتے تھے۔ غزوہ طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد میں مہاجرین و انصار کی جو مجلسِ شوریٰ قائم کی تھی، حضرت علیؓ اس کے رکن تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے دَور میں بھی آپ کو مشیر کی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو آپ کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کبھی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہوجاتا"[1]

حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اہم معاملات میں آپ سے مشورے لیے اور اگر آپ کے مشوروں کے مطابق عمل کیا جاتا تو عہدِ عثمانیؓ نہ صرف ہر قسم کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرّہ ہیں۔ آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ جاہ و حشم کا کیا ذکر تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا۔ اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔ مزاج میں بے تکلفی اس قدر تھی کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ ایک دفعہ انہیں ڈھونڈتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ نہایت بے تکلفانہ انداز میں زمین پر سوئے ہوئے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گرد و غبار سے اٹ کر کندن کی طرح دمک رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود دستِ مبارک سے آپ کا بدن صاف کرکے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: "اجلس یا ابا تراب" یعنی مٹی والے اب اٹھ بیٹھ۔ حضرت علیؓ کو زبانِ نبوتؐ کی عطا کردہ یہ کنیت اس درجہ محبوب تھی کہ آپ کو جب کوئی اس کنیت سے مخاطب کرتا، تو خوشی سے آپ کے ہونٹوں پر تبسم پھیل جاتا۔

زمانۂ خلافت میں آپ اکیلے بازاروں میں گھومتے پھرتے، بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے اور کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے۔

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین

غذا و لباس

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا۔ آپ کی غذا معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ عامہ بہت پسند فرماتے تھے۔ اکثر کہا کرتے کہ عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سفید ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ کرتے کی آستین اتنی چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے۔ تہبند بھی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی غرض آپ کو ظاہری نمائش و طمطراق کا قطعی شوق نہ تھا پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے اور اگر کوئی اس کے متعلق عرض کرتا تو فرماتے کہ اس سے دل خشوع پیدا ہوتا ہے۔ آپ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا تھی جو حضورؐ نے اُن کے لیے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمائی تھی کہ "اے اللہ اس سے گرمی اور سردی دور کر" اور یہ اسی دعا کا اثر تھا کہ آپ جاڑوں میں گرمیوں کا لباس پہنتے اور گرمیوں میں جاڑوں کا لباس زیب تن فرماتے، مگر آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوتی۔

یہی حال کھانے کا تھا۔ آپ نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے فالودہ کا پیالہ پیش کیا تو فرمایا کتنا خوش رنگ اور خوشبو ذائقہ ہے، لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا جس کا وہ عادی نہیں ہے۔

سیرۃ المرتضیٰؓ پر ایک جامع تبصرہ

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرارؓ صدائی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا:

"وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ اُن کے ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹتا تھا اور تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے، اور رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے اُنس رکھتے تھے۔ عبرت پذیر اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا، جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے تھے اور جب ہم اُن سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار فرماتے تھے باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ہم ان کی ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے اور کمزور ان کے انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر رہی ہے۔ ستارے جھلملا رہے ہیں اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بیقرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں، اے دنیا! کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے۔ افسوس! افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں، جس سے رجعت نہیں ہو سکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ! سفر طویل، راستہ وحشتناک، اور زاد راہ تھوڑا ہے۔[1]"

---

[1] سیر الصحابہؓ حصہ خلفائے راشدینؓ اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین سے ماخوذ۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب، خاندان

حضرت صدیق اکبرؓ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر تھی۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر تھا اور کنیت ابو قحافہ[1]۔ والدہ کا نام سلمیٰ بنتِ صخر بن عامر اور کنیت ام الخیر تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اسلام لانے سے قبل حضرت ابوبکرؓ کا نام عبدالکعبہ تھا لیکن قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔

اہلِ سیر کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق اور عتیق تھا۔ ابو وہب مولائے ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ اسریٰ (شبِ معراج) میں جبرائیلؑ سے کہا کہ قوم میری تصدیق نہیں کرے گی، انہوں نے کہا، ابوبکرؓ آپ کی تصدیق کریں گے (کیونکہ) وہ صدیق ہیں۔[2] بعض روایات کے مطابق آپ کو عتیق کہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی والدہ کے لڑکے زندہ نہیں رہتے تھے، انہوں نے نذر مانی کہ اگر اُن کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ زندہ رہا تو اس کا نام عبدالکعبہ رکھیں گی اور اسے کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی، چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ پیدا ہوئے تو انہوں نے نذر کے مطابق اِن کا نام عبدالکعبہ رکھا مگر جوان ہونے پر وہ عتیق (آزاد کردہ غلام) کے نام سے موسوم کیے جانے لگے۔ کیونکہ انہوں نے موت سے رہائی پائی تھی، بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو عتیق کا لقب نہایت سُرخ و سپید ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ بعض کا بیان ہے کہ چونکہ آپ کے نسب میں کوئی عیب نہیں تھا، اس لیے آپ کو عتیق کہا گیا۔[3] ایک روایت کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ ابوبکرؓ کا نام عتیق (آزاد) کیوں رکھا گیا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (حضرت ابوبکرؓ) کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ آگ (دوزخ سے) اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔[4] مقامِ تعجب ہے کہ آپ کی کنیت ابوبکرؓ جو آپ کے دیگر ناموں، القابات و خطابات پر غالب رہی، اس کا حقیقی سبب معلوم نہیں ہو سکا۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہ کنیت اس لیے پڑی کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں آپ کو لفظ "صاحب" اور "ثانی اثنین" سے خطاب فرمایا ہے:

حضرت ابوبکرؓ کا والد کی طرف سے پُورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ (عبداللہ) بن ابو قحافہ (عثمان) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی تیمی اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سلمیٰ (اُم الخیر) بنتِ صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت پر مرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

---

[1] ابو قحافہؓ صحابی ہیں۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نوے برس کی عمر میں اسلام لائے اور ۱۴ھ میں حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔

[2] طبقات ابنِ سعدؒ حصہ سوم [3] تاریخ الخلفاء۔ [4] طبقات ابن سعدؒ حصہ سوم۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیٰ بن کلاب بن
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن } مرہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خاندان بنو تیم تھا، بنو تیم قبیلہ قریش سے تھے، قریش کی دس شاخیں تھیں اور کعبہ کے مناصب میں سے کوئی نہ کوئی منصب قریش کی ان شاخوں کے سپرد ہوتا تھا، خون بہا اور دیت وغیرہ کا اکٹھا کرنا بنو تیم کی ذمہ داری تھی، جب حضرت ابوبکر صدیقؓ جوان ہوئے تو یہ خدمت ان کے سپرد ہوئی، خوں بہا اور دیتوں کے تمام مقدمات ان کے سامنے پیش ہوتے اور جو فیصلہ وہ صادر فرماتے اُسے قریش کو منظور کرنا ہوتا تھا۔ خوں بہا کے متعلق تمام اموال بھی ان کے پاس جمع ہوتے تھے، اگر ان کے سوا کسی اور شخص کے پاس جمع ہوتے، تو قریش اُسے تسلیم نہ کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے والد ابو قحافہؓ (عثمان بن عامر) اشرافِ مکّہ میں سے تھے اور نہایت سن رسیدہ تھے۔ آپ بھی ابتدا میں دیگر اہل مکّہ کی طرح تحریکِ اسلامی کو بچوں کا کھیل سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہم آنحضرت کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابو قحافہؓ موجود تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گذرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ :

"ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا ہے۔"

ابو قحافہؓ فتح مکہ (۸ھ) تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکّہ کے بعد اپنے فرزند سعید حضرت ابوبکر کی معیت میں بارگاہ رسالتمآبؐ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضعفِ پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کو کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، ازاں بعد نہایت شفقت سے اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلماتِ طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔

حضرت ابو قحافہؓ نے طویل عمر پائی، اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتقال کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے۔ آخری عمر میں بے حد ضعیف ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت ۱۴ھ میں بعمر ستانوے سال انتقال کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والدہ اُمّ الخیر سلمیٰؓ بنت صخر ابتدا ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تھیں، اس وقت تک صرف اُنتالیس اصحابؓ کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا تھا، انہوں نے بھی بڑی عمر پائی اور اپنے نامور بیٹے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے عالمِ آخرت کو سدھاریں۔

قبولِ اسلام تک

حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن یہیں گزرا اور بڑے ہو کر کپڑے کی تجارت شروع کر دی جس میں انہیں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور ان کا شمار مکّہ کے کامیاب تاجروں میں ہونے لگا، تجارت کی کامیابی میں حضرت ابوبکرؓ کی جاذب نظر شخصیت اور بے نظیر اخلاق کو بھی بڑا دخل حاصل تھا۔

حضرت ابوبکرؓ دیانت، راستبازی اور امانت میں خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ اہلِ مکّہ ان کو علم، تجربہ اور حسنِ اخلاق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے۔ ایامِ جاہلیت میں جبکہ تمام لوگ اخلاقِ ذمیمہ میں مبتلا تھے، حضرت ابوبکرؓ کا ہر خلق، اخلاقِ محمدیؐ کا پرتو تھا۔ حضرت

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں (حضرت ابوبکرؓ) نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شراب کا قطرہ تک نہ چکھا۔ حالانکہ اہلِ مکہ شراب کے عادی ہی نہیں عاشق تھے، ابنِ ہشام اپنی سیرت میں ان کے اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

ابوبکرؓ اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز تھے، علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ قریش مکہ کے تمام خاندانوں کے نسب انہیں ازبر یاد تھے اور ہر قبیلہ کے عیوب ونقائص اور محامد و فضائل سے بخوبی واقف تھے۔ اس وصف میں قریش کا کوئی فرد ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ خلیق "ایمان دار اور ملنسار تاجر تھے۔ قوم کے تمام لوگ ان کے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ برتاؤ کے معترف تھے اور انہی فضائل کے باعث ان سے بے حد محبت کرتے تھے ۔

رسول اللہؐ سے تعلق

حضرت ابوبکرؓ مکہ معظمہ کے اس محلہ میں رہتے تھے جہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنتِ خویلد اور قریش کے دوسرے بڑے بڑے تاجر سکونت پذیر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کرنے کے بعد انہی کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔ اس لیے گمان ہے کہ اس بات نے رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان رشتۂ مودت و یگانگت پیدا کر دیا ہوگا، مزید برآں دونوں کی عمروں میں صرف دو اڑھائی سال کے معمولی فرق نے احساسِ ہم عمری کو پختہ کر دیا ہوگا، ساتھ ساتھ پیشے میں اشتراک، طبائع میں یک جہتی، قریش کے عقائد فاسدہ سے نفرت اور اہلِ مکہ کی زندگی میں رچی بسی بری عادات سے اجتناب جیسی قدرِ مشترک نے بھی دونوں کی دوستی کو پروان چڑھانے میں بہت مدد دی ہوگی ۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ابتدائی تعلقات سے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بعثت سے پہلے ہی رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکرؓ میں گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ اور ان مؤرخین کے نزدیک یہی دوستی و یک جہتی حضرت ابوبکرؓ کے سب سے پہلے اسلام لانے کا محرک ہوئی، لیکن بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ دونوں کے تعلقات میں پختگی اسلام کے بعد پیدا ہوئی؛ البتہ اسلام سے پہلے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے تعلقات صرف ہمسائیگی اور ذہنی میلانات و رجحانات کی یکسانی و ہم رنگی تک ہی محدود تھے ۔

قبولِ اسلام

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ رسالت[1] سے مشرف فرمایا، تو حضورؐ مردوں میں سب سے پہلے اپنے با اعتماد رفیق اور شریف و نجیب ہمسایہ حضرت ابوبکرؓ کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے اُن کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں اللہ کی طرف بلایا جس پر حضرت ابوبکرؓ نے قطعی کوئی تردد نہ کیا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایمان لے آئے، تمام مؤرخین اس حقیقت کے معترف ہیں کہ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ، عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، بچوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں اپنے والدین کو سوائے اس کے نہ سمجھتی تھی کہ وہ دونوں ایک دین کے پیرو ہیں، ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ہمارے پاس نہ آئے ہوں[1]

حضرت اسماءؓ بنتِ حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ سب مسلمانوں سے پہلے میرے والد اسلام لائے۔ واللہ میں اپنے والد کو بس اتنا

---

[1] ابنِ سعد کے مطابق یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ چند سال کی تھیں۔

سمجھتی تھی کہ وہ ایک دین کے پیرو ہیں۔ ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ :

"میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی، اُسے اس کے قبول کرنے میں ایک طرح کی تاخیر، سوچ و بچار اور پس و پیش تھا، بجز ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کی حالت کے، کہ جب میں نے اُن سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس میں تاخیر کی نہ پس و پیش۔"

غرض، ان روایات کی روشنی میں یہ بات مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں رہتی کہ قبولِ اسلام میں اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز حضرت اسی ذاتِ گرامی کے لیے مخصوص ہے۔

اشاعتِ اسلام

ابتدائے اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آغازِ اسلام سے ہی اپنے اندر دینِ حنیف کی نشر و اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و اعانت کا غیر معمولی جذبہ رکھتے اور ہر وقت نہایت خلوص سے اس میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے مسلمان ہو کر اپنی ذات سے آنحضرت صلعم اور اسلام کو بڑی تقویت پہنچائی۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تجارت کی وجہ سے دولت کی کمی نہ تھی، چنانچہ آپ نے بھاری رقوم ادا کرکے اُن غلاموں کو آزادی کی نعمت سے بہرہ ور کیا جو قبولِ اسلام کے باعث قریش کے مظالم گوناگوں کا شکار بنے ہوئے تھے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق جس روز حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، چنانچہ وہ اسی رقم سے مسلمان غلام آزاد کراتے اور مسلمانوں کو قوت پہنچاتے رہے، یہاں تک کہ پانچ ہزار درہم مدینہ لائے اور پھر یہاں بھی وہی کرتے رہے جو مکہ میں کرتے تھے[1]

ابن ہشامؒ کی تصریح کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت سے پیشتر حضرت بلالؓ کے علاوہ چھ لونڈیاں اور غلام[2] آزاد کرائے، اس ضمن میں ابن ہشامؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہؓ نے انہیں کہا کہ اے بیٹے میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور (بروے) غلام آزاد کرتے ہو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، مگر ایسا کرو کہ قوی افراد کو آزاد کرو، تو وہ تمہاری مدافعت کریں گے اور تمہارے لیے سینہ سپر ہوں گے، اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:-

"ابّا جان، میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، اللہ عزّ وجل کے لیے کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرت ابوبکرؓ کی اس خصوصیت کا اعتراف خود پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں یوں فرمایا ہے :

"سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوا، وہ ابوبکرؓ ہیں[3]"

حضرت ابوبکرؓ چونکہ مال دار ہونے کے علاوہ اہلِ مکہ میں اپنی دیانت اور راست بازی کی وجہ سے نہایت ہر دلعزیز اور بے حد قابلِ احترام بھی تھے، اس لیے آپ نے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی اپنے حلقۂ اثر میں اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جدّ و جُہد شروع کر دی، چنانچہ آپ کی ان مخلصانہ کوششوں سے ایسے اصحاب دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے جو بلاشبہ معدنِ اسلام کے نہایت درخشندہ و تابدار

---

[1] طبقات ابن سعدؒ حصہ سوم [2] یعنی حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت امّ عبیسؓ، حضرت نہدیہؓ اور ان کی صاحبزادی اور بنی مؤمل کی لونڈی [3] سیرۃ النبیؐ جلد دوم

سرتی ہیں، ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان رضؓ، حضرت زبیر بن العوام رضؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہ رضؓ، حضرت عثمان بن مظعون رضؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابوسلمہ رضؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت خالد رضؓ بن سعید العاص جیسے عظیم المرتبت بزرگ شامل ہیں، جو اسی ذاتِ گرامی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر نیرِ اسلام حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھومنے والے اختر ہائے تاباں بنے۔

حضرت ابوبکر رضؓ کی علانیہ دعوتِ اسلام کے علاوہ آپ کا مخفی رُوحانی اثر، پیغمبرِ آخر الزمان ؐ کے لائے ہُوئے دینِ حنیفی سے آپ کا والہانہ جذب و عشق بھی سعید و پاکباز رُوحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا۔ آپ نے اپنے صحنِ خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی۔ جس میں آپ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے، آپ چونکہ نہایت نرم دل تھے۔ اس لیے جب قرآنِ حکیم کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ کی آہ و زاری اور گریہ و بُکا کو سن کر جمع ہو جاتے اور اس پُر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے[1]

مکہ کی زندگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد تقریباً تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے، اس دوران میں کفار نے پیغمبر اسلامؐ کی ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا اور قدم قدم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکا مگر رسولِ خدا صلعم نے اس مخالفت و مزاحمت کی پرواکیے بغیر تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت ابوبکر رضؓ چونکہ ابتدائے اسلام سے ہی اسلام کے جاں نثار او سرورِ دوعالم صلعم کے رازدار بن گئے تھے، اس لیے آپ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ غرض ہر حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام اس رازدارِ نبوت کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلسِ راز قائم رہتی، آنحضرت صلعم جب قبائلِ عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لیے جاتے تو حضرت ابوبکر رضؓ بھی ہمرکاب ہوتے اور نسب دانی اور کثرتِ ملاقات کے باعث لوگوں سے حضورؐ کا تعارف کراتے،[2]

مؤرخین اسلام نے نبوتؐ کے تیرہ سالہ مکی دور میں کفار کے ظلم و تعدی کے واقعات کی تفصیل بیان کرتے وقت حضرت ابوبکر رضؓ کی جاں نثاری و جانفروشی کا ذکر بھی بڑی وضاحت سے کیا ہے، اہلِ سیر کے مطابق کفار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دستِ تعدی دراز کرتے تو نبوتؐ کے یہ مخلص جاں نثار اپنی جان خطرہ میں ڈال کر خود سینہ سپر ہو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے کہ مشرکین ارشادِ نبوتؐ سن کر سخت برہم ہو گئے اور حضورؐ کو اس قدر اذیت پہنچائی کہ آپ بیہوش ہو گئے، حضرت ابوبکر رضؓ نے بڑھ کر کہا، "خدا تم سے سمجھے، کیا تم صرف اس لیے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں"[3] اسی طرح ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا۔ اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکر رضؓ پہنچ گئے اور اس بدبخت کی گردن پکڑ کر آنحضرت صلعم سے علیحدہ کیا اور فرمایا:

"کیا تم ان کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لائے اور کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے"

مسلسل رفاقت

علما کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ قبولِ اسلام سے آنحضرت صلعم کی رحلت تک سفر و حضر میں ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہے، اس ضمن میں البتہ حج اور جہاد کے دوران خدمتِ اقدس سے دوری کو بل سیر

[1] سیر الصحابہ حصہ مہاجرین جلد اوّل [2] ایضاً [3] سیر الصحابہؓ جلد اوّل، حصہ مہاجرین۔

نے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے ایسے سفر نشانِ نبوت کی تابعداری میں اختیار کیے تھے۔ تاہم آنحضرت صلعم کی رفاقت کے تقریباً تیئس سالوں میں مجموعی طور پر چند ماہ ہی ایسے گزرے ہوں گے جب کہ حضرت ابوبکرؓ بارگاہِ نبوتؐ سے غیر حاضر رہے ہوں، ورنہ آپ ہر آن ایک جاں نثار اور مشیرِ معین کی حیثیت سے بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر رہے۔ بلکہ مکہ معظمہ میں مسلسل رفاقت کے علاوہ ہجرت میں آپ نے حضورؐ کا ساتھ دیا اور غار میں جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے، آپ (ثانی اثنین) دو میں سے دوسرے تھے۔ مکہ سے مدینہ تک کے سفر میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، اور جیسا کہ آئندہ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامِ مدینہ کے دوران میں بھی بارگاہِ رسالت مآبؐ سے آپ کی حاضری کا تسلسل کبھی ٹوٹنے نہ پایا۔

ہجرتِ حبشہ کا ارادہ

مکہ میں جب مسلمانوں پر کفار کے ظلم و ستم بہت بڑھ گئے اور اہلِ اسلام پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کا مشورہ دیا۔ چنانچہ رجب ۵ھ بعثت میں ارشادِ نبوتؐ کے مطابق ہجرتِ حبشہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی چونکہ باوجود ذاتی وجاہت اور خاندانی اعزاز کے کفارِ مکہ کی اس دار و گیر سے محفوظ نہ تھے، اس لیے آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے رختِ سفر باندھ کر عازمِ حبشہ ہوئے۔ جب آپ برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا "ابوبکرؓ کہاں کا قصد ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک میں چلا جاؤں اور آزادی کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے سن کر کہا:

"تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا، تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو اور مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو، تم میرے ساتھ چلو اور اپنے وطن میں ہی اپنے خدا کی عبادت کرو۔"[1]

چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ہمراہ مکہ واپس آ گئے، یہاں پہنچ کر اس نے آپ کو امان دینے کا اعلان کیا جسے قریش نے قبول کیا مگر فرمائش کی کہ (حضرت) ابوبکرؓ کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح چاہیں اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں اور قرآن حکیم کی تلاوت کریں، لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔

مگر جیسا کہ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صحنِ خانہ میں ایک مسجد بنالی، جس میں آپ نمازیں پڑھتے اور ایسے رقت آمیز طریقے سے قرآن حکیم کی تلاوت کرتے کہ گھر کے پاس سے گزرنے والے لوگ جمع ہو جاتے اور کلامِ الٰہی کی تاثیر سے بے حد متاثر ہوتے، چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حسبِ معمول خدائے واحد کی عبادت شروع کی تو کفار کو اس پر اعتراض ہوا اور انہوں نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے ابوبکرؓ کو تمہاری اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں گے، لیکن اب وہ صحن خانہ کی مسجد میں اعلان کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ہم کو ڈر ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ لہٰذا تم (حضرت) ابوبکرؓ کو اس سے باز رکھو یا خود ذمہ داری سے بری ہو جاؤ۔

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل حصہ مہاجرین

ابن الدغنہ قریش کی طرف سے یہ پیغام ملنے پر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے جس شرط پر تمہاری ذمہ داری قبول کی تھی، تم اس کے پابند رہو یا مجھے اس سے بری سمجھو، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اہلِ عرب مجھے کسی سے بدعہدی کرنے کا طعنہ دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ابن الدغنہ کی گفتگو سن کر نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ :

"مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں، میرے لیے خدا اور اُس کے رسولؐ کی پناہ کافی ہے۔"

رشتۂ مصاہرت

یہ نبوتؐ کا دسواں سال اور رمضان کا مہینہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگسار و ہمدرد رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اس جہانِ فانی سے کوچ کیا جس سے آنحضرت صلعم کے گھر کا نظام دگرگوں ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم و محزون رہنے لگے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے حضرت خولہؓ بنتِ حکم کی اس تحریک پر رضامندی ظاہر کر دی، جو انہوں نے آنحضرت صلعم کی مرضی سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نکاح سے متعلق حضرت امِ رومانؓ[1] کی معرفت حضرت ابوبکرؓ صدیق تک پہنچائی تھی، چنانچہ شوال سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کا عقد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔[2] اس طرح حضرت عائشہؓ اہلِ بیت میں شامل ہو کر ام المومنین کے درجہ پر ممتاز ہوئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے لیے یہ شرف کیا کم تھا کہ اُن کی دامادی میں وہ شخص داخل ہو جو پیغمبرِ عالمؐ اور شہنشاہِ کونین ہے۔

صدّیق کا لقب

مؤرخین کے مطابق ۲۷ رجب سنہ ۱۰ بعثت کی شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بے نظیر شرف حاصل ہوا جسے عرفِ عام میں "معراج" کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم اس شب کے ایک حصہ میں بحکم تعالیٰ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے آپؐ ملاءِ اعلیٰ کے منازل ارتقا طے فرماتے ہوئے سبع سمٰوات اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ یہاں سے پھر عروج فرما کر ایسے مقام تک بلند ہوئے کہ جہاں سے حضورؐ صریف الاقلام کو سنتے تھے۔ ان بلند مقامات پر آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ فرمانے کے بعد آنحضرت صلعم صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ حضورؐ نے جب اس مقدس سفر کے حالات قریشِ مکہ سے بیان فرمائے، تو انہوں نے حسبِ معمول تالیاں بجائیں اور تمسخر اُڑایا۔ چنانچہ کچھ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے دوست یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا، کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کیا رسولِ خداؐ نے ایسا ہی فرمایا ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں، اس پر آپؓ نے کہا کہ اگر حضورؐ نے فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے بھی بڑھ کر آپؐ کی بیان کردہ آسمانی خبروں کی صبح و شام تصدیق کرتا رہتا ہوں، چنانچہ اسی روز سے آپؓ کا لقب "صدّیق" ہو گیا۔[3] سعید بن منصورؒ نے اپنی مسند میں تحریر کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے شبِ معراج میں مقامِ طویٰ پر پہنچ کر فرمایا، اس واقعہ کی تصدیق میری ملت نہیں کرے گی، تو جبریلؑ نے جواب دیا کہ آپؐ کی تصدیق حضرت ابوبکرؓ کریں گے جو "صدّیق" ہیں۔[4]

ہجرتِ مدینہ اور رفاقتِ غار

مکہ میں جب کفار و مشرکین کا دستِ ستم زیادہ دراز ہو گیا، تو حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا۔ اس دفعہ آپ کی منزلِ مقصود سرزمینِ مدینہ تھی، جہاں اسلام پوری آب و تاب

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدہ ماجدہ [2] حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی شوال ۱ھ میں ہوئی [3] سیرۃ المصطفیٰ جلد اول [4] تاریخ الخلفاء۔

کے ساتھ نور پاشی کر رہا تھا اور مظلوم ستم زدہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی، حضرت ابوبکر رضؓ ہجرت کی تیاری کر رہے تھے کہ بارگاہِ نبوت سے حکم ہوا کہ ابھی عجلت نہ کرو، اُمید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا، حضرت ابوبکر رضؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں کیا آپؐ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟ ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی "یارسولؐ اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو" فرمایا "ہاں، تم ساتھ چلوگے" اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ منتظر رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً صبح و شام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے، ایک روز مُنہ چھپائے ہوئے خلافِ معمول نا وقت تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو، میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا کوئی نہیں، یہ سُن کر حضورؐ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، حضرت ابوبکر رضؓ نے نہایت بیتابی کے ساتھ کہا:۔

"یارسولؐ اللہ! میرا باپ آپؐ پر قربان اور رفاقت؟"

ارشاد ہوا، "ہاں" حضرت ابوبکر رضؓ تو چار ماہ سے اسی حکم کے منتظر تھے فوراً تیار ہو گئے، ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت اسماء رضؓ نے جلدی جلدی رختِ سفر درست کیا، حضرت اسماء رضؓ کو اس عجلت میں توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا اور دربارِ نبوتؐ سے ذات النطاقین کا خطاب پایا، حضرت ابوبکر رضؓ نے پہلے ہی دو اُونٹ اس دن کے لیے تیار کر لیے تھے، ان میں سے ایک آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا اور دوسرے پر خود سوار ہوئے اور جبلِ ثور پر پہنچ کر ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔[1]

ہجرت کا واقعہ ایک پُر خطر راز تھا لیکن خاندانِ صدیق رضؓ کے سینے اس راز کا مدفن بن گئے تھے۔ اس ضمن میں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت اسماء رضؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضؓ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضؓ نے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں، حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضؓ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی کہ جھٹ پٹے وقت غار پر پہنچ جاتے، رات وہیں بسر کرتے، صبح ہوتے ہی مکہ واپس آجاتے اور دن بھر قریش میں جو آنحضرت صلعم کے متعلق مشورے ہوتے، اُن سے رات کے وقت غار میں حاضرِ خدمت ہو کر حضورؐ کو آگاہ کرتے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضؓ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضؓ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چراتے، رات کو چرواہوں کی نظر بچا کر ریوڑ غار کے دہانے پر لاتے۔ بکریوں کا دودھ دوہ کر آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر رضؓ کو پہنچاتے۔ صبح ہوتی، تو حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضؓ کے نشانِ قدم مٹانے کی غرض سے ریوڑ انہی راہوں پر ہانک کر دور لے جاتے، غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کارروائی اس طرح عمل میں آئی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔[2]

ایک طرف تو خاندانِ صدیق کی یہ جاں نثاریاں تھیں کہ حضرت ابوبکر رضؓ اُن کا بیٹا، غلام حتیٰ کہ جانور تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کا شرف حاصل کر رہے تھے اور دوسری طرف قریش مکہ تھے جن کے سینے بغض و عداوت کی آگ سے جل رہے تھے، انہوں نے

---

[1] سیر الصحابہ رضؓ جلد اول [2] سیر الصحابہ رضؓ جلد اول۔

چاروں طرف نگہبان مقرر کر دیے تھے کہ رسولؐ اللہ مدینہ پہنچنے سے قبل ہی راستے میں روک لیے جائیں۔

مؤرخین کے مطابق مکّہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل، پہاڑ اور سنسان میدان ایسا نہ رہا تھا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو یہاں تک کہ کفار کی ایک جماعت غارِ ثور کے پاس بھی پہنچ گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے قدموں کی چاپ سُنی تو سر اٹھایا اور دیکھا کہ غار کے دہانے پر کفار کے پاؤں نظر آ رہے ہیں، یہ نہایت یاس انگیز منظر تھا، چنانچہ آپ نہایت بے چینی و اضطراب کے عالم میں بولے: "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے، تو ہم دیکھ لیے جائیں گے۔ مگر اللہ کے رسولؐ نے تشفی دیتے ہوئے فرمایا: "خاموش رہو، ابو بکرؓ تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسرا خدا ہے؟ حضرت ابو بکرؓ ارشاد سُنتے ہی خاموش ہو گئے اور ان کا مضطرب و بے قرار دل امدادِ غیبی کے تیقن پر لازوال جرأت و استقلال سے مملو ہو گیا۔ خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ آفتابِ نبوّت کے سامنے کفار کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور وہ ناکام واپس ہو گئے۔" قرآن حکیم میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

(سورۃ التوبۃ آیت ۴۰)

اگر تم لوگ اس (پیغمبر) کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پروا نہیں کیونکہ) خدا اس کی مدد کر چکا ہے۔ جب اس کو کافروں نے نکال دیا۔ دو میں کا دوسرا، جبکہ وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا، گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے، تو خدا نے اُس پر اپنی تسکین نازل کی اور اس کی ایسے لشکروں سے مدد کی جن کو تم نہیں دیکھتے، اور کافروں کی بات نیچی کر دی اور خدا ہی کی بات بلند ہے خدا غالب اور حکمت والا ہے۔

بہرکیف یکم ربیع الاوّل ۱۳ بعثت بروز دوشنبہ (مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) غار میں تین روز قیام فرمانے کے بعد یہ مقدس قافلہ رات کی تاریکی میں عازمِ مدینہ ہوا، اب اس قافلہ میں دو کی بجائے چار آدمی تھے۔ یعنی راستے کی خدمت کے لیے حضرت ابو بکرؓ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہؓ کے علاوہ عبداللہ بن اریقط بھی تھا، جو اگرچہ کافر تھا، تاہم قابلِ اعتماد ہونے کے باعث اُجرت پر راہنما مقرر کیا گیا تھا، یہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے، یہ مقدس قافلہ رات بھر محوِ سفر رہا۔ دوسرے دن جب آفتاب سر پر آ گیا اور مسافروں کا چلنا موقوف ہوا تو حضرت صدیقؓ نے آنحضرت صلعم کے آرام کے لیے ایک چٹان کا دامن منتخب کیا، پھر اپنے ہاتھ سے زمین جھاڑ کر صاف کی، اس پر اپنی پوستین بچھائی اور سرورِ دو عالم صلعم سے عرض کیا کہ حضورؐ آرام فرمائیں، آنحضرت صلعم مصروفِ استراحت ہوئے اور جاں نثارِ نبوّت نے آس پاس کی زمین صاف کرنا شروع کر دی، لیکن ساتھ ساتھ آپ دور دور تک نگاہ بھی دوڑا رہے تھے کہ کوئی نبیؐ اللہ کے تعاقب میں تو آ رہا ہو، ادھر سے جب قدرے اطمینان ہوا، تو خوراک کی تلاش میں نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا ریوڑ لیے اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک قریش کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ ان میں کوئی دودھ دینے والی بکری بھی ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا، فرمایا، دودھ دو گے، اس نے رضامندی کا اظہار کیا، پھر اس نے بکری کے پیر باندھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس

کے تھن اور اپنے ہاتھ مٹی سے صاف کر لو" اس نے حسبِ ہدایت دودھ دوہ کر پیش کیا، جسے ٹھنڈا کرنے کے بعد آپ نے قدرے پانی ملایا اور کپڑے سے چھان کر جب خدمت اقدس میں پہنچے تو حضورؐ کو محوِ استراحت دیکھ کر بیدار کرنا اچھا معلوم نہ ہوا، لیکن آنحضرت صلعم خود ہی جاگ اُٹھے تھے، حضرت ابو بکرؓ کی درخواست پر سرورِ دوعالم صلعم نے جب دُودھ نوش فرمایا، تو حضرت صدیق اکبرؓ خوش ہو گئے" ازاں بعد آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ روانگی کا وقت آیا؟ رفیقِ غار نے عرض کیا" جی ہاں" چنانچہ آفتاب ڈھل چکا تو کوچ کا حکم دیا۔[۱]

صحیح روایات کے مطابق دلیل راہ نے درمیانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ روایت ہے کہ حضورؐ جب رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحل بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے تو سراقہ بن جعشم (یا سراقہ بن مالک بن جُعشم) نے نبیؐ اللہ کا تعاقب کیا[۲] اور آنحضرت صلعم کے قریب پہنچ کر دم لیا، یہاں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ گر پڑا۔ اُٹھ کر ترکش میں ہاتھ ڈالا اور فال کے تیر نکالے، تیر میں "لا" نکلا، لیکن انعام کی لالچ میں تیر کی بات نہ مانی، پھر گھوڑے پر سوار ہُوا، جب زیادہ قریب آیا، تو حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوتِ کلام پاک میں مشغول تھے اور اپنے مالکِ حقیقی سے لَو لگائے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ لیکن آپؐ کے رفیقِ غار حضرت ابو بکرؓ نہایت اضطراب میں بار بار مُڑ کر دیکھتے تھے۔ آخر عرض کیا، یا رسولؐ اللہ، یہ سوار آگیا، حضور نے فرمایا: "یاالٰہی ہمیں اس کی شر سے بچا" اِدھر یہ الفاظِ مبارکہ مُنہ سے نکلے اور اِدھر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ گر پڑا اور سمجھ گیا کہ حفاظتِ الٰہی پر غالب آنا محال ہے، نہایت عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی، امان دی گئی، سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا، پھر اُس کی درخواست اور ارشادِ نبوّتؐ پر حضرت عامر بن فہیرہؓ نے خطِ امان لکھ کر سراقہ کے حوالے کیا۔[۳]

اسی سفر کے دوران میں اس مُقدس قافلہ کا گزر اُمِّ معبد خزاعیہ کے خیمہ پر ہُوا اور ایک مریل و کمزور بکری کے سوکھے تھنوں سے دودھ نکلنے کا معجزہ رُونما ہُوا، جسے سب نے سیر ہو کر پیا، پھر راستے میں اس مقدس قافلہ کی ملاقات حضرت زبیرؓ سے ہوئی جو چند مسلمان تاجروں کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلعم اور حضرت ابو بکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے جنھیں پہنے ہوئے دونوں بزرگ مدینہ میں داخل ہوئے۔[۴]

مدینہ کے مسلمانوں کو آنحضرت صلعم کی مکّہ سے روانگی کی خبر معلوم ہو چکی تھی، وہ روزانہ تڑکے اُٹھ کر حرا کی طرف نکل جاتے اور دوپہر تک انتظار کرتے رہتے۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنے گھروں کو لوٹ جاتے، ایک دن دیر تک انتظار کے بعد گھروں کو واپس آئے ہی تھے کہ ایک یہودی کی آواز نے انھیں چونکا دیا، وہ یہودی کسی ضرورت کے تحت اپنے مکان کی چھت پر چڑھا تھا کہ اُس نے رسول اللہ اور ان کے رُفقائے سفر کو دور سے آتا دیکھ کر آواز دی اے گروہِ عرب! تمہارا شاہدِ مقصود آ پہنچا، مسلمان ہتھیار سجا کر دوڑتے ہُوئے آئے اور حرا کی پشت پر اس مقدس قافلہ کا نہایت پُر جوش استقبال کیا۔ حضور سرورِ دوعالم صلعم دائیں طرف مُڑ کر عمرو بن عوف کے قبیلہ میں اُتر پڑے[۵] یہ دو شنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تھا[۶] یہاں انصار جوق در جوق زیارت کے لیے آنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ تشریف فرما

---

[۱] سیر الصحابہؓ جلد اول [۲] رحمۃ للعالمین جلد اول [۳] ایضاً [۴] سیر الصحابہؓ جلد اول [۵] سیر الصحابہؓ جلد اول جزء المہاجرین [۶] مؤرخین کے مطابق حضورؐ کا قبا میں داخلہ ۸ ربیع الاول ۱۳ بعثت مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو ہُوا تھا۔ اس دن حضور کی عمرِ مبارک ٹھیک ترپن سال تھی۔

تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔
انصار مدینہ میں جن لوگوں نے نبیؐ اللہ کے جمال مبارک کی زیارت نہیں کی تھی، وہ آپؐ کے دھوکہ میں حضرت ابوبکر رضؓ کو سلام کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آگیا اور حضرت ابوبکر رضؓ نے چادر تان کر اپنے آقائے نامدارؐ پر سایہ کیا تب لوگوں نے چادر کے سایہ میں آفتابِ رسالت کو پہچانا۔

مدینہ میں ورودِ مسعود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چار دن قیام فرمانے اور اسی دوران میں مسجد قبا کی بنیاد رکھنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول بروز جمعۃ المبارک کو مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضؓ بھی حضورؐ کے ساتھ مدینہ آئے اور حضرت خارجہ رضؓ بن زید ابی زہیر کے پاس اُترے، چند دنوں کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کے اہل و عیال بھی حضرت طلحہ رضؓ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے، مورخین کے مطابق مدینہ منورہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لیے عموماً نہایت ناموافق ثابت ہوئی، حضرت ابوبکر رضؓ خصوصیت سے ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپؐ نے دعا فرمائی جس کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر رضؓ بسترِ علالت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی۔

مواخات

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں باہمی اجنبیت و بیگانگی دور کرنے کے لیے ان کا ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا، اس مواخات میں حضرت ابوبکر رضؓ کی برادری حضرت خارجہ بن زید رضؓ سے قائم کی گئی جو ایک بستی سنخ میں رہتے اور نہایت معزز شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ کے تعلقات ان سے اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنی بیٹی حبیبہ کو حضرت ابوبکر رضؓ کے عقد میں دے دیا جن کے بطن سے امّ کلثوم پیدا ہوئیں۔

تعمیرِ مسجد

مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سرزمین تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آمد سے اس کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، چنانچہ وہ فرزندانِ توحید جو کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ادھر اُدھر آبادیوں میں منتشر ہو گئے تھے، آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے، اہلِ اسلام کو اب چونکہ آزادی و فراغت کے ساتھ اجتماعی طور پر معبودِ حقیقی کی عبادت کا موقع حاصل ہوا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تعمیر مسجد کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ اس مقصد کے لیے جو جگہ حضورؐ نے منتخب فرمائی، وہ مدینہ کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، یہ زمین اگرچہ بچوں کے اولیا داقربا بلا قیمت دینے پر مصر تھے۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کا مال بغیر کسی معاوضہ کے لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر سے اس کی قیمت دلوا دی، اس طرح حضرت صدیق اکبر رضؓ نے مدینہ پہنچنے کے بعد نہ صرف مالی ایثار کا شرفِ اولین حاصل کیا بلکہ تعمیر مسجد میں اس پیرانہ سالی کے باوجود نوجوانوں کے دوش بدوش کام کر کے اسلامی محبت کی ایک نئی مثال قائم کی۔

غزوات

مدینہ پہنچ کر اگرچہ مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور نہایت آزادی و فراغت کے ساتھ دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کا وقت آگیا تھا، تاہم عرب کی جنگجو قوم مذہب کی صداقت و حقانیت کو بھی تیر و تفنگ اور نوکِ سنان سے وابستہ سمجھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس جنگجویانہ فطرت نے علمبردارانِ امن و سلامتی کو بھی منبرِ وعظ و ہدایت چھوڑ کر میدانِ جنگ میں آنے پر مجبور کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد فتح مکہ تک خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب معرکوں میں حضرت

ابوبکرؓ ایک مشیر اور وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی سے مشرف رہے۔

غزوۂ بدر

غزوہ بدر حق و باطل کا اولین فیصلہ کن معرکہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سائبان کے نیچے اپنی مٹھی بھر جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھے اور حضرت ابوبکرؓ آزمائش کی اس گھڑی میں بھی اس قدر جانبازی کے ساتھ شمشیر برہنہ اپنے ہادی کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کفار و مشرکین ہر طرف سے جب یلغار کر کے آتے تو آپ نہایت شجاعت و پامردی کے ساتھ ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیتے، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اس خوفناک جنگ میں ایک لمحہ کے لیے بھی حضرت ابوبکرؓ حضور پرنور صلعم کی خدمت گزاری سے غافل نہ رہے، ایک دفعہ ردائے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانۂ اقدس سے گر گئی، حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا تو تڑپ کر آئے، اُسے اُٹھا کر حضورؐ کے مبارک شانوں پر رکھا اور پھر رجز پڑھتے ہوئے کفار کے لشکر میں گھس گئے، درحقیقت یہ حضرت ابوبکرؓ جیسے جاں نثاروں کا ہی جذبۂ لازوال تھا جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ پر سرِ بلند کیا۔[1]

غزوۂ اُحد

قریش کے لیے معرکۂ بدر کی شکست ایک ایسا بدنما داغ تھا، جسے مٹانے کے لیے انہوں نے اپنے پورے وسائل و ذرائع داؤ پر لگا کر ایک لشکرِ جرّار فراہم کیا اور جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے جبلِ اُحد کے دامن میں خیمہ زن ہوتے مجاہدینِ اسلام قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود پہلے لشکرِ کفار پر غالب آئے، لیکن ایک درّہ پر متعین تیر اندازوں کی غلطی کے باعث جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور کفار کے اچانک حملہ سے ایسی سراسیمگی پھیلی کہ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے، مگر حضرت ابوبکرؓ آخر دم تک ثابت قدم رہے، پھر جب کفار کی پے در پے یورش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح ہوئے اور آپ کو صحابہ کرامؓ پہاڑ پر لائے تو جاں نثارِ نبوتؐ حضرت ابوبکرؓ آنحضورؐ کے ساتھ تھے، لشکرِ کفار کے قائد ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا، کیا قوم میں محمدؐ ہیں؟ جب ادھر سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوسفیان کا حضرت ابوبکرؓ کے متعلق دریافت کرنا اس حقیقت کا برملا اعتراف ہے کہ کفار بھی حضور پرنور صلعم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو ہی رئیسِ اُمت سمجھتے تھے۔

اختتامِ جنگ کے بعد جب کفارِ مکہ واپس ہوئے تو جو جماعت ان کے تعاقب میں روانہ ہوئی اس میں حضرت ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ غزوہ اُحد کے بعد بنو نضیر کی جلاوطنی، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر الاخریٰ، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ بنو مصطلق غرضیکہ جو معرکہ بھی پیش آیا، حضرت ابوبکرؓ ان میں برابر کے شریک تھے۔

آلِ ابوبکرؓ کی برکات

غزوہ بنو مصطلق جو ۶ شعبان ۵ھ کو پیش آیا تھا، حضرت ابوبکرؓ اور اُن کی اولاد کی برکات کا اعلیٰ نمونہ تھا، مؤرخین کی تصریح کے مطابق اس غزوہ سے واپس آتے ہوئے کسی مقام پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہار گر پڑا جسے تلاش کرنے کی غرض سے تمام لشکر ٹھہر گیا، اتفاق سے جس جگہ لشکر کو رکنا پڑا وہاں پانی دستیاب نہ تھا۔ کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عائشہؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگوں کو روک رکھا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کی تنبیہ کے لیے آئے تو دیکھا آنحضرت صلعم اُن کی ران پر سر مبارک رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ تاہم حضرت عائشہؓ سے

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل، خلفائے راشدین

سخت ناراض ہوئے کہ تم لوگوں کے لیے بلاو مصیبت کا ذریعہ بن گئی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے، تو وضو کے لیے پانی نہ تھا، چنانچہ اسی مقام پر تیمم کی آیت نازل ہوئی جس سے تمام صحابہ خوش ہو گئے۔ حضرت اُسید بن حضیر رضنے جوش مسرت میں کہا،

"اے آلِ ابوبکر رض! یہ تیمم کا حکم نازل ہونا تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی سہولتوں اور آسانیوں کے احکام نازل ہو چکے ہیں۔"

واقعۂ افک — ایک کڑی آزمائش

اسی غزوہ میں ایک کڑی آزمائش یہ پیش آئی کہ جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رض حوائج ضروری کے لیے خیمہ سے باہر گئی ہوئی تھیں، اہل قافلہ نے غلطی سے ان کا اونٹ ہانک دیا، آپ واپس آئیں تو گمشدہ ہار اسی جگہ مل گیا، مگر قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ آپ کو اس کا بڑا قلق ہوا اور آپ نہایت غمگین و ملول اسی مقام پر بیٹھ گئیں، اتفاق سے حضرت صفوان بن المعطل رض نے جو نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور جو قافلہ کے کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رض کو دیکھ لیا اور انہیں اونٹ پر بٹھا کر خود مہار پکڑے ہوئے پیدل چل پڑے، یہاں تک کہ اگلی منزل پر جا کر مجاہدین سے مل گئے۔ لشکر میں راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی موجود تھا۔ اس منافق کو اس سے بڑھ کر فتنہ پردازی کا کیا موقع مل سکتا تھا؟ چنانچہ ان لوگوں نے افک کا واقعہ تمام لشکر میں پھیلا دیا، غلطی سے چند مسلمان جن میں حضرت مسطح بن اثاثہ رض بھی تھے۔ ان لوگوں کے ہمنوا ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہ رض بیمار پڑ گئیں اور جب یہ خبر معلوم ہوئی تو مرض میں اور اضافہ ہو گیا، تحقیق کے لیے میکہ تشریف لائیں، اپنی ماں سے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے تسکین دی، پھر پوچھا کہ میرے باپ کو بھی خبر ہے، ماں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا۔ ماں نے جواب دیا کہ ان کو بھی یہ خبر مل چکی ہے، یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رض چیخ چیخ کر رونے لگیں، حضرت ابوبکر رض اس وقت بالاخانہ پر تلاوتِ کلام پاک میں مصروف تھے، جب آپ نے چیخوں کی آواز سنی تو نیچے اتر آئے اور بیٹی کا حال دیکھ کر خود بھی آبدیدہ ہو گئے۔

عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسی بنا پر یہ خبر حضرت ابوبکر رض کے لیے ایک نہایت کڑی آزمائش تھی، لیکن خدائے عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے بہت جلد خاندانِ صدیق کو اس کربناک اذیت سے نجات دے دی اور وحی الٰہی نے منافقین کے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھول دی:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ

(سورۃ النور آیت ۱۱)

جن لوگوں نے (حضرت عائشہ رض پر) تہمت لگائی وہ تمہاری ہی جماعت سے ہیں، اس کو تم اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے خیر ہے، ان میں ہر شریک گناہ کو بقدر شرکت سزا ملے گی اور ان میں سے جس نے بہت زیادتی کی ہے، اس پر سخت عذاب ہو گا۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (سورۃ النور آیت ۱۲)

جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب برأتِ عائشہ رضؓ کے متعلق ارشادِ ربانی سے حضرت ابوبکر رضؓ کو مطلع فرمایا، تو حضرت صدیق اکبر رضؓ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت بے پایاں سے صدیق رضؓ اور خاندانِ صدیق رضؓ کو نگاہِ نبوت میں ایک بار پھر امتیازی شان بخش دی تھی۔

جیسا کہ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسطح رضؓ بن اثاثہ بھی اس تہمت میں منافقین کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ حضرت مسطح رضؓ کی کفالت حضرت صدیق اکبر رضؓ کے ذمہ تھی چنانچہ آیاتِ برأت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ نے قسم کھائی کہ وہ حضرت مسطح رضؓ کا نفقہ بند کر دیں گے اور ان کی کسی قسم کی امداد نہیں کریں گے، اس پر ارشادِ ربانی ہوا۔

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ النور آیت ۲۲)

تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضیلت اور ذی مقدور ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ قرابت داروں مسکینوں اور مہاجرین سے سلوک نہ کریں گے اُن کو عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو بخش دے۔ خدا غفور رحیم ہے۔

اس ارشادِ خداوندی پر حضرت صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا "خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے" اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا دین حضرت مسطح رضؓ کا کفیل رہوں گا،

سریہ اُم قرفہ

غزوہ بنو مصطلق کے بعد آپ غزوہ خندق، غزوہ بنو قریظہ، غزوہ بنو لحیان اور غزوہ ذی قردہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، رمضان المبارک ۶ھ میں آنحضرت صلعم نے آپ کو ایک جماعت کے ساتھ بنی فزارہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا، اس قبیلہ کی سردار اُم قرفہ تھی جس کا اصل نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا، ایک دفعہ حضرت زید بن حارثہ رضؓ مال تجارت کے ساتھ شام جاتے ہوئے ادھر سے گزرے، بنی فزارہ نے حملہ کر کے اُن کو زخمی کیا اور تمام مالِ تجارت چھین لیا، حضرت زید رضؓ زخمی حالت میں مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلعم نے ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے حضرت ابوبکر رضؓ کو روانہ فرمایا، چنانچہ آپ اس مہم سے کامیاب لوٹے، اکثر مورخین کے نزدیک اس دفعہ بھی حضرت زید رضؓ بن حارثہ کو بھیجا گیا تھا، مگر مؤلف "رحمۃ للعالمین" کے مطابق دوسری بار یہ جماعت حضرت صدیق اکبر رضؓ کی سرکردگی میں گئی تھی (واللہ اعلم)

واقعہ حدیبیہ

یکم ذیقعدہ ۶ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ رضؓ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا عزم فرمایا، ذوالحلیفہ پہنچ کر سرورِ دو عالم صلعم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو حالات معلوم کرنے کے لیے آگے بھیجا، وہ لوٹ کر غدیر الاشطاط کے مقام پر بارگاہِ رسالتمآب میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ کو مخاطب

کر کے فرمایا: "لوگو مجھے مشورہ دو۔" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ، آپؐ زیارتِ کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں کسی سے لڑنے کے لیے نہیں، اس لیے تشریف لے چلئے، جو شخص مزاحم ہوگا، ہم اُس کا مقابلہ کریں گے۔" [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی اس رائے کو پسند کیا اور ارشاد فرمایا "خدا کا نام لے کر چلو"۔ غرض آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین میں مصالحت کے لیے سلسلۂ جنبانی شروع ہوئی، اسی اثناء میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمانؓ جو اسلامی سفیر کی حیثیت سے اہلِ مکہ کے پاس گئے تھے، شہید کر دیے گئے، یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جاں نثاروں سے بیعت لی، یہ وہی بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔

قریش مکہ مسلمانوں کی ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے اور سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ جو نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھا اور لوگوں میں "خطیبِ قریش" کے نام سے مشہور تھا۔ بالآخر کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور فریقین میں چند شرائط پر مصالحت ہو گئی جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، بہرکیف جن دنوں طرفین میں مصالحت کے لیے سلسلۂ جنبانی شروع ہوئی اور عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے سفیر بن کر آیا، تو اثنائے گفتگو میں اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "محمدؐ! فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا، تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا، تو تیرے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے۔ گرد کی طرح اُڑ جائیگی۔" اس جملہ پر حضرت ابوبکرؓ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا "کیا ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں؟ لوگوں نے بتایا "ابوبکرؓ"، اس نے مخاطب ہو کر کہا "اگر میں تمہارا زیرِ احسان نہ ہوتا، تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا۔

بہرکیف حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ چونکہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ سخت مضطرب ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "کیا آپ پیغمبر برحق نہیں؟" فرمایا "ہاں ہوں" عرض کیا "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں" ارشاد ہوا۔ "ہاں" حضرت عمرؓ نے کہا: "تو دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، خدا میری مدد کرے گا۔ حضرت عمرؓ یہ ارشادِ نبوت سُننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی باتیں دہرائیں۔ حضرت ابوبکرؓ محرمِ اسرارِ نبوت تھے۔ فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسولؐ ہیں، خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور خدا ان کی مدد کرے گا۔ تم ان کی اتباع کرو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہیں۔" [2]

سریہ بنو کلاب

معاہدہ حدیبیہ کے باعث قریش مکہ کی طرف سے یک گونہ اطمینان ہوا، تو محرم سنہ ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی کی گئی۔ اس غزوہ میں حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے، پھر اسی سال ماہِ شعبان میں حضرت ابوبکرؓ بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس معرکہ میں دشمن کے کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار کر لیے گئے غرض اس مہم کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ واپس مدینہ پہنچے۔

---

[1] سیر الصحابہؓ، جلد اوّل، جزء المہاجرین [2] سیرۃ النبی جلد اوّل

فتح مکہ

قریش مکہ دو سال تک تو معاہدہ حدیبیہ کے پابند رہے مگر بعد میں مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی حمایت کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی اس عہد شکنی کے باعث ۱۰ رمضان ۸ھ کو دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ کا عزم فرمایا اور فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، حضرت ابوبکرؓ بھی حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے والد ابو قحافہ عثمانؓ بن عامر کو دربارِ رسالت مآب میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکمالِ شفقت اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر انہیں نورِ ایمان سے مشرف فرمایا۔

غزوۂ حنین و طائف

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو بنو ہوازن سے برسرِ پیکار ہونا پڑا، بنو ہوازن نہایت شجاع اور ماہر تیر انداز تھے اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے متعلق حاسدانہ جذبات رکھتے تھے، چنانچہ وادیٔ حنین میں جب دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تو بنو ہوازن کی ایک جنگی چال کی وجہ سے اوّل اوّل نہ صرف مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا بلکہ دشمن کے اچانک حملہ سے لشکرِ اسلام میں ایسی افراتفری پھیلی کہ شکست کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا، لیکن ایسی حالت میں بھی جو صحابہؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے اُن میں حضرت صدیق اکبرؓ بھی شامل تھے، اس معرکہ میں کامیابی کے بعد لشکرِ اسلام نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کیا، جہاں کفار کی شکست خوردہ فوج قلعہ بند ہو گئی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ اسی محاصرہ کے دوران میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں ان کی شہادت کا باعث بنا۔

غزوۂ تبوک اور انفاق فی سبیل اللہ

رجب ۹ھ میں یہ افواہ پھیلی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اور اس غرض کے لیے اُس نے ایک لشکرِ جرار فراہم کیا ہے، مسلمانوں کے لیے مسلسل جنگوں کے باعث یہ چونکہ نہایت عسرت اور تنگ حالی کا زمانہ تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابۂ کرامؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی، تمام صحابہؓ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ چونکہ دولت مند تھے۔ اس لیے کافی کچھ دیا، حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا اثاثہ پیش کیا، لیکن اس موقع پر بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے امتیازی حیثیت حاصل کی یعنی جو کچھ گھر میں تھا سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا۔ حضور سرورِ دو عالم صلعم نے فرمایا: "تم نے اہل و عیال کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟" جاں نثارِ رسولؐ نے عرض کیا: صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت: غرض اس مجموعی سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہوئی، جو حدودِ شام کی طرف بڑھی لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ رومی حملہ کی خبر غلط تھی، چنانچہ لشکرِ اسلام واپس آ گیا

امارتِ حج

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیرِ حج مقرر فرما کر تین سو صحابہؓ کے ساتھ روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرے، اہلِ سیر کے مطابق اسلام میں امیر الحج کا یہ پہلا عہدہ تھا، جس پر حضرت ابوبکرؓ مامور ہوئے، قرآنِ حکیم نے اس کو حجِ اکبر کہا ہے، اس لیے یہ پہلا موقع تھا کہ رسمِ حج سنتِ ابراہیمی کے مطابق ادا ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیلؑ میں عہدِ جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسومِ حج کی عام تعلیم دی جائے، زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔[1]

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اوّل

سُورہ برأت چونکہ اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علی رضؓ حج کے موقع پر نقضِ عہد سے متعلق چالیس آیات سنانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس لیے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا کہ امارتِ حج کی خدمت حضرت ابوبکر رضؓ سے لے کر حضرت علی رضؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی، لیکن یہ شدید غلطی ہے۔ مورخین اسلام کے مطابق ہر دو مختلف خدمتیں تھیں، ایک قافلہ سالار کی تھی اور دوسری نقیبِ اسلام کی حضرت علی رضؓ کے ذمہ دوسری خدمت تھی چنانچہ حضرت علی رضؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔

صحابہؓ کی امامت ایک عظیم شرف امامت نہایت مشکل کام ہے اور صحابہ رضؓ کی امامت اور بھی مشکل تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں دو مرتبہ یہ عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔

ایک بار بنو عمرو بن عوف میں کچھ جھگڑا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضؓ، حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نماز پڑھائیں گے؟ فرمایا "ہاں" چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضؓ کی امامت میں نماز شروع ہوئی تو آنحضرت صلعم تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہوگئے، حضرت ابوبکر رضؓ کو جب کسی طرح اس بات کا علم ہوا تو آپؓ نے مڑ کر دیکھا لیکن آنحضرت صلعم نے اپنی جگہ قائم رہنے کا اشارہ فرمایا، حضرت ابوبکر رضؓ پھر بھی پیچھے ہٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، ادائے نماز کے بعد حضورؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ سے پوچھا کہ تم اپنی جگہ کیوں قائم نہ رہے؟ میں نے تو اجازت دے دی تھی، حضرت ابوبکر رضؓ نے عرض کیا:

"ابو قحافہ رضؓ کے بیٹے کی کیا مجال کہ آپؐ کے آگے کھڑا ہو جائے"

دوسری مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت صدیق اکبر رضؓ کو یہ خدمت انجام دینا پڑی۔ ان ایام میں جب حضورؐ تشریف لاتے رہے، خود امامت فرماتے رہے لیکن جب مرض میں اضافہ ہوا اور نقاہت کے باعث اٹھنا مشکل ہو گیا، تو حضرت بلال رضؓ سے فرمایا کہ ابوبکر رضؓ نماز پڑھائیں۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضؓ نے ۹ ربیع الاول کی نمازِ عشاء سے لے کر ۱۲ ربیع الاول کی نمازِ فجر تک سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔ رحلت سے ایک دو روز قبل جب مرض میں ذرا تخفیف ہوئی تو آنحضرت صلعم حضرت علی رضؓ اور حضرت عباس رضؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ ظہر کا وقت تھا اور خود حضرت ابوبکرؓ کے برابر بیٹھ کر نماز میں داخل ہو گئے۔ حضورؐ نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضؓ آپؐ کی اقتدا کرتے اور دیگر صحابہ رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کی اقتدا کرتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا آخری خطبہ تھا۔ ارشاد فرمایا:

"سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر رضؓ ہیں اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی اُمت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر رضؓ کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی حضرت ابوبکرؓ کے مالی ایثار، جاں نثاری اور مسلسل رفاقت کے اعتراف اور

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اول

حضور سرورِ دو عالم صلعم کے قلب رؤف و رحیم میں ان کی قدر و منزلت کے لیے قطعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

پیکرِ صبر و استقلال

دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بوقتِ چاشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ آپؐ کی وفات ایک قیامتِ کبریٰ تھی جس کا صحابہؓ کو یقین نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ بھی لوگوں کے سمجھاتے تھے اور قسم کھا کھا کر آنحضرت صلعم کے وصال فرمانے سے انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ وصال کے وقت موجود نہ تھے اس روز چونکہ حضور سرورِ دو عالم کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا، اس لیے نمازِ فجر کے بعد حضرت ابوبکرؓ اجازت لے کر مقام سنح تشریف لے گئے تھے، چنانچہ رحلت کی خبر ملنے پر تشریف لائے۔ کسی سے بات کیے بغیر سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں پہنچے اور حضورؐ کی نعش مبارک پر پڑی ہوئی چادر کو چہرۂ انور سے ہٹایا، جھکے اور بوسہ لیا، پھر رو کر فرمایا:

"میرے باپ ماں آپؐ پر قربان، آپؐ موت و زندگی میں پاک تھے، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، خدا آپؐ کو دوبارہ موت نہ دے گا، جو موت آپؐ کے لیے لکھی ہوئی تھی وہ آچکی۔"[1]

پھر مسجد میں تشریف لائے، حضرت عمرؓ جوشِ وارفتگی میں اب تک قسم کھا کر آنحضرت صلعم کی رحلت سے انکار فرما رہے تھے اور تلوار ہاتھ میں لیے کہہ رہے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی اس کا سر اُڑا دوں گا۔[2] حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "او قسم کھانے والے بیٹھ جا۔"[3] حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو آگے بڑھے، لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر ان کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے تقریر شروع کی، لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے اور اب حضرت عمرؓ بھی بیٹھ گئے، آپ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"ہاں! جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمدؐ وفات پا گئے، اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا، خدائے برتر فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○	محمدؐ صرف ایک رسولؐ ہیں اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے، اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس جاؤ گے؟ اور جو واپس جائے گا، خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور خدا شکر گزار بندوں کو عنقریب جزا دے گا۔

سورہ آل عمران آیت ۱۴۴

حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر پر لوگ چیخ اُٹھے اور سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا، اب ہر شخص کی زبان پر یہی آیت جاری تھی، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔[4] خود حضرت عمرؓ کا یہ حال ہوا کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے آیت پڑھی تو فرطِ غم سے زمین پر گر پڑے۔

سقیفہ بنو ساعدہ اور بیعتِ خلافت

مدینہ میں منافقین کی جماعت، جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزو المہاجرین [2] سیرۃ النبی جلد دوم [3] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزو المہاجرین [4] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین

تھا، ہمیشہ سے موجود تھی اور اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے خلافت کا فتنہ کھڑا ہو گیا اور انصار نے سقیفۂ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا۔ یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر بروقت تدارک نہ کیا جاتا، تو اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی اور آپ فوراً حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لے کر وہاں پہنچے، دوران گفتگو میں انصار نے مطالبہ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، ظاہر ہے کہ اس دوعملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ اس صورت کو قبول کرنا اسلامی نظام کو خود اپنے ہاتھوں درہم برہم کرنے کے مترادف تھا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقل طور پر انصار کے حوالے کر دی جاتی، لیکن اس میں دقت یہ تھی کہ اولاً خود قریش، دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ مزید برآں انصار میں بھی دو گروہ تھے، اوس اور خزرج، ان میں باہم اتفاق نہ تھا، غرض ان مشکلات کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے، اس پر حضرت خباب بن المنذرؓ انصاری بول اُٹھے "نہیں، خدا کی قسم نہیں، ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا" حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ جوش و خروش دیکھا تو نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور برمحل تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمہاری خدماتِ اسلامی سے انکار نہیں، لیکن عرب، قریش کے علاوہ کسی اور کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں، یہ ابوعبیدہؓ اور عمر بن الخطابؓ موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔"[1]

لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا:

"نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپؓ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔"[2]

چونکہ اس مجمع میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا، اس لیے سب نے اس انتخاب کو بہ نظرِ استحسان دیکھا اور بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، اس طرح یہ اُٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رُک گیا اور مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

اس کے دوسرے دن مسجدِ نبویؐ میں عام بیعت ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر بیٹھ کر اپنی خلافت کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

صاحبو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں، تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلا دوں،

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اول خلفائے راشدین [2] ایضاً

اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کرلوں، یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے، خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اگر میں خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں، تو میری اطاعت کرو، اور اگر نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔" [1]

حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب

بیعتِ عام کے بعد حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں کچھ دنوں تک تاخیر کی۔ اس توقف نے اگرچہ مسلمانوں میں عجیب و غریب مباحث پیدا کر دیے ہیں تاہم اگر اس تاخیر کی وضاحت میں حضرت علیؓ کا کوئی اپنا بیان موجود ہو تو ہمیں ایسے مباحث سے گریز کرنا چاہیے جو محض قیاسات پر مبنی ہوں اور ایک بالکل صاف اور سیدھی بات کو پیچیدہ بنا دیں۔ مؤرخین کے مطابق حضرت علیؓ نے خود حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر اس توقف کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا، لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا اُس وقت تک نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا۔" [2] بہرکیف حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات [3] کے بعد آپ نے بھی بیعت کرلی اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ:

آپ کو خدا نے جو رُتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔

حضرت علیؓ نے یہ بات کچھ اس انداز سے فرمائی کہ حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔"

غرض اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں کا آئینہ دل صاف ہو گیا اور بعد نمازِ ظہر حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے سب کے سامنے نہایت شان دار الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا اعتراف کیا۔

قضیۂ فدک

اکثر مؤرخین نے بیعت کی تاخیر کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ باغِ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے خلیفۂ اوّل کی طرف سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کر دیا تھا

---

[1] طبقات ابن سعد، حصہ سوم [2] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین [3] حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات کے چھ ماہ بعد انتقال فرمایا، اس بنا پر حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں چھ ماہ کی تاخیر کی۔

اس لیے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے پاسِ خاطر سے بیعت میں تاخیر کی ہو۔ اس واقعہ کی تفصیل میں اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ عم رسول اللہؐ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور حضورؐ کی اُس میراث کا مطالبہ کیا' جو ارضِ فدک اور خیبر کی جائیدادوں میں حضورؐ کے حصّہ پر مشتمل تھی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا :-

"میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے' آپؐ فرماتے تھے کہ ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی' ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہوگا، البتہ آلِ محمدؐ اس سے نفع لے سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! رسول اللہؐ کی قرابت سلوک کرنے کے معاملہ میں مجھ کو اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے"

مزید فرمایا :

"میں، خدا کی قسم، رسول اللہ صلعم کے صدقہ میں بالکل تغیّر نہ کروں گا، جو حالت اُس کی عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی' وہی رہے گی اور میں وہی کروں گا جو رسول اللہ صلعم کرتے تھے"

حضرت ابوبکرؓ کا یہ جواب سُن کر حضرت فاطمہؓ ناراض ہو کر اپنے گھر تشریف لے آئیں' حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ دیا اور وفات تک یہی حالت قائم رہی[1]

اُسامہ بن زیدؓ والی مہم

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا آغاز اگرچہ بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث سے ہُوا، تاہم آپ نے اپنے تدبّر' عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا، ان میں سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا۔ بہت سے قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس میں اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن یہ ابھی ان کے دلوں میں راسخ نہ ہُوا تھا، اس لیے حضورؐ کی وفات کے بعد وہ ارتداد کی رَو میں بہہ گئے۔ دوسری طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہُوئے تھے۔ مزید برآں منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان مشکلات میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی مہم بھی درپیش تھی۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ اقدس میں ہی شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن جیشِ اُسامہؓ کی روانگی سے قبل ہی چونکہ آنحضرت صلعم مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے فوج کی روانگی میں تاخیر ہو گئی تھی' چنانچہ جب آپ نے اس مہم کو روانہ کرنے کا عزم فرمایا تو جلیل القدر صحابہؓ نے رائے دی کہ اس کو فی الحال ملتوی کر کے پہلے مُرتدین و کذّاب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفۂ اوّل کو یہ گوارا نہ تھا کہ جو علَم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مقدم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا ہو اس کا رُخ کسی دوسری جانب پھیر دیا جائے، چنانچہ صحابہ کرامؓ کے بار بار اصرار پر آپؓ نے برہم ہو کر فرمایا :

"اگر جنگل کے بھیڑیے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں' تب بھی میں وہ کام کرنے سے باز نہیں آؤں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم دیا ہے"[2]

غرض خلیفۃ الرسولؐ نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اُسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور خود پیادہ پا مدینہ کے باہر تک اُسے رخصت

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل' حصہ المہاجرین [2] ابوبکر صدیق اکبرؓ از محمد حسین ہیکل

کرنے کے لیے نِکلے، حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑتے جاتے اور ہدایات دیتے جاتے تھے کہ:

"خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بیوفائی سے بچنا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا۔"[1]

حضرت اُسامہؓ نے آپ کو گھوڑے کے ساتھ دوڑتے دیکھ کر تعظیماً عرض کی: "اے جانشینِ رسولؐ، خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں، ورنہ مَیں بھی اُتر تا ہوں۔" فرمایا:

"یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں، نہ تم اُتر سکتے ہو اور نہ مَیں سوار ہوں گا، مَیں اس وقت اس لیے پیدل چل رہا ہوں تاکہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر تک پیدل چل کر اپنے قدم خاک آلود کر لوں۔"[2]

بہر کیف چالیس دن کے بعد جب حضرت اُسامہؓ کی فوج اپنا مقصد پورا کر کے شام سے لَوٹی تو حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ کرام کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اس کا نہایت پُر جوش استقبال کیا۔

مُدّعیانِ نبوّت کا استیصال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس ہی میں بعض مدّعیانِ نبوت پیدا ہو گئے تھے، مسیلمہ نے اگرچہ اسی زمانہ میں نبوّت کا دعویٰ کیا تھا، مگر کذب و افترا کی یہ آواز صورِ صداقت کے سامنے نہ ٹھہر سکی تھی، لیکن حضورؐ کی وفات کے بعد اور بہت سے طالع آزماؤں کے دماغ میں یہی سودا سما گیا تھا، چنانچہ اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد وغیرہ کئی مدعیانِ نبوّت پیدا ہو گئے، مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس خبط میں مبتلا ہو گئی تھیں، اس ضمن میں قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح قابلِ ذکر ہے۔ جس نے نبوّت کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی۔

بہر حال موتہ کی مُہم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کذابوں کے استیصال کی طرف توجہ دی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس کام کے لیے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا؟ ـ ل مُشترکہ رائے حضرت علیؓ کے متعلق تھی، لیکن چونکہ وہ اس وقت تک تمام تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے۔ اس لیے اُن کے بعد قرعہ فال حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کے نام نکلا، چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت بن قیسؓ انصاری کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لے کر ان جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کے لیے نکلے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ سب سے پہلے طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے۔ اس کے پیروکاروں کو قتل و گرفتار کر کے عیینہ بن حصن سمیت تیس قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا، پھر تجدیدِ اسلام کر کے مسلمان ہو گیا، مسیلمہ کی بیخ کنی کے لیے حضرت شرجیل بن حسنہؓ نامزد ہوئے ان کے ساتھ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل بھی تھے۔ جنہوں نے حضرت شرجیلؓ سے پہلے پہنچ کر مسیلمہ کے پیرو بنی حنیفہ پر حملہ کر دیا، مگر ہزیمت اُٹھائی اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حضرت شرجیلؓ کی مدد کے لیے بھیجا، مسیلمہ کذاب نے اپنے چالیس ہزار متبعین کو لے کر نہایت شدید جنگ کی، لیکن مسلمانوں نے اُسے شکست فاش دی اور مسیلمہ خود حضرت وحشی بن حربؓ کے ہاتھوں مقتول ہوا۔[3] اس کی بیوی سجاح

---

[1] تاریخ طبری حصہ دوم۔ [2] ایضاً۔ [3] مورخین کے مطابق مسیلمہ کے قتل میں دو شخص شریک تھے، ایک حضرت وحشیؓ اور دوسرے حضرت حبیبؓ بن زید، خود حضرت وحشیؓ کا بیان ہے کہ مَیں نے مسیلمہ پر حربہ پھینکا اور ایک انصاری نے نہایت تیزی سے تلوار کا وار کیا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے وار سے مسیلمہ کا خاتمہ ہوا۔

جو خود مدعیہ نبوت تھی، شوہر کے قتل کے بعد بصرہ بھاگ گئی اور کچھ دنوں بعد مر گئی، اس جنگ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی جس میں تقریباً ستر حفاظ قرآن بھی تھے۔ تیسرے مدعی نبوت اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ اپنے ہی ساتھیوں قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا، غرض چند دنوں کے اندر ان جھوٹے نبیوں کا خاتمہ ہو گیا [1]

مرتدین کا استیصال

مدعیانِ نبوت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان عرب سرداروں کی طرف توجہ فرمائی کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو کر اپنے اپنے حلقہ کے بادشاہ بن بیٹھے تھے۔ ان میں نعمان بن منذر نے بحرین میں لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ کے علاقہ میں مرتد ہو کر خود سری کا اعلان کیا، چنانچہ خلیفہ رسولؐ نے حضرت علاء بن حضرمیؓ، حضرت حذیفہ بن محصنؓ اور حضرت زیاد بن لبیدؓ کو بالترتیب ان مرتد سرداروں کے مقابلہ کے لیے بھیجا، حضرت علاءؓ نے نعمان کا قلع قمع کیا، حضرت حذیفہؓ نے لقیط کو قتل کیا اور حضرت زیادؓ نے ملوکِ کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔

منکرین زکوٰۃ کی تادیب

ان سب میں زیادہ اہم اور نازک مسئلہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا، چونکہ یہ گروہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور صرف زکوٰۃ کی ادائگی کا منکر تھا، اس لیے اس کے خلاف تلوار اٹھانے میں بعض کبار صحابہؓ نے اختلاف کیا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحب رائے بزرگ بھی ان لوگوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کے حق میں نہیں تھے لیکن خلیفۃ الرسولؐ کا ارادہ واستقلال صحابہ کرامؓ کے اختلاف کے باوجود غیر متزلزل رہا، چنانچہ آپ نے صاف کہہ دیا۔

"خدا کی قسم، جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ بھی زکوٰۃ میں دیتا تھا، اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا، تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا" [2]

حضرت ابوبکرؓ کا اصرار یہ تھا کہ اگر آج انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر معاف کر دیا جائے گا، تو کل یہ لوگ صوم وصلوٰۃ سے بھی منکر ہو جائیں گے اور اس طرح اسلام ایک تماشہ بن جائے گا، آخر آپ کی اصابت رائے کا حضرت عمرؓ کو بھی اعتراف کرنا پڑا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ منکرینِ زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں اور اس معاملہ میں یہاں تک سختی کی کہ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ میں خود تشریف لے گئے، اس تشدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند دنوں کے اندر تمام منکرین نے زکوٰۃ ادا کر دی، اس طرح حضرت ابوبکرؓ کی مذہبی بصیرت، اصابت رائے اور استقلال واستقامت سے وہ تمام فتنے دب گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دفعتہً بپا ہو گئے تھے۔

تدوینِ قرآن

مدعیانِ نبوت اور مرتدینِ اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تھے، خصوصاً مسیلمہ کذاب کے خلاف خونریز جنگ میں اس قدر صحابہؓ کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو خدشہ محسوس ہونے لگا کہ اگر صحابہؓ کی شہادت کا یہی سلسلہ رہا تو کلام الٰہی کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، چنانچہ اسی خدشہ کے پیش نظر انہوں نے خلیفۂ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ کو جمع قرآن کی تحریک کی، اہلِ سیر کے مطابق پہلے تو آپ نے عذر کیا مگر جب اس کام کی اہمیت واضح ہو گئی تو آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو عہدِ نبوتؐ میں کاتبِ وحی تھے، قرآنِ حکیم جمع کرنے کا حکم دیا، اس طرح قرآنِ حکیم نہایت کوشش واحتیاط کے ساتھ ایک کتاب کی شکل میں مدوّن

---

[1] تاریخ اسلام۔ حصہ اوّل [2] سیر الصحابہؓ، جلد اول خلفائے راشدین

ہوگیا اور ابدالآباد تک تحریف سے بچ گیا، نیز اُمم سالفہ کے آسمانی صحائف کا جو حشر ہُوا تھا، اسلام میں اس کا اعادہ نہ ہو سکا۔

اس ضمن میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ عہد صدیقی رضؓ میں قرآن حکیم کو باہم مُرتب کرنا نہ تھا، کیونکہ سُورتوں کے نام اور آیتوں و سُورتوں کی باہمی ترتیب کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہی وحی و الہام کے ذریعہ مکمل ہو چکا تھا۔ خود حضرت زیدؓ بن ثابت نے قرآن حکیم جمع کرنے کی جو صُورت بتائی ہے وہ یہ تھی :-

• میں نے قرآن کو چمڑہ کے ورقوں، شانہ کی چوڑی ہڈیوں اور کھجور کی تیلیوں اور لوگوں کے سینوں سے ڈھونڈھ ڈھونڈ کر جمع کرنا شروع کیا۔[1]

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوگیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف قرآن حکیم کے متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔

یہ نسخہ کب تک محفوظ رہا

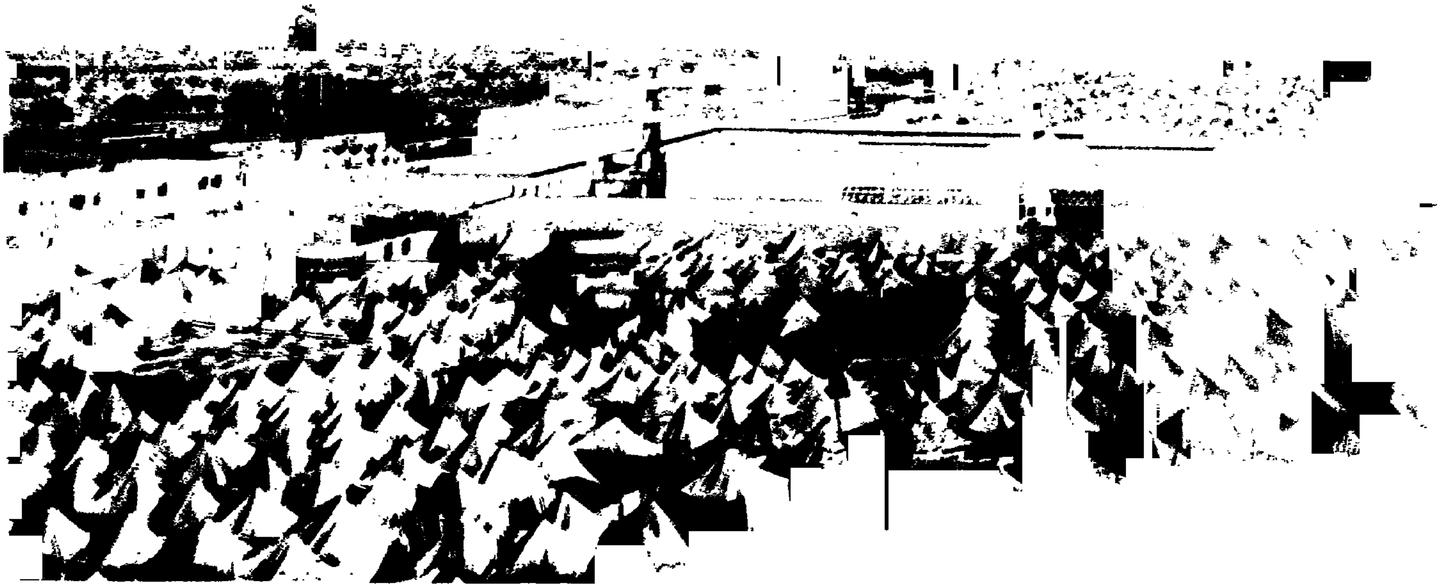
حضرت زیدؓ بن ثابت کا مدون کیا ہُوا نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس محفوظ رہا، اُن کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کے حوالے فرما دیا اور وصیت کی کہ کسی شخص کو نہ دیں، البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں حضرت حفصہؓ سے عاریتہً لے کر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات پر روانہ کر دیے، لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ جسے مروان نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر ضائع کر دیا۔[2]

فتوحات — ایران و روم کی مخالف حکومتیں

اندرونی انقلابات فرو کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنا پڑی۔ اس زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں میں گھرا ہُوا تھا۔ ایک طرف شام پر رُومی پھریرا لہرا رہا تھا اور دوسری طرف ایران پر ساسانی خاندان کا تسلط تھا۔ دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ہمیشہ ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں۔ مخصوصاً ایرانیوں نے اس مقصد کے لیے بارہا بڑی بڑی فوجیں بھیجیں اور بعض اوقات انہوں نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ بھی کر لیا، یہاں تک کہ ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز و یمن دونوں کو باجگذار بنا لیا تھا، اس طرح سابور ذوالاکتاف یمن و حجاز فتح کرتا ہُوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے، وہ اُن کے شانے اُکھڑوا دیتا تھا، اسی لیے وہ عربوں میں ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے مشہور ہُوا۔ لیکن عرب چونکہ کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے۔ اس لیے جو نہی انہیں موقع ملتا، چھٹکارا حاصل کر لیتے اور اُن کا ملک دبا بیٹھتے تھے۔ چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اس سلسلہ کے ایک فرمانروا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ غرض عربوں اور ایرانیوں میں قدیم عداوت چلی آ رہی تھی اور ایرانی عربوں کو نہایت حقارت سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مُحرم ۶؁ھ میں

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزء المہاجرینؓ [2] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین



مسجد الخیف (منیٰ) ایامِ حج میں

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کو خط لکھا تو اس نے غضبناک ہو کر نامۂ مبارک پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا: "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے"[1] بہرکیف پہلے تحقیر کا یہ جذبہ تھا لیکن اس کے بعد جب اسلام نے سارے عرب کو ایک متحدہ طاقت بنا دیا، تو اس وقت کی ساسانی حکومت اسے خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عربوں کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیوں کی تھی، جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، عرب کے پڑوس شام میں ہرقل رومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا اگرچہ یہ حکومت ایرانیوں کی طرح عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی، تاہم دونوں قوموں میں قدیم سے رقابت چلی آتی تھی عرب کے بہت سے قبائل جو شام کے سرحدی اضلاع میں آباد ہو گئے تھے اُنھوں نے عیسائیت قبول کر کے بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کی بنا پر ان کو رومیوں کے ساتھ نہ صرف ایک قسم کی یگانگت پیدا ہو گئی تھی بلکہ ظہورِ اسلام کے بعد مشرکین عرب کی طرح حدودِ شام کے عرب عیسائی بھی مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے، چنانچہ ۶ھ میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کو جو قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر واپس آرہے تھے، لوٹ لیا تھا اور دوسرے اسلامی سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو حاکم بصریٰ شرجیل بن عمرو الغسانی نے قتل کر دیا تھا، اسی کا انتقام لینے کے لیے آنحضرت صلعم نے حضرت زید بن حارثہؓ کی زیرِ قیادت ۸ھ میں تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، جس میں بڑے بڑے صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش کیا، پھر ۹ھ میں جب یہ معلوم ہوا کہ رومی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مدافعت کے لیے جب بہ نفسِ نفیس تبوک تک تشریف لے گئے تو رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور عارضی طور پر جنگ کا خطرہ ٹل گیا، تاہم مسلمانوں کو شامی عربوں اور رومیوں کی طرف سے ہر وقت حملہ کا خطرہ رہتا تھا، چنانچہ اس خطرہ کے انسداد اور شہدائے موتہ کا انتقام لینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما ہی رہے تھے کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ انہی اسباب کی بنا پر خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکرؓ نے اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عراق کی مہم

اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ خسرو پرویز کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر کے تخت نشین ہوا۔ مگر خود آٹھ ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔ اس کے بعد شیرویہ کا صغیر السن بیٹا تخت پر بیٹھا، جسے ایک درباری افسر نے قتل کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا، چند دنوں بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا، ایک سال بعد یہ بھی مر گیا۔ اب شاہی خاندان میں ایک کم عمر شہزادے یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا جسے تخت نشین کیا جاتا، چنانچہ شاہی خاندان کی ایک عورت پوران دخت کو اس شرط پر تختِ کیانی پر بٹھایا گیا کہ یزدگرد کے سنِ شعور کے پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائیگا[2]

عراق کے وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے ظلم و ستم برداشت کرتے آ رہے تھے، ایسے ایک موقع سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے، چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کر دی، تاہم ایرانی حکومت اس زوال کے باوجود اتنی قوی تھی کہ اسے زیر کرنا عرب سرداروں کے بس کی بات نہ تھی، اس لیے مثنیٰ نے دربارِ خلافت میں

---

[1] سیرۃ النبی، جلد اوّل۔ [2] تاریخ اسلام حصہ اوّل مؤلفہ شاہ معین الدین۔

حاضر ہو کر عراق پر فوج کشی کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰؓ خود تو اسلام لا چکے تھے، لیکن ان کا قبیلہ بدستور عیسائی تھا، چنانچہ مدینہ سے واپس آکر سب سے پہلے انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ ور کیا اور پھر اُسے لے کر عراق روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ جھوٹے مدعیانِ نبوت اور مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے، تاہم وہ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰ کی امداد کے لیے عراق جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ فوجیں لے کر سیدھے عراق روانہ ہو گئے، حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچتے ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقیا، کسکر، الیس اور امغیشیا وغیرہ فتح کر کے آپ نے حیرہ کا محاصرہ کر لیا، اہلِ حیرہ نے ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی اس کے ساتھ ہی قرب و جوار کے باشندے بھی بیس ہزار درہم سالانہ پر مطیع ہو گئے، ادھر سے فارغ ہو کر آپ انبار پہنچے اور اس کی تسخیر کے بعد عین التمر کا معرکہ سر کیا، یہاں سے آپ نے حضرت عیاضؓ کی مدد کے لیے دومۃ الجندل کا رُخ کیا اور اکیدر اور جودی کو قتل کر کے ان کے قلعوں پر قبضہ کر لیا، پھر فراض روانہ ہوئے اور اس معرکہ میں اہلِ فارس و رُوم کی مشترکہ فوجوں کو شکست فاش دی، علامہ طبریؒ کی روایت کے مطابق اس لڑائی میں دشمن کے ایک لاکھ سپاہی کھیت رہے، فراض میں دس دن قیام کے بعد اسلامی لشکر کو حیرہ کی طرف واپسی کا حکم دے کر خود ۲۵ ذیقعد ۱۲ھ کو خفیہ طور پر حج کے لیے روانہ ہو گئے اور واپسی پر دوبارہ عراق کی مہم میں مصروف ہو گئے۔

شام پر فوج کشی عراق کی مہم کی ابھی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ دوسری طرف شام کی سرحد پر جنگ چھڑ گئی، حضرت ابو بکرؓ نے ۱۳ھ میں کبار صحابہؓ کے مشورہ سے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا اور ہر ہر حصہ میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، دمشق کی مہم پر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ مامور ہوئے۔ حمص پر حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، اُردن پر حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اور فلسطین پر حضرت عمرو بن العاصؓ فوج کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی اور حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح ان سب پر سالارِ اعظم مقرر ہوئے

مسلمانوں کی فوج کشی کے وقت ہرقل والیِ شام، حمص میں تھا، اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں، چنانچہ مسلمان جب شام کی سرحد پر پہنچے تو انہیں قدم قدم پر رُومی جتھوں کا سامنا ہوا، مسلمانوں نے اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حضرت ابو بکرؓ کو مزید کمک کے لیے لکھا۔ اس وقت چونکہ دار الخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی، اس لیے خلیفۂ اوّل نہایت فکرمند ہوئے، آخر آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام بھیجنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ آپ نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے حوالے کر کے شام چلے جائیں، اس پر حضرت خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو راستہ میں حدیہ، داعر، سُوی، قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنا پڑیں، سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد بصریٰ پر فوج کشی کر کے یہاں کے بطریق کو شکست دی اور اہلِ بصریٰ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے۔

دوسری طرف فلسطین کے مورچہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور اُن کے مقابلہ پر اجنادین میں رومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع تھا، حضرت خالدؓ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بصریٰ سے فراغت کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین

پہنچ کر رومیوں سے نبرد آزما ہوئے اور انہیں شکست دے کر اجنادین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد متحدہ لشکر نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح سے مل کر دمشق کا محاصرہ کر لیا جو کامل تین ماہ جاری رہا، یہ حالت ابھی قائم تھی کہ خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کا زمانہ ختم ہو گیا [۱]

مرض الموت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

جمادی الثانی ۱۳ھ میں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ بیمار پڑے اور پندرہ روز تک اس شدت کے ساتھ بخار میں مبتلا رہے کہ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ ان دنوں میں آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت انجام دیتے رہے، آخر آپ جب زندگی سے مایوس ہو گئے، تو اکابر صحابہؓ کو بُلا کر اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا، اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا "عمرؓ کے اہل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "ان کا باطن اُن کے ظاہر سے اچھا ہے۔" حضرت طلحہؓ عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتی مزاج اور تشدّد کی شکایت کی اور کہا "جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں، تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا، تو آپ نرم پڑ جائیں گے" ایک صحابیؓ نے کہا "آپ عمرؓ کے مزاج کی سختی کے باوجود انہیں اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں، ذرا سوچ لیجئے کہ آپ خدا کو کیا جواب دیں گے" فرمایا: "میں عرض کر دوں گا کہ خدایا، میں نے تمہارے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب میں اچھا تھا۔" غرض سب کو مطمئن کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کو بُلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف کے سبب غش آ گیا، حضرت عثمان نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا، تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو حضرت عثمان سے فرمایا کہ وہ تحریر پڑھیں، جب حضرت عمرؓ کا نام سُنا تو بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور فرمایا: "حق تعالےٰ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔" غرض جب وصیت نامہ مکمل ہو گیا تو اپنے غلام کو حکم دیا کہ اُسے صحابہؓ کے عام مجمع میں سُناؤ، خود بالاخانہ پر تشریف لے جا کر حاضرین سے فرمایا:

"میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ حضرت عمرؓ بن خطاب کو آپ لوگوں کا خلیفہ مقرر کیا ہے

پس آپ ان کے احکام سُنیں اور ان کی اطاعت کریں" [۲]۔

سب نے بالاتفاق اس حسنِ انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بُلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

آخری وصیتیں اور وفات

انتخابِ خلیفہ کے فرض سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بُلا کر فرمایا: "میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا، میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں، انہیں حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دینا، اس کے علاوہ اگر اور کوئی چیز نکل آئے تو اُسے بھی بیت المال میں داخل کر دینا" [۳] کفن کے متعلق فرمایا: "میرے بدن پر جو کپڑا ہے، اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا" حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لیے نیا ہونا چاہیے" فرمایا: "زندے

---

[۱] تاریخ اسلام حصہ اوّل مؤلفہ شاہ معین الدین [۲] سیرۃ صدیق اکبرؓ مؤلفہ علامہ محمد رضا مصری

مُردوں کی نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں۔" اس کے بعد پوچھا: "آج کونسا دن ہے؟" معلوم ہُوا کہ دوشنبہ ہے۔ پھر پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس روز ہُوا تھا؟ حاضرین نے کہا؛ دوشنبہ کے روز" فرمایا "میری بھی یہی آرزو ہے۔" چنانچہ آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی اور آپ نے ۲۲ جمادی الاخری ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزرنے کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان بعمر ترسیٹھ سال انتقال فرمایا[1]۔ وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہُوئی۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس نے غسل دیا، حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اُتارا اور اس طرح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رفیقِ غار حضورؐ کے پہلو میں مدفون ہوکر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ازواج واولاد

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ بعض مؤرخین نے اُن کی تعداد پانچ لکھی ہے، ابن سعدؒ نے اُن بیویوں کا ذکر کیا ہے جن سے اولاد ہُوئی، اُن کے نام یہ ہیں :-

- قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن عبد اسعد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان سے حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں، حضرت اسماءؓ کا لقب ذات النطاقین تھا۔
- اُمّ رومانؓ بنتِ عامر بن عویمر بن عبدشمس بن عتاب، یہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن کی ماں تھیں۔
- اسماءؓ بنتِ عمیس بن معد بن تیم بن حارث، کے بطن سے محمد پیدا ہوئے۔
- حبیبہؓ بنتِ خارجہ بن زید بن ابی زہیر سے ایک لڑکی حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہُوئی، جس کا نام اُمّ کلثوم تھا۔

حُلیہ

ابن سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ لوگوں نے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کا حُلیہ بیان کیجئے تو انہوں نے فرمایا :

"وہ گورے اور دُبلے تھے۔ دونوں رُخساروں پر بہت کم گوشت تھا۔ سینہ آگے سے اُبھرا ہُوا تھا۔ پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہُوئی تھیں، انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں۔ ڈاڑھی میں کسم اور حنا کا خضاب لگاتے تھے۔"

لباس و غذا

حضرت ابوبکرؓ سادہ زندگی بسر کرتے اور موٹے جھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے، دسترخوان پُرتکلف نہ تھا، خلافت کے بعد یہ سادگی اور ترقی کرگئی تھی، آپ نے چونکہ اپنی ساری دولت اسلام پر نثار کردی تھی۔ اس لیے عسرت کے باعث دو دو تین تین وقت فاقہ سے گزرجاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا تو فرمایا :-

"مَیں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہُوں" حضرت ابوالہیثمؓ کو معلوم ہُوا، تو انہوں نے گھر پہ کھانے کی دعوت دی[1]۔

ذریعۂ معاش

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ فرماتے ہیں کہ مَیں قریش میں سب سے بڑا اور دولتمند تاجر تھا۔ عہدِ اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور آپ نے مالِ تجارت لے کر دُور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا، چنانچہ وصالِ نبویؐ سے ایک سال پہلے

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ سوم، سیرالصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین۔

تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے تھے۔

وظیفۂ خلافت خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرتی طور پر ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہوگیا، اب بحیثیت خلیفۃ المسلمین اگر آپ چاہتے تو ایک حدیث کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد سے اپنے لیے معاش کا سامان کر سکتے تھے، لیکن آپ نے انتہائی زہد و تقویٰ کی بنا پر ایسا نہیں کیا، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے باہم مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اہل و عیال کے لیے کپڑے اور کھانا مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو منظور کر کے فرمایا:

"میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ اہل و عیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوگیا ہوں، اس بنا پر آلِ ابوبکرؓ اس مال میں سے کھائیں گے، اور مسلمانوں کے لیے تجارت کریں گے۔"

انفاق فی سبیل اللہ مال و دولت اگر صحیح اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت لامتناہی ہو جاتی ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قبول اسلام سے پہلے چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے، انہوں نے یہ تمام دولت راہِ خدا میں خرچ کر دی، جس کے برمحل ہونے کا اعتراف خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا: "ابوبکرؓ کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لیے مفید نہ ہوا۔" اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بطور شکریہ ارشاد فرماتے تو حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور عرض کرتے "یارسول اللہ! جان و مال سب حضورؐ کے لیے ہے۔" آغازِ اسلام میں اکثر غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جس فیاضی کا آپ نے اظہار فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ایک خمس کی ان کے لیے وصیت فرمادی۔

اخلاق و عادات حضرت صدیق اکبرؓ طبعاً اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھے، ایامِ جاہلیت میں بھی عفت و پارسائی، رحمدلی، راستبازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، اُن دنوں جبکہ اہلِ عرب ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے، شراب پیتے، جُوا کھیلتے، سود کھاتے اور ہر بےحیائی روا رکھتے تھے، آپ کا دامنِ عفت کبھی ان دھبوں سے داغدار نہ ہوا تھا، رئیسِ قارہ ابن الدغنہ نے قریش کے سامنے آپ کے اخلاق کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"یہ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"[1]

لیکن یہ زمانۂ جاہلیت کے اوصاف کا ذکر ہے۔ زمانۂ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے انہی اوصاف کو اور زیادہ جامع، ہمہ گیر، مؤثر، متنوع اور مجلّا بنادیا تھا۔

ایثار: قوموں کی سعادت کا سرچشمہ ایثارِ نفس ہے اور یہ وصف حضرت ابوبکرؓ میں تقریباً تمام صحابہؓ سے نمایاں تھا،

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزو المہاجرین۔

بیعتِ سقیفہ میں آپ نے تقریر کرنے کے بعد خلافت کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کا نام پیش کیا اور اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کر لیا، یہ آپ کے اسی ایثار کا نتیجہ تھا کہ رسولِ خدا صلعم کے بعد مسلمانوں کو آپ جیسا خلیفہ ملا۔ جس کی بزرگی، پارسائی، ایثار اور عظمتِ کردار کا ہر شخص معترف تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے حکم پر سر جھکانا باعثِ سعادت خیال کرتا تھا۔

شجاعت

ترقیٔ اقوام کا سب سے بڑا محرک جذبۂ شجاعت ہے جو حضرت ابوبکرؓ میں تمام و کمال موجود تھا۔ کفرزارِ مکہ کا ذرہ ذرہ خدا کے آخری نبیؐ کا دشمن ہے، اکثر صحابہؓ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے ہیں، جاں نثاران خاص ہیں سے بھی زیادہ تر مدینہ روانہ ہو چکے ہیں، پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے نرغہ میں ہیں کہ ہجرت کی اجازت ملتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر روانہ ہوتے ہیں، پھر غارِ ثور میں رسولِ خدا صلعم کے ساتھ تین دن قیام، ازاں بعد آپ مدینہ کے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چٹان کے سایہ میں لٹا کر محافظت کے لیے باہر نکلتے ہیں اور چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہیں کہ دشمن نہ آرہا ہو۔ غزوہ بدر میں جب تمام صحابہؓ میدانِ جنگ میں مصروفِ پیکار ہیں، صرف آپ کی ذاتِ گرامی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر کھڑی ہے اور اس وقت بھی "ثانی اثنین" بنی ہوئی ہے۔ غزوہ اُحد میں تو جسم چُور چُور ہے پھر بھی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مانعینِ زکوٰۃ کے مقابلہ پر جہاد کا عزم بالجزم، جب کہ بہت سے صحابہؓ اُن سے جہاد ضروری نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت کی روشن دلیل ہے۔

تواضع

حضرت ابوبکر صدیقؓ طبعاً نہایت منکسر المزاج واقع ہوئے تھے اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے اکثر بھیڑ بکریاں خود ہی چرا لیتے اور محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہتے تھے، جب آپ خلیفہ ہوئے تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا: "اب ہماری بکریاں کون دوہے گا" آپ نے سُنا تو فرمایا: "خدا کی قسم، میں بکریاں دوہوں گا۔ اُمید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی" [1]

دار الخلافہ سے جب بھی کوئی مُہم روانہ ہوتی، تو آپ ضعف و کبرسنی کے باوجود دُور تک پیادہ پا جاتے اور راہِ خدا میں اپنے پاؤں غبار آلود کرنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتے، عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جب جانشینِ رسولؐ کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی اور فرماتے کہ "مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے" اسی طرح اگر کسی زبان سے اپنی مدح و ستائش سُنتے تو فرماتے۔

"اے خدا، تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، خدایا، تو اُن کے حُسنِ ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر" [2]

مذہبی زندگی

حضرت ابوبکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو اکثر روزہ رکھتے اور موسمِ گرما خصوصاً روزوں ہی میں بسر ہوتا تھا۔ نماز پڑھتے تو خشوع و خضوع کا یہ عالم ہوتا کہ لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ درد و سوز چونکہ آپ کی طبیعت کا خاصا تھا۔ اس لیے دورانِ نماز میں اس قدر رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ خوفِ محشر آپ کی

---

[1] طبقات ابنِ سعد ج ۳ [2] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین

رگ و پے میں سمایا ہُوا تھا، دنیا کا ذرہ ذرہ آپ کے لیے سرمایہ عبرت تھا۔ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے: "کاش میں درخت ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔" اگر کسی باغ سے گزر ہوتا، تو چڑیوں کو چہچہاتے دیکھ کر آہِ سرد کھینچتے اور فرماتے :۔

"پرندو تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت میں تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش، ابوبکرؓ بھی تمہاری طرح ہوتا[1]"

قرآنِ حکیم کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دل اور رقتِ قلب کی وجہ سے بات بات پر آہِ سرد کھینچتے، یہاں تک کہ "اواہ منیب" اُن کا نام ہو گیا تھا۔

خانگی زندگی

ہر شعبۂ حیات کی طرح خانگی زندگی میں بھی حضرت ابوبکرؓ ایک مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ اگرچہ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، اور ہر ایک کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے تھے، تاہم حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بہت عزیز جانتے تھے۔ نواحِ مدینہ میں ایک جاگیر ان کے نام ہبہ کر دی تھی۔ لیکن جب وفات آیا تو اس کے دوسرے وارثوں کی حق تلفی کا خیال کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: جانِ پدر" افلاس و امارت، دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے عزیز رہی ہو، (میری خواہش ہے کہ) جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے۔ اس میں اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو بھی شریک کر لو" اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کی وفات کے بعد جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی

یوں تو ہمیشہ سے مہمان نوازی اہلِ عرب کا شیوۂ خاص تھا، تاہم جب اسلام آیا، تو اس نے مہمان نوازی کو اخلاقِ حسنہ کی ایک اعلیٰ قدر کے درجہ تک بڑھا دیا، حضرت ابوبکرؓ اس میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک رات کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابوبکرؓ کے مہمان تھے، آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت فرمائی کہ میں بارگاہِ نبوتؐ میں جاتا ہوں، تم میری واپسی سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جو کچھ حاضر تھا۔ مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا، لیکن انہوں نے صاحبِ خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ دیر سے تشریف لائے اور یہ جان کر کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا "واللہ، میں اس کو آج کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔" لیکن بعد میں جب مہمانوں نے حقیقتِ حال کی وضاحت کی اور اصرار کیا کہ جب تک حضرت عبدالرحمٰنؓ کھانے میں شریک نہ ہوں گے وہ کھانا نہیں کھائیں گے، تو آپ کا غصہ فرد ہُوا اور دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت نازل ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھیج دیا۔

بخل سے نفرت

حضرت ابوبکرؓ بخل سے سخت نفرت کرتے تھے، ایک بار حضرت جابرؓ نے جب ان سے کہا کہ آپ مجھ کو دینے میں بُخل کرتے ہیں، تو آپ نے ان الفاظ کو تین بار دہرایا :

"تم کہتے ہو کہ آپ بُخل کرتے ہیں۔ بخل سے بڑھ کر کون بڑا مرض ہو سکتا ہے؟"

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اول خلفائے راشدین۔

شکر حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو فضیلتیں عطا فرمائی تھیں، آپ اُن کا ہر آن شکر ادا کرتے رہتے تھے، ایک بار امامت کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو صف میں کھڑے ہو گئے، اور حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لیے فرمایا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے نیت توڑ دی، ہاتھ اُٹھائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر پیچھے ہٹ کر صف میں شامل ہو گئے۔

رازداری دوستی کے لیے رازداری شرطِ اولین ہے اور سرورِ عالم صلعم کے رفیقِ خاص حضرت ابوبکرؓ میں یہ وصف نہایت شدت کے ساتھ نمایاں تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ آپس میں نہایت مخلص دوست تھے، تاہم حضرت عمرؓ کے مقابلہ پر آنحضرت صلعم کی دوستی کا پلّہ ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ، حضرت خنیسؓ بن حذافہ سہمیؓ کو منسوب تھیں۔ جو اصحابِ بدر میں تھے۔ اُن کا انتقال ہُوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہؓ سے آپ کا نکاح پڑھا دوں، انہوں نے فرمایا کہ فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا، وہ خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے تعلقات چونکہ ان سے بہت زیادہ تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر حضرت عمرؓ کو سخت صدمہ ہُوا، خود فرماتے ہیں "عثمانؓ کے انکار پر مجھ کو غصہ تھا، ابوبکرؓ کی خاموشی پر اس سے زیادہ غصہ آیا۔" چند روز بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے نکاح کا پیام دیا اور یہ مبارک تقریب انجام پائی۔ نکاح کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو میری خاموشی سے رنج ہُوا ہوگا؟ انہوں نے کہا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

> تمہاری درخواست کا جواب دینے میں جو چیز مجھ کو مانع ہوئی یہ تھی کہ آنحضرت صلعم اُن (حضرت حفصہؓ) کا ذکر فرما چکے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو فاش کرنا مناسب نہ سمجھا، اگر حضورؐ ارادہ فسخ کرتے تو میں اُن سے نکاح کر لیتا۔[1]

رقیق القلبی یہ رقتِ قلب اور لطافتِ طبع کا جوہر ہی تھا جو اکثر صحابہؓ کے قبولِ اسلام کا باعث بنا، لیکن حضرت ابوبکرؓ میں یہ جوہر اس قدر نمایاں تھا کہ انہوں نے حق کی پہلی ہی آواز پر اپنے تئیں اسلام کی دہلیز پر جھکا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر بلا تامّل اور بغیر جھجک کے لبیک کہا، آپ عموماً ہر بات کا شدت سے اثر قبول کرتے اور اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں جب آپ صحنِ خانہ کی مسجد میں بیٹھ کر قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور آپ کی اس قلبی کیفیت سے کفار تک متاثر ہوتے۔

واقعہ افک میں جب حضرت عائشہؓ نے رونا شروع کیا، تو حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ مرض الموت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جماعتِ صحابہؓ کا امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اُن کی اسی خصوصیت کی بنا پر یہ عذر پیش کیا

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزء المہاجرین۔

"ابوبکرؓ جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو اس قدر روئیں گے کہ قرأت کی آواز نہ سنائی دے گی۔"

حُبِّ رسولؐ

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ حبِّ رسولؐ ہے۔ قرآنِ حکیم نے ایمانِ کامل کا معیار یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جان و مال، اولاد، غرض تمام دنیاوی تعلقات پر غالب آجائے اور اس معیار پر حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی شخص پورا نہیں اتر سکتا۔ رفاقتِ غار اور غزوات کے واقعات حبِّ رسولؐ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

انسان کے لیے مال نہایت محبوب چیز ہے، مگر حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال رسولِ خدا صلعم کے قدموں پر نثار کر دیا اور اپنے لیے خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کے سوا کبھی کچھ نہ رکھا۔ اسی طرح اولاد سب کو عزیز ہوتی ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر اولاد کوئی وقعت نہ رکھتی تھی، حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی نہایت محبوب صاحبزادی تھیں اور ازواجِ مطہرات میں داخل تھیں تاہم غزوہ مریسیع میں جب اُن کا ہار گم ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تلاش میں قیام فرمانا پڑا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو سخت تنبیہ کی، پسلی میں انگلیاں کونچیں اور سینہ پر دھکا مارا کہ رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو تم نے کیوں روکا؟[1]

افک کے واقعہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر میکے آئیں تو حضرت ابوبکرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ ان کے رکنے سے حضورؐ کو ملال ہوگا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ رسولِ خدا صلعم اس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف بہت کم نظرِ کرم فرماتے تھے، وہ اس تبدیلی کو محسوس کرتیں تو انہیں سخت تکلیف ہوتی اور چونکہ آپ پہلے سے بیمار تھیں اس واقعہ نے بیماری میں اور اضافہ کر دیا تھا، وہ ماں باپ کے پاس بڑی اُمیدیں لے کر آئی تھیں کہ وہ میری حمایت کریں گے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے تمام حالات سُن کر نظریں بدل لیں اور فرمایا:۔

"بیٹی میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تو اپنے گھر کو واپس جا۔"

پھر جب آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ سے گفتگو فرمائی، تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ آپ میری طرف سے جواب دیجئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے صاف الفاظ میں فرمایا:

"میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلعم کو کیا جواب دُوں۔"

یہ حضرت ابوبکرؓ کی اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلعم جس قدر ان کے مکان میں تشریف لاتے تھے کسی کے مکان میں نہ جاتے تھے۔ مدینہ میں حضرت ابوبکرؓ کا مکان کاشانۂ نبوی سے کئی میل دُور تھا۔ اس لیے مجبوری تھی، مگر مکہ میں یہ حال تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق:

"کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ رسول اللہ صلعم صبح یا شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔"

حُبِّ اہلِ بیت

حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور عزیز و اقارب سے نہایت محبت رکھتے تھے اور ان کو اپنے عزیز و اقارب پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ کا عام قول تھا۔

"اہلِ بیت کے متعلق محمد صلعم کا لحاظ کرو۔"

حضرت علیؓ نے بیعت کرنے کے لیے جب ابوبکرؓ کو اپنے مکان پر بلایا اور آنحضرت صلعم کی قرابت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے ۔

[1] سیر الصحابہؓ، جلد اول، جزو مہاجرین

رت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے سلوک کرنے میں مجھ کو رسول اللہ صلعم کے قرابتی اپنے اقربا سے زیادہ محبوب ہیں۔"

ایک بار نمازِ عصر پڑھ کر جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا، آپ نے اُن کو کاندھے پر اُٹھا

در فرمایا:

"میرا باپ قربان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہو، علیؓ کے مشابہ نہیں ہو۔"

حضرت علیؓ نے سُنا تو ہنس پڑے۔

حُبِ اہلِ بیت کے ضمن میں مطالبۂ میراث کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو قطعی گوارا نہ تھا کہ حضرت فاطمہؓ اُن ناراض ہوں، مگر ارشادِ نبوت کے احترام کے باعث آپ نے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا چنانچہ اس موقع پر فرمایا:

"مجھے خوف ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ذرہ برابر بھی چھوڑا تو کج ہو جاؤں گا۔"

ظاہر ہے کہ آپ کا فیصلہ حبِ اہلِ بیت کے منافی نہیں تھا، بلکہ حبِ اہلِ بیت کے مقابلہ پر ارشادِ رسولؐ کو ترجیح دینے کا تھا پ کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔

عہدِ صدیقیؓ پر مختصر تبصرہ

حضرت ابوبکرؓ صدیق تعلیم اسلام کے زندہ پیکر اور اخلاقِ نبویؐ کی مجسم تصویر تھے، آپ کے دور کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے سوا دو سال کی قلیل مدتِ خلافت میں ایسا کوئی کام ن کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نہ ہوا ہو، آپ نے اس مختصر مدت میں اسلام اور مسلمانوں کی وہ گرانقدر خدمات انجام کہ قیامت تک ان کے نقوش محو نہیں ہو سکتے، رسول خدا صلعم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمع اسلام کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا۔ مزید جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے۔ انہوں نے اسلام کے ایک رکنِ عظیم زکوٰۃ دینے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت نے علاقۂ عرب کے مختلف اطراف سے اپنی صدائیں بلند کرکے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔ ان حالات میں حضرت ابوبکرؓ کی کی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال نے وہ کام کیا جو کسی دوسرے سے ممکن نہ تھا۔ آپ عابہؓ کی مختصر جماعت ساتھ لی اور تمام عرب کو اپنی روحانی اور مادی طاقت سے مغلوب کیا۔ ارتداد کا فتنہ فرو ہو گیا، مدعیانِ نبوت ایک ایک اپنے انجام کو پہنچے اور اسلام کی آواز ایک بار پھر ملک کے گوشہ گوشہ میں گونجنے لگی۔

لاریب حضرت ابوبکرؓ کی عدیم النظیر کامیابیوں میں اُن کے ذاتی اوصاف اور تلاشِ حق کے لیے اس جذبۂ صادق کو بھی دخل تھا۔ نے حق کی پہلی ہی آواز پر انہیں اسلام کی دہلیز پر جھکا دیا اور شمعِ رسالتؐ کا پروانہ بنا دیا تھا لیکن سب سے بڑا دخل پیغمبر خاتمؐ کی بت کا ہے جو متواتر تیئیس سال تک ان کو حاصل رہی اسی وجہ سے مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی عظمت کلیۃً رسول اللہ للہ علیہ وسلم کی صحبت کی رہینِ منت ہے کیونکہ جہاں اس پاک صحبت نے انہیں اسلام کی لازوال محبت عطا فرمائی، وہاں ان میں وہمت، ثبات و استقلال اور فہم و بصیرت کی وہ شمع بھی روشن کی جس نے ہر آزمائش میں اُن کے ارادوں کو مضبوط اور ہر ابتلا کے وقت یقین و ایمان کو مستحکم رکھا۔

حضرت ابوبکرؓ اگر تاریخِ اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ تھے تو اس لحاظ سے بھی ان کو اولیت کا شرف حاصل ہے کہ انہیں آنحضرت صلعم کے مبارک عہد سے بالکل متصل زمانہ ملا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آواز ابھی کانوں میں گونج رہی تھی، رسول اللہ صلعم کے طرزِ عمل کو دیکھنے اور ارشادات و فرمودات کو سننے والے ابھی زندہ تھے۔ قرآن حکیم یا تو حفاظ کے سینوں میں موجود تھا یا کھجور کے پتوں اور شانے کی ہڈیوں پر لکھا ہوا، وحی و الہام کے سلسلہ کو ختم ہوئے بھی کوئی خاص عرصہ نہیں گزرا تھا، مدینہ منورہ میں زندگی مستقلاً اسلامی سانچے میں ڈھلنے کے لیے کروٹیں لے رہی تھی۔ اسلامی مملکت اپنی توسیع کے لیے پر تول رہی تھی اور مجاہدین کے قدم آگے بڑھنے کے لیے بیقرار تھے کہ ان سب امور کو تکمیلی مراحل طے کرانے کے لیے سب سے بڑے مزاج شناس رسولؐ کی قیادت میسر آگئی اور مسلمانوں نے رسولِ خدا صلعم کے بعد اپنے میں سے برگزیدہ و محترم ہستی کے ہاتھ میں اپنے ارادوں اور عزائم کی عنان دے کر پیغمبرِ خاتمؐ کی عظمت کو محفوظ کرلیا، پھر جو کچھ جس طرح بھی پیش آیا۔ اس میں اسلام کی وہی ممدوح کار فرما تھی جس کا عملی تجربہ اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں کرچکے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کا دامنِ عظمت ایسے کارناموں سے بھرا ہوا ہے جن پر تاریخِ اسلام جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ فتنۂ ارتداد کی بیخ کنی، منکرینِ زکوٰۃ کی سرزنش اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سرکوبی جیسے کارنامے آپ کی جلالتِ شان کے زندہ ثبوت ہیں، پھر ان سے بھی بڑھ کر تدوینِ قرآن، احیائے سنت، بدعات کا تدارک اور اتباعِ رسولؐ کے لیے آپ کی سعی و کاوش نے یقیناً آپ کو نائبِ رسولؐ کی حیثیت سے ہمیشہ کے لیے سربلند کردیا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے کام خلیفۂ دوم کے عہد میں انجام پائے، مہماتِ امور کا فیصلہ ہوا۔ یہاں تک کہ روم و ایران کی قدیم سلطنتوں کے دفتر اُلٹ گئے تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں اُلوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ اور اس عظیم الشان خلافت کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا جو تاریخِ عالم میں خلافتِ راشدہ کے نام سے مشہور ہے؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف حضرت ابوبکرؓ کا نام نامی ہی لیا جاسکتا ہے اور ان تمام عظمتوں کا رُخ متعین کرنے کے لیے اُنہی بنیادوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے جو عہدِ صدیقی رضؓ میں استوار ہوئیں اور جن پر عہدِ فاروقی رضؓ میں اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظامِ خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی، خود ان کا انتخاب بھی جمہور کی اتفاقِ رائے سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے۔ سب میں کبار صحابہؓ کی آراء اور مشوروں کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ ابنِ سعدؒ کی تصریح کے مطابق جب کوئی معاملہ پیش آتا، حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے صحابہؓ سے مشورہ کرتے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہؓ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کی مجلسِ مشاورت طلب کرتے تھے۔

حکام کے انتخاب میں احتیاط

حضرت ابوبکرؓ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے اور ہمیشہ ان بزرگوں کا انتخاب فرماتے تھے جو درس گاہِ نبوت کے تربیت یافتہ ہوتے تھے۔ آپ نے عہدِ رسالتمآبؐ کے تمام حکام کو اُن کے عہدوں پر قائم رکھا۔ مثلاً عہدِ نبوتؐ میں مکہ پر حضرت عتاب بن اسیدؓ، طائف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاصؓ، صنعا پر حضرت مہاجر بن اُمیہؓ، حضرموت پر حضرت زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر حضرت علاء بن الحضرمیؓ مامور تھے۔ آپ نے نہ صرف

اسی حضرات کو ان مقامات پر برقرار رکھا بلکہ نئے حکام کے انتخاب میں بھی اسی اصول کو پیش نظر رکھا، آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو کوئی ذمہ دار عہدہ تفویض کرتے تو عملاً یا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے، چنانچہ جب حضرت ولیدؓ بن عتبہ کو قبیلۂ قضاعہ پر محصل صدقات بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔

خلوت و جلوت میں خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے، وہ اس کے لیے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے، بے شک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایسی راہ پر ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس پر مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت منحصر ہے، اس لیے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا۔[1]

اسی طرح حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کی مہم سپرد کی تو فرمایا:

"اے یزید، تمہاری قرابت داریاں ہیں، شاید تم ان کو اپنی قرابت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔"[2]

حکام کی نگرانی کسی حکومت کا قانون و آئین کتنا ہی مرتب و منظم کیوں نہ ہو، جب تک اس کو چلانے والوں کی نگرانی و احتساب کا اہتمام نہ ہو، تمام نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باوجود فطری نرم دلی اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر سخت رویہ اختیار کرنا پڑا، ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت آپ کا شیوہ خاص تھا لیکن مذہب اور انتظام ملکی میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے۔ یمامہ کی جنگ میں مسیلمہ کذاب کے سپہ سالار مجاعہ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو دھوکا دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجۂ اقتدار سے بچا لیا۔ حضرت خالدؓ نے مجاعہ کو اس غداری کی سزا دینے کی بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی، چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت خالدؓ کا یہ عمل آپؓ کو سخت ناگوار گزرا، چنانچہ آپ نے حضرت خالدؓ کو ایک سخت خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے طبری کے قول کے مطابق خون ٹپکتا تھا، آپ نے تحریر فرمایا:

"اے خالدؓ بن ولید! تمہیں کیا ہوا؟ تم عورتوں سے نکاح کرتے پھرتے ہو حالانکہ تمہارے خیمہ کے سامنے بارہ سو مسلمانوں کا خون زمین پر پھیلا ہوا ہے جس کے خشک ہونے کی نوبت نہیں آئی۔"[3]

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا، حضرت خالدؓ بن ولید اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے، لیکن انھوں نے زبانی ہدایت سے

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین۔ [2] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین [3] ابوبکرؓ، صدیق اکبرؓ، مؤلفہ محمد حسین ہیکل۔

پہلے ہی اسے قتل کر ڈالا، مالک کا بھائی متمم بن نویرہ شاعر تھا۔ اس نے نہایت پُر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا۔ مگر حضرت خالدؓ نے محض عداوت کی بناء پر اُسے قتل کر دیا۔ جب اس کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو پہنچی تو آپ نے حضرت خالدؓ کو میدانِ جنگ سے واپس بلایا اور ان کی اس فعل پر سرزنش کی

مالی انتظام

عہدِ نبوتؐ میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی۔ عہدِ صدیقی میں اگرچہ زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا تاہم حضرت ابوبکرؓ نے کوئی خزانہ قائم نہ کیا بلکہ عہدِ رسالت مآبؐ کے انتظام کو برقرار رکھا، اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق آزاد و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ، مرد اور عورت عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا، چنانچہ خلافت کے پہلے سال حضرت ابوبکرؓ نے دس دس درہم اس اصول کے تحت تقسیم کیے، دوسرے سال بیس بیس درہم مرحمت فرمائے۔ اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا، تو فرمایا:

"فضل و منقبت اور شے ہے، اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں۔"

آخر عہدِ خلافت میں آپ نے بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی، لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی لیے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں مقرر نہیں فرماتے؟ جواب دیا، اس بیت المال کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے، اکثر ایسا ہوتا کہ رقم تقسیم کرنے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے، اور یہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ کو ساتھ لے کر بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

فوجی نظام

عہدِ نبوتؐ میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا جب ضرورت پیش آتی، تو مسلمان خود ہی جوشِ جہاد جمع ہو جاتے تھے۔ عہدِ صدیقیؓ میں بھی یہی صورتِ حال قائم رہی، البتہ اتنا اضافہ ضرور ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج قبائل اور دستوں پر تقسیم کر دی گئی تھی ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی، اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا۔

فوجوں کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لیے مفید ہدایات فرماتے تھے، چنانچہ ملکِ شام پر فوج کشی ہوئی تو افسرانِ فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں:

> "تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری یا اُونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔"

حضرت ابوبکرؓ نے سامانِ جنگ کی فراہمی کے لیے یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی۔ اس کا ایک معقول حصہ فوجی اخراجات کے لیے علیحدہ نکال لیتے تھے، جس سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدتے تھے، مزید جہاد کے اونٹوں اور گھوڑوں کی

پرورش کے لیے بعض چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، اس لیے حضرت ابوبکرؓ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے، چنانچہ عہد رسالت میں ان کے جو حقوق متعین ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی اُن کو وہی حقوق حاصل رہے، اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اُس کے الفاظ یہ تھے،

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلے میں قلعہ بند ہوتے ہوں، ناقوس (اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے۔"[1]

جزیہ کی شرح اگرچہ نہایت آسان تھی۔ تاہم اس میں سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے، باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت بیت المال کے ذمہ تھی

تحفظِ دین

تاریخ ادیانِ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصل وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزوِ مذہب ہو کر ایسی صورت اختیار کر لیتی ہیں کہ مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیوں میں امتیاز و تفریق بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں اگرچہ ایسی صورت کم ہی پیش آئی تاہم جب کسی بدعت کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر آیا۔ فوراً اس کا تدارک فرما دیا۔ اس میں احتیاط کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ کتابی صورت میں قرآن حکیم کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ اسی طرح حج کے موقعہ پر آپ کو معلوم ہوا کہ قبیلہ احمس کی ایک عورت اس وجہ سے کسی سے گفتگو نہیں کرتی کہ اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن کر آپ اُس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو۔"

اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے، "ابوبکرؓ"

خدمت حدیث

قرآن حکیم کے متفرق اجزاء کی تدوین کے علاوہ ایک روایت کے مطابق، آپ نے پانچ سو احادیث بھی جمع فرمائی تھیں، لیکن وفات سے کچھ دن پہلے اسے ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلافِ واقعہ ہو اور اس کی ذمہ داری ان کے ذمہ رہ جائے، چنانچہ احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے اور جب کبھی کسی روایت کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی تھی تو بغیر کسی پس و پیش کے اسے قبول فرما لیتے تھے۔

اہل سیر کے مطابق دربارِ خلافت میں ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا۔ قرآن حکیم چونکہ اس بارہ میں خاموش ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ موجود تھے۔ انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے، اس پر احتیاطاً پوچھا "کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو؟" حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے ہو کر حضرت مغیرہؓ کے بیان کی تصدیق کی، چنانچہ آپ نے اُسی وقت حکم نافذ کر دیا۔

---

[1] کتاب الخراج

محکمہ افتا حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسائلِ فقہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے پیش نظر افتا کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جیسے صحابہؓ جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہؓ میں منتخب تھے اس خدمت پر معتبر تھے، ان کے علاوہ کسی دوسرے کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔

تین چیزوں کی تمنا مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے کہ جو چیزیں مجھ سے چھوٹ گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

- کاش کہ جب اشعث میرے سامنے لایا گیا تھا میں اس کی گردن مار دیتا، کیونکہ بعد میں میں نے دیکھا کہ جو برا کام اس کو نظر آتا ہے وہ اس کا معاون بن جاتا ہے۔
- کاش کہ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو شام کی طرف بھیجا تھا اس وقت حضرت عمرؓ کو عراق کی طرف بھیج دیتا اور اس طرح اپنے دونوں ہاتھ راہِ خدا میں پھیلا دیتا (یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے)
- کاش کہ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو مرتدین کے مقابلہ پر روانہ کیا تھا۔ اس وقت میں ذی القصہ میں جا کر قیام کرتا۔ اگر مسلمان فتح یاب ہوتے تو بہتر الصورت دیگر میں مقابلہ کے درپے ہوتا یا معاون بن جاتا۔[1]

تین چیزیں آنحضرت صلعم سے پوچھنے کی آرزو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

- کاش میں حضورؐ سے پوچھ لیتا کہ یہ امارت کسے ملنی چاہیے تاکہ پھر کسی کو نزاع کا موقع نہ ملتا۔
- کاش میں حضورؐ سے پوچھ لیتا کہ کیا انصار کے لیے اس حکومت میں کچھ حصہ ہے۔
- اور کاش میں آپؐ سے بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے متعلق دریافت کر لیتا، کیونکہ میرے دل میں اس بارہ میں بے اطمینانی ہے۔[2]

علمی کمالات۔ خطابت حضرت ابوبکرؓ نے اگرچہ کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا۔ تاہم دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی اور فطری جودتِ طبع کی بنا پر آسمانِ فضل و کمال پر مہرِ درخشاں ہو کر چمکے، آپ فصاحت و بلاغت میں حد درجہ کمال رکھتے اور صحابہؓ میں سب سے بڑے خطیب تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ میں بلاغت کے ساتھ ساتھ متانت، سنجیدگی اور وقار پایا جاتا تھا اور آپ اس قدر برجستہ تقریر کر سکتے تھے کہ بڑے بڑے بلغاء حیران رہ جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ خطیب تھے، تاہم جب سقیفہ بنو ساعدہ میں خطبہ دینے کے لیے آمادہ ہوئے تو چند بلیغ جملے سوچ لیے اور اس خیال سے عجلت کرنی چاہی کہ کہیں حضرت ابوبکرؓ اپنی تقریر میں ان جملوں کو ادا نہ کر دیں، لیکن جب ابوبکرؓ نے انہیں روک کر تقریر شروع کی تو حضرت عمرؓ نے خود اعتراف کیا۔ حضرت ابوبکرؓ ایسا بولے جیسے بہت بڑا بلیغ شخص بول سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خاص خاص موقعوں پر معرکۃ الآراء تقاریر کے علاوہ، عام تقریریں بھی نہایت پُر اثر

---

[1] تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ [2] ایضاً

ہوتی تھیں، دورانِ تقریر میں آپ پر اکثر رقت طاری ہو جاتی اور سننے والے بھی اس تاثیر سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے، ایک تقریر کے چند فقرے یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے ان کی دعوت اور کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"آج وہ حسین اور روشن اور وفورِ شباب سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کو بسانے والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے غالب آنے والے مردِ میدان شور سے کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان کی قوتیں پست کر دیں، اور اُن کے بازو توڑ دیے اور قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے لیے سو گئے۔"[1]

طرزِ ادا حضرت ابو بکرؓ کی طرزِ ادا نہایت بلیغ تھی اور اُس کا اثر لوگوں پر شدت سے پڑتا تھا، وفاتِ نبوی کی خبر صحابہؓ کے کانوں کو ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھی، لیکن جب حضرت ابو بکرؓ نے اس کو بلیغ پیرایہ میں ادا کرتے ہوئے فرمایا:

"ہاں جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلعم انتقال فرما گئے، اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ خدا زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔"

تو صحابہؓ کی حالت یہ ہوئی کہ "چیخ چیخ کر رونے لگے۔" اور سب کو آنحضرت صلعم کی وفات کا یقین ہو گیا۔

تعبیر خواب کی تعبیر میں حضرت ابو بکرؓ کو خداداد ملکہ تھا۔ اس فن میں آپ نے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ آپ کو سب سے بڑا معبّر سمجھتے اور اپنا اپنا خواب بیان کرکے تعبیر پوچھا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت خالدؓ بن سعید نے قبولِ اسلام سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والدین ان کو اس میں جھونک رہے ہیں، اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور ان کو کمر سے پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے ان کا خواب سُن کر فرمایا "خالدؓ تمہیں اس کے ذریعہ سے راہِ حق کی ہدایت کی گئی ہے، تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے لیکن آنحضرت صلعم کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی۔"

حضرت عائشہؓ صدیقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرے میں گرتے ہوئے دیکھے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ اس وقت تو خاموش رہے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور وہ ان کے حجرہ میں مدفون ہوئے تو فرمایا "عائشہؓ، یہ تمہارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے۔"

نسب دانی علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، اس زمانہ کا بڑا مایۂ ناز علم تھا اور حضرت ابو بکرؓ اس میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس میں آپ کو وہ رُتبہ حاصل تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعتراف فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ازواجِ مطہرات نے حضرت زینبؓ بنتِ جحش کو وکیل بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھیجا کہ

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین

حضرت عائشہ رضؓ کے معاملہ میں عدل سے کام لیں، انہوں نے نہایت بلند آہنگی سے اپنے مقصد کا اظہار کیا حضرت عائشہ رضؓ بیٹھی تھیں اُن پر حملے شروع کیے، یہاں تک کہ سخت گفتگو کی نوبت آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مرضی پاکر اس قدر مدلل تردید کی کہ حضرت زینبؓ خاموش ہو کر رہ گئیں، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا ”کیوں نہ ہو آخر ابو بکر رضؓ کی بیٹی ہے“

حضرت ابو بکر رضؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا، آغازِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے، تو عموماً حضرت ابو بکر رضؓ بھی ساتھ ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث حضورؐ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

شاعری

شاعری اہلِ عرب کی عام خصوصیت تھی اور حضرت ابو بکر رضؓ بھی اس وصف سے خالی نہ تھے۔ ابتدا میں آپ کو شاعری کا ذوق بھی تھا، مگر اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا اور صرف ایسے اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی جس میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا، تاہم کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظمِ موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد جب مدینہ میں قیام کیا اور بخار میں مبتلا ہوئے تو یہ شعر زبان پر جاری تھا۔

كل امرى مصبح فى اهله والموت ادنى من شراك نعله

(یعنی) صبح کے وقت گھر کے لوگ آدمی کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

یہ شعر اس وقت پڑھتے جب بخار چڑھا تھا۔

امامت و اجتہاد فقاہت

تمام علومِ اسلامیہ کا مرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ حضورؐ کے بعد یہ درجہ حضرت ابو بکر رضؓ کو حاصل ہوا جو صحابہؓ میں سب سے زیادہ پیغمبرِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں رہے تھے۔

امامت و اجتہاد کے لیے سب سے ضروری شرط فقاہت ہے اور اس وصف میں حضرت ابو بکر رضؓ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ رحلت سے ایک دو دن قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”خدا نے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت میں) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔“[1]

تو حاضرین اس ارشادِ نبوت سے کوئی نتیجہ نہ نکال سکے، بلکہ یہ خیال کرتے رہے کہ حضورؐ تو کسی شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ رو پڑے، کیونکہ رازدارِ نبوتؐ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ موت کی طرف

---

[1] سیرۃ النبی حصہ دوم

اشارہ ہے، اسی بناء پر حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں :-

"اور ابوبکر رضؓ ہم سب میں سے زیادہ عالم تھے۔"

علمِ تفسیر

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو چونکہ سفر و حضر، خلوت و جلوت، جنگ و صلح غرض ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل تھا اور آپ تمام امور میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیرِ خاص تھے۔ اس لیے اسلامی علوم و فنون میں بھی قدرۃً آپ کا پایہ سب سے بلند تھا۔ کلامِ الٰہی اسلام کا اصل الاصول ہے اور حضرت ابوبکر رضؓ اس سے غیر معمولی شغف کے باعث عموماً رسول خدا صلعم سے آیات قرآن کی تفسیر پوچھا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ ہر آیت کے شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے اور آیاتِ قرآن سے استدلال، استنباطِ احکام اور تفریعِ مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ نے جو تقریر فرمائی اور اس میں برجستہ قرآن حکیم کی آیت

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط

یعنی محمدؐ صرف رسولؐ ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہوں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے،

(آلِ عمران آیت ۱۴۴)

سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے تو یکایک لوگوں کے ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے موجود ہی نہ تھی۔

خلافتِ صدیقی پر اشاراتِ نبویؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ صراحۃً کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنایا تھا، تاہم حضورؐ نے متعدد بار جو عظمتیں حضرت ابوبکر رضؓ کو بخشیں اُنہیں ذیل میں حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کے متعلق اشارات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

- حضورؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو غار کی رفاقت کے لیے منتخب فرمایا اور ہجرت میں ساتھ رکھا۔
- مدینہ میں داخلہ کے وقت وہ حضورؐ کے اونٹ پر آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور مشترک طور پر جلوس نکل رہا تھا۔
- غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر رضؓ اس قبہ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ موجود تھے جو حضورؐ کے لیے بنایا گیا تھا۔
- سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد سرایا پر ان کو امیر بنایا۔
- ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب بیان فرمایا کہ میں ایک حوض پر لوگوں کو پانی پلا رہا ہوں پھر ابوبکر رضؓ آئے، اُنہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا اور ایک یا دو ڈول کھینچے، اُن کے کھینچنے میں کمزوری پائی جاتی تھی، خدا اُن کی مغفرت کرے۔
- ایک بار حضور سرورِ دو عالم صلعم کی خدمت میں ایک عورت آئی، آپؐ نے فرمایا، پھر آنا، وہ بولی، اگر میں آؤں اور آپؐ نہ ملیں (یعنی وفات پا جائیں) ارشاد ہوا، اگر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو ابوبکر رضؓ کے پاس آنا۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضؓ کو امیر الحاج کا منصب عطا فرمایا۔

- حضورؐ نے اپنے زمانۂ علالت میں انہیں باضابطہ امام نماز مقرر فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں سترہ نمازوں کی امامت کی۔
- زمانۂ علالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں حضرت ابوبکرؓ کو اپنا اسلامی بھائی فرمایا اور ان کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔
- آغاز علالت میں حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے یہ بھی ارشاد فرمایا:-

"میں نے ارادہ کیا تھا کہ ابوبکرؓ اور اُن کے بیٹے کو بلا کر خلافت کی وصیت کر دوں۔ شاید کوئی متمنی یا آرزو مند پیدا ہو جائے، لیکن پھر میں نے کہا کہ خود خدا اور مسلمان (حضرت ابوبکرؓ کے سوا) کسی کو پسند نہ کریں گے۔" [1]

اِن واقعات کو صحابہ کرامؓ چونکہ خلافت کے اشارات سمجھتے تھے، اس لیے جب انتخاب کا وقت آیا، تو مسلمانوں نے بغیر کسی تذبذب اور پس و پیش کے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۂ رسولؐ تسلیم کر لیا اور مکمل اعتماد و یقین کے ساتھ اپنے معاملات کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جامع المناقب

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"جو شخص ایک جوڑا راہِ خدا میں خرچ کرے گا، اس کو جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی کہ اے خدا کے بندے یہ نیکی ہے، جو شخص نماز گزار ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا، جو مجاہد ہوگا، باب الجہاد سے بلایا جائے گا جو روزہ دار ہوگا باب الریان سے بلایا جائے گا اور جو مخیر ہوگا اس کو باب الصدقہ سے آواز دی جائے گی۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے بارگاہِ رسالتمآبؐ میں عرض کیا:

"جو ایک ہی دروازے سے بلایا جائے۔ اس کو بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی، لیکن کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے، جو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:-

"ہاں، اور مجھے اُمید ہے کہ تم انہی لوگوں میں ہوگے۔" [2]

یہ وہ شرفِ عظیم ہے جو صحابۂ کرامؓ میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نماز گزار، مجاہد، روزہ دار اور مخیر ہونے کا اپنی زبان مبارک سے اعتراف فرمایا۔ نماز، جہاد، روزہ اور خیرات مذہبی اعمال میں سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں اور جو شخص ان چاروں چیزوں کا جامع ہے وہ یقیناً اسلام کی تعلیمات کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزو المہاجرین۔ [2] ایضاً

سیدنا حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب اور خاندان

آپ کا نام عمرؓ، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق تھا، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ بنتِ ہاشم بن مغیرہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، حضرت عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ عدی کے دوسرے بھائی مرّہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں، اس بنا پر حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں آنحضرت صلعم سے جا کر مل جاتا ہے۔

تاریخِ اسلام میں حضرت عمرؓ کا خاندان بنو عدی کے نام سے مشہور ہے جو قریش کی ایک شاخ تھے۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے۔ اس لیے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ ان کو مذہبی سیادت بھی حاصل تھی، چنانچہ انہوں نے تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ کے پیشِ نظر کعبہ کے انتظام و انصرام کو دس صیغوں میں تقسیم کر کے اپنے ہی خاندان کی دس ذیلی شاخوں یعنی ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح اور سہم کے سپرد کر رکھا تھا، ان صیغوں میں سفارت اور ثالثی کا صیغہ بنو عدی کے پاس تھا، جس کی وجہ سے یہ خاندان ایامِ جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا اور نسلاً بعد نسلٍ یہ امتیاز حضرت عمرؓ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ ددھیال کی طرح حضرت عمرؓ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ حنتمہ[1] ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے جنگ آزمائی کے لیے جاتے تو فوج کا اہتمام انہی سے متعلق ہوتا تھا۔

ولادت اور ابتدائی حالات

مؤرخینِ اسلام کی تصریح کے مطابق حضرت عمرؓ ہجرتِ نبویؐ سے چالیس؟ سال قبل پیدا ہوئے، ایامِ طفولیت کے حالات اگرچہ پردۂ اخفا میں ہیں اور سنِ رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں، تاہم تذکروں میں اتنا ذکر ضرور ملتا ہے کہ اس عمر میں اونٹوں کے چرانے کی خدمت آپ کے سپرد تھی اور آپ کے والد خطاب اس ضمن میں آپ سے بہتر سلوک نہ کرتے تھے، آپ پورا پورا دن اونٹ چراتے رہتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو خطاب سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام ضجنان تھا، خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ اس میدان سے آپ کا گزر ہوا تو مصیبت کے اُن بیتے دنوں کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"اللہ اکبر، ایک زمانہ وہ تھا کہ میں نمدہ کا کُرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ سے مار کھاتا، آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی اور حاکم نہیں[2]"۔

---

[1] حنتمہ حضرت خالدؓ بن ولید بن مغیرہ کی چچازاد بہن تھیں۔ [2] الفاروق مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی۔

جوانی کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے اور لازمۂ شرافت خیال کیے جاتے تھے[1]۔ ان میں نسب دانی، پہلوانی، سپہ گری اور مُقرّری سرِ فہرست تھیں، حضرت عمر رضؓ نے ان مشغلوں میں مہارت پیدا کی اور شاہسواری میں خصوصیت سے کمال حاصل کیا۔ اس زمانہ میں آپ نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا، چنانچہ آپ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو ایامِ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

اِن فنون سے فارغ ہونے کے بعد آپ تلاشِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں چونکہ لوگوں کا ذریعۂ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لیے آپ نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اس سلسلہ میں دُور دُور کے ممالک کا سفر کیا۔ اس سے آپ کو بڑے تجربات اور فوائد حاصل ہوئے۔ چنانچہ آپ کی خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی انہی سفروں کا نتیجہ تھی اور یہی وہ اوصاف تھے جن کے باعث قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ مورخین کے مطابق جب کبھی قبائل میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے اور اپنے غیر معمولی تجربہ اور فہم و تدبّر سے ان پیچیدگیوں کو رفع کر دیتے۔

قبولِ اسلام

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور مکہ کی گھاٹیوں سے صدائے توحید بلند ہوئی اس وقت حضرت عمر رضؓ ستائیس سال کے تھے، یہ آواز چونکہ حضرت عمر رضؓ کے لیے بالکل نامانوس تھی، اس لیے آپ سخت برہم ہوئے اور جس کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے اُس کے دشمن بن جاتے، آپ کے خاندان کی ایک کنیز جن کا نام لبینہؓ تھا اُس کو قبولِ اسلام کی وجہ سے اس قدر مارتے، کہ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا، اُن کے سوا اور جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہ کرتے تھے۔

تاریخ و سیر کی کتابوں میں اگرچہ حضرت عمر رضؓ کے اسلام لانے کی تفصیلات میں اختلاف ہے، تاہم ایک مشہور واقعہ جس کو اربابِ سیَر نے بالوضاحت لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانیٔ اسلام کا قصہ پاک کرنے کا فیصلہ کیا اور کمر سے تلوار باندھ کر سیدھے کاشانۂ نبوت کی طرف چل دیے، راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، انہوں نے حضرت عمر رضؓ کے تیور دیکھ کر پوچھا "خیر تو ہے"؟ بولے "محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا "پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"[2]۔ یہ سُن کر فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ قرآنِ حکیم پڑھ رہی تھیں، اُن کی آہٹ پاکر چُپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے لیکن آواز چونکہ ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، اس لیے بہن سے پوچھا: "یہ کیسی آواز تھی" انہوں نے کہا کچھ نہیں، بولے، میں سُن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے" اور جب آپ کی بہن فاطمہ اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آئیں تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ ایسی حالت میں اُن کی زبان سے نکلا "عمرؓ جو بن آئے کر لو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"[2]۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے جسم سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت طاری ہوئی، فرمایا "تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سُناؤ"۔ فاطمہ بنت الخطاب نے قرآن کے اجزا

---

[1] الفاروق مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی [2] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین۔

لاکر سامنے رکھ دیئے آپ نے اپنی بہن کی درخواست پر وضو کر کے اجزا اُٹھا کر کھولے تو یہ سورۃ تھی :۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (سورہ الحدید آیت ۱) زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے :

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ سورہ الحدید آیت ۱۱ ۔ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اُٹھے :

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ ارقم میں پناہ گزین تھے، جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا، حضرت عمر رضؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے اس لیے صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہ جیسے مرد جری نے کہا "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا"۔ حضرت عمر رضؓ نے قدم آگے رکھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کر فرمایا "کیوں عمر رضؓ کس ارادے سے آئے ہو" نبوتؐ کی پُرجلال آواز نے انہیں کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی "ایمان لانے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ رضؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں لہ

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دیگر محدثین نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے اگر فرق ہے تو صرف اس قدر کہ بعض کے نزدیک قرآن کے اجزا کھولتے وقت سورہ الحدید کی مندرجہ بالا آیت سامنے آئی تھی اور بعض کے مطابق سورہ طٰہٰ کی یہ آیت

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۱۴) میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں، تو مجھ کو پوجا اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو۔

مؤرخین نے حضرت عمر رضؓ کے قبول اسلام کے متعلق یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان کا اسلام لانا دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا نتیجہ تھا جو آپؐ نے خصوصیت سے ابوجہل اور حضرت عمر رضؓ کے متعلق فرمائی تھی۔ یعنی خدایا، اسلام کو ابوجہل یا عمرؓ بن الخطاب سے معزز کر، لیکن یہ دولت چونکہ قسام ازل نے حضرت عمر رضؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی، اس لیے ابوجہل محروم رہا، بہر کیف سرور دو عالم صلعم کی اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور جانثار بن گیا، یعنی حضرت عمر رضؓ کا خالی دامن دولت ایمان سے بھر گیا اور وہ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہمیشہ کے لیے معزز و محترم ہو گئے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ)

حضرت عمر رضؓ کے اسلام لانے کا واقعہ نبوتؐ کے چھٹے سال کا ہے، تمام مؤرخین اس حقیقت کے برملا معترف ہیں کہ حضرت

لہ سیرۃ النبی، جلد اوّل۔

عمرؓ کے ایمان لانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اس واقعہ سے تین روز قبل اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم قریش مکہ کے ڈر سے مسلمان علانیہ اپنے مذہبی فرائض ادا نہ کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ ہی یہ حالت دفعتہً بدل گئی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، بلکہ مشرکین کو جمع کرکے باآوازِ بلند اپنے ایمان کا اقرار کیا جس پر مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے اور شدت پر اُتر آئے۔ حضرت عمرؓ برابر ثابت قدمی کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آپ نے کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ باطل کے مقابلہ پر حق سر بلند ہوا، کفر کی بنیادیں ہل گئیں اور شرک کو پیغامِ موت ملا۔ حضرت عمرؓ کے لیے اس سے بڑھ کر کیا فخر ہو سکتا ہے کہ آپ کا اسلام اعلاءِ کلمۃ اللہ، غلبۂ ایمان، نصرتِ توحید، اشاعتِ حق اور ازالۂ کفر کا سبب ثابت ہوا اور آپ دربارِ نبوت سے فاروق (یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے نوازے گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ہجرت

مکہ میں جس رفتار سے اسلام مقبول ہوتا جا رہا تھا اسی رفتار سے مشرکینِ قریش کے بغض و عناد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اپنی فطری خونخواری اور مشرکانہ عقائد کی بنا پر توحید پرستوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے اور ہر ممکن طریقے سے اسلام کے استیصال میں سرگرمِ عمل تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بادہ کشانِ اسلام میں غیر معمولی جوشِ ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا، تو مشرکینِ مکہ کی سختیوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کا جادۂ اسلام پر ثابت قدم رہنا ناممکن تھا۔

یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملی، چنانچہ حضرت عمرؓ اس سفر کے لیے تیار ہو گئے اور بارگاہِ نبوت سے اجازت لے کر بیس صحابہؓ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔[1] لیکن اس میں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور اس شان سے یہ سفر اختیار کیا کہ مشرکین مکہ آپ کے راستہ میں مزاحمت کی کوئی دیوار کھڑی نہ کر سکے۔ مؤرخین کے مطابق پہلے آپ مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، خدا تم ہی لوگوں کی ناک کو خاک آلود کرے گا، جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا چھوڑے، یا اپنے بچوں کو یتیم کرے یا اپنی بیوی کو بیوہ بنائے تو اس وادی کے پیچھے میرے ساتھ لڑے۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

"ان کا کسی نے پیچھا نہ کیا، البتہ کچھ کمزور مسلمان آپ کے ساتھ ہو لیے، پھر آپ روانہ ہو گئے۔"[2]

مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ عوالی میں، جس کا دوسرا نام قبا ہے، حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، آپ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو خود آفتابِ رسالتؐ مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق پر ضوافگن ہوا اور نورِ اسلام سرزمینِ مدینہ پر ضیا پاشی کرنے لگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اول جزء المہاجرین [2] عمر بن خطاب مؤلفہ طنطاوی

میں برادری قائم کر دی، اس موقع پر انصار نے اپنے مال و اسباب میں مہاجرین کو نصف کا شریک بنا کر ایسے ایثار کا مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی، اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طرفین کے درجہ و مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا، یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا، اُسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کو جن کا بھائی قرار دیا اُن کا نام حضرت عتبانؓ بن مالک تھا جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر بھی جن صحابہؓ نے قبا ہی میں قیام رکھا، اُن میں حضرت عمرؓ بھی تھے، لیکن آپ نے بارگاہِ نبوتؐ میں حاضری کے لیے یہ معمول بنا لیا تھا کہ ایک دن خود خدمتِ اقدس میں حاضری دیتے اور دوسرے دن اپنے دینی بھائی حضرت عتبانؓ بن مالک کو بھیجتے وہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے واپس جا کر حضرت عمرؓ سے روایت کر دیتے۔

اذان — دیباچۂ نماز

مدینہ پہنچ کر جب مسلمانوں کو آزادی اور اطمینان نصیب ہوا، تو اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کیے جائیں، نیز مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ اور دور دور محلوں میں آبادی کے پیش نظر نماز کے اعلان کا ایسا طریقہ معین کیا جائے، جس سے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر نماز باجماعت کا اہتمام کر سکیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ادھر توجہ کی اور صحابہؓ سے اس بارہ میں مشورہ فرمایا، بعض صحابہؓ نے رائے دی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے، جبکہ بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ حضرت عمرؓ آنکلے اور اُنہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا[1]

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمرؓ کے لیے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ایسا شعارِ اعظم جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالتؐ کے اعلان سے گونجتا رہے گا، انہی کی رائے سے قائم ہوا۔ اس ضمن میں بعض اہلِ سیر نے حضرت عبداللہؓ بن زید کا ذکر بھی کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک خواب کی بنا پر یہ تجویز پیش کی تھی، لیکن مستند روایات کے مطابق یہ شرف حضرت عمرؓ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا

غزوات و مشاہد

مدینہ کے دورانِ قیام میں اہلِ اسلام کو سب سے پہلا عظیم معرکہ، ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو پیش آیا، جو تاریخ اسلام میں غزوہ بدر کے نام سے موسوم ہے، اس معرکہ میں حضرت عمرؓ اپنی رائے تدبر اور جانبازی کے لحاظ سے ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے، اس جنگ میں آپ نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا جو رشتہ میں آپ کا ماموں ہوتا تھا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر اُن پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا، چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے[1] اسی طرح آپ کی خصوصیت میں یہ بھی ہے کہ غزوہ بدر کے شہید اوّل حضرت مہجعؓ، جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "سید الشہداء" کے خطاب سے نوازا، آپ ہی کے غلام تھے، مزید برآں قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں شامل ہوئے، لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں ایک متنفس بھی شریکِ جنگ نہیں ہوا۔[2]

---

[1] الفاروق، [2] الفاروق،

اللہ کے فضل سے معرکۂ بدر میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور دشمن کو عبرتناک شکست ہوئی۔ قریش کے کم و بیش ستر آدمی کھیت رہے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں چونکہ قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار بھی تھے، اس لیے یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے رائے لی، سب نے مختلف آراء پیش کیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ چونکہ اپنے ہی بھائی بند ہیں۔ اس لیے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے مقابلہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں، لہٰذا سب کو قتل کر دینا چاہیے، اور یہ بھی اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ علیؓ، عقیل کی گردن ماریں، حضرت حمزہؓ عباس کو قتل کریں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کروں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شانِ رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (سورہ انفال آیت ۶۷) — کسی پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ خون ریزی نہ کرے۔

غزوہ اُحد

غزوہ بدر کے بعد غزوہ بنی سلیم، غزوہ بنی قینقاع، غزوہ سویق، غزوہ غطفان، غزوہ نجران وغیرہ جتنے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے، سب میں حضرت عمرؓ برسرِ پیکار رہے، یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں اُحد کا وہ معرکہ پیش آیا، جس میں قریشِ مکہ بدر کا انتقام لینے کے لیے غیظ و غضب کا ایک طوفان بن کر آئے تھے، ان کی جمعیت تین ہزار تھی اور بے شمار سامانِ جنگ سے لیس ہو کر مدینہ منورہ کے قریب آکر خیمہ زن ہوئے تھے۔ ان کے مقابلہ پر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی، جس میں سے پچاس تیر اندازوں کو آنحضرت صلعم نے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں ایک درّہ کی نگہبانی پر متعین فرما دیا تھا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔ غرض فریقین کی عسکری قوت میں اس تفاوت کے باوجود جب ۷ شوال ۳ھ بروز ہفتہ لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانوں نے دشمن کی صفوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ کفار شکست کھا کر بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے، تیر اندازوں نے قریش کی پسپائی کو معرکہ کا اختتام سمجھ کر درّہ چھوڑ دیا اور وہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ مالِ غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دفعتہً عقب سے حملہ کر دیا، مسلمان چونکہ غافل تھے اس لیے اس ناگہانی یلغار سے سراسیمہ ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگے، کفار نے مسلمانوں کی اس افراتفری کے پیشِ نظر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یورش کر دی اور اس قدر تیر اور پتھر برسائے کہ سرورِ دو عالم صلعم کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آئے، رخساروں پر مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں اور حضورؐ ایک گڑھے میں گر کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

جنگ کا زور و شور جب کسی قدر کم ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس ۳۰ فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے، اسی اثناء میں خالد بن ولید کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں، حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین و انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا[1]

---

[1] الفاروق حصّہ اوّل۔

ابوسفیان سالارِ قریش نے درّہ کے قریب پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت ابوبکرؓ کو تین بار آواز دی، اس کے بعد تین مرتبہ حضرت عمرؓ کا نام پکارا "کیا قوم میں ابن الخطاب موجود ہیں"۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کی ممانعت فرمائی تھی، اس لیے صحابہؓ خاموش رہے۔ ابوسفیان نے لشکر میں واپس جاکر کہا کہ یہ لوگ مارے جاچکے ہیں، ورنہ اگر زندہ ہوتے تو جواب ملتا، اب حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا، پکار کر کہا:

"خدا کی قسم، او دشمنِ خدا تو جھوٹ کہتا ہے، جن لوگوں کا تو نے نام لیا ہے، سب زندہ ہیں اور جو تجھ کو بُرا معلوم ہوتا ہے، وہ باقی ہے"۔

دوسری روایت میں ہے:

"خدا نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے"۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نزدیک صنادیدِ اسلام یہی تین بزرگ تھے۔ اسی بنا پر ابوسفیان نے انہی بزرگوں کا نام پکارا، حضرت عمرؓ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار کو انہی بزرگوں کا وجود کھٹکتا تھا اور کفر و شرک کے قلع قمع کرنے والے یہی بزرگ تھے، ان بزرگوں کے مدارج میں جو ترتیب تھی وہ ابوسفیان کے بیان سے نمایاں ہوتی ہے۔

نکاح حضرت حفصہؓ

اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، حضرت حفصہؓ پہلے حضرت خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں، جو اصحابِ بدر میں تھے، انہوں نے مدینہ آکر وفات پائی، تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ کا ذکر کیا، جواب ملا کہ بالفعل نکاح کا ارادہ نہیں ہے، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ حضرت حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں، لیکن وہ خاموش رہے، اور کوئی جواب نہ دیا، کیوں کہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہوچکا تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ شعبان ۳ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا۔[2]

غزوہ مریسیع تک

غزوہ اُحد کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا، یہ یہودیوں کا دوسرا بڑا قبیلہ تھا جسے بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلاوطن کیا گیا، اس کے بعد اسی سال غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بدرالاخری پیش آئے، ان سب میں حضرت عمرؓ برابر شریک رہے۔ پھر ۲ شعبان ۵ھ کو غزوہ مریسیع وقوع پذیر ہوا، اس میں ایک مہاجر نے مذاق میں ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری سخت برہم ہوا اور انصار کو آواز دی، مہاجر نے مہاجرین کو پکارا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آوازیں سُنیں تو موقع پر تشریف لائے اور فرمایا "جاہلیت کی یہ پکار کیسی" حاضرین نے قصہ عرض کیا، فرمایا: "اس پکار کو چھوڑو، یہ بُری چیز ہے۔" منافقین میں جب یہ خبر پھیلی، تو راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا: "اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی، خدا کی قسم! مدینہ پہنچ کر جو عزیز ہے ذلیل کو نکال دے گا۔" یہ فقرہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو حضرت عمرؓ جو بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر تھے، غصہ سے بیتاب ہوگئے اور کھڑے ہوکر

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اول جزو المہاجرین [2] الفاروق

عرض کیا:-

"یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس منافق کا سر اڑا دوں۔"

لیکن رحمۃ للعالمین نے فرمایا، جانے دو، لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں[1]

غزوہ خندق

مؤرخین کے مطابق ۸ ذیقعدہ ۵ھ کو غزوہ خندق پیش آیا، جس میں تقریباً دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ کفار نے حصہ لیا اور کم و بیش ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ مدینہ سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرا لی تھی، اس لیے کفار خندق پار تو نہ کر سکے۔ البتہ کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اس غرض سے خندق کے ادھر ادھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائے، ایک حصہ پر حضرت عمر رض متعین تھے، چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کفار کے مقابلہ پر حضرت عمر رض کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ نماز عصر قضا ہوتے ہوتے رہ گئی، بعد مغرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، تو کفار کو برا کہہ رہے تھے، آنحضرت صلعم نے فرمایا، میں نے اب تک نہیں پڑھی ہے، چنانچہ بطحان پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور نماز پڑھائی[2] اس غزوہ میں لشکر کفار کی زیادتی، محاصرے کی طوالت اور حالات کی سنگینی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کیا اور کفار کے حصے میں شکست کی ذلت کے سوا کچھ نہ آیا۔

غزوہ حدیبیہ

ذیقعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا اور اس خیال سے کہ لڑائی کا کسی کو شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے، مدینہ سے چھ میل باہر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر حضرت عمر رض کو خیال آیا کہ دشمنوں میں اسلحہ کے بغیر چلنا مصلحت نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لیے[3] مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ کے اندر قدم نہ رکھنے دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ لڑنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے مصالحت کی غرض سے حضرت عثمان رض کو سفیر بنا کر بھیجا، قریش نے انہیں مکہ میں ہی روک لیا۔ جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رض شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس خبر پر آنحضرت صلعم نے صحابہ رض سے جن کی تعداد چودہ سو تھی، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی، چنانچہ قرآن حکیم کی آیت لقد رضی اللہ ــــ تحت الشجرۃ[4] میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عمر رض نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی، چنانچہ ہتھیار پہن رہے تھے کہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے ہیں، آپ فوراً بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لیے دست اقدس پر بیعت کی۔

قریش کا اصرار تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر بڑے ردّ و قدح کے بعد فریقین ایک معاہدہ پر راضی ہو گئے۔ اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلا جائے، تو اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اہل اسلام سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں، یہ شرط چونکہ بظاہر مشرکین کے حق میں زیادہ مفید تھی، اس لیے حضرت عمر رض کو نہایت اضطراب ہوا، چنانچہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض

---

[1] سیر الصحابہ جلد اول جزء المہاجرین [2] سیر الصحابہ جلد اول جزء المہاجرین [3] الفاروق جلد اول [4] سورۃ الفتح آیت ۱۸

کی یارسول اللہ! کیا آپؐ خدا کے پیغمبر برحق نہیں؟ فرمایا "بیشک ہوں" عرض کی "کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟" ارشادِ نبویؐ ہوا "ضرور ہیں" پھر عرض کیا "تو پھر ہم دین میں یہ ذلت گوارا کیوں کریں؟ خدا نے ہمارے اور دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، پھر ہم کیوں واپس ہوں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں خدا کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرتا، وہ میری امداد کرے گا اور مجھ کو برباد نہ ہونے دیگا" اس کے بعد آپ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور اُن سے بھی یہی گفتگو کی، انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے تھے، حضرت عمرؓ کا یہ اندازِ گفتگو چونکہ ادب کے خلاف تھا۔ اس لیے سخت نادم ہوئے اور اس کے کفارہ کے لیے روزے رکھے نفلیں پڑھیں، خیرات دی، اور غلام آزاد کیے۔[۱]

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کے، جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، دستخط ثبت ہوئے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا قصد فرمایا، راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ آج مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا - آخر تک پڑھ کر سنائی۔ حضرت عمرؓ نے تعجب سے عرض کیا، "یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے"؟ ارشاد ہوا "ہاں"۔ اسی موقع پر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ ــ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ	مسلمانو، تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں۔ اور کافر عورتوں کو اپنے پاس روک نہ رکھو۔

(سورہ الممتحنہ آیت ۱۰)

تو حضرت عمرؓ نے اُسی دن اپنی دو بیویوں کو جو اب تک مشرکہ تھیں، طلاق دے دی ان میں سے ایک کے ساتھ معاویہ بن سفیان نے (اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) اور دوسری کے ساتھ صفوان بن اُمیّہ نے نکاح کر لیا۔[۲]

غزوہ خیبر

محرم ۷ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا، یہاں اہلِ یہود کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا تاہم مسلمانوں کی یلغار سے چند قلعے تو جلد جلد فتح ہو گئے۔ مگر وہ قلعے جن پر خیبر کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا، فتح نہیں ہو رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تسخیر کے لیے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا، لیکن جب وہ کامیاب نہ ہوئے تو یہ خدمت عمرؓ کے سپرد فرمائی۔ حضرت عمرؓ دو دن لڑے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کل میں ایسے شخص کو عَلَم دوں گا جو حملہ آور ہو گا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہؓ عَلَمِ نبویؐ کی اُمید میں بڑے ساز و سامان کے ساتھ سج دھج کر آئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ "میں نے امارت کی اس دن کے علاوہ کبھی تمنا نہیں کی تھی" لیکن یہ فخر چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے ان کو بلا کر عَلَم مرحمت فرمایا۔ مرحب رئیس خیبر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل کے ساتھ ہی اس معرکہ کا خاتمہ ہو گیا۔

---

[۱] الفاروق حصہ اول۔ [۲] سیر الصحابہؓ حصہ اول جزء المہاجرین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مجاہدین پر تقسیم فرما دی، چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا، حضرت عمرؓ کو عنایت فرمایا یہ اس قدر عمدہ باغ تھا کہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہو کر عرض کی "اس سے بڑھ کر عمدہ جائداد مجھ کو کبھی نہیں ملی" تاہم آپ نے اس باغ کو راہِ خدا میں وقف کر دیا اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا[1]

سریہ تربہ اسی سال ماہِ جمادی الآخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو تیس آدمیوں کے ساتھ بنو ہوازن کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے جب حضرت عمرؓ کی آمد کے متعلق سُنا تو بھاگ گئے اور کوئی معرکہ پیش نہ آیا، چنانچہ حضرت عمرؓ بغیر جنگ کیے واپس مدینہ لوٹ آئے۔

فتح مکّہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہُوا تھا، اُسے معرکۂ خیبر کے بعد قریش نے توڑ دیا، جب قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو ابُوسفیان تجدیدِ عہد کے لیے مدینہ آیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف قطعی توجہ نہ فرمائی۔ اس کے بعد وہ باری باری حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرا دیں، حضرت عمرؓ نے ابُوسفیان کو اس سختی سے جواب دیا کہ وہ ناامید ہو گیا اور تجدیدِ عہد کا یکطرفہ اعلان کر کے مکّہ لوٹ گیا، غرض نقضِ عہد کے باعث آنحضرت صلعم نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان المبارک ۸ھ میں مکّہ کا قصد فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ نہایت خاموشی سے یہ تیاری فرمائی تھی تاہم حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے یہ لغزش ہوئی کہ انہوں نے قریشِ مکّہ کو خط لکھ کر ان حالات کی اطلاع دی، یہ خط جب راستے میں ہی پکڑ لیا گیا، تو حضرت عمرؓ غصّے سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی، "حکم ہو تو گردن اُڑا دوں"، لیکن جبینِ رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہُوا، "عمرؓ، تم کو کیا معلوم ہے، کہ خدا نے اہلِ بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہے کہ تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے"، حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکّہ میں تھے اور اُن کا کوئی حامی نہ تھا، اس لیے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں اُن کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عُذر پیش کیا اور آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا[2]

بہر کیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مرّالظہران پہنچے اور لشکر نے وہاں آگ روشن کی، تو تمام صحرا چمک اُٹھا، اہلِ مکّہ کو اس پر تشویش ہوئی، چنانچہ اُن کی طرف سے ابُوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ دریافتِ حال کے لیے آئے، خیمۂ نبویؐ کے دربانوں کی نظر اُن پر پڑ گئی اور دوڑ کر گرفتار کر لیا، پھر آنحضرت صلعم کی خدمت میں لے آئے، اس دوران میں حضرت عمرؓ کو بھی پتہ چل گیا، چنانچہ وہ بھی جلدی جلدی بارگاہِ نبوتؐ میں پہنچ گئے اور ابُوسفیان کے قتل کی اجازت چاہی، لیکن ابوسفیان نے اُسی وقت اسلام قبول کر لیا، اب اگر اُن تمام حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے، جو ابُوسُفیانؓ کے قبولِ اسلام کا باعث بنے تو صاف معلوم ہو گا کہ اُن کا اسلام حضرت عمرؓ کا ممنونِ احسان تھا[3]

غزوہ حُنین : فتح مکّہ کے کچھ دن بعد یعنی شوال ۸ھ میں ہوازن کی لڑائی پیش آئی، جو غزوہ حُنین کے نام سے مشہور ہے، اس معرکہ

---

[1] الفاروق حصّہ اوّل۔ [2] سیرۃ النبیؐ جلد اوّل [3] سیر الصحابہؓ حصّہ اوّل جزء المہاجرین

میں بھی غزوہ اُحد کی طرح مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش آگئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ اب بھی نہایت پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ شریکِ کارزار رہے، جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی، تو شکست خوردہ جماعت کے ایک فرد حضرت ابوقتادہؓ میدان میں گشت لگانے کے لیے نکلے، اُن کا بیان ہے کہ:-

"ناگاہ عمرؓ بن خطاب نظر آئے جو لوگوں کو لیے کھڑے تھے۔

حضرت ابوقتادہؓ نے پوچھا "لوگوں کا کیا خیال ہے؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "خدائے عزوجل کا جو حکم تھا وہ ہُوا"۔

اس غزوہ میں حضرت عمرؓ کو دو کنیزیں ملی تھیں جنہیں آپ نے مکہ کے کسی مکان میں بھجوا دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حُنین کے قیدیوں کو آزاد فرمایا، تو وہ مکہ کی گلیوں میں دوڑنے لگے، حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا "عبداللہ دیکھو تو کیا ماجرا ہے"۔ انہوں نے کہا کہ رسُول اللہ نے قیدیوں پر احسان فرمایا ہے، حضرت عمرؓ بولے "جاؤ، اور تم بھی کنیزوں کو چھوڑ دو"۔

واپسی پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مَیں نے جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، حضورؐ نے فرمایا، تم اس کو پورا کرو، چنانچہ انہوں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کیا۔[1]

غزوہ تبوک

رجب ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر تمام صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا، چونکہ یہ زمانہ عُسرت اور تنگی کا تھا، اس لیے لوگوں کو جنگی تیاری کے لیے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دی، چنانچہ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے نصف لاکر بارگاہِ رسالت مآبؐ میں پیش کیا، غرض اسلحہ اور سامان رسد مہیا ہوجانے کے بعد مجاہدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں تبوک کا رُخ کیا، یہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ خبر غلط تھی، اس لیے حضورؐ چند روز قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

وفات ابن ابی

غزوہ تبوک کے بعد راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انتقال کیا۔ وہ چونکہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا، اس لیے اُس کے لڑکے کی درخواست پر رحمۃ للعالمین نے اپنا قمیص عطا فرمایا اور نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، جب حضورؐ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہُوئے تو حضرت عمرؓ نے صف سے آگے نکل کر آپؐ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی کہ آپؐ اس منافق کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو منافقین کے استغفار سے منع فرمایا ہے۔ مزید عرض کیا کہ اس نے فلاں دن آپؐ کو فلاں فلاں باتیں کہی تھیں، حضورؐ نے تبسم فرمایا اور کہا "اے عمرؓ ہٹ جاؤ"۔ لیکن حضرت عمرؓ نے بار بار جب وہی گفتگو کی، تو ارشاد ہوا، کہ مجھ کو دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے، خدا نے فرمایا ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۸۰

چاہے تم اُن کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لیے ستّر بار استغفار کروگے، تب بھی خدا اُن کی مغفرت نہ کرے گا۔

---

[1] سیر الصحابہؓ حصّہ اوّل، جزء المہاجرین

میں ستر بار سے زیادہ اس کے لیے استغفار کروں گا۔

غرض حضورؐ نے نماز پڑھائی۔ کچھ دیر بعد سورہ برأت کی یہ آیت نازل ہوئیں:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ سورۃ التوبۃ، آیت ۸۴

اُن میں سے کوئی مرے تو تم ہرگز اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو، ان لوگوں نے خدا اور رسولؐ کا انکار کیا ہے اور فاسق مرے ہیں۔

ذوالخویصرہ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن سے دربارِ رسالت مآب میں تھوڑا سا سونا بھیجا تھا جسے حضورؐ نے عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ بن علاثہ کے درمیان تقسیم فرما دیا، اس پر قریش اور انصار کے بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنادید اہلِ نجد کو مرحمت فرماتے ہیں، حالانکہ ہم زیادہ مستحق ہیں۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا، میں اُن کی تالیفِ قلب کرتا ہوں۔ مجمع میں بنو تمیم کا ایک شخص جس کا نام ذوالخویصرہ تھا۔ اُٹھا اور آنحضرتؐ کے پاس آ کر کہنے لگے، عدل فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا تم مجھ کو امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں خدا کا امین ہوں، میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبر آتی ہے۔ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو تم برباد ہو جاؤ گے، حضرت عمرؓ نے سُنا تو فوراً بولے،

"یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اُڑا دوں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اس کو چھوڑ دو۔"[1]

حجۃ الوداع

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ بھی ہمرکاب تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس شرکت کے متعلق خود بیان فرمایا ہے۔ ایک بار اہلِ یہود نے اُن سے کہا کہ آپ لوگ ایک آیت پڑھتے ہیں، وہ اگر ہم میں نازل ہوتی، تو ہم اس کو عید بناتے (یعنی یادگار قائم کرتے) حضرت عمرؓ نے جواب دیا، میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کب نازل ہوئی؟ اور جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم کہاں تھے؟ عرفہ کا دن تھا اور ہم خدا کی قسم عرفہ میں تھے۔[2]

وفاتِ نبی صلعم

حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد اوائل ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور چند روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۳ ربیع الاول بروز دوشنبہ بوقت چاشت آپؐ کا وصال ہو گیا، لیکن حضرت عمرؓ کو اس کا یقین نہیں آتا تھا، چنانچہ آپ اس حادثۂ عظیم سے اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ آپ نے مسجدِ نبویؐ میں اعلان کیا کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اس کا سر اُڑا دوں گا۔[3] لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے آیاتِ قرآنی سے وفاتِ نبویؐ پر استدلال کیا تو حضرت عمرؓ مبہوت ہو کر زمین پر گر پڑے، خود فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم! جب ابوبکرؓ نے آیت تلاوت کی تو میں متحیر ہو گیا، یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہ اُٹھا سکے اور میں زمین پر گر پڑا۔"

---

[1] سیر الصحابہؓ حصہ اول جزء المہاجرین [2] سیرۃ النبیؐ جلد دوم

اِن روایات کے مطابق وفاتِ نبویؐ کا جواز حضرت عمرؓ پر ہُوا، دوسرے صحابہؓ کے حالات میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔[1]

بیعتِ سقیفہ

بیعتِ سقیفہ تمام تر حضرت عمرؓ کی کوششوں کا نتیجہ تھی، کیونکہ جو فتنہ سقیفہ بنو ساعدہ میں کھڑا ہو گیا تھا، اُسے اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وقت پر پہنچ کر ختم نہ کرتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی شمعِ اسلام کو ہمیشہ کے لیے گُل کر دیتا، لیکن یہ حضرت عمرؓ کا ہی تدبر تھا کہ جب انصارِ مدینہ دو خلفاء کے مطالبہ پر مُصر ہُوئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس گتھی کو سلجھا دیا، جس کا اثر یہ ہُوا کہ تمام مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر متفق ہو کر تاریخِ اسلام کے ایک سنگین بحران سے بچ گئے۔ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام معاملہ کی اہمیت اور حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر اس قدر مناسب، بروقت اور برمحل تھا کہ تاریخِ عالم میں شاید ہی ایسی مثال ملے۔

خلافتِ صدیقی رضؓ — جمعِ قرآن کا مشورہ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت صرف سوا دو سال رہی، ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے، سب میں حضرت عمرؓ ان کے مشیر اور معین و مددگار رہے، قرآنِ حکیم کی تدوین کا کام خصوصیت سے ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا، حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جنگِ یمامہ کے زمانہ میں مجھ کو بلا بھیجا، میں آیا تو اُن کے پاس حضرت عمرؓ بیٹھے ہُوئے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"عمرؓ میرے پاس آئے اور بیان کیا کہ جنگِ یمامہ میں حفاظِ قرآن بکثرت کام آئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ اگر اسی طرح لڑائیوں میں حفاظ کام آتے رہے تو قرآن کا بڑا حصہ جاتا رہے گا، میرا خیال ہے کہ قرآن جمع کرنے کا حکم دیجیے"۔

میں نے عمرؓ سے کہا، "تم وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہو جس کو رسول اللہؐ نے نہیں کیا" عمرؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم، اسی میں بھلائی ہے"۔ چنانچہ عمرؓ مجھ سے برابر اس کے متعلق گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے قائم ہو گئی جو عمرؓ کی رائے تھی۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ اس تمام گفتگو میں حضرت عمرؓ خاموش بیٹھے رہتے"۔

حضرت عمرؓ کا استخلاف

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے عہدِ خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصبِ خلافت کے لیے حضرت عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اور یہ سیاستِ عالم کا سب سے اہم واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنایا، جس سے بڑھ کر اورنگِ حکومت کو آج تک کوئی فرمانروا ہاتھ نہیں آسکا، یہ انتخاب فی الحقیقت، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اتنا بڑا احسان تھا کہ تمام عالمِ اسلامی کی گردنیں قیامت تک اُن کے سامنے جھکی رہیں گی، تاریخِ عالم گواہ ہے کہ مسلمانوں کی جہانبانی اور کشورستانی کا راز اسی انتخاب میں مضمر تھا اور اسی انتخاب میں اُس اسلامی حکومت کی وسعتیں پوشیدہ تھیں جس کی حدود ساڑھے دس سال کے قلیل عرصہ میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل گئی تھیں۔[2]

خلیفہ کا لقب:

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ رسولؐ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ خلیفہ ہو کر امیرالمومنین کے لقب

---

[1] سیر الصحابہؓ حصہ اوّل جزء المہاجرین۔ [2] سیر الصحابہؓ حصہ اوّل جزء المہاجرین۔ [3] الفاروق میں علامہ شبلیؒ نے حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲,۵۱,۰۳۰ مربع میل لکھا ہے۔

سے مشہور ہوئے۔ مؤرخین کے مطابق سب سے پہلے حضرت عدی رضؓ بن حاتم اور حضرت لبید بن ربیعہ نے آپ کو اس لقب سے مخاطب کیا۔ پھر آپ کا یہ لقب اتنا مشہور ہُوا کہ تمام لوگ جن میں مسلمان، یہود، نصاریٰ اور آبادی کے مختلف فرقے شامل تھے۔ آپ کو اسی لقب سے پکارنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ نے خود اپنے متعلق یہی لقب استعمال فرمایا ہے۔

"اُونٹ اور بکری کے گلّے والے، اگر اُن کے جانور ہلاک ہوں گے، تو وہ اپنے گھر والوں کو لے کر میرے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے امیرالمؤمنین، اے امیرالمؤمنین۔"

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جب یہ درخواست بھیجی کہ انہیں اسی حجرہ میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے جس میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دفن ہیں، تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ "امیرالمؤمنین نہ کہنا"

یہ لقب اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل سادہ ہے، تاہم اس کی ہیبت یہ تھی کہ (اس کے ذکر سے ہی) کسریٰ و قیصر کے دل کانپ اُٹھتے تھے اور بڑے بڑے جابر حکمرانوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ [1]

امیرالمؤمنین کے اعمالِ عظیمہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰتِہٖ ۚ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ط (سورہ الفتح آیت ۲۹)

ان کے (یعنی صحابہؓ کے) یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں، وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) ایک سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگی جس سے کاشت کار خوش ہوئے تاکہ اُن کے ذریعہ کفار غیظ میں آئیں۔

اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا (ترجمہ)

"اس اثناء میں کہ میں ایک کنوئیں پر پانی کھینچ رہا تھا۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ میرے پاس آئے، ابوبکرؓ نے ڈول لیا اور ایک دو ڈول نکالے، ان کے کھینچنے میں کمزوری تھی، خدا ان کی مغفرت کرے، پھر ابوبکرؓ کے ہاتھ سے ابن الخطابؓ نے ڈول لے لیا، اور وہ اُن کے ہاتھ میں جا کر ایک بڑا چرسہ بن گیا تو میں نے کسی محنتی سردار کو اُن کے برابر کام کرتے ہُوئے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو کر بیٹھ گئے۔"

اللہ تعالیٰ کی یہ پیشین گوئی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ خواب حضرت عمرؓ کے ذریعہ پُورا ہوا۔ نہالِ اسلام جو کفرستانِ عرب کی ہواؤں سے جھک جھک جاتا تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور تناور درخت بن گیا کہ کفرزارِ عالم کی بادِ مخالف کے

---

[1] سیر الصحابہؓ حصہ اوّل جزو المہاجرین

جمو کے بھی آج تک اسے بلا نہ سکے، خلافت کا سرچشمہ جواب تک آبِ رحمت کے چند قطرے اچھال رہا تھا، حضرت عمرؓ کے آتے ہی ایک بحرِ بیکراں اور لاتنا ہی اطلس بن کر اس شدت سے چھلک اٹھا کہ دنیا کے تمام تشنہ لب ابدالآباد تک سیراب ہو گئے۔ یہ اگرچہ استعارات کا پیرایہ ہے تاہم یہ اُن تمام طوفانوں کا آئینہ عکس ہے جن کا پیچ و تاب جزوی طور پر دورِ عمرؓ کے ایک ایک لمحہ میں دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے بہرکیف آئندہ صفحات میں اس دور کی کلی اور جزوی خصوصیات ملاحظہ ہوں :

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں مدعیانِ نبوت، مرتدینِ عرب اور منکرینِ زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحاتِ ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، یعنی ۱۲ھ میں عراق پر فوج کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، اسی طرح ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں لیکن ابھی ان مہمات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا، حضرت عمرؓ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ تو اُن کا سب سے اہم اور اولین فرض انہی مہمات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحاتِ عراق

مؤرخین کے مطابق عراق پر حملہ کا آغاز خلیفۂ اول کی اجازت سے مثنیٰؓ نے کیا تھا۔ ان کی مدد کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو بھیجا جنہوں نے بانقیا، کسکر اور حیرہ کے اضلاع پر علمِ فتح نصب کیا ہی تھا کہ انہیں مہمِ شام کی اعانت کے لیے شام جانا پڑا، جس کے باعث عراق کی فتوحات دفعتہً رُک گئیں۔

حضرت عمرؓ نے مسند آرائے خلافت ہوتے ہی سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی، بیعتِ خلافت کے لیے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا، لیکن چونکہ عام خیال یہ تھا کہ عراق، حکومتِ فارس کا پایۂ تخت ہے اور اس کو فتح کرنا آسان نہیں، اس لیے ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر نہ کی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ تین دن تک جوش دلاتے رہے، لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن آپ نے ایسی پُرجوش تقریر کی کہ مسلمانوں میں حرارت پیدا ہو گئی اور حاضرین میں سے بنو ثقیف کے سردار حضرت ابوعبیدہ نے اُٹھ کر اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا، ان کی پیشقدمی پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام مسلمان شرفِ جہاد حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدؓ ثقفی کو چند ہزار کی سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق کی معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے از سرِ نو فوجی تنظیم کی اور ایران کے صغیر السن شہزادے یزدگرد کی متولیہ پوران دخت نے خراسان کے گورنر فرخ زاد کے شجاع اور مدبر بیٹے رستم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ملک میں آگ لگا دی، جس کے نتیجہ میں پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور اضلاع ذات، جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے، ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔

ایرانی فوج کی تنظیمِ نو کے سلسلے میں پوران دخت نے ایک اور فوجِ گراں تیار کی جس پر جابان اور نرسی کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ

---

[1] تاریخِ اسلام حصۂ اول مؤلفہ شاہ معین الدین۔

دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے، دوسری طرف سے حضرت ابو عبیدہؓ آ رہے تھے، مقام فارق میں ان کا اور جاپان کا مقابلہ ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اسے فاش شکست دی، اس کے دو مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے اور وہ زندہ گرفتار ہوا، لیکن اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس مسلمان نے گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے جاپان نے اپنے عوض دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی، بعض مسلمانوں نے پہچان کو دوبارہ گرفتار کر لیا، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے جاپان کو اس بنا پر چھوڑ دیا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں [1]

حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ معرکہ سر کرنے کے بعد کسکر کا رخ کیا، جہاں نرسی فوج لیے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں اور بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو بھی شکست ہوئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سقاطیہ کے قرب و جوار کے تمام ایرانی اُمراء خود بخود مطیع ہو گئے۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مردان شاہ (بہمن جادویہ) کو ابو عبیدہؓ کے مقابلہ پر روانہ کیا، اور ایرانیوں کا مقدس علم درفشِ کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، اس کے ساتھ کر دیا۔ مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اُتاریں، دوسری طرف مسلمان تھے۔ ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا۔ تاہم حضرت ابو عبیدہؓ جوشِ جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ فوجی افسروں کی شدید مخالفت کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے۔ دریا پار ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی، چونکہ اس پار کا میدان تنگ و ناہموار تھا، مزید برآں چونکہ عربی دلاوروں کا ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ اُن کے بھائی حکم اور اُن کے خاندان کے دیگر سات آدمی شہید ہو گئے، لڑائی میں کام آنے والے مسلمانوں کے علاوہ پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جنہوں نے سب سے آخر علم سنبھالا تھا۔ بڑی مشکل سے تین ہزار جانیں بچا کر دریا کے اس پار لا سکے۔ [2]

واقعہ بویب ۱۴ھ

حضرت عمرؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو مسلمانوں کی شکست اور اس قدر جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا۔ چنانچہ آپؓ نے اس شکست کا انتقام لینے کے لیے اپنے پُرجوش خطبوں سے تمام قبائل میں آگ لگا دی۔ اُن کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عرب کے عیسائی بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے۔ غرض حضرت عمرؓ نے ایک بھاری فوج کے ساتھ جریر بجلیؓ کو محاذ جنگ کی طرف روانہ کیا۔ دوسری طرف مثنیٰؓ نے بھی اپنے طور پر سرحدی قبائل کی ایک علیحدہ فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت کو جب مسلمانوں کی ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے اپنی منتخب فوج میں سے بارہ ہزار بہادروں کو مہران بن مہرویہ کی ماتحتی میں مجاہدینِ اسلام سے نبرد آزمائی کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر چونکہ بویب میں خیمہ زن تھا، اس لیے مہران سیدھا وہاں پہنچا اور فرات عبور کر کے اس پار صف آرا ہوئے۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے، چنانچہ ایرانی فوج کے پہنچتے ہی خونریز مقابلہ شروع ہو گیا گھمسان

---

[1] تاریخ طبری حصہ دوم [2] تاریخ اسلام میں یہ لڑائی معرکہ جسر یعنی "پل والی لڑائی" کے نام سے منسوب ہے۔

جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے، وہ اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب شہید ہو گئے۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹنے لگے، اس ریلے میں بنی تغلب کے نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ نے فرات کے پل کا راستہ روک کر اتنے آدمیوں کو تہہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، اس معرکہ میں کامیابی کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔[1]

ایرانیوں کا جوش

حیرہ کے کچھ فاصلے پر جہاں آج بغداد آباد ہے، وہاں اس زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا، مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا، بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں بھی مسلمانوں کی پیش قدمی شروع ہو گئی اور سواد، کسکر، صراۃ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، پایۂ تخت ایران میں جب یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں زبردست جوش پھیل گیا، حکومت کا نظام بالکل بدل گیا۔ پوران دخت کو معزول کر کے کیانی خاندان کے تنہا وارث سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا۔ اسی کے ساتھ یہ کوشش بھی کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلائی جائے۔ ان تبدیلیوں اور انتظامات سے ایرانی حکومت میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی، جس کے نتیجہ میں تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، حضرت مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے، نیز دربار خلافت کو اہل ایران کی تیاریوں سے مفصل طور پر آگاہ کیا۔

حضرت عمرؓ کی تیاریاں

حضرت عمرؓ کو جب ان حالات کا علم ہوا، تو آپ نے عرب کے نامور بہادروں، رئیسوں، خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا، آپ کی دعوت پر سارا عرب اُمنڈ آیا اور آپ نے انہیں ساتھ لے کر بہ نفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا، لیکن اکابر صحابہؓ نے مخالفت کی کہ آپ کا دار الخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں ہے،[2] آخر قرعۂ فال حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے نام پڑا جو بڑے رتبہ کے صحابیؓ تھے اور عہد رسالت مآب میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں سپہ سالار مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا اور چلتے وقت بڑی بیش بہا نصیحتیں کیں، اس فوج میں ستر وہ صحابیؓ تھے، جو بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے۔ تین سو بیعت رضوان کے جاں نثار تھے نیز اسی قدر وہ صحابہؓ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو اگرچہ خود صحابی نہ تھے۔ تاہم ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔[3]

حضرت عمرؓ چونکہ خود بسلسلۂ تجارت سارے عراق کا سفر کر چکے تھے، اس لیے یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس بنا پر آپ نے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی وغیرہ سب اپنے ہاتھ میں رکھی، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ہدایت بھی کہ وہ ہر منزل اور مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں، چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، جسے دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فوج کی تنظیم اور پیش قدمی سے متعلق مفید ہدایات بھیجیں، اسی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں، تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین [2] فتوح البلدان [3] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین۔

آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔[1] مزید یہ فرمان بھی بھیجا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لیے دربار ایران بھیجا جائے

اسلامی سفارت

امیرالمومنین رضؓ کے اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے حضرت نعمان بن مقرنؓ کی قیادت میں سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ شاہ ایران اور اُس کے رفقا کو اسلام کی ترغیب دے سکیں، لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے، وہ خانہ بدوش عربوں! اُن کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے تھے؟ بہرکیف فریقین میں سلسلۂ گفتگو شروع ہوا اور یزدگرد کے اس سوال پر کہ "تم لوگ فارس پر کیوں حملہ آور ہوئے ہو؟" اسلامی وفد کے رئیس حضرت نعمان رضؓ نے بڑی وضاحت سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا اور آخر میں دو ٹوک الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ "اگر اسلام قبول کرنا تمہیں منظور نہیں تو جزیہ دینا قبول کر دو اور اگر تم اس پر بھی رضامند نہیں تو پھر تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی" اس اعلانِ حق پر یزدگرد کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور اُس نے چلا کر کہا: "اگر ایلچیوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو آج تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا، اے دوسروں کے ملک لوٹنے والو، تمہیں یہ خاک ملے گی خاک" یہ کہہ کر اُس نے تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ "لو ہماری زمین میں تمہارا حصّہ ہے"۔ حضرت عمرو بن معدی کربؓ یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس پہنچ کر یہ مبارک خبر دی کہ دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی ہے جو اُن کے ملک پر قبضہ کے لیے نیک فال ہے۔

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف سکوت رہا، رستم ایک لشکر جرار کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا، اُسے مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے وہ یزدگرد کے تاکیدی احکامات کے باوجود جنگ کو ٹال رہا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے، جب اس حالت نے طول کھینچا اور رعایا جوق در جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر اپنی حفاظت کے لیے فریادی ہوئی، تو رستم کو مجبوراً مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رستم نے قادسیہ پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایک عرصہ تک سفرا کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا، آخری سفارت میں اسلامی وفد کے قائد کی حیثیت سے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ گئے، انہیں مرعوب کرنے کے لیے رستم نے بڑی ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا۔ حضرت مغیرہؓ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی۔ نیام کی بجائے اوپر چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے، چنانچہ اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے اور دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی، رستم نے بات چیت کے دوران میں سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہارِ احسان کے طور پر یہ کہا کہ اب بھی تم لوگ واپس چلے جاؤ، تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ انعام میں کچھ دلا دیا جائے گا۔ حضرت مغیرہؓ نے تلوار کے دستہ پر ہاتھ رکھ کر کہا: "اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔ رستم غصّے سے بھڑک اٹھا اور کہا: "آفتاب کی قسم کل عرب کو برباد کر دوں گا" حضرت مغیرہؓ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔[2]

جنگِ قادسیہ محرم ۱۴ھ

رستم جواب تک لڑائی کو برابر ٹال رہا تھا، حضرت مغیرہؓ کی گفتگو سے اس قدر غضبناک ہوا کہ اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دے دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا، ایرانی فوج

[1] الفاروق حصہ اوّل [2] الفاروق حصہ اوّل۔

راتوں رات مرتب ہو گئیں اور صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ جن کے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے، دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا۔ عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عرق النسا کا دورہ ہوا جس کے باعث نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے۔ چنانچہ اپنی جگہ خالد بن ارفطہ کو سپہ سالار مقرر کر کے خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا، ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکامات بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نماز ظہر اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی اور دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا، شام کو جب تاریکی چھا گئی، تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آ گئے، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم الارماث کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا، عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ وہ قاصد بھی تھے جو ممتاز بہادروں کے لیے بیش قیمت تحائف لائے تھے۔ لڑائی کے دوران میں اعلان کیا گیا کہ امیر المومنینؓ نے ان لوگوں کے لیے یہ تحائف بھیجے ہیں ——— "جو اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کریں"۔ اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھڑکا دیا، صبح سے شام تک خون ریز جنگ ہوتی رہی، شام تک دو ہزار مسلمان شہید اور دس ہزار ایرانی مقتول و مجروح ہوئے، تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہو سکا اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی۔ اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔

رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا جو یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس دن کی جنگ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہیبت ناک تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے سب سے پہلے ان کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جنہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے۔ مسلمانوں نے اگرچہ گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کر لیا تھا تاہم مشکل بات یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رُخ کر دیتی تھی، صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی۔ حضرت سعدؓ نے نومسلم پارسیوں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیے جائیں، تو اس بلا سے نجات کی راہ نکل سکتی ہے۔ اس پر چند جانباز نیزے لے کر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں، حضرت قعقاعؓ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا کاری وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی جھرجھری لے کر بھاگا۔ اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے، اس طرح یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، یہاں تک کہ رات کو بھی اس شدت کی جنگ جاری رہی کہ تلواروں کی جھنکار، نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی، اسی مناسبت سے اسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں، دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا، رستم اب تک نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا تھا، لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا، ہلال بن علقمہؓ نامی ایک مسلمان نے تعاقب کیا، اتفاق سے ایک نہر سامنے آ گئی رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے، ساتھ ہی ہلال بھی کود پڑے اور ٹانگیں پکڑ کر اس کو نہر سے باہر کھینچ لائے پھر تلوار سے کام تمام کر دیا، اس کے بعد وہ رستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے "میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"۔

اس آواز کے سنتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا، مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں، اس معرکہ میں تیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے، جب کہ مسلمان شہداء کی تعداد چھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان معرکوں میں مسلمانوں کی فتح کے باعث خاندان کسریٰ کی شان و شوکت کا نشان "درفش کاویانی" ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا اور اسلام کا سبز ہلالی پرچم نہایت جاہ و جلال کے ساتھ

ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا۔ (فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَار)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو نامۂ فتح لکھا جس میں دونوں طرف کے مقتولین کی تفصیل بھی بھیجی، جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمر رضؓ کو نہایت بے چینی سے خبروں کا انتظار رہتا تھا، آپ ہر روز آفتاب نکلتے ہی مدینے سے باہر نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے رہتے، ایک دن معمول کے مطابق نکلے کہ قاصد سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے حالات پوچھے، لیکن چونکہ وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا اس لیے سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر رضؓ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے، یہاں قاصد کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین رضؓ یہی ہیں، وہ ڈر سے کانپ اٹھا اور گستاخی کی معافی چاہی، فرمایا، کچھ حرج نہیں تم سلسلۂ کلام نہ توڑو۔ پھر مسلمانوں کو جمع کر کے فتح کی خوش خبری سنائی اور ایک نہایت پر جوش تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا۔

"مسلمانو، میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بارِ گراں مجھ پر ڈالا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کروں کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ، تو میرے لیے عین سعادت ہے، اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو، تو میری بدبختی ہے، میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے"[1]

ایران کے پایۂ تخت مدائن پر قبضہ

ایرانیوں نے قادسیہ سے نکل کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اس لیے نہایت اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان کر لیے تھے۔ حضرت سعد رضؓ نے ان کے استیصال کے لیے ۱۵ھ میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی، اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر کہیں بھی نہ ٹک سکے، چنانچہ مسلمان بابل، کوثی اور بہرہ شیر فتح کرتے ہوئے ایران کے پایۂ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے، بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پہنچنے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں، اسلامی لشکر جب وہاں پہنچا تو دجلہ عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ حضرت سعد رضؓ نے ان باتوں سے بے نیاز ہو کر اللہ کا نام لیا اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ انہیں دیکھ کر فوج بھی دجلہ میں اتر گئی، دریا اگرچہ بارشوں کی کثرت کے باعث خوفناک طغیانی کی زد میں تھا۔ تاہم مسلمان نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے۔ ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔ جب مسلمان کنارے پر پہنچے تو "دیواں آمدند، دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگے، البتہ ایک افسر خرزاد نے تھوڑی سی مزاحمت کی لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اسے مغلوب کر لیا، حضرت سعد رضؓ جب مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا طاری تھا، کیونکہ یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، جمعہ کا وقت قریب تھا۔ ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نمازِ جمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمینِ عراق میں پڑھا گیا۔

یہاں وہ تین دن ٹھہر کر حضرت سعد رضؓ کے حکم سے خزانۂ شاہی کی دولت اور تاریخی نوادرات جمع کیے گئے۔ ان نوادر میں نوشیرواں کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا، مالِ غنیمت حسبِ قاعدہ تقسیم کر کے پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا گیا، فرش اور قدیم یادگاریں

---

[1] الفاروق حصہ اوّل

بجنسہٖ بھیجی گئیں، حضرت عمرؓ کے حکم سے نوشیروان کا ملبوس ایک شخص محلّم کو پہنایا گیا، جس وقت اس نے اس لباس کو زیب تن کیا، اور تاج زرنگار سر پر رکھا تو جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور انقلابات زمانہ کا نہایت عبرتناک منظر سامنے آگیا۔ فرشِ بہارِ سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا جس پر بیٹھ کر وہ موسم بہار میں شراب پیا کرتے تھے۔ سب کی رائے تھی کہ اُسے یونہی محفوظ رکھا جائے مگر حضرت علیؓ کے اصرار سے اس پر بھی خزاں آگئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔ (اللہ لبس باقی ہوس)

جلولا کا معرکہ ۱۶ھ

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولا کو اپنا مرکز بنایا، رستم کے بھائی خرزاد نے اپنے حسن تدبر سے ایک زبردست فوج جمع کرلی اور شہر کے گرد خندق کھدوا کر اس کے دفاع کو ہر طرح مضبوط کرلیا، حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشم بن عتبہ اور حضرت قعقاعؓ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولا روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہنچ کر محاصرہ کرلیا، لیکن اس کی تسخیر میں کئی ماہ لگ گئے۔ اس دیر کی وجہ یہ تھی کہ اوّلاً جلولا نہایت مستحکم مقام تھا۔ دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر مدد کی فوجیں بھیج رہا تھا۔ بہرکیف اس کے مفتوح ہونے پر تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ایک لاکھ ایرانی مقتول ہوئے۔[1]

حلوان پر قبضہ

جلولا کی فتح کے بعد ایک جمعیت حضرت قعقاعؓ کی زیر قیادت حلوان کی طرف بڑھی، یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا، جونہی اُسے اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی فوراً رے بھاگ گیا۔ اس کے جانے کے بعد حضرت قعقاعؓ حلوان پہنچے اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر قبضہ کرلیا، حضرت قعقاعؓ نے یہاں قیام کیا اور منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کرلیں گے وہ مامون و محفوظ رہیں گے، اس اعلان پر بہت سے اُمراء و رؤسا برضا و رغبت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حلوان کی فتح عراق کی آخری فتح تھی۔ کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ

عراق کے زیر نگیں ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ آپ فرمایا کرتے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ایرانی ہم پر حملہ کرسکتے اور نہ ہم ان پر، لیکن عراق نے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے چنانچہ سب سے پہلے اہل جزیرہ نے ہتھیار سنبھالے کیونکہ ان کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع ہوا۔ حضرت سعدؓ کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں چونکہ حضرت عمرؓ کے خیالات کا علم تھا اس لیے انہوں نے تمام حالات لکھ کر دربارِ خلافت میں بھیجے۔ حضرت عمرؓ کے لیے ان حالات میں مقابلہ کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس لیے آپ نے عبداللہؓ بن معتم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ

اس حکم پر عبداللہ بن معتمؓ پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ تکریت کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کرلیا، ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ جاری رہا اور اس دوران میں چوبیس حملے ہوئے، لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی چونکہ ایرانیوں کے ساتھ تھے۔ اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی۔ عبداللہؓ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیج کر انہیں اپنے ساتھ ملالیا اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب حملہ آور ہوگئے، جس کے نتیجہ میں ایرانی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہوگئے اور تکریت پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی، ۱۷ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہوگیا، تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو جزیرہ

[1] تاریخ طبری حصہ سوم

پر فوجیں بھیجنے کا حکم دیا۔ اس دفعہ حضرت عیاض بن غنم رضؓ اس مہم پر مامور ہوئے۔ انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد تمام جزیرہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک زیر نگین کر لیا

خوزستان

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے یہاں ایک اسلامی شہر بصرہ آباد ہو چکا تھا جس کے حاکم حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ تھے، چونکہ بصرہ کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، اس لیے بصرہ میں امن و امان قائم کرنے کے لیے اس کی تسخیر ضروری تھی، چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی حضرت مغیرہ رضؓ نے اہواز پر حملہ کیا، یہاں کے رئیس ہرمز نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی، ۱۷ھ میں حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ معزول ہو گئے اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کا رئیس باغی ہو گیا اور سالانہ رقم دینا بند کر دی، اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے لشکر کشی کی اور ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا، مال غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی بنا کر تقسیم کیے گئے، لیکن جب حضرت عمر رضؓ کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیے جائیں، چنانچہ سب چھوڑ دیے گئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے اہواز کے بعد سوس فتح کیا اور اس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی، یزدگرد اس وقت خاندان شاہی کے تمام ارکان کے ساتھ قم میں مقیم تھا اور حضرت ابو موسیٰ رضؓ کی فتوحات کی خبریں اس کو برابر مل رہی تھیں، امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس میری حکومت میں دے دیے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا، یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی، ہرمزان پردائہ شاہی کے ساتھ خوزستان کے صدر مقام شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان جمعیت فراہم کر لی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی، تو آپ نے دربار خلافت کو اطلاع دے کر اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مدد مانگی، امیر المومنین رضؓ نے فوراً حضرت عمار بن یاسر رضؓ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر ابو موسیٰ رضؓ کی مدد کو روانہ ہو جائیں ادھر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضؓ بھی ایک بڑی فوج لے کر آ گئے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے اس ساز و سامان کے ساتھ شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، بہت سے مسلمان کام آئے، لیکن آخر وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا، حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، ایک عرصہ تک محاصرہ جاری رہا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی، ایک دن اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا، جس کے ذریعے اشرس نامی ایک عرب خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو کر تمام راستے دیکھ آیا۔ پھر دو سو جانبازوں کو ساتھ لے کر اسی تہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے تک پہنچا اور پہرہ داروں کو قتل کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیے، ادھر حضرت ابو موسیٰ رضؓ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، چنانچہ دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا، "میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں، میں گرفتار نہیں ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو، عمر رضؓ کے ہاتھ سے ہو۔"[1] حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے اسے منظور کیا اور ہرمزان کو حضرت انس رضؓ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، ہرمزان یہاں پہنچ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت عمر رضؓ نے دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، جس کی فتح کے ساتھ ہی خوزستان کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔

---

[1] الفاروق حصہ اول

عراق عجم پر فوج کشی اور معرکہ نہاوند

یزدگرد اس وقت مرو میں تھا جب اسے خوزستان پر مسلمانوں کے قبضہ اور ہرمزان کی گرفتاری کی خبر ملی، اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آکر رک جائے گا لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا کر لے جائے گا۔ چنانچہ یزدگرد نے مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کا نظم و نسق درست کیا اور اپنے فرامین بھیج کر لوگوں کو اس قدر ابھارا کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کی مزاحمت کے لیے جمع ہو گئی، یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا اور ایران کا تاریخی عَلَم درفشِ کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ والیٔ کوفہ کے ذریعہ جب حضرت عمرؓ کو ان تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آپ خود اہلِ حرم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلئے، لیکن حضرت علیؓ نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ خود جائیے گا، تو اندرونِ ملک بغاوت برپا ہو جائے گی، آپ تمام ممالکِ محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے۔ [1] حضرت عمرؓ اس مشورہ کے مطابق فوجیں جمع کر کے حضرت نعمانؓ بن مقرن کی زیرِ قیادت انہیں نہاوند روانہ کیا، مؤرخین نے اس لشکر کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے، بہر کیف حضرت نعمانؓ نے نہاوند پہنچ کر چند میل ادھر منزل کی اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر ایرانی لشکر میں بھیجا، اثنائے گفتگو میں مردان شاہ نے ایسا رویہ اختیار کیا جو حد درجہ ناپسندیدہ تھا۔ لہٰذا سفارت ناکام رہی اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی، دونوں لشکر اس شدت سے سرگرمِ پیکار ہوئے کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی۔ مسلمان اس ثبات و پامردی سے لڑے کہ ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں، اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار حضرت نعمانؓ بن مقرن شہید ہو گئے، ان کے بعد انکے بھائی نعیم بن مقرنؓ نے عَلَم ہاتھ میں لے کر اسی زور و شور کے ساتھ جنگ جاری رکھی، یہاں تک کہ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا، اس جنگ میں تیس ہزار عجمی کھیت رہے اور اُن کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ اس سر و سامان کے ساتھ پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ عرب مؤرخین نے نتائج کے لحاظ سے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا، ابو لولو فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی، اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ کو مہینوں سے نہایت بیقراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ جب قاصد فتح کا مژدہ اور کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا، تو آپ کو بڑی مسرت ہوئی، لیکن جب حضرت نعمانؓ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیے۔ [2]

ایران پر عام لشکر کشی

حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے تھے، لیکن عراق ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ایرانی چین سے کب بیٹھتے تھے اور فوجیں جمع کر کے مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے، امیر المومنینؓ کو اس بات پر بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو رعایا کے ساتھ مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ ان مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات

---

[1]، [2] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین۔ [3] الفاروق حصہ اوّل

میں شریک تھے۔ اس کا اظہار بھی کیا، کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں، جس کے باعث وہ باغی ہو جاتے ہیں، حضرت احنفؓ بن قیس نے اس صورتِ حال کی توضیح کرتے ہوئے عرض کیا کہ جب تک تختِ کیانی کا وارث سرزمینِ ایران پر موجود رہے گا۔ بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا، اس لیے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، حضرت فاروق اعظمؓ نے اس دانشمندانہ رائے کو پسند فرمایا اور ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ کر لیا[1]

اس کے کچھ دنوں بعد سنہ ۱۹ھ میں آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کے بعد ایران کے مختلف صوبوں کیلئے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کیے حضرت احنف رضی اللہ عنہ بن قیس کو جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا، خراسان کی مہم سپرد ہوئی، کیونکہ ان دنوں یزدگرد یہیں مقیم تھا، اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو، فسا کا حضرت ساریہؓ بن زہیم کنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا حضرت عاصم بن عمرؓ کو، مکران کا حکم بن عمیر کو اور آذربائیجان کا حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن فرقد کو عطا ہوا، چنانچہ یہ بزرگ حسب الحکم اپنی اپنی مہمات پر روانہ ہوگئے، اُن کے علاوہ اور متفرق مقامات پر بھی آپ نے متعدد افسروں کو مامور فرمایا :

اصفہان اس سلسلہ میں سب سے اوّل عبداللہ بن عبداللہ نے اصفہان پر فوج کشی کی، اس کا رئیس، اسپیدان، اصفہان کے علاقہ میں فوجیں لیے موجود تھا، مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی۔ اسلامی لشکر کے پہنچنے پر فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، شہریار نے مبارزطلبی کی، عبداللہ مقابلہ پر آئے، شہریار ان کے ہاتھ سے قتل ہوگیا اس کے ساتھ ہی جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور اسپیدان نے صلح کرلی۔

ہمدان کی بغاوت حضرت نعیمؓ بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تھے، سنہ ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی۔ حضرت نعیمؓ نے بغاوت فرو کرکے شہر ہمدان کا محاصرہ کر لیا، اہل شہر نے صلح کر لی، لیکن جب قرب وجوار کے رئیس اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کے لیے پہنچے تو انہوں نے صلح توڑ دی۔ حضرت نعیمؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ مقابلہ کے لیے نکلے، وادی رود میں ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔ اسی سنہ میں براء بن عازب نے قزوین اور زنجان فتح کیے۔

رے وغیرہ کی فتح اس معرکہ کے بعد حضرت نعیمؓ رے پہنچے، یہاں کے حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ دوسرے صوبوں کے اُمراء سے مدد طلب کی۔ یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے، لیکن رے کا ایک رئیس زینبی، جو کسی بات پر سیاوش سے برہم تھا، حضرت نعیمؓ سے مل گیا اور حسن تدبر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیا، یہاں مسلمانوں کو تقریباً مدائن کے برابر مالِ غنیمت ملا، حضرت نعیمؓ نے زینبی کو اس خدمت کے صلہ میں رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیج کر قومس پر قبضہ کرایا۔

طبرستان قومس کے بعد چونکہ طبرستان کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اس لیے اب طبرستان کی باری تھی، لیکن مسلمانوں کی پیشقدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقے کے باشندوں نے از خود صلح کرلی، اس صلح میں چونکہ اندرونی علاقہ شامل نہ تھا۔ اس لیے حضرت نعیمؓ اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام پہنچ کر جرجان کے حاکم زرزبان سے نامہ وپیام کیا، اس نے جزیہ کی شرط پر مصالحت

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل خلفائے راشدین

کرلی، اس کے ساتھ ہی طبرستان کے رئیس نے بھی اطاعت قبول کرلی اور ۲۲ھ میں طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہوگیا

آذربائیجان

اوپر گزر چکا ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہؓ بن فرقد کو آذربائیجان کی مہم پر مامور کیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت بکیرؓ بن عبداللہ بھی تھے، یہ دونوں آذربائیجان کے مختلف حصوں سے علیحدہ علیحدہ بڑھے، کوہستان جرمیدان میں آذربائیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی رُود کی مہم سے ناکام واپس آرہا تھا حضرت بکیرؓ بن عبداللہ سے سامنا ہوگیا، چونکہ اسفندیار شکست خوردہ آرہا تھا، اس لیے حضرت بکیرؓ نے آسانی سے اسے گرفتار کرلیا، اس کی ہمت پست ہوچکی تھی۔ اس نے حضرت بکیرؓ سے پوچھا کیا چاہتے ہو، صلح یا جنگ؟ حضرت بکیرؓ نے جواب دیا صلح، اس نے کہا، اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روک کے رکھو، اس دوران میں حضرت عتبہؓ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کرلی اور حضرت بکیرؓ امیرالمومنینؓ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کی طرف بڑھا، لیکن حضرت عتبہؓ نے اسے شکست دے دی، اس کی شکست کے بعد اسفندیار نے جو حضرت بکیرؓ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی، اور پھر اس نے مصالحت کرلی، اس طرح آذربائیجان کا پورا علاقہ مطیع ہوگیا۔[1] بلاذری کے بیان کے مطابق آذربائیجان کو حضرت حذیفہ نے فتح کیا تھا۔

آرمینیہ

آذربائیجان کے بعد آرمینیہ کا علاقہ تھا۔ اس پر شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا، لیکن فتح نہیں ہو سکا تھا، اس لیے جن دنوں آذربائیجان میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ انھی دنوں حضرت سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن نے دوبارہ آرمینیہ پر فوج کشی کی، اسی اثنا میں حضرت بکیرؓ بن عبداللہ بھی آذربائیجان سے فراغت کے بعد آرمینیہ پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے۔ آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہربراز اہل آرمینیہ کو بہت ذلیل سمجھتا اور ان سے کسی قسم کی ہمدردی نہ رکھتا تھا، چنانچہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور کہا کہ تم لوگ میری قوم اور ملک کو فتح کرچکے ہو اس لیے میں بھی تمہارا مطیع و مددگار ہوں، لیکن اتنی درخواست ضرور ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور آرمینیوں کے مقابلہ پر کمزور نہ کرو، اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰن نے اسے حضرت سراقہؓ کے پاس بھجوا دیا، انہوں نے کہا کہ جزیہ تو ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے، پھر اس کی درخواست منظور کرکے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے بھی اس فیصلہ پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔

باب سے فراغت کے بعد حضرت سراقہؓ نے حضرت بکیرؓ بن عبداللہ کو موقان اور حضرت حبیبؓ بن مسلمہ کو مع حضرت حذیفہؓ کے کوہستان لان کی طرف روانہ کیا، حضرت بکیرؓ نے اہل موقان کو مطیع بنایا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ صوبہ خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضاء تک بڑھتے چلے گئے۔

فارس

فارس پر فوج کشی کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے، پھر بھی ایک اولوالعزم جانباز حضرت علاء بن حضرمیؓ والیٔ بحرین نے ۱۷ھ میں امیرالمومنینؓ کی اجازت کے بغیر حملہ کردیا، لیکن اس حملہ میں انہوں نے سخت نقصان اٹھایا، لشکر اسلام کا بڑا حصہ برباد ہوگیا اور جو باقی بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمرؓ کو صورت حال کا علم ہوا، تو آپ کو سخت رنج ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوانؓ کو لکھ کر مدد کے لیے بھیجا، انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقیماندہ مسلمانوں کو بچایا۔

اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی، تو حضرت ساریہؓ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے، اہل فارس اس وقت

---

[1] تاریخ طبری حصہ سوم، خلافت فاروقی و عثمانی

فوج میں جمع تھے۔ لیکن مسلمانوں نے اِدھر توجہ نہ کی اور اسی سمت بڑھتے چلے گئے جو اُن کے لیے متعین کر دی گئی تھی، اس بنا پر اہلِ فارس بھی فوج سے منتشر ہو گئے۔ چنانچہ مجاشع بن مسعود سابور اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے، توج میں اہلِ فارس سے مقابلہ ہوا اور اسے مسلمانوں نے فتح کر لیا دوسری طرف حضرت عثمان رضؓ بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے اور جور کے مقام پر یہاں کے باشندوں کو شکست دے کر جور اور اصطخر پر قابض ہو گئے اور پھر گازرون، توبنجان، شیراز، ارجان وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت عمر رضؓ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارے پر فارس میں بغاوت ہو گئی جس کے نتیجہ میں بہت سے مفتوح مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، لیکن حضرت حکم بن ابی العاص رضؓ نے فارس

فارس کے بعض مقامات فسا اور دارابجرد وغیرہ رہ گئے تھے، حضرت ساریہ رضؓ ان دو شہروں کی مہم پر روانہ ہوئے اور ایرانیوں کی چھاؤنی کے قریب پہنچ کر اتر پڑے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول کھینچا، تو ایرانیوں نے کردوں سے مدد طلب کی اور وہ ہر طرف سے ہجوم کر کے اُن کے پاس پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ اتنی طاقت فراہم ہو گئی کہ ان کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی، تاہم حضرت ساریہ رضؓ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کر لیا اور فسا اور دارابجرد پر قبضہ ہو گیا۔

کرمان

کرمان کی فتح پر حضرت سہیل رضؓ بن عدی مامور ہوئے تھے۔ فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا، چنانچہ ۲۳ھ میں ایک فوج لے کر جس کا ہراول دستہ بشیر بن عمرو العجلی کی ماتحتی میں تھا، کرمان پر حملہ آور ہوئے، اہلِ کرمان قفص وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لیے نکلے۔ لیکن شکست کھائی اور یہاں کا مرزبان میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد اسلامی فوجیں کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان تک بغیر کسی روک کے بڑھتی چلی گئیں اور بے شمار اُونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

سیستان

یہ ملک حضرت عاصم بن عمرو رضؓ کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ حضرت عاصم رضؓ کی فوج کشی کے دوران اہلِ سیستان مقابلہ کے لیے بڑھے مگر شکست کھائی، حضرت عاصم رضؓ بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اور دریا کا بند کھول دیا، جس سے سارے سیستان میں سیلاب آ گیا، اہلِ سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے، مسلمانوں نے منظور کیا اور اس شرط کا اس قدر لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو نہ جائے۔ اس ملک پر قبضہ ہو جانے کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جتنے ممالک تھے، ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آ گئی، چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران

سیستان، ایران کی آخری حد ہے، اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، اس لیے ایران کی سرزمین سے نکل کر اسلامی پرچم ہندوستان کی حدود کی طرف بڑھا۔ اس مہم میں حکم بن عمرو تغلبی مامور ہوئے تھے، چنانچہ آپ ۲۳ھ میں مکران کی طرف روانہ ہوئے اور نہر مکران کے اس طرف فوجیں اُتاریں، یہاں کا حکمران راسل سندھ کے حکمران کی مدد لے کر مقابلہ پر آیا، لیکن ایک خونریز جنگ کے بعد اسے شکست ہوئی اور مکران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حکم بن عمرو نے صحار عبدی کو نامۂ فتح اور مالِ غنیمت جس میں چند ہاتھی بھی تھے، دے کر امیرالمومنین رضؓ کے پاس بھیجا، آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ اس پر صحار عبدی نے عرض کیا کہ:۔

آرْضٌ سَهْلُهَا جَبَلٌ وَمَاؤُهَا وَشَلٌ وَثَمَرُهَا دَقَلٌ وَعَدُوُّهَا بَطَلٌ وَخَيْرُهَا قَلِيلٌ
وَشَرُّهَا طَوِيلٌ وَالْكَثِيرُ بِهَا قَلِيلٌ۔[1]

حضرت عمرؓ نے فرمایا، واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام؟ انہوں نے کہا "واقعی حالات بیان کر رہا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھیانک نقشہ سن کر حکم، کہ اکہ بھیجا کہ آگے پیشقدمی روک دی جائے، چنانچہ مشرق میں فتوحات فاروقیؓ کی آخری حد یہی مکران ہے لیکن مورخ بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ دیبل تک اسلامی فوجیں پہنچ گئی تھیں اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد ہی میں اسلام کا قدم ہندوستان میں پڑ چکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ

ان فتوحات کے دوران میں خاندانِ کیانی کا آخری تاجدار یزدگرد خراسان کے شہر مَرو میں مقیم تھا، مقدس آگ ساتھ تھی اور وہ یہاں سے ہی بیٹھے بیٹھے ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت احنفؓ بن قیس جو خراسان کی مہم پر مامور تھے، ۲۲ھ میں خراسان کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرنے کے بعد یزدگرد کے مستقر مرو شاہجہان کا رُخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، یزدگرد نے جب حضرت احنفؓ بن قیس کو مرو شاہجہان کی طرف بڑھتے دیکھا تو مرو الروذ چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی، حضرت احنفؓ کو خبر ہوئی، تو آپ فوراً مرو الروذ پہنچ گئے، یزدگرد یہاں سے نکل کر بلخ چلا گیا، حضرت احنفؓ نے تعاقب کیا، یزدگرد شکست کھا کر تاتاری علاقہ میں نکل گیا۔ حضرت احنفؓ نے بلخ پر قبضہ کر کے خراسان کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں، اس طرح چند دنوں کے اندر اندر نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔

یزدگرد، ایران سے بھاگ کر جب خاقان کے دربار میں پہنچا تو اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان کی طرف بڑھا، حضرت احنفؓ اس وقت مرو الروذ میں تھے، خاقان نے یہاں پہنچ کر حضرت احنفؓ کے مقابلہ میں صف آرائی کی، ایک دن خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکلے، حضرت احنفؓ نے تینوں کو قتل کر دیا جس سے خاقان کا عزم و استقلال متزلزل ہو گیا، اس نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں اور دوسروں کے لیے ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں، چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور اپنے حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو جب خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی، تو اس نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کے خزانہ اور کل موروثی دولت سمیت ترکستان جانے کا عزم کیا۔ درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے، اسے روکا، لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر اصرار کیا، اس پر درباریوں نے تمام مال و اسباب اس سے زبردستی چھین لیا، یزدگرد بے سروسامانی کی حالت میں خاقانِ چین کے پاس پہنچا اور تقدیر کی نافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

---

[1] الفاروق

یزدگرد کے ملک بدر ہو جانے کے بعد ایرانیوں نے حضرت احنفؓ کے پاس جا کر صلح کر لی اور تمام خزانہ ان کے حوالے کر دیا، مسلمانوں نے بھی اس کے صلہ میں ان لوگوں سے ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور نہایت فارغ البالی اور آرام و سکون سے رہنے لگے۔

حضرت احنفؓ نے بارگاہِ خلافت میں نامۂ فتح روانہ کیا، حضرت فاروقِ اعظمؓ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے فتح کا مژدہ سنایا اور اس موقع پر ایک مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا:

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے پاس نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے۔ اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو، ورنہ خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔"[1]

فتوحاتِ شام

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آغاز ۱۳ھ میں شام پر کئی اطراف سے لشکر کشی کے لیے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو حمص پر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر حضرت شرجیلؓ کو اردن پر اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا تھا، مسلمان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، جب یہ افسر عرب کی سرحد سے نکلے تو قدم قدم پر انہیں رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھے، ان کے علاوہ قیصر روم نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، اس پر اسلامی افسروں نے کل فوج کو ایک مقام پر جمع کرنے پر اتفاق کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو مزید کمک بھیجنے کے متعلق لکھ بھیجا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جو عراق کی مہم پر متعین تھے، دمشق پہنچنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت خالدؓ عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے ہوئے دمشق پہنچے، اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں قیام کیا، قیصر نے ایک فوج گراں مقابلہ کے لیے بھیجی جس نے اجنادین پہنچ کر لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح خود پیشقدمی کر کے اجنادین کی طرف بڑھے اور دیگر افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر ملیں، حضرت خالدؓ نے بڑھ کر حملہ کیا اور ایک خونریز معرکہ کے بعد فتح حاصل کر لی، پھر دمشق کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دورِ خلافت ختم ہو گیا اور اس کی فتح عہدِ فاروقی میں عمل میں آئی۔[2]

فتحِ دمشق

دمشق کی فتح کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ دورانِ محاصرہ دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ اہلِ شہر نے اس خوشی کے موقع پر جشن منایا، خوب شرابیں پئیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی، حضرت خالدؓ راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے، چنانچہ جب انہیں اہلِ شہر کی اس بے خبری کی اطلاع ہوئی، تو چند جانبازوں کے ساتھ کمندوں کے ذریعہ شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور محافظوں کو تہ تیغ کر کے پھاٹک کھول دیے۔ مسلمان جو باہر انتظار میں تھے۔ ہجوم کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ اہلِ شہر اس ناگہانی آفت سے ایسے بوکھلائے کہ انہیں کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، حضرت ابوعبیدہؓ شہر کی دوسری

---

[1] یہ تفصیلات الفاروق حصہ اوّل اور تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین سے ماخوذ ہیں۔ [2] الفاروق حصہ اوّل

سمت متعین تھے، یہ لوگ اُن کے پاس پہنچے اور صلح کی درخواست کی، حضرت ابُو عبیدہؓ کو چونکہ صورتِ حال کا علم نہ تھا، اس لیے صلح کر لی، چنانچہ شہر کی ایک سمت سے حضرت ابوعبیدہؓ مصالحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے خالدؓ فاتحانہ، لیکن حضرت ابُو عبیدہؓ چونکہ مصالحت کر چکے تھے، اس لیے دمشق کی فتح کو مصالحانہ قرار دے کر اہلِ دمشق کی جان و مال سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

اُردن کی فتح ——— معرکۂ فحل

رومی، دمشق کی فتح سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اردن کے مقام بیسان میں آ کر خیمہ زن ہوئے، مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر حضرت معاذ بن جبلؓ سفیر بن کر گئے مگر مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی اور ذیقعدہ ۱۴ھ میں جنگ شروع ہو گئی۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے شکستِ فاش کھائی اور مسلمان اُردن کے پورے صوبہ پر قابض ہو گئے۔ رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔[1]

حمص وغیرہ کی فتح

دمشق اور اُردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے۔ اس لیے حضرت ابُو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی۔ پھر بھی اہلِ حمص نے حکومت کی امداد کی امید پر چند دنوں تک مدافعت کی، لیکن چونکہ مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ اس لیے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخرکار صلح کر لی، حمص کے محاصرہ کے دوران حضرت ابُو عبیدہؓ نے حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لیے، چنانچہ اس کی تسخیر کے بعد حضرت ابُو عبیدہؓ نے حضرت عبادہؓ بن صامت کو یہاں متعین کیا اور خود لاذقیہ روانہ ہو گئے، یہ اگرچہ نہایت مستحکم و مضبوط شہر تھا۔ تاہم حضرت ابُو عبیدہؓ نے ایک خاص تدبیر سے اسے فتح کر لیا اور پھر ہرقل کے پایۂ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے، اس لیے رُک جانا پڑا۔

میدانِ یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ

دمشق، اُردن، حمص اور لاذقیہ کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے بھر دیا، انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر دیا اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں، ہرقل نے چند معزز اور صائب رائے لوگوں کو بُلا کر پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ کہ عرب تم سے ہر چیز میں کم ہونے کے باوجود فتح حاصل کرتے جا رہے ہیں؟ اس کے جواب میں سب نے سر جھکا لیا، تاہم ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ عربوں کا اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھا ہے، وہ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے اور آپس میں برابری سے رہتے ہیں، لیکن ان کے مقابلہ پر ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے، بدکاریاں کرتے اور دوسروں پر ظلم روا رکھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا اور ہمارے کام اُن سے خالی ہوتے ہیں۔

قیصر نے مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور اس کے مقابلہ پر رومیوں کی بیچارگی سے دل برداشتہ ہو کر شام چھوڑ کر قسطنطنیہ

---

[1] الفاروق حصہ اول

جانے کا قصد کیا، لیکن جوق در جوق بیکس و درماندہ رومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آگئی اور وہ پوری طاقت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار ہوگیا، چنانچہ تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے فرامین جاری کر دیے۔ رومی پہلے ہی جذبۂ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے، قیصر کے فرامین نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور انطاکیہ پر فوجوں کا طوفان امڈ آیا۔

مسلمانوں کی تیاریاں

ادھر مسلمان بھی رومیوں کی ان پرجوش تیاریوں سے بے خبر نہیں تھے، حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے فوج کے افسروں سے مشورہ کیا، سب نے مختلف آراء پیش کیں، آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کرلی جائیں، چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا تھا، سب واپس کر دیا گیا، کیونکہ مسلمان اب ان کی حفاظت سے مجبور تھے، اس واقعہ سے عیسائی اور یہودی اس درجہ متاثر ہوئے کہ سب رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔

دمشق میں اجتماع کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو ان تازہ حالات کی اطلاع بھجوائی، حضرت عمرؓ پہلے تو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہوگئی اور فرمایا خدا کی مصلحت اسی میں ہوگی، پھر حضرت سعیدؓ بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جاکر زبانی پیغام پہنچانا۔

اے برادرانِ اسلام! عمرؓ نے بعد سلام کے تم کو پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو اور دشمن پر شیروں کی طرح، اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں، ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اور آخری فتح تمہارے ساتھ ہے[1]

معرکۂ یرموک

اُردن کی حدود میں یرموک کا میدان جنگی ضروریات کے لحاظ سے مسلمان کے لیے نہایت موزوں اور باموقع تھا، چونکہ اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی، اس لیے حضرت ابو عبیدہؓ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں، رومیوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی، جبکہ اس کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد میں تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، لیکن سب کے سب یگانۂ روزگار تھے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں ایک ہزار بزرگ ایسے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال اقدس دیکھا تھا، ایک سو وہ تھے جنہیں غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا، باقی مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو شجاعت اور سپہ گری میں اپنی نظیر آپ تھے۔

یرموک کے پہلے مقابلہ میں اگرچہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا تاہم کوئی نتیجہ نہ نکلا اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہوگئی، التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے سفیر طلب کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، چنانچہ ۵ رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا، رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آنے۔ ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کا نام لے لے کر

---

[1] سیر الصحابہ بعہد خلفائے راشدین۔

جوش دلاتے تھے، غرض اس جوش و اہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا اور دو لاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا، فریقین میں ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، درمیان میں بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا، لیکن انجام کار ان کی ثابت قدمی اور پامردی سے آگے رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے اور مسلمان کل تین ہزار کام آئے۔ اس شکست نے رومیوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

یرموک کے معرکہ نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی، اس لیے مسلمانوں نے لوقا، حومہ، سرمین، توزمی، تورس اور ولوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لیے، حلب، قنسرین اور پایۂ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی، لیکن چونکہ کوئی بڑی طاقت ان کی پشت پر نہ تھی، اس لیے بہت جلد اطاعت قبول کر لی۔

بیت المقدس

اوپر گزر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاصؓ مامور ہوئے تھے۔ انہوں نے نابلس، لد، عمواس اور بیت جبرین پر قبضہ کر کے سنہ ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ اس اثنا میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی یرموک وغیرہ سے فارغ ہو کر ان سے مل گئے۔ عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی، لیکن چونکہ ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی، اس لیے مصالحت پر آمادہ ہو گئے اور اپنے اطمینان کے لیے یہ شرط پیش کی کہ امیر المومنینؓ خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کے بعد اسے منظور کر لیا اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب سنہ ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔

بیت المقدس کا سفر

حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا، آپ کی روانگی کی خبر حضرت ابو عبیدہؓ اور تمام دوسرے مسلمان افسروں کو دے دی گئی تھی، انہوں نے مقام جابیہ میں آپ کا استقبال کیا، مسلمان افسروں کے بدن پر دیبا و حریر کی پر تکلف قبائیں تھیں، حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر غصہ آ گیا اور کنکریاں مار کر فرمایا: "تم نے اتنی جلدی عجمی عادات اختیار کر لیں"، مسلمان افسروں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں فرمایا "تو پھر کچھ مضائقہ نہیں"[1]

جابیہ میں دیر تک قیام رہا۔ بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے۔ چنانچہ یہیں معاہدۂ صلح ترتیب دیا گیا اور اس پر تمام معزز صحابہؓ کے دستخط ہو گئے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے، آپ کا لباس اس قدر فرسودہ اور معمولی حیثیت کا تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے، چنانچہ انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی، آپ نے فرمایا "خدا نے جو ہم کو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لیے بس ہے"[2] غرض یہی لباس زیب تن کیے بیت المقدس میں داخل ہوئے کہ بے

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین [2] الفاروق حصہ اول۔

پہلے مسجد میں گئے، پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا، تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی درخواست کی، لیکن آپ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی۔[1]

چونکہ یہاں اکثر افسرانِ فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے۔ اس لیے بیت المقدس میں کئی دن تک قیام رہا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضؓ نے شکایت کی کہ امیرالمومنین رضؓ ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدے کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں، حضرت عمر رضؓ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا، انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں ارزاں ہیں، جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے، اس جواب پر ان کو منع تو نہ کر سکے لیکن حکم دے دیا کہ مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔[2]

ایک دن آپ نے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی، انھوں نے کہا کہ میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہوں گا، لیکن آج (اور صرف آج) آپ کی خواہش پوری کروں گا، حضرت بلالؓ جب اذان دینے لگے، تو صحابہ رضؓ کو رسول اللہؐ کا عہد مبارک یاد آ گیا اور سب کی آنکھیں بے اختیار اشک بار ہو گئیں، حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضؓ کی ہچکی بندھ گئی۔

حضرت عمر رضؓ نے بیت المقدس سے واپسی کے وقت تمام مفتوحہ علاقوں کا دورہ کیا۔ سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور پھر بخیر و خوبی مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

حمص میں بغاوت

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے، جزیرہ جو عراق کا حصہ ہے، اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا، اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے، اس لیے اہل جزیرہ کو شام کی فتح کے بعد اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا انہوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصرِ روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں، اس پر قیصر نے ایک فوج کثیر حمص روانہ کی۔ ادھر سے اہل جزیرہ بھی تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، دونوں فوجوں نے مل کر سنہ ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہیں اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی میں بھاگیں کہ مرج الدیباج تک ان کے قدم نہ تھمے یہ آخری معرکہ تھا جس کی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کی جرأت نہ ہو سکی۔

حضرت خالد بن ولید کی معزولی

شام کی فتوحات اور سنہ ۱۷ھ کے واقعات میں سے اہم واقعہ حضرت خالد رضؓ بن ولید کی معزولی ہے، عام طور پر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے زمامِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت خالد رضؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ سنہ ۱۷ھ کا ہے[3] نیز اس واقعہ کی تفصیلات میں بھی اختلاف ہے، کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر حضرت خالد رضؓ کو معزول کیا گیا تھا، اس ضمن میں قوی تر وجہ وہی ہے جس کا اظہار خود

---

[1] سیر الصحابہ رضؓ خلفائے راشدین [2] تاریخ اسلام حصہ اول [3] الفاروق جلد اول

حضرت عمرؓ فاروق نے کیا، مؤرخین کے مطابق معزولی کے بعد حضرت خالدؓ نے مدینہ آکر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: "خالدؓ واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں" اور عمّال کو لکھ بھیجا کہ "میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے، اس لیے میں نے انہیں معزول کر دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔" مؤرخین کے بیان کے مطابق جو قاصد معزولی کا حکم لے کر آیا اس نے بھرے مجمع میں نشانِ معزولی کے طور پر حضرت خالدؓ کے سر سے ٹوپی اُتاری اور اُن ہی کے عمامہ سے اُن کی گردن باندھ دی، حضرت خالدؓ نے اس موقع پر صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں افسروں کے احکام ماننے اور خدمت بجالانے کے لیے تیار ہوں، اس سے حضرت خالدؓ کی حق پرستی اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے، لیکن دم نہیں مارتا، بہرحال اس واقعہ کو قدرے وضاحت کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید کے حالات میں لکھا جائے گا، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

طاعونِ عمواس

۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں، وبا کا آغاز ۱۷ھ کے آخر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو جب خبر پہنچی تو آپ کو بڑا تردد پیدا ہوا اور آپ خود اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے شام روانہ ہوئے، لیکن مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ اس لیے صحابہؓ کے مشورہ سے لوٹ آئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو بھی بلا بھیجا، وہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت شدت سے اعتقاد رکھتے تھے، اس لیے جواب میں لکھ بھیجا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہوگا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ حضرت عمرؓ یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ چلے گئے جو آب و ہوا کی خوبی کے لیے مشہور تھا۔

حضرت ابوعبیدہؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا، اس لیے جابیہ پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ جب زیادہ شدت ہوئی، تو لوگوں کو جمع کر کے نہایت مؤثر تقریر کی۔ حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور انتقال کر گئے، وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا، حضرت عمروؓ بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانہ میں مصر پر نازل ہوئی تھیں، اس لیے یہاں سے نکل چلنا چاہیے، حضرت معاذؓ میں مذہب کا نشہ تیز تھا، چنانچہ جب انہیں حضرت عمروؓ بن العاص کی رائے کا علم ہوا، تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا، یہ بلا نہیں بلکہ خدا کی رحمت ہے، اس میں بڑے بڑے صلحاء نے انتقال کیا ہے۔ یہ تقریر کر کے گھر واپس آئے، تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا، وہ دیکھتے دیکھتے اُٹھ گیا، مگر حضرت معاذؓ کے استقلال میں فرق نہ آیا، بہرکیف بیٹے کو دفنا کر واپس آئے تو بیمار ہو گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود داعیٔ اجل کو لبیک کہا، حضرت عمروؓ بن العاص نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا، جس سے وبا کا خطرہ جاتا رہا۔

اس وبا سے پچیس ہزار جانیں ضائع ہوئیں، ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے اس قومی نقصان کے پیشِ نظر دوبارہ شام کا سفر اختیار کیا، اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کیے۔ فوج میں تنخواہیں تقسیم کیں اور متوفی مسلمانوں کے ورثاء کو مال کران کو ترکہ دلایا، سرحدی مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں اور جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں، ان پر نئے عہدہ دار مقرر کیے، اُن

انتظامات سے فارغ ہو کر آپ مدینہ لوٹے، تو یہاں ایک اور مصیبت تاک میں تھی، وہ یہ کہ عرب میں شدید قحط ٹوٹ پڑا اور اگر آپ نہایت مستعدی سے انتظام نہ کرتے تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوک کا شکار ہو جاتے۔

قیساریہ کی فتح

طاعونِ عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام مسخر ہو چکا تھا لیکن ایک شہر قیساریہ رہ گیا تھا، جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پُر رونق تھا۔ اس شہر پر اوّل اوّل ۱۳ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے چڑھائی کی، مدت تک محاصرہ کیے رکھا، مگر شہر فتح نہ ہو سکا، حضرت ابو عبیدہؓ کے انتقال کے بعد امیر المومنینؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کو اس مہم پر مقرر کیا، وہ سترہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ وہاں پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا، لیکن ۱۸ھ میں جب بیمار ہوئے تو اپنے بھائی امیر معاویہؓ کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی، امیر معاویہؓ نے بڑے سر و سامان کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا، تاہم شہر فتح نہ ہو سکا۔ ایک دن یوسف نامی ایک یہودی امیر معاویہؓ کے پاس آیا اور انھیں ایک سُرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک چلی گئی تھی، چند بہادروں نے اس سُرنگ کے راستے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا، اسلامی لشکر دھاوا کر کے شہر میں داخل ہو گیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے، چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا، اس لیے اس کے مفتوح ہونے کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات

شام کے زیرِ نگین ہونے کے بعد اس کے اہم سرحدی ملک مصر پر لشکر کشی ہوئی، اس فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاص کے سر ہے، آپ ظہورِ اسلام سے قبل بسلسلہ تجارت مصر آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصرِ روم کے ماتحت تھی۔ اس لیے شام کے اندر یا اس کے سرحدی علاقوں میں قبطیوں کے ذریعہ شورش برپا کرانے کا خدشہ ہر وقت موجود تھا، اس بنا پر شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص ۲۱ھ میں فاروقِ اعظمؓ سے باصرار اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ ہوئے اور عریش کے راستے فرما پہنچے، یہاں کی رومی فوجوں نے روکا، لیکن شکست کھائی، یہاں سے نپٹ کر حضرت عمروؓ بن العاص نے بلبیس اور ام دنین پر قبضہ کیا اور پھر فسطاط کی طرف بڑھے۔

فسطاط کا محاصرہ اور فتح

فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا، تاہم یہاں حکومتِ مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں رومی فوجیں رہا کرتی تھیں، حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کا محاصرہ کر لیا، لیکن چونکہ مصریوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لیے لکھا، امیر المومنینؓ نے حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت مقدادؓ بن عمرو اور حضرت سلمہؓ بن مخلد کو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ بھیجا، حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت زبیرؓ بن العوام کو ان کے رتبے کے لحاظ سے افسر بنایا، کامل سات ماہ تک محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعض صحابہؓ بھی آپؓ کے ساتھ تھے، فصیل پر پہنچ کر اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ عیسائی اس خیال سے کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے ہیں، بدحواس ہو کر بھاگنے لگے، اسی اثنا میں حضرت زبیرؓ نے فصیل سے نیچے اتر کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا اور لشکرِ اسلام اندر داخل ہو گیا۔ مقوقس والیٔ مصر نے صلح کر لی، قیصرِ روم کو جب اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے ایک لشکرِ گراں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی فتح

فسطاط کی تسخیر کے بعد سنہ ۲۱ھ میں حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ راستہ میں رومیوں اور قبطیوں نے قدم قدم پر اسلامی لشکر کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی، مگر مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مقام کریون میں پہنچ گئے۔ جہاں عیسائی لشکر سے نہایت خونریز معرکہ ہُوا، تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس کے بعد پھر کسی نے راستہ روکنے کی جرأت نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، مقوقس والیٔ مصر اگرچہ مصالحت پر قائم تھا، تاہم قیصر روم کے خوف سے بظاہر مقابلہ پر ڈٹا رہا لیکن خفیہ طور پر حضرت عمروؓ بن العاص سے طے کر لیا کہ چونکہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہیں، اس لیے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ بہرکیف اس خفیہ معاہدہ کے تحت قبطیوں نے مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی، فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے اور اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔

اسکندریہ کا محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی تشویش بڑھتی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ ’’معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو، ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی۔ میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو۔‘‘ اس خط پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایسی مؤثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ پھر حضرت عبادہؓ بن صامت کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اسی وقت حضرت معاویہؓ بن خدیج کے ذریعہ امیر المومنین کو فتح کی خوشخبری بھجوائی جسے سن کر حضرت عمرؓ زمین پر گر پڑے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔

متفرق فتوحات

حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ فتح کرنے کے بعد واپس فسطاط آ گئے، اب اگرچہ مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا تاہم مصر کے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے، چنانچہ اس خیال سے کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہے، آپ ادھر متوجہ ہوئے اور خارجہ بن حذافہ عدوی اور عمیر بن وہب الجمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا خارجہ نے فیوم اشمونین اخمیم، بشرادات اور صعید وغیرہ کو مطیع بنایا، عمیر بن وہب نے تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، دقہلہ اور شطا وغیرہ کو مسخر کیا اور عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا، اس طرح چند دنوں کے اندر پورا مصر زیر نگیں ہو گیا۔

طرابلس الغرب کی تسخیر

مصر کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور برقہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، اہل شہر نے جزیہ دے کر صلح کر لی، برقہ کی فتح کے بعد عقبہ بن نافع کو زویلہ بھیجا یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی، پھر حضرت عمروؓ بن العاص نے طرابلس الغرب پر لشکر کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

حضرت عمرؓ کی خلافت پورے عروج پر تھی کہ آپ کی شہادت کا حادثہ جانکاہ پیش آیا، اس کی تفصیل میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا پارسی غلام جس کا نام فیروز اور کنیت ابولؤلؤ تھی، ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اپنے آقا کی شکایت کی کہ انہوں نے بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے، آپ کم کرا دیجیے۔ آپ نے پوچھا، کتنا محصول لیتے ہیں؟ اس نے کہا دو درہم روزانہ، پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ ابولؤلؤ نے کہا آہنگری

نجاری اور نقاشی، فرمایا ان صنعتوں کے مقابلے میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے، اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا[1]

دوسرے دن (یعنی ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو فجر کی نماز کے وقت خنجر لیے مسجد میں آیا، جونہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی، ابولولو نے دفعۃً مسلسل چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا، آپ اس صدمے سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے نماز تمام کرائی کچھ لوگ ابولولو کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے، اس نے انہیں بھی زخمی کر دیا، لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی، حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے، آپ نے پہلا سوال یہ کیا کہ میرا قاتل کون تھا؟

لوگوں نے عرض کیا "فیروز" فرمایا الحمدللہ، میرا قاتل مسلمان نہیں ہے؟ اس حادثہ سے تمام لوگوں پر ایک مصیبت نازل ہو گئی، بعض کہتے تھے کہ کوئی ڈر نہیں ہے، اچھے ہو جائیں گے، بعض کہتے تھے کہ ہم کو خوف معلوم ہوتا ہے، لیکن جب نبیذ پلایا گیا اور وہ شکم سے نکل گیا اور پھر دودھ بھی شکم میں نہ ٹھہر سکا تو اس وقت عام طور پر یقین ہو گیا کہ اب زندہ نہیں رہ سکتے، یہ خبر مشہور ہوئی تو چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے، حضرت صہیبؓ آئے اور چیخ چیخ کر رونے لگے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: صہیبؓ "تم مجھ پر روتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رونے پر بعض اقسام کے نوحہ سے عذاب ہوتا ہے۔" حضرت عمرؓ کو جب زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اپنی آخری قیام گاہ کی فکر دامنگیر ہوئی، چنانچہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر حکم دیا کہ:

> "عائشہؓ ام المومنین کے پاس جاؤ اور کہو عمرؓ آپ کو سلام کہتے ہیں، امیرالمومنین نہ کہنا کیونکہ میں آج مومنین کا امیر نہیں ہوں ان سے کہنا کہ عمرؓ بن خطاب آپ سے اپنے دونوں ساتھیوں (آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ) کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں"[2]

حضرت عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے، وہ رو رہی تھیں، حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، "یہ جگہ میں نے اپنے لیے تجویز کی تھی، لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی" حضرت عبداللہؓ واپس آئے تو آپ نے پوچھا، کیا جواب لائے، عرض کی، امیرالمومنین کی جو تمنا تھی، فرمایا:-

> "خدا کا شکر ہے، اس خوابگاہ سے زیادہ میرے لیے کوئی چیز اہم نہ تھی، جب میرا انتقال ہو تو جنازہ اٹھا کر لے جانا اور سلام کے بعد کہنا عمرؓ بن خطاب اجازت چاہتے ہیں، اگر وہ (حضرت عائشہؓ) اجازت دیں تو اندر لے جانا اور اگر انکار کریں تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔"

جانشین امیرالمومنین کی حالت اب نازک ہوتی جا رہی تھی، آخری وقت آ گیا تھا، اس لیے بعض لوگوں نے جانشینی کا سوال پیش کیا، ارشاد فرمایا: "اگر میں خلیفہ بناؤں تو ایسا کر سکتا ہوں کیونکہ ابوبکرؓ نے جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ بنایا تھا، اور اگر نہ بناؤں تب بھی ایسا کر سکتا ہوں کیونکہ رسول اللہ صلعم نے جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ نہیں بنایا تھا"[3] لوگوں نے آپ کے اس خیال کی تعریف کی، تاہم صحابہؓ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے بار بار درخواست کر رہے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی نظر کسی پر جمتی نہیں تھی، کیونکہ آپ اکثر زندگی میں اس مسئلہ پر غور

---

[1] الفاروق حصہ اوّل [2] سیرالصحابہؓ جزو المہاجرین [3] ایضاً

کیا کرتے تھے۔ مگر اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کا نام پیش کیا، فرمایا "جسے بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ بارِ خلافت کیسے سنبھال سکتا ہے۔" لیکن جب متفقہ طور پر استخلاف کا مطالبہ ہوا تو فرمایا کہ،

"میں اس امر (خلافت) کا مستحق ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا، جن سے وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔" اس کے بعد حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ ——— اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، چھ صحابہؓ کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں رسول اللہ صلعم نے جنت کی بشارت دی تھی نامزد کر کے فرمایا کہ ان میں سے جس پر کثرت رائے ہو جائے، اسے امیر بنانا اور تاکید فرما دی کہ میری وفات کے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے، مزید حضرت صہیبؓ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فارغ ہونے کے بعد ان چھوؤں آدمیوں کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں سے کسی کا انتخاب نہ ہو جائے، دروازہ نہ کھولنا، حضرت عبداللہؓ (آپ کے صاحبزادے) مشورہ میں شریک رہیں گے، لیکن امارت سے انہیں کوئی تعلق نہ ہوگا، کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا۔" [1]

آخری وصیتیں

نامزدگی کے مرحلے سے فراغت کے بعد فرمایا:

"میں اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کا حق پہچانے اور ان کی عزت کی حفاظت کرے اور میں اس کو انصار کے حق میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے مدینہ کو گھر بنایا اور ایمان کو پناہ دی مہاجرین سے پیشتر یہ کہ ان کے محسن کو قبول کرے اور برائی کرنے والے سے درگزر کرے اور میں اس کو اہل امصار کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے پشت پناہ، مال کے فراہم کرنے والے اور دشمن کو غصہ دلانے والے ہیں اُن سے جو کچھ لیا جائے۔ رضامندی سے لیا جائے اور فاضل مال لیا جائے اور میں اس کو اعراب کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عرب کے اصل اور اسلام کا مادہ ہیں اُن کا عمدہ مال نہ لیا جائے اور جو لیا جائے وہ اُن کے فقراء کو تقسیم کر دیا جائے اور میں اس کو ان لوگوں کی نسبت وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسولؐ کا ذمہ ہے، یہ کہ اُن کا عہد پورا کیا جائے اور ان کی طرف سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ اُن کو تکلیف نہ دی جائے۔" [2]

قومی اُمور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر کہا کہ میرے بعد میرا قرض ادا کر دینا، اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندانِ عدی سے درخواست کرنا، اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کُل قریش سے، لیکن اُن کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔

وفات

غرض ہر قسم کی وصیتوں کے بعد چند دن بیمار رہ کر یکم محرم ۲۴ھ بروز شنبہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کی روح عالم قدس میں پرواز کر گئی، آفتاب تاریک ہو گیا، آسمان نے شفق کی سُرخی نمایاں کی، عرش عظیم جنبش میں آ گیا، گردش روزگار رُک گئی اور کائنات میں سناٹا چھا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بلاشبہ امیر المومنینؓ کی وفات کسی معمولی شخص کی وفات نہ تھی، کسی خاص مسلمان کی وفات نہ تھی، کسی برگزیدہ صحابیؓ کی وفات نہ تھی

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین۔ [2] سیر الصحابہؓ جزء المہاجرین۔

اُن کے انتقال سے مدینہ کے
بلکہ ایک قوم کی وفات تھی، ایک اُمت کی وفات تھی، اور ایک کائنات کی وفات تھی۔ در و دیوار متزلزل ہو گئے، عرب کا ستارۂ اقبال غروب ہو گیا، خلافتِ راشدہ کا شیرازہ بکھر گیا، شجاعت کی سدِ آہنیں پاش پاش ہو گئی ہو گئی، فتوحات کا سیلاب رُک گیا۔ فطرت کی شاہراہ گم ہو گئی۔ قلبِ اسلام شق ہو گیا اور عَلَمِ توحید کے پرزے اُڑ گئے۔

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ اٹھایا گیا، جب حجرۂ عائشہ رضؓ (مزارِ نبویؐ) کے دروازہ پہ پہنچے تو حضرت عبداللہؓ بن عمر رضؓ نے پکار کر کہا، "عمر رضؓ بن الخطاب اجازت طلب کرتے ہیں"۔ حضرت عائشہ رضؓ نے آواز دی، ان کو اندر لاؤ، چنانچہ میت اٹھا کر آنحضرت صلعم کی آغوش میں دے دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابیؓ، اسلام کی عملی تصویر، قرآنِ حکیم کی روح اور عرب کا قلب، زمین کے اندر داخل ہُوا تھا، اِس لیے مسلمانوں پر ایک عالمگیر مصیبت چھا گئی، حضرت عمرو رضؓ بن العاص کہتے ہیں "ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج سے قبل کبھی لوگوں پر مصیبت ہی نہیں آئی تھی"۔ انتقال کے وقت ترسیٹھ سال کی عمر تھی اور مدتِ خلافت (زخمی ہونے تک) دس سال چھ ماہ اور چار دن۔

حُلیہ

آپ قوی آدمی تھے، قد لمبا کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند نظر آئیں۔ رنگ گندم گوں، داڑھی گھنی، رُخسارے کم گوشت، جسم بھرا ہُوا۔ آنکھیں سُرخ اور چندیا کے بال صاف تھے۔

مسکن

روایات کے مطابق حضرت عمر رضؓ کے پاس دو مکان تھے، ایک عوالی میں تھا، جہاں خاندانِ بنو اُمیہ بن زید کی آبادی تھی، دُوسرا مسجدِ نبویؐ کے قریب تھا، جہاں وہ بعد میں اُٹھ آئے تھے، انتقال اسی مکان میں ہُوا تھا۔

ازواج و اولاد

حضرت عمر رضؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے، اُن کے ازواج کی تفصیل یہ ہے:

- حضرت زینب رضؓ بنتِ مظعون بن حبیب بن وہب مکہ میں مسلمان ہو کر مریں۔
- قریبہ بنت اُمیہ المخزومی۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضؓ کی بہن تھیں۔ مشرکہ ہونے کی وجہ سے غزوہ حدیبیہ کے زمانہ میں حضرت عمر رضؓ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔
- ملیکہ بنت جرول رضؓ خزاعی اُن کو بھی قریبہ کے ساتھ طلاق دے دی تھی۔
- جمیلہ بنتِ عاصم رضؓ بن ثابت انصاری
- عاتکہ بنتِ زید بن عمرو بن نفیل۔
- حضرت اُمِ کلثوم بنتِ علی رضؓ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کی نورِ دیدہ تھیں۔ حضرت عمر رضؓ نے خاندانِ نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمر رضؓ کی اولاد میں حضرت حفصہ رضؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں داخل تھیں۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی۔ اولادِ ذکور کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ رضؓ، عبیداللہ، عاصم رضؓ، ابو شحمہ، عبدالرحمٰن، زید اور مجیر، ان سب میں حضرت عبداللہ رضؓ، حضرت عبیداللہ رضؓ اور حضرت عاصم رضؓ اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں۔

حضرت عمرؓ نے علومِ اسلامیہ کی جو سرپرستی فرمائی تھی، ان کی اولاد نے اس کو تمام عمر پیشِ نظر رکھا۔ محدثین کے نزدیک دو سلسلے سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہیں اور ان کو وہ سلسلۃ الذہب (یعنی زنجیرِ زر) سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ دونوں سلسلے حضرت عمرؓ کی اولاد سے قائم ہوئے ہیں، پہلا سلسلہ وہ ہے جس کی رواۃ میں امام مالکؒ، نافعؓ اور عبداللہؓ بن عمر ہوں، دوسرا سلسلہ وہ ہے جس میں زہری، سالم اور عبداللہؓ بن عمر ہوں، ان میں امام مالکؒ اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ کے ہی خاندان کے ہیں، حضرت عبداللہؓ ان کے صاحبزادے سالمؓ پوتے اور نافعؓ غلام تھے۔[1]

حضرت عاصمؓ اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے اور ان کے بیٹے حفص نے بھی علومِ اسلامیہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ عاصمؓ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اموی کے نانا تھے جو خلفائے بنو امیّہ میں خلیفۂ راشد شمار کیے جاتے ہیں۔

موالی

حضرت عمرؓ کے متعدد غلام تھے، لیکن اسلم، ہنی اور یرفا نے اپنی مخصوص قابلیتوں کی بناء پر امتیازِ خاص حاصل کیا۔

فاروقی کارنامے

گزشتہ سطور میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اُسے پڑھ کر ہر ذی فہم یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ فتوحات کی کثرت، محاصل کی فراوانی، انتظامات کی خوبی، ظلم و جور کے انسداد، عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف و کمالات کے لحاظ سے دنیا کا کوئی حکمران فاروقِ اعظم کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا یہی وہ خوبیاں ہیں جو کسی حکومت یا حکمران کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کی سند عطا کرتی ہیں۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو تاریخی طور پر آج تک کسی اور فرمانروا میں جمع نہیں ہوئے۔ دنیا میں بلاشبہ عظیم الشان فاتح گزرے ہیں، لیکن تاریخ کے اوراق آج بھی ان کے ظلم و جور کی داستانوں پر نوحہ کناں ہیں، اُجڑی ہوئی بستیاں اور کھنڈر بن کر صفحۂ ارضی سے مٹ جانے والے شہر آج بھی اُن طوفانوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کسی فاتح کے جلو میں آئے اور انسانی آبادیوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ بہا کر لے گئے، لیکن حضرت عمرؓ کے دس سالہ دورِ خلافت میں، جبکہ ایران اور روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اُڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا تھا۔ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا، جس میں خونِ ناحق کا ایک قطرہ بھی گرنے پایا ہو اور ظلم و جور کو ایک لمحہ کے لیے بھی روا رکھا گیا ہو۔

یہ بات ایک حد تک صحیح ہے کہ اسلامی فتوحات کے وقت روم اور ایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور عظمت باقی نہ رہ گئی تھی تاہم فنونِ جنگ کی واقفیت، رسد کی فراوانی، آلاتِ جنگ کا تنوع، غرضیکہ ہر لحاظ سے دونوں حکومتیں عربوں جیسی بے سروساماں قوم پر فوقیت رکھتی تھیں، پھر بھی عربوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جانا، خصوصاً غیر مسلم مؤرخین کے نزدیک ایک حیرت انگیز واقعہ رہا ہے اور اس ضمن میں کئی قسم کے دلائل پیش کیے جاتے رہے ہیں، لیکن ان سب کا مسکت اور مدلل جواب علامہ شبلی کے لفظوں میں صرف اس قدر ہے کہ:

"مسلمانوں میں اس وقت بانیٔ اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی اور دلیری پیدا

---

[1] سیر الصحابہؓ جزو المہاجرین

ہوگئی تھی اور جس کو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں؛ البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیامِ حکومت میں مدد دی، اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی تھی، جس کے لوگ اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے ان کا زوال نہیں چاہتے تھے، یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا[1]

اکثر مؤرخین نے حضرت عمرؓ کا سکندر، چنگیز اور تیمور سے موازنہ کیا ہے، لیکن ان سب کے کارناموں کو پیش نظر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے بلاشبہ ایک عالم کو زیرنگیں کیا، لیکن اس کے ساتھ زیر و زبر بھی کر دیا، وہ صرف جہانگیر تھے جہاندار نہ تھے، ان کی فتوحات سے وابستہ ان کا ظلم و ستم انسانوں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی۔ یہ فاتح انسانوں کی بداعمالیوں کے لیے خدا کے نشتر تھے، جہاں گئے لوگوں پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹے اور جدھر سے بھی گزرے انسانوں کو انہی کے خون میں لوٹاتے گئے۔ اس کے برعکس حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت اسلام کی انسانیت نوازی کا ایک ایسا عملی مظاہرہ ہے جس نے انسان کو بحیثیت اشرف المخلوقات کے سربلند کیا اور اس کو اس جبر و قہر سے نجات دلائی جس کو وہ مطلق العنان فرمانرواؤں کے ہاتھوں صدیوں سے برداشت کر رہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ملک کے ملک فتح ہوئے، اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران خواہ وہ سکندر، چنگیز، تیمور یا کوئی اور ہو زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کر سکتا۔

حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ

مؤرخین کے نزدیک حضرت عمرؓ کی فتوحات سے بھی بڑھ کر اصل کارنامہ ایک ایسا آئین حکومت مرتب کرنا اور ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا ہے، جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دورِ ترقی میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عمرؓ نے جس وقت مسندِ خلافت پر قدم رکھا اس وقت کوئی بڑا انتظامِ حکومت نہ تھا، لیکن آپ نے اپنے دس سالہ عہدِ حکومت میں نہ صرف ایک نہایت وسیع نظام قائم کر دیا بلکہ اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر شعبے ہیں آپ ہی کے دور میں وجود پذیر ہوئے۔

جمہوری حکومت

حضرت عمرؓ کی حکومت اپنی ترکیب اور ساخت میں جمہوری طرزِ حکومت کے مشابہ تھی، جمہوری طرزِ حکومت کا طغرائے امتیاز رعایا کی مداخلت ہے، اس سلسلہ میں آپ کا بڑا کارنامہ مجلس شوریٰ کا قیام ہے، جس کے بغیر حکومت کا کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکتا تھا، اس کے ممتاز ارکان میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت شامل تھے۔ اس کے علاوہ اہم معاملات میں مہاجرین، انصار اور سردارانِ[2]

---

[1] الفاروق، بعنوان فتوحات کے اصل اسباب

لشکر کی رائے بھی ضروری سمجھی جاتی تھی اور ایرانیوں میں سے ہرمزان کا مشورہ ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

جمہوریت کی انتہا یہ ہے کہ فرمانروائے وقت کا ذاتی اثر بالکل معدوم ہو جائے اور رعایا اپنے معاملات میں بالکل آزاد ہو۔ حضرت عمرؓ نے خود اپنے عمل سے یہ نظیر قائم فرمائی اور اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی' آپ نے اس حیثیت کو متعدد مواقع پر واضح کیا، ایک موقعہ پر فرمایا:

"مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا، اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازے سے کھانے کے لیے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر حقوق ہیں' جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور پر صرف نہ ہونے پائے' ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں[1]۔"

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:

"میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ' میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو[2]۔"

حضرت عمرؓ کی مذکورہ بالاتقریر محض دل پذیر خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ آپ نہایت سختی کے ساتھ اس کے عامل بھی تھے جیسا کہ واقعات اس کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں' ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ مال غنیمت کے آنے کی خبر سن کر حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیرالمومنینؓ میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں' اس لیے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ "بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے' افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا:" بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔

ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا' بیت المال میں شہد موجود تھا' لیکن اجازت کے بغیر نہیں لے سکتے تھے چنانچہ مسجد نبویؐ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ: "اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں"۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ اس قدر محتاط تھے تو ظاہر ہے کہ بڑے امور میں آپ کس قدر احتیاط برتتے ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو آزادیٔ رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق دے رکھا تھا۔ اس بناء پر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان برسرعام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتا' ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا: "اے عمرؓ خدا سے ڈر"۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے اس کو روکنا چاہا' لیکن حضرت عمرؓ نے منع کر دیا اور فرمایا: "کہنے دو' اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم" یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی بلکہ عورتوں کو بھی حاصل تھی' ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر

---

[1] سیر الصحابہ خلفائے راشدین، [2] تاریخ اسلام حصہ اول شاہ معین الدین

فرما رہے تھے کہ اثنائے تقریر میں ایک عورت نے ٹوک دیا اور کہا "اے عمرؓ خدا سے ڈر"۔ اس کا اعتراض چونکہ صحیح تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر فرمایا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسی آزادی اور مساوات نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو حد درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوشِ استقلال اور عزم و شجاعت کا مجسم پتلا بنا دیا تھا۔

نظامِ حکومت

نظامِ حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے، اسلام میں اس کا آغاز حضرت عمرؓ نے کیا اور ممالکِ محروسہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین، ان کے علاوہ مشرق میں تین صوبے اور تھے خراسان، آذربائیجان اور فارس، صوبہ میں حاکمِ اعلیٰ، میر منشی، دفترِ فوج کا میر منشی، کلکٹر، افسرِ پولیس، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔ بعض حالات میں سپہ سالار الگ ہوتا تھا۔ لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری حاکمِ اعلیٰ کے ہی متعلق ہوتی تھی، چنانچہ کوفہ میں حضرت عمارؓ بن یاسر والی، حضرت عثمانؓ بن حنیف کلکٹر، حضرت عبداللہؓ بن مسعود افسرِ خزانہ، حضرت شریحؓ قاضی اور حضرت عبداللہؓ بن خلف الخزاعی میر منشی تھے۔[1]

عہدہ داروں کا انتخاب

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلسِ شوریٰ میں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کسی لائق، راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمرؓ فطرتاً جوہر شناس اور دقیقہ رس واقع ہوئے تھے۔ اس لیے ارکانِ مجلس آپ کے حسنِ انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاقِ رائے کر لیتے تھے۔

تنخواہ

حضرت عمرؓ سے پہلے تنخواہ کا رواج نہ تھا، ایک بڑی غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ لوگ تنخواہ لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے، لیکن یہ چونکہ امرِ تمدن اور اصولِ انتظام کے خلاف تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اس غلطی کو رفع کرنے کی بڑی کوشش کی، چنانچہ آپ نے خود اپنا وظیفہ مقرر کرایا۔ جس کے باعث بڑی حد تک یہ خیال زائل ہو گیا اور لوگ خوشی سے تنخواہ لینے لگے، تاہم بعض اب بھی قدیم خیال پر قائم تھے، حضرت ابوعبیدہؓ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے۔ حق خدمت لینے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا، اسی طرح حضرت حکیمؓ بن حزام نے حضرت عمرؓ کے اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔

عاملوں کی تحقیقات

اگرچہ حضرت عمرؓ انتخاب کے وقت ہر قسم کی چھان بین فرماتے تھے۔ تاہم آپ نے عمال کے طرزِ عمل کی تحقیقات میں خاص کاوش کی اور حکام کی نگرانی کی جو ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی تھی۔ اس کو نہایت اہتمام سے انجام دیتے تھے۔ آپ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے، جس میں اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی، جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا وہاں یہ پروانہ مجمعِ عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔[2] کہ وہ اپنی حدود سے آگے بڑھنے نہ پائے، ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہو گا، باریک کپڑا نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور

---

[1] الفاروق حصہ دوم [2] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین

اہل حاجت کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھے گا اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کرکے محفوظ کر دی جاتی تھی۔ واپسی کے وقت جس عامل کے پاس اس فہرست سے زیادہ مال ہوتا، اس سے نہ صرف باز پرس کی جاتی بلکہ آدھا مال ضبط کرکے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا، ایک دفعہ بہت سے عمال اس زیادتی کے مرتکب ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ حضرت عمرؓ کو اطلاع دی آپ نے سب کی املاک کا جائزہ لیا اور آدھا آدھا مال ضبط کرکے بیت المال میں داخل کر دیا[1]

تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں حاضری کا حکم تھا، ان کی موجودگی کا اعلان عام کیا جاتا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے، چنانچہ اگر معمولی نوعیت کی شکایات بھی پیش ہوتی تھیں، تو تحقیقات کے بعد ان کا تدارک کر دیا جاتا تھا۔ حج کے موقع پر چونکہ تمام مسلمان جمع ہوتے تھے اس لیے شکایات معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں عامل نے مجھے بے وجہ کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے استدعا کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ آخر متعلقہ عامل نے مستغیث کو ایک ایک کوڑے کے عوض دو دو اشرفیاں دے کر راضی کیا اور خلاصی حاصل کی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم ترین کڑی ہے۔ عیاض بن غنم عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتہ پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی کو آگ لگوا دی۔ اسی طرح اور بہت سے عاملوں کو اسی قسم کی سزائیں دیں۔ جن کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے۔ آپ نے عرب جیسی مختار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا و غلام کی تمیز بھی باقی نہ رہنے دی، ایک دن صفوان بن اُمیہ نے آپ کے سامنے ایک خوان پیش کیا۔ آپ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا؟ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔[2]

ایک دفعہ حضرت ابیؓ بن کعب، جو بڑے رتبے کے صحابیؓ تھے، مجلس سے اٹھے، تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ آ نکلے، یہ حالت دیکھ کر آپ نے ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا، انہوں نے وجہ پوچھی، فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

شعر و شاعری کے ذریعہ ہجوگوئی عرب کا عام مذاق تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے بند کرایا۔ آپؓ نے حطیہ کو جو اس زمانے کا مشہور ہجوگو شاعر تھا، قید کر دیا اور اس شرط پر رہا کیا کہ وہ پھر کسی کی ہجو نہیں کہے گا، ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کو نہایت شدت

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین [2] ایضاً

سے روکا، شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا اور شراب خوری کی سزا سخت کر دی یعنی چالیس درّے سے بڑھا کر اسّی درّے کر دیے۔

حضرت عمر رضؓ نے مسلمانوں کو اخلاقِ ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارمِ اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی۔ آپ مساوات اور عزتِ نفس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ کی طرف سے تمام عمال کو ہدایت تھی کہ وہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں کیونکہ اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے۔

صیغۂ محاصل عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی، اس لیے وہ خراج و محاصل کے نظم و نسق سے ناآشنا تھے۔ اسلام کی ابتداء میں اس قدر ہُوا کہ جب خیبر فتح ہُوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی درخواست پر خیبر کی زمین انہی کے پاس رہنے دی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا، اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی، حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد میں بھی یہی نظام برقرار رہا۔ لیکن حضرت عمر رضؓ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا۔ ان کے عہد میں جب شام و ایران فتح ہُوئے تو لوگوں نے رائے دی کہ مفتوحہ علاقے فوج کی جاگیروں میں دے دیے جائیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے، انہیں قبضہ کا بھی حق ہے، حضرت بلال رضؓ بھی اسی رائے پر مُصر تھے، مگر خود حضرت عمر رضؓ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے، حضرت علی رضؓ، حضرت عثمان رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ بھی حضرت عمر رضؓ کے ہمنوا تھے غرض مجلسِ عام میں مسئلہ پیش ہُوا اور بالآخر بڑے بحث و مباحثہ کے بعد کثرتِ رائے سے فاروقِ اعظم کی رائے پر فیصلہ ہو گیا۔

اس فیصلہ کے بعد حضرت عمر رضؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کرائی، قابلِ زراعت اراضی کا بندوبست کیا اور عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا۔ مالگذاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا اور زمینوں پر اتنی مالگذاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجائش باقی رہے۔ محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تاکہ اس میں ظلم و زیادتی کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علی حالہ قائم رکھا گیا۔ مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم طریقہ جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ شاہی ارکانِ دولت اور افسرانِ فوج کی جاگیروں میں تقسیم تھا۔ ملک کے اصل باشندوں اور کاشت کاروں کے قبضہ میں بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی، چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے یہ طریقہ ختم کرایا اور زمین ملک کے اصلی باشندوں اور کاشت کاروں کے قبضہ میں دے دی، اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا، زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گی، لیکن زمین لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا، اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔[1]

محکمہ آب پاشی: حضرت عمر رضؓ نے زراعت کی سیرابی کے لیے متعدد نہریں جاری کیں، بند باندھے، تالاب بنائے، پانی

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین۔

کی تقسیم کے لیے دہانے بنائے، نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کے لیے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا۔ اس ضمن میں نہر ابوموسیٰ، نہر معقل، نہر سعد اور نہر امیرالمومنین وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن سے زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی حسبِ ذیل تھے۔ زکوٰۃ، جس میں چاندی، نقد، سکہ، مولیشی، تجارتی سامان وغیرہ سب کی زکوٰۃ کی آمدنیاں شامل تھیں، خراج غیر مسلموں سے لیا جاتا اور عُشر یعنی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ مسلمانوں سے، تجارت پر عشور یعنی چنگی لگائی گئی، اس کو اسلام میں سب سے اوّل حضرت عمرؓ نے جاری کیا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے۔ ان کو دس فیصد ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بھی غیر ملکی مال پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا۔ ذمیوں کے لیے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانوں کے لیے اڑھائی فیصدی، اسی طرح گھوڑوں کی تجارت پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی گئی۔ اس حکم سے سواری کے گھوڑے مستثنیٰ تھے۔

حضرت عمرؓ کا عہد چونکہ فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں ممتاز ہے، اس لئے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوتی، اس کے علاوہ جزیہ بھی وصول کیا جاتا۔ یہ ایک قسم کا ٹیکس تھا جو ذمیوں سے اُن کی حفاظت اور جنگی خدمات کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، جزیہ کی تشخیص رعایا کی خوشحالی اور ناداری کے لحاظ سے کی جاتی، چنانچہ اہلِ شام پر فی کس چار دینار اور اہلِ یمن پر فی کس ایک دینار مقرر کیا گیا۔

بیت المال

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اگرچہ بیت المال قائم ہو گیا تھا اور اس کے لیے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی تاہم آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی اس میں سے خرچ کر کے جو کچھ بچتا اُسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے، چنانچہ ان کی وفات کے وقت جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا، تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا، تو دوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی، چنانچہ تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیتُ المال قائم کیے اور اُن کے لیے وسیع عمارتیں بنوا کر ہر جگہ اس محکمہ کے جُداگانہ افسر مقرر کیے۔ دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہؓ بن ارقم تھے۔ کوفہ کے حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور اصفہان کے حضرت خالدؓ بن حرثؓ کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔[1]

بیت المال کی آمدنیوں اور مصارف کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی، پھر یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچ جاتی، وہ سال کے اختتام پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی، حضرت عمرؓ اس کے متعلق عمال کو احکام بھیجتے تھے، صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے۔ صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔[2]

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین۔ [2] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین۔

بیت المال کی حفاظت

بیت المال کے قیام سے بھی زیادہ ضروری اس کی حفاظت تھی، کیونکہ اس میں جو کچھ بھی تھا، وہ مسلمانوں کی امانت تھی، اس لیے حضرت عمرؓ ادھر سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ ایک ایک امانت کی حفاظت بنفس نفیس فرماتے اور اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیے کے درج رجسٹر کراتے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ امیر المومنینؓ اس کی تلاش میں نکلے کہ عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے، دیکھا کہ حضرت عمرؓ دامن چڑھائے ادھر اُدھر دوڑ رہے ہیں، جب آپ نے احنف کو دیکھا، تو فرمایا، تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنینؓ آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔" فرمایا، مجھ سے بڑھ کر کوئی غلام ہو سکتا ہے[1]؟ آپ کو اپنے مرحوم بھائی حضرت زیدؓ کی بچی سے والہانہ محبت تھی، ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات میں سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی۔ آپ چونکہ اسے آزردہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے پیار سے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا، تو اس میں صرف ایک درہم نکلا، انھوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بچے کو دے دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا تم کو مدینہ میں آل عمرؓ کے سوا کوئی گھر نظر نہ آیا۔ تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن اُمت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔ اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس ضمن میں کس قدر محتاط تھے۔

صیغۂ عدالت

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت عالم وجود میں آیا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابتدا میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے یہی رواج قائم رکھا، لیکن جب پورا انتظام قائم ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، قاضی مقرر کیے اور قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا، جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا۔ اس فرمان کا ترجمہ یہ ہے :

"اما بعد، قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو، تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور معزز آدمی کو رو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال، حرام ہونے نہ پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے، تو اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو، جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے۔ اس کے لیے ایک میعاد مقرر کردو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصلہ کرو، ان اشخاص کے سوا جنھیں سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو، سب مسلمان ثقہ ہیں۔[1]

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل۔

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ:

"مقدمات میں اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو اگر قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو، اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو۔"

قضا کی خدمت چونکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لیے حضرت عمرؓ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لیے انہی بزرگوں کو منتخب فرماتے تھے۔ جن کا علم، تقدّس، ذہانت اور قوتِ فیصلہ مسلّم تھی، چنانچہ پایۂ تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی حضرت زیدؓ بن ثابتؓ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ کوفہ کے حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں، ان کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے جو اگرچہ صحابہؓ میں سے نہ تھے، لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ دوسرے مقاموں میں حضرت جمیلؓ بن المعمرؓ حضرت ابومریم حنفیؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت ربیعہؓ باہلی، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ، حضرت عمرانؓ بن حصین اور ابو قرہ کندی وغیرہ اس منصب پر مقرر تھے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کے تحت ہوتا تھا، اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کا انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لیے گو خود امید واروں کی سیرت کافی رہتی پھر بھی حضرت عمرؓ اس پر اکتفا نہ کرتے تھے، بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔[1]

رشوت ستانی کے انسداد کے لیے حضرت عمرؓ نے قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ سلمان، ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھیں، حضرت عمرؓ نے مزید یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولت مند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی مقرر نہ ہونے پائے، حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو جو فرمان لکھا اس میں قاعدہ کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا۔

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دار القضاۃ کے اندر شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل، سب کی سطح برابر ہو اور قانون کی نگاہ میں لوگ مساوی سمجھے جائیں، یہاں تک کہ خود امیر المومنینؓ بھی اس عالمگیر مساوات کے دائرہ سے باہر نہ تھے۔ ایک بار انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا، اگر آپ حاکم ہوں اور میں کسی شخص کو زنا یا چوری کرتے دیکھوں تو آپ کیا کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا آپ کی شہادت صرف ایک مسلمان کی شہادت کے مساوی ہوگی (یعنی امارت کا کچھ اثر نہ ہوگا) حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔

حضرت عمرؓ نے عدل و انصاف میں مساوات کے لیے یہاں تک عملی کوششیں کیں کہ قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان میں اور حضرت اُبیؓ بن کعبؓ میں کچھ نزاع ہو گیا، حضرت اُبیؓ نے حضرت

---

[1] الفاروق حصہ دوم

زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، حضرت زیدؓ نے تعظیم کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق حضرت اُبیؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا، چنانچہ حضرت اُبیؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن حضرت زیدؓ نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے حضرت اُبیؓ سے درخواست کی کہ امیر المومنینؓ کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس ترجیح پر نہایت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے[1]

محکمہ افتاء

یہ صیغہ عدالت کے متعلق ہے اور اسلام کے سوا اور کہیں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی، حضرت عمرؓ نے عوام کی آسانی کے لیے فقہا صحابہؓ کی ایک جماعت مخصوص کر دی تھی۔ جن کا کام لوگوں کو مسائل بتلانا تھا۔ چنانچہ جو شخص جب کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا، ان سے دریافت کر سکتا تھا، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو درداءؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔[2]

فوجداری اور پولیس

قیام امن کا مدار پولیس پر ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا، جس کو احداث کہتے تھے، اس کے افسر کا نام صاحب الاحداث تھا، حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنایا، تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن وامان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں بعض مؤرخین کے نزدیک محکمہ احتساب ایک علیحدہ محکمہ تھا، جس کے فرائض میں ایسے امور کی نگرانی شامل تھی، جن کا تعلق عوامی مفاد اور احترام شریعت سے ہے، مثلاً دکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے۔

جیل خانہ کی ایجاد

حضرت عمرؓ نے اس صیغہ میں دو اہم ایجادیں کیں یعنی جیل خانہ کی ایجاد اور جلاوطنی کی سزا، ورنہ اس سے پیشتر عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا، اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں، چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔[3]

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا

تعمیرات

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا، تاہم صوبہ جات اور اضلاع کے حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع پیمانے پر جاری تھا، ہر جگہ حکام کی رہائش اور دیگر امور کے لیے عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہ عام کے لیے سڑکیں، پل اور مساجد تعمیر کی گئیں، مسافروں کے لیے مہمان خانے اور فوجی ضروریات کے لحاظ سے چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں، حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے، لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو ایک مشہور مجوسی معمار روزبہ نے بنایا تھا اور

---

[1] کنز العمال جلد ۳ [2] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین [3] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین۔

اس میں خسروانِ فارس کی عمارات کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق تھا، اس کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ دونوں شہروں کے درمیان راستہ سہل اور آرام بنایا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں اس امر کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سڑکیں اور سرائے تیار کرائے۔

مستعمرات مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو اُن کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انھوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرحِ اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نوآبادیاں قائم کیں۔ حضرت کے دورِ خلافت میں جو شہر آباد ہوئے، اُن میں بصرہ، کوفہ، فسطاط، موصل اور جیزہ قابلِ ذکر ہیں۔ بصرہ سنہ ۱۴ھ میں حضرت عمرؓ نے بن غزوان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب، جہاں بحرِ فارس کی خلیج کے ذریعے سے ہندوستان اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوتے تھے، آ شہر بسانے پر متعین کیا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے، جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں کفِ دست پڑا ہوا تھا اور چونکہ اس کی کنکریلی زمین اور آس پاس پانی اور چارہ کی فراہمی عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی، اس لیے عتبہ نے حضرت عمر کے حکم پر اس جگہ بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ ابتدا میں آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی، لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی، یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہدِ امارت میں صرف ا کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے۔ اسی ہزار اور ان کی آل اولاد کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ لاکھوں مسلمانوں کا مایۂ ناز شہر رہا، دنیا کی سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی وہ یہیں لکھی گئی، اس کا نام کتاب العین ہے جو خ بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علمِ عروض اور موسیقی کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھ ائمہ مجتہدین میں سے خواجہ حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔[1]

کوفہ ۔۔ دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنینؓ کے حکم سے سنہ ۱۷ھ اس کی بنیاد رکھی اور چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے۔ یہ جگہ جہاں کوفہ آباد ہوا، عراقِ عرب کے فرمانروا النعمان کے خاندان کا پایۂ تخت تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ اس کی زمین کا انتخاب حضرت اور حضرت حذیفہؓ نے کیا تھا جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے۔ اس کا منظر اس قدر خوشنما تھا کہ اہلِ عرب اس مقام کو "محبوب" کہتے تھے۔ یہاں کی زمین چونکہ ریتلی اور کنکریلی تھی اس لیے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔

حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ آپ نے شہر کے نقشہ کے متعلق خود یادداشت لکھ کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں، اس سے کم کی مقدار تیس تیس ہاتھ اور بیس بیس ہاتھ سے کم نہ ہو اور گلیاں سات ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے

---

[1] الفاروق حصہ دوم

کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا، جو سنگِ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا، جس میں بیت المال کا مکان بھی شامل تھا، ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا، جس میں باہر سے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ گیا تھا کہ وہ اس کو راس الاسلام فرمایا کرتے تھے۔ علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا، ابو الاسود دؤلی نے اوّل اوّل نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے اور فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابو حنیفہ نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ اسی شہر میں قائم کی، حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ جن میں امام نخعیؒ، حمادؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شعبیؒ شامل تھے، سب اسی معدن کے لعل و گوہر تھے۔

فسطاط - دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا۔ عمرو بن العاص فاتح مصر کا لشکر اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا، اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلہ بنالیا، جب حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ کی تسخیر کے لیے یہاں سے کوچ کیا، تو قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ پھر جب آپ اسکندریہ کی فتح کے بعد واپس اسی مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ خیمہ اسی حالت میں کھڑا تھا جیسا کہ آپ اسے چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے ۲۱ھ میں اسی میدان میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی، چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں، اس لئے شہر کا نام فسطاط قرار پایا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے پورے مصر کا صدر مقام بن گیا، امیر معاویہؓ کے زمانے میں چالیس ہزار اہلِ عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے مورخین کے مطابق ایک زمانے میں یہاں تین سو ساٹھ مسجدیں، آٹھ ہزار سڑکیں اور گیارہ سو ستر حمام تھے، جامع مسجد کی تعمیر میں خاص اہتمام کیا گیا، عام روایت ہے کہ اسّی صحابہ کرامؓ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہؓ میں حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبادہؓ، حضرت ابو درداؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شامل تھے۔ اس مسجد کا طول پچاس گز اور عرض تیس گز تھا، تین طرف دروازے تھے جن میں ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

فسطاط مدت تک سلاطینِ مصر کا پایۂ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا، چوتھی صدی کے ایک سیاح علامہ بشاری نے ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچا ہے۔

"یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے، دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں اور نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔"

موصل - مورخین کے مطابق یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، مگر ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے معبد تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا، ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی، چونکہ یہ شہر مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے، اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ - یہ چھوٹا سا شہر دریائے نیل کے مغربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے، اس کی تعمیر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے فتح اسکندریہ کے بعد اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لبِ ساحل متعین کر دی تھی جن میں حمیر، ازد، ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے، فسطاط کی آبادی کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے لوگوں کو بلا لینا چاہا مگر

ان کو دریا کا منظر ایسا اچھا لگا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کے لیے سنہ ۱۴ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نو آبادی کی صورت پیدا ہو گئی [۱]

فوجی انتظامات

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، لیکن جب اسلام ایک وسیع سلطنت کا مالک بن گیا اور قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے، تو اس کو ایک منظم فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغۂ فوج قائم کیا، اس باب میں پہلے آپ کا خیال تمام ملک کو فوجی بنانے کا تھا، لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تقسیم ممکن نہ تھی اس لیے پہلے قریش و انصار سے آغاز کیا، مدینہ منورہ میں اس وقت تین بزرگ یعنی حضرت مخرمہؓ بن نوفل، حضرت جبیرؓ بن مطعم اور حضرت عقیلؓ بن ابی طالب علم الانساب اور حساب و کتاب کے فن میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش و انصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو، اس ضمن میں یہ ہدایت بھی فرمائی کہ رجسٹر کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم سے کریں اور پھر درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہوں، اسی ترتیب سے ان کے نام لکھیں، یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام لکھیں، بہرکیف اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور بیوی بچوں کے گزارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے، جن کی مقدار دو سو درہم سالانہ سے چار سو درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مساوات کا کیا سبق سکھایا تھا، کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر عرب کے تمام قبائل میں عام کر دیا پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی النسل کی مرتبہ کے لحاظ سے تنخواہ مقرر ہوئی، یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لیے بھی وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا۔ اس نظام سے گویا عرب کا ایک بچہ اپنی پیدائش کے دن سے ہی اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔

فوجیوں کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا، بھتہ اور تنخواہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے موقع پر خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی [۲] تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف یعنی مقدم ہوتا تھا۔ اسی طرح ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء العشار کہتے تھے، تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں، وہ امرائے اعشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی، کوفہ و بصریٰ میں سو عریف تھے، جن کے ذریعے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسن خدمت اور کارکردگی کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا، چنانچہ قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی دکھانے کے صلہ میں زہرہ، عصمہ اور ضبی وغیرہ کی تنخواہیں دو دو ہزار سے بڑھا کر اڑھائی اڑھائی ہزار کر دی گئیں [۳]

فوج کی صحت و تندرستی اور آرام و آسائش کا اہتمام تھا۔ سنہ ۱۶ھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب و ہوا کی خرابی کی

---

[۱] الفاروق حصہ دوم اور سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین سے ماخوذ [۲] الفاروق حصہ دوم [۳] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

وجہ سے جب فوج کی تندرستی متاثر ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز و شاداب مقام پر چلی جایا کریں، حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بھی بے حد خیال رہتا تھا۔ آپ نے اس ضمن میں تاکیدی احکام جاری کیے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں کوئی شخص زراعت اور تجارت کا شغل اختیار نہ کرے، کیونکہ اس سے اُن کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، فوجوں کے لیے شہ سواری، تیراندازی، تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی، ہفتہ میں جمعہ کا ایک دن آرام کے لیے ملتا تھا اور ہر چار ماہ کے بعد سپاہیوں کو وطن جاکر اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لیے رخصت دی جاتی تھی، جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج گھوڑے پر رکاب کے سہارے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے بچیں اور حماموں میں نہ نہائیں۔

چھاؤنیوں کے انتخاب میں آب و ہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، بارکیں وسیع تعمیر کی جاتی تھیں اور اُن کے لیے کھلے میدان چھوڑ دیے جاتے تھے، گرم ملکوں پر سردیوں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی تھی، کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ تازہ دم ہو جائے۔ غرض حضرت عمرؓ نے تقریباً چودہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لیے ایسے اعلیٰ اصول وضع کر دیے تھے کہ آج بھی اصولی حیثیت سے ان پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عمرؓ نے سارے ممالکِ محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے جنہیں جند کہتے تھے، چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اُردن اور فلسطین وغیرہ میں بڑے بڑے فوجی مرکز تھے، ان میں کوفہ، البصرہ اور فسطاط تو خاص طور پر فوجی ضرورت کے لیے ہی آباد کیے گئے تھے، ان مراکز میں صیغہ فوج کے حسبِ ذیل انتظامات تھے۔

- فوجوں کے لیے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے، جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے لیس رہتے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت فوری طور پر سوار دستہ تیار ہو جائے۔[1]
- ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں جن میں عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا، حضرت عمرؓ نے مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی پر مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے "جیش فی سبیل اللہ" نقش کیا جاتا تھا۔[2]
- فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفاتر انہی مقامات میں رہتے تھے۔
- رسد کے ذخیرے یہیں تھے جہاں سامانِ رسد جمع کیا جاتا اور مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا، ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالک محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی، بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں، خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں، عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیاں تھیں، انہیں از سر نو تعمیر کرایا۔ جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا وہاں بقدرِ ضرورت فوج متعین کر دی جاتی تھی، سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل جداگانہ انتظام کیا۔

اس صیغہ کے افسرِ اعلیٰ حضرت عبداللہؓ بن قیس تھے۔ فوجی بھرتی کو اس قدر وسعت دی کہ یہ نظام مہاجرین و انصار سے بڑھتے

---

[1] تاریخ طبری حصہ سوم، [2] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

بڑھتے سارے عرب کو محیط ہوگیا، تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی، فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لیے کھلے ہوئے تھے، اس میں عجمی، رومی، یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے، فوج کا شاف خزانچی، محاسب، قاضی، مترجم اور طبیب و جراح پر مشتمل تھا، راستہ صاف کرنے، سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا، چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی، جاسوسی یعنی غنیم کی نقل و حرکت کے متعلق خبریں بہم پہنچانے کی خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی، چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ کے دوران یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی[1] اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا، ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس رہتے تھے، جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں، ان کی باگ ڈور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں رہتی تھی۔[2]
آلاتِ جنگ میں تیغ و سنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لیے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا۔ فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی:-

قلب[1]، مقدمہ[2]، میمنہ[3]، میسرہ[4]، ساقہ[5]، طلیعہ[6]، ردا یعنی عقبی گارد، سفر مینا، شتر سوار[9]، سوار، پیادہ اور تیرانداز[12]

عرب کی تلوار اگرچہ اپنی فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنونِ احسان نہیں رہی، تاہم حریف اقوام کو خود اپنی ہم قوموں سے لڑانا جنگی تکنیک کا ایک اہم ترین اصول ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس اصول کو نہایت خوبی سے استعمال کیا، چنانچہ صدہا عجمی، یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی، یزدگرد شاہنشاہ ایران کا ایک منتخب دستہ جو چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، قادسیہ کے معرکہ کے دوران میں ہی ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر حلقۂ اسلام میں آگیا، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں[3]۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے، سوس کے معرکہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلامی فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد ہو گئے، نوشیروان کی طرف سے یمن کے گورنر باذان کی ایرانی فوج میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تھے، یرموک کے معرکہ میں رومی لشکر کا مشہور سپاہی جارج عین حالتِ جنگ میں مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔[4]

مذہبی خدمات

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعت اسلام ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس میں حد درجہ انہماک تھا، لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے، آپ نے خود ایک موقع پر اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی، مگر اس نے جب باوجود ہدایت و ترغیب کے انکار کیا تو فرمایا 'لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ' یعنی مذہب میں جبر نہیں۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے، تاکید کرتے تھے کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے اسلام کے محاسن پیش کر کے ان کو اسلام کی دعوت دی جائے، اس کے علاوہ آپ نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا چنانچہ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں، لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری کو دیکھ

---

[1] فتوح البلدان [2] الفاروق حصہ دوم [3] الفاروق حصہ دوم [4] سیر الصحابہ خلفائے راشدین

کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ رومیوں کا سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی سے اتنا متاثر ہوا کہ دفعتہً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ مصری حکومت کا ایک بڑا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر اسلام کی کشش محسوس کرنے لگا اور آخر دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

وہ عرب قبائل جو عراق و شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ نسبتاً آسانی سے اسلام کی جانب مائل کیے جا سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ اکثر قبائل نے معمولی سی کوشش سے اسلام قبول کر لیا تھا، مزید اسلامی فتوحات کی کثرت نے بھی اس خیال کو تقویت دی کہ مسلمانوں کے ساتھ تائیدِ آسمانی شامل ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اسلام کی صداقت کے دل و جان سے قائل ہو گئے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردارِ فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینا چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ: "یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے، خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بے کار ہے"[1] اسی طرح ۱۶ھ کے آخر میں جب جلولا فتح ہوا تو بہت سے رؤسا برضا و رغبت مسلمان ہو گئے، جن میں جمیل بن صبہری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز جیسے نامور اور صاحبِ اختیار لوگ بھی تھے، عراق کی طرح شام اور مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے، چنانچہ شہر فسطاط میں ایک بڑا محلہ نو مسلموں کا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں کثرت سے اسلام پھیلا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ دینِ حنیف کی آئندہ اشاعت کے لیے راستہ صاف کر گئے۔

شعبہ تعلیم۔ خدمتِ قرآن | خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا، حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی اشاعت کی، مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے، اس لیے اس کی حفاظت، تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا، اس میں شک نہیں کہ تدوینِ قرآن کا لازوال فخر حضرت ابوبکرؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، تاہم اس کا خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی کے دماغ میں آیا، اس کے بعد انہوں نے اپنے دور میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے لیے مکتب قائم کیے اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر فرمائے۔ ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظِ قرآن کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لیے بھیجا، چنانچہ حضرت عبادہؓ بن الصامت، حضرت معاذ بن جبلؓ، اور حضرت ابوالدرداؓ شام بھیجے گئے۔ انہوں نے حمص، فلسطین اور شام میں درس جاری کیے۔ مزید قرآن شریف کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے تاکیدی احکام جاری فرمائے۔ بدوؤں کے لیے قرآن حکیم کی تعلیم ایک گونہ جبری تھی۔ ایک معلم حضرت ابوسفیانؓ مع چند آدمیوں کے اس کام پر مقرر کیے گئے تھے کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآنِ حکیم کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دیں۔ سورہ بقرہ، نساء، مائدہ، حج، اور نور کا جن میں احکام ہیں یاد کرنا ضروری قرار دیا۔ ایسی تدابیر سے حضرت عمرؓ کے دور میں قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی کیا، حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی[2]۔

حدیث کی خدمات: اصولِ اسلام میں قرآن کے بعد حدیثِ نبویؐ کا درجہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کی تلاش،

---

[1] الفاروق حصہ دوم [2] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ احادیثِ نبویؐ کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو حفاظِ حدیث صحابہؓ کو حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مختلف مقامات پر بھیجا، اُن میں سے حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کو کوفہ حضرت معقلؓ بن یسارؓ حضرت عبداللہؓ بن مغفل اور حضرت عمرانؓ بن حصین کو بصرہ اور حضرت عبادہؓ بن صامت اور حضرت ابو درداؓ کو شام روانہ کیا اور حضرت امیر معاویہؓ والئ شام کو لکھا کہ اُن کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائیں [1]

آپ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت اور سلطنت کی روز افزوں وسعت کے پیشِ نظر آئے دن نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب ایسی صورتِ حال پیش آتی تو آپ صحابہؓ سے دریافت فرماتے کہ اس کے متعلق انہیں کوئی حدیثِ نبویؐ معلوم ہے، اس طریقے سے احادیث کا اچھا خاصہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی [2]

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہؓ عادل ہیں تاہم حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائص بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، اس لیے آپ اشاعتِ حدیث کے ساتھ ساتھ روایات قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری تشریف لائے تو آپ کسی کام میں مشغول تھے چنانچہ وہ تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے، کام سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو بلایا اور واپس چلے جانے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو۔ اگر اس پر بھی نہ ملے تو واپس چلے جاؤ، فرمایا اس کا ثبوت دو، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کو شہادت میں پیش کیا اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ نے سقط (یعنی کسی عورت کے حمل ضائع کر دینے) کے مسئلہ میں ایک حدیث بیان کی، آپ نے شہادت طلب کی اور جب حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے اسے تسلیم کیا۔

طرح حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے سقط (یعنی کسی عورت کے حمل ضائع کر دینے) کے مسئلہ میں ایک حدیث بیان کی، آپ نے شہادت طلب کی آپ نے شہادت طلب کی اور جب حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے اسے تسلیم کیا۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرتِ روایات سے بھی نہایت سختی سے روکتے تھے۔ چنانچہ حضرت قرظہؓ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے، ایسا نہ ہو کہ تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف لگا دو، اسی طرح آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو درداء اور حضرت ابو مسعود کو روایتِ حدیث سے روک دیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ حافظِ حدیث تھے، اس لیے وہ روائتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے، ایک دفعہ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے دور میں بھی اسی طرح روایت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو دُرّے کھاتا۔[3]

اس ضمن میں آپ نے ایک بڑی نکتہ سنجی یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جن کا تعلق عبادات، معاملات اور اسلام کے عملی نظام سے تھا۔ باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے دور میں اکثر احادیث کم روایت ہوئیں، تاہم جس قدر ہوئیں وہ آمیزش

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اول مؤلفہ شاہ معین الدین [2] ایضاً [3] سیر الصحابہ۔ خلفائے راشدین۔

سے بالکل پاک ہیں۔[1]

فقہ کی خدمت

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے اور عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے، خصوصیت سے عہدِ فاروقی میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے، اس لیے اس زمانہ میں علمِ فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں فقہی مسائل بیان کرتے تھے اور اضلاع کے حکام اور افسران کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے۔ اختلافی مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے، اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ چونکہ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ ان کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔

عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے تمام ممالکِ محروسہ میں مستقل فقہاء مقرر کیے تھے جو مذہبی احکام کی تعلیم دیتے تھے۔ صرف بصرہ میں دس بزرگوں کو اس کام پر مقرر کیا۔ ابن جوزی کی تصریح کے مطابق حضرت عمرؓ نے فقہا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی تھیں، جبکہ ان سے پہلے فقہا اور معلمین کو تنخواہیں دینے کا کوئی رواج نہ تھا، غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں تعلیم کا نہایت منظم اور جامع انتظام تھا۔

تعمیرِ مساجد

حضرت عمرؓ نے مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان کے لیے تنخواہ دار امام اور مؤذن مقرر کیے۔ شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ کوفہ میں ہر قبیلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ مسجد تعمیر کرائی، اس طرح آپ کے دور میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[2]

حرم محترم کی عمارت ناکافی تھی، ۱۷ھ میں اس کو وسیع کیا اور احاطہ کی دیواریں بنوائیں، غلافِ کعبہ کے لیے ایک نہایت عمدہ کپڑے قباطی کو رواج دیا جو مصر میں بنا جاتا تھا، مسجدِ نبویؐ کو بھی نہایت وسعت دی پہلے اس کا طول ۱۰۰ گز تھا جسے بڑھا کر ۱۴۰ گز کر دیا اور عرض میں ۲۰ گز کا اضافہ کیا، مزید مسجد کے ساتھ ایک کونے میں چبوترہ بنوا دیا کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں سے چلا جائے۔[3] مسجدوں میں فرش اور روشنی کے لیے مکمل انتظام کیا، حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا، حضرت عمرؓ خود ہر سال حج کے لیے جاتے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے۔

اجراءِ احکام

مذہبی احکام کا نفاذ اور اجراء بھی ایک ضروری چیز ہے اور حضرت عمرؓ نے تمام خلفاء سے زیادہ اس کی ضرورت کا احساس کیا، عہدِ نبوتؐ میں عورتیں مسجد میں آ کر نماز میں شریک ہوا کرتی تھیں، حضرت عمرؓ اگرچہ اس کو پسند نہ فرماتے تھے تاہم اس سے منع نہیں فرمایا، کیونکہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے "تم لوگ خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔"

حضرت عمرؓ گھر کے بچوں کو روزہ کا عادی بنانے کے لیے رمضان المبارک میں اُن سے روزہ رکھاتے تھے۔ ایک دفعہ اس مبارک مہینہ میں ایک شرابی سامنے لایا گیا تو اس پر حد جاری کرنے سے پیشتر فرمایا:

"ہمارے بچے تو روزہ سے ہیں، تو بدمست ہے، افسوس!"

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل مرتبہ شاہ معین الدین۔ [2] الفاروق حصہ دوم [3] ایضاً

بارش کم ہوتی تو نمازِ استسقا پڑھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔ دعا یہ تھی:۔

"خداوندا ہم پہلے اپنے پیغمبر صلعم کو وسیلہ بناتے تھے اور تو ہم کو سیراب کرتا تھا اور اب ہم اپنے پیغمبرؐ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو ہم کو سیراب کر۔"

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب یہ دعا کرتے تھے، قحط سالی دور ہو جاتی تھی اور پانی برستا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ اقدس میں لوگ رمضان المبارک میں راتوں کو نمازیں پڑھا کرتے تھے، کیونکہ حضورؐ نے اس کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ چنانچہ یہی طریقہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے آغازِ خلافت تک قائم رہا۔ ایک رات ماہِ رمضان میں حضرت عمرؓ مسجدِ نبویؐ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نمازیں پڑھ رہے ہیں کوئی تنہا پڑھ رہا ہے اور کسی کے پیچھے دو چار آدمی کھڑے ہیں اور اس کی اقتدا کر رہے ہیں، یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے فرمایا: میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری پر مجتمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے،" چنانچہ جب خیال پختہ ہوا تو حضرت ابیؓ بن کعب کو امام مقرر فرمایا اور کسی دوسری رات کو نماز کا نظارہ کرنے کے لیے نکلے، عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بھی ساتھ تھے۔ ایک قاری کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا:۔

"یہ کیسی اچھی بدعت ہے لیکن جس میں یہ لوگ سوتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں نماز پڑھتے ہیں[1]

یعنی رات کا پچھلا حصہ اگلے حصہ سے افضل ہے، اس لیے عبادت اسی میں کرنی چاہیے۔

یہی "بدعت حسنہ" نمازِ تراویح کے نام سے مشہور ہے اور مسلمانوں پر حضرت عمرؓ کا ایک خاص احسان سمجھا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں مساجد کی آبادی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی نماز ہے۔

نماز کی امامت حضرت عمرؓ نمازِ پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کی امامت خود کرتے تھے اور لوگوں کو فرائض و سنن کی تعلیم دیتے تھے، آپ جمعہ کی نماز آفتاب ڈھلنے کے فوراً بعد پڑھاتے تھے۔ جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی جب آپ منبر پر آ کر ٹھہر جاتے۔ آپ کے آخری ایام میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تھے کئی کئی مؤذن اذان دیتے تھے۔ خطبہ میں اکثر احادیث پڑھتے کبھی کبھی مذہبی اور سیاسی مسائل بیان کرتے اور کبھی صرف قرآن مجید کی کوئی سورت تلاوت کرتے تھے۔ عید کی نماز پہلے پڑھاتے اور خطبہ نماز کے بعد پڑھاتے تھے ایک مرتبہ عید الاضحیٰ میں یہ خطبہ دیا:

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ان دونوں عیدوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک تو روزوں کے افطار کا دن ہے اور دوسرا اس لیے کہ قربانی کا گوشت کھاؤ۔[2]

امارتِ حج: حضرت عمرؓ خود امیر الحج ہوتے تھے اور عام طور پر لوگوں کو حج کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ آپ کا قول تھا "حج کے

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اول حصہ المہاجرین [2] ایضاً

لیے سمجھا دے کسو کیونکہ وہ بھی ایک جہاد ہے۔"

خدا کے شہر میں پہنچتے تو جلالِ الٰہی سے لبریز ہوتے تھے۔ صحیح روایات کے مطابق حضرت عمرؓ منیٰ میں اپنے خیمہ کے اندر تکبیر کہتے تھے، اُن کی آواز پر مسجد میں لوگ تکبیر کہتے تھے اور پھر بازاروں سے تکبیر کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ یہاں تک کہ تمام منیٰ تکبیر کے شور سے گونج اُٹھتا تھا۔ آپ طواف نمازِ صبح کے بعد کرتے، پھر سوار ہو کر ذی طویٰ جاتے، جو حرم سے باہر ایک مقام ہے، وہاں پہنچ کر طواف کی دو رکعتیں ادا فرماتے۔ واپسی پر محصب میں قیام ہوتا۔[1]

آپ نے حج کے سلسلہ میں بعض انتظامات بھی کیے، مثلاً جب کوفہ اور بصرہ فتح ہوئے، تو وہاں کے لوگ آئے اور کہا یا امیر المومنینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد والوں کے لیے قرن احرام باندھنے کی جگہ مقرر فرمائی تھی جو ہمارے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور اگر ہم قرن جا کر احرام باندھیں، تو ہمیں بڑی دشواری پیش آئے گی، آپ نے فرمایا: تم اپنے راستے کا کوئی مقام بتاؤ جو اس کے مقابل واقع ہو" اس کے بعد ان لوگوں کے لیے ذات عرق احرام باندھنے کے لیے تجویز فرمایا:

متفرق انتظامات

ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جو اگرچہ کسی عنوان کے تحت نہیں آتے تاہم ان کا ذکر نہایت ضروری ہے، ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اس کی ضرورت سے سن وسال کا قائم کرنا ہے۔

اسلام میں اب تک کوئی سنہ نہ تھا، لوگ عام واقعات کو یاد رکھنے کے لیے بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قائم ہوا، پھر عام الفجار اور اس کے بعد مختلف سنہ قائم ہوئے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سنہ جاری کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری کی ابتدار کے متعلق مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چیک پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا لفظ درج تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ اس سے گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ، چنانچہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں تمام اکابر صحابہؓ کے علاوہ ہرمزان بھی شامل تھا۔ اس مسئلہ پر سب نے رائے دی اور آخر حضرت علیؓ کی رائے کے مطابق یہ طے پایا کہ سنہ کی ابتداء ہجرتِ نبویؐ سے کرنی چاہیے لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی اور عرب میں سال کا آغاز محرم سے ہوتا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کی رائے سے دو ماہ اور آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا گیا اور ۲۰ جمادی الآخر ۱۷ھ مطابق ۱۲/۹ جولائی ۶۳۸ء باقاعدہ سنہ ہجری جاری ہو گیا۔[2]

ملکی حالات سے واقفیت کے لیے ملک کے ہر حصہ میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے، جن کے ذریعے سے ملک کا کوئی واقعہ مخفی نہیں رہنے پاتا تھا۔ مؤرخ طبری کے مطابق حضرت عمرؓ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی۔ عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیے گئے سب ان کو لکھا جاتا تھا:

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزء المہاجرین [2] رحمۃ للعالمینؐ جلد دوم

حضرت عمرؓ کی حکومت دُنیا کے وسیع خطّوں پر پھیلی ہُوئی تھی لیکن اس کے باوجود جب دُور دراز ممالک سے وفود آتے تھے اور آپ نام بنام لوگوں کو پکارتے، تو حاضرین کو تعجب ہوتا تھا۔

محکمہ خبر رسانی کی سرگرمیوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ میسان کے حاکم نعمان بن عدی نے عیش وعشرت میں مبتلا ہو کر اپنی بیوی کو خط میں ایک شعر لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"غالباً امیر المومنینؓ بُرا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ مجلسیں رکھتے ہیں"

اس محکمہ کی بدولت حضرت عمرؓ کو اس رازو نیاز کی بھی خبر ہوگئی، چنانچہ آپ نے ان کو معزول کر دیا اور لکھا: "ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔"

ذمّیوں کے حقوق

مؤرخین کے مطابق حضرت عمرؓ نے ذمّی رعایا کے ساتھ جو سلوک کیے اور ان کو جو حقوق عطا فرمائے، وہ آج متمدن سلطنت میں بھی رعایا کو حاصل نہیں۔

آپ نے ذمّیوں کو کبھی غلام اور ماتحت نہیں سمجھا بلکہ ان کو وہ درجہ دیا جو دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں کا ہوتا ہے اسی بناء پر جب آپ بستر مرگ پر تھے آئندہ خلیفہ کو یہ وصیت فرمائی۔

"اور میں اس کو ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خداؐ اور رسولؐ کا ذمّہ دیا گیا ہے کہ ان سے جو عہد ہے وہ پُورا کیا جائے اور اُن کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"[1]

ذمّیوں کو مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل تھی، البتہ جن رسُوم سے علانیہ اسلام کی توہین ہوتی تھی، ان کے اظہار کی ممانعت تھی۔ مثلاً مجوس محارم کے ساتھ نکاح کرتے تھے۔ اس بناء پر حکم دیا "مجوس کے ذمّی محرم کے درمیان تفریق کرو" حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو ذمّیوں کے معاہدوں کی پابندی کی تاکید کرتے رہتے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام کو لکھا:

"مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں، ان کو پورا کرو"[2]

اگر کوئی مسلمان کسی ذمّی کو قتل کر دیتا تھا، تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے قاتل کو مقتول کے وُرثاء کے حوالے کر دیا، انہوں نے اس کی گردن ماردی۔

ذمّیوں کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تو حضرت عمرؓ اس کا معاوضہ دلاتے تھے، ایک دفعہ فوج نے شام کے ایک ذمّی کی زراعت پامال کر دی، آپ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔[3]

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کا انسداد کلّی نہیں کیا اور شاید ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے، تاہم ایسے وسائل اختیار کیے جن سے غلامی کا دائرہ نہایت محدود ہو گیا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں گو عظیم الشان

---

[1] سیر الصحابہؓ جلد اوّل جزو المہاجرین [2] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین [3] ایضاً۔

فتوحات ہوئیں، لیکن غلامی کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ وسیع نہ ہو سکا بلکہ آپ نے مختلف طریقوں سے اس رواج کو کم کر دیا اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی، غلامی نہ رہی، بلکہ برابری اور ہمسری ہو گئی۔

غلاموں کی آزادی کا ایک طریقہ تھا جس کو مکاتبت کہتے تھے، یعنی غلام اور آقا میں ایک معاہدہ طے پا جاتا تھا کہ اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کر دینے پر غلام آزاد ہو جائے گا، یہ قاعدہ قرآن مجید میں موجود ہے لیکن صحابہؓ اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا، چنانچہ جب سیرین نے جو حضرت انسؓ کے غلام تھے۔ اُن سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے دولت مند ہونے کی بنا پر انکار کیا، تو سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ ان کو مکاتب بناؤ اور ان کے انکار پر آپ نے حضرت انسؓ کو درے لگائے اور یہ آیت پڑھی۔

فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا — تم ان کو مکاتب بناؤ اگر ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔

(سُورۂ نور آیت ۳۳)

چنانچہ حضرت انسؓ کو اس حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور سیرین آزاد ہو گئے۔

لاوارث بچوں کو نہایت آسانی کے ساتھ غلام بنایا جا سکتا تھا، لیکن اس ضمن میں حضرت عمرؓ نے قانون بنا دیا اللقیط حر۔ یعنی پڑے ہوئے بچے آزاد ہیں، مؤرخین کے مطابق عرب میں تو حضرت عمرؓ نے غلامی کا کلی استیصال کر دیا تھا اور اس ضمن میں آپ کو اس قدر اہتمام تھا کہ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی ان لوگوں کو آزاد کر دیا جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ سے لونڈی غلام بنائے گئے تھے۔ نیز اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔[1]

غلامی کو روکنے کے متعلق ان کارناموں کے علاوہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو جو غلام بنائے گئے تھے، وہ مراعات دیں کہ غلامی ہمسری کے درجہ تک پہنچ گئی، فوجی انتظامات کے ضمن میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب بدر وغیرہ کے مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں تو اُن کے غلاموں کو بھی اُن کے برابر تنخواہیں دیں اور اس کے بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی یہی اصول ملحوظ رکھا، آپ اضلاع کے عمال کو غلاموں سے بہتر سلوک کی تلقین کرتے رہتے اور ہمیشہ اُن کے سلوک کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی عامل غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا، تو صرف اسی جرم پر اس کو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ آپ اکثر غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔

یہ اسلام کی انسانیت نوازی اور آنحضرت صلعم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ غلامی، آقائی اور ہمسری بن گئی تھی۔ غلامی کو گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانیٔ اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے اس ضمن میں جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔

سیاست و تدبیرِ امن و امان

تاریخ عالم گواہ ہے کہ سیاست و تدبیر کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نہ صرف خلفائے راشدینؓ پر، نہ صرف سلاطینِ اسلام پر، نہ صرف شاہانِ عظام پر، بلکہ بلا استثناء تمام فرمانروایانِ

---

[1] الفاروق حصہ دوم

عالم پر ایسی فضیلت رکھتے ہیں جس کا اعتراف ہر دور کے مؤرخین نے کیا ہے، اور آج جبکہ علم التاریخ اپنے اصول و ضوابط میں بے انتہا وسیع ہو گیا ہے، حضرت عمر رضؓ کے دور کی عظمتیں اسی طرح قائم ہیں جس طرح یہ روزِ اوّل میں قائم تھیں۔ اس کا سبب آپ کا وہ طریقۂ حکمرانی ہے جو ساڑھے دس سال تک اسلامی مملکت کے طول و عرض میں امن و امان اور عدل و انصاف کی سعادتوں سے ہر شخص کو نوازتا رہا اور بلا تفریق مذہب و ملت مملکت کے ہر فرد کو جینے کا حق دیتا رہا۔

حضرت عمر رضؓ کی خلافت مصر کے انتہائی حدود سے لے کر اقصائے خراسان و سیستان تک پھیلی ہوئی تھی، جس میں عربی، فارسی، شامی، عراقی، حبشی، قبطی، غرضیکہ ہر قوم اور ہر نسل کے لوگ رہتے تھے، مذہب کے لحاظ سے بھی ان میں کچھ کم اختلاف نہ تھا، قومی حیثیت سے ایران اور روم کا ایک ایک فرد مسلمانوں کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا تاہم اوراقِ تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں نقضِ امن اور ہجوم و اضطراب کا شائبہ تک ہو۔ خود جزیرۃ العرب کا وسیع ریگستان جس کا ذرہ ذرہ قتل و غارت گری، خونریزی و بدامنی، ہیجان و انتشار کی خبر دیتا تھا، ایک ایسا معمورۂ امن بن گیا تھا جس میں سکون و آشتی کا دَور دورہ ہو یہی وہ حالت تھی، جس کی نسبت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سال قبل حضرت عدیؓ بن حاتم سے ارشاد فرمایا تھا۔

"اے عدی رضؓ کیا تم نے حیرا دیکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا "نہیں، البتہ وہاں کے حالات جانتا ہوں"۔ ارشاد ہوا، "اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک پردہ نشین عورت تنہا حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا"۔ اس وقت تو حضرت عدی رضؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ قبیلہ طے کے وہ قطاع الطریق، جنھوں نے ہر طرف فساد کی آگ مشتعل کر رکھی ہے۔ کہاں جائیں گے؟ لیکن ان کے اس سوال کا جواب عملی طور پر اس وقت ملا جب حضرت عمر رضؓ کے دَور میں حیرہ فتح ہوا، اور حضرت عدی رضؓ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، انہی کی زبان سے سنیئے، فرماتے ہیں:۔

"میں نے دیکھا کہ ایک پردہ نشین عورت تنہا حیرہ سے چلتی تھی اور کعبہ کا طواف کرتی تھی، اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ تھا"

یہ ہے اس عہد کے امن و امان کی ایک جھلک جو تاریخ میں حضرت عمر رضؓ کا عہد کہلاتا ہے، بے شبہ یہ نبوتِ حقہ کا ایک واضح اور بیّن معجزہ اور حضرت عمر رضؓ کی سیاست کا عظیم الشان کرشمہ تھا، کہ لق و دق بیابانوں اور دشوار گزار ریگستانوں میں ایسا امن و امان قائم ہوا، جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔

امن و امان کی حالت

"اے عدی رضؓ کیا تم نے حیرا دیکھا ہے؟" انھوں نے عرض کیا "نہیں، البتہ وہاں کے حالات جانتا ہوں" ارشاد ہوا: "اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک پردہ نشین عورت تنہا حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا۔ اس وقت تو حضرت عدی رضؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ قبیلہ طے کے وہ قطاع الطریق، جنھوں نے ہر طرف فساد کی آگ مشتعل کر رکھی ہے۔ کہاں جائیں گے؟ لیکن ان کے اس سوال کا جواب عملی طور پر اس وقت ملا جب حضرت عمر رضؓ کے دَور میں حیرہ فتح ہوا، اور پھر حضرت عدی رضؓ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، انہی کی زبانی سے سنیئے، فرماتے ہیں۔

"میں نے دیکھا کہ ایک پردہ نشین عورت تنہا حیرہ سے چلتی تھی اور کعبہ کا طواف کرتی تھی، اس کو خدا کے

سوا کسی کا خوف نہ تھا۔"

یہ ہے اس عہد کے امن و امان کی ایک جھلک جو تاریخ میں حضرت عمرؓ کا عہد کہلاتا ہے۔ بے شبہ یہ نبوتِ ظلی کا ایک واضح اور بیّن معجزہ اور حضرت عمرؓ کی سیاست کا عظیم الشان کرشمہ تھا کہ لق و دق بیابانوں اور دشوار گزار ریگستانوں میں ایسا امن و امان قائم ہوا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔

انصاف میں مساوات

حضرت عمرؓ کے دور کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے تمام بیجا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا، بلند و پست، شریف و رذیل اور عزیز و بیگانہ کو ایک سطح پر کر دیا تھا، اور اس کا عملی نمونہ خود اُن کی ذات تھی، امیر المومنین رضؓ اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا، آپ ہمیشہ اپنے عمال کو تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور عام رعایا کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کریں، حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا، آپ کو خبر ہوئی تو لکھ بھیجا: "کیا تم پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر بیٹھو۔"[1]

ایک بار مدینہ کی چند عورتوں کو چادریں تقسیم کیں اور ایک عمدہ چادر باقی رہی، بعض لوگوں نے رائے دی کہ یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو جو آپ کی صاحبزادی ہیں، عنایت فرما دیجئے، آپ نے جواب دیا:

"ام سلیط[2] رضؓ زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہ جنگِ اُحد میں ہمارے لیے مشکیں سیتی تھیں۔"

شام کا ایک فرمانروا جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا، اس نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو تھپڑ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آکر حضرت عمرؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے امارت کے زعم میں کہا "ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا، جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور وہ مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں، تو جو لوگ ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے، اُن کا خیال تھا کہ تنخواہ کے تقرر میں اُن کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کے تمام خیالات غلط کر دیئے، آپ نے جاہ و عظمت، شہرت و ناموری کی تمام خصوصیات مٹا کر اسلامی خدمات کی بنیادوں پر تنخواہیں مقرر کیں اور اصحابِ بدر کو سب پر مقدم رکھا، اس ضمن میں اس قدر انصاف کیا کہ امیر المومنین رضؓ کا اپنا وظیفہ بھی اصحابِ بدر سے زیادہ نہ تھا، حضرت عمرؓ چونکہ اس مقدس گروہ میں شامل تھے۔ اس لیے تمام اصحابِ بدر کی طرح آپ کو بھی پانچ ہزار کی رقم ملتی تھی۔

مہاجرینِ اوّلین کے وظائف چار چار ہزار سالانہ کے حساب سے مقرر کئے تھے، لیکن جب اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی باری آئی تو ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ مقرر کیا اور یہ تفریق کی کہ جو خود ہجرت کر کے آیا ہو اور جس نے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی ہو، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عبداللہؓ نے چونکہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اس لیے ان مہاجرین کے مساوی درجہ نہ پا سکے

---

[1] الفاروق حصہ دوم، [2] حضرت ام سلیطؓ ایک انصاریہ اور قدیم الاسلام صحابیہ تھیں۔

جو خود ہجرت کر کے آئے تھے۔

فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ ان کا ایوانِ عدل مسلمان، یہودی، عیسائی سب کے لیے یکساں تھا۔ عرتبسوس کے عیسائیوں کو اُن کی متواتر یورشوں کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا مگر اس طرح کہ ان کی تمام جائیداد کی قیمت دوگنا دی گئی، نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا گیا، تو ان کے ساتھ بھی نہایت اچھا سلوک کیا گیا۔ [1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک ضعیف و نزار آدمی کو گداگری کرتے دیکھا، تو بھیک مانگنے کا سبب پوچھا، اس نے کہا، مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، حالانکہ میں بالکل نادار ہوں۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لائے اور کچھ نقد مرحمت فرما کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے وظیفہ مقرر کیا جائے واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ اُن کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کی خبرگیری نہ کریں۔ [2]

فاروقیؓ عدل و انصاف کی یہی وہ روشن مثالیں ہیں جو عہدِ نبوتؐ کے بعد اس دور کو تاریخ میں انفرادیت عطا کرتی اور بے نظیر بناتی ہیں۔ یہ دور اگرچہ زمانہ بعد کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کے لیے قابلِ تقلید رہا مگر یہ ایک تاریخی سانحہ ہے کہ اس دور کو پھر دہرایا نہ جا سکا اور نہ ہی انسانی دکھوں کا مداوا ان بنیادوں پر کیا جا سکا جو عہدِ فاروقیؓ میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

علم و فضل اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، حضرت عمرؓ نے اسی زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

حضرت عمرؓ ذاتی حیثیت سے نہایت ذہین الطباع، بالغ نظر، مدبّر اور صائب الرائے تھے۔ جاہلی اور اسلامی، دونوں علوم پر آپ کو یکساں کمال حاصل تھا۔ فصاحت و بلاغت، اشعار و خطابت، شاعری و نسابی، سپہ گری اور بہادری وغیرہ تمام اوصاف و کمالات میں جو عرب میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، آپ کو وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے فرامین، خطوط، توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں ان سے آپ کی قوتِ تحریر اور برجستگیٔ کلام اور زورِ تحریر کا اندازہ ہوتا ہے۔ بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے چند فقرے یہ ہیں:

"اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر، میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے، ہاں عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، لیکن میں اُن کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔" [3]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ایک خط کے چند فقروں سے قوتِ تحریر کا اندازہ لگائیے، فرماتے ہیں:

"اما بعد۔ مضبوطیٔ عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھو، ایسا کرو گے، تو تمہارے پاس بہت سے کام جمع ہو جائیں گے، پھر پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو چھوڑ دیں، اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

---

[1] سیر الصحابہؓ، جلد اوّل، [2] ایضاً [3] سیر الصحابہؓ جلد اوّل۔

شاعری کا نہایت بُلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، خود اگرچہ بہت کم شعر کہتے تھے، تاہم شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، ابن رشیق کا بیان ہے کہ "حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں شعر کے سب سے بڑے ناقد اور راز شناس تھے"، مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ "(حضرت) عمرؓ اپنے عہد کے سخن سنج تھے"۔ آپ کو عرب کے بڑے بڑے شعراء کا کلام حفظ تھا اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے، جاہلی شعراء میں سے امراء القیس، نابغہ اور زہیر کو، ان تینوں میں سے زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے، اس ضمن میں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ آپ نے عرب شاعری کی بڑی اصلاح کی، آپ نے عربی شعراء کو عورتوں کا نام لے کر عشق و محبت کی داستانیں بیان کرنے اور لوگوں کی ہجو کرنے سے منع کر دیا تھا

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ آپ کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج بھی ادب عربی کی جان ہیں، علم الانساب میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا، یہ علم کئی پشتوں سے آپ کے خاندان میں چلا آتا تھا، آپ کے والد خطاب قریش کے مشہور نساب تھے۔ جاحظ کے بیان کے مطابق نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے۔

لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ کو ابتداء سے ہی تھا اور اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جبکہ قریش میں چند آدمی ہی پڑھے لکھے تھے اور یہ شاید اسی ذوق کی وجہ سے تھا کہ آپ نے مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان سے اچھی خاصی واقفیت پیدا کر لی تھی، مسند دارمی میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں لے گئے اور پڑھنا شروع کیا۔ آپ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی ذہانت، طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی باتیں مذہبی احکام بن گئیں، اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا۔ اسیرانِ بدر کے متعلق آپ کی رائے کو وحیٔ الٰہی کی تائید حاصل ہوئی، شراب کی حرمت، ازواجِ مطہرات کے پردہ اور مقامِ ابراہیم کو مصلّے بنانے میں قرآنِ حکیم نے آپ کی رائے کی تاکید کی۔

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں آپ بڑا فکر و تدبر کرتے تھے اور جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انہیں آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کرتے۔ کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ حضورؐ نے تنگ آکر فرمایا کہ اس بارہ میں سورہ نساء کی آخری آیت کافی ہے، اسی طرح آپ نے سفر میں قصر نماز کے متعلق آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ جب راستے مامون ہو گئے ہیں تو اب سفر میں یہ حکم باقی ہے؟ حضور سرور دو عالم صلعم نے فرمایا: "یہ خدا کا انعام ہے"۔

اگرچہ حضرت عمرؓ کا شمار کثیر الروایہ صحابہؓ میں نہیں ہے اور آپ سے مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں، تاہم اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ آپ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے وہ سب احادیث سے ہی ماخوذ ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا اور اس ضمن میں آپ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے۔ تاہم آپ نے کلامِ رسولؐ کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کا شدت سے اہتمام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا۔ مورخین کے مطابق جب تک آپ کو حدیث کے ہر لفظ پر یقین نہ ہو جاتا کہ رسول اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے آپ اس وقت تک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قطعی طور پر زبان سے

[illegible]

یہی سبب تھا کہ آپ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو کثرتِ روایت سے روکتے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

"اور حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں، اُن کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں۔"

علمِ فقہ

فقہ میں آپ کا مقام اتنا بلند تھا کہ اس سلسلہ کو آپ ہی کا ساختہ پرداختہ کہا جائے تو بجا نہ ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اساطین فقہ میں ہیں آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے، جنہیں آپ نے اپنی قوتِ اجتہاد سے حل کیا۔ آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں۔ آپ نے اُصولِ فقہ کا فن ایجاد کر کے صرف جزئیات کی تدوین نہیں کی، بلکہ تفریع و استنباطِ مسائل کے اصول و ضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لیے اجتہاد و فکر کی ایک وسیع شاہراہ بھی قائم کر گئے۔ مؤرخین کے مطابق مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لیے اجماعِ صحابہؓ جس کثرت سے عہدِ فاروقیؓ میں ہوا، پھر نہیں ہوا۔

اخلاق و عادات

پیغمبر آخر الزماں صلعم کی بعثت کا حقیقی مقصد دُنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا، صحابہ کرامؓ کو چونکہ براہِ راست اس سرچشمۂ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا، اس لیے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا، یہی حال حضرت عمرؓ کا تھا، بلکہ بارگاہِ نبوت میں تقربِ خاص کی بناء پر آپ کو اس ضمن میں کچھ زیادہ ہی حصہ ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے آئینۂ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لذاتِ دنیا سے اجتناب، حفظِ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے نمایاں نظر آتا ہے، یہ اوصاف آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص بھی آپ کی صحبت میں بیٹھتا وہ بھی کم و بیش متاثر ہو کر اسی رنگ میں رنگ جاتا تھا، حضرت مسور بن مخرمہؓ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھیں۔

خشیتِ الٰہی

تمام محاسنِ اخلاق کا سرچشمہ خوفِ خدا ہے اور یہ خوف حضرت عمرؓ کے رگ و پے میں اس قدر سمایا ہوا تھا کہ آپ مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا سب دنیا جنت میں داخل ہوگی، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اُٹھا کے فرمایا، کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ ایک بار آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا: "کیوں ابوموسیٰ اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل برابر برابر چھوٹ جائیں نہ عذاب ملے نہ ثواب۔" حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: "میں تو اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں، اس لیے صلہ کی اُمید رکھتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے، میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔"[1]

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین ندوی

آیاتِ قرآنی سے تاثر

حضرت عمرؓ خشوع و خضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا اور اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت قَالَ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۱؎ پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا۔ حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ جب اس آیت پر پہنچے

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ — تیرے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا ہے، اس کو کوئی رفع کرنے والا نہیں۔

(سورہ الطور آیت نمبر ۷ تا ۸)

تو بہت متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔

حُبِ رسولؐ اور اتباعِ سُنّت

ایمان باللہ کے بعد مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ حُبِ رسولؐ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تہذیبِ نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مُزیّن ہونے کے لیے اپنے دل میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص محبت اور اتباعِ سُنّت کا صحیح جذبہ پیدا کرے، جو دل اس محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہو وہ کبھی سعادت کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔

حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے جو محبت تھی، اس کو انہوں نے خود بیان فرمایا ہے، اس بنا پر وہ ہمارے استنباط سے بالاتر چیز ہے، ایک بار دیگر صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوتؐ میں عرض کیا "یا رسولؐ اللہ آپؐ مجھ کو جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں" آنحضرت صلعم نے فرمایا "نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک میں تم کو تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں" (اس وقت تک مرتبۂ اعلیٰ حاصل نہیں ہو سکتا) حضرت عمرؓ نے عرض کیا "خدا کی قسم اب آپؐ مجھ کو جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں" آنحضرت صلعم نے فرمایا "اے عمرؓ اب" (درجہ کمال حاصل ہو گیا۔)

اس گفتگو سے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی معیارِ محبت ظاہر ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حبِ رسولؐ میں کیا درجہ حاصل تھا؟ یہ وہ درجہ تھا جس کے کامل اور تام ہونے کی شہادت خود آنحضرت صلعم نے دی اور جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہ ہو سکا۔ وَکَفٰی ذٰلِکَ فَخْرًا ۲؎

آنحضرت صلعم کو جان، مال اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھنے کا یہ اثر تھا کہ حضرت عمرؓ ہر وقت آنحضرت صلعم کی حفاظت پر کمربستہ رہتے تھے، اور اگر کوئی شخص رسول اللہ صلعم کی شان کے خلاف کوئی بات کرتا تو آپ کی تلوار نیام سے باہر نکل پڑتی تھی۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جو اصحابِ بدر میں سے تھے، ایک خاص سبب سے مشرکین مکہ کو آنحضرت صلعم کے بعض ارادوں

۱؎ سورہ یوسف آیت ۸۶ میں تو اپنے غم و اندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں۔ ۲؎ سیر الصحابہؓ جزو المہاجرین۔

سے مطلع کرنے کے لیے خط لکھا۔ جب خط راستے میں پکڑا گیا، تو حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے اور حضور پُر نور صلعم سے کہا،

"مجھ کو اجازت دیجیے کہ اس منافق کا سر اُڑا دوں" [1]

ذوالخویصرہ نے جب آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ عدل کریں، تو حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے اور بارگاہِ نبوت میں عرض کی: "مجھ کو اذن دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں" [2]

حضرت عمرؓ جمالِ نبوتؐ کے سچے شیدائی تھے۔ آپ کو اس بارہ میں جان، مال، اولاد، عزیز و اقارب، غرض کسی قربانی سے دریغ نہ تھا۔ معرکہ بدر میں عاص بن ہشام، جو آپ کا ماموں تھا، خود آپ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، حضرت عمرؓ کاشانۂ نبوتؐ پر حاضر ہوئے۔ لیکن جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی باریابی کی اجازت نہ ملی، تو پکار کر عرض کیا: "خدا کی قسم میں حفصہؓ [3] کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں" [4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت غلبۂ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہو گئی تھی، اس کا ذکر اوپر گزر چکا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد جب کبھی عہدِ مبارک یاد آ جاتا، تو روتے روتے بیتاب ہو جاتے تھے۔ شام کے سفر میں جب حضرت بلالؓ نے مسجدِ اقصیٰ میں اذان دی تو حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

حضرت عمرؓ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشربہ میں گئے، دیکھا کہ حضورؐ کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، سر مبارک کے نیچے چمڑہ کا تکیہ ہے، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے، پاؤں کے پاس دباغت کا سامان رکھا ہے اور سر ہانے کچھ چمڑے لٹک رہے ہیں۔ آپ نے شہنشاہِ کونینؐ کے توشہ خانہ میں جب یہ سامان دیکھا اور پہلوئے مبارک میں بانوں کی بدھیاں پڑی ہوئی نظر آئیں تو آبدیدہ ہو گئے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا، عرض کی "کسریٰ و قیصر دنیا کی زینت و نعمت میں بسر کرتے ہیں اور آپؐ خدا کے رسولؐ ہیں (اور معیشت کا یہ سامان ہے)" حضورؐ نے فرمایا: "کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اُن کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت" [5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنتِ نبویؐ سے تجاوز نہ کرتے تھے، آپ خور و نوش، لباس و وضع، نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اُسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھتے اور اپنے عمال کو بھی پابندیٔ سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کے ساتھ کھانا کھایا، معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے دسترخوان پر لائے گئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دے گا" [6]

---

[1] سیر الصحابہؓ جزء المہاجرین [2] ایضاً [3] ام المومنین حضرت حفصہؓ حضرت عمر کی صاحبزادی تھیں۔ [4] سیر الصحابہؓ جزء المہاجرین
[5] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین۔

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے زمانۂ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا، تو اس خیال سے کہ پتھر کو بوسہ دینے سے مسلمانوں کو کبھی یہ دھوکا نہ ہو کہ اس میں بھی الٰہی شان ہے اتباعِ سنت میں بوسہ تو دیا، لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز بوسہ نہ دیتا۔"

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکینِ عرب کے دلوں میں رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا، اس لیے جب مشرکین ہلاک ہو گئے تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے۔ مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار کو ترک کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ زندگی ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کی تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے روم و ایران کی شہنشاہی حاصل ہونے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کو نہ چھوڑا۔ ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے، اس لیے اب آپ کو نرم کپڑے اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جانِ پدر، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کی زندگی بھول گئیں، خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقشِ قدم پر چلوں گا کہ آخر کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔"

حُبِ اہلِ بیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حضرت عمرؓ اہلِ بیت سے محبت کرتے اور ان کو علانیہ عظمت دیتے تھے۔ حضرت عباسؓ، آنحضرت صلعم کے عمِ محترم تھے۔ حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں جب نمازِ استسقا پڑھاتے تو ان کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تھے، اب ان کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ حضرت عباسؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

"عمرؓ بن خطاب ابنِ عباسؓ کو تقرب کا درجہ عطا فرماتے تھے۔"

صدقاتِ نبویؐ میں سے نخلستانِ بنو نضیر کا انتظام حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سپرد کیا، حضرت عمرؓ کے بعد اس پر حضرت علیؓ غالب آ گئے، ان کے بعد حضرت حسنؓ پھر حضرت حسینؓ پھر حضرت علی بن حسینؓ اور ان کے بعد حضرت زید بن حسن انتظام کرتے رہے۔

حُبِ متعلقینِ رسالت

حضرت عمرؓ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے۔ جب آپ نے صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ بحیثیت امیر المومنین کے سب پر مقدم رکھے جائیں، لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرت صلعم کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے، چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم کو رکھا اور پھر ان میں بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا۔ اس کے بعد بنی امیہ، بنی عبد الشمس، بنی نوفل، بنی عبد العزیٰ یہاں تک کہ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی، سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہؓ کی تھیں، اگرچہ حضرت امام حسنؓ و حسینؓ ان میں سے نہ تھے، تاہم آنحضرت صلعم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہؓ کے برابر مقرر کیں، آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کے مرتبہ، ان کے

---

[1] سیر الصحابہ، خلفائے راشدین۔

احترام اور آرام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ بارہ ہزار مقرر کیں، ۲۳ھ میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

آنحضرت صلعم کے خادم حضرت زیدؓ بن حارثہ کے صاحبزادے حضرت اُسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو بڑے تھے، زیادہ مقرر کی، حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا تو فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔[1]

حُبِ مدینہ

حضرت عمرؓ کو مدینہ سے بے انتہا محبت تھی، اس محبت کی بنیادوں میں بھی وہی حبِ رسولؐ کام کر رہی تھی جس کا ذکر گزشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے، مدینہ کو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرۃ ہونے کا شرف حاصل تھا، اس لیے حضرت عمرؓ اکثر یہ دُعا فرمایا کرتے:

"خداوندا! مجھ کو اپنی راہ پر شہید کر اور مجھے اپنے رسولؐ کے شہر میں موت دے۔"

مدینہ میں مزارِ نبویؐ سب سے متبرک مقام ہے اور صحیح حدیث کی رُو سے تختۂ جنت ہے، حضرت عمرؓ کو اس خوابگاہ میں آرام فرمانے کی سب سے بڑی آرزو تھی، چنانچہ جب وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کے پاس پیغام کہلوایا اور انہوں نے اُن کی درخواست منظور کی تو مقدس خلیفہ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

خدا کا شکر ہے، اس خوابگاہ سے زیادہ کوئی چیز میرے نزدیک اہم نہ تھی۔[2]

زہد و قناعت

حضرت عمرؓ کے فضائل اخلاق میں یہ عنوان سب سے زیادہ جلی اور واضح نظر آتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دُنیاوی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو اعزاز عطا کیا تھا، اس کے ساتھ انہوں نے جو زہد و قناعت کی زندگی اختیار فرمائی، اس کی نظیر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی عظیم الشان خلیفہ یا بادشاہ کی زندگی میں نہیں مل سکتی، حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامتِ اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو حضرت عمرؓ بن الخطاب پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجتمند لوگ موجود ہیں جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ اس کو لے لو پھر تمہیں اختیار ہے اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے۔

آپ کی زندگی کا ایک رُخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے، حضرت خالدؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سے باز پرس ہو رہی ہے، فاتح مصر و ایران کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں اور دوسرا رُخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کُرتہ ہے، سر پر پھٹا ہوا عمامہ، پاؤں میں بوسیدہ جوتی، اور اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک

---

[1] الفاروق حصہ دوم [2] سیر الصحابہؓ جزء المہاجرین

ہے یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرشِ خاک پر نیند آگئی ہے۔

سادگی سفر میں خیمہ و خرگاہ کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا، جہاں منزل ہوتی کسی درخت کے سایہ میں پڑ رہتے۔ آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھتی تھیں، آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔

شام کے سفر میں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیرالمومنینؓ کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا خیال کریں گے۔ ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا، لیکن آپ نے فرمایا خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے کافی ہے۔

مزاج کی شدت مزاج فطرتاً تند و تیز واقع ہوا تھا۔ اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے، اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی اور بات بات پر تلوار نیام سے باہر ہو جاتی تھی، لیکن خلافت کا بار اٹھانے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے پھر بھی کچھ کچھ اثر باقی تھا۔ اہلِ سیر کے مطابق یہ شدت حق و باطل کے درمیان ایک حدِ فاصل تھی، وہ مظلوم کے لیے نرم اور ظالم کے حق میں سخت ہوتے تھے، ان کی نرمی میں ضعف اور سختی میں جبر نہیں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے جتنے واقعات ہیں، وہ سب حق کی حمایت کے ہیں، ورنہ اپنی ذات کے لیے وہ نہایت بردبار اور متحمل تھے۔ جب معاملاتِ ملکی میں لوگ آپ سے اختلاف کرتے اور معمولی معمولی بات پر ٹوکتے تو آپ اُسے بڑے تحمل سے برداشت کرتے اور اَبرو پر شکن نہ پڑنے دیتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے: "واللہ میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے، تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔" آپ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ آپ کا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لیے تھا، ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

شفقت اگرچہ شفقت اور شدت دو متضاد اوصاف ہیں لیکن حضرت عمرؓ میں شدت کے ساتھ شفقت بھی درجۂ کمال تک موجود تھی، آپ رعایا پر شفقت کرتے تھے۔ ذمیوں پر شفقت کرتے تھے اور غلاموں پر شفقت کرتے تھے۔

چراگاہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے مویشیوں کو چرنے کی ممانعت تھی لیکن غربا اس سے مستثنیٰ تھے۔ آپ نے چراگاہ کے مہتمم ہنی کو عام حکم دے رکھا تھا "اُونٹوں اور بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلے جو لوگوں کے پاس ہیں اُن کو چراگاہ میں آنے دو۔" عراق کی بیوہ عورتوں کی حالت کا یہاں تک خیال تھا کہ شہادت سے چار روز قبل فرماتے تھے۔

"اگر خدا نے مجھ کو زندہ رکھا تو اہلِ عراق کی بیوہ عورتوں کو اس حالت میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی شخص کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔"

ذمیوں پر یہ شفقت تھی کہ جب یہودِ خیبر کو جلاوطن کیا، تو صحیح روایات کے مطابق اُن کو جائیداد، اُونٹ، دیگر گھریلو اثاثہ، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے کجاووں اور رسیوں تک کی قیمت ادا فرمائی، حالانکہ یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔

غلاموں کے حال پر یہ عنایت تھی کہ غلامی کو آقائی کا ہم مرتبہ کر دیا تھا۔ غلاموں کی آزادی کے وسائل نکالتے تھے۔ ان کی تعلیم کا بندوبست کرتے تھے اور ان کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیتے تھے۔

ذریعۂ معاش: دیگر معززین قریش کی طرح حضرت عمرؓ کا ذریعۂ معاش بھی اسلام سے قبل اور بعد تجارت تھا۔ جب آپ خلیفہ

بنے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے تک یہی مشغلہ جاری رہا، مگر جب بقدر کفالت وظیفہ مقرر ہوا اور پھر کبار صحابہؓ کے وظائف کے ساتھ آپ کو بھی پانچ ہزار کی رقم ملنے لگی، تو آپ نے تجارت کا پیشہ ترک کر دیا اور اسی آمدنی پر گزر اوقات کرنے لگے۔

غذا و لباس آپ کی غذا نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا، روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی مگر آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تو اُن کو کھانے کی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ اس معمولی اور سادہ غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے، حضرت حفص بن ابی العاص اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے مگر شریک نہیں ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے دستر خوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اسے ترجیح نہیں دے سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی مقدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا، تو میں بھی تم لوگوں کی طرح عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا۔"

ایک دفعہ حضرت عتبہؓ بن فرقد شریک طعام تھے اور اُبلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے فرو کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ۔" عتبہؓ سے نہ رہا گیا، کہنے لگے "امیر المومنینؓ اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے، تو اس سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو۔"[1]

غذا کی طرح لباس کا بھی یہی حال تھا، آپ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں، آپ انہی کپڑوں میں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے، وفود کو باریاب کرتے اور بر سر عام نکلتے تھے، حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو اُن کے تہبند میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔[2]

ایک دفعہ گرمی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لیے دیا، اس نے اُس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر فرمایا، اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ کپڑا عموماً گرمی میں بنواتے تھے، جب پھٹ جاتا تو پیوند پر پیوند لگاتے چلے جاتے تھے۔ حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا: مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے، اس لیے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

جود و سخا: حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ سے اکثر یہ دعا کرتے تھے:

---

[1] سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین، [2] ایضاً

"خدا دندا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مال کو اس کے حق میں صرف کروں۔"
اور اسی کے مطابق وہ خرچ کرتے تھے۔ آپ کی سب سے زیادہ زرخیز جائیداد خیبر میں تھی جسے آپ نے راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا۔

ایک بار ایک گھوڑا راہِ خدا میں نذر کیا، لیکن جس شخص کو دیا اُس نے قدر نہ کی اور کم قیمت پر فروخت کرنا چاہا، چونکہ ارزاں فروخت ہو رہا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ خود خرید لیں گے، آنحضرت صلعم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے ارادہ کا ذکر کیا، حضورؐ نے فرمایا: تم نہ خریدنا، نہ اپنا صدقہ واپس لینا، گو ایک درہم کو بھی ملتا ہو۔[1]

کوئی مستحق اگر حضرت عمرؓ کے مال سے محروم ہوتا، تو آپ افسوس کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ سے ملاقات ہوئی، وہ بھوک سے بیتاب تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ سے قرآن حکیم کی ایک آیت پوچھی۔ حضرت عمرؓ اس حسنِ طلب پر غور نہ فرما سکے اور آیت بتلا کر مکان کے اندر چلے گئے، حضرت ابوہریرہؓ کچھ دُور چل کر گر پڑے۔ اتنے میں آنحضرت صلعم تشریف لائے، حضرت ابوہریرہؓ کو اس حالت میں پڑا دیکھ کر آواز دی، وہ بولے، حاضر ہوں، آنحضرت صلعم نے ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور دولت خانہ پر لے گئے۔ ایک بڑے پیالہ میں دودھ منگوا کر حضرت ابوہریرہؓ کو دیا، انہوں نے یہاں تک پیا کہ شکم اُبھا ہو کر تن گیا، بعد میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، تو حضرت ابوہریرہؓ نے واقعہ بیان کیا اور کہا وہ آیت مجھے آپ سے زیادہ یاد تھی، لیکن جو زیادہ مستحق تھا (یعنی آنحضرت صلعم) اس نے میری ضرورت پوری کی۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا:-

"خدا کی قسم اگر میں تم کو گھر لے جاتا، تو یہ مجھ کو سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتا۔"

بخل سے اجتناب

حضرت عمرؓ اگرچہ خود نہایت زاہدانہ اور زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم دوسروں کو توسیع کی اجازت تھی، ایک بار کسی نے پوچھا کہ ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے، فرمایا:

"جب خدا وسعت دے تو تم کو بھی وسعت اختیار کرنا چاہیے۔"

نظافت

حضرت عمرؓ بالطبع نظافت پسند تھے، ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتا کیا کہ:-

"رات کو مجھے غسل کی ضرورت ہو جاتی ہے اس وقت کیا کروں؟" ارشاد ہوا "وضو کر کے سو رہا کرو۔"

ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ مہاجرین اولین میں سے ایک بزرگ مسجد میں آئے، حضرت عمرؓ نے پکار کر فرمایا "یہ کونسا وقت ہے؟" انہوں نے اپنی مصروفیات بیان کیں اور کہا کہ اذان سُن کر وضو کیا اور سیدھا چلا آیا، آپ نے فرمایا: صرف وضو! حالانکہ آنحضرت صلعم غسل کا حکم دیتے تھے۔[2]

صلۂ رحمی

صلۂ رحم انسان کی ایک مخصوص فضیلت ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، حضرت عمرؓ میں یہ فضیلت اس درجہ تک موجود تھی کہ مسلمان تو مسلمان آپ کافر اعزہ کے ساتھ بھی سلوک کرتے تھے، آنحضرت

---

[1] سیر الصحابہؓ جز المہاجرین [2] سیر الصحابہؓ جز المہاجرین۔

صلعم نے ایک بار حضرت عمرؓ کو ایک حلّہ عنایت فرمایا جس میں ریشم ملا ہوا تھا، چونکہ اس کے پہننے کی ممانعت تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس مکّہ بھجوا دیا۔

محارم سے اجتناب

حضرت عمرؓ نے محارم الٰہی سے اجتناب کا ایک اصول بیان کیا ہے، جس سے اُن کی زندگی پر روشنی پڑتی ہے، فرماتے ہیں:-

"ہم نے اپنی بہترین زندگی صبر میں پائی ہے۔"

یعنی محارم سے نفس کو روکنا بہترین زندگی ہے۔

جاہلیت میں لوگ اکثر باپ کی قسم کھایا کرتے تھے۔ جس سے حضرت عمرؓ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی جماعت کے ساتھ جا رہے تھے کہ باپ کی قسم کھائی۔ آنحضرت صلعم نے سُنا تو فرمایا: "خدا تم لوگوں کو باپ کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے۔ جو شخص قسم کھانا چاہتا ہو وہ خدا کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔" اس تعلیم کا جو اثر حضرت عمرؓ پر ہوا، اس کے متعلق خود انہی کی زبان سے سُنیے، فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم میں نے جب سے آنحضرت صلعم سے سُنا پھر وہ قسم نہیں کھائی نہ خود نہ دوسروں کی نقل کر کے۔"

عصمت

حضرت عمرؓ کو اس جامعیت کے ساتھ ساتھ عصمت کا درجہ حاصل تھا جو خدا کے نبیوں اور فرشتوں کو حاصل ہوتا ہے حضرت عمرؓ کی عصمت کو آنحضرت صلعم نے خود بیان فرمایا ہے۔

"اے ابن خطاب اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
تم کو جب شیطان کسی راستہ میں چلتا ہوا ملتا ہے تو تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے"

ظاہر ہے کہ جس شخص سے شیطان اس قدر دُور رہتا ہو اس کی عصمت کے متعلق اور کیا دلیل چاہیے؟

شہادت

یہ فطرتِ انبیاء کے قریب ہونے کا اثر تھا کہ حضرت عمرؓ کو شہادت کا درجہ حاصل ہوا۔ عالم فانی میں جن لوگوں پر خدا نے اپنا انعام کیا ہے۔ قرآن حکیم نے اُن کے چار درجے بیان فرمائے ہیں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

حضرت عمرؓ کو ان میں تیسرا درجہ حاصل تھا یعنی آپ شہید تھے، اور یہ فضیلت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، حضورؐ ایک بار کوہ اُحد پر چڑھے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی ہمرکاب تھے، جب اُحد پر لرزہ طاری ہوا، تو فرمایا:۔

"اے اُحد قائم رہ، تجھ پر ایک پیغمبرؐ ایک صدیقؓ اور دو شہید ہیں۔" یہ دو شہید حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تھے۔

حضرت عمرؓ کی جامعیت

تاریخِ عالم کے اوراق اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ دنیا میں جن عظیم الشان ہستیوں نے راہِ سعادت کو واضح کیا، ان میں مُصلحین عظام تھے، جنہوں نے مطلع اخلاق سے فسق و فجور کی سیاہی دُور کی، مقننین کرام تھے، جن کی دماغ سوزیوں نے قیامِ امن میں حصہ لیا، شاہانِ گردن فراز تھے، جن کے آستانہ اقبال پر جاہ و عظمت نے ناصیہ سائی کی، غازیانِ لشکر شکن تھے، جن کی شمشیر خارا شگاف نے میدانِ جنگ میں خون کے بادل برسائے، زاہدانِ شب زندہ دار تھے، جن کے نالہائے نیم شبی اور دُعا ہائے سحری نے کنگرہ افلاک میں تزلزل برپا کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا وجودِ قدسی ان تمام خصوصیات کا جامع تھا آپ

حسنات کے بیت المعمور، کرامات کے سدرۃ المنتہیٰ، فضائل کے مرکز، مکارم کے مدار، جلالت کے واسطۃ العقد، ایمان کے حصنِ حصین، خلافت کے حصارِ متین، زمین کی برکت، زمانہ کی نیک بختی، مہرِ ہدایت، ماہِ سیاست، بحرِ عبادت، جسمِ ارشاد، روانِ یقین، شعشعۂ انوار اور سایۂ کردگار تھے آپ میں وراثتِ نبوی، حکمتِ محمدیؐ، نظرِ قدسی اور تائیدِ ربانی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ آپ کی یہی وہ جامعیت کبریٰ ہے جو آپ کو تمام صحابہؓ بلکہ باستثناء حضور سرورِ کائنات صلعم، تمام عالم سے ممتاز کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عمرؓ کی جامعیت کو بیان فرمایا ہے:۔

سب سے پہلے مذہبی حیثیت کو دیکھیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں سو رہا تھا، میں نے دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں، قمیصیں پہنے ہوئے ہیں، بعض کے قمیص سینہ تک ہیں، بعض کے ان سے بھی کم، اور میرے سامنے عمرؓ بن الخطاب لائے گئے۔ وہ اس قدر دراز قمیص پہنے ہوئے تھے جس کے دامن زمین تک لٹک رہے تھے۔ صحابہؓ نے پوچھا، یا رسولؐ اللہ اس کی کیا تاویل ہے؟ فرمایا دین۔"

اب علمی حیثیت کو سامنے لائیے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

"میں سو رہا تھا، ایک دودھ کا پیالہ مجھ کو دیا گیا، میں نے پیا، یہاں تک کہ سیرابی ناخنوں تک نکل آئی، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمرؓ بن خطاب کو دیا، صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ اس کی کیا تاویل ہے؟ ارشاد ہوا علم"

اس کے بعد سیاسی حیثیت پر غور فرمائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رویا بیان فرماتے ہیں:

"میں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہا تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ آئے، ابوبکرؓ نے ڈول ڈالا اور ایک یا دو ڈول کھینچے، ان کے کھینچنے میں ضعف تھا۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔ پھر اس کو ابن الخطابؓ نے ابوبکرؓ کے ہاتھ سے لیا اور وہ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا چرسہ بن گیا تو میں نے کسی قومی سردار کو ان کی طرح کام کرتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے۔"

مہبطِ وحی و الہام نے ان تینوں حیثیتوں میں حضرت عمرؓ کے مذہبی، علمی اور سیاسی کمالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ان کو تمام صحابہؓ پر علی الاطلاق فضیلت دی ہے۔

حضرت عمرؓ کی اولیات

مؤرخین کے مطابق حضرت عمرؓ نے جو نئی باتیں ایجاد کیں، ان کی مختصر فہرست یہ ہے:۔

(۱) بیت المال قائم کیا (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا (۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہریں کھدوائیں (۱۱) شہر آباد کرائے (۱۲) ممالک محروسہ کو صوبوں پر منقسم کیا (۱۳) جیل خانہ قائم کیا (۱۴) درہ کا استعمال کیا (۱۵) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا (۱۶) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۱۷) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں (۱۸) پرچہ نویس مقرر کیے (۱۹) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک آرام کے لیے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں (۲۰) حضرت ابوبکرؓ سے باصرار قرآن حکیم کی تدوین کرائی (۲۱) قیاس کا اصول قائم کیا (۲۲) نماز تراویح جماعت سے قائم کی (۲۳) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا (۲۴) شراب کی حد کے لیے اسّی کوڑے مقرر کیے (۲۵) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی (۲۶) وقف کا طریقہ ایجاد کیا (۲۷) مساجد میں روشنی کا انتظام کیا (۲۸) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۲۹) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری

کیا (۳۰) نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا (۳۱) قاعدہ مقرر کیا کہ اہلِ عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے۔
(۳۲) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے روزینے مقرر کیے۔
(۳۳) راہ پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔
(۳۴) مکاتب قائم کیے۔
(۳۵) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب

آپ کا نام عمرو اور کنیت ابو عبداللہ اور ابو محمد تھی۔ والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا، جدی سلسلۂ نسب یہ ہے: حضرت عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم (یا ہشام) بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی۔

ننھیالی نسب یہ ہے: نابغہ (سلمیٰ) بنت حرملہ بن حارث بن کلثوم بن جوشن بن عمرو بن عبداللہ، یہ قحطانی قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنو عنزہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک بار ڈاکوؤں نے قبیلہ پر حملہ کیا اور اسے قیدی بنا کر سوق عکاظ میں فاکہ بن مغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالا، فاکہ سے عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا اور عاص بن وائل کو ہدیتہً دے دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو سہم زمانۂ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا۔ قریش کے سیاسی نظام میں فصلِ مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے والد عاص کو زمانۂ جاہلیت میں بڑی عزت و شہرت حاصل تھی، اسی وجہ سے مؤرخین نے اسے قریش کے حکام میں شمار کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا، لیکن نہ صرف یہ کہ عاص آپ پر ایمان نہ لایا بلکہ آپ کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل ہو گیا اور آخری لمحۂ حیات تک حضور سرورِ دو عالم صلعم کو اپنی اسلام دشمنی اور زبان درازیوں سے بے حد تکلیف پہنچاتا رہا۔

قبل از اسلام

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے بھی جب تک اسلام قبول نہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ایذا رسانی میں اپنے باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے اور اسلام کے خلاف ہر سازش میں دیگر عمائد قریش کی طرح ہمیشہ پیش پیش رہے، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا، اس کے سرگرم رکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص ہی تھے، آپ نے حبش پہنچ کر درباریوں سے ملاقات کی، تحائف وغیرہ دے کر انہیں ہموار کیا، سب سے یہی کہا کہ ہمارے ہاں کے چند لوگ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر یہاں آ گئے ہیں، انہوں نے مسیحیت اور یہودیت بھی قبول نہیں کی، لہٰذا انہیں ملک سے نکال دینے پر زور دینا چاہیے۔ پھر آپ نے دربار میں پہنچ کر شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے اسی انداز میں گفتگو کی۔ درباریوں اور پادریوں نے بھی حسبِ قرارداد آپ کے مطالبے کی تائید کی۔ لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود شاہ حبش نے مسلمانوں کے اخراج کا مطالبہ تسلیم نہ کیا اور آپ کی تمام مساعی ناکام رہیں[1]

اس کے بعد خندق کا معرکہ پیش آیا جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف اُمڈ آیا تھا، اس موقعہ پر بھی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص قریش

---

[1] رسولِ رحمت مرتبہ غلام رسول مہر سے ماخوذ

کی فوج میں شامل تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔

اسلام کی طرف میلان

حضرت عمروؓ بن العاص اگرچہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے تاہم غزوہ خندق کے بعد اسلام سے متاثر ہونے لگے، وہ اکثر دنیا اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی اور میرا دل اس سے متاثر ہونے لگا۔ چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی، قریش نے میری اس قلبی کیفیت کو بھانپ کر ایک شخص اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے میرے پاس بھیجا جس نے مجھ سے بحث شروع کی، میں نے اس سے کہا کہ بتاؤ، ہم حق پر ہیں یا فارس و روم والے، اس نے کہا ہم" پھر میں نے پوچھا کہ عیش و تنعم ان کو میسر ہے یا ہم کو، اس نے کہا،" ان کو" پھر میں نے کہا، کہ اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی۔ جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ پر تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی جزا کی کوئی اُمید نہ ہو، اس لیے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد دوسرا عالم ہوگا، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے۔ [1]

قبولِ اسلام

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ غزوہ خندق کے بعد آپ اسلام سے متاثر ہونے لگے تھے۔ چنانچہ جب آپ جنگ خندق سے واپس آئے تو آپ نے قریش کے ان آدمیوں کو جو آپ کی رائے سے اتفاق کرتے اور آپ کی بات توجہ سے سُنا کرتے تھے، جمع کر کے کہا:

"خدا کی قسم! مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ستارہ اَوج پر پہنچنے والا ہے، اس حالت میں ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں سکونت اختیار کریں، کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع ہو کر رہنے سے بہتر ہے، اگر محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم پر غلبہ حاصل کر لیا، تو اس طرح ہم اُن کی دسترس سے باہر رہیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو ہم لوگ ممتاز ہیں اور ہمارے ساتھ ان کا طرزِ عمل بہتر ہی ہوگا۔"

حضرت عمروؓ بن العاص اگرچہ بزعمِ خویش اسلام سے دُور جا رہے تھے، لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ اسلام کی جن سچائیوں سے متاثر ہو کر انہوں نے مسلمانوں اور قریش کی باہمی کش مکش سے کنارہ کشی اختیار کی ہے، وہی سچائیاں بہت جلد اُن کو اسلام کی دہلیز پر جھکا دیں گی۔ مگر فی الحال اسلام کی چوکھٹ سے ان کی جبیں تک کچھ فاصلہ باقی تھا جسے طے کرنا ضروری تھا۔ یہ فاصلہ کیسے طے ہُوا؟ اس کی رُوداد خود اُن کی زبانی سُنیے، فرماتے ہیں:

"جب میں نے یہ تجویز اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کی تو سب نے اس پر اتفاق کیا تو پھر میں نے کہا کہ اب جبکہ تم نے حبش جانے کا قصد کر لیا ہے، تو نجاشی کے لیے کچھ عمدہ سوغاتیں لے چلو، ہمارے ہاں چونکہ سب سے بہتر تحفہ چمڑہ تھا۔ اس لیے بہت سا چمڑہ لے کر ہم لوگ حبشہ روانہ ہو گئے۔

[1] سیر الصحابہ رضؓ مہاجرین حصّہ دوم

جب ہم نجاشی کے محل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمروؓ بن اُمیہ ضمری (جنہیں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ اور اُن کے رفقا کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا) بادشاہ کے محل میں داخل ہوئے اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ اس پر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ عمروؓ بن اُمیہ ضمری کو ہمارے حوالے کر دے، اگر وہ دے دے تو اس کی گردن مار دیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا، یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسبِ معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ میرے لیے اپنے ملک سے کیا تحفہ لائے ہو۔ میں نے جواب دیا، حضور بہت سا چمڑہ تحفہ میں لایا ہوں، پھر (یہ تحفہ) اس کو پیش کر دیا جسے اس نے بہت پسند کیا۔ پھر موقع غنیمت جان کر عرض کیا، جہاں پناہ میں نے ابھی ایک آدمی کو آپ کے دربار سے نکلتے دیکھا ہے، وہ ہمارے دشمن کا ایلچی ہے آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ اگر اسے میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اُسے قتل کر دُوں کیونکہ اس نے ہمارے متعدد سرداروں اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں، نجاشی یہ درخواست سُن کر سخت غضبناک ہو گیا اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں نے خیال کیا کہ وہ ضرور ٹوٹ گئی ہوگی، میں یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور کہا جہاں پناہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات ناگوار گزرے گی، تو میں کبھی ایسا سوال آپ سے نہ کرتا، وہ بولا، تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخصؐ کے قاصد کو قتل کے لیے تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہی ناموسِ اکبر (جبرائیلؑ) آتا ہے، جو موسیٰؑ کے پاس آتا تھا، میں نے عرض کیا، جہاں پناہ! کیا واقعی ایسا ہے؟ اس نے کہا، "اے عمرو، تم پر افسوس! تم میرا کہا مانو اور اس کی اطاعت قبول کر لو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے اور جس طرح موسیٰؑ فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے، اسی طرح یہ شخص بھی اپنے دشمنوں پر غالب آ جائے گا۔" میں نے کہا، میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، کیا آپ اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں؟ اس نے کہا، کیوں نہیں، یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا، تو میرے خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی غرض سے مدینہ روانہ ہو گیا۔ راستہ میں مجھے خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے (یہ فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے کا واقعہ ہے) میں نے پوچھا، اے ابا سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا "مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں، اس لیے میں تو اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں آخر کب تک ہم ان کی مخالفت کرتے جائیں گے۔" میں نے کہا:

"خدا کی قسم! میں بھی مسلمان ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔" چنانچہ ہم دونوں مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ کو ہماری آمد کی اطلاع ہو چکی تھی اور آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، پہلے خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر بیعت کی، پھر عثمان بن طلحہ نے، اس کے بعد میری باری آئی، میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آگے بیٹھ گیا لیکن شرم کے مارے میری نگاہ آپ کے سامنے نہ اُٹھتی تھی، میں نے دربارِ رسالت مآبؐ میں عرض کیا "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بیعت کروں گا، لیکن میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیجیے۔" آپؐ نے فرمایا: "عمرو بیعت کر لو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔" چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے (مکہ) لوٹ گیا۔[1]

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم اور حضرت عمرو بن العاصؓ مؤلفہ محمد فرج مصری سے ماخوذ۔

ہجرت

حضرت عمروؓ بن العاص قبولِ اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے۔[1]

غزوات و سرایا

حضرت عمروؓ بن العاص ایک انتہا پسند آدمی تھے، چنانچہ جس طرف بھی رہے اپنی روش پر قائم رہے۔ قبولِ اسلام سے قبل آپ نے اسلام کے استیصال کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور جب اسلام لائے تو اسی شد و مد کے ساتھ کفر و شرک کی بیخ کنی پر کمر بستہ ہو گئے۔ قبولِ اسلام کے بعد آپ گزشتہ مخالفتوں کو یاد کرکے پشیمان ہوتے۔ چنانچہ کہا کرتے تھے کہ جب میں حالتِ کفر میں تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا اور اگر اسی حالت میں مر جاتا تو دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اور جب میں بیعت کرکے حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، تو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں چار نہ کر سکا۔ مزید فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم! جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور دوسرے صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمروؓ بن العاص کے قبولِ اسلام سے بہت خوش تھے، حضورؐ کو ان کی ذہنی اور عسکری صلاحیتوں پر اس قدر بھروسا تھا کہ آپؐ نے انھیں قبولِ اسلام کے چند روز بعد ہی ایک سریہ کی امارت مرحمت فرما کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے روانہ فرمایا اور اس طرح حضرت عمروؓ بن العاص رضؓ کو آغاز ہی سے اسلام کی خاطر خدمات سر انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

سریہ ذات السلاسل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ کے اطراف پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہی ہے، حضور سرورِ دو عالم صلعم نے جمادی الثانی ۸ھ میں سفید علم درست فرما کر حضرت عمروؓ بن العاص کو تین صد مجاہدین کے ساتھ اس جماعت کی سرکوبی کے لیے بھیجا، اس لشکر میں تیس گھوڑے بھی تھے۔ علامہ ابن اثیر کی تصریح کے مطابق یہ سریہ مدافعت کے لیے نہیں بلکہ قبیلہ بلی و عذرہ کی طرف دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن جب مسلمان قریب پہنچے، تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت رافع رضؓ بن مکیث الجہنی کو دربارِ رسالتؐ میں بھیج کر کمک کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی قیادت میں دو سو مہاجرین و انصار کو مدد کے لیے بھیجا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی شامل تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روانگی سے قبل حضرت ابوعبیدہؓ کو مختلف نصائح کیں اور فرمایا متحد رہنا اور کسی بارہ میں اختلاف کی نوبت نہ آنے دینا۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ جب امدادی دستہ لے کر پہنچے تو ان میں اور حضرت عمروؓ بن العاص میں امامت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کہتے تھے کہ امامت میرا حق ہے کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں، آپ چونکہ میری امداد کے لیے آئے ہیں، اس لیے میرے ماتحت ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے آنحضرت صلعم کی ہدایت کے مطابق اختلاف سے گریز کیا اور ان کی امامت قبول کر لی، اس کے بعد متحدہ لشکر قبیلہ بلی و عذرہ کی آبادیوں کو پامال کرتا ہوا، اس کی آخری حد تک بڑھتا چلا گیا۔ راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا، جو

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم

مسلمانوں کے سخت حملہ کی تاب نہ لاکر ادھر اُدھر منتشر ہو گئی۔

اس مہم کے بارہ میں حضرت عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہلا بھیجا کہ میں کپڑے اور ہتھیار پہن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ جب میں بہ تعمیلِ ارشاد حضور کی خدمت میں پہنچا، تو آپؐ نے فرمایا: اے عمرو میں چاہتا ہوں کہ تمہیں لشکر کا سردار بنا کر بھیجوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مالِ غنیمت بھی عطا فرمائے گا اور تمہیں محفوظ بھی رکھے گا۔ میں نے عرض کیا: میں نے مال و دولت کے لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا۔ فرمایا: حلال و طیب مال ایک صالح و متقی کے لیے بہترین نعمت ہے۔[۱]

سریہ عمروؓ بن العاص، انہدام سواع

مورخین کے مطابق سواع عورت کی شکل کا ایک بت تھا، جو حضرت شیث بن آدمؑ کے لڑکے سواع کے نام پر بنایا گیا تھا۔ قوم نوحؑ کے بعد قبیلہ ہذیل نے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر آباد تھا اس کی پرستش شروع کر دی، فتح مکہ سے قبل تک ہر سال اس جگہ میلہ لگتا اور اس پر کثرت سے چڑھاوے چڑھتے تھے، ان تمام امور کی نگرانی بنو سلیم کرتے تھے اور تمام چڑھاوے بھی انہی کے پاس جمع ہوتے تھے۔

فتح مکہ کی وجہ سے جب اسلام کو عرب میں دیگر ادیان پر کلی غلبہ حاصل ہو گیا اور عربوں نے اسلام کے تابندہ اصول قبول کر لیے تو ان بت خانوں کے خلاف کارروائی ضروری ہو گئی، جو مکہ کے قرب و جوار میں موجود تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو سواع کا بت خانہ ڈھانے پر مامور فرمایا، جب آپ تعمیلِ حکم کے لیے معہ چند سواروں کے وہاں پہنچے تو بت خانہ کے مجاور نے پوچھا کہ آپ کس نیت سے آئے ہیں؟ فرمایا بت ڈھانے کے لیے، اس پر مجاور نے مزاحمت کرنے کی بجائے جواب دیا کہ آپ اس کو نہ گرا سکیں گے۔ یہ خود اپنی حفاظت کرے گا۔ آپ نے مجاور کی اس بات پر بڑا افسوس کیا اور فرمایا، تم اب تک باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ بھلا بت بھی دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں؟ اس کے بعد بت کے قریب جا کر اسے پاش پاش کر دیا، آپ کے ساتھیوں نے بیت خزانہ کو گرا دیا مگر وہاں سے کچھ نہ ملا۔ اس کے بعد آپ نے مجاور سے پوچھا، کیا تم نے بت کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا دیکھ لیا؟ اس نے کہا بے شک، پھر مشرف با سلام ہو گیا۔[۲]

سفارت

حضرت عمروؓ بن العاص میدانِ جنگ کے ہی شہسوار نہیں تھے بلکہ ایک ماہر سیاستدان، مومن اور صاحبِ عقل و دانش بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ ان کی صلاحیتوں کا بخوبی علم تھا، اس لیے حضورؐ کبھی تو میدانِ جنگ کے قائد کی حیثیت سے ان کا انتخاب فرماتے کبھی بتوں کے انہدام پر انہیں مامور فرماتے اور کبھی تبلیغی امور کی انجام دہی کے لیے انہیں سفیر بنا کر بھیجتے اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجا آوری میں حضرت عمروؓ بن العاص کی مخلصانہ مساعی کا ثمرہ سمجھنا چاہیے کہ آپ جس مہم پر بھی جاتے، فتح و کامرانی کی خوشخبری لے کر لوٹتے۔

اہلِ سیر کے مطابق فتح مکہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرب و جوار کے جن حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے ان میں عمان کے حکمران بھی شامل تھے اور یہ تبلیغی مہم حضرت عمروؓ بن العاص کے سپرد فرمائی۔

---

[۱] محمد رسول اللہ، مؤلفہ شیخ محمد رضا مصری [۲] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

عمان جزیرہ عرب کے جنوب مشرق میں ایک مملکت تھی، جہاں کے باشندے آگ کی پرستش کرتے تھے، وہاں دو بھائی حاکم تھے، بڑے کا نام جیفر تھا اور چھوٹے کا عباد، حضرت عمرو رضؓ بن العاص جب آنحضرت صلعم کا تبلیغی خط لے کر عمان پہنچے تو بجائے اس کے کہ آپ فوری طور پر اس خط کو دونوں بھائیوں کے حوالے کر دیتے، آپ نے ان کی شخصیتوں کی مطالعہ ضروری سمجھا، مطالعہ کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ چھوٹا بھائی عباد بردباری و اخلاق میں بڑے بھائی سے بڑھا ہوا ہے، لہٰذا آپ نے اپنے تبلیغی مشن کا آغاز اسی سے کیا اور اس خوبی سے اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کیے کہ وہ اسلام کا گرویدہ ہوگیا۔ پھر آپ عباد کی ہدایت کے مطابق جیفر سے ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کے حوالے کیا، دونوں بھائیوں نے مل کر خط پر غور کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوال کیے جب مطمئن ہو گئے تو مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ پھر ان کی مملکت کے باشندے بھی ان کی تقلید میں کثرت سے مسلمان ہونے لگے اور اس طرح چند روز میں سارا عمان مسلمان ہوگیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص اپنی اس کامیابی پر خوشی خوشی مدینہ آئے اور اس مہم کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی جو آپ نے محض اپنی عقل، سیاست اور دینی امور سے واقفیت کی بناء پر سر کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اس کارنامہ پر بہت خوش ہوئے اور آپ کو وہاں کے لوگوں کو اسلامی احکام سکھانے اور کتاب اللہ کا درس دینے کے لیے دوبارہ عمان روانہ فرمایا۔ آپ عمان آکر دو سال تک اسلام کی تبلیغ کا کام سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کو حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کا خط پہنچا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے حادثہ فاجعہ کی خبر دے کر ہدایت کی گئی تھی۔ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سپرد کیا تھا وہ اسے بدستور پایۂ تکمیل تک پہنچاتے رہیں۔ بہرکیف اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمروؓ بن العاص کی رفاقت ختم ہوگئی۔[1]

فتنۂ ارتداد

رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ارتداد اور مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا، تو حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت عمان میں ہی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ رسولؐ نے انہیں تمام حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کو دبانے کے لیے مدینہ طلب فرمایا، واپسی پر ان کا گزر بنو عامر کی بستیوں سے ہوا جن کا سردار قرہ بن ہبیرہ تھا۔ آپ قرہ کے مہمان ہوئے، اس نے بڑی آؤبھگت کی اور جب آپ چلنے لگے تو تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت قبول نہ کریں گے، البتہ اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا، تو مطیع و فرمانبردار رہیں گے، اس لیے زکوٰۃ کا قانون اٹھا دینا چاہیے، آپ نے کہا قرہ! کیا تم بھی ارتداد کی رو میں بہہ گئے ہو اور کیا تم ہمیں عربوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم! ہم گھوڑوں کے سموں سے عرب کی ساری زمین روند ڈالیں گے اور تمہاری گردنیں ہماری تلواروں سے کسی طرح محفوظ نہ رہ سکیں گی۔ یہ شخص بعد میں جب مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا، تو اس نے حضرت ابوبکر رضؓ سے کہا کہ جب عمروؓ بن العاص عمان سے واپسی پر میرے پاس سے گزرے تھے تو میں نے ان کی مہمانداری اور فرمانبرداری کی تھی، حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے اس معاملہ کے متعلق پوچھا، آپ نے قرہ کے بیان کی تصدیق کی، جس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے اس کا خون معاف کر دیا۔[2]

مدینہ پہنچنے پر حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو بنو قضاعہ کے مرتدین سے جنگ کرنے کا کام سپرد کیا۔ چنانچہ آپ بارگاہ

---

[1] حضرت عمروؓ بن العاص مؤلفہ محمد فرج مصری [2] فتوح البلدان حصہ اول۔

خلافت سے حکم ملتے ہی بنو قضاعہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ بنو قضاعہ جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہیں، چنانچہ فریقین میں مقابلہ شروع ہُوا اور گھمسان کا رن پڑا، بالآخر شکست کی ذلت بنو قضاعہ کے حصّہ میں آئی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ان سے زکوٰۃ لے کر انہیں دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مُہم کو سر کرنے کے بعد عمان لَوٹ گئے۔[1]

فتوحاتِ شام

فتنۂ ارتداد فرو کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عراق و شام کی طرف توجّہ کی اور ۱۳ھ میں شام کے مختلف حصّوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت عمان میں تھے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لکھا:

"اے ابوعبداللہ، میں تمہارے سپرد ایسا کام کرنا چاہتا ہُوں جو دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے تمہارے لیے بہتر ہے۔ لیکن تمہاری خوشی مجھے بہرحال منظور ہے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب میں لکھا:

"مَیں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہُوں اور اللہ کے بعد آپ اس کے تیرانداز ہیں، اس لیے آپ کو اختیار ہے کہ جدھر چاہے پھینکیے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس جواب سے بہت خوش ہوئے، چنانچہ آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو عمان سے واپس بُلا کر فلسطین کی مُہم پر مامور کیا، حضرت عمروؓ بن العاص کی فوج کی تعداد نو ہزار تھی اور وہ مکّہ، طائف، ہوازن اور بنو کلاب کے لوگوں پر مشتمل تھی، مورخین کے مطابق اسلامی فوج کے چار حصّے تھے اور ہر حصّہ پر علیحدہ علیحدہ امیر مقرّر کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں الگ الگ علاقوں کی طرف روانہ فرمایا تھا، یعنی حضرت ابوعُبیدہؓ بن الجراح، حمص، حضرت عمروؓ بن العاص، فلسطین، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان، دمشق اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اُردن کی مُہم پر مامور ہوئے، چاروں فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی[2] اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح ان چاروں فوجوں کے سپہ سالارِ اعظم تھے۔

اجنادین

حضرت عمروؓ بن العاص اپنی نو ہزار فوج کے ہمراہ فلسطین کے لیے روانہ ہوئے اور ایلیا کے راستے سفر کرتے ہوئے عربات میں جا کر اُترے، جب شہنشاہِ روم کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ان کے چار لشکر شام پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں، تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، رومیوں کے مشہور سپہ سالار تذارق اور قیقلار نے اجنادین میں اپنی فوجیں آتاریں، حضرت عمروؓ بن العاص جو فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے، رومیوں کے اجتماع کی خبر سُن کر اجنادین کی طرف بڑھے۔ اس دوران میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی بصریٰ کی مہم سر کرنے کے بعد اجنادین میں ان سے مل گئے۔ رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو جاسوسی کے لیے اسلامی لشکر میں بھیجا، وہ دیکھ بھال کر جب واپس گیا، تو سپہ سالار نے پُوچھا کیا خبر لائے؟ اُس نے کہا، یہ لوگ رات کو عابدِ شب زندہ دار اور دن کو میدانِ جنگ کے شہسوار ہیں اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جُرم کا مرتکب ہوتا ہے، تو

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصّہ دوم [2] علّامہ شبلیؒ نے فوجوں کی تعداد چوبیس ہزار لکھی ہے (الفاروق حصّہ اوّل)۔

اس پر بھی شرعی حدود جاری کرتے ہیں" یہ سن کر سپہ سالار نے کہا، اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو اُن کے مقابلہ سے زمین میں دفن ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔ غرض جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں رومیوں اور مسلمانوں میں مقابلہ ہوا۔ رومی سپہ سالار مارا گیا اور اس کی فوج کو شکستِ فاش ہوئی۔ اس معرکہ کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصّہ فوج کے سردار تھے۔[1]

دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور جاہلیت میں اہلِ عرب چونکہ تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے، اس لیے دمشق کا شہرہ تمام عرب میں تھا، چنانچہ اجنادین کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا اور بڑے اہتمام سے اس کا محاصرہ کر لیا، اسلامی سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص باب توما، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ باب فرادیس، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید باب الشرقی، حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان باب کیسان اور خود حضرت ابو عبیدہ باب جابیہ پر متعین تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو شہر کے ایک حصّہ پر متعین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی بہادری، شجاعت اور اخلاص و وفاداری پر کامل اعتماد تھا۔ بہرکیف عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر رجب ۱۴ھ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خوش تدبیری سے دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دمشق کا محاصرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا تھا مگر اس کی فتح عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں عمل میں آئی

فحل اور بیسان

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہوئے، دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے چونکہ اُردن کا رُخ کیا تھا اس لیے انہوں نے اسی صوبہ کے ایک شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور مسلمانوں نے اُن کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان اچانک حملہ نہ کر دیں، آس پاس کی تمام نہروں کے بند توڑ ڈالے جس کے باعث فحل اور بیسان کے درمیان ایک دنیائے آب رواں ہو گئی، مسلمان ابھی فحل میں ہی مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا، لیکن شکست کھائی اور اس بُری طرح بھاگے کہ اسی مہیب دلدل میں پھنس گئے جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے تیار کی تھی، اسلامی لشکر نے دلدل میں پھنسنے والے کسی ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور اسی ہزار رومیوں کو اسی حالت میں قتل کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے بیسان کا محاصرہ کر لیا، ایک دن رومی لشکر نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا مگر سب کے سب مارے گئے اور باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔[2]

یرموک

اس مسلسل اور پیہم شکستوں سے سارے روم میں کہرام مچ گیا اور رومیوں نے قیصر سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام ویران و تباہ کر ڈالا ہے وہ خود بھی چونکہ مسلمانوں کی تاخت و تاراج سے تنگ آ چکا تھا۔ اس لیے اس نے ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر کے ایک زبردست فوج جمع کی، جس کی تعداد بلاذری کے بیان کے مطابق دو لاکھ کے لگ بھگ تھی، حضرت عمرو بن العاص نے اس نازک اور خوفناک مرحلے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رائے دی کہ:

"تمام مسلمان ایک جگہ مجتمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں، اگر ہم ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو قلتِ تعداد کے باوجود مغلوب

---

[1] سیر الصحابہ رضی اللہ عنہ مہاجرین حصّہ دوم [2] سیر الصحابہ رضی اللہ عنہ مہاجرین حصّہ دوم

نہ ہو سکیں گے۔ لیکن اگر بدستور علیحدہ علیحدہ رہیں گے، تو کوئی بھی رومیوں کے لشکرِ جرار کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

دربارِ خلافت سے بھی اس مشورہ کی تائید ہوئی، چنانچہ اسلامی افواج ہر چہار طرف سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئیں، چونکہ اس معرکہ میں سارا شام اُمڈ آیا تھا اور مسلمانوں کی تعداد ان کے چوتھائی حصہ سے بھی کم تھی، اس لیے حضرت خالدؓ نے خاص توجہ سے کام لیتے ہوئے جدید طرز پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کیا، میمنہ کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو مقرر کیا، غرض دونوں فوجیں پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اُتریں اور جنگ شروع ہو گئی۔

یہ جنگ بڑی ہولناک جنگ تھی، رُومی اس قدر جان توڑ کر لڑے اور مسلمانوں پر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا، پیچھے ہٹنے والوں میں مسلمانوں کا علمبردار بھی تھا، یہ دیکھ کر حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت خالدؓ بن ولید دونوں اس کے ہاتھ سے عَلم لینے کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص چونکہ پہلے پہنچ چکے تھے۔ اس لیے پھرتی سے علم بردار کے ہاتھ سے عَلم لے لیا اور ایک لمحہ کے لیے بھی اسے نیچے نہ ہونے دیا۔ میدانِ جنگ میں اپنا پھریرا پُوری شان سے لہراتا دیکھ کر ہزیمت خوردہ مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی، چنانچہ انہوں نے دوبارہ مجتمع ہو کر اس زور کا حملہ کیا کہ رومی انتہائی کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے، اور انجام کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ باختلافِ روایت رومیوں کی ایک لاکھ یا ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا۔

بقیہ فلسطین حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فلسطین کی تسخیر پر مامور فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین کے بعض مقامات عہدِ صدیقی میں ہی فتح کر چکے تھے، لیکن درمیان میں چونکہ دمشق، فحل اور یرموک وغیرہ کی مہمات آپڑی تھیں، اس لیے پہلی مہم اُدھوری رہ گئی تھی، چنانچہ یرموک وغیرہ سے فراغت کے بعد آپ پھر ادھر متوجہ ہوئے اور غزہ، سبطین، نابلس، لُد عمواس اور بیت الجبرین پر نہایت آسانی سے تسلط حاصل کر لیا۔

بیت المقدس اب صرف فلسطین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) رہ گیا تھا، چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ ساتھ ہی آپ نے رومی سپہ سالار اطربون کو ایک خط لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ شہر ان کے حوالے کر دیا جائے، اس نے جواب دیا کہ "آپ اس خیال میں نہ رہیں کہ اجنادین کے بعد بھی آپ کوئی فتح حاصل کر سکیں گے" اسی دوران میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی قنسرین اور اس کے مضافات فتح[1] کر کے حضرت عمروؓ بن العاص سے آملے[2] محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا جب اطربون نے دیکھا کہ مسلمان بیت المقدس کا محاصرہ اٹھانے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں ہیں تو وہ اسقف صفرنیوس کو اپنا قائم مقام بنا کر خود مصر بھاگ گیا اور اپنے ہمراہ اپنی فوج بھی لیتا گیا، صفرنیوس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر مسلمانوں کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا۔ اس لیے وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا، لیکن شرط یہ پیش کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن الخطاب خود صلح کا معاہدہ لکھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ جابیہ کے مقام پر ان سے مصالحت کی اور انہیں ایک عہد نامہ لکھ کر دیا[3]۔ اس طرح شام کا یہ متبرک شہر جس کو انبیاء و رسل علیہم السلام کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا مسلمانوں کے

---

[1] حضرت عمروؓ بن العاص مؤلفہ محمد فرج مصری۔ [2] فتوح البلدان حصہ اوّل [3] حضرت عمروؓ بن العاص مؤلفہ محمد فرج مصری

قبضہ میں آگیا اور شام پر مکمل قبضہ ہوگیا۔

طاعونِ عمواس

مؤرخین کے مطابق ۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا جس میں بہت سے مسلمانوں نے وفات پائی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے۔ اس لیے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دی جائیں، مگر اسلامی فوج کے امیر حضرت ابوعبیدہؓ نے اسے خدا کی رحمت قرار دے کر عمواس چھوڑنا قبول نہ کیا، آخر جب خود اس مرض میں مبتلا ہو گئے، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین قرار دے کر اسی رحمت کے دامن میں آگئے"، وبا کا زور چونکہ بڑھتا جا رہا تھا، اس لیے حضرت معاذؓ بھی اس کے حملہ سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اسی بیماری میں جان دے دی۔ ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات پر بھیج دیا، جس سے فوجیں اس وبا سے محفوظ ہو گئیں۔

فتوحاتِ مصر

شام اگرچہ پوری طرح مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں آچکا تھا۔ تاہم حضرت عمروؓ بن العاص کے بلند حوصلے ابھی پورے نہیں ہوئے تھے، کیونکہ شام کی فتوحات میں زیادہ تر حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کی قوتوں کو دخل تھا اور ان کو ایسے میدان کی تلاش تھی، جہاں وہ تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھا سکیں، اس بنا پر ان کی نظر شام کے اہم سرحدی ملک مصر پر تھی، جس کی شادابی و زرخیزی سے یہ اچھی طرح واقف تھے، کیونکہ ظہورِ اسلام سے قبل بسلسلۂ تجارت آپ اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ شام کی فتح کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی، لیکن امیر المومنینؓ کو اجازت دینے میں دو وجہوں سے پس و پیش ہوا، اوّل یہ کہ شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دم نہ لیا تھا، دوسرے مقوقس شاہِ مصر کا قلیل فوج کے ساتھ مقابلہ کرنا دشوار تھا، لیکن جب حضرت عمروؓ بن العاص نے پیہم اصرار کیا تو حضرت عمرؓ رضامند ہو گئے اور شریک بن عبدہ کے ہاتھ انہیں ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا: "لوگوں کو مصر چلنے کی دعوت دو اور جو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر روانہ ہو جاؤ۔" مؤرخین کے مطابق جس وقت حضرت عمروؓ بن العاص کو امیر المؤمنین کا یہ خط پہنچا اُس وقت آپ نے قیساریہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ خط ملتے ہی محاصرہ کی کمان حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے حوالے کی، امیر المومنینؓ کے قاصد شریک بن عبدہ کو کمک طلبی کا پیغام دے کر مدینہ واپس کیا اور خود تقریباً چار ہزار سپاہ کے ساتھ عریش کی طرف روانہ ہو گئے۔

اہلِ سیر کے بیان کے مطابق امیر المومنینؓ کا قاصد جب حضرت عمروؓ بن العاص کے خط کا جواب لے کر واپس پہنچا تو آپ رفح کے مقام پر تھے، قاصد نے جب کمک کا کوئی ذکر نہ کیا جس کا آپ کو انتظار تھا، تو آپ نے اپنی ذہانت سے یہ اندازہ لگا لیا کہ اس خط میں واپسی کا حکم ہوگا، چنانچہ آپ چلتے رہے اور قاصد سے مدینہ کی خبریں معلوم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے جو رفح اور عریش کے درمیان تھا۔ وہاں پہنچ کر پوچھا "یہ گاؤں کس ملک میں ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "مصر میں" اس وقت آپ سواری سے اُترے اور قاصد سے خط لے کر پڑھا، پھر حاضرین سے کہا "امیر المومنینؓ نے حکم دیا ہے کہ اگر یہ خط مجھے مصر کی سرحد پار کرنے سے پہلے ملے تو میں واپس ہو جاؤں، لیکن یہ مجھے اس وقت ملا ہے جب وقت ہم مصر میں داخل ہو چکے ہیں، اس لیے اللہ کی برکت اور اعانت پر بھروسا کر کے بڑھے چلو۔" اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ "ان کے (یعنی امیر المومنینؓ) کے یہ کلمات پہلی فتح ہیں۔"[1]

---

[1] عمرؓ فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل۔

رما کی فتح

بہرکیف حضرت عمروؓ بن العاص چار ہزار مجاہدین کے ساتھ مصر کی سرحد کے اندر بڑھتے ہوئے عرلیش پہنچے، لیکن وہاں مقابلہ کے لیے کوئی موجود نہ تھا۔ پھر آپ نے فرما کا رُخ کیا، راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ یہاں تک کہ آپ پہنچ گئے۔ جہاں رُومی فوج آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے کیل کانٹے سے لیس کھڑی تھی۔

فرما مصر کا ایک مشہور شہر تھا جسے جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل تھی، یہاں اگرچہ رومی فوجوں نے ربوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے مضبوط مورچہ بندی کر رکھی تھی، تاہم حضرت عمروؓ بن العاص نے لڑائی چھیڑنے میں کسی تکلف و تامل سے م نہ لیا اور رُومیوں کو نہایت خطرناک شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔

بلبیس اور اُمّ دنین کی فتح

فرما کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے بلبیس کا رُخ کیا۔ جو مصر سے صرف تینتیس میل دُور تھا۔ راستے میں کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ بلبیس پہنچ کر آپ نے تقریباً ایک ماہ تک م کیا اور اس دوران میں مصر کے شاہ مقوقس کی جانب سے پادریوں کا ایک وفد آپ سے ملا اور صلح کی گفتگو شروع کی، آپ نے ن کے سامنے حسبِ معمول جزیہ دینے یا اسلام قبول کرنے کی شرط پیش کی، یہ وفد پانچ دن کی مہلت لے کر واپس گیا اور مسلمانوں کی شرائط قوقس کے سامنے رکھیں، رومی سپہ سالار اطربون نے مسلمانوں سے جنگ کرنے پر اصرار کیا اور بارہ ہزار مسلح فوج کے ساتھ بلبیس پہنچ کر چانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا لیکن شکست کھائی اور ایک روایت کے مطابق جنگ میں مارا گیا۔ بلبیس کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن لعاص صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے اُمّ دنین کی بستی کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ یہ بستی ایک مضبوط قلعہ پر مشتمل تھی اور شہر مصر کے سب سے بڑے قلعہ بابلیون[1] کے شمال میں واقع تھی، رُومیوں نے مسلمانوں کی بے دریغ پیش قدمی سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ عرب محض لوٹ کھسوٹ کے ارادے سے نہیں بلکہ فتح مصر کے پروگرام کے تحت آئے ہیں، اس بنا پر رومی قلعہ اُمّ دنین کو مستحکم کر کے اس میں قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص رومیوں کی ان کارروائیوں سے پوری طرح باخبر تھے لیکن وہ خواہ مخواہ اپنی قلیل فوج کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے، تاہم اُنہوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور امیر المومنینؓ کو تمام حالات کی خبر دے کر امدادی فوج بھیجنے کی درخواست کی

محاصرہ میں کئی ہفتے گزر گئے۔ اس عرصہ میں اُمّ دنین کی فوجیں کبھی کبھار قلعہ سے باہر نکلتیں اور ناکام جھڑپوں کے بعد واپس چلی جاتیں کر اسی اثنا میں بارگاہِ خلافت سے پہلی امدادی فوج پہنچ گئی۔ اس فوج کے پہنچتے ہی مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے اور اسلامی لشکر نے حضرت عمروؓ بن العاص کے حکم کے مطابق ایک مقررہ وقت پر یکجان ہو کر قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا، اور مسلمان دشمن کی بڑی تعداد کو تلوار کے گھاٹ اُتارنے اور زندہ بچ جانے والوں کو گرفتار کرنے کے بعد قلعے پر قابض ہو گئے۔

عین شمس یا فسطاط

اُمّ دنین کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص عین شمس پہنچے۔ عین شمس زمانۂ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا، یہاں آفتاب کا ہیکل تھا جس کے تبرک کو ہزاروں آدمی آتے تھے۔ لیکن جس وقت مسلمان یہاں پہنچے شہر کھنڈروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا، البتہ یہاں ایک قلعہ تھا جس کا نام قصرِ شمع تھا، اس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی اور

---

[1] مؤرخین کے مطابق اسی قلعہ کو "قصرِ شمع" اور باب الیون بھی کہتے ہیں

مصر کی تسخیر کے لیے اس پر قبضہ کرنا نہایت ضروری تھا، چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس قلعہ کی تسخیر کے لیے بڑے اہتمام سے تیاریاں شروع کیں، اسی دوران میں حضرت زبیرؓ بن عوام بھی دس ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور پھر دونوں نے دو سمتوں سے حملے شروع کر دیے، مگر قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ مہینوں لگ گئے۔ آخر کار ایک دن حضرت زبیرؓ بن عوام محاصرہ کی طوالت سے تنگ آکر اکیلے ننگی تلوار لے کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ آپ کی اس ہمت مردانہ کو دیکھ کر بہت سے جاں نثاروں نے بھی آپ کی تقلید کی، چنانچہ قلعہ کے دیوار پر پہنچ کر سب لوگوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ قلعہ والوں نے بدحواس ہو کر خود ہی اس کے دروازے کھول دیے اور صلح کی درخواست کی جسے مسلمانوں نے قبول کر لیا، داخلہ اگرچہ فاتحانہ ہوا تھا، تاہم مسلمانوں نے شرائط بہت نرم رکھیں، مؤرخین کے مطابق یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا[1]۔

اسکندریہ کی طرف پیشقدمی عین شمس کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے اسکندریہ کی طرف پیشقدمی کی اجازت مانگی، وہاں سے اجازت ملنے کے بعد حضرت خارجہؓ بن حذافہ کو مفتوحہ ممالک کا حاکم مقرر کر کے خود اسکندریہ کا رخ کیا۔ اس سفر میں حضرت عمروؓ بن العاص نے چند مختلف قبطی سرداروں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا تاکہ راستے میں جو شہر پڑیں ان کے باشندوں کو یہ مددگار مسلمانوں سے قریب کرنے کا ذریعہ بنیں۔

نقیوس حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مشہور شہر نقیوس اور اس کے مضبوط قلعے کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ شہر چونکہ اسکندریہ اور بابلیون کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہونے کے باعث زبردست سیاسی اور جنگی اہمیت کا حامل تھا۔ اس لیے حضرت عمروؓ بن العاص نے اسے بلاتسخیر چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس شہر کا سپہ سالار دومنتیانوس تھا جس کے پاس معمولی سی جمعیت اور معدودے چند کشتیاں تھیں جن پر سوار ہو کر اُسے مسلمانوں کے مقابلہ پر نکلنا تھا، لیکن جونہی اس کی نظر مسلمان لشکر پر پڑی اُس کے اوسان خطا ہو گئے اور فوج کو وہیں چھوڑ کر اپنی خاص کشتی میں بیٹھ کر اسکندریہ کی طرف بھاگ گیا۔ رُومی فوج نے اپنے سپہ سالار کو بھاگتا دیکھ کر کشتیوں کے ذریعہ بھاگنے کی کوشش کی مگر عرب حملہ آوروں نے انہیں جا لیا اور ایک ایک کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کے بعد عربوں نے شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔

کریون نقیوس سے نکل کر حضرت عمروؓ بن العاص قلعہ کریون پہنچے جو اسکندریہ سے ادھر کے قلعوں کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی اور جہاں رُومی سپہ سالار تھیوڈور نے پھر ایک دفعہ رُومیوں کی کثیر التعداد فوج اکٹھی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنا حوصلہ نکالنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ بہرکیف جنگ کا آغاز ہونے کے بعد اگرچہ مختلف مقامات سے رُومیوں کو تازہ دم امدادی دستے پہنچتے رہے۔ تاہم مسلمان نے ہمت نہ ہاری اور آخر بارہ[12] چودہ[14] دن کی شدید جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد سے شہر معہ قلعہ کے ان کے قبضہ میں آگیا۔

اسکندریہ کی فتح کریون کی تسخیر کے بعد اسکندریہ کا راستہ بالکل صاف تھا، حضرت عمروؓ بن العاص نے یہاں کچھ عرصہ اپنی فوج کو آرام دیا اور پھر بلا مزاحمت سیدھے اسکندریہ جا پہنچے۔

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم

یہ وہی اسکندریہ تھا جسے سکندر اعظم نے بحر ابیض پر تعمیر کر کے اپنے نام پر اس کا نام رکھا تھا اور اب رومی حکومت کا دوسرا دارالخلافہ اور ساری دنیا کا اہم تجارتی مرکز تھا، وہی اسکندریہ جو اپنی رونق، خوبصورتی، چمک دمک، استحکام، فصیلوں، عمارتوں، فوجی بارکوں، محلوں اور باغات کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ انجنیئرنگ کا شاہکار اور اپنے سیاسی و جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے بہت بڑی عظمت کا حامل تھا۔ آج محاذِ جنگ بن کر توحید پرستوں کی یلغار روکنے کی تیاری کر رہا تھا۔ پچاس ہزار کے لگ بھگ فوج جو اس کی مستحکم فصیلوں پر بڑی بڑی منجنیقیں نصب کر کے اس کی حفاظت پر مامور تھی، مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے کیل کانٹے سے لیس بالکل تیار کھڑی تھی، شمال میں شہر کی حفاظت سمندر کر رہا تھا۔ جنوب میں بحیرۂ مریوط اور ایک نہر محافظ تھی! اور مغرب میں نہر ثعبان اس کا پہرہ دے رہی تھی۔ اب عربوں کی پیشقدمی کے لیے شہر کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا جو کریون اور اسکندریہ کے درمیان چلتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمروؓ بن العاص شہر کے مشرقی جانب حلوہ اور قصرِ فارس کے درمیان خیمہ زن ہو گئے۔ [۱]

اسکندریہ کے باشندے اگرچہ مقابلہ کے لیے ہمہ تن تیار تھے تاہم مقوقس خود صلح کا خواہشمند تھا اس لیے اس نے مفاہمت کی درخواست کی لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے انکار کر دیا، اب مقوقس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ رومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کی تیاری کرے، چنانچہ اس نے قلعوں کی فصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے عورتوں کو بھی شامل کر کے ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے کہلا بھیجا کہ ہم اس اہتمام کو سمجھتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ ہم نے کبھی فوج کی کثرت کے بل پر میدان سر نہیں کیے ہیں، مقوقس چونکہ خود جنگ کے خلاف تھا، اس لیے اس نے اسکندریہ والوں کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ جنگ سے باز رہیں مگر اہلِ اسکندریہ نے اس کی ایک نہ سنی اور بڑے زور و شور سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مقوقس اگرچہ ہرقل کے خوف سے علی الاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم در پردہ وہ مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا۔ جب ہرقل کو مقوقس کی ان کوششوں کی اطلاع ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور اسی وقت اسکندریہ فوجیں روانہ کر دیں، ادھر مقوقس نے حضرت عمروؓ بن العاص سے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ چونکہ ہم بدرجۂ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جس کے رومی مستحق ہیں اور جنگ کے دوران قبطیوں اور رومیوں میں امتیاز رکھنا، چنانچہ اس معاہدے کے بعد قبطی ہر طرح مسلمانوں کے مددگار رہے اور ان کے لیے راستہ صاف کراتے اور پلوں وغیرہ کی مرمت کرتے تھے۔

غرض اسکندریہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس کے قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینے تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اس دوران میں رومی کبھی کبھی قلعے سے باہر نکل کر لڑتے تھے اور دو چار ہاتھ کے ردّ و بدل کے بعد قلعہ بند ہو جاتے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی، ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا، "کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے؟" حضرت مسلمہؓ بن مخلد نے گھوڑا بڑھایا، مگر رومی نے پچھاڑ دیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے غصہ میں کہا، "زنخوں کو میدانِ جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے [۲]۔" حضرت مخلد کو یہ طنز ناگوار گزرا مگر مصلحتاً خاموش رہے، اس اثنا میں لڑائی کا بازار

---

[۱] عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل [۲] الفاروق حصۂ اوّل

اور گرم ہوگیا، مسلمان رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے، دیر تک قلعے کے صحن میں معرکہ رہا، لیکن پھر رومیوں نے سنبھل کر حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کرلیے۔ اتفاق سے چار مسلمان اندر رہ گئے جن میں حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد بھی تھے۔ رومیوں نے ان چاروں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر جب انہوں نے مردانہ وار جان دینے کی ٹھانی تو رومیوں نے یہ شرط پیش کی کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلہ کے لیے نکلے۔ اگر رومی مارا گیا تو ہم تم سب کو چھوڑ دیں گے، اور اگر مسلمان قتل ہوا تو تم ہتھیار ڈال دو گے، حضرت عمروؓ بن العاص نے اس شرط کو بخوشی منظور کرلیا اور خود مقابلہ کے لیے نکلنا چاہا لیکن حضرت مسلمہؓ نے روکا کہ اگر تم پر کوئی آنچ آگئی، تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہہ کر خود گھوڑا بڑھایا اور اپنے رومی حریف پر قابو پاکر اس کا کام تمام کر دیا، رومیوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا، بعد میں جب رومیوں کو پتہ چلا کہ ان لوگوں میں خود سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاص بھی شامل تھے تو بے حد پشیمان ہوئے اور مخالف سردار کے اس طرح بچ نکلنے پر کفِ افسوس ملتے رہ گئے، رومی قلعہ سے باہر آنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت مسلمہؓ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے انہیں معاف کر دیا۔

اسکندریہ کے محاصرہ کو تقریباً دو سال گزر چکے تھے، لیکن ہنوز روزِ اوّل کی سی حالت تھی، امیر المومنین حضرت عمرؓ اس تاخیر سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمروؓ کو لکھ کر بھیجا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ہو، ورنہ اس قدر تاخیر نہ ہوتی، جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو، اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا ہے۔ فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج یکبارگی دشمن پر ٹوٹ پڑے، حضرت عمروؓ بن العاص نے امیر المومنینؓ کی ہدایات کے مطابق تمام فوج کو یکجا کر کے جہاد پر خطبہ دیا اور ایک ایسی مؤثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہوگئے۔ پھر فوج کو مرتب کر کے حضرت عبادہؓ بن صامت جو بڑے رتبے کے صحابیؓ تھے، کے نیزے پر اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالے کیا کہ یہ علم ہے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں۔ حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا، غرض اس سروسامان کے ساتھ قلعے پر دھاوا ہوا کہ پہلے ہی حملے میں شہر فتح ہوگیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اسی وقت حضرت معاویہ بن خدیج کو مژدۂ فتح کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیجا وہ بعجلت منازل طے کرتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبویؐ میں چلے گئے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی ادھر سے گزری اور ان کو مسافرانہ شکل میں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں حضرت عمروؓ بن العاص کا قاصد معاویہؓ بن خدیج ہوں، اُس نے حضرت عمرؓ کو خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنینؓ بلاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کے آنے تک کا انتظار بھی نہ کیا اور خود چادر سنبھال کر باہر نکلنے لگے کہ حضرت معاویہؓ بن خدیج پہنچ گئے، دیکھتے ہی پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے کامیاب کیا، حضرت عمرؓ فتح کی خوشخبری سن کر زمین پر گر پڑے اور سجدۂ شکر ادا کیا، اُٹھ کر مسجد میں آئے، منادی کرائی اور جب سب مدینہ اُمنڈ آیا، تو مسلمانوں کے سامنے خود حضرت معاویہؓ کی زبان سے فتح کے حالات سنوائے، پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے۔ عرض کیا، دوپہر کا وقت تھا خیال کیا کہ آپ آرام کرتے ہوں گے، جواب دیا، کیا میں دن کو سو کر رعایا کو تباہ کرتا۔[1]

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصّہ دوم

اسکندریہ کی فتح اگرچہ بزورِ شمشیر عمل میں آئی تھی تاہم مسلمانوں نے شہر کے امن و امان میں کوئی فرق نہ آنے دیا، عام آبادی میں سے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ ہی قیدی بنایا بلکہ جزیہ اور خراج کی تشخیص کر کے ہر شہری کو مکمل آزادی کے ساتھ جینے کا حق دے دیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص فتح اسکندریہ کے بعد فسطاط واپس آگئے اور یہاں الگ الگ قطعے متعین کر کے ایک شہر کی داغ بیل ڈالی۔ اب اگرچہ اسکندریہ اور فسطاط کے بعد مسلمانوں کا کوئی حریف نہ رہا تھا تاہم منتشر طور پر جابجا رومی پھیلے ہوئے تھے جن کا قلع قمع ضروری تھا کہ آئندہ بغاوت کا احتمال نہ رہے، چنانچہ آپ نے حضرت خارجہؓ بن حذافہ کو فیوم، اشمونین، بشروات، اخمیم، صعید اور عمیر بن وہب کو تینس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ اور بوصیر وغیرہ کی طرف بھیجا، جنہوں نے ان مقامات کو مسخر کیا اور عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کر کے مصر اور اسکندریہ کی فتح کو مکمل کر دیا۔

فتوحاتِ مغرب برقہ

اسکندریہ کی مکمل تسخیر کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے برقہ کا رُخ کیا، جو فسطاط سے پچیس میل دور اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک نہایت زرخیز اور آباد قطعہ زمین تھا۔ یہ قطعہ متعدد شہروں پر مشتمل تھا اور انطابلس یہاں کا بڑا شہر تھا، حضرت عمروؓ بن العاص نے انطابلس پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، یہاں کے لوگ چونکہ بہت نرم خو اور اطاعت شعار تھے، اس لیے بغیر کسی مزاحمت کے جزیہ قبول کر لیا اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہو گی۔

زویلہ

برقہ سے فارغ ہو کر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عقبہ بن نافع کو زویلہ روانہ کیا جو سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا، برقہ اور زویلہ کی درمیانی آبادیوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کر لی اور اہلِ زویلہ نے بھی یہی شعار اختیار کیا اور بخوشی جزیہ دینا منظور کر لیا۔

طرابلس

اسلامی فوجوں نے زویلہ کے بعد طرابلس کا رُخ کیا، یہ شہر بحرِ روم کے ساحل پر آباد ہے اور اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اُتار کر نہایت اہتمام کے ساتھ طرابلس کا محاصرہ کر لیا، جو برابر دو ماہ تک جاری رہا، چونکہ شہر میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ مل رہا تھا اس لیے محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک دن کچھ مسلمان دریا کے کنارے کنارے شکار سے واپس اپنے کیمپ میں آ رہے تھے کہ انہوں نے شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان فصیل یا کوئی شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے اور دریا کے گھٹاؤ کی وجہ سے درمیان میں خشک راستہ بھی چھوٹا ہوا ہے، انہوں نے واپس آکر فوری طور پر حضرت عمرو بن العاصؓ کو اطلاع دی، آپ نے اسی رائے سے فوراً حملہ کرا دیا۔ اس ناگہانی یلغار سے اہلِ شہر بدحواس ہو گئے اور ہر طرف سے راہِ فرار مسدود پا کر ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح تسخیر میں زیادہ دشواری نہ ہوئی اور آسانی سے شہر فتح ہو گیا۔

صبراتہ (سبرۃ)

طرابلس کے مغرب میں ۷۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر صبراتہ تھا جو شمالی افریقہ کا سب سے بڑا شہر تھا اور تجارتی حیثیت میں طرابلس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

اہلِ صبراتہ نے جب مسلمانوں کی آمد کے متعلق سُنا تو قلعہ بند ہو گئے مگر طرابلس کی تسخیر میں جب تاخیر ہوئی تو مطمئن ہو کر قلعہ بندی ترک کر دی اور اپنے روزمرہ کے کاروبار میں مشغول ہو گئے، اِدھر جب اچانک طرابلس فتح ہو گیا، تو حضرت عمروؓ بن العاص نے بغیر کسی توقف کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو کثیر التعداد سواروں کے ساتھ راتوں رات صبراتہ پہنچ جانے کا حکم دیا، یہ فوج صبح کو عین اس وقت پہنچی جب اہلِ شہر بے خبری کی حالت میں اپنے

مویشیوں کو چرانے وغیرہ کے لیے شہر سے باہر لے جا رہے تھے، مسلمان انھی دروازوں سے اندر داخل ہوگئے اور بزورِ شمشیر شہر پر قبضہ کرلیا۔

ان مہمات کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے امیر المومنینؓ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہوچکا ہے، اب اگر حکم ہو تو افریقہ (تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ) کی طرف پیش قدمی کی جائے جو یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے، لیکن دربارِ خلافت سے حکمِ امتناعی آگیا کہ:

"افریقیا افریقہ نہیں بلکہ تفریق کنندہ، عہد شکنی کرانے والا ہے، افریقہ والوں نے ہمیشہ رومیوں کو ان کے واجبات کم ادا کیے اور عہد شکنیاں زیادہ کی ہیں۔"[1]

چنانچہ اس حکم پر حضرت عمروؓ بن العاص نے پیش قدمی روک دی، فوراً مصر کی طرف پلٹ آئے اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے اخیر تک وہیں مقیم رہے۔

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت

ان فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی حکومت پر سرفراز کیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اسی زمانہ میں اہلِ اسکندریہ نے بغاوت کر دی، اس بغاوت کی وجہ بیان کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضہ کے وقت سے رومی ہمیشہ اس کو واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ کیونکہ اسکندریہ بحرِ روم کی اہم ترین بندرگاہ تھی اور اس کے بعد تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خط و کتابت کر کے اسکندریہ کی رومی آبادی کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کرا دی اور ان کی امداد کے لیے قسطنطنیہ سے ایک لشکرِ جرار بھیجا، لیکن قبطی آبادی نے حصّہ نہ لیا اور مقوقس معاہدہ صلح پر قائم رہا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو اطلاع ہوئی تو مقابلہ کو نکلے، فریقین میں شدید معرکہ ہوا۔ رومی شکست کھا کر اسکندریہ میں داخل ہوگئے، مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک ہوسکا، انہیں تہِ تیغ کیا، رومی سپہ سالار منویل خصی لڑائی میں کام آیا، رومیوں کو جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندریہ سے بھاگ نکلے اور راستے کی قبطی آبادیوں کو ان کے عدمِ تعاون کی وجہ سے اپنے انتقام کا نشانہ بناتے ہوئے نکل گئے۔ مسلمان دوبارہ قابض ہوئے، تو قبطی حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس فریادی بن کر آئے کہ مسلمانوں کی حمایت کے جرم میں رومی ان کا تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے ہیں جو واپس دلایا جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے شناخت کرا کے ان کا مال واپس دلایا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لیے اسکندریہ کی شہر پناہ تڑوا دی۔[2]

معزولی

اہلِ سیر کے مطابق ۲۶ھ کے آخر یا ۲۷ھ کے شروع میں حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو (جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنے آخر عہدِ خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے سے حصّہ سعیدِ مصر کا والی بنایا تھا) ان کی جگہ مصر کی گورنری پر سرفراز کیا، مؤرخین نے اس معزولی کی متعدد وجوہ لکھی ہیں جن میں زیادہ قابلِ ذکر یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص طبعاً کچھ سرکش واقع ہوئے تھے۔ اس لیے جلد ان کی سیاست حضرت عثمانؓ کی سیاست سے متصادم ہوگئی۔ جس کے باعث باہمی اختلافات پیدا ہونا شروع ہوگئے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ حضرت عمروؓ بن العاص صرف

---

[1] فتوح البلدان حصّہ اوّل۔ [2] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصّہ دوم۔

امورِ حربیہ کے والی رہیں اور حضرت عبداللہ بن سعدؓ امورِ مال کے منتظم ہو جائیں، حضرت عمروؓ بن العاصؓ پہلے ہی حضرت عبداللہؓ کا سعید مصر سے تعلق بمشکل برداشت کیے ہوئے تھے کہ اس انتظامی تبدیلی نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربارِ خلافت میں شکایات بھیجنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن سعدؓ لکھتے کہ حضرت عمروؓ بن العاص خراج کی وصولی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور حضرت عمرو بن العاصؓ یہ اطلاع دیتے کہ حضرت عبداللہؓ جنگی تدبیروں میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، بہرکیف یہ صورتِ حال زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو معزول کر کے حضرت عبداللہؓ بن سعدؓ کو مصر کا مستقل والی بنا دیا۔

اہلِ سیر کے مطابق حضرت عمروؓ بن العاص اس معزولی پر حضرت عثمانؓ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب آپ معزول ہو کر مدینہ آئے اور حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی، تو آپ خلیفۂ وقت کی باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب تک نہ دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ امیرالمومنینؓ سے پہلی ملاقات کے وقت حضرت عمرو بن العاصؓ روئی کا ایک جُبّہ پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ اس جُبّہ میں کیا بھرا ہے؟ جواب دیا، عمروؓ بن العاص، اس پر حضرت عثمان نے فرمایا، یہ تو میں بھی جانتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ روئی ہے یا کوئی اور چیز؟ حضرت عثمانؓ نے پھر حضرت عبداللہ بن سعد کے متعلق پوچھا کہ تم نے مصر میں عبداللہؓ کو کس حال میں چھوڑا؟ کہا اپنی ذات کے لیے بڑے طاقتور اور اللہ کے لیے بیحد کمزور۔" امیرالمومنینؓ نے فرمایا: "میں نے انہیں تمہارے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔" جواب دیا۔ آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر ڈالا۔" اس وقت والیٔ مصر حضرت عبداللہؓ کا بھیجا ہوا خراج پہنچ چکا تھا، جو تعداد میں حضرت عمروؓ بن العاصؓ کے دور کے خراج سے بہت زیادہ تھا، حضرت عثمانؓ نے خراج کی اس زیادتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا" حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا" ہاں، لیکن بچے بھوکے رہ جائیں گے۔"[1]

حضرت عمروؓ بن العاص اگرچہ اپنی معزولی کے باعث حضرت عثمانؓ سے برہم تھے تاہم آپ حضرت عثمانؓ کے اسی طرح خیرخواہ رہے جس طرح معزولی سے قبل تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جب مصر سے باغیوں کا گروہ چلا اور حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے سابق اثر و رسوخ سے کام لے کر ان کو واپس کر دیا اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمانؓ کی طرف سے صفائی پیش کی۔

حضرت عثمانؓ کو خود حضرت عمرو بن العاصؓ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ ان سے مشورہ کرتے اور یہ بھی نہایت خیرخواہانہ مشورہ دیتے سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیے تو حضرت عثمانؓ نے ان مطالبات پر غور کرنے کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی جس کے ایک رکن حضرت عمرو بن العاصؓ سے ان کی رائے پوچھی، انہوں نے اپنی مخلصانہ رائے دیتے ہوئے کہا کہ آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں اور گرفت کے وقت چشم پوشی کر جاتے ہیں آپ نے حضرت عمرؓ سے زیادہ لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نقشِ قدم پر چلیے، اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم

بہ سختی سے کام لیجئے۔ [1]

فلسطین کی سکونت

معزولی کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے سیاسی زندگی ترک کرکے فلسطین میں اقامت اختیار کرلی، آپ کبھی کبھی مدینہ آتے اور پھر لوٹ جاتے، جن دنوں حضرت عثمانؓ محصور تھے آپ مدینہ میں ہی تھے، لیکن جب دیکھا کہ حالات قابو سے باہر ہو گئے ہیں اور فتنہ و فساد کی آگ کسی طرح بھی بجھنے میں نہیں آتی تو یہ کہہ کر کہ "حضرت عثمانؓ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا اس کو خدا ذلیل کرے گا جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیئے" خود شام چلے گئے مگر دل میں برابر کھٹکا لگا رہا چنانچہ ہر آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعۂ کبریٰ پیش آیا پھر حضرت علیؓ خلیفہ بنے اور جنگِ جمل کا ہنگامہ ہوا۔ مگر آپ ان ہنگاموں سے دور رہے اور اپنے گوشۂ تنہائی سے باہر قدم نہ نکالا۔

عہدِ علیؓ و معاویہؓ

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت کی ابھی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں اختلاف شروع ہو گیا حضرت علیؓ نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی کو امیر معاویہؓ کے پاس اس مطالبہ کے ساتھ بھیجا کہ وہ بیعت کریں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں، امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے اس مطالبہ پر اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا عتبہ بن ابو سفیان نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کرنے کے متعلق رائے دی، حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت فلسطین میں تھے چنانچہ بلائے گئے امیر معاویہؓ نے ان کے سامنے تین باتیں پیش کرکے ان کا مشورہ طلب کیا، اوّل یہ کہ محمد بن حنیفہ اپنے ساتھیوں سمیت جیل خانہ توڑ کر فرار ہو گئے ہیں دوسرے قیصرِ روم شام پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تیسرے حضرت علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی ہے حضرت عمرو بن العاصؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ محمد بن حنفیہ کی تلاش کراؤ، مل جائیں تو بہتر ورنہ کوئی حرج نہیں، قیصرِ روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے صلح کر لو، حضرت علیؓ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے کیونکہ مسلمان کبھی بھی تم کو حضرت علیؓ پر ترجیح نہیں دیں گے، امیر معاویہؓ نے کہا، وہ قتلِ عثمانؓ میں معاون تھے اور انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ حضرت علی کو سبقتِ اسلام اور قرابت نبویؐ کی وجہ سے جو شرف حاصل ہے تم ہرگز اس کی برابری نہیں کر سکتے مزید میں خواہ مخواہ تمہارے مقصد کے حصول کے لئے تمہاری مدد کیوں کروں؟ امیر معاویہؓ نے کہا آخر تم چاہتے کیا ہو؟ کہا۔

اگر آپ مجھے مصر دے سکتے ہیں تو میں اپنے آپ کو بھی اس سودے میں نفع مند سمجھوں گا اور آپ بھی مصر دے کر ایک ایسے بڑے کو حاصل کریں گے جو نفع اور نقصان دونوں کی مقدرت رکھتا ہے۔ [2]

اس کے جواب میں امیر معاویہؓ نے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا، اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اہلِ شام کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دو کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا پھر ان لوگوں کو ان کی مخالفت پہ آمادہ کرو، بصورت دیگر کامیابی کا کوئی امکان نہیں، مزید مشورہ دیا کہ شام کے با اثر آدمی شرحبیل بن سمط کندی کو بلا کر انہیں اپنا ہمنوا بناؤ۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی بتائی ہوئی تدبیروں سے عمائدِ شام کو یقین دلایا کہ حضرت عثمانؓ کے خونِ بے گناہی میں حضرت علیؓ کا ہاتھ بھی رنگین ہے، عمائدِ شام کی طرح جب شرجیل بن سمط کندی کو بھی اس امر کا پورا یقین ہو گیا، تو اس نے شام کا دورہ کرکے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارا

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [2] حضرت عمرو بن العاص مؤلفہ محمد فرج مصری

شروع کر دیا۔

اسی اثنا میں حضرت نعمان بن بشیرؓ مدینہ سے خلیفۂ مظلوم کی زوجہ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں اور خون آلود پیراہن لے کر شام پہنچ گئے، جس میں حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے تھے، امیر معاویہؓ نے ان اشیا کو جامع دمشق میں نمائش کے لیے آویزاں کر کے لوگوں کے جذبات بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس سے اہلِ شام کے جذبات بھڑک اٹھے، لوگ جوق در جوق آتے اور اس دردناک منظر کو دیکھ کر زار و قطار روتے۔ یہاں تک کہ انھوں نے قسم کھائی کہ جب تک قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام نہ لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھوئیں گے۔[1]

اس کے بعد طرفین نے پوری شد و مد کے ساتھ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، حضرت عمرو بن العاصؓ شامی افواج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور پھر اس جنگ کی ابتدا ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگِ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ آخری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب امیر معاویہؓ کو یقین ہو گیا کہ شکست یقینی ہے، تو انھوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا:

"ابن العاص ہم تو ہلاک ہو گئے، اب تم اپنی پوشیدہ قوتوں کو حرکت میں لاؤ۔"[2]

حضرت عمرو بن العاصؓ جو اہلِ عرب میں ایک مشہور مدبر مانے جاتے تھے اس یقینی شکست سے بچنے کے لیے ایک ایسی تدبیر عمل میں لائے جس سے حالات کا رخ یکایک پلٹ گیا۔ مؤرخین کے مطابق حضرت عمرو بن العاصؓ نے شامی لشکر کو حکم دیا کہ:

"اے لوگو! جس شخص کے پاس تم میں سے کلام اللہ کے اجزا ہوں، وہ ان کو اپنے نیزے پر بلند کرے۔"

اہلِ لشکر نے ایسا ہی کیا، چنانچہ جوں ہی مصاحف نیزوں پر اٹھائے گئے، شامی لشکر سے یہ آوازیں بلند ہونے لگیں۔

"یہ اللہ کی کتاب فیصل ہے ہمارے اور تمھارے درمیان۔"

حضرت علیؓ کے لشکر نے بھی شامی فوجوں کے نعروں کے جواب میں یہی نعرہ بلند کیا کہ "ہم کتاب اللہ کے فیصلے کا استقبال کرتے ہیں" اور اس طرح حضرت عمرو بن العاصؓ اس جمعیت اور شدت کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو حضرت علیؓ کے لشکر میں پائی جاتی تھی، حضرت علیؓ نے ہر چند لوگوں کو سمجھایا کہ یہ محض فریب ہے، لیکن کسی نے ادھر توجہ نہ دی۔ آخر جب کوفی لشکر میں اختلاف کا خطرہ بڑھا، تو آپ بھی چار و ناچار اسی بات پر آمادہ ہو گئے۔

دوسرے دن تحکیم کا طریقہ طے کرنے کے لیے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان نامہ و پیام شروع ہوا۔ بالآخر طے پایا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر ہو۔ دونوں مل کر کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ دیں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا۔ اس پر امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا، جس کا خلاصہ یہ تھا:۔

"حکمین اختلافِ امت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے عدل و

---

[1] طبری حصہ سوم، [2] حضرت عمرو بن العاصؓ مؤلفہ محمود فرج مصری۔

انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کر دیں گے وہ طرفین کے لیے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ مانے گا اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے۔[1]

اس ثالثی کے بعد دونوں نے اپنی اپنی فوجیں پیچھے ہٹا لیں اور حکمین نے فیصلہ کے مقام دومۃ الجندل میں پہنچ کر آپس میں تبادلۂ خیالات شروع کر دیا۔

اس ضمن میں حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں، بڑی بحث و تمحیص کے بعد دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا موقع دیا جائے۔[2]

چونکہ بعض عاقبت اندیش اور سمجھ دار لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی سادگی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا، اس لیے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو سمجھایا کہ اگر آپ لوگ کسی متفقہ فیصلے پر پہنچ چکے ہیں تو اس کے اعلان میں سبقت نہ کیجیے گا۔ لیکن حضرت ابوموسیٰؓ نے ان خدشات کو قطعی قابل توجہ نہ سمجھا کیونکہ ان کے نزدیک دونوں حکمین کے درمیان طے پا جانے والے متفقہ فیصلے میں کسی انکار یا انحراف کی گنجائش نہ تھی، بہر کیف مقررہ تاریخ پر فریقین دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں جمع ہوئے۔

جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں لیکن انہوں نے ازراہِ ادب انکار کیا اور کہا میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں غرض ہر حیثیت سے مجھ سے افضل ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر ان الفاظ کا ایسا جادو چلا کہ انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ بغیر کسی پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں سے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیے بغیر امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی اس لئے میں نے ان دونوں کو معزول کیا اب آپ لوگوں کو اختیار ہے کہ جس کو خلافت کا اہل سمجھیں اس کو اپنا خلیفہ بنا لیں حضرت ابوموسیٰؓ کے خطاب کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور کہا۔

"صاحبو! آپ لوگوں نے ابوموسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ کے اس فیصلے سے مجمع پر سناٹا چھا گیا حضرت ابوموسیٰ نے اس پر احتجاج کیا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی، اس فیصلہ سے عدتاً حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل پڑیں لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابوموسیٰؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ روانہ کر دیا اور معاملہ رفت گزشت ہو گیا

مصر پر حملہ: اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کے ایماء سے مصر پر توجہ کی اس وقت حضرت علیؓ کی طرف سے محمد بن ابوبکرؓ گورنر تھے حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت مسلمہ بن مخلد انصاریؓ اور حضرت معاویہؓ بن خدیج کندی سے جو قتل عثمانؓ کے باعث رنجیدہ اور مصر میں مقیم تھے خط و کتابت شروع کی یہ دونوں چونکہ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اس لیے ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے اس کے بعد

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [2] بحث کا خلاصہ حضرت علیؓ کے حالات میں ملاحظہ فرمائیے

حضرت عمرو بن العاصؓ نے چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف کوچ کیا اور مصر کی حدود میں داخل ہو کر محمد بن ابوبکرؓ کو لکھا۔

"اما بعد اے ابوبکرؓ کے بیٹے اپنی جان کی حفاظت چاہتے ہو تو میرا راستہ صاف کر دو۔ میں بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرا تھپیڑ تم پر پڑے۔ اس سرزمین کے لوگ تم سے برگشتہ تمہاری حکومت سے ناخوش اور تمہاری اطاعت پر شرمندہ ہیں اگر بات بگڑ گئی تو وہ خود تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم مصر سے نکل جاؤ اور میری نصیحت قبول کر لو۔ والسلامؓ"

محمد بن ابوبکرؓ نے یہ خط حضرت علیؓ کو بھیج دیا۔ دربار خلافت سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا اس پر محمد بن ابی بکرؓ مقابلے کے لئے تیار ہو گئے فریقین شہر مشاۃ میں صف آرا ہوئے دونوں فوجوں میں شدید معرکہ ہوا کنانہ جو مصری فوج کے قوت بازو تھے جب میدان میں کام آ گئے تو مصری فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کا اکثر حصہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا محمد بن ابوبکرؓ شکست کے آثار دیکھ کر پہلے ہی نکل گئے تھے، معاویہؓ بن خدیج کندی نے تعاقب میں آدمی بھیجے جو انہیں ایک کھنڈر سے گرفتار کر لائے معاویہؓ بن خدیج نے انہیں قتل کر دیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ فسطاط میں تھے کہ انہیں صفر ۳۸ھ میں امیر معاویہ کا حکم پہنچا کہ تمہیں مصر کا حاکم بنایا جاتا ہے اور مصر تمہیں اس شرط پر دے دیا گیا ہے کہ فوج کا خرچ تمہارے ذمہ ہو گا اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا اس کے مالک تم خود ہو گے۔[1]

مؤقف میں اختلاف

مورخین کے مطابق اگرچہ حسب وعدہ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو گورنر بنا دیا تھا تاہم ان کے نزدیک یہ سب کچھ حضرت عمرو بن العاصؓ کے استحقاق سے زیادہ تھا شاید اس کا پس منظر یہ ہو کہ حضرت معاویہؓ ان کی طاقت اور ہوشیاری کا اندازہ لگانے کے بعد اس بات سے خائف ہو گئے ہوں کہ حضرت عمروؓ بن العاصؓ کبھی نہ کبھی دمشق پر ضرور ہاتھ ماریں گے۔ اور دوسری طرف حضرت عمروؓ بن العاص کا مؤقف یہ تھا کہ ان کی خدمات کے پیش نظر مصر اور شام دونوں انہیں ملنا چاہئیں چنانچہ دونوں میں جو خط و کتابت ہوئی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۂ اموی اور والیٔ مصر کے درمیان شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی۔ امیر معاویہؓ نے جو انہیں مراسلہ بھیجا اس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ:

"بشرطیکہ کوئی شرط اطاعت کو نہ توڑے۔"

اس کے جواب میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے لکھا کہ:

"بشرطیکہ کوئی اطاعت شرط کو نہ توڑے۔"

بہرحال جب یہ کشیدگی بڑھی تو حضرت معاویہؓ بن خدیج کندی نے بیچ میں پڑ کر باہمی صلح کرا دی اور ابن سعد کے مطابق۔

"انہوں نے دونوں کے درمیان ایک اقرار نامہ لکھا جس میں لوگوں کے لیے اور خاص کر معاویہؓ اور عمروؓ پر کچھ شرطیں مقرر کیں، یہ کہ عمروؓ کے لیے سات سال تک مصر کی ولایت ہو گی، بہ ایں شرط کہ عمروؓ پر معاویہؓ کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہو گی۔ اس پر دونوں نے اعتبار

---

[1] حضرت عمرو بن العاصؓ مؤلفہ محمود فرج مصری [2] ایضاً

اور اقرار کرلیا اور دونوں نے اپنے اپنے اُوپر گواہ بنالیے۔" [1]

قاتلانہ حملہ

معرکۂ نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتلِ عام کے بعد اُن کے باقی ماندہ افراد میں جذبۂ انتقام شدید ہوگیا تھا۔ اس لیے تین خارجیوں نے اس مشورہ کے بعد کہ اسلام میں فتنہ و فساد حضرت علی رض، امیر معاویہ رض اور حضرت عمرو بن العاص رض کی وجہ سے ہے، اس بات کا پختہ عہد کیا کہ ایک ہی وقت میں اِن تینوں کا قصہ پاک کردیا چاہیے، چنانچہ ابنِ ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التمیمی بالترتیب حضرت علی رض، امیر معاویہ رض اور حضرت عمرو بن العاص رض کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلے اور ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کی مقررہ شب کو تینوں صحابہ رض پر خفیہ حملہ کیا۔ ابن ملجم نے حضرت علی رض کو شہید کردیا، امیر معاویہ رض کا قاتل ہمت ہار گیا اور حضرت عمرو بن العاص رض کے قاتل نے دھوکہ میں ان کی بجائے قاضیٔ مصر خارجہ بن حذافہ کو قتل کردیا، جو قتل کے وقت حضرت عمرو بن العاص رض کی علالت کے باعث نماز پڑھا رہے تھے، قاتل کو گرفتار کرکے جب حضرت عمرو رض بن العاص کے سامنے پیش کیا گیا، تو وہ کہہ رہا تھا کہ:

"میں نے عمرو رض کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے خارجہ کا ارادہ کرلیا۔"

اتنا کہہ کر وہ رو پڑا۔ حضرت عمرو رض بن العاص نے اس طرح بزدلی سے رونے کا سبب پوچھا۔ قاتل نے جواب دیا: خدا کی قسم میں موت سے ڈر کر نہیں رو رہا، بلکہ اس صدمہ میں رو رہا ہوں کہ میرے دونوں ساتھی تو علی رض اور معاویہ رض کے قتل میں کامیاب ہوجائیں گے اور میں ناکام رہ گیا۔ پھر حضرت عمرو رض بن العاص رض نے اس کی گردن مار دینے کا حکم دیا اور نعش کو سُولی پر لٹکا دیا۔ [2]

وفات

حضرت عمرو رض بن العاص جو رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں عمرو بن بکر التمیمی کی تلوار سے بچ گئے تھے، تین سال بعد طبعی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ سنہ ۴۳ھ میں اپنے عہدِ حکومت میں بیمار ہوئے۔ جب زندگی کی زیادہ اُمید نہ رہی تو اپنی گزشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے۔

ابنِ عباس رض عیادت کو آئے۔ سلام کے بعد پوچھا ابوعبداللہ کیا حال ہے؟ جواب دیا: کیا پوچھتے ہو؟ دُنیا کم بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا، اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اُسے بنایا ہوتا جسے بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا۔ آخر عمر کی آرزو فائدہ مند ہوتی، تو ضرور آرزو کرتا، اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا مگر اب منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہُوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اُوپر چڑھ سکتا ہُوں نہ پاؤں کے سہارے نیچے اُتر سکتا ہُوں۔ اے بھتیجے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر کہ اس سے فائدہ اُٹھاؤں۔" ابنِ عباس رض نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں، اب وہ بھتیجا بوڑھا ہوکر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لیے کہیں تو میں رونے کے لیے تیار ہُوں۔ مقیم سفر کا کیسے یقین کرسکتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رض نے کہا، اس وقت اسّی برس سے کچھ اُوپر میری عُمر ہے اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے نااُمید کرتا ہے، خدایا! یہ ابنِ عباس رض مجھ کو تیری رحمت سے نااُمید کررہا ہے۔ ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کر راضی ہوجا۔ ابنِ عباس رض نے کہا: ہیہات ابُوعبداللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پُرانی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رض نے کہا، ابنِ عباس رض تم کو کیا ہوگیا ہے، جو بات میں کہتا ہُوں تم اس کو اُلٹا کہتے ہو۔" [3]

---

[1] طبقات ابن سعد، حصہ چہارم [2] حضرت عمرو بن العاص رض مؤلفہ محمد فرج مصری [3] سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم

عوانہ بن الحکم سے مروی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضؓ کہا کرتے کہ اس شخص پر تعجب ہے کہ جو موت کے قریب ہو کر ہوش بجا رکھتا ہو مگر موت کی کیفیت بیان نہ کرے، چنانچہ جب ان پر یہی حالت طاری ہوئی، تو اُن کے بیٹے عبداللہ نے انہیں یہ بات یاد دلائی اور کہا کہ آپ موت کے متعلق بیان کیجیے کیونکہ آپ کی عقل آپ کے ساتھ ہے۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا: "اے میرے بیٹے موت اس سے برتر ہے کہ اسے بیان کیا جائے، لیکن میں اس میں سے کچھ تم سے بیان کروں گا۔ میں اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں کہ گویا میری گردن پر کوہ رضویٰ ہے، میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے ہیں، اور میری سانس سوئی کے ناکے سے نکلتی ہے۔" [1]

ابن سعدؒ نے ابن شماسہ مہری سے روایت کی ہے کہ جس وقت حضرت عمروؓ بن العاص موت کے آثار میں تھے، تو ہم لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے، وہ دیوار کی طرف اپنا مُنہ پھیر کر خوب رو رہے تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے دلاسہ دیا کہ آپ کو کیا چیز رُلاتی ہے؟ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں؟ وہ اس پر بھی رو رہے تھے اور ان کا مُنہ دیوار کی طرف تھا۔

پھر انہوں نے ہماری طرف مُنہ کیا اور کہا میرے پاس افضل ترین دولت

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

کی شہادت ہے۔ مجھ پر زندگی کے تین دور گزرے ہیں، ایک دور وہ تھا کہ میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی قابلِ بغض و عداوت نہ تھا۔ مجھے اس سے زیادہ کوئی امر پسند نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پاؤں اور آپؐ کو قتل کر دوں، اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو اہلِ دوزخ میں سے ہوتا۔ پھر اللہ عزّ و جل نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہُوا کہ آپ سے بیعت کروں۔ عرض کی یا رسُول اللہ! آپؐ اپنا ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کروں گا۔ جب حضورؐ نے ہاتھ پھیلایا تو میں نے سمیٹ لیا، فرمایا عمرو بن العاص رضؓ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ عرض کی میں کچھ شرط چاہتا ہوں، فرمایا وہ کونسی شرط ہے؟ میں نے عرض کیا۔ میری مغفرت ہو جائے۔ فرمایا، اے عمروؓ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام انسان کے پہلے گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے، ہجرت بھی اپنے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج بھی اپنے قبل کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ میرے نزدیک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور نہ میری نظر میں ان سے زیادہ کوئی بزرگ تھا۔ اگر مجھ سے درخواست کی جاتی کہ آپ کی تعریف کروں تو میں ایسا کبھی نہ کر سکتا۔ اس لیے کہ آپ کی بزرگی کو اپنی آنکھوں میں بھرنے کی طاقت نہ تھی اگر اس حالت میں مر جاتا، تو اُمید تھی کہ میں اہلِ جنت میں ہوتا۔ پھر تیسرا دور آیا کہ چند چیزیں ہمارے قریب آگئیں، مجھے معلوم نہیں کہ میں ان میں کیا ہوں یا اس میں میرا کیا ہے (اس لیے) جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنے والیاں میرے ساتھ نہ جائیں نہ جنازے کے پیچھے آگ جائے۔ جب تم لوگ مجھے دفن کرنا تو مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا اس سے فارغ ہو کر اتنی دیر میری قبر کے پاس ٹھہرنا جتنی دیر اونٹ ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا جائے، کیونکہ تمہاری وجہ سے مجھے اُنس رہے گا۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے پروردگار کے قاصد کس امر کے ساتھ میرے پاس لوٹائے جاتے ہو۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلایا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا، انہوں

---

[1] طبقات ابن سعدؒ حصہ چہارم

نے کہا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے۔ ہمارا اکرام کرتے اور ہمیں دل کھول کر دیتے تھے۔ یہ سلوک کرتے تھے وہ سلوک کرتے تھے۔ کہنے لگے، میں یہ صرف اس لیے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے، اب موت سامنے کھڑی ہے، لہٰذا تم لوگ مجھے اس سے بچاؤ۔ یہ عجیب فرمائش سن کر وہ ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے، پھر بولے واللہ، اے ابُوعبداللہ ہم کو آپ سے ایسی بات سننے کی اُمید نہ تھی، آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ موت کو آپ سے ذرا بھی نہیں ہٹا سکتے۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کہا کہ میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی ہے کہ تم لوگ ذرا بھی مجھے موت سے نہیں بچا سکتے۔ کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لیے نہ رکھا ہوتا۔ افسوس ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ "انسان کی محافظ خود اس کی موت ہے۔" پھر کہا خدایا میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں، طاقت ور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں، اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔[1]

اس کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے ایک غسل معمولی پانی سے دینا، پھر کپڑے سے پانی خشک کر کے تازہ اور صاف پانی سے نہلانا، تیسری مرتبہ ایسے پانی سے غسل دینا جس میں کسی قدر کافور ملا ہو پھر کپڑے سے خشک کرنا کفناتے وقت ازار کس کر باندھنا کیونکہ میں جھگڑا کرنے والا ہوں، پھر تابوت پر اٹھانا اور ایسی رفتار سے چلنا جو دونوں رفتاروں (یعنی سست و تیز) کے درمیان ہو۔ لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں، پچھلا حصہ بنی آدم کے لئے ہے قبر میں رکھ کر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا اس کے بعد دعا میں مصروف ہو گئے کہ اے اللہ! تو نے حکم دیا میں نے عدول کی، تو نے ممانعت فرمائی، میں نے نافرمانی کی میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں

اس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور یہی کلمات کہتے کہتے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔

یکم شوال ۴۳ھ بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادے نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپردِ خاک کیے گئے۔

اولاد

آپ نے دو لڑکے عبداللہ اور محمدؐ یادگار چھوڑے، یہ دونوں خولہ بنت حمزہ سے تھے۔

حلیہ

آپ کا قد چھوٹا، اعضا نہایت مضبوط اور جسم ہر قسم کی محنت و مشقت برداشت کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ آپ کی پیشانی کشادہ آنکھیں سیاہ اور موٹی تھیں۔ داڑھی پر سیاہ خضاب کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوے کے پر کی طرح کالے ہو گئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا، تو پوچھا، ابُوعبداللہ! یہ کیا؟ عرض کی" امیرالمومنینؓ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو کسی قابل شمار کریں، اس کے بعد امیرالمومنینؓ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا چہرہ بڑا شاندار تھا اور بشرے سے سرداری اور سیادت کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا تھا کہ ابُوعبداللہ کا چہرہ تو واقعی کسی سردار کا معلوم ہوتا ہے۔[2]

عادات و خصائل

حضرت عمرو بن العاصؓ ابتدا ہی سے سرداری اور قیادت کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ لوگوں کی امامت کے فرائض خود انجام دیا کرتے اور آخر وقت تک ان کا یہی معمول رہا۔

---

[1] طبقات ابن سعدؒ اور سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم سے ماخوذ۔ [2] حضرت عمرو بن العاصؓ مؤلفہ محمد فرج مصری۔

مال و دولت سے انہیں بے حد محبت تھی، اور شاید یہ اسی غیر معمولی محبت کا نتیجہ تھا کہ خلفائے راشدین ان سے ہمیشہ بدگمان رہتے تھے۔ یہی تھی کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے ایک دفعہ ان کا بہت سا مال ضبط کر لیا تھا، حضرت عثمانؓ کے دور میں ان کی ولایت مصر سے معزولی کا سبب بھی یہی ہوا تھا۔ کہ امیرالمومنینؓ کو خیال تھا کہ خراج کی کثیر رقم اپنے پاس رکھ لی ہے اور اسے بیت المال میں داخل نہیں کرایا

حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے جذبات و عواطف پر قابو پانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور عقل کے مقابلہ میں جذبات کی قطعی پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کہا کرتے۔

"بلیغ ترین شخص وہ ہے جس کی رائے اس کی خواہشات کو دور کر دے اور بہادر ترین انسان وہ ہے جو اپنے حلم سے اپنے جہل کو دور کر دے"

حضرت عمرو بن العاصؓ کو گانے سے بے حد لگاؤ تھا۔ اسی طرح شعر و شاعری کے بھی بے حد رسیا تھے، آپ کی شخصیت بڑی پرکشش تھی اور آپ میں ایک بہادر، شاعر، متقی اور پرہیزگار انسان کی صفات مجتمع تھیں، آپ کا ظاہر و باطن ایک جیسا تھا۔ آپ کو جو بات کہنا ہوتی، وہ کسی شخص کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر بلا جھجک کہہ دیتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے عالم شباب میں شام، حبشہ اور مصر کے متعدد سفر کیے تھے۔ ان سفروں کے دوران آپ کو مختلف لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جس سے ان کی واقفیت عامہ نہایت وسیع ہو گئی۔ ذہن صیقل ہو گیا اور دماغ میں جہالت کی تاریکی کی بجائے علم کی روشنی پھیل گئی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ میں شجاعت، بے خوفی، ہمت و استقلال، علم و حکمت اور عقلمندی و وفاداری کی جو صفات جمع تھیں وہ مشاہیر عالم میں سے بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہیں، آپ نادرۂ روزگار شخصیت تھے، سرزمین عرب کو آپ پر ناز تھا۔ آپ عرب کی سیاسی عمارت کے ان ستونوں میں سے تھے جس کے ٹوٹنے سے عرب سیاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کو چونکہ ابتلاء و آزمائش کے مختلف ادوار سے گزرنا پڑا تھا۔ اس لیے آپ سے بعض ایسی لغزشیں بھی سرزد ہوئیں جو ایک صحابیؓ کے مرتبہ سے فروتر تھیں۔ تاہم آپ بارگاہ نبویؐ کے جلیس اور حضورؐ سرور دو عالم صلعم کے صحبت یافتہ تھے، اس لیے ان لغزشوں کے باوجود آپ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کیے جا سکتے جو فیضان نبوت نے تمام صحابۂ کرامؓ میں پیدا کر دیے تھے۔

قوت ایمان

قوت ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے، اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی ایمانی قوت کا خود سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا، اسلم الناس وامن عمروؓ بن العاص اسی طرح ایک دوسرے موقع پر فرمایا ابنا العاص مومنان یعنی ہشام وعمروؓ[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی تصدیق واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلا بھیجا کہ وہ ہتھیار سجا کر اور لباس بدل کر آئیں۔ آپ حسب ارشاد نبوتؐ حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

وسلم اس وقت وضو فرما رہے تھے، نظر اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر نگاہ نیچی کر کے فرمایا کہ میں تمہیں امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ ان شاء اللہ تم محفوظ رہو گے۔ مالِ غنیمت بھی ہاتھ لگے گا اور تمہیں بھی وافر حصہ ملے گا، عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے مال کے لالچ میں نہیں، بلکہ دلی رغبت سے اسلام قبول کیا ہے، ارشاد ہوا۔

"مالِ صالح مردِ صالح کے لیے بہتر ہے [1]"

ایک موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا، عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح افراد میں ہیں۔ عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمرو بن العاصؓ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔

حق پسندی

حضرت عمرو بن العاصؓ طبعاً حق پرست تھے۔ ایک دن خانہ کعبہ میں بیٹھے لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بخلوص نیت کسی امام کی بیعت کر لی، اس کو مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہیے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو تو اس کی گردن اڑا دینی چاہیے۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ نے کہا، خدا آپ کو خوش رکھے۔ یہ حدیث آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ آپ نے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی اس پر عبدالرحمٰن نے امیر معاویہؓ کے کسی حکم کا ذکر کر کے اعتراض اٹھایا کہ یہ حکم قرآنِ حکیم کے ارشاد یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا ... [2] کے خلاف ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا "جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اس کو مانو اور جس میں ہوتی ہو، اس کو نہ مانو"

تدبر و سیاست

تدبر و سیاست اور عقل و دانش میں حضرت عمروؓ بن العاص کا شمار عرب کے ان مخصوص اشخاص میں تھا جنہیں سب بالاتفاق مُدبّر مانتے تھے۔ اُن کی اصابتِ رائے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو۔

حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر نے اُن کی تعریف ان الفاظ میں کی کہ عمروؓ بن العاص حکومت کے لیے موزوں ہیں، آپ جب کبھی کسی ضعیف الرائے اور خام کار کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے کہ اس شخص اور عمروؓ بن العاص کا خالق ایک ہے [3]

حضرت عمروؓ بن العاص کی زندگی کا ہر صفحہ عقل و دانش اور تدبر و شجاعت کے واقعات سے لبریز ہے، سریۂ ذات السلاسل سے لے کر جنگِ صفین تک کے واقعات ان کے تدبر، معاملہ فہمی، سیاسی سوجھ بوجھ اور شجاعت کی ایسی دلیل ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تدبر و سیاست میں ان کے ہم پلّہ تھے۔ اس لیے دونوں میں کبھی کبھی چشمک بھی ہو جایا کرتی تھی، امیر معاویہؓ نے انہیں مصر کی حکومت سپرد کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو کوفہ کا والی بنایا، تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ آپ نے باپ بیٹے کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر خود کو شیروں کے جبڑے کے درمیان دے دیا، امیر معاویہؓ بھی اس خطرہ کو بھانپ گئے۔ چنانچہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو مقرر کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ آپ

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [2] سورۂ نساء آیت ۲۹ [3] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

نے کوفہ کی حکومت ایسے آدمی کے سپرد کی جو اگر خراج کی رقم کھا جائے تو آپ وصول بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت مغیرہؓ چونکہ تنگ دست رہا کرتے تھے اس لیے امیر معاویہؓ نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امارت کے فرائض باقی رہنے دیئے۔ حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے، انہوں نے کہا نہیں، بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔[1]

جہاد فی سبیل اللہ

حضرت عمرو بن العاصؓ کی کتاب زندگی میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے۔ آپ تمام مغازی میں اسلام کے مشہور مجاہد حضرت خالد بن ولید کے دوش بدوش رہے، خود حضرت عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ ابتدائے اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مغازی میں میرے اور خالدؓ کے برابر نہیں کیا، اُن کی شخصیت نہ صرف شام، مصر اور طرابلس کی فتوحات میں نمایاں رہی بلکہ مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا، تو آپ کی تلوار فوراً میان سے نکل آتی تھی۔ مؤرخین کے مطابق ایک دفعہ کسی وجہ سے یک بیک لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا۔ اس افراتفری کے عالم میں صرف حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام سالمؓ مسجد میں تلوار حمائل کیے کھڑے رہے، حضرت عمروؓ بن العاص نے دیکھا، تو آپ بھی تلوار لگا کر اُن کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اس عام سراسیمگی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسولؐ کی پناہ میں کیوں نہ آئے، اور عمروؓ بن العاص اور سالمؓ کو کیوں نمونہ نہ بنایا۔[2]

صدقہ و خیرات

حضرت عمروؓ بن العاص خدا کی راہ میں نہایت فراخدلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے، جس کا اعتراف کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کیا۔ حضرت علقمہؓ بن رمثہ بلوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو ایک سریہ پر بحرین بھیجا اور خود ایک دوسرے سریہ میں نکلے، ہم لوگ حضورؐ کے ہم رکاب تھے، سرور دو عالم صلعم پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی، بیدار ہوئے تو فرمایا خدا عمروؓ پر رحم کرے، یہ ارشاد سن کر ہم سب اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے، اس اثنا میں حضور کی پھر آنکھ لگ گئی، پھر بیدار ہو کر فرمایا خدا عمروؓ پر رحم کرے۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فقرہ تیسری مرتبہ فرمایا، تو ہم لوگ ضبط نہ کر سکے۔ عرض کیا، حضورؐ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے۔ فرمایا "عمرو بن العاصؓ" ہم لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی ارشاد ہُوا، مجھ کو وہ وقت یاد ہے جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا، تو وہ (یعنی حضرت عمرو بن العاصؓ) بہت وافر لاتے تھے اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو؟ کہتے، خدا نے دیا، ایک موقعہ پر تین مرتبہ فرمایا: "خدایا عمرو بن العاصؓ کی مغفرت فرما، جب میں ان کو صدقہ لانے کے لیے بلاتا تھا، تو وہ صدقہ لاتے تھے۔[3]

فضل و کمال

قبول اسلام کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کی عمر کا زیادہ حصہ میدان کارزار میں گزرا اس لیے ظاہر ہے کہ ان کو علم و عرفان کے سرچشمہ سے مستفید ہونے کا بہت کم موقع ملا تھا، پھر بھی آپ علم کی دولت سے تہی دامن نہ تھے۔

قرآنِ حکیم بہت سے علوم و فنون کا مجموعہ ہے اور اس کی قرأت ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص قرأتِ قرآن کا خصوصی ذوق رکھتے تھے اور قرآنِ حکیم نہایت سوز و گداز کے ساتھ بہت صاف و واضح پڑھتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو اگرچہ لڑائیوں میں شرکت کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تاہم

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [2] اصابہ ج ۲ ص ۳ [3] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم

جو لمحات بھی میسر آئے۔ اُن میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مقدسہ کی اچھی خاصی تعداد اُن کے حصہ میں آئی۔ حضرت عمرو ؓبن العاص کی مرویات کی تعداد انتالیس ہے۔ جن میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں۔

حضرت عمرو ؓبن العاص نے احادیثِ نبوی ؐ کے اس سرمایہ کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادہ عبداللہ، غلام ابُوالقیس اور قیس بن ابی حازم، ابُوعثمان نہدی، علی بن رباح لخمی، عبدالرحمٰن بن شماسہ، عروہ بن زبیر، محمد بن کعب، عمارہ بن خزیمہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔[1]

تعلیم و تلقین

حضرت عمرو ؓبن العاص جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم و تلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے۔ چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں اقامت اختیار کر کے نومسلموں کو تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب دُنیا طلبی کا رُجحان بڑھنے لگا، تو آپ لوگوں کے سامنے تقریر کر کے اُن کو اُسوۂ نبوی ؐ کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے۔ علی بن رباح لخمی راوی ہیں کہ ایک دن حضرت عمرو ؓبن العاص منبر پر تقریر کر رہے تھے کہ:

"آج تم لوگوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے، تم ان کی طرف راغب ہو رہے ہو اور دُنیا کی تمنا کرتے ہو، حالانکہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔"

علمِ اجتہاد

حضرت عمرو ؓبن العاص تمام مسائل میں قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ دونوں سے عقدہ حل نہ ہوتا، تو اجتہاد سے کام لیتے۔ سریہ ذات السلاسل کے دوران ایک شب آپ کو نہانے کی ضرورت پیش آگئی۔ شدید سردی کے باعث نہانے سے بیماری کا خطرہ تھا اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر آپ نے غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کر لیا اور پانی نہ ملنے یا بیماری کے خطرہ کی بنا پر تیمم کے حکم کے مطابق تیمم کر کے نماز پڑھ لی، سریہ سے واپس آ کر جب اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو حضور ؐ نے فرمایا کہ عمرو ؓبن العاص! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی، عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رات بہت سرد تھی۔ نہانے کی صورت میں جان کا خطرہ تھا۔ اس موقع پر مجھے قرآنِ حکیم کی آیت وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ رحیما[2] یاد آگئی، چنانچہ میں نے تیمم کر لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس کر خاموش ہو گئے۔

فصاحت و بلاغت

فصاحت و بلاغت میں بھی حضرت عمرو بن العاص کا پایہ نہایت بلند تھا۔ مؤرخین کے مطابق ان کے متعدد بلند پایہ اقوال اور علم و حکمت سے بھرے ہوئے جملے ادبیاتِ عرب کا قابلِ قدر سرمایہ ہیں۔

ابنِ عساکر کے مطابق ایک دفعہ حضرت عمرو ؓبن العاص نے امیر معاویہ ؓ سے کہا:

"نیک شخص اس وقت حملہ کرتا ہے، جب وہ بھوکا ہوتا ہے اور کمینہ اس وقت حملہ کرتا ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے، اس لیے نیک آدمی کی بھوک دُور کرو اور کمینے کو قابو میں رکھو۔"

ہشام کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر معاویہ ؓ نے حضرت عمرو ؓبن العاص سے پوچھا:

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔ [2] اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تم پر مہربان ہے۔ (سورہ نساء آیت ۲۹)

"سب سے زیادہ بلیغ شخص کون ہے ؟"
حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا: جس کی رائے اس کی خواہشاتِ نفسانی کے اُلٹ ہو۔"
پھر امیر معاویہؓ نے پوچھا: "سب سے زیادہ سخی کون ہے ؟"
جواب دیا: جو شخص اپنی دنیا اپنے دین کی بہتری میں خرچ کرے۔"
پھر پوچھا: سب سے زیادہ شجاع کون ہے ؟
حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا:
"جو شخص اپنے حلم سے جہالت پر غالب آجائے۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ سے فرمایا: "میں نے تین باتیں اختیار اور تین باتیں ترک کر رکھی ہیں جو تین باتیں اختیار کر رکھی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ میں لوگوں کے دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہوں۔
۲۔ ہر شخص کی بات کان دھر کر سنتا ہوں۔
۳۔ جب کسی امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جو امر سہل ہو اُسے اختیار کرتا ہوں،

جن باتوں کو ترک کر دیا ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ جھگڑے سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں۔
۲۔ کمینے کی صحبت کبھی اختیار نہیں کرتا ہوں
۳۔ ہر ایسی بات سے بچتا ہوں جس کے متعلق مجھے بعد میں عذر و معذرت پیش کرنی پڑے۔ میری مثال اس شعر جیسی ہے ؎

فَقُلْتُ لَهُ تَجَنَّبْ كُلَّ شَيْءٍ   يُعَابُ عَلَيْكَ إِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ

(ترجمہ) میں نے اس سے کہا۔ تو ہر ایسی چیز سے پرہیز کر جس کی وجہ سے بعد میں تجھ پر عیب لگایا جائے، یاد رکھ کہ شریف آدمی ہمیشہ وہی کام کرتا ہے جو فی الواقع شرفاء کو زیب دیتا ہے۔

مصر کی امارت کے زمانہ میں آپ ایک بے حد بوڑھے خچر پر سوار ہوئے، لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ آپ امیر ہیں اور ایسے خچر پر سوار ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا:

"جب تک جانور میرا بوجھ اُٹھاتا رہے، بیوی مجھ سے خوش اخلاقی اور حسنِ سلوک سے پیش آتی رہے اور دوست میرے راز کی حفاظت کرتا رہے۔ اس وقت تک میں ان تینوں سے نہیں اُکتاتا۔ اُکتانا چھوٹے اخلاق میں سے ہے۔"[1]

---

[1] عمرو بن العاصؓ مؤلفہ محمد فرج مصری

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب آپ کا نام خالدؓ کنیت ابُو سُلیمان اور لقب سیف اللہ تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔ آپ کی والدہ کا نام لُبابہ بنتِ حارث بن حزن تھا جو امّ المومنین حضرت میمونہ رضؓ کی سگی بہن تھیں۔

خاندانی حالات حضرت خالد رضؓ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ بنو مخزوم اور سردارانِ بنو ہاشم کے درمیان ازدواج کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ عاتکہ بنتِ عبدالمطلب حضرت خالدؓ کے چچا ابُو امیہ بن مغیرہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ انہی کے لڑکے زہیر بن ابُو امیہ نے سب سے پہلے قریش کے اس ظالمانہ معاہدہ کو فسخ کرنے کا سوال اٹھایا تھا، جس کے تحت آنحضرت صلعم اور آپ کے اہل خاندان تین سال تک شعب ابُو طالب میں محصُور رہے تھے۔ مزید آنحضرت صلعم کی دو ازواجِ مطہرات یعنی حضرت امّ سلمہ رضؓ اور حضرت میمونہ رضؓ اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

جس طرح بنو مخزوم قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے، اسی طرح وہ دولت و ثروت میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ حضرت خالدؓ کا چچا ابُو امیہ مغیرہ قریش میں زاد الراکب (مسافر کا توشہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ کیونکہ جو شخص اس کا ہمسفر ہوتا اسے زادِ راہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ابُو امیہ کا انتقال ظہورِ اسلام سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ حضرت خالدؓ کے دوسرے چچا فاکہ بن مغیرہ نے "جمعیت الضیافت" بنا رکھا تھا، جہاں جا کر ہر شخص بلا اجازت کھانا کھا سکتا تھا۔

حضرت خالدؓ کا والد ولید بن مغیرہ قریش میں صاحبِ عقل و فہم اور بڑا فصیح البیان مانا جاتا تھا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں یہ بھی شامل تھا۔ ولید قریش میں "عدل قریش" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایک سال خانہ کعبہ کا غلاف یہ اکیلا چڑھاتا اور دوسرے سال تمام قریش مل کر چڑھاتے تھے۔ حج کے موقعہ پر منیٰ کے مقام پر تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی کو کھانا پکانے کے لیے آگ جلانے کی اجازت نہ تھی۔ مؤرخین کے مطابق کسی وقت بھی بارہ ہزار دینار سے کم رقم اس کے پاس نہ ہوتی تھی اس کے باغات مکہ سے طائف تک چلے گئے تھے، جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا[1] ولید بن مغیرہ قریش میں اپنے ارادے کی پختگی اور عزم و ہمت کی بنا پر ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ تعمیر کعبہ کے دنوں میں جبکہ ہر شخص عذابِ الٰہی کے خوف سے کعبہ کو ڈھانے سے ڈرتا تھا۔ ولید ہی نے یہ کہہ کر عمارت ڈھانی شروع کی تھی کہ:

---

[1] حضرت خالد سیف اللہ مؤلفہ ابُو زید شلبی۔

"اے اللہ! ہم جو کچھ کرتے ہیں، اس میں کسی بد ارادے کو دخل نہیں ہمارا ارادہ نیک ہے"۔
ولید خانہ کعبہ کی تعظیم اس قدر کرتا تھا کہ کبھی جوتیاں پہن کر اس میں داخل نہیں ہوا، مورخین کے مطابق جس نے سب سے پہلے اس طریقہ کو رواج دیا وہ ولید ہی تھا اور یہ اپنے آبائی دین سے حد درجہ شغف اور عقیدے کی پختگی کا اثر تھا کہ اس نے زندگی بھر اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو ناکام بنانے کی سرتوڑ کوشش کی، ولید اس وفد کا ایک رکن تھا، جو ابوطالب کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی تحقیر اور بتوں کی مذمت کرنے سے روک دیں۔
ولید قریش میں "الوحید" کے نام سے پکارا جاتا تھا، کیونکہ وہ اپنی متعدد خوبیوں کی بناء پر تمام قوم میں ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ ولید کی ان خوبیوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اُسے اسلام کا پرستار بناتیں اور اسے ایمان باللہ کی حلاوتوں سے روشناس کرتیں لیکن یہ اس کی انتہائی بدبختی تھی کہ اس نے اسلام کی عظمتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے نخوت و تکبر کا مظاہرہ کیا اور نتیجۃً اسفل السافلین میں جا گرا۔ مفسرین کے مطابق قرآن حکیم کا ارشاد

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الحجر آیت ۹۵-۹۶)	اے رسولؐ ہم ٹھٹھا کرنے والوں سے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، خود نپٹ لیں گے اور عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ استہزا کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

جن پانچ اشخاص کے متعلق ہے۔ ان میں ولید بھی شامل تھا، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور حضورؐ کا مذاق اُڑانے میں پیش پیش تھے۔ بہرکیف ولید بن مغیرہ ظہورِ اسلام کے بعد جب تک زندہ رہا[1] اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں کی حیثیت سے زندہ رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اس کی ریشہ دوانیاں اور معاندانہ کوششیں پورے عروج پر رہیں۔

قبول اسلام سے قبل

مورخین کے مطابق قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ زمانۂ جاہلیت سے حضرت خالدؓ کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے وقت حضرت خالدؓ اسی عہدہ پر ممتاز تھے۔
حضرت خالدؓ چونکہ ایک امیر کبیر باپ کے فرزند تھے۔ اس لیے کوئی اور پیشہ اختیار کرنے کی بجائے آپ نے شہسواری، تیراندازی اور شمشیر زنی وغیرہ کا شغل اختیار کیا اور اپنی فطری پھرتی، شجاعت اور خطرات سے بے پروائی جیسی صفات کی بنا پر ان میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپ قدرت کی طرف سے جنگی دل و دماغ لے کر آئے تھے، خاندانی روایات نے آپ کی ان فطری صلاحیتوں کو مزید اُبھرنے کا موقع دیا، جنگی فرائض کی بجا آوری آپ کے راہوارِ شوق کے لیے مہمیز ثابت ہوئی اور آپ ایک ایسے زبردست جنگی ماہر اور سپہ سالارِ اعظم بن گئے۔ جن میں بڑے بڑے قائدین عساکر کی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔
حضرت خالدؓ ظہورِ اسلام کے وقت تقریباً تیئس ۲۳ سال کے تھے۔ قریش مکہ کی طرف سے جب اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی مخالفت شروع ہوئی، تو حضرت خالدؓ نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آپ کا گھرانہ چونکہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا اس

---

[1] مورخین کے مطابق ولید ہجرتِ نبویؐ کے تین ماہ بعد لگ بھگ پچانوے سال فوت ہوا۔

لیے آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ پر ایمان لانے والوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اہل سیر کے مطابق یہ اسی مخالفت اور دشمنی کا اثر تھا کہ بعد میں جب کفارِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں شروع ہوئیں، تو حضرت خالدؓ کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان نیست و نابود ہو جائیں۔

غزوہ اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں کی فتح یقینی ہوگئی تھی، حضرت خالدؓ نے اچانک پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں میں افراتفری پھیلا دی، جس کی وجہ سے کفارِ مکہ کے اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت کی۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار کے لشکر میں عام بھاگڑ پڑی اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ محاصرہ اُٹھا کر بھاگے، تو انہوں نے حضرت خالدؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص سے درخواست کی کہ اگر مسلمان تعاقب کریں، تو وہ ان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ یہ دونوں دو سو[۲۰۰] سواروں کے ساتھ بطور "ساقہ" لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تاکہ کسی متوقع خطرے کی صورت میں مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا۔ اس کے سردار حضرت خالدؓ ہی تھے۔

قبولِ اسلام

تاریخ اسلام میں صلح حدیبیہ ایک ایسے آئینہ ہزار پہلو کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسے جس سمت سے بھی دیکھا جائے اسلام کی بے پناہ حقانیت آگے بڑھنے کے لیے بیتاب نظر آتی ہے۔ اس کے ایک ایک پہلو میں ہزاروں کامیابیاں اور ایک ایک لفظ میں اسلام کی ہمہ گیری اور عظمت و جلال کا عکس صاف نظر آتا ہے لیکن اس وقت جبکہ معاہدہ حدیبیہ ضبطِ تحریر میں لایا گیا تھا اس کی تمام خوبیاں خدا اور اس کے رسولؐ کے علاوہ کسی پر عیاں نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے یہ صلح کفار کی طرح اکثر صحابہؓ پر بھی شاق گزری تھی، تاہم صاحبِ وحی و رسالتؐ کے استقلال اور سورۂ فتح کے نزول نے مسلمانوں کو تو مطمئن کر دیا مگر مشرکین مکہ کی بے چینی دور نہ ہو سکی، مشرکین میں سے جن لوگوں پر یہ صلح بہت ناگوار گزری تھی۔ اُن میں قریش کے سپہ سالارانِ اعظم حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص بھی شامل تھے۔ انہیں اب یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کوئی دن میں سارے عرب پر پرچم توحید لہرانے والا ہے، چنانچہ ان حالات کے پیش نظر حضرت عمروؓ بن العاص حبشہ چلے گئے اور اپنے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی لے جانا چاہتے تھے مگر حضرت خالدؓ نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ مکہ میں رہ کر ہی حالات کا جائزہ لیں۔

مؤرخین کے مطابق غزوہ حدیبیہ کے دنوں میں جبکہ حضرت خالدؓ مسلمانوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے گشت لگایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرکشش شخصیت، پاکیزہ زندگی، بزرگی اور رعب و جلال کو قریب سے دیکھ کر اور مسلمانوں کے عزم، اخلاق، بے نفسی اور رسول اللہؐ سے بے پناہ محبت و عقیدت کا مطالعہ کر کے غیر محسوس طور پر ان کے دل میں اسلام کی محبت پرورش پانے لگی تھی، چنانچہ وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ اہل مکہ کا سلوک سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی ہے۔ بہرکیف اس محبت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ حضرت خالدؓ پر اسلام کی صداقت، جو بالآخر ان کے قبولِ اسلام کا باعث بنی، کیسے واضح ہوئی۔ یہ ایمان افروز روداد خود ان کی زبانی سنیے۔ فرماتے ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ عسفان پر قیام فرما تھے۔ تو میں نے حضور سرورِ دو عالم صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا، چنانچہ میں نے حضورؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، مگر باوجود ہزار کوشش کے میں ایسا نہ کر سکا۔ اس وقت میرے دل پر القاء ہوا

کہ خدا ان کا حافظ و ناصر ہے اور ہم چاہے جتنی بھی کوشش کریں ان پر غالب نہیں آ سکتے۔"

مزید فرماتے ہیں کہ :

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمانا چاہا، تو اُس نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی اور مجھ پر ہدایت کی راہ واضح فرما دی۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہر جنگ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف لڑا، لیکن ہمیشہ ہی ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا، اس سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ مَیں غلط راستے پر کھڑا ہوں اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب پر غالب آکر رہیں گے۔ جب حضورؐ عمرۃ القضا ادا فرمانے مکہ تشریف لائے تو میں مکہ سے باہر چلا گیا۔ میرے بھائی ولید بن ولید جو مسلمان ہو چکے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ مکہ آئے اور مجھے تلاش کیا، مگر مَیں نہ مِلا اس پر انہوں نے مجھے یہ خط لکھا :

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ میرے لیے یہ امر بعید استعجاب کا باعث ہے کہ آپ ابھی تک اسلام سے روگرداں ہیں، حالانکہ آپ فہم و فراست میں مشہور ہیں۔ کیا اسلام جیسی نعمت سے کوئی شخص ناواقف رہ سکتا ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے آپ کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ خالد کہاں ہیں؟ مَیں نے عرض کیا خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے۔ حضورؐ نے فرمایا: "خالد جیسا شخص کبھی اسلام کی حقیقت سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین کے مقابلہ میں اپنی جنگی مہارت کا استعمال کرے، تو یہ اس کے لیے بہتر ہوتا اور ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیتے۔"

پس اے میرے بھائی، آپ جہاد کے جن بہترین مواقع سے محروم رہ گئے ہیں، وقت آگیا ہے کہ اب اپنے عمل سے ان کی تلافی کر لیں۔"

"جب بھائی کا یہ خط مجھے مِلا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی پُر مسرت لہر دوڑ گئی اور میرے دل میں اسلام کا شوق اور زیادہ ہو گیا۔ سب سے زیادہ خوشی مجھے اس گفتگو سے ہوئی جو رسولُ اللہ صلعم نے میرے متعلق میرے بھائی سے کی تھی۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ گویا مَیں تنگ و قحط زدہ علاقہ سے نکل کر وسیع اور سرسبز و شاداب علاقہ میں آگیا ہوں۔"

جب مَیں نے مدینہ منورہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا، تو صفوانؓ بن اُمیّہ سے مِلا اور اس سے کہا "اے ابو وہب! کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب و عجم پر غالب آگئے ہیں؟ اگر ہم اُن کے پاس جا کر ان کی اطاعت قبول کر لیں، تو ان کی عظمت خود ہماری ہی عظمت ہوگی۔" اس پر صفوان نے جواب دیا کہ اگر مکہ میں میرے سوا کوئی بھی اسلام لانے سے باقی نہ رہا تب بھی میں اس کا اتباع نہیں کروں گا۔ مَیں نے دل میں خیال کیا، یہ بیچارہ مجبور ہے کیونکہ اس کا باپ اور بھائی جنگِ بدر میں مارے جا چکے ہیں اس کے بعد مَیں عکرمہ بن ابوجہل سے مِلا اور وہی بات جو صفوان سے کہہ چکا تھا اس سے کہی، عکرمہ نے بھی وہی جواب دیا جو صفوانؓ نے دیا تھا۔ تب میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرے۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ یہ راز اپنے تک ہی محدود رکھے گا۔ ازاں بعد مَیں عثمان بن طلحہ سے مِلا جو میرا دوست تھا، پہلے تو مَیں نے وہی باتیں اس سے بھی کہنے کا ارادہ کیا، لیکن

پھر مجھے اس کے باپ طلحہ، چچا عثمان اور اس کے چاروں بھائیوں (مسافع، حلاس، حارث اور کلاب) کا غزوۂ احد میں قتل ہونا یاد آگیا جس کے باعث پہلے تو یہ بات اس نے کوئی مناسب معلوم نہ ہوئی، لیکن بالآخر کہتے ہی بنی۔ چنانچہ میں نے عثمان سے کہا کہ ہماری مثال اس لومڑی کی سی ہے جو بھٹ میں چھپی ہوئی ہو، لیکن بھٹ میں اگر کثرت سے پانی ڈالا جائے تو اسے وہاں سے نکلنا ہی پڑتا ہے، ہمیں یہ نظر آرہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ کیوں نہ ہم پہلے ہی اسلام قبول کرلیں؟ میری توقع کے برعکس عثمان نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ پھر مدینہ چلنے کی بات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگلے روز صبح سویرے ایک مقام پر دونوں پہنچ جائیں اور جو پہلے پہنچ جائے وہ دوسرے کا انتظار کرے۔"

اگلے روز طلوعِ فجر سے پہلے ہم دونوں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور پھر مدینہ کی راہ لی۔ مقام ہدہ پر پہنچے تو عمرو بن العاصؓ سے ملاقات ہوئی جو حبشہ سے آرہے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا، پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا: "ابو سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟"

میں نے جواب دیا "اللہ کی قسم! مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں مسلمان ہونے کے لیے مدینہ جا رہا ہوں۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا "میں بھی اسی غرض سے یہ سفر کر رہا ہوں"۔ پھر ہم تینوں مل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

ہم دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے، اپنے اونٹ بٹھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی ہماری آمد کی خبر ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا "مسلمانو! مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں۔" میں نے نیا لباس پہنا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو پہلے اپنے بھائی سے ملا۔ انہوں نے کہا "جلدی کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرات کی آمد سے بہت خوش ہیں اور آپ سب کا انتظار فرما رہے ہیں۔" یہ سن کر ہم بسرعت حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ جس وقت میں حضورؐ کے سامنے حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے۔

"میں نے قریب جا کر حضورؐ کو سلامِ نبوت پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے کہا:-

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "سب تعریفیں خدا ہی کے لیے ہیں، جس نے تمہیں ہدایت فرمائی، مجھے امید تھی کہ تمہاری عقل بالآخر سیدھے راستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کرے گی۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپؐ کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں، آپؐ اللہ سے میرے اس گناہ کی معافی کے لیے دعا فرمائیں"۔

حضورؐ نے فرمایا: "اسلام پہلے (تمام برائیوں کو محو کر دیتا ہے۔" عرض کیا، کیا واقعی؟ فرمایا "ہاں" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تمام پچھلی لغزشوں کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ پھر عمرو بن العاصؓ اور عثمان بن طلحہ بھی خدمتِ اقدس میں پیش ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔"[1]

ہجرت: قبول اسلام کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ تو مکہ لوٹ گئے مگر حضرت خالد بن ولیدؓ نے مدینہ ہی میں مستقل قیام

---

[1] طبقات ابنِ سعد جلد چہارم، محمد رسول اللہ مؤلفہ محمد رضا مصری اور خالد سیف اللہ مؤلفہ ابو زید شلبی سے ماخوذ۔

اختیار کر لیا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں "خدا کی قسم! جس دن سے مَیں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس دن سے رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میرے اور دوسرے صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے بھی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ شریک فرماتے تھے۔" مدینہ میں رہائش کے لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن مکانوں میں سے جو حضرت حارثہؓ بن نعمان نے حضورؐ کو پیش کیے تھے، ایک مکان حضرت خالدؓ کو عنایت فرمایا۔[1]

غزوات جیساکہ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت حضرت خالدؓ اپنے خاندانی عہدہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام پر ممتاز تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کا یہ اعزاز قائم رکھا جس کے باعث اسلامی فتوحات میں بڑی امداد ملی، حضرت خالدؓ جس طرح اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسی طرح حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد مشرکوں کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے۔ چنانچہ آپ کی تلوار اکثر معرکوں میں مشرکین کا شیرازہ بکھیرتی رہی۔[2]

سریہ موتہ حضرت خالدؓ قبولِ اسلام کے بعد سب سے پہلے سریہ موتہ میں شریک ہوئے۔ مورخین کے مطابق اس جنگ کا سبب یہ ہُوا کہ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف حاکموں اور رئیسوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط شاہِ بصریٰ کے نام بھی ارسال فرمایا جسے حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ لے کر گئے تھے۔ حضرت حارثؓ شام کے علاقہ بلقاء سے گزرتے ہوئے بصریٰ جا رہے تھے کہ موتہ کے عامل شرحبیل بن عمرو غسانی نے انہیں قتل کر دیا۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شرحبیل کے اس ظالمانہ فعل کا علم ہُوا تو یہ حد درجہ رنج افزا واقعہ آپ کی طبعِ مبارک پر بہت گراں گزرا، چنانچہ حضورؐ نے اس کے انتقام کے لیے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ کی اور ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ ان کی جگہ لیں گے، اگر یہ بھی جامِ شہادت نوش کریں تو عبداللہؓ بن رواحہ لشکر کے امیر ہوں گے اور اگر ابن رواحہ بھی قتل سے محفوظ نہ رہیں تو مسلمان جسے چاہیں امیر چن لیں۔[3]

جب مجاہدین کی یہ چھوٹی سی جماعت ارضِ بلقاء میں پہنچی تو معلوم ہُوا کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر موتہ سے چند میل دُور مشارف میں پہنچ گیا ہے، اسلامی لشکر نے موتہ کو مرکز بنا کر اسی کے وسیع میدان میں جنگ کا آغاز کیا۔ دستور کے مطابق حضرت زیدؓ بن حارثہ پرچمِ اسلام اُٹھا کر آگے بڑھے اور بڑی مردانگی سے لڑ کر شہادت پائی۔ اُن کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے علم اٹھایا اور جب تک جسم میں جان باقی رہی۔ پرچمِ اسلام سرنگوں نہ ہونے دیا، ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا، حضرت عبداللہؓ کے بعد مسلمانوں کا کوئی امیر نہ رہا جس کے باعث اسلامی لشکر پر اضطراب طاری ہو گیا۔ مگر یہ حالت زیادہ دیر قائم نہ رہی کہ حضرت ثابت بن ارقمؓ کے حُسنِ تدبیر، دُور اندیشی اور مردانگی کی برکت سے حضرت خالدؓ بن ولید کی سالاری پر اتفاق ہو گیا، حضرت خالدؓ نے فوری طور پر منتشر لشکر کو اکٹھا کر کے اچانک اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ آپ اگرچہ دشمن کو شکست تو نہ دے سکے مگر اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ اسلامی فوج کو دشمن کی دستبرد سے بچا لائے

---

[1] طبقات ابنِ سعدؒ جلد چہارم [2] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصّہ دوم [3] رسولِ رحمتؐ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر۔

اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے نو۹ تلواریں ٹوٹیں اور بارگاہِ رسالت مآبؐ سے آپ کو "سیف اللہ" کا معزز خطاب ارزانی ہوا۔

دائرۂ اسلام میں آنے کے بعد حضرت خالدؓ کی غیر معمولی جنگی صلاحیتوں کی یہ پہلی جلوہ افروزی تھی، آگے چل کر اللہ کی اس تلوار نے جو حیرت انگیز کارنامے انجام دیے وہ حربیات کی تاریخ کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔

فتح مکّہ

حضرت خالدؓ فتح مکہ (۲۰ رمضان المبارک ۸ھ) میں میمنہ کے افسر تھے۔ اگرچہ اس فتح میں جنگ کی نوبت نہ آئی اور رؤسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیے تاہم چند مشرکین حضرت خالدؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصّہ کدا کی جانب سے لے کر آئیں چنانچہ یہ رہے تھے کہ قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا۔ اور ان کے لشکر میں سے حضرت کرزؓ بن جابر الفہری اور حضرت خنیسؓ بن خالد بن خالد بن ربیعہ کو جو لشکر سے الگ ہو کر کسی اور راستے پر ہو لیے تھے۔ شہید کر ڈالا۔ حضرت خالدؓ کو علم ہوا تو مجبوراً جوابی حملہ کیا۔ مشرکین تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو حضرت خالدؓ سے باز پرس کی، لیکن جب معلوم ہوا کہ ابتدا مشرکین کی جانب سے ہوئی تھی، تو فرمایا قضائے الٰہی یہی تھی"۔[۱]

سریہ خالدؓ بن ولید انہدامِ عزیٰ

فتح مکہ کے پانچ دن بعد (۲۵ رمضان المبارک ۸ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تیس سواروں کے ساتھ عرب کے مشہور اور نامی بت عزّیٰ کو توڑنے کے لیے نخلہ بھیجا۔ حضرت خالدؓ یہ کام پورا کر کے جب واپس آئے تو حضورؐ نے پوچھا کہ تم نے وہاں کچھ دیکھا؟ عرض کیا "نہیں" فرمایا کہ تب تو وہ ابھی منہدم نہیں ہوا ہے۔ جاؤ اس کو منہدم کر کے آؤ، اس ارشاد پر حضرت خالدؓ ننگی تلوار لیے وہاں پہنچے تو ایک منتشر بالوں والی سیاہ فام ننگی عورت نکلی اور صنم خانہ کا خادم شور مچانے لگا حضرت خالدؓ نے اس عورت کو قتل کر دیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی، حضورؐ نے فرمایا ہاں یہ عزّیٰ تھی اور اب تمہارے ملک میں اس کی پرستش نہ ہوگی، یہ عزّیٰ، قریش اور تمام بنی کنانہ کا سب سے بڑا بُت تھا اور بنی شیبان اس کے خادم تھے۔[۲]

سریہ خالدؓ بن ولید الیٰ بنو جذیمہ

عزّیٰ کے انہدام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ آپؐ مکہ میں ہی مقیم تھے۔ حضرت خالدؓ کو تین سو ساٹھ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے ساتھ دعوتِ اسلام کی غرض سے بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن انہیں قتل و قتال کا حکم نہ تھا۔ حضرت خالدؓ شوال ۸ھ وہاں پہنچے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے بجائے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کے صبانا، صبانا (ہم صابی ہو گئے۔ ہم صابی ہو گئے) کہنا شروع کر دیا، یہ سن کر حضرت خالدؓ نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جو لوگ گرفتار کیے گئے انہیں مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا، دوسرے دن آپ نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا، انصار و مہاجرین اپنے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے آنحضرت صلعم

---

[۱] سیرۃ النبیؐ جلد اول [۲] اصح السیر صفحہ ۳۱۲

کی خدمت میں لے آئے۔ البتہ بنو سلیم نے اپنی نگرانی میں دیے گئے قیدیوں کو حضرت خالدؓ کے حکم پر قتل کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حقیقتِ حال کا علم ہوا تو بے چین ہو گئے اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا، اے اللہ! میں خالدؓ کے فعل سے بری الذمہ ہوں۔[1]

حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا۔ حضرت علیؓ نے سب کو جان و مال کا پورا پورا معاوضہ دیا۔ یہاں تک کہ کتوں تک کا خون بہا دیا۔ اس پر بھی جو بچ رہا، سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

غزوۂ حُنین فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں بنو ثقیف و ہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اجتماع کی خبر ہوئی، تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے۔ قبیلوں کے لحاظ سے اسلامی فوج کے مختلف حصے تھے۔ بنو سلیم کا قبیلہ مقدمۃ الجیش تھا اور اس کی کمان حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اس جنگ میں حضرت خالدؓ نے اس بہادری سے تلوار چلائی کہ صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں تاہم ان کو خود بھی دورانِ جنگ کئی زخم آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خالدؓ سے جو تعلق تھا، وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ بنفسِ نفیس اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور زخموں کو دم کیا جس سے حضرت خالدؓ جلد شفایاب ہو گئے۔[2]

غزوۂ طائف مشرکینِ حُنین کی شکست خوردہ فوج نے طائف میں قلعہ بند ہو کر دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ فرمالیا، اہلِ قلعہ نے شدید مدافعت کی اور مجاہدینِ اسلام پر لوہے کی گرم سلاخیں تیر اور پتھر اس شدت سے برسائے کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے بھی مدافعانہ حملہ کیا۔ اس فوج کا مقدمۃ الجیش بھی حضرت خالدؓ کے زیرِ کمان تھا۔

تبوک رجب ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رُومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے۔ اس اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مقابلہ کو نکلے اور مقامِ تبوک تک تشریف لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ رومی فوج کے اجتماع کی خبر غلط تھی اس لیے جنگ کی نوبت نہ آئی تاہم حضورؐ نے اسی مقام پر تقریباً بیس دن قیام فرمایا اور گرد و نواح کے عربی النسل عیسائی رؤسا کو مطیع کرنا ضروری خیال کیا جن کے ذریعہ رومی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی۔ صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک رہ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا اور روانگی کے وقت ہدایت فرمائی کہ اکیدر تم کو شکار کرتا ہوا ملے گا، اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لانا۔ البتہ وہ اگر انکار کرے تو قتل کر دینا۔ حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اکیدر نیل گائے کا شکار کر رہا ہے۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا مگر قتل ہو گیا اور اس کے بقیہ ساتھی قلعہ میں گھس گئے۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کو گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ اکیدر نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی اور حضورؐ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا

---

[1] خالدؓ سیف اللہ مؤلفہ ابوزید شلبی [2] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

فرمایا [۱]

سریہ خالد بن ولید (سریہ نجران)

بنی الحارث، نجران کا ایک معزز خاندان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الآخر ۱۰ھ میں حضرت خالدؓ بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لیے ان لوگوں کی طرف بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ محض اسلام کی دعوت دینا، تلوار نہ اُٹھانا۔ حضرت خالدؓ نے ارشادِ نبوتؐ کی پوری پابندی کی اور میدانِ جنگ کے سپاہی دفعۃً مبلغِ اسلام کے قالب میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی الحارث پر رحم فرمایا کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے یہ خوش خبری لکھ کر بارگاہِ رسالت مآبؐ میں بھیجی۔ حکم ہوا کہ ایک وفد لے کر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدارِ جمالِ نبویؐ سے فیضیاب ہو کر واپس گئے۔

حضرت خالدؓ یمن میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر ۱۰ھ میں حضرت علیؓ کی زیرِ امارت ایک سریہ یمن بھیجا اور دوسری سمت سے حضرت خالدؓ بن ولید کو یمن پہنچنے کا حکم دیا۔ مزید ہدایت فرمائی کہ جب دونوں لشکر مل جائیں تو حضرت علیؓ امیرِ لشکر ہوں گے اور جنگ کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے نہ ہوگی، اِلّا اس صورت کے کہ یمنی پیشقدمی کریں۔

یمن پہنچ کر حضرت علیؓ نے مشرکین کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے تیر اور پتھر پھینکے۔ مسلمانوں نے اپنی مدافعت کے لیے تلوار اُٹھائی، یمنی پسپا ہو گئے۔ اہلِ اسلام نے پھر اسلام پیش کیا، جسے اہلِ یمن نے بخوشی قبول کر لیا۔ اس کے بعد لشکرِ اسلام اپنی مہم میں کامیاب ہو کر واپس مدینہ لوٹ آیا۔

دورِ صدیقیؓ کی مشکلات

۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ آپؐ کے بعد قوم نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا آغاز ایسے وقت میں ہوا، جب کہ جزیرۃ العرب میں ہر طرف مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت نے سخت اضطراب پیدا کر رکھا تھا۔ ان فتنوں سے سوائے مکہ، مدینہ اور طائف کے باشندوں اور چند بدوی قبائل کے عرب کا اور کوئی قبیلہ محفوظ نہ تھا، سارے کے سارے قبائل اس طوفان میں بہہ گئے تھے۔

اس نازک صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے ایک ایسے صاحبِ عزیمت اور کامل الایمان شخص کی ضرورت تھی، جو بے نظیر عزم و ہمت اور لاثانی تدبّر و فراست کی بدولت ان فتنوں پر قابو پا کر اہلِ عرب کو شدید ہیجان و اضطراب سے نجات دلا سکے، یہ سب صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ میں پائی جاتی تھیں، چنانچہ آپ نے اپنے مضبوط عزم و ارادے اور ایمان کی لازوال قوّت کے ساتھ ان فتنوں کے استیصال کے لیے قدم اُٹھایا اور مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے گیارہ لشکر تیار کیے۔ ان میں ایک لشکر کی امارت حضرت خالدؓ بن ولید کے سپرد کر کے حکم دیا کہ وہ پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ پر چڑھائی کریں، ازاں بعد مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لیے بطاح کی طرف بڑھیں [۲]

---

[۱] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [۲] خالدؓ "سیف اللہ" از ابو زید شبلی۔

کاذب مدعی نبوت طلیحہ کی سرکوبی

طلیحہ بن خویلد اسدی، بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھا۔ حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض کی خبر سن کر اس نے حضورؐ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ حضورؐ نے حضرت ضرارؓ بن ازور کو طلیحہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا حضرت ضرار نے اس فتنہ کو کافی حد تک دبا دیا کہ اسی دوران آنحضرت صلعم کے وصال کی خبر پہنچی، حضرت ضرارؓ اس مہم کو نا تمام چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے اُن کی واپسی کے بعد یہ فتنہ پوری شدت سے بھڑک اٹھا اور بہت سے قبائل نے طلیحہ کی اطاعت قبول کر لی۔

حضرت خالدؓ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکرؓ کا حکم ملتے ہی بزاخہ کی طرف بڑھے اور پہنچتے ہی لڑائی کا میدان گرم کر دیا۔

طلیحہ کی فوج میں دیگر بہادروں کے علاوہ عرب کا نامور شجاع عیینہ بن حصن فزاری بھی اپنے سات سو آدمیوں کے ساتھ شامل تھا فریقین کے درمیان گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ طلیحہ اپنے آدمیوں کو دھوکا دینے کے لیے ایک طرف چادر اوڑھے وحی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ طلیحہ کی فوج نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر خالد سیف اللہؓ نے اپنے تابڑ توڑ حملوں سے اس کے چھکے چھڑا دیے۔ لڑائی کا یہ رنگ دیکھ کر طلیحہ اپنی بیوی نوار سمیت گھوڑے پر سوار ہو کر شام بھاگ گیا، عیینہ بن حصن نے بھی بھاگنے کی کوشش کی، مگر حضرت خالدؓ نے تعاقب کر کے اُسے معہ تیس ساتھیوں کے گرفتار کر لیا اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔

امّ زمل کی سرکوبی

مؤرخین کے مطابق حضرت خالدؓ چشمہ بزاخہ پر ایک ماہ تک مقیم رہ کر اس علاقہ کے امن و امان کی بحالی اور تحصیل زکوٰۃ میں مشغول رہے، اسی اثناء میں آپ کو خبر ملی کہ طلیحہ کی شکست خوردہ فوج قبیلہ فزارہ کی سردار امّ زملؓ[1] کے پاس جا کر جمع ہوئی ہے اور امّ زمل مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ رکھتی ہے، یہ اطلاع ملتے ہی حضرت خالدؓ بنو فزارہ کی طرف بڑھے، فریقین میں مقابلہ شروع ہوا، امّ زمل ایک اونٹ پر سوار اپنی فوج کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ مسلمان ہتھیلی پر جان رکھ کر امّ زمل کے اونٹ تک پہنچے اور اس کی کونچیں کاٹ کر اُسے زمین پر گرا دیا، امّ زمل قتل ہوئی اور اس کے حامی میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے۔ حضرت خالدؓ ادھر سے فارغ ہو کر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لیے بطاح کی طرف بڑھے۔

مالک بن نویرہ کا قتل

مالک بن نویرہ بنو تمیم کی ایک شاخ کا سردار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جن لوگوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا اور مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ کیا، ان میں مالک بن نویرہ بھی شامل تھا۔

جب حضرت خالدؓ بطاح پہنچے تو قبیلے کا کوئی فرد وہاں موجود نہ تھا۔ آپ نے نواحی علاقوں میں فوجی دستے بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ وہ جس شخص سے ملیں اسے دوبارہ قبولِ اسلام کی دعوت دیں، ان میں سے ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے چند ہم قبیلہ لوگوں کو گرفتار کر کے حضرت خالدؓ کے پاس لے آیا، مسلمان فوجی دستہ میں اس بات پر اختلاف تھا کہ گرفتاری سے قبل ان لوگوں نے اذان دی تھی یا نہیں۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، تو حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ رات چونکہ سرد تھی۔ اس لیے حضرت

---

[1] امّ زمل کا نام سلمیٰ بنتِ مالک بن حذیفہ تھا، یہ امِ قرفہ کی بیٹی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قتل کر دی گئی تھی۔ امّ قرفہ عیینہ بن حصن فزاری کی چچی تھی اور اپنی قوم بنی فزارہ میں بڑی عزت اور شان کی مالک تھی، اس کے قتل کے بعد اس کی بیٹی امِ زمل لونڈی بن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حصہ میں آئی۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا، چنانچہ اپنے قبیلہ میں واپس جا کر امّ زمل نے اپنی ماں کی جگہ سنبھال لی اور طلیحہ پر مرتدین کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے

خالدؓ نے منادی کرائی کہ "اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ" اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور اسے قتل کا اشارہ سمجھ کر مسلمان نے قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ حضرت خالدؓ شور سن کر خیمہ سے باہر آئے۔ لیکن اس وقت تک مالک بن نویرہ سمیت تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔

مالک بن نویرہ کا قتل جائز تھا یا نہیں، مؤرخین کے نزدیک یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس پر البتہ اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے طلب کرنے پر جب حضرت خالدؓ مدینہ پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کا عذر قبول فرما لیا اور بیت المال سے مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کر دیا، تاہم مالک کی بیوہ سے حضرت خالدؓ کی شادی کو پسند نہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اُسے طلاق دے دیں۔ [1]

مسیلمہ کذّاب کی پامالی جنگ یمامہ ۱۱ھ

دیگر قبائل کی طرح بنو حنیفہ کا ایک وفد بھی رسُول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا تھا اس وفد میں مسیلمہ بن حبیب بھی تھا۔ جب بنو حنیفہ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور مسجع اور مقفیٰ عبارتیں بنا کر اپنے قبیلہ کے سامنے بطور وحی پیش کیں جس کے باعث بنو حنیفہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد مسیلمہ کا فتنہ اور زور پکڑ گیا۔ اس فتنے کو بھڑکانے میں زیادہ حصّہ نہار الرجال بن عنفوا کا تھا۔ اس شخص نے ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگرانی میں اپنی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب اہل یمامہ مدینہ آئے تو حضورؐ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیئے اسے ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر یہ مسیلمہ سے مل گیا جس کے باعث لوگوں کو مسیلمہ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اس طرح نہار الرجال کی امداد و اعانت سے ایک زبردست فتنہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مُرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوّت کے فتنوں کے استیصال کے لیے جو گیارہ علم تیار کیے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کے سپرد فرما کر انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ مُسیلمہ کذّاب کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو جائیں، اُن کے پیچھے حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو کمک دے کر بھیجا۔ حضرت عکرمہؓ نے اس خیال سے کہ مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی کا فخر صرف انہی کے حصّہ میں آئے۔ حضرت شرحبیلؓ کے پہنچنے سے قبل ہی بنو حنیفہ پر حملہ کر دیا، لیکن ہزیمت اٹھائی۔ اس شکست کی خبر جب خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پہنچی، تو آپ نے حضرت عکرمہؓ کو لکھا "تم خود تو استاد نہیں مگر شاگردی کو عیب جانتے ہو، شرحبیلؓ کے پہنچنے سے پہلے حملہ کیوں کیا، اب تم مدینہ کا رُخ نہ کرنا بلکہ حذیفہ اور عرفجہ کے پاس چلے جاؤ اور ان کی ماتحتی میں مہرہ اور اہل عمان سے لڑو۔" [2]

حضرت خالدؓ ان دنوں مالک بن نویرہ کے قتل کی جواب دہی کے سلسلے میں مدینہ میں تھے کہ حضرت عکرمہؓ کی ہزیمت کی خبر دربار خلافت میں پہنچی، چنانچہ حضرت اُبو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو اسی وقت مسیلمہ کذّاب کی طرف روانہ کیا۔

حضرت خالدؓ روانگی کا حکم ملتے ہی یمامہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت بنو حنیفہ کا بہت زور شور تھا۔ مؤرخین کے مطابق چالیس ہزار جنگ آور یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت شرحبیلؓ نے بھی عجلت کر کے حضرت عکرمہؓ کی طرح لڑائی شروع کر دی

---

[1] خالدؓ سیف اللہ — از ابو زید شبلی [2] تاریخ ابن خلدون حصّہ اوّل

اور ناکامی کے آثار نمایاں تھے کہ خوش قسمتی سے حضرت خالدؓ پہنچ گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سلیطؓ کی زیر کمان ایک اور گروہ حضرت خالدؓ کی امداد کے لئے بھیج دیا۔

مسیلمہ کذاب تک پہنچنے میں ابھی ایک روز کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے حضرت شرحبیلؓ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کرکے آگے بڑھنے کو کہا اتفاق سے رات کے وقت اُن کی مڈبھیڑ مجاعہ سے ہوگئی جو چالیس یا ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ بلاد بن عامر و تمیم کی طرف شب خون مارنے گیا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرکے مجاعہ بن مرارہ کے علاوہ سب کو خاک و خون میں لوٹا دیا۔

مسیلمہ کو حضرت خالدؓ کی آمد کا حال معلوم ہُوا تو چالیس ہزار کی عظیم الشان جمعیت کے ساتھ عقربا کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ حضرت خالدؓ بھی تیرہ ہزار فوج کے ساتھ وہیں پہنچ گئے اور ایک خونریز جنگ کی ابتداء ہوئی۔ دونوں طرف سے لڑنے والے ایک دوسرے پر اس شدت کے ساتھ ٹوٹے پڑتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی لڑائی فریقین کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والی ہے، پہلے حملہ میں بنو حنیفہ لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کے اس خیمہ تک پہنچ گئے، جہاں مجاعہ قید تھا۔ اس کے بعد لشکرِ اسلام اللہ اکبر کہتا ہُوا بنی حنیفہ پر اس زور سے حملہ آور ہُوا کہ بنی حنیفہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ نکلے، محکم بن طفیل نے جو لشکر مسلیمہ کے میسرہ پر تھا) بنو حنیفہ کو پکار کر کہا کہ حدیقہ[1] میں چلے جاؤ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہ سن کر بنو حنیفہ تو باغ میں گھسنا شروع کر دیا۔ مگر ابن طفیل جس نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے ہاتھ سے قتل ہوگیا، باغ کے اندر پہنچ کر مسلیمہ کے لشکر نے دروازہ بند کر لیا مگر مسلمان حضرت براء بن مالکؓ کی کوششوں سے دروازہ توڑ کر گھسنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر قیامت خیز لڑائی شروع ہوگئی، اس افراتفری کے عالم میں لوگوں نے مسیلمہ سے پوچھا "تیرا وہ وعدہ کہاں ہے۔ جو تیرا خدا تجھ سے کرتا تھا" مسیلمہ نے جواب دیا "ہر شخص اپنے اہل و عیال کے لئے لڑے یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے" مسیلمہ نے جب اپنی نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جمعیت کو ساتھ لے کر لڑتا ہوا باغ سے باہر نکلا، جونہی باہر آیا حضرت وحشیؓ نے تاک کر ایسا وار کیا کہ وہیں ڈھیر ہوگیا اس کے ساتھ ہی بنو حنیفہ کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے چاروں طرف سے گھیر کر انہیں قتل کرنا شروع کیا اور ان کی لاشوں سے سارا باغ پٹ گیا

اس دن لڑائی میں بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی کھیت رہے۔ مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں کثرت سے حافظ قرآن تھے مسیلمہ کذاب کے قاتل حضرت وحشیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس حربے سے میں نے خیر الناس (یعنی حضرت امیر حمزہؓ) کو شہید کیا تھا اُسی حربے سے شر الناس (مسیلمہ کذاب) کو قتل کیا۔

مُرتدین کی سرکوبی

مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ منکرین زکوٰۃ اور مُرتدین کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے بنو اسد و غطفان سے برسرپیکار ہوئے ان میں سے کچھ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار، جو باقی بچے وہ تائب ہوگئے ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر معرکے ہوئے، ان سب میں حضرت خالدؓ پیش پیش تھے علامہ طبری فرماتے ہیں

"ارتداد میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ خالدؓ بن ولید کا کارنامہ ہیں"

عراق پر فوج کشی کے اسباب : ۱۱ھ میں جب جزیرۃ العرب میں حالات پُرسکون ہوگئے اور مُرتدین کا فتنہ فرو ہوگیا

---

[1] مورخین کے مطابق شہر یمامہ کے دروازہ پر ایک باغ تھا جس کو حدیقۃ الرحمٰن کہتے تھے مسیلمہ نے اپنا خیمہ اسی باغ میں نصب کیا تھا۔ ملے تاریخ ابن خلدون حصہ اول ملے تاریخ الخلفاء سیوطی

تو مسلمانوں نے اپنی توجہ عراق کی جانب مبذول کی.

جزیرہ عرب اس عہد کی دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں میں گھرا ہوا تھا ایران میں ساسانی اور شام میں رومی دونوں حکومتیں عربوں کی قدیم دشمن تھیں اور ہمیشہ ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں۔

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تو ان دونوں سلطنتوں کے لئے عرب کا سوال اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا. چنانچہ اپنے بغض و حسد کا اظہار اگر ایرانی حکومت نے آنحضرت صلعم کا نامۂ مبارک چاک کر کے کیا تو دوسری طرف رومی حکومت کے ایک حاکم شرجیل بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو قتل کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دیا اور پھر جب آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا تو ان سلطنتوں نے اس موقع کو اپنے لئے بے حد غنیمت جانا چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں

خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیقؓ ان دونوں حکومتوں کے عزائم سے اچھی طرح باخبر تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے گیارہ لشکروں کو روانہ کرتے وقت ایک بہادر اور تجربہ کار شخص مثنیٰ بن حارثہ کو عراق کی جانب روانہ فرمایا تھا تاہم ان کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ فی الحال چھاپے مار کر عراقی رئیسوں کو ڈراتے رہیں تاکہ وہ عرب کے اندرونی حالات میں فوجی مداخلت نہ کر سکیں.

بہرکیف جب فتنۂ ارتداد ختم ہو گیا تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے حضرت صدیق اکبرؓ کو مدد کے لئے لکھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی نگاہ میں سوادِ عراق کو فتح کرنے اور شاہانِ کسریٰ کی سلطنت کو ختم کرنے جیسے عظیم الشان کام کے لئے حضرت خالد سے زیادہ کوئی موزوں نہ تھا چنانچہ آپ نے حضرت خالدؓ کو ان کی امداد پر مامور کیا اور شرفِ امارت بھی عطا کیا.

جنگ اُبلہ

اس وقت حضرت خالدؓ مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فارغ ہو کر وادئ الوبر میں مقیم دربارِ خلافت سے مزید احکام کے منتظر تھے چنانچہ حکم ملتے ہی عراق کی جانب بڑھے اور مقام نباج میں مثنیٰ سے مل گئے پھر بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے اُبلہ پہنچے یہ مقام جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا اور عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط یہاں آکر ملتے تھے، بہرکیف اُبلہ کے حاکم ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ملی تو دربارِ ایران میں اُردشیر کو اس امر کی اطلاع دے کر خود مقابلہ کے لئے بڑھا کاظمہ میں فریقین کا مقابلہ ہوا ایرانیوں نے میدانِ جنگ سے فرار ناممکن بنانے کے لئے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ لیا تھا لیکن اسلامی فوج کی شجاعت نے اس زنجیر آہن کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ایرانیوں نے فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

جنگ مذار

کسریٰ اردشیر نے ہرمز کا خط ملتے ہی ایک لشکر گراں قارن بن قریانس کی ماتحتی میں ہرمز کی امداد کے لئے بھیجا یہ لشکر جب مذار کے مقام پر پہنچا تو اُسے ہرمز کی شکست اور قتل کی اطلاع ملی چنانچہ قارن اسی مقام پر ٹھہر گیا اسی اثنا میں ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی قارن کے لشکر سے مل گئی قارن نے نہر ثنیٰ کے کنارے صف بندی کی اور اُردشیر کے بیٹے قباذ اور انُوشجان کو جو جنگ اُبلہ سے بچ کر نکل آئے تھے میسرہ اور میمنہ پر مقرر کیا حضرت خالد کو جب ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ مذار پہنچے اور ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش دی، جنگ میں قارن، قباذ، انُوشجان اور دیگر بڑے بڑے افسروں کے علاوہ تیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے۔

جنگِ ولجہ[1] : جنگ مذار میں ایرانیوں کی حسرت ناک شکست کی خبر جب پایۂ تخت میں پہنچی تو اُردشیر کو نہایت رنج ہوا اُس نے

[1] ولجہ کا شہر کسکر کے اس علاقہ میں واقع ہے جو صحرا سے ملحق ہے، یہ جنگ ماہ صفر ۱۲ھ میں ہوئی۔

ایران کے ممتاز بہادروں اندرزغر اور بہمن جادویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا دونوں مختلف راستوں سے بڑھے اور حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عربوں کو اپنے ساتھ لیتے ہوئے ولجہ کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔

حضرت خالدؓ ابھی مذار کے مقام پر ہی تھے کہ آپ کو اس عظیم اجتماع کی خبر ملی، چنانچہ آپ نے سوید بن مقرن کو ضروری ہدایات دے کر اپنے پیچھے چھوڑا اور خود مقابلہ کے لئے بڑھے، ایرانیوں کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب میں چھپا دی اور خود آگے بڑھ کر صف آرا ہوئے ایرانی پہلے سے تیار تھے۔ چنانچہ فریقین میں نہایت ہولناک جنگ شروع ہو گئی اور دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ جب حضرت خالد نے دیکھا کہ ایرانی فوج میں تھکاوٹ کے آثار پیدا ہو رہے ہیں تو آپ نے اس فوج کو جو کمین گاہوں میں چھپی ہوئی تھی میدانِ جنگ میں پہنچ جانے کا حکم دیا مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے، ایرانی اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے، مسلمانوں نے ہر طرف سے گھیر کر انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اس طرح بے شمار ایرانی مارے گئے، ایرانی سپہ سالار اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا مگر کچھ دور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا۔ جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہ کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی[1]

جنگ الیس

ولجہ کی جنگ میں عربی النسل عیسائی بھی جنہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا مارے گئے تھے، اس لئے تمام عیسائی قبائل اس کا انتقام لینے کے لئے بہمن جادویہ سے جو الیس میں پڑا ہوا تھا جا کر مل گئے حضرت خالدؓ ولجہ کی فتح کے بعد الیس پہنچے اور جاتے ہی جنگ چھیڑ دی، دیر تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا نتیجۃً حضرت خالدؓ نے ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دی۔

فتحِ امغیشیا

اس کے بعد حضرت خالدؓ امغیشیا کی طرف بڑھے مگر یہاں کے باشندے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے اس لئے جنگ کی نوبت نہ آئی تاہم حضرت خالدؓ نے ان تمام بستیوں کو جو اس کے اردگرد تھیں، مسمار کرنے کا حکم دیا امغیشیا کا شہر حیرہ کا ہم پلہ تھا اور الیس کے قریب واقع تھا اس شہر سے مسلمانوں کو اس کثرت سے مالِ غنیمت ملا کہ ہر سوار کو پندرہ سو درہم ملے جب مالِ غنیمت کا خمس فتح کی خوشخبری اور حضرت خالدؓ کے عظیم الشان کارناموں کی خبر حضرت ابوبکرؓ کو پہنچی تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور آپ نے فرمایا

"اے معشر قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا اور اس کے بھٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کر لیا اب عورتیں خالدؓ جیسا بہادر پیدا کرنے سے قاصر ہیں[2]

خلیفۃ الرسول کے اس قول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرت خالدؓ سیف اللہ کی دل سے قدر کرتے اور ان کو اپنے فن میں یگانۂ روزگار سمجھتے تھے۔

حیرہ کی فتح

امغیشیا کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ حیرہ کی طرف بڑھے، امغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات تھی، حیرہ کے حاکم ازاذبہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے کو مسلمانوں کے روکنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا ابن ازاذبہ نے نہر فرات کا بند باندھ دیا جس سے مسلمانوں کی کشتیاں رک گئیں مسلمان کشتیوں سے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ابن ازاذبہ کو فرات کے دہانہ پر جا لیا، مقابلہ میں ابن ازاذبہ مارا گیا اور فوج تباہ ہوئی

---

[1] سیر الصحابہ مہاجرین حصّہ دوم۔ [2] خالد سیف اللہ از ابو زید شبلی۔

اس کے بعد فرات کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ازاذبہ حیرہ چھوڑ چکا تھا۔ اہلِ شہر نے دروازے بند کر لئے۔ حضرت خالدؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا جو ایک عرصہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں صلح کی گفت و شنید شروع ہوئی مگر جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ایرانیوں نے قلعہ کے اوپر سے سنگباری شروع کر دی۔ جواب میں مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر اس شدت سے تیر برسائے کہ قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی ہو گئیں۔ آخر ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ حضرت خالدؓ نے ایک صلح نامہ لکھ کر حوالہ کیا کہ :۔

"اہلِ حیرہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی اور اگر وہ بد عہدی کریں تو ہم بری الذّمہ ہیں۔"[1]

مسلمانوں کی ان فتوحات اور حضرت خالدؓ کے حُسنِ سلوک سے متاثر ہو کر حیرہ کے اطراف کے کاشت کاروں اور دیہی آبادی نے بھی بیس ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ اور ملحقات حیرہ کی کامل تسخیر کے بعد حضرت ضرار بن ازور، ضرار بن خطاب، قعقاع بن عمرو، مثنیٰ بن حارثہ اور عتبہ بن شماس افسرانِ سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حسب الحکم ساحل تک بڑھتے چلے گئے[2] اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

نمازِ فتح

مؤرخین کے مطابق حیرہ فتح کر چکنے کے بعد حضرت خالدؓ نے آٹھ رکعت نمازِ فتح ادا فرمائی جس کے درمیان سلام نہیں پھیرا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ میرا اہلِ فارس جیسی کسی اور بہادر قوم سے مقابلہ نہیں ہوا اور ان میں اہلِ الیس زیادہ بہادر تھے۔

حضرت خالدؓ تقریباً ایک سال تک حیرہ میں مقیم رہے اور اس دوران میں سرحدوں کی حفاظت اور خراج کی وصولی کے لئے عہدہ دار مقرر کرنے کا کام انجام دیتے رہے۔[3]

جنگِ انبار

اس دوران میں اردشیر مر گیا۔ اس کی موت کے بعد اگرچہ ایرانیوں میں اندرونی اختلاف بڑھ گئے تھے تاہم مسلمانوں کے مقابلہ میں پوری قوم متحد تھی اور انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فرخزاد بن بندوان کو (جو شاہی خاندان سے نہ تھا) عنانِ حکومت سپرد کر دی تھی۔ اس وقت ایرانی فوجیں شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں۔ حضرت خالد جنوبی عراق کی حفاظت کے لئے قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر خود انبار کی طرف بڑھے، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے چنانچہ آپ نے محاصرہ کر کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ ایرانی چونکہ خندق کے اس پار سے تیر برسا رہے تھے اس لئے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا۔ حضرت خالدؓ نے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگایا پھر فوجوں کو حکم دیا کہ آنکھوں کو تاک تاک کر تیر مارو۔ اس تدبیر سے مسلمانوں نے ہزاروں آنکھیں بیکار کر دیں۔ اس سے ایرانی گھبرا گئے اور حضرت خالدؓ نے خندق پٹوا کر فوجیں پار اتار دیں۔ ایرانی جو پہلے ہی تیر بازی سے گھبرائے ہوئے تھے مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ بلا تأمل سپر ڈال کر صلح کر لی۔

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین ندوی [2] سیر الصحابہ بذ مہاجرین حصہ دوم۔

[3] سیرت صدیق اکبر از علامہ محمد رضا مصری

معرکۂ عین التمر

حضرت خالدؓ ابھی انبار کی مہم میں مصروف تھے کہ بہرام چوبین کا لڑکا مہران تازہ دم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا عربی قبائل میں نمر، تغلب اور ایاد وغیرہ بھی عقہ بن عقہ کی ماتحتی میں اس کے ساتھ تھے، مہران بڑا متعصب تھا عرب قبائل نے اگرچہ اس کا ساتھ دیا تھا تاہم اس نے قومی عصبیت میں ان قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا کر ایرانی سپاہ کو قلعوں میں محفوظ کر دیا بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے، مہران نے جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انہی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹوانا چاہیئے۔

حضرت خالدؓ انبار کی تسخیر سے فارغ ہو کر عین التمر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ کرخ کے مقام پر عقہ بن عقہ سے مڈبھیڑ ہو گئی آپ نے عقہ کو گرفتار کر لیا، اپنے سردار کی گرفتاری کے بعد عرب قبائل نے میدان چھوڑ دیا جو باقی بچے وہ گرفتار ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے قوم فروشی کے جرم میں عقہ اور اس کے ساتھیوں کی گردنیں اڑا دیں مہران کو جب عربوں کی حالت کی خبر ہوئی تو قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا، لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچے تو اس کی ہمت بندھی اور قلعہ بند ہو گیا۔ حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو ایرانیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی، جسے حضرت خالدؓ نے مسترد کر دیا اور قلعہ پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا تاہم آپ نے پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمولی خراج کے سوا ذمیوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔[۱]

معرکۂ دومۃ الجندل

عراق و شام کی سرحد پر واقع دومۃ الجندل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے عربی عیسائی قبائل مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ غزوہ تبوک (ربیع الاول ۹ھ) اسی سلسلہ میں ہوا تھا اس غزوہ میں حضرت خالدؓ بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے اور انہوں نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر کے مطیع بھی بنایا تھا، چونکہ ان سازشوں کا سلسلہ اب تک جاری تھا اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو ان کے تدارک کے لئے مامور فرمایا۔ لیکن یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی، اس لئے حضرت عیاضؓ نے حضرت خالدؓ کو جو ان کے قریب ہی موجود تھے، مدد کے لئے لکھا، اب تک حضرت خالد عین التمر کی جنگ سے فارغ ہو چکے تھے چنانچہ آپ عراق کی مہم چھوڑ کر ان کی مدد کو چلے آئے۔

دومۃ الجندل کے دو حاکم تھے، اکیدر اور جودی، اکیدر کو ایک مرتبہ حضرت خالد کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اس نے جودی کو جنگ سے روکا، مگر جب وہ نہ مانا تو اکیدر اس کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا اس لئے گرفتار کرا کے قتل کرا دیا گیا، حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے دو سمتوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا جودی نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر مارا گیا حضرت خالدؓ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا، اگر مسلمان چاہتے تو دشمن کا ایک آدمی بھی نہ بچ سکتا۔ لیکن حضرت عاصمؓ نے بنو کلب کو پناہ دے دی اور باقی قبائل قتل کر دیئے گئے۔[۲]

حصید کی تسخیر

حضرت خالدؓ دومۃ الجندل میں تھے کہ اہل فارس نے موقع غنیمت جان کر حیرہ واپس لینے کی کوشش کی حیرہ کے عربوں نے بھی عقہ بن عقہ کے قتل سے برہم ہو کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا چنانچہ دو نامی سپہ سالار زرمہر اور روزبہ، انبار کی طرف بڑھتے ہوئے حصید اور خنافس تک پہنچ گئے حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے جنہیں حیرہ میں حضرت خالدؓ نے نائب مقرر کیا تھا یہ خبر سن کر دو فوجیں حیرہ سے اہل فارس کے مقابلہ پر روانہ کیں یہ دونوں لشکر ایسے مقام پر ٹھہرے کہ حصید اور خنافس کا ریف سے تعلق منقطع ہو گیا۔ اور دشمن کے راستے مسدود ہو گئے۔

---

[۲] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین ندوی۔ [۱] سیر الصحابہ۔ مہاجرین حصہ دوم

اسی اثنا میں حضرت خالدؓ مدائن پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے براستہ حیرہ واپس آ رہے تھے کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت قعقاعؓ بن عمرو اور حضرت ابو لیلیٰؓ اہل فارس سے بھڑ گئے اور ایک شدید جنگ کے بعد فتح حاصل کر لی[1] اس معرکہ میں عجمیوں کے لشکر کا دو تہائی حصہ جس میں زرمہر اور روزبہ بھی شامل تھے تہ تیغ ہوا باقی ایک حصہ خنافس کی طرف بھاگ گیا جہاں اس کا ایک مشہور و نامور شہسوار بہبوذان لشکر لئے ٹھہرا ہوا تھا حضرت ابو لیلیٰؓ نے ان کا تعاقب کیا لیکن بہبوذان اس شکست خوردہ گروہ کے ساتھ خنافس سے نکل کر مصیخ کی طرف بھاگا مصیخ میں ہذیل بن عمران اور ربیعہ بن بجیر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اہل حصید کی امداد کے لئے موجود تھے۔

فتح مصیخ

حضرت خالدؓ نے یہ واقعات سن کر حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابو لیلیٰؓ کو ایک معین شب اور وقت پر مصیخ کے قریب جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی وہاں پہنچ گئے، حضرت خالدؓ نے ہذیل اور اس کے ساتھیوں پر رات کے وقت تین اطراف سے حملہ کر دیا ایرانی فوج بے خبر پڑی سو رہی تھی کہ اس اچانک حملہ سے دہشت زدہ ہو گئی مسلمانوں نے تقریباً تمام فوج کو تہ تیغ کر دیا صرف ہذیل معہ اپنے چند ساتھیوں کے بھاگ جانے میں کامیاب ہوا اس معرکہ میں چونکہ عبدالعزیز بن ابی رہم اور لبید بن جریر بھی، جو مسلمان ہو چکے تھے، ہذیل کے ساتھیوں کے ساتھ قتل ہو گئے تھے اس لئے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ان کا خون بہا ادا کیا اور ان کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت عمر فاروق اعظمؓ مالک بن نویرہ اور مذکورہ دونوں اصحاب کے قتل کی وجہ سے حضرت خالدؓ سے کبیدہ خاطر تھے، لیکن ابوبکر صدیقؓ اکثر فرمایا کرتے:۔

"مسلمان، دشمن کی سرزمین میں دشمن کے ساتھ قیام پذیر ہوں گے ان کے ساتھ ایسی صورت کا پیش آنا ممکن ہے"[2]

جنگ ثنی اور بشر

مصیخ سے فرار ہو کر ہذیل، عتاب بن اسید کے پاس بشر جا پہنچا حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابو لیلیٰؓ کو دو مختلف راستوں سے ثنی اور بشر روانہ فرمایا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی بدستور فوجیں لئے پڑا تھا ان دونوں کے پیچھے حضرت خالدؓ خود ایک جداگانہ راستہ سے روانہ ہوئے، اس حملہ کا پروگرام بھی ویسا ہی بنایا گیا جیسا جنگ مصیخ کے موقع پر بنایا تھا حضرت خالدؓ نے ثنی سے اپنی مہم کا آغاز کیا اور اپنے ساتھیوں سے مل کر رات کے وقت تین اطراف سے ربیعہ کے لشکر پر حملہ کر دیا یہ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ دشمنان خدا اپنے آپ کو سنبھال بھی نہ سکے تمام مرد قتل ہوئے اور عورتیں گرفتار کر لی گئیں، حضرت خالدؓ نے نعمان بن عوف شیبانی کے ہاتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں خمس روانہ کیا، باقی مال غنیمت اور عورتیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں انہی عورتوں میں سے حضرت علیؓ نے ربیعہ بن بجیر کی لڑکی کو خریدا تھا جس کے بطن سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے[2]

ثنی کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نہایت تیزی کے ساتھ بشر میں عتاب بن اسید کے سر پر جا پہنچے جہاں ہذیل نے پناہ لے رکھی تھی، حضرت خالد نے یہاں بھی رات کے وقت تین جانب سے حملہ کیا اور گھیر کر ایک ایک کو قتل کر ڈالا صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ رضاب کی طرف بڑھے جہاں عقہ کا لڑکا ہلال مسلمانوں کا منتظر تھا مگر حضرت خالدؓ کے پہنچنے سے قبل ہی وہ معہ اپنے ہمراہیوں کے بھاگ گیا، اس لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل [2] خالد سیف اللہ مؤلفہ ابو زید شبلی

[3] تاریخ طبری حصّہ سوم

جنگ فراض

حضرت خالدؓ رضاب سے فراض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے تھے اور انہوں نے اپنے قریب کی ایرانی چوکیوں سے مدد مانگی، ایرانی خوشی سے تیار ہو گئے، ان کے ساتھ عربی قبائل تغلب، ایاد اور نمر وغیرہ بھی جو مسلمانوں کی حمایت پر کمربستہ ہوئے، چنانچہ تینوں کی متحدہ فوجیں فراض میں جمع ہوئیں، مسلمانوں کا مقابلہ چونکہ اس متحدہ طاقت سے تھا، اس لئے حضرت خالدؓ کو خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچ کر بسرِ نو فوجیں مرتب کیں۔ فریقین کے درمیان فرات حائل تھا۔ اتحادی لشکر نے حضرت خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ یا تم دریا عبور کرکے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو۔ حضرت خالدؓ نے انہیں بڑھنے کا موقع دیا، چنانچہ اتحادی لشکر کے دریا عبور کرتے ہی لبِ ساحل معرکہ شروع ہو گیا، مسلمان جوشِ جہاد میں اس پامردی سے لڑے کہ ایرانیوں، رومیوں اور عرب قبائل کی متحدہ فوجیں پسپا ہونے لگیں، چونکہ ان کے عقب میں دریا اور سامنے مسلمان تھے اس لئے انہیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور مسلمانوں کے پے در پے حملوں سے قریب قریب کل فوجیں برباد ہو گئیں۔

حضرت خالدؓ کا خفیہ حج

مسلمان فتح کے بعد دس دن تک فراض میں مقیم رہے پھر انہیں واپس حیرہ لوٹ جانے کا حکم دے کر حضرت خالدؓ خود خفیہ طور پر حج کو چلے گئے۔ مورخین کے مطابق آپ پچیس ذیقعد ۱۲ھ کو اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے آپ کے ساتھ کوئی رہبر نہ تھا تاہم نہایت کٹھن اور دشوار گزار راستے طے کرتے ہوئے بعجلت مکہ پہنچے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد اس سرعت سے واپس آئے کہ ابھی فوج کا پچھلا حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا چنانچہ آپ فوج کے ساتھ سے مل کر اس کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اگرچہ ان چند لوگوں کے سوا جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور کسی شخص کو آپ کے حج کی خبر نہ تھی پھر بھی یہ اطلاع حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچ گئی، خلیفۃ الرسولؐ نے حضرت خالدؓ کے اس فعل کو نامناسب خیال کیا اور ان پر عتاب فرمایا۔

اسی زمانہ میں ان امراء نے جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کی جانب بھیجا تھا اپنے لئے مدد کی درخواست کی، اس پر صدیق اکبرؓ نے رومیوں کی طرف بھی اس خدائی تلوار کو بھیجنا مناسب خیال فرمایا جس نے شاہانِ کسریٰ کے تخت کو ہلا ڈالا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت خالدؓ کو ذیل کا فرمان بھیجا:۔

> "تم یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں سے مل جاؤ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے ہیں، یہ حرکت (خفیہ حج) جو تم نے اب کی ہے آئندہ تم سے کبھی سرزد نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف بچا لاتے ہو، اے ابوسلیمان! میں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں پس اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تمہارے دل میں غرور پیدا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ غرور کا انجام نقصان اور رسوائی ہے اپنے کسی فعل پر نازاں بھی نہ ہونا، فضل و کرم کرنے والا صرف اللہ ہے اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے"

حضرت خالدؓ اب قادسیہ کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ آپ کو یہ فرمان ملا، آپ نے حضرت ابوبکرؓ کا حکم پڑھ کر فرمایا "خدا اور خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم سب سے افضل ہے" چنانچہ آپ مثنیٰ کو عراق میں چھوڑ کر شام روانہ ہو گئے اور سردست عراق کی مہم رک گئی، حضرت خالدؓ محرم ۱۲ھ سے صفر ۱۳ھ تک کل ایک سال دو ماہ عراق میں رہے اور اس قلیل عرصہ میں اپنی بے مثال شجاعت اور تدبر سے اس ملک

---

[1] خالدؓ سیف اللہ، از ابوزید شبلی

پر مکمل قبضہ کر لیا۔

فتوحاتِ شام

اوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے جن کی بناء پر مسلمانوں کا ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگزیر امر تھا اس لئے عراق کیساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی اور ہر ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، حضرت خالدؓ عراق کی مہم سے تقریباً فارغ ہو چکے تھے کہ دربار خلافت سے مندرجہ بالا فرمان پہنچا چنانچہ آپ عراق سے روانہ ہو کر راستہ میں حدر، ارک، تدمر، سوئی، حوارین اور مرج راہط وغیرہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے اور پہلے بصریٰ کی طرف بڑھے۔

جنگ بصریٰ

اسلامی فوجیں حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کی ماتحتی میں یہاں پہلے سے حضرت خالدؓ کی منتظر تھیں، حضرت خالدؓ نے بصریٰ پہنچتے ہی یہاں کے بطریق پر حملہ کر کے اُسے پسپا کر دیا اور اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ دیں گے اور اس کے معاوضہ میں مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

اجنادین

اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے الگ الگ دستے بھیجے ہوئے تھے، تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں[1] ...ن کی مہم حضرت عمروؓ بن العاص کے متعلق تھی بصریٰ کے بعد رومی سپہ سالار تذارق اور قبقلار نے اپنی فوجوں کو اجنادین میں حضرت عمروؓ بن العاص کے مقابلہ پر جمع کیا حضرت خالدؓ بصریٰ سے فارغ ہو کر حضرت عمروؓ بن العاص کی امداد کو پہنچے، اجنادین میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، رومی لشکر کو شکست فاش ہوئی لڑائی میں تذارق اور قبقلار کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار آدمی کھیت رہے۔

فتح دمشق

حضرت خالدؓ اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق کی طرف بڑھے اور امیر فوج حضرت ابو عبیدہؓ سے مل کر شہر کا محاصرہ کر لیا اس شہر کی شہرت چونکہ تمام عرب میں تھی اس لئے حضرت خالدؓ نے اس کے محاصرہ کا خاص اہتمام کیا اور دمشق کو کم سے کم سامان سے جلد از جلد فتح کرنے کے لئے لشکرِ اسلام کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف دروازوں پر متعین کیا چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ باب توما پر، حضرت شرجیل بن حسنہؓ باب الفرادیس پر، حضرت ابو عبیدہؓ باب جابیہ پر اور خود حضرت خالدؓ پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب شرقی پر اترے۔ یہ محاصرہ کامل تین ماہ تک جاری رہا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا محاصرہ ابھی جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ ختم ہو گیا اور اس کی فتح حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عمل میں آئی۔

مؤرخین کے مطابق فتح کی تفصیل یہ ہے کہ محاصرہ کے دوران میں دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا، اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پئیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی، حضرت خالدؓ دوران جنگ اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی اطلاع ہوئی تو آپ کمند لگا کر معہ چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دئیے، باہر فوج انتظار میں تھی چنانچہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئی، اہل شہر جو ابھی تک غافل سو رہے تھے۔ اس ناگہانی حملے سے گھبرا گئے اور حضرت ابو عبیدہؓ سے جو دوسری سمت متعین تھے صلح کی درخواست کی، انہیں چونکہ اس صورتِ حال کا علم نہ تھا اس لئے درخواست قبول کر لی، ایک طرف سے حضرت خالدؓ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے حضرت ابو عبیدہؓ مصالحانہ، دونوں کی ملاقات وسط شہر میں ہوئی اگرچہ نصف شہر بزور شمشیر فتح ہوا تھا تاہم دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اس لئے نہ مالِ غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔

---

[1] الفاروق حصہ اول [illegible] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین [illegible]

معرکۂ فحل

دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا تھا، چنانچہ وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزمائی پر آمادہ ہوئے، دمشق پر قبضہ کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اُردن کا رُخ کیا تھا اس لئے رومیوں نے اُردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں اور مسلمانوں نے اُن کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے مسلمانوں کے اچانک حملہ کے ڈر سے آس پاس کی نہروں کے بند توڑ دئے جس کے باعث فحل اور بیسان کے درمیان کا علاقہ زیرِ آب آگیا اور تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا چنانچہ عیسائیوں نے مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر مصالحت کی کوشش کی، مگر مفاہمت نہ ہو سکی اور ذیقعدہ ۱۳ھ میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ اسلامی لشکر کا مقدمۃ الجیش حضرت خالدؓ کی کمان میں تھا، عیسائیوں نے کئی خونریز معرکوں کے بعد بُری طرح شکست کھائی اور اُردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی اور عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک، زمین، گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کر دی گئیں [۱]

دمشق کا دوسرا معرکہ

دمشق اور اُردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے اس لئے حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالد حمص کی طرف بڑھے، یہ مقام یوحنا کے کنیسہ کی وجہ سے رومیوں کا اہم مرکز تھا، ہرقل شاہِ روم کو خبر ہوئی تو اُس نے توذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا، توذر دمشق کی مشرقی سمت مرج روم کے مقام پر خیمہ زن ہوا اور مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری جانب اُترے اسی اثنا میں رومیوں کی ایک اور فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی حضرت خالدؓ توذر کے مقابلہ کو بڑھے اور حضرت ابو عبیدہؓ شنس کے۔ توذر مقابلہ کرنے کی بجائے دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا، حضرت خالدؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے، دمشق میں حضرت یزیدؓ بن ابو سفیان موجود تھے، وہ توذر کی آمد کی خبر سُن کر اس کا راستہ روکنے کے لئے نکلے، دمشق کے باہر دونوں میں نہایت خونریز معرکہ ہوا، ابھی جنگ جاری تھی کہ پیچھے سے حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور رومی لشکر کو دونوں سمتوں سے گھیر کر اس درجہ پامال کیا کہ سوائے معدودے چند کے کوئی رومی زندہ نہ بچا، مقتولین میں رومی سپہ سالار توذر بھی تھا، جو حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا [۲]

حمص

ہرقل کو جب اپنی فوجوں کی اس پامالی کا حال معلوم ہوا تو حمص سے بھاگ گیا اور حمص میں اپنے عامل کو یہ ہدایت دے گیا کہ شدید سردی کے دنوں میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ سردی کی شدت سے حوصلہ ہار بیٹھیں اور جم کر مقابلہ نہ کر سکیں

حضرت ابو عبیدہؓ بعلبک سے حمص کی طرف بڑھے اور حضرت خالدؓ جو لقاع کی تسخیر کے لئے گئے ہوئے تھے، اسے فتح کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ سے حمص میں آن ملے، مسلمانوں نے حمص کا محاصرہ بڑی سختی سے کئے رکھا حتیٰ کہ سردی کا موسم گزر گیا اور رومیوں کی آخری امید بھی جاتی رہی، رومیوں نے نا امید ہو کر صلح کی درخواست کی جو مسلمانوں نے قبول کر لی اور شہر پر ان کا قبضہ ہو گیا [۳] اسی محاصرہ کے دوران میں حضرت ابو عبیدہؓ نے اس پاس کے چھوٹے چھوٹے مقامات حماۃ۔ شیرز۔ معرۃ النعمان وغیرہ فتح کئے اور حمص کی تسخیر کے بعد لاذقیہ ایک خاص تدبیر سے زیرِ نگیں کر لیا۔

یرموک

رومیوں کی پے در پے شکستوں اور مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات سے بددل ہو کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کیا مگر جوق در جوق بیکس رومیوں کی فریاد سُن کر اسے غیرت آگئی چنانچہ اُس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں فرامین بھیج کر فوجوں کو اکٹھا کیا اور

---

[۱] فتوح البلدان، بلاذری [۲] سیر الصحابہؓ، مہاجرین حصہ دوم [۳] خالدؓ سیف اللہ، از ابو زید شبلی۔

اس طرح دو لاکھ سے زائد کا ٹڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اُمڈ آیا۔ رُومی فوج کے جوش کا یہ عالم تھا کہ خانقاہوں کے گوشہ نشین راہب اور قسیس بھی مذہب کا واسطہ دے کر رُومیوں کو جنگ پر اکسا رہے تھے۔ بہرکیف یہ پُرجوش لشکر، رومی سپہ سالار باہان کی سرکردگی میں یرموک کے میدان میں آکر خیمہ زن ہوا۔[1]

رُومیوں کی یہ تیاریاں دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے افسرانِ فوج سے مشورہ کیا۔ سب نے مختلف آرا پیش کیں، تاہم آخر یہ طے پایا کہ شام کے مختلف حصوں میں منتشر فوجوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے، چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا۔ مسلمان چونکہ اس وقت مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہ کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے جزیہ کی وہ رقم جو حقیقت میں مفتوحین کی حفاظت کا معاوضہ تھی انہیں واپس کر دی۔ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے عیسائی اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔

دمشق میں اجتماع کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے دربارِ خلافت کو ان نئے حالات سے مطلع کیا۔ رومیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر اہلِ مدینہ جوشِ جہاد سے لبریز ہو گئے اور ہر شخص سربکف میدانِ کارزار میں جانے کے لئے بے تاب ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے مناسب ہدایات کے ساتھ مزید کچھ امدادی فوج شام روانہ فرما دی۔ ادھر حضرت ابو عبیدہؓ نے کل اسلامی لشکر کو دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیا اور اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔

حضرت خالدؓ نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اسلامی لشکر کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی تاہم حضرت خالدؓ نے ان فوجوں کو از سرِ نو مرتب کیا اور اس کو جدید طرز پر چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے صف آرائی کی۔ پھر ایک پُرجوش تقریر کر کے مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا۔ اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ پر ہماری تعداد بہت کم ہے۔ حضرت خالدؓ یہ سن کر نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا فتح و شکست تعداد کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے۔ اگر میرے گھوڑے کے سُم درست ہوتے تو میں اس سے دوگنا تعداد کی پروا نہ کرتا۔[1]

ضروری انتظامات کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل اور حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو حملہ کا حکم دیا۔ رومی پہلے ہی جوش سے بھرے ہوئے تھے چنانچہ یرموک کے میدان میں ہنگامۂ کارزار گرم ہو گیا اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ عین اس حالت میں ایک عیسائی جس کا نام جرجہ (جارج) تھا، رومی فوج سے نکل کر اسلامی لشکر میں آیا اور حضرت خالدؓ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لئے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا "یقیناً" چنانچہ وہ میدانِ جنگ میں ہی مشرف بہ اسلام ہو کر مسلمانوں کی طرف سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔[2]

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ اسلامی لشکر نے غیر معمولی شجاعت، بہادری اور استقلال کا ثبوت دیا۔ انجام کار رُومیوں نے شکست فاش کھائی۔ مورخین کے مطابق اس جنگ میں ایک لاکھ یا ستر ہزار رومی سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا۔ اس شکست نے رُومیوں کی قوت کو اس حد تک ختم کر دیا کہ پھر ان کو اتنی بڑی تعداد فراہم نہ ہو سکی۔

فتح حاضر: یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو قنسرین کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہو گئے، راستے میں حاضر کے

---

[1] تاریخ طبری حصہ دوم [2] ایضاً

مقام پر حضرت خالدؓ کی مڈبھیڑ رومیوں کے ایک لشکر سے ہوگئی جس کا سردار میناس تھا، دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ نتیجۃً میناس اور اُس کی فوج کا اکثر حصہ میدانِ جنگ میں کام آیا اہلِ حاضر نے حضرت خالدؓ سے امان کی درخواست کی اور کہا ہمارا اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا اور ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی، اس لئے ہم کو امان دی جائے حضرت خالدؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور اُنہیں چھوڑ کر آگے بڑھے[1]

فتح قنسرین

حضرت خالدؓ حاضر سے قنسرین پہنچے، اہلِ قنسرین پہلے ہی سے قلعہ بند ہو کر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت خالدؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہلِ شہر کو کہلا بھیجا کہ اس طرح قلعہ بند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اور تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ گے تو اللہ یا ہمیں تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے پاس اُتار لائے گا[2] اہلِ قنسرین کو جب اطاعت کے علاوہ کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو انہوں نے صلح کی درخواست کی، حضرت خالدؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دئے جائیں، اہلِ قنسرین نے جان کے خوف سے مجبوراً اس شرط کو قبول کر لیا اور حضرت خالدؓ نے فصیل کو منہدم کرا دیا حاضر اور قنسرین میں حضرت خالدؓ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دئے انہیں سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"خالدؓ نے اپنے کارناموں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا ہے، اللہ ابوبکرؓ پر اپنی رحمت نازل کرے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے"[3]

بیت المقدس

قنسرین کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا، عیسائی اس شرط پر کہ معاہدۂ صلح خود امیر المؤمنینؓ اپنے ہاتھ سے لکھیں، بے جنگ بیت المقدس حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے صلحنامہ لکھنے کے لئے شام کا سفر اختیار فرمایا اور تمام افسرانِ فوج کو جابیہ میں طلب کیا، حضرت خالدؓ بھی جابیہ آئے ان کا دستہ دیبا و حریر میں ملبوس تھا حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑی تو گھوڑے سے اُترے اور انہیں کنکریاں مار کر فرمایا۔ "تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں" ان لوگوں نے قبا کا دامن اُٹھا کر اسلحہ دکھایا اور کہا "لیکن سپہ گری کا جوہر نہیں گیا ہے" فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں"

حمص کی بغاوت

۱۷ھ میں اہلِ حمص نے بغاوت کر کے حمص واپس لینے کی کوشش کی لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کی بروقت توجہ سے یہ بغاوت بہت جلد فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا مکمل تسلط ہو گیا[4]

حضرت خالدؓ کی معزولی

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالد کی معزولی کا ہے۔ عام طور پر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت خالدؓ کو معزول کر دیا تھا لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت خالدؓ خلافتِ فاروقی کے پانچ سال بعد ۱۷ھ میں معزول ہوئے۔

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کیا تھا اُسے حضرت عمرؓ نے عین محاذِ جنگ میں معزول کر دیا لیکن اس معاملہ کا اس سے بھی زیادہ اہم اور قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ اس سے جہاں حضرت عمرؓ کے سطوت و جلال کا پتہ چلتا ہے، وہاں اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے حضرت خالدؓ کی اطاعتِ امیر، نیک نفسی اور حق پرستی کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں، واقعی جو شخص بھرے مجمع میں معزولی کے حکم کو بخوشی قبول کر کے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کر سکتا ہے وہ مشکل سے مشکل وقت میں اپنی اسی صلاحیت کو بروئے کار لا کر ان مشکلات پر درجۂ احسن قابو بھی پا سکتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں

---

[1] سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم [2] خالد سیف اللہ از ابوزید شلبی [3] تاریخ طبری حصہ دوم

کہ رزمِ حق و باطل میں حضرت خالدؓ نے اپنے آہنی عزم سے باطل کی کمر توڑ کر رکھ دی مگر حلقۂ یاراں میں ریشم سے بھی زیادہ نرم ثابت ہوئے اور شکایت کا ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا گوارا نہ کیا۔

مؤرخین نے اگرچہ ان کی معزولی کے متعدد وجوہ بیان کئے ہیں تاہم ان میں سے قوی تر اور متفق علیہ یہ ہیں کہ حضرت خالدؓ اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے، اہلِ سیر کے مطابق خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ سے وہ فوجی مصارف کا حساب کتاب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اور اپنے مزاج کی تندی کے باعث ہر معاملہ میں خود رائی سے کام لیتے تھے، عراق کی پیش قدمی روکنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی اجازت کے بغیر وہ خفیہ حج کو چلے گئے، ان کا یہ طرزِ عمل حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ناگوار گزرا اور آپ نے تنبیہ کی، انہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا کرو مگر حضرت خالدؓ اپنی روش پر قائم رہے، چنانچہ حضرت عمرؓ اسی زمانہ سے ان سے برہم رہتے اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کی معزولی کا مشورہ دیتے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیتے ہوتے ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا جسے خدا نے بے نیام لیا ہے[1] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی حضرت خالدؓ نے اپنے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ کی، تاہم حضرت عمرؓ نے انہیں فوراً معزول نہ کیا بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، ایک دفعہ آپ نے انہیں تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو بکری بھی نہ دیں مگر حضرت خالدؓ نے کوئی اثر نہ لیا اور حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ میں (حضرت) ابوبکرؓ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا[1]

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار حضرت خالدؓ کی قوتِ بازو پر ہے جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے[2]

اور تیسری وجہ یہ کہ حضرت خالدؓ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے، جو دوسرے افسروں کے لئے نمونہ بن سکتے تھے ایک مؤرخ کے لفظوں میں:۔

"جب وہ (حضرت خالدؓ بن ولید) قنسرین واپس آئے تو اُن کے پاس بہت سا مالِ غنیمت جمع ہو گیا تھا اس لئے اِدھر اُدھر سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس پہنچے اور حضرت خالدؓ نے انہیں مایوس نہ ہونے دیا ان لوگوں میں اشعث بن قیس بھی تھا جسے حضرت خالدؓ نے دس ہزار درہم انعام میں دئے۔ اور حضرت خالدؓ کے ان انعامات کا چرچا عام ہو گیا جو انہوں نے شاعروں اور سورماؤں کو دئے تھے، خاص طور پر اشعث بن قیس کے انعام کی بڑی شہرت ہوئی اور اسے بنو غسان اور حیرہ کے بادشاہوں کی نظیر ٹھہرایا گیا[3]"

چنانچہ جب اس انعام کی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی تو آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھ بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا، اس لئے دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ اس موقع پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"خالدؓ جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے، قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمعِ عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا، خالدؓ اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ درگزر کی جائے لیکن وہ خطا کے

---

[1] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [2] تاریخ اسلام حصہ اوّل از شاہ معین الدین احمد ندوی [3] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

اقرار کرنے پر راضی نہ تھے مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا کے طور پر انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔[1]

اللہ! اللہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز اور منظر کتنا حسرت ناک ہے کہ ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام عالم اسلام میں کوئی نہ تھا اس موقع پر دم نہیں مارتا۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش کر سکتی ہے! مورخین کے مطابق حضرت خالدؓ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق تقریر کی اور کہا کہ امیرالمومنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب تمام شام زیر کر لیا تو مجھے معزول کر دیا۔ اس پر ایک سپاہی نے کھڑے ہو کر حضرت خالدؓ کو ٹوکا اور کہا "اے سردار چپ رہ ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے" حضرت خالدؓ نے فرمایا "ہاں لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنے کا کیا احتمال ہے"۔[2]

معزولی کے بعد حضرت خالدؓ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی بیت المال میں داخل کر دی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا "خالد! واللہ! تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں"۔ اور پھر تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کروا دیا کہ میں نے خالدؓ کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لئے میں نے انہیں معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔[3]

مذکورہ بالا فتوحات کے علاوہ حضرت خالدؓ دوسری مہموں میں شریک ہو کر داد شجاعت دیتے رہے مگر مورخین کے مطابق ان مہمات میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی اس لئے ان کی تفصیل نظر انداز کی جاتی ہے۔

گورنری

حضرت عمرؓ نے اگرچہ حضرت خالدؓ کو بمصالح معزول کر دیا تھا تاہم معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لئے اور ان کی فطری انتظامی صلاحیتوں سے میدان جنگ کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا اور حضرت خالدؓ کو معزولی کے بعد رہا، حران، آمد اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا لیکن حضرت خالدؓ ایک سال بعد اس منصب سے خود ہی مستعفی ہو گئے۔

وفات

مورخین میں حضرت خالدؓ کی جائے وفات اور سنہ وفات کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں مدینہ میں وفات پائی حضرت عمرؓ آپ کے جنازہ میں شریک تھے اور آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذرا میں کہرام برپا تھا لیکن اس کے برعکس طبری نے بحوالہ واقدی لکھا ہے کہ آپ نے سنہ ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر انتقال فرمایا۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حضرت خالدؓ حمص کی سرحد پر مقیم ہو گئے تھے، آپ کے گھوڑے اور ہتھیار سب یہیں تھے اور یہیں وفات پائی، مزید لکھتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کی قبر حمص میں ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کی میت کو کس کس نے غسل دیا اور کون کون جنازے پر حاضر تھے ابن حجر اپنی کتاب الاصابہ میں لکھتے ہیں: "حضرت خالدؓ بن ولید نے ۲۱ھ میں شہر حمص میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ آپ کی وفات حمص میں ہوئی"۔ اسی طرح مولف کتاب اسد الغابہ بھی آپ کی وفات ۲۱ھ میں مقام حمص میں بتاتے ہیں؛ ان روایات پر غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص میں وفات پائی۔ (واللہ اعلم)

حضرت خالد کی وفات کی خبر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا "خالد کی موت نے اسلام میں وہ رخنہ ڈال دیا جس کا پُر ہونا مشکل ہے"۔ نیز فرمایا

---

[1] الفاروق حصہ اول [2] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔ [3] تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین احمد ندوی

اُن کے متعلق جو میرا طرزِ عمل رہا اب مجھے اس پر ندامت محسوس ہوتی ہے۔" حضرت خالدؓ کی والدہ نے اُن کی موت پر یہ مرثیہ کہا:

"جہاں جنگ میں بڑے بڑے سورما بچھڑ جاتے ہیں وہاں تو ہزار ہا ہزار آدمیوں پر بھاری پڑتا تھا اگر دنیا میں کوئی بہادر ہے تو تو جنگل کے شیر سے بھی کہیں زیادہ بہادر اور شیروں کے بچوں سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والا تھا اگر دنیا میں کوئی سخی ہے تو تو گھنے جنگل میں پہاڑوں کے درمیان میں بہنے والے سیلاب سے کہیں زیادہ سخی تھا۔"[1]

ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کی والدہ کو دیکھا کہ وہ اپنے نامور بیٹے کے غم میں ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئی تھیں، آپ نے پوچھا یہ کون بی بی ہیں جو اس درجہ مغموم و پریشان ہیں؛ لوگوں نے عرض کیا یہ حضرت خالدؓ کی والدہ ہیں؛ آپ نے فرمایا "خوش نصیب ہے وہ ماں جس کے بطن سے خالد جیسا فرزند پیدا ہوا" پھر فرمایا "جب تک نعمت موجود ہو اُس کی قدر نہیں کی جاتی لیکن جب وہ ضائع ہو جائے تو اُس کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔"

اولاد حضرت خالدؓ کی کئی بیویاں تھیں جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی، ایک بیٹے سلیمان تھے جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوسلیمان تھی، ایک بیٹے عبداللہ تھے جو عراق میں شہید ہوئے، دو بیٹے عبدالرحمٰن و مہاجر خاص شہرت کے مالک ہوئے، دونوں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بہت چھوٹی عمر کے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو عبدالرحمٰن امیر معاویہؓ سے مل گئے اور مہاجر حضرت علیؓ کے ساتھ، بعض روایتوں میں ہے کہ مہاجر جنگِ صفین میں شہید ہوئے عبدالرحمٰن کا شمار عرب کے غیور بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا آپ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں امیر معاویہؓ کے تحت حمص کے والی تھے۔

ان لڑکوں کے علاوہ حضرت خالدؓ بن ولید کے اور بھی لڑکے تھے ابن قتیبہ لکھتے ہیں شام میں حضرت خالدؓ کے کئی لڑکے اور پوتے تھے لیکن سب طاعون کی وبا میں فوت ہو گئے[2] اور کوئی زندہ نہ بچا۔

مہاجر نے جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں فوج کے ایک کمانڈر عبدالرحمٰن تھے۔

فضل و کمال حضرت خالدؓ کی پوری زندگی، ابتدا سے لے کر آخر تک، چونکہ میدانِ جنگ میں گزری اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے خوشہ چینی کا موقعہ کم ملا آپ کا قول ہے "جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے حصہ سے محروم رکھا" تاہم آپ آنحضرت صلعم کے فیضِ صحبت کے باعث دولتِ علم سے بے بہرہ نہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحبِ علم و افتاء تھی اس میں ایک نام ان کا بھی تھا لیکن چونکہ حضرت خالدؓ فطرتاً سپاہی تھے۔ اس لئے مسندِ افتاء پر نہ بیٹھے؛ یہی وجہ ہے کہ ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے ابنِ عباسؓ، جابر بن عبداللہ، مقدام بن معدی کرب، قیس بن ابی حازم، اشتر نخعی، علقمہ بن قیس، جبیر بن نضیر وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں؛ ان کی روایات کی کل تعداد اٹھارہ ہے، جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں[3]

حضرت خالدؓ دینی اُمور میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے، اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خالدؓ کو بنو الحارث بن کعب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے نجران بھیجا تھا اور جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو حضورؐ نے انہیں ہی حکم دیا کہ

---

[1] سیرت صدیق اکبرؓ از علامہ محمد رضا مصری [2] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

وہاں رہ کر لوگوں کو شریعت اسلام اور دینی امور کی تعلیم دیں۔ [۱]

رضائے نبویؐ

صحابہ کرامؓ کے لئے زندگی کی سب سے بڑی دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا جوئی اور خوشنودی تھی اسی بنا پر وہ اپنے جذبات کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے تابع رکھتے تھے حضرت خالدؓ اگرچہ تند مزاج تھے لیکن فرمانِ نبویؐ کے مقابلہ میں ان کی طبیعت کی تندی حلم و عفو میں بدل جاتی تھی، ایک مرتبہ حضرت خالدؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر میں کسی بات پر بحث ہوگئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، حضرت عمارؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اتفاق سے اسی دوران میں حضرت خالدؓ بھی آگئے اور شکایت سن کر برہم ہوگئے اور حضرت عمارؓ کو برا بھلا کہنے لگے، حضور خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہے تھے کہ حضرت عمارؓ نے حضورؐ کو متوجہ کر کے عرض کیا، حضورؐ ان کی زیادتیوں کو فرما رہے ہیں، حضورؐ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا

"جو شخص عمارؓ سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔"

حضرت خالدؓ پر اس ارشادِ نبوتؐ کا اتنا اثر ہوا کہ آپ کا بیان ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو عمارؓ کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ تھی، چنانچہ ان سے ملے اور ان کو راضی کیا۔ [۲]

احترام نبویؐ

حضرت خالدؓ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس قدر احترام تھا کہ آپ کسی زبان سے حضورؐ کی شان میں کوئی نامناسب کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس کچھ سونا آیا جسے آپ نے اہل نجد میں تقسیم فرمایا اس پر قریش و انصار کو شکایت ہوئی کہ حضورؐ نے سب سونا نجدی سرداروں کو دے دیا اور ہمیں محروم رکھا، حضورؐ نے فرمایا میں نے ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیا ہے، یہ سن کر ایک شخص نے کہا "محمدؐ! خدا سے ڈریئے۔" آپ نے فرمایا اگر میں نافرمانی کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ حضرت خالدؓ کو اس گستاخی پر سخت غصہ آیا اور اس شخص کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی، لیکن حضورؐ نے روک دیا۔

آثار نبویؐ سے تبریک

حضرت خالدؓ ہر اس چیز سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے جسے حضورؐ سے انتساب کا شرف حاصل ہوتا، چنانچہ حضرت خالدؓ نے حضورؐ کے موئے مبارک اپنی ٹوپی میں سلوائے تھے جسے پہن کر میدان کارزار میں جاتے تھے، یرموک کے معرکہ میں یہ ٹوپی گر گئی تو آپ بے حد پریشان ہوئے یہاں تک کہ بڑی تلاش و جستجو کے بعد یہ ٹوپی ملی تو آپ کو سکون نصیب ہوا۔

جہاد فی سبیل اللہ

حضرت خالدؓ کی کتاب زندگی کا سب سے جلی اور سب سے روشن عنوان جہاد فی سبیل اللہ ہے آپ نے قبولِ اسلام کے بعد اپنے آپ کو ہمہ تن اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اور اس راہ میں نہ آپ کو اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی، آپ کے اسی ذوقِ جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں آپ کو دربارِ نبوت سے سیف اللہ کا معزز لقب عطا ہوا جو آپ کے نام کا ایک ضروری حصہ بن گیا، آپ نے زندگی میں تقریباً سوا سو جنگوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور جسم کے ہر حصہ پر تیروں اور تلواروں کے ان گنت زخم کھائے مگر جہاد فی سبیل اللہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی قدم پیچھے نہ ہٹایا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے میدانِ جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شبِ عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔ [۳]

---

[۱] خالدؓ سیف اللہ از ابو زید شبلی [۲] سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم [۳] اصابہ جلد اوّل صفحہ ۴۱۴

آخری وقت جب زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدانِ جنگ میں گزری اور آج اپنے بستر پر اسی طرح جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ جان دیتا ہے، پس خدا کسی کو بزدلوں کی موت نہ دے، میرے لئے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل باعثِ تقویت و امید نہیں رہا، ہمیشہ اسی کلمے سے میری ڈھارس بندھی رہی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ان کے قدموں میں یہ برکت دی تھی کہ جدھر کا رخ کرتے تھے، کامیاب لوٹتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا فتحیاب ہوا، ان کے اس قول کی صداقت پر ان کے عظیم الشان کارنامے شاہد ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی شجاعت اور جنگی قابلیت پر اس درجہ اعتماد تھا کہ جب کسی مہم کا علم ان کو سونپ دیتے تو مطمئن ہو جاتے، غزوہ موتہ میں جب علم حضرت خالدؓ نے سنبھالا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرم ہوا۔

آنحضرت صلعم کا مدح کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالدؓ کی جانفروشیوں اور قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور متعدد موقعوں پر ان کے متعلق تعریفی کلمات ارشاد فرماتے، فتح مکہ کے موقع پر جبکہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے، ایک گھاٹی کی طرف حضرت خالدؓ نمودار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ سے فرمایا "دیکھو کون ہے"؟ عرض کی خالد بن ولیدؓ، فرمایا یہ اللہ کا بندہ بھی خوب آدمی ہے، یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جسے اس نے کفار اور منافقین پر کھینچا ہے۔"[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالدؓ کی خود بھی قدر دانی فرماتے تھے اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے، ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا "خالدؓ کو تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جسے اللہ نے کافروں پر گرایا"۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو حضرت ابن جمیل، حضرت خالدؓ اور حضرت عباسؓ نے دینے سے انکار کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں جب یہ بات آئی تو آپؐ نے فرمایا:۔

ابن جمیل فقیر تھا، خدا نے اس کو دولتمند کیا یہ اس کا بدلہ ہے، لیکن خالدؓ بن ولید پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، انہوں نے اپنا تمام سامانِ حرب راہِ خدا میں وقف کر دیا ہے، پھر ان پر زکوٰۃ کیسی، رہا عباس کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے۔[3]

خلیفۂ رسولؐ کا مدح کرنا

خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب الیس اور امغیشیا کے معرکوں کے دوران میں آپ کے کارناموں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔

"اے گروہ قریش تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا اور اس کے بھٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کر دیا، اب عورتیں خالدؓ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں"۔

حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کرنے پر اصرار شروع کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا "میں اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ ڈالوں گا جسے اللہ نے کفار پر مسلط کیا ہوا ہے"۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے حضرت خالدؓ کے بارے میں رائے دریافت کی تو آپؓ نے

---

[1] سیرت صدیق اکبرؓ مؤلفہ علامہ محمد رضا مصری [2] خالدؓ سیف اللہ از ابوزید شبلی [3] سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم۔

کہ وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، موت کی پروا مطلق نہیں کرتے ان میں بلّے کی سی پھرتی ہے اور ان کا حملہ شیر کی مانند ہوتا ہے"۔

حضرت خالدؓ کی جنگی قابلیت

حضرت خالدؓ ایک مدبّر اور دور اندیش سپہ سالار تھے، آپ جنگ کے اصولوں اور طریقوں سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے، آپ آگے بڑھنے اور مدافعت کرنے کے موقعوں سے اچھی طرح آگاہ تھے آپ میں سپہ سالار کی صفات کے ساتھ ساتھ ایک سپاہی کی صفات بھی بدرجۂ اتم موجود تھیں، جنگ میں آپ بوڑھوں کی سی تجربہ کاری، نوجوانوں کی سی بہادری اور شیر کی سی جرأت دکھاتے تھے، آپ دشمن کے حالات معلوم کرنے کی پوری جستجو کرتے رہتے تھے، کسی شہر کو زیرنگیں کرنے کے بعد اس کی حفاظت کرنے کے لئے ایک فوج وہاں متعین کر دیتے تھے دشمن پر اندھا دھند حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ مناسب موقع کی تلاش میں رہتے تھے، آپ اپنی فوج کے عقب کی حفاظت بڑے اہتمام سے کرتے تھے تاکہ دشمن بےخبری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے کثرت سے لڑائیاں لڑنے کی وجہ سے آپ کو اس قدر جنگی امور کا تجربہ ہو گیا تھا کہ کوئی شخص بھی اس میدان میں آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، آپ کو جب تک مکمل فتح نہ ہو جاتی میدانِ جنگ سے نہ ہٹتے تھے آپ دشمن کی کثرت بہادری و شجاعت اور سامانِ حرب کی فراوانی سے قطعی مرعوب نہ ہوتے میدانِ جنگ میں آپ نہ خود سوتے اور نہ دوسروں کو سونے دیتے، آپ پر دشمن کی کوئی بات مخفی نہ رہ سکتی تھی[1]۔

حضرت خالدؓ اپنی ماتحت فوج سے نہایت نرمی سے پیش آتے تھے، آپ فوج کو ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتے تھے جہاں فتح کے حصول میں کوئی روک نہ ہو، آپ اپنے سپاہیوں کو ایسی جگہوں پر نہ لے جاتے تھے جہاں ہلاکت کا خوف ہو بلکہ ایسے موقعوں پر خود آگے ہوتے تھے، غنیمت کے مال میں سے انہیں پورا حصہ مرحمت فرماتے اور اس کے علاوہ بھی انعام و اکرام سے نوازتے رہتے، میدانِ جنگ میں آپ کے وقت کا بیشتر حصہ فوج کو لڑائی پر ابھارنے، ہمت بندھانے اور جوش و خروش دلانے پر صرف ہوا کرتا تھا، ایک ایک صف کے سامنے جاتے اور فرماتے "صبر میں عزت ہے اور بزدلی میں ذلت، خدائی مدد اسی کو حاصل ہوگی جو صبر اختیار کرے گا"۔ فوج کے ساتھ آپ کے حسنِ سلوک کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص آپ کا گرویدہ ہو گیا تھا اور آپ ہی کے جھنڈے تلے لڑنا چاہتا تھا، مورخین کے نزدیک آپ کی معزولی کا بڑا سبب بھی یہی تھا کہ لوگوں کو آپ پر بےحد بھروسا ہو گیا تھا جس سے حضرت عمرؓ کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں لوگ خدا کو ہی نہ بھول جائیں چنانچہ آپ نے حضرت خالدؓ کو معزول کر کے لوگوں پر یہ حقیقت واضح کی کہ فتح کا دارومدار حضرت خالدؓ پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر ہے۔

حضرت خالدؓ ان صحابہؓ کا جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا اور راہ خدا میں بیش از بیش قربانیاں دی تھیں، بےحد خیال رکھتے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے آپ کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ظہور انہی لوگوں سے ہوتا ہے، اس عزت و توقیر کا جو اظہار آپ نے غزوہ موتہ کے موقع پر فرمایا وہ آپ کے دلی جذبات کی صحیح عکاسی کرتا ہے مورخین کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد ایک بدری صحابیؓ نے آپ کو عَلَم اسلام دینا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا "میں جھنڈا نہیں لوں گا" آپ اس کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ آپ غزوہ بدر میں شریک رہ چکے ہیں" آخر آپ نے انہی کے اصرار پر لشکر اسلام کی قیادت سنبھالی اور اپنی جنگی صلاحیتوں کی بنا پر لوگوں کو بچا لائے اسی طرح جب آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم پر عراق سے شام جانے لگے تب بھی آپ نے ان صحابہ کرام کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی اور انہیں خاص طور پر اپنی فوج میں شامل کیا[2]۔

---

[1] خالدؓ سیف اللہ از ابوزید شلبی۔ [2] خالدؓ سیف اللہ از ابوزید شلبی۔

حق پرستی

حضرت خالدؓ اگرچہ تند مزاج تھے اور طبیعت کی تیزی کے باعث ذراسی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے تاہم آپ میں ہٹ دھرمی کا شائبہ تک نہ تھا آپ حق بات کو فوراً قبول کر لیتے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے تھے معزولی کے واقعہ پر آپ کا طرزِ عمل آپ کی حق پرستی کی ایسی روشن مثال ہے جس کا جواب نہیں مجمع عام میں آپ کو اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اتار لی جاتی ہے عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے اور آپ دم نہیں مارتے اور جب حضرت ابو عبیدہؓ کو آپ کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے تو آپ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔

اشاعت اسلام

اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے حضرت خالدؓ بھی اس فرض سے غافل نہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں اور آپؐ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے، فتح مکہ کے بعد حضور سرورِ دو عالم صلعم نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرایا بھیجے ان میں سے متعدد سریے ان کی سرکردگی میں کیے گئے، چنانچہ بنو خذیمہ، بنو عبد المدان بخرانی انہی کی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے، مزید اہل یمن کے قبول اسلام میں حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں، فتنۂ ارتداد میں طلیحہ کی جماعت بنو ہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ حضرت خالدؓ کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں آئے، ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے جنگ یرموک میں قیصر روم کے سپہ جرجہ (جارج) کا قبولِ اسلام انہی کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے۔[1]

---

[1] الاصابہ جلد اوّل صفحہ ۴۱۴ و سیر الصحابہؓ مہاجرین حصہ دوم۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راجہ محمد شریف

نام و نسب

آپ کا نام اُسامہ رضؓ کنیت اَبُو محمدؐ اور لقب حِبّ رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی محبُوبِ رسُولؐ تھا، والد کا نام زیدؓ تھا۔ پُورا سلسلہ نسب یہ ہے:

حضرت اُسامہ رضؓ بن زید بن حارثہ بن شرجیل بن کعب بن عبد العزیٰ بن زید بن امراء القیس بن عامر بن نعمان

پیدائش، اسلام اور ہجرت

آپ ۷ سنہ بعثت میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبُوب غلام اور مُنہ بولے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ برکتہؓ جو اُمّ ایمن کے نام سے مشہور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی کھلائی تھیں اور حضورؐ کے دل میں ان کا اتنا احترام تھا کہ آپؐ فرماتے ہیں "اُمّ ایمن رضؓ میری ماں ہیں بعد میری ماں کے"۔ غرض ماں اور باپ دونوں کی طرف سے محبوبیت کا شرف حضرت اسامہؓ کو ورثہ میں ملا تھا اور چونکہ آپ نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کی بہار دیکھی اور پھر اسی کے آغوش میں پرورش پائی تھی، اسی لیے زندگی کا کوئی حصّہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے مُلوّث نہ ہُوا۔ ہجرت کا شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاصل کیا۔

غزوات

اگرچہ واقعہ ہجرت کے بعد ہی غزوات و سرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، تاہم حضرت اُسامہ رضؓ اپنی کم عمری کے باعث اُن میں حصّہ نہ لے سکے۔ مؤرخین کے مطابق آپ نے پہلی بار رمضان المبارک ۸ھ میں بحیثیت امیر کے میدان جنگ کا رُخ کیا۔ اس وقت گو آپ کی عُمر زیادہ سے زیادہ چودہ سال تھی، پھر بھی فطری استعداد و صلاحیت کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ شرف عطا فرمایا۔

مؤرخین کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کی طرف ایک سریہ بھیجا جس کی قیادت حضرت اُسامہ رضؓ کے سپرد فرمائی جب مجاہدین اسلام اپنی منزل پر پہنچے تو جہینہ کے لوگ جمع ہو کر رات کو مقابلہ پر آئے۔ حضرت اُسامہؓ نے اُنہیں سمجھایا کہ وہ اطاعت اختیار کر لیں اور مخالفت سے باز آجائیں لیکن وہ آمادۂ جنگ ہوئے۔ اس پر حضرت اُسامہ رضؓ نے مجاہدین کو منظم کر کے ان پر ایک زبردست حملہ کیا اسی حملہ کے دوران میں حضرت اُسامہ رضؓ نے ایک شخص نہیک بن مرداس کا تعاقب کیا اور جب قریب پہنچ کر اس پر تلوار چلانی چاہی تو اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا، حضرت اُسامہؓ نے پھر بھی اسے تہ تیغ کر دیا۔ مجاہدین کی واپسی پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ بے چین ہو گئے اور حضرت اُسامہ رضؓ سے فرمایا: "کیا تُو نے اسے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟" حضرت اُسامہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اس نے محض جان بچانے کے لیے ایسا کہا تھا" رحمۃ للعٰلمین ؐ نے فرمایا: "تو نے اس کا دل چاک کر کے تو نہیں دیکھا تھا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں؟"

حضرت اُسامہؓ کو اس بات پر بہت افسوس ہوا۔ عرض کی "یارسولؐ اللہ! اب کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو لاالٰہ الا اللہ پڑھ لے" حضورؐ نے فرمایا "میرے بعد" عرض کی "آپؐ کے بعد بھی"

حضرت اُسامہؓ کا اپنا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عذر کو ناقابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دُہراتے رہے کہ "تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا" یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا "کاش آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا" مورخین نے اس سریہ کو سریہ خربہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

فتح مکہ

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ) اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا۔ حضرت اُسامہؓ اس میں شریک تھے صحیح روایات کے مطابق جب مکہ فتح ہوگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو حضرت اُسامہؓ حضورؐ کی سواری پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جبکہ حضرت بلال حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ جلو میں تھے۔ خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں اصحاب ساتھ داخل ہوئے اور اُن کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔

سریہ اُسامہؓ بن زید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ اقدس کے آخری ایام میں ایک اہم سریہ رومیوں کے مقابلہ پر بھیجنے کا ارادہ فرمایا جس کی امارت حضرت اُسامہؓ کے سپرد فرمائی تھی۔ اس سریہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت اُسامہؓ کو حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت قتادہؓ بن نعمان رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہؓ پر شرفِ امارت عطا ہوا تھا۔ چنانچہ جب بعض لوگوں نے اس کی شکایت کی کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنا لیا ہے، تو حضورؐ کو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور بیماری کی حالت میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:۔

"اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا:

"تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کرو کہ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے۔"

مورخینِ اسلام نے اس سریہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ ازدی شاہ بصریٰ کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے کہ مقام موتہ میں شرجیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی سفیر کی شہادت کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے ۸ھ میں اس کا انتقام لینے کے لیے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ فرمایا، دشمن کو چونکہ پہلے خبر ہو چکی تھی۔ اس لیے مجاہدین اسلام جب موتہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ غنیم ایک لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ پر موجود ہے۔ تاہم حضرت زیدؓ نے تین ہزار کی قلیل جمعیت کے ساتھ دشمن کے ٹڈی دل پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں آپ شہید ہو گئے اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہؓ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا۔ چنانچہ اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے ان شہداء کے انتقام کے لیے (صفر ۱۱ھ میں) ایک سریہ بھیجا۔ جس کی امارت حضرت اُسامہؓ کے سپرد فرمائی، لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی علامات شروع ہو گئیں۔ حضورؐ نے اس کی

روانگی ملتوی نہ فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے دستِ مبارک سے عَلَم مرحمت فرما کر روانگی کا حکم دیا اور سریہ روانہ ہو گیا۔

اس سریہ کی پہلی منزل گاہ مدینہ کے قریب مقام جرف تھی۔ اسلامی لشکر ابھی اسی مقام پر تھا کہ حضورؐ کی بیماری طول پکڑ گئی۔ چنانچہ لوگ عیادت کے لیے خدمتِ اقدس میں آتے تھے اور رخصت ہو کر جاتے تھے۔ حضرت اُسامہؓ بھی چونکہ حضورؐ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے، اس لیے وہ بھی دیکھنے آجاتے تھے۔ اتوار کو آنحضرت صلعم کا مرض زیادہ بڑھ گیا۔ حضرت اُسامہؓ مقام جرف سے مزاج پرسی کے لیے آئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلعم پر بیہوشی طاری ہے۔ حضرت اُسامہؓ نے آکر بوسہ دیا مگر حضورؐ بالکل خاموش تھے، تاہم حضرت اسامہؓ کے لیے دستِ مبارک آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے اور حضرت اسامہؓ پر رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ لشکر میں واپس گئے اور دوسرے دن پھر دیکھنے آئے اس روز چونکہ افاقہ تھا اس لیے حضرت اسامہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ لیکن عین روانگی کے وقت آپ کو اپنی والدہ محترمہ حضرت اُمِ ایمن کی طرف سے پیغام ملا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ آخر ہے، فوراً مدینہ چلے آؤ" اس پر حضرت اسامہؓ مع حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے بعجلت مدینہ پہنچے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کے آخری لمحات تھے۔ چنانچہ حضورؐ کی وفات کے بعد پورا اسلامی لشکر جرف سے مدینہ واپس آگیا اور یہ مُہم اس وقت ملتوی ہو گئی۔ مدینہ پہنچ کر حضرت اسامہ بن زیدؓ دیگر صحابہؓ کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے اور جسم اطہر کو قبر انور میں اُتارنے کا شرف بھی حاصل کیا۔[1]

غرض خلیفہ اوّل نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کی مہم کو ملتوی نہ کیا اور خود دور تک پیادہ پا مشائعت کر کے ان کو نہایت زرّیں ہدایتیں فرمائیں چونکہ حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے، اور جانشینِ رسولؐ پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔ اس لیے حضرت اُسامہؓ نے تعظیماً عرض کی "اے خلیفۂ رسولؐ خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی اُتر تا ہوں" فرمایا:

" اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے حضرت اُسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا، لیکن اسی دوران فتنۂ ارتداد کھڑا ہو گیا اور صحابۂ کرامؓ نے ان حالات کے پیشِ نظر رائے دی کہ حضرت اُسامہؓ والی مہم ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیانِ نبوت کا استیصال کیا جائے۔ لیکن خلیفۂ رسولؐ کی طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی اور حکمِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم معرضِ التوا میں پڑ جائے اور جو عَلَم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے رُوم کے مقابلہ کے لیے بُلند کیا گیا تھا، اس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

" خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں، جب بھی مَیں اس مُہم کو روک نہیں سکتا۔"

بہر کیف حضرت اُسامہؓ کی قسم رخصت ہو کر حدودِ شام میں پہنچی اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ

---

[1] طبقاتِ ابن سعدؒ حصہ دوم۔

چالیس دن بعد واپس آئی، حضرت ابوبکرؓ نے مع صحابہؓ کے مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش و مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ حضرت اُسامہؓ بڑے شاندار طریقے سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ آگے آگے حضرت بریدہؓ بن حصیب پرچم لہرا رہے تھے اور ان کے پیچھے حضرت اسامہؓ اپنے والد کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر گھر گئے۔ [1]

دورِ فاروقی

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُسامہؓ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ اس لیے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ہمیشہ اُن کا خصوصی خیال رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے، تو آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کا ڈھائی ہزار اور حضرت اسامہؓ کا تین ہزار مقرر کیا۔[2] حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ جب میں تمام غزوات میں حضرت اسامہؓ کے دوش بدوش رہا اور آپ ان کے والد حضرت زیدؓ سے کبھی پیچھے نہ رہے تو اس تفریق کا سبب کیا ہے؟ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

عہدِ عثمانی

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اگرچہ اُسامہؓ نے فتنہ و فساد کے خیال سے ملکی حالات میں اعلانیہ کوئی حصہ نہیں لیا تاہم ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے نظم و نسق کی بحالی اور مفاسد کی روک تھام کے لیے حضرت عثمانؓ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے۔ لوگوں نے جب آپ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ فتنوں کو فرو کرنے کے لیے آپ حضرت عثمانؓ سے گفتگو کریں تو آپ نے جواب دیا کہ اس خوف سے کہ میری اعلانیہ گفتگو سے کوئی نیا فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ اور اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے، میں خفیہ گفتگو کرتا ہوں۔

عہدِ معاویہؓ و علیؓ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب شورش زیادہ بڑھی، تو حضرت اسامہؓ بالکل الگ ہو گئے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں میں بالکل الگ تھلگ رہے اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بخوشی آپ کا ساتھ دیتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔ آپ اگرچہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانب دار رہے اور اپنے اس عہد پر قائم رہے، جو آپ نے آنحضرت صلعم سے کیا تھا کہ میں کسی کلمہ گو پر زندگی بھر تلوار نہ اُٹھاؤں گا، تاہم حضرت علیؓ کو حق پر جانتے تھے اور اپنی اس غیر جانب داری پر آخر تک کفِ افسوس ملتے تھے۔ [3]

وفات

حضرت معاویہؓ کے زمانۂ امارت ۵۴ھ میں بعمر تقریباً ساٹھ سال مدینہ میں فوت ہوئے۔

اہل و عیال

حضرت اسامہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، تاہم ابن سعد کے مطابق آپ کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد کسی زمانہ میں بھی بیس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ بیویوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) زینب بنت حنظلہ بن قسامہ یہ پہلی شادی تھی جو حضرت اسامہؓ نے چودہ برس کی عمر میں کی، یہ نکاح آنحضرت صلعم نے کرایا تھا حضرت اسامہؓ نے بعد میں انہیں طلاق دے دی (۲) دوسری شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے حضرت نعیمؓ بن عبداللہ النحام کے

---

[1] ابن سعد ج ۴ [2] ابن سعدؒ کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ساڑھے تین ہزار اور حضرت اسامہؓ کا چار ہزار وظیفہ مقرر ہوا تھا۔
[3] سیر الصحابہؓ حصّہ مہاجرین جلد دوم۔

ہال ہوتی (۳)، ہند بنت فاکہہ (۴)، درّہ بنت عدی (۵)، فاطمہ بنتِ قیس (۶)، اُمِّ حکیم بنت عقبہ (۷)، بنت ابی ہمدان سہمی (۸)، برزہ بنت ربعی۔

ذریعۂ معاش دربارِ خلافت سے تین ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القریٰ میں کچھ جائیداد تھی، جس کے انتظام کے لیے اکثر جایا کرتے تھے۔

فضائل واخلاق اہلِ سیر کے مطابق بہت سے فضائل بیشتر صحابہؓ میں مشترک ہیں لیکن اکابر صحابہؓ میں بعض ایسے بھی ہیں، جو مخصوص فضائل کی بنا پر منفرد ہیں اور یہ فضائل ان کی خصوصیات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت ابوذرؓ غفاری کی اکثر صفات میں اشتراک ہے تاہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا علم وفضل اور حضرت ابوذرؓ غفاری کا زہد وتقویٰ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا ہے اور یہی صفات دونوں بزرگوں کی زندگی کے روشن ابواب کہے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت اسامہؓ کی بارگاہِ نبوتؐ میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کو ایک ایسا بلند و برتر مقام عطا کرتے ہیں جو ہر لحاظ سے ان کا طغرائے امتیاز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بارہا اس کا اظہار فرمایا اور حضرت اسامہؓ کے ساتھ حضورؐ کا طرزِ عمل اس پر شاہد ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے متعلقین کی طرح ان سے محبت کرتے تھے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کسی تشریح کی محتاج نہیں، لیکن حضرت اسامہؓ وہ شخص ہیں جو اس میں بھی شریکِ سہیم تھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک زانو پر بٹھا لیتے تھے اور حضرت حسن بن علیؓ کو دوسرے پر، پھر ہم دونوں کو چمٹا لیتے تھے اور فرماتے تھے" اے اللہ ان دونوں پر رحمت کر کیونکہ میں بھی ان دونوں پر رحمت کرتا ہوں۔" دوسری روایت میں ہے کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (یعنی اسامہؓ) اور حضرت حسنؓ کو (گود میں) لے کر فرماتے تھے کہ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔" [1]

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ اقدس کے آخری دنوں میں فرمایا تھا کہ، اس کا باپ (حضرت زیدؓ بن حارثہ) مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اب یہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) اسامہؓ دروازے کی دہلیز پر پھسل پڑے جس سے ان کی پیشانی پھٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ ان کا خون پونچھو" حضرت عائشہ کو کراہت ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھ کر خون صاف کیا اور لعابِ دہن لگایا۔

کبھی کبھی وفورِ محبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے تھے، ابوالسفر سے مروی ہے کہ:

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ چہارم۔

"جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور (حضرت) عائشہؓ بیٹھے تھے۔ اُسامہؓ اُن کے پاس تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کا چہرہ دیکھا اور ہنسے، فرمایا۔ اگر اسامہؓ لڑکی ہوتے، تو میں انہیں زیور پہناتا، ان کی آرائش کرتا یہاں تک کہ اُن کا بازار گرم ہو جاتا [1] (یعنی ان کا چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے)

بارگاہِ نبوت میں حضرت اسامہؓ کے رسوخ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب کوئی ایسی سفارش جس سے حضرت عائشہؓ صدیقہ بھی جھجکتیں، آنحضرت صلعم سے کرنی ہوتی، تو حضرت اُسامہؓ کے سپرد کی جاتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ

"قریش کو اس عورت کے حال نے پریشان کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کون ہے جو اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے۔ لوگوں نے کہا کہ سوائے اسامہ بن زیدؓ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محب و محبوب ہیں کون جرات کر سکتا ہے، پھر جب حضرت اُسامہؓ نے آپؐ سے سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حدود اللہ میں کیوں سفارش کرتے ہو؟

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

تم سے پہلے لوگوں کو صرف اس امر نے ہلاک کر دیا کہ جب ان میں شریف چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) چوری کرتیں تو اُن کا ہاتھ بھی کاٹا جاتا [2]

حضرت اسامہؓ کو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز اور معتمد علیہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے حضورؐ اہم سے اہم اور نازک سے نازک خانگی امور تک اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ افک جیسے نازک معاملہ میں جس میں منافقین نے ناموسِ نبوتؐ پر حرف لانے کی کوشش کی اور جس کی صفائی خود زبانِ وحی والہام نے دی، حضرت اسامہؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ شریک مشورہ تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"جب افک والوں نے اتہام لگایا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ سے اپنے اہلِ خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کئے" [3]

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہؓ کو محبوب رکھتے تھے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ بھی نہ صرف انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ ان کی اولاد کا بھی احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو مسجد کے گوشے میں دیکھا، لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے عرض کیا۔ "ابوعبدالرحمٰن، آپ اس کو نہیں پہچانتے؟ یہ حضرت اسامہؓ کے بیٹے محمدؒ ہیں: آپ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور کہنے لگے" اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے تو محبوب رکھتے"

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ چہارم [2] ایضاً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی وہ حضرت اسامہؓ کو دے دیتے۔ ایک دفعہ ذی یزن نے حالتِ شرک میں ایک قیمتی جوڑا حکیم بن حزامؓ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضورؐ نے فرمایا، میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ لیکن اب چونکہ تم لا چکے ہو۔ اس لیے قیمتاً لے لوں گا۔ چنانچہ پچاس دینار میں خرید کر ایک مرتبہ پہنا اور پھر حضرت اسامہؓ کو دے دیا۔ اسی طرح ایک بار حضرت دحیہ کلبیؓ نے کتان کا کپڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً پیش کیا۔ حضورؐ نے حضرت اسامہؓ کو پہنا دیا۔ انہوں نے اپنی زوجہ کو دے دیا۔ ایک دن حضورؐ نے حضرت اسامہؓ سے پوچھا کتان کیوں نہیں پہنتے۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے وہ اپنی بیوی کو دے دیا ہے۔ فرمایا اچھا: اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائی دے گا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال اور حضرت اسامہؓ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔

فضل و کمال

اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ حضرت اسامہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی، آپ کو سراپا علم ہونا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔ اس لیے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد صحبتِ نبویؐ سے فیضیاب ہونے کا موقع زیادہ نہیں ملا تھا، تاہم اس مدت میں آپ نے جو کچھ حاصل کر لیا تھا۔ اس کو بھی کم نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا کافی ذخیرہ آپ کے سینہ میں محفوظ تھا۔ اسی بنا پر بعض مرتبہ کبار صحابہؓ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا، اس میں وہ آپ کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو انہوں نے حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا کہ طاعون کے متعلق اگر تم نے آنحضرت صلعم سے کچھ سنا ہو تو بتاؤ۔ حضرت اسامہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا۔ اس لیے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں وباء پھیلے تو بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔

حضرت اسامہؓ کی مرویات کی تعداد ایک سو اٹھائیس ہے جن میں سے پندرہ متفق علیہ ہیں، اُن کے علاوہ مزید دو دو بخاری اور مسلم میں ہیں۔ حسن، محمد بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، کریب، ابوعثمان نہدی، عمرو بن عثمان بن عفان، ابووائل، عامر بن سعد، حسن بصریؒ وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق و عادات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت میں پرورش پانے کے باعث حضرت اسامہؓ کے اخلاق و عادات پر تعلیماتِ نبویؐ کا خاصا اثر پڑا تھا۔

رسولؐ خدا کی خدمت

آپ کا شانۂ نبویؐ میں چونکہ اکثر آتے جاتے تھے اور اکثر سفر میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ وضو وغیرہ کے وقت اکثر پانی لانے کی خدمت حضرت اسامہؓ انجام دیتے تھے۔

سنت کی پابندی

سنت کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ آخر عمر میں جبکہ قویٰ مضمحل ہو گئے اور جسمانی ریاضت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس وقت بھی مسنون روزے التزام سے رکھتے تھے۔

حضرت اسامہؓ کے غلام سے مروی ہے:

"آپ دوشنبہ اور پنج شنبہ کا روزہ رکھتے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ سفر میں بھی روزہ رکھتے

ہیں، حالانکہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں" فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ اعمال دوشنبہ اور پنج شنبہ کو پیش کیے جاتے ہیں [1]

اطاعتِ والدین

حضرت اسامہؓ والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور اس میں کسی بھی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے، محمدؒ بن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے عہدِ خلافت میں کھجور کے درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت اسامہؓ نے کھجور کے ایک درخت کو چیر کر اس کا گودا نکالا اور اپنی والدہ کو کھلا دیا۔ لوگوں نے جب اتنا قیمتی درخت ضائع کرنے کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ میری ماں نے اس کی فرمائش کی تھی۔ مزید فرمایا کہ وہ مجھ سے جب کسی ایسی چیز کی فرمائش کریں گی جس کے حصول پر میں قادر ہوں گا، تو اس کو میں ضرور پوری کروں گا۔

---

[1] طبقات ابنِ سعدؒ حصّہ چہارم

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

اور اگر آپؐ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان عدل کے مطابق فیصلہ کریں۔

(المائدہ : ۴۲)



دربارِ رسول ﷺ کے فیصلے

رسولؐ اللہ کے فیصلے

پروفیسر فیض اللہ منصور

۱۔ باب الدیات والقصاص

ارشادِ ربّانی ○ اسی بنا پر ہم نے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جس کسی نے سوائے اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو، یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو، کسی جان کو قتل کر ڈالا۔ تو گویا اُس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جس نے کسی کی زندگی بچالی۔ تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔

(المائدہ : ۳۲)

○ مسلمانو! جو لوگ قتل کر دیے جائیں، اُن کے لئے تمہیں قصاص کا حکم دیا جاتا ہے۔ اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہی قتل کیا جائے گا۔ اگر غلام قاتل ہے تو غلام ہی قتل کیا جائے گا، عورت نے قتل کیا ہے تو عورت ہی قتل کی جائے گی۔ (البقرہ : ۱۷۹)

○ اور ہم نے یہودیوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ "جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم، پھر جو کوئی بدلہ لینا معاف کر دے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا، اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں:

(المائدہ: ۴۵)

○ اے اربابِ دانش! قصاص کے حکم میں تمہارے لیے زندگی ہے: (البقرہ: ۱۷۹)

○ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو، جسے قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے جو کوئی ظلم سے مارا جائے۔ تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) اختیار دے دیا ہے پس چاہیے کہ خونریزی میں زیادتی نہ کرے (یعنی حق سے زیادہ بدلہ لینے کا قصد نہ کرے) وہ (حد کے اندر رہنے میں) فتح مند ہے۔

(بنی اسرائیل: ۳۳)

فرمانِ نبویؐ ○ لوگو! خبردار، تمہارے لیے لازم ہے کہ تم اپنا آپ اللہ کی حدود سے بچاؤ۔ پھر جو کوئی بدکاری میں ملوث ہو جائے، تو (اُسے چاہیے کہ) اللہ کے ستر میں مستور رہے۔ کیوں کہ جس نے ہمارے سامنے اپنے

جرم کا اعتراف کیا۔ اُس پر اللہ کی حدود جاری کی جائے گی۔

○ سب سے بڑے گناہ (کبیرہ) تین ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹی شہادت دینا۔

(راوی: انس بن مالک ؛ بخاری شریف جلد ۲)

○ ایک مسلمان کا قتل، ساری دنیا کی تباہی پر بھاری ہے۔

(راوی: عبداللہ بن عمرؓ - ترمذی شریف)

○ قیامت کے روز سب سے پہلے خون (ناحق) کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

(راوی: عبداللہ بن عمرؓ - ترمذی شریف)
صحیح بخاری جلد ۹، کتاب الدیات صہ ۴۹
سنن ابن ماجہ: جلد ۲ : ابواب الدیات صہ ۱۲۳

حضور سید الکونینؐ کے فیصلے:

(۱)

قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ افراد جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے آپ نے انہیں صُفّہ میں ٹھہرایا۔ مدینہ کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی، بیماری نے انھیں اس قدر لاغر کر دیا جیسے موت کے سائے ان پر منڈلا رہے ہوں آپ نے (اُن کی یہ حالت دیکھ کر) زکوٰۃ کے چند اونٹ اُن کے حوالے کئے۔ اور حکم دیا کہ وہ انھیں شہر سے باہر لے جائیں اور وہیں قیام کریں، اُن (اونٹنیوں) کا دودھ بطور غذا اور پیشاب بطور دوا استعمال کریں۔ وہ (آپؐ کے حکم کے مطابق) زکوٰۃ (بیت المال) کے اونٹوں میں چلے گئے۔ اور سید الکونینؐ کے فرمان کے مطابق انہوں نے دودھ کو بطور خوراک کے اور پیشاب (بول) کو بطور دوا کے استعمال کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ بالکل تندرست و توانا ہو گئے۔ (لیکن کفران نعمت کرتے ہوئے) مرتد ہو گئے۔ چرواہے کو (بڑی بیدردی سے) قتل کر ڈالا اور بیت المال کے اونٹوں کو لے کر فرار ہو گئے۔

یہ خبر جناب رسالتمآب کو منہ اندھیرے ملی تو آپ نے چند سوار اُن کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ فرمائے۔ انہوں نے دن چڑھے ہی اُن کو جا لیا اور گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔

جناب سید الکونین نے اُن سے متعلق مندرجہ ذیل فیصلہ صادر فرمایا:۔

۱- اُن کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے قطع کئے جائیں۔
۲- اُن کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی جائیں۔
۳- اس کے بعد اُن کو گرم پتھریلی زمین پر پھینک دیا جائے۔

چنانچہ:۔ ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے گئے۔ ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور انھیں حرّہ کی پتھریلی اور تپتی

ہوئی زمین پر پھینک دیا گیا۔ شدت پیاس سے وہ تڑپنے لگے، پانی مانگا۔ لیکن انھیں پانی نہیں دیا گیا۔ اور وہ اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

ابو قلابہ کا قول ہے:۔ کہ انھیں اس قدر شدید سزائیں اس لئے دی گئیں کیوں کہ انہوں نے شدید جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔

۱۔ چوری کی۔ بیت المال کے اونٹوں کی۔

۲۔ چرواہے کو بڑی بیدردی سے قتل کیا۔

۳۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف پیکار پر آمادہ ہوئے۔

یعنی۔ چوری، قتل اور بغاوت تینوں سنگین جرائم کا ارتکاب کیا۔

راوی :۔ انس بن مالک

صحیح بخاری جلد ۳ : کتاب المحاربین ص ۱۱ - ۱۴

صحیح مسلم جلد ۲ : ص ۲۹۹ - ۳۰۲

(۲)

و ایک لڑکی مدینہ میں اپنے گھر سے باہر نکلی، اس نے چاندی کے زیور پہنے ہوئے تھے۔ ایک یہودی کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ زیور حاصل کرنے کے لالچ میں وہ دیوانہ ہو گیا۔ اُس نے اُس لڑکی کا سر پتھر سے کچل دیا۔ لوگ جب اُسے (شدید زخمی حالت میں) اُٹھا کر جناب سید الکونین کی خدمت میں لے آئے۔ اگرچہ سخت بُری طرح زخمی تھی، تاہم تھوڑی سی جان ابھی اس میں باقی تھی۔ حضورؐ نے اُس سے دریافت فرمایا۔

"کیا تجھے فلاں شخص نے مارا ہے؟"

اُس نے سر کے اشارے سے کہا کہ نہیں،

آپؐ نے پھر پوچھا کہ کیا تمہیں فلاں شخص نے قتل کیا ہے؟

اُس نے سر کو اٹھا کر اشارہ کیا۔ نہیں۔

تیسری بار آپؐ نے پھر اس لڑکی سے دریافت فرمایا" کہ کیا تمہیں فلاں یہودی نے قتل کیا ہے"۔ تو اس نے سر کی جنبش سے ہاں کہا۔

اُسی وقت آپؐ کے حکم سے اس یہودی کو دربارِ رسالتؐ میں طلب کیا گیا آپ نے اس پر مسلسل جرح فرمائی۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

اس پر آپ نے فیصلہ صادر فرمایا۔ کہ قاتل کے سر کو بھی پتھروں سے کچل دیا جائے۔ چنانچہ اس کا سر بھی پتھروں سے کچل دیا گیا۔

صحیح مسلم اور مصنف عبدالرزاق کے مطابق :۔ آپ نے اُسے رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

چنانچہ اُسے سنگسار کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے جان دے دی۔

راوی :۔ حضرت انس بن مالک
صحیح بخاری جلد ۳ : کتاب الدیات صہ ۵۵ - ۵۷
صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۰۲ - ۳۰۳
سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات صہ ۱۳۷

(۳)

عبداللہ بن سہل اور محیصہ رضؓ کو کسی ہنگامی مجبوری کی بنا پر خیبر جانا پڑا ۔ سنن ابن ماجہ کے مطابق ۔ یہ دونوں رزق کی تلاش میں خیبر کی جانب روانہ ہوئے ، عبداللہ ذرا پہلے نکلا اور اُن سے آگے ہو لیا جب محیصہ وہاں پہنچا۔ تو دیکھا کہ عبداللہ کو کسی نے قتل کر کے گڑھے میں ڈال دیا ہے ۔محیصہ فوراً یہودیوں کے پاس گئے اور کہا ، خدا کی قسم ، تم ہی عبداللہ کے قاتل ہو۔ لیکن یہودیوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ محیصہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور انھیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

چنانچہ محیصہؓ اُن کے بڑے بھائی حویصہ اور عبدالرحمان بن سہل جناب سید الکونین ؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ۔ محیصہ نے گفتگو میں پہل کرنے کی کوشش کی تو جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ (تم خاموش رہو) : مجلس کے آداب کا لحاظ رکھو ، اور اپنے بڑے بھائی کو بات کرنے دو ، اس لئے حویصہ نے سارا واقعہ حضورؐ کے گوش گذار کیا ، اُن کے بعد محیصہ نے بھی (پوری روئیداد بیان کی)۔

یہ واقعات سماعت فرما کر آپ نے حکم دیا۔

"یہودی یا تو خون بہا (دیت) ادا کریں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں"۔ آپؐ نے اس سلسلہ میں ایک فرستادہ کو یہ فرمان

" خدا کی قسم ۔ ہم نے قتل کا ارتکاب نہیں کیا"

اس پر جناب سید الکونین حویصہ ، محیصہ اور عبدالرحمان بن سہیل (مقتول کے بھائی) کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا :

" کیا تم تینوں اس بات پر قسم کھانے کو تیار ہو کہ (عبداللہ) کو یہودیوں ہی نے قتل کیا ہے ؟
اور تم اس کے خون کا بدلہ لینے کے حق دار ہو؟"

ان تینوں نے جواب دیا :

" ہم کیسے قسم کھا سکتے ہیں ۔ اے اللہ کے نبیؐ جبکہ قتل ہمارے سامنے نہیں ہوا"۔

اس پر جناب سید الکونینؐ نے فرمایا :

" تو پھر یہودیوں کی قسم کا اعتبار کرو"۔

انہوں نے کہا :

" یا رسول اللہؐ ! یہودی کافر ہیں ۔ (اور قسم اٹھانے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں) بھلا ہم کافروں

کی قسم کا اعتبار کریں ۔"

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے ۔ مقتول کی دیت اپنے پاس سے ادا فرما دی اور اُن کے پاس سو اونٹنیاں بھیج دیں ۔

۱ - سنن ابن ماجہ جلد ۲ قسامت کا بیان صہ ۱۳۹ - ۱۴۰

۲ - صحیح بخاری جلد ۶ کتاب الدیات صہ ۷۱ - ۷۴

۳ - صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۹۳ - ۲۹۸ ۔

۴ - موطا امام مالک ۔

۵ - سنن نسائی ۔ جلد ۳ صہ ۲۸۷ - ۲۹۸

(۴)

علقمہ کے والد بیان کرتے ہیں:

مَیں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو رسی سے جکڑے گھسیٹتا ہوا وہاں لایا اور عرض کیا :

"یا رسول اللہ! اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے ۔"

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص سے دریافت فرمایا: "کیا واقعی تو نے اس کے بھائی کو قتل کیا ہے؟ اور ساتھ ہی مدعی کو مخاطب کر کے فرمایا :

"اے شخص، اگر اس نے قتل کا اقرار نہ کیا ۔ تو تمہیں شہادت پیش کرنی ہوگی ۔" مگر ملزم نے جرم کا اقرار کرتے ہوئے کہا: "ہاں، یا رسول اللہ!"

جناب رسالتمآبؐ نے پوچھا: "کیوں اور کیسے قتل کیا؟"

تو وہ کہنے لگا: "یا رسول اللہ! میں اور اس کا بھائی لکڑیاں کاٹ رہے تھے ۔ کہ اس کے بھائی نے (بلا وجہ) مجھے گالی دی، مجھے سخت طیش آ گیا اور میں نے اُس کے سر پر کلہاڑی دے ماری (حالانکہ بخدا میرا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں تھا) کلہاڑی کی ضرب سے وہ مر گیا ۔" اس پر جناب رسالتمآب نے فرمایا: "کیا تو خون بہا ادا کر سکتا ہے؟"

ملزم ۔ یا رسول اللہ ۔! میرے پاس اس کلہاڑی اور اس چادر کے سوا کچھ بھی تو نہیں ۔ (دیت کہاں سے دوں گا)

رسول اللہ ؐ: "کیا تمہارے قبیلہ والے تمہاری طرف سے دیت ادا کر کے تمہیں چھڑانے کو تیار ہوں گے؟"

ملزم: "یا رسول اللہؐ ۔ میری قوم میں مجھے ایسا مقام حاصل نہیں کہ وہ میری طرف سے دیت ادا کرنے کو تیار ہو جائیں۔"

اس بات کو سن کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے رسی مدعی کی طرف پھینک دی اور فرمایا ۔" اب تم جانو اور تمہارا یہ ساتھی۔"

آپ کا فرمان سنتے ہی مدعی قاتل کو لے کر جانے کے لئے مڑا ، جونہی اس نے پشت پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر اس شخص (مدعی) نے اس قاتل کو قتل کر دیا ۔ تو یہ بھی اُسی کی طرح قتل کا مرتکب ہوگا (جیسے قاتل ہے)؛

اس شخص نے جب یہ بات سنی تو فوراً بیٹھا اور عرض کیا۔

یارسول اللہؐ! "میں نے آپ کا فرمان سُن لیا ہے کہ اگر میں نے اسے قتل کر دیا۔ تو میں بھی اس (قاتل) کی طرح قاتل قرار دیا جاؤں گا۔ حالاں کہ میں نے آپ کے حکم ہی سے اسے پکڑا ہے۔"

رسول اللہؐ نے فرمایا۔ "کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں، کہ یہ شخص (قاتل) اپنے اور تمہارے بھائی (مقتول) کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے لے؟"

اُس نے کہا۔ "یارسول اللہؐ! مجھے منظور ہے"۔

رسول اللہؐ نے فرمایا۔ "ایسا تو تبھی ممکن ہے جب تو اسے آزاد کر دے"۔

چنانچہ مدعی نے رسی پھینک دی اور اُسے آزاد چھوڑ کر چلا گیا۔

صحیح مسلم جلد ۲، صہ ۳۱۱

سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات۔

سنن نسائی جلد ۲ صہ ۲۹۸ - ۳۰۲

(۵)

حمل بن مالک کا تعلق قبیلہ بنی ہذیل سے تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام ام عفیف بن مسروح تھا اور دوسری کا ملیکہ بنت عویمر، ان کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ (نوبت یہاں تک بڑھی) کہ ام عفیف نے خیمہ کی چوب ہاتھ میں لی اور ملیکہ کے اس زور سے ماری کہ بیچاری کا حمل بھی گر گیا، اور خود بھی فوت ہو گئی۔

یہ معاملہ جب جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو حضورؐ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ بچہ کے بدلے میں ایک غلام یا کنیز دی جائے اور مقتولہ کے قصاص میں قاتلہ قتل کی جائے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلہ کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ بلکہ مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبوں پر ڈال دی۔ اور بچہ (جنین) کے لئے غرۃ کا حکم دیا۔ یعنی دیت کا ½ حصہ (عصبہ = ددھیال)

۱۔ موطا امام مالک

۲۔ صحیح بخاری جلد ۳ کتاب الدیات صہ ۸۰-۸۱

۳۔ صحیح مسلم : جلد ۲ صہ ۳۱۳

(۶)

براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ

میں نے اپنے ماموں ابو بردہ کو دیکھا کہ وہ ایک نشان اٹھائے تیز تیز کہیں جا رہے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا "کہاں قصد ہے"

تو انہوں نے کہا:۔ مجھے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کی طرف بھیجا ہے۔ جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی رچائی ہے۔

آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جاتے ہی اس کا سر قلم کر دوں اور کٹا ہوا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں اور اس کا مال لوٹ لو۔

چنانچہ حضورؐ کے حکم کے مطابق اس شخص کو قتل کر دیا گیا اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔

نتیجہ:۔ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا واجب القتل جرم ہے۔

مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۷۹

سنن نسائی :۔ جلد ۲ صہ ۴۰۴ - ۴۰۵

(۷)

ایک شخص نے دوسرے شخص کے بازو پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے اس کی کلائی پر تو شدید ضرب آئی۔ لیکن جوڑ سلامت رہا۔ وہ شخص (مضروب) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ حضورؐ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے والے کو حکم دیا کہ وہ دیت ادا کرے اس پر اس شخص نے عرض کیا! "یا رسول اللہؐ ! مجھے دیت نہیں چاہیے میں قصاص چاہتا ہوں"۔

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ دیت کو ہی کافی سمجھو"۔

چنانچہ آپ نے اُس مقدمے میں قصاص کا فیصلہ نہیں فرمایا۔

راوی:۔ نمران بن جاریہ

سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات صہ ۱۳

(۸)

یعلیٰ بن امیہ اور سلمۃ بن امیہ۔ روایت کرتے ہیں:

کہ ہم غزوۂ تبوک میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے ہمارے ساتھ ہمارا ایک ساتھی بھی تھا۔ اُس کا ایک دوسرے شخص کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، جھگڑے کے دوران اُس دوسرے شخص نے اِس کے (ہمراہی) کے بازو میں دانت گاڑ دیئے۔ اُس نے اپنے بازو کو چھڑانے کے لیے زور سے جھٹکا دیا۔ تو اس کا ایک دانت بھی ساتھ نکل آیا۔ اس پر وہ شخص حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ۔ مجھے اُس سے دیت دلوائیے۔

حضورؐ نے (اس کا مطالبہ سن کر) فرمایا۔ تم یہ بھی چاہتے ہو کہ اپنے بھائی کے بازو کو ایسے چبا ڈالو، جیسے اُونٹ چبا ڈالتا ہے۔ اور اس پر دیت کا مطالبہ بھی کرتے ہو۔

چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے اس کے دیت کے مطالبہ کو رد کر دیا۔

۱۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۳۵

ابواب الدیات

۲۔ صحیح بخاری جلد ۶ کتاب الدیات صہ ۶۵-۶۶

(۹)

ایک شخص قتل ہو گیا، اس کی لاش دو قریوں کے درمیان پڑی ہوئی پائی گئی۔ قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ آپ کو جب صورت حال کا علم ہوا تو جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جہاں مقتول کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اس مقام سے دونوں بستیوں کے فاصلہ کی پیمائش کی جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے پیمائش کی گئی۔ جس بستی کا فاصلہ اس مقام سے کم نکلا (یعنی جس بستی سے لاش کا جائے وقوع نزدیک تر تھا)

آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اسی بستی کے لوگ اس قتل کے ذمہ دار ہیں'

(مسند ابی شیبہ)

(۱۰)

حضرت انس کی پھوپھی ربیع نے ایک لڑکی کو اس زور سے تھپڑ مارا۔ کہ اس کا دانت ٹوٹ گیا، ربیع کے رشتہ دار اس لڑکی کے قبیلہ والوں کے پاس گئے اور معافی کے خواستگار ہوئے (ان کی درخواست کے باوجود) انہوں نے معافی دینے سے انکار کر دیا۔ وہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی۔

حضور رسالتمآبؐ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا، یہ فیصلہ سن کر انس بن نضر نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! کیا ربیع کا دانت بھی توڑا جائے گا، اس ذات پاک کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" انس! یہ اللہ کی کتاب کا حکم ہے (قصاص دینا ہوگا)"

حضورؐ کا یہ فرمان جبؓ لڑکی کے قبیلہ والوں نے سُنا۔ تو انہوں نے عرض کیا" یا رسول اللہ! ہم قصاص کے مطالبہ سے دستبردار ہوتے ہیں۔ ہم دیت لینے پر رضامند ہیں۔"

چنانچہ رسول اللہؐ نے دیت کا فیصلہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔"

(راوی: حضرت انس) صحیح بخاری جلد ۶ : کتاب الدیات صہ ۶۶

سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات صہ ۱۴۳-۱۴۴

(۱۱)

ایک شخص کو قتل کیا گیا اور اس کی لاش چند گھروں کے سامنے پڑی ہوئی پائی گئی۔ کوشش کے باوجود چونکہ قاتل کا پتہ نہیں چلا اس

لیے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا" کہ مدعا علیہم پر قسم واجب ہے اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردیں تو مدعی قسم کھا کر مستحق ہو جائیں گے کہ فیصلہ اُن کے حق میں کیا جائے۔"

اور اگر دونوں قسم کھانے سے انکاری ہوں گے تو دیت کا نصف حصہ مدعا علیہم کے ذمہ ہوگا۔ اور نصف حصہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اگر قسم کھانے سے انکار کریں۔

(مصنف عبدالرزاق)

(۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اگر کوئی حاملہ عورت کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ تو اُسے اس وقت تک قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا جب تک وضع حمل نہ ہوئے اور تا وقتیکہ کوئی شخص اس نومولود کی کفالت کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔

اور اگر حاملہ زنا کرے تو اُسے اس وقت تک سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ جب تک وہ بچہ نہ جن لے اور کوئی شخص اس بچے کی کفالت قبول نہ کرے۔

سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات صـ ۱۴۵

(۱۳)

ایک شخص فریاد کناں بارگاہِ سید الکونینؐ میں حاضر ہوا۔ جناب رسالتمآب نے اُس سے چیخنے چلانے کا سبب دریافت فرمایا تو اس شخص نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں اس وقت جبکہ میں اپنے مالک کی کنیز کا بوسہ لے رہا تھا۔ میرے آقا نے مجھے دیکھ لیا۔ اُس نے سزا کے طور پر میری پیشاب گاہ کٹوا دی۔ میں یہی فریاد لے کر حاضر ہوا ہوں"

جناب رسالتمآب نے اُسی وقت اس غلام کے آقا کو طلب فرمایا۔ اس شخص کو بہت تلاش کیا گیا۔ لیکن وہ نہ ملا۔ اس لئے جناب آقائے نامدار نے اُس غلام کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے ہوئے اُسے آزاد کر دیا۔ یہ فیصلہ سن کر وہ غلام حضورؐ کی خدمت میں ملتجی ہوا۔ اور عرض کی "یا رسول اللہ! اگر اُس شخص نے مجھے پھر سے غلام بنانے کی کوشش کی تو میری مدد کو کون آئے گا؟"

جناب رسالتمآب نے فرمایا" ہر مومن اور مسلم کا فرض ہے کہ وہ تیری مدد کرے تیری آزادی کی حفاظت کرے"

سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات صـ ۱۴۱

(۱۴)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے قتل کا ارتکاب کیا، اس کا مقدمہ بارگاہِ رسالت میں جب پیش کیا گیا۔ تو حضورؐ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا۔

اس پر قاتل نے عرض کیا۔

"یارسولؐ اللہ! مجھے ذاتِ پاک کی قسم، میرا ارادہ قتل کا ہرگز نہیں تھا" حضورؐ نے مقتول کے ولی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:
• اگر یہ شخص (قاتل) اپنے قول میں سچا ہے۔ تو اس کا قتل تیرے لیئے دوزخ میں جانے کا باعث ہوگا۔"
یہ سنتے ہی مقتول کے وارثوں نے قاتل کو آزاد کردیا۔
(سنن ابن ماجہ جلد ۲، ابواب الدیات صد ۱۴۱-۱۴۳)

(۱۵)

مقدادؓ بن عمرو کندی۔ غزوہ بدر میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا۔
" یارسول اللہ! اگر میرا مقابلہ کسی کافر سے ہو، اور وہ اپنی تلوار کے وار سے میرا ایک ہاتھ اڑا دے، پھر ایک درخت کی آڑ کے پکار اُٹھے کہ میں اسلام لے آیا ہوں۔ کیا اُس کے بعد میرے لیے اس کا قتل جائز ہے یا نہیں؟"
آپؐ نے فرمایا: "نہیں، اُسے قتل مت کرو۔"
اُس نے عرض کیا "یارسول اللہ! اُس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ اب وہ (محض اپنی جان بچانے کی خاطر) اقرار کرتا ہے کہ میں اسلام لے آیا۔ تو کیا میں اُسے قتل نہیں کرسکتا؟"
آپؐ نے فرمایا۔ اے مقداد! اُس کا قتل کرنا تمہارے لئے جائز نہیں۔ تو اُسے (اسلام لے آنے کے بعد) قتل کرے گا۔ تو وہ تو اس مقام پر ہوگا جس مقام پر تو قتل کرنے سے پہلے تھا۔ (مسلم) تو۔ اس منزل پر پہنچ جائے گا جس پر وہ اسلام لانے سے قبل تھا۔ (کفر) — (یعنی اُسے قتل کرنا تیرے لیے ارتکاب کفر ہوگا)
(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الدیات صہ ۵)

(۱۶)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں ایک نابینا شخص تھا۔ اُس کی ایک لونڈی تھی، جس سے اُس کے دو بچے تھے، وہ اکثر جناب رسالتمآبؐ کا ذکر کرتی تو حضورؐ کی شان میں گستاخی کرتی۔ اور اس نابینا شخص (اپنے مالک) کی ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود وہ اس فعلِ بد سے باز نہ رہتی۔
ایک رات حسبِ عادت اُس نے حضورؐ کا ذکر کیا تو سب وشتم کرنے لگی نابینا شخص بیان کرتا ہے کہ میں آپے سے باہر ہو گیا، چنانچہ میں نے کلا اٹھایا اور اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ جس سے وہ مرگئی۔ صبح کے وقت لوگوں نے اُسے مردہ پایا تو اس بات کا ذکر جناب رسالتمآب سے کیا۔ حضورؐ نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-
" میں اس شخص کو قسم دیتا ہوں کہ جس پر میرا حق ہے کہ وہ شخص جس نے اس لونڈی کو قتل کیا ہے۔ وہ خود اُٹھ کر اقرار کرے۔"
نابینا شخص نے جب حضورؐ کا فرمان سنا۔ تو وہ گرتا پڑتا، خوف سے تھرتھر کانپتا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"یارسول اللہ یہ قتل میں نے کیا ہے - مقتولہ میری لونڈی تھی، اُسے مجھ سے محبت تھی، وہ مجھ سے لطف سے پیش آتی - اس سے میرے دو بچے ہیں - بالکل موتیوں کی طرح (خوب صورت) - لیکن حضور! اس کی ایک عادت بُری تھی - یہ آپ پر اکثر و بیشتر سب و شتم کرتی رہتی تھی - میرے منع کرنے کے باوجود وہ اپنے اس فعل بد سے باز نہ رہتی، میری ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ کا بھی اس پر کچھ اثر نہ پڑتا -

گذشتہ رات جب پھر اُس نے آپ کی شان میں گستاخی کی تو مجھ میں سننے کی تاب نہ رہی - قوتِ برداشت نے جواب دے دیا - اور میں نے تکلا اٹھا لیا اس کے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ یہ کیفرِ کردار کو پہنچی -

یہ ماجرا سن کر جنابِ ختمی مرتبت ؐ نے فرمایا -

اے لوگو! - تم گواہ رہنا - اس لونڈی کا خون ہدر (هدر) ہے یعنی - اس کے خون کا قصاص نہیں لیا جائے گا - کیوں کہ اس نے دوہرے جرم کا ارتکاب کیا ہے -

(۱) جنابِ رسالت مآب کی شان میں گستاخی - اور

(۲) اپنے خاوند کی نافرمانی - راوی: ابنِ عباس

(سنن نسائی جلد ۳ صہ ۱۰۸ - ۱۰۹)

(۱۷)

حُمید طویل ایک روایت میں بیان کرتے ہیں، کہ:

ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دروازے کے سوراخ سے جھانکا، آپ نے اُس کی آنکھ میں مارنے کے لئے تیر سیدھا کیا - نیز آپ نے فرمایا - اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے (کسی کے) گھر میں جھانکے - اور وہ ایک کنکری تاک کر مارے - جس سے اُس کی آنکھ پھوٹ جائے تو اس (مارنے والے) پر کوئی گناہ نہیں (نہ دیت ہے نہ قصاص، نہ گناہ)

(صحیح بخاری جلد ۹ : کتاب الدیات صہ ۹۳ - ۹۴)

(۱۸)

غزوۂ حنین کے دن تھے - ایک روز جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا فرمائی - تو آرام فرمانے کی غرض سے آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے - اس وقت اقرع بن حابس جنابِ رسالتمآب ؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور انہوں نے آتے ہی محلم بن جثامہ کے قصاص کا مطالبہ پیش کیا -

عیینہ بن حصن بھی یہ سن کر کھڑے ہو گئے - اور عامر بن الاضبط اشجعی کے قصاص کا مطالبہ پیش کر دیا -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا مطالبہ سن کر ارشاد فرمایا "کہ تم دیت قبول کر لو"

لیکن انہوں نے دیت قبول کرنے سے انکار کر دیا -

اس پر ایک شخص کیستل نامی، جس کا تعلق قبیلہ بنولیث سے تھا۔ کھڑا ہوا اور بارگاہِ نبوی میں عرض کی۔
یا رسول اللہ! یہ قتل علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اس کی نوعیت ایسی ہے کہ جیسے بکریوں کا ایک ریوڑ آ رہا ہو۔
اُن میں کے چند کو اگر مارا جائے۔ تو ریوڑ کی باقی بکریاں بھی بھاگ کھڑی ہوں۔
(یعنی۔ یہ قتل دانستہ نہیں ہوتے، وقت کی مجبوری تھی)

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:
"تم بھائی کی دیت کے پچاس اونٹ مجھ سے یہاں لے لو۔ اور باقی کے پچاس مدینہ پہنچنے پر تمہیں دے دیئے جائیں گے۔"
(راوی۔ زید بن ضمرہ)
سنن ابن ماجہ جلد ۲ ابواب الدیات صہ ۱۲۹

(۱۹)

ایک شخص نے دوسرے شخص کے پیر کو سینگ سے زخمی کر دیا۔ زخمی اسی حالت میں جناب سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور لگا قصاص کا مطالبہ کرنے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تک تمہارا زخم مندمل نہ ہو جائے۔ قصاص کے مطالبہ سے باز رہو۔ (حضورؐ کے سمجھانے کے باوجود) وہ شخص قصاص لینے پر مُصر تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے قصاص لے لیا۔

اتفاق کی بات کہ ملزم کا زخم تو ٹھیک ہو گیا۔ اور وہ بھلا چنگا ہو گیا لیکن قصاص کا مطالبہ کرنے والا لنگڑا ہو گیا۔ اس لئے مدعی بارگاہِ رسالتؐ میں پھر حاضر ہوا اور لگا شکایت کرنے، اُس نے کہا:
"یا رسول اللہ! دشمن تو بھلا چنگا ہو گیا۔ لیکن (مجھ پر افتاد پڑی) میں لنگڑا ہو گیا۔"
اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اے شخص! میں نے پہلے ہی تجھے کہا تھا کہ جب تک تمہارا زخم مندمل نہ ہو جائے۔ انتظار کرو۔ اور قصاص کے مطالبے سے باز رہو۔ لیکن تم نے میری بات کی اُن سنی کر دی۔ نتیجہ دیکھ لیا۔ تم اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔ اور مستقلاً لنگڑے بھی۔"
("مصنف عبدالرزاق")

(۲۰)

جناب سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا۔ ہم اُسے (اس کے بدلے میں) قتل کریں گے اور جو شخص (غلام کے) ناک، کان یا کوئی دوسرا عضو کاٹے گا۔ تو اس کے بدلے اس کا بھی وہی عضو قطع کیا جائے گا۔
اور جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا۔ تو اُسے بھی اس کے بدلے میں خصی کیا جائے گا۔"
راوی: سمرہؓ سنن نسائی جلد ۲ : صہ ۳۰۲

(۲۱)

کسی نادار شخص کا غلام تھا۔ اُس نے کسی صاحب ثروت شخص کے غلام کا کان کاٹ ڈالا، وہ صاحب اپنا مقدمہ لے کر جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(آپ نے حقیقت حال سن کر) انھیں کوئی دیت نہ دلائی۔

(راوی: عمران بن حصین) سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۳۰۷، ۳۰۸

(۲۲)

ایک بار جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شے تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص سامنے سے آیا اور آپ پر اس قدر جھک گیا (کہ آپ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی) تو آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی۔ آپ نے اس چھڑی سے اُسے کچوکہ دیا۔ وہ شخص جب جانے لگا تو جناب رسالتمآبؐ نے اُسے بلا کر فرمایا "اے شخص! آؤ اور اپنا بدلہ چکاؤ۔"

اُس شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (میں بدلہ لینے سے رہا)

میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔

(راوی: ابوسعید خدری) سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۳۱۴

(۲۳)

ایک دن جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے درمیان کھڑے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی تیز تیز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے اُس نے حضورؐ کی ردائے مبارک پیچھے سے پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ حضورؐ کی گردن مبارک اس کی رگڑ سے سُرخ ہو گئی۔ کیونکہ چادر کھردری تھی۔ پھر وہ کہنے لگا۔

اعرابی: یا رسول اللہ! میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دیں۔ اور ہاں یہ غلہ نہ آپ نے اپنے پاس سے دینا ہے اور نہ ہی یہ آپ کے باپ دادا کا مال ہے۔

رسول اللہ: اے شخص! اللہ تعالےٰ مجھے معاف فرمائے۔ میں اس وقت تک تمھیں ہرگز غلہ نہیں دوں گا۔ جب تک تم نے مجھے جو تکلیف دی ہے۔ اس کا بدلہ تم سے نہ لے لوں۔

اعرابی: خدا کی قسم۔ میں بدلہ دینے کے لئے قطعی تیار نہیں۔

جناب رسالتمآبؐ نے اپنی بات تین مرتبہ دُہرائی کہ میں بدلہ لوں گا اور اعرابی نے ہر بار وہی درشت جواب دیا۔ یہ سن کر صحابہ (جو مسجد میں موجود تھے) دوڑ کر حضورؐ کے پاس پہنچے (تاکہ اعرابی کو سزا دیں)۔ تو آپ نے انھیں روکتے ہوئے فرمایا:

"جو بھی میری بات سن رہا ہے۔ اُسے اللہ پاک کی قسم کہ وہ میری اجازت کے بغیر اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔"

اس کے بعد آپ نے ایک شخص کو حکم دیا۔

اس اعرابی کے ایک اونٹ پر کھجور لاد دو اور دوسرے پر کھجور (یعنی حضور رسالت مآبؐ نے اُس شخص کا قصور معاف فرما دیا اور قصاص نہیں لیا) فارغ ہوئے۔ تو آپؐ نے لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی۔

سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۱۵

(۲۴)

ایک دفعہ جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی جہم بن حذیفہؓ کو کسی مقام پر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ گئے۔ اور صدقات کی وصولی شروع کی۔ تو ایک شخص نے نہ صرف صدقہ ادا کرنے سے انکار کیا بلکہ وہ لڑائی پر اُتر آیا۔ چنانچہ ابوجہم نے (مجبور ہو کر) اُس کی پٹائی کی۔

وہ شخص اور اس کے قبیلہ والے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضورؐ سے قصاص کا مطالبہ کیا۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا اتنا مال لے لو، وہ راضی نہ ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ تو اتنا اور سہی۔ اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے۔ اس پر جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ کہ میں لوگوں کو جمع کر کے آگاہ کروں گا کہ تم دیت پر رضامند ہو گئے ہو انہوں نے عرض کیا۔ بہتر حضورؐ

چنانچہ لوگ جمع ہوئے تو جناب سید المرسلینؐ نے حاضرین سے فرمایا :-

"اے لوگو! یہ لوگ میرے پاس قصاص کا مطالبہ کرتے آئے تھے۔ چنانچہ میں نے انھیں اس قدر مال بطور دیت دینا منظور کیا تو وہ راضی ہو گئے۔ (اور اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئے)

لیکن وہ لوگ معاً بول اُٹھے۔ کہ ہم اس پر رضامند نہیں۔

اس پر صحابہ کرام انھیں سزا دینے کو تیار ہو گئے۔ حضورؐ نے صورتِ حاصل دیکھی تو آپ نے صحابہ کرام کو روک دیا۔ آپ نے پھر ان لوگوں کو بلایا اور فرمانے لگے۔

'کیا تم ہماری دیت سے راضی نہیں ہوئے؟'

انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں"۔

اس لئے حضورؐ نے دوبارہ حاضرین کے سامنے انھیں مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے لوگو! کیا تم کو ہماری ادا کردہ دیت قبول ہے اور کیا تم راضی ہو"۔

انہوں نے عرض کیا "ہاں! یا رسول اللہ۔ ہمیں کوئی شکوہ نہیں"۔

(سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۱۶)

(۲۵)

حضرت ثعلبہ بن زہدمؓ روایت کرتے ہیں کہ

قبیلہ ثعلبہ کے چند افراد حضورِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عین اُس وقت پہنچے، جبکہ جناب رسالتمآب خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ (اُن کو دیکھ کر) ایک شخص نے عرض کیا۔

یارسول اللہؐ! بنو ثعلبہ کے بعض افراد نے آپؐ کے فلاں فلاں صحابی کو قتل کیا تھا (اب آپ اُن سے مقتولوں کا قصاص لیں) تو
حضورؐ نے فرمایا: "اسے شخص! ایک شخص کی غلطی اور قصور کے بدلے میں دوسرے شخص پر گرفت کرنا جائز نہیں"۔
(سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۲۰ - ۳۲۱)

(۲۶)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔
"جو آنکھ بے نور ہو۔ مگر اپنی جگہ پر قائم ہو۔ اور کوئی شخص اُسے پھوڑ دے، تو اُسے اُس آنکھ کی ایک تہائی دیت ادا کرنی ہوگی"
"اسی طرح اگر کسی کا ہاتھ شل ہوگیا ہو۔ اور کوئی شخص اس شل ہاتھ کو کاٹ دے۔ تو اس کے لیے بھی کاٹنے والے کو ایک تہائی دیت ادا کرنی ہوگی"۔
بیمار دانت کا بھی یہی قصاص ہے۔
یعنی اگر کوئی دانت (کیڑا لگنے سے) سیاہ پڑ جائے اور کوئی شخص اس دانت کو توڑ دے۔ تو توڑنے والے کو ایک تہائی دیت ادا کرنی ہوگی۔ (سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۳۲)

(۲۷)

عمرو بن حزم روایت بیان کرتے ہیں کہ
جناب سید المکرمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام ایک خط تحریر فرمایا۔ اس خط میں فرض وسنت کے ساتھ دیت کے احکامات تحریر فرمائے یہ خط (حکم نامہ) عمرو بن حزم لے کر گئے، یہ خط عبد کلال کے تین بیٹوں شرجیل بن عبدکلال، نعیم بن عبدکلال اور حارث بن عبدکلال کے نام تھا۔ یہ لوگ قبیلہ ذی رُعین، معافر اور ہمدان کے رئیس تھے۔ یہ خط انھیں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں تحریر تھا۔
(۱) جو شخص کسی مسلمان کو بلا کسی جواز کے قتل کرے اور شہادت سے اُس کا قتل ثابت ہو جائے۔ یا وہ خود اعتراف جرم کرلے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر مقتول کے ورثا معاف کردیں۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔
دیت کی شرح حسب ذیل ہے:
جان کی دیت سو اونٹ ہیں۔
اگر پوری ناک کاٹ دی جائے تو دیت سو اونٹ ہیں۔
اسی طرح زبان، لب، ذکر، بیضے اور ہڈی وغیرہ کی بھی پوری دیت ہے۔ دونوں آنکھیں ضائع ہونے کی صورت میں بھی پوری دیت ہے۔
جبکہ ایک پاؤں کے نقصان کی صورت میں نصف دیت، ہاں اگر دونوں پاؤں ہوں، تو ان کی پوری دیت ہوگی۔
جو زخم دماغ اور مغز تک گہرا ہو۔ اس کی آدھی دیت ہے۔ اور ایسا زخم جو پیٹ تک گہرا ہو۔ اس کی ایک تہائی دیت ہے
جس زخم میں ہڈی ٹل جائے یا ٹوٹے اس کی دیت پندرہ اونٹ ہیں۔ جبکہ ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی کی دیت دس اونٹ اور ایک دانت کا بدلہ پانچ اونٹ ہیں (اور اگر کسی مرد نے عورت کو قتل کیا ہو) تو مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے۔

جو لوگ صاحب ثروت ہوں، ان کے پاس سونا چاندی ہو تو ان کے لیے دیت کی شرح ہزار دینار ہیں۔
(سنن نسائی جلد ۳ ص ۳۳۴)

۲۔ "حدود"

ارشاد ربانی: (۱) زناکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یقین کرو۔ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی برائی کا چلن ہے۔

(بنی اسرائیل - ۳۲)

(۲) اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پوجا نہیں کرتے، اور نہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ بُرے کام کرے گا۔ وہ اپنے گناہوں کے وبال سے دوچار ہوگا۔

(الفرقان - ۶۸)

ارشاد نبویؐ: حضرت عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب لمحے وحی کا نزول ہوتا تھا تو آپ بیقرار ہو جاتے۔ رُخِ انور کا رنگ بدل جاتا ایک روز آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ پر یہی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"غور سے سنو! اسے مضبوطی سے تھام لو! اللہ پاک نے عورتوں کے لیے ایک سبیل مقرر فرما دی ہے شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو انھیں (پہلے) سو کوڑے مارے جائیں اور پھر انھیں سنگسار کر دیا جائے۔

اور اگر زنا کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت غیر شادی شدہ ہوں تو اُن کے لیے سو کوڑے اور پھر جلا وطنی کی سزا ہے۔"

(صحیح مسلم)

(ا) زنا سے متعلق فیصلے:۔

(۱)

خیبر میں جو یہودی قبائل آباد تھے، اُن میں ایک شادی شدہ جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا۔ توراۃ کے احکامات کے مطابق اُن کی

سزا سنگساری تھی۔ مگر یہود نے خواہشاتِ نفس کی پیروی میں اِن احکامات کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ شاید اسلامی شریعت، موسوی شریعت کی نسبت نرم ہے۔ اس لیے وہ یہ مقدمہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان آنے والوں کو یہود نے بطورِ خاص یہ ہدایت کی تھی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مطلب کے موافق فیصلہ دیں تو قبول کر لیں ورنہ نہیں۔ یعنی اگر رجم کے علاوہ آپ نے کوئی دوسرا فیصلہ کیا تو مان لیں گے ورنہ انکار کر دیں گے۔

جب وفد حضورؐ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے حضورؐ سے پوچھا۔

"اے محمدؐ! اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کے مرتکب ہوں تو اُن کے لیے کیا حکم ہے۔"

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کیا جو فیصلہ میں کروں، تمھیں منظور ہوگا؟"

انہوں نے جواب دیا۔" ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہوگا"

اسی لمحے حضرت جبریل امینؑ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر نازل ہوئے۔ کہ" ایسے مجرموں کی سزا رجم ہے"۔

یہ فیصلہ سُن کر یہودی بوکھلا گئے۔ اور ماننے سے انکار کر دیا۔

جبریلِ امینؑ نے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا "کہ آپ ان یہودیوں سے یہ فرمائیں کہ وہ آپکے فیصلے کے متعلق ابن صوریا کو حکم بنائیں"۔ انہوں نے ابن صوریا کے حالات اور صفات سے بھی حضورؐ کو مطلع کر دیا۔ چنانچہ آپ نے یہودیوں سے فرمایا

"(اگر میرا فیصلہ تمھیں منظور نہیں تو) تو میری بات غور سے سنو۔:

کیا تم اس نوجوان سے واقف ہو، جس کا رنگ سفید ہے۔ اور جو ایک آنکھ سے معذور ہے؟

انہوں نے کہا "ہاں"

آپ نے فرمایا۔" تمہارا اس نوجوان کے متعلق کیا خیال ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔" روئے زمین پر یہودیوں میں اس کے پایہ کا عالم نہیں۔

آپؐ نے ابن صوریا کو بُلا بھیجا۔ جب وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضور سید الکونین نے اُسے قسم دے کر پوچھا: "اے شخص! توراۃ میں اس جرم (زنا) کے متعلق احکامات ذرا بتلیئے"

ابن صوریا: "قسم ہے اُس ذات پاک کی، جس کی قسم آپ نے مجھے دی ہے۔ اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے۔ اور مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اگر میں نے غلط بیانی کی، تو اللہ کی کتاب (توراۃ) مجھے جلا کر خاک کر دے گی۔ تو کبھی اس (صحیح) حکم کو ظاہر نہ کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی طرح۔ توراۃ میں بھی یہ حکم ہے کہ (شادی شدہ) زانیوں کو سنگسار کیا جائے"۔

"(اصل بات یہ ہے) کہ ہمارے اشراف کے یہاں زنا کی کثرت ہوگئی۔ تو (اُن کے مرتبہ کی وجہ سے) ہم نے شرفا کو اس سزا سے مستثنیٰ کرنا شروع کیا (اور یہ خیال نہ کیا کہ احکام خداوندی کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے) ہاں غریب طبقہ پر رجم کی حدود جاری رہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ اس (طبقاتی) تفریق کو ختم کرنے کے لیے ہم نے رجم کی سزا کو سرے سے موقوف کر دیا اور اس کی بجائے

دوسری سزائیں، مثلاً منہ کالا کرنا۔ جوتے مارنا۔ گدھے پر اُلٹے منہ سوار کرنا۔ اور کوڑے مارنا۔ جیسی سزائیں جاری کیں"۔

یہ سن کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"یا اللہ! میں پہلا شخص ہوں، جس نے تیرے اِس حکم کو زندہ کیا۔ جب کہ (اس کے حاملین نے) اس کو موقوف کر دیا تھا"۔

چنانچہ آپ نے دونوں (زانی اور زانیہ) کو رجم کرنے کے احکامات جاری فرمائے۔ ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔

(۱) صحیح بخاری۔ کتاب الحدود۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الحدود ص ۳۳۲-۳۳۴

(۲)

چند یہودی جناب سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ اُن میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ (اس کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "توراۃ میں زنا سے متعلق کیا حکم ہے؟

انہوں نے کہا۔ "ہم اُن کو (زانی اور زانیہ) رُسوا کرتے ہیں، اُن کو دُرّے مارتے ہیں۔

عبداللہ بن سلام جو وہاں موجود تھے انہوں نے یہودیوں کی بات سُن کر کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو، توراۃ میں سنگسار سے متعلق آیت موجود ہے۔"

چنانچہ حضور کی خدمت میں توراۃ لائی گئی۔ یہودی اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔ جب آیہ رجم آئی۔ تو اُن میں سے ایک شخص نے آیت مذکورہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور اس سے اگلی اور پچھلی آیات پڑھ کر سنانی شروع کیں۔

عبداللہ بن سلام (چپ نہ رہ سکے) نے کہا، ذرا اپنا ہاتھ تو ہٹاؤ۔ جب شخص مذکور نے اپنا ہاتھ ہٹایا۔ تو وہاں آیت رجم موجود تھی۔

آپ نے فیصلہ صادر فرمایا۔ کہ دونوں (زانی اور زانیہ) کو سنگسار کیا جائے۔

چنانچہ آپ کے حکم سے وہ دونوں سنگسار کئے گئے۔

۱۔ موطا امام مالک

۲۔ صحیح بخاری جلد ۹ کتاب المحاربین ص ۳۷

(۳)

ایک شخص جناب سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اقرار کیا کہ اُس سے زنا سرزد ہوا ہے۔ (اور کہا مجھے پاک فرمائیے)

(چوں کہ اُس نے خود اقرار کیا تھا) اس لئے حضورؐ نے حاضرین میں سے کسی کو کوڑا لانے کو فرمایا۔ وہ شخص ایک ٹوٹا ہوا کوڑا

ے آیا۔ اس لئے آپ نے فرمایا: "اِس سے بہتر کوڑا لاؤ"۔ اس بار وہ نیا کوڑا لایا۔ تو آپ نے فرمایا: "یہ کوڑا سخت ہے۔ اس سے ذرا نرم کوڑا (استعمال شدہ) لاؤ۔"

اس کے بعد ایسا کوڑا حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا جو استعمال ہو چکا تھا۔ اس لیے نرم تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کوڑے سے حد جاری کی جائے۔

چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق حد جاری کی گئی۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اے لوگو! اب تمہارے لئے وقت آچکا ہے کہ تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ تو جس شخص سے ان نا پاک افعال کا ارتکاب ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی پردہ داری کے ساتھ پردہ رکھے (یعنی اُسے چھپانے کی کوشش کرے) کیوں کہ جو شخص اپنا چہرہ ہم پر ظاہر کرے گا (جو شخص خود آکر اپنے جرم کا اقرار کرے گا) تو ہم اللہ کی کتاب کے مطابق اس پر حد جاری کریں گے۔

(موطا امام مالک)

(۴)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دو شخص حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔

ایک شخص نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں"۔

دوسرے شخص نے کہا: "ہاں یا رسول اللہ۔ ہمارے مقدمہ کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرمائیں۔ (اس سے پہلے) آپ مجھے اجازت دیں کہ میں صورتِ حال کھول کر آپ کے سامنے پیش کروں"۔

آپ نے فرمایا۔ بیان کرو، تو اس شخص نے کہا۔

یا رسول اللہ! میرا بیٹا اس شخص کے یہاں ملازم تھا۔ اُس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ بعض لوگوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے پر رجم کی حد جاری کی جائے گی۔ میں نے (اپنے بیٹے کی جان بچانے کی خاطر) اس کے فدیہ میں اس شخص کو سو بکریاں اور ایک لونڈی دی۔ (لیکن اس کے باوجود میرا ضمیر مطمئن نہ ہوا) تو پھر میں نے اہلِ علم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ (ان علماء سے) مجھے پتہ چلا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا ملے گی اور اس کو ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا۔ (کیوں کہ وہ کنوارا ہے) اور اس شخص کی بیوی پر رجم کی حد جاری ہوگی"۔

اس لیے ہم جنابؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

(دونوں کا بیان) سُن کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اور وہ فیصلہ یہ ہے:

" اے شخص۔ تجھے تیری بکریاں اور لونڈی واپس کر دی جائے۔ تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے

اور اُسے ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔"

چنانچہ اُس کے لڑکے کو حضورِ رسالتمآبؐ کے فیصلہ کے مطابق سزا دی گئی۔

اس کے بعد آپ نے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اور ہاں اُنیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ۔ اور اگر وہ زنا کا اقرار کرے۔ تو اُسے سنگسار کر دو۔"

اس کی عورت نے اُنیس کے آگے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا، اس لئے اُسے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق سنگسار کر دیا گیا۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۶، صـ ۲۵، صـ ۳۴-۳۸۔

۲۔ موطا امام مالک۔

(۵)

ماعز بن مالک قبیلہ اسلم کا ایک یتیم لڑکا تھا۔ جس کی پرورش و تربیت حضرت ہزال نے کی تھی۔ یہاں وہ ایک آزاد کردہ لونڈی سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھا ہزال کو جب پتہ چلا تو اُس نے ماعز کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خود بارگاہِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر اپنے جرم کا اقرار کرے۔ ہو سکتا ہے حضورؐ اُس کے لئے کوئی راہ نکال لیں، یا دعائے مغفرت فرما دیں۔

وہ مسجدِ نبوی میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ" مجھے پاک کر دیجئے۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے"۔ آپؐ نے اس کی بات سُن کر منہ دوسری طرف پھیر لیا اور فرمایا: "لوٹ جا۔ اور اللہ پاک سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ اور توبہ کر"۔ اس پر بھی وہ وہاں سے نہ گیا۔ اور سامنے آکر پھر وہی بات دہرائی۔ آپ نے پھر بھی اپنا رُخ پھیر دوسری طرف کر لیا۔ اُس نے تیسری بار پھر وہی بات کہی۔ لیکن حضورؐ نے اس بار بھی منہ پھیر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے ماعز کو خبردار کیا کہ دیکھ اگر چوتھی بار بھی تُو نے اپنے جُرم کا اقرار کر لیا، تو پھر جناب رسول اللہؐ تجھ پر رجم کی حد جاری کر دیں گے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ماعز پہلے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے اُسے توبہ کا مشورہ دیا، لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی تو پھر آں حضرتؐ کی خدمت میں آکر اعترافِ گناہ کیا۔

بہر حال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سمجھانے پر بھی وہ نہ مانا اور چوتھی بار پھر حضورؐ سے عرض کی۔ "یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے۔ میں نے زنا کیا ہے۔"

جب اس نے چوتھی بار بھی اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو حضورؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔ "شاید تو نے بوس و کنار کیا، چھیڑ خانی کی ہوگی۔ یا پھر اس عورت پر نظرِ بد ڈالی ہوگی۔"

اُس نے کہا۔" یا رسول اللہ نہیں، میں نے فعلِ بد کیا ہے۔"

رسول اللہؐ نے فرمایا۔" تو کیا تو نے اس سے ہم بستری کی؟"

اُس نے کہا۔" ہاں۔"

رسول اللہؐ: "کیا تو نے اس سے مباشرت کی؟"

ماعز : "ہاں! یا رسول اللہؐ"۔

رسول اللہؐ : "کیا تو نے اس سے مجامعت کی"۔

ماعز : "ہاں"۔

رسول اللہؐ : "کیا اس حد تک کہ تیری وہ چیز اُس کی اُس چیز میں غائب ہو گئی"؟

ماعز : یا رسول اللہ۔ ہاں۔

رسول اللہؐ :۔ کیا اس طرح جیسے سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنوئیں میں چلی جاتی ہے۔

ماعز : ہاں، اللہ کے نبیؐ۔ بالکل اسی طرح۔

رسول اللہؐ :۔ کیا تجھے علم بھی ہے کہ زنا کسے کہتے ہیں!

ماعز :۔ یا رسول اللہؐ۔ ہاں۔ میں نے وہی کچھ اس کے ساتھ حرام طریقے سے کیا جو شوہر حلال طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔

رسول اللہ : کیا تو شادی شدہ ہے؟

ماعز :۔ جی ہاں۔

رسول اللہ : کیا تو نے شراب تو نہیں پی رکھی۔

ماعز : نہیں اللہ کے نبیؐ۔

اس پر حضورؐ نے ایک آدمی کو اشارہ کیا، اُس نے اٹھ کر ماعز کا منہ سونگھا اور اس بات کی تصدیق کی کہ اُس نے شراب نہیں پی۔ پھر آپ نے محلہ والوں سے اُس کے ہوش و حواس کے متعلق دریافت فرمایا۔ تاکہ پتہ چلے کہ کہیں یہ شخص دیوانہ تو نہیں۔ محلہ والوں نے بتایا کہ انہوں نے ماعز کی عقل میں کوئی فتور نہیں پایا۔

آپ نے ہزال کو کہا کہ کاش تم نے اس کا پردہ رکھ لیا ہوتا۔ تو تمہارے حق میں بھی بہتر تھا۔

چونکہ ماعز نے چار بار بغیر کسی دباؤ کے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اس لئے جناب رسالتمآب نے ماعز کو سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

اُسے سنگسار کرنے کے لیے شہر سے باہر لے گئے۔ جب اس پر پتھر برسنے لگے تو وہ بھاگا۔ اور چلّانے لگا "لوگو! خدارا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ مجھے میرے قبیلہ والوں نے دھوکا سے مروا دیا۔ مجھے غلط تسلی دی کہ رسول اللہؐ مجھے رجم نہیں کریں گے"۔

مگر لوگوں نے پتھر مار مار کر اُسے ہلاک کر دیا۔

جب صورتِ حال کی اطلاع حضورؐ کو ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔

کاش! تم نے اُسے چھوڑ دیا ہوتا، میرے پاس لے آئے ہوتے۔ شاید وہ سچے دل سے توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔

(صحیح بخاری جلد ۹ صہ ۱۹ - ۲۳)

(صحیح مسلم۔ جلد ۲ صہ ۳۲۲ - ۳۲۶)

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الحدود صہ ۱۴۸)

(۶)

چند اشخاص ایک عورت کو جناب سید الکونین کی بارگاہ میں لائے جس سے زنا سرزد ہوا تھا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون ہے۔ جو اس عورت کے ساتھ زنا میں ملوث ہوا ہے۔؟"

حاضرین نے عرض کیا۔

یہ فعل پیدائش معذور اور اپاہج شخص نے کیا ہے۔ جو حضرت سعد بن عبادہ کے باغ میں رہتا ہے۔

حضورؐ نے اُس شخص کو بلا بھیجا۔ لوگ اُسے سہارا دے کر لائے۔

آپ نے حکم دیا کہ کھجور کے خوشے لائے جائیں اور اُن سے اِسے مارا جائے چنانچہ اُسے کھجور کے خوشوں سے مارا گیا۔

کتاب الاموال میں ہے کہ سعد بن عبادہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ضعیف، اپاہج اور بیمار شخص کو لے آئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ۔ اس نے میری ایک لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اس کے لیے ایک شاخ لے لو، جس میں سو ٹہنیاں ہوں۔ اُس سے اِسے ایک مرتبہ مارو۔

چنانچہ اُسے عثکال (کھجور کے خوشوں) سے مارا گیا۔

سزا میں یہ تخفیف محض اس لئے کی گئی کہ ملزم معذور اور لاغر تھا۔ اگر اُسے کوڑوں کی سزا دی جاتی، تو جانبر نہ ہوسکتا۔

(راوی۔ ابو امامہ حنیف)

(سنن نسائی جلد ۳ صـ ۴۶۸-۴۶۹)

(۷)

جہینہ کی ایک عورت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھ سے زنا سرزد ہوا ہے۔ اور کہ میں حمل سے ہوں، جناب رسالتمآبؐ نے اُس کے سرپرست کو بلایا اور حکم دیا۔ کہ اس عورت کو اپنے پاس رکھو، اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو، جب تک بچہ کی ولادت نہ ہوجائے۔ جس وقت وضع حمل ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا۔

چنانچہ جس وقت وضع حمل ہوا۔ تو اس عورت کے ولی نے آپ کو اطلاع دی۔ (چونکہ عورت نے خود اقرار کیا تھا) اس لیے آپ نے حکم صادر فرمایا " اس عورت کے جسم پر اس کا کپڑا لپیٹ دو اور سنگسار کر دو"

چنانچہ اس عورت کے بدن پر کپڑا لپیٹ کر اُسے رجم کر دیا گیا۔ رجم کے بعد آپؐ نے اس کی نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ اس زانیہ کی نماز جنازہ ادا فرمائیں گے تو آپ نے فرمایا "مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے۔ کہ اگر وہ مدینہ کے ستر شہریوں پر تقسیم کی جائے۔ تو بھی بھاری ہوگی۔ اس سے بڑھ کر کوئی بات ہوسکتی ہے کہ وہ خود حاضر ہوتی اور خود ہی اعتراف کیا۔

(ترمذی شریف، بروایت: عمران بن حصین)

(سنن ابی داؤد صـ ۲)

(۸)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھا۔ جبکہ ایک شخص وہاں آیا اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جو قابلِ حد ہے۔"

مگر جناب رسالت مآبؐ اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، اس شخص نے جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ تو وہ شخص پھر آپؐ کے پاس آیا اور عرض کی "یا رسول اللہ! مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جو قابلِ حد ہے۔ آپ اللہ کی کتاب کے مطابق مجھ پر حد جاری فرمائیں۔"

اس پر آپؐ نے فرمایا "کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی؟"

اُس نے کہا "جی۔ ادا کی ہے۔"

آپ نے فرمایا۔ بس، جاؤ، اللہ پاک نے تیرے گناہ کو معاف کر دیا ہے۔ اور حد بھی معاف فرما دی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۹، کتاب المحاربین صـ۲۳)

(۹)

ایک بار بنو غامدیہ کی ایک عورت بارگاہِ سید الکونین میں آئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھ سے زنا سرزد ہوا ہے، مجھے پاک فرمایئے۔

آپ نے فرمایا "واپس چلی جاؤ۔"

وہ عورت واپس چلی گئی۔ لیکن دوسرے روز پھر جناب رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ غالباً آپ مجھے بھی اُسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے آپ نے مالک کے بیٹے ماعز کو لوٹا دیا تھا۔ یا رسول اللہؐ۔ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے مجھے پاک فرمائیں۔ بخدا میں حمل سے ہوں۔

آپ نے پھر فرمایا "اے عورت لوٹ جاؤ" وہ اس وقت چلی تو گئی لیکن تیسرے روز پھر آ گئی۔ اور اپنی بات دُہرائی۔

آپ نے ارشاد فرمایا "اس وقت چلی جا۔ اور جب وضع حمل ہو جائے، پھر آ جانا"

چنانچہ حضورؐ کے حکم کے مطابق وہ چلی گئی اور جب واپس آئی تو اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ نومولود بچہ بھی تھا۔ اُس نے عرض کیا۔

"حضورؐ! یہ میرا بچہ ہے۔ میں نے اسے جنم دیا ہے۔"

آپ نے فرمایا، اس وقت چلی جاؤ۔ بچے کو دودھ پلاؤ۔ جب یہ اناج کھانے کے قابل ہو جائے۔ تو پھر آ جانا۔

وہ چلی گئی اور تھوڑی مدت کے بعد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئی۔ بچہ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ بچے کے ہاتھ میں کوئی کھانے کی چیز تھی جسے وہ کھا رہا تھا۔

یہ دیکھ کر، آپ نے حاضرین میں سے ایک شخص کو کہا کہ وہ بچے کو عورت سے لے لے اور اس کی کفالت کرے۔

اس کے بعد جناب سید الکونین نے حکم دیا۔ کہ ایک گڑھا کھود کر اس عورت کو سنگسار کیا جائے۔
چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق اس عورت کے لیے ایک گڑھا کھودا گیا اور اُسے سنگسار کر دیا گیا۔
سنگسار کرنے والوں میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے۔ انہوں نے بھی اس عورت کے پتھر مارا۔ اُس کے خون کے چھینٹے خالد کے رخسار پر پڑے تو انہوں نے اس عورت کو گالی دی۔
اس پر آپ نے خالد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔
خالد! سوچ سمجھ کر بات کرو۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔
اس عورت نے تو ایسی توبہ کی ہے اگر ایسی توبہ کوئی ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا محصل بھی کرے۔ تو اس کی بخشش ہو جائے۔
پھر آپ کے حکم سے اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور اُسے دفن کر دیا گیا۔

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الحدود صد ۳۲۲ - ۳۲۶

۲۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ کتاب الحدود صد ۱۵۲

(۱۰)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا، اور اپنے جرم کا اعتراف بھی کیا۔ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوڑے لگانے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن جب آں حضورؐ کو پتہ چلا کہ مجرم شادی شدہ ہے تو آپ نے اپنا حکم بدل دیا۔ اور اُس شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔
چنانچہ وہ سنگسار کر دیا گیا۔

(۱۱)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے لونڈی کے زنا کرنے کے متعلق احکامات دریافت کئے گئے۔ آپ نے فرمایا:
اگر کوئی لونڈی زنا کرلے۔ اور اس کا زنا ثابت ہو جائے۔ تو اس پر کوڑوں کی حد جاری کی جائے۔ لیکن زبان سے اُسے ملامت نہ کی جائے۔

اگر وہ حرام کاری سے باز نہ رہے اور دوبارہ زنا کی مرتکب ہو۔ تو اُسے پھر کوڑے مارے جائیں۔ لیکن اُسے بُرا بھلا نہ کہا جائے۔
(اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے) اور تیسری بار پھر زنا کرلے اور اس کا زنا ثابت بھی ہو جائے۔ تو اس بار بھی اُسے کوڑے مارے جائیں۔
لیکن اب کے سزا دینے کے بعد اُسے فروخت کر دیا جائے۔ چاہے اُس کی قیمت ایک معمولی بالوں کی رسی کے برابر ہی کیوں نہ پڑے۔

(۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب المحاربین صد ۳۶)

(۱۲)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جن اشخاص کو تم قوم لوط کے عمل میں ملوث دیکھو۔ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

راوی۔ ابن عباس۔
نیل الاوطار۔ بحوالہ اسلامی حدود۔

(۱۳)

جناب ختمی مرتبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اگر مرد مرد سے ہم جنسی کا ارتکاب کرے تو دونوں زانی ہیں۔"
اور اگر عورت عورت سے بدفعلی میں ملوث پائی جائے تو دونوں زانیہ ہیں۔
(یعنی ان دونوں حالتوں میں حد جاری ہوگی۔)

بیہقی۔ شرح الزرقانی
بحوالہ۔ اسلامی حدود

(۱۴)

حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
"جو شخص کسی جانور سے فعل بد کا ارتکاب کرے تو اُسے قتل کر دو۔ اور اس جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کر دو۔
ابن عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں سے سوال کیا گیا۔ کہ (بے زبان) جانور کا کیا قصور ہے؟ (جو اسے بھی سزا دی جائے) تو ابن عباس نے جواب دیا کہ حضورؐ نے جانور کے متعلق تو کچھ نہیں فرمایا۔ البتہ اتنا ضرور محسوس ہوا کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ ایسے جانور کا گوشت کھایا جائے۔ یا اُسے کام میں لایا جائے۔ کیوں کہ اس سے بدفعلی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

سنن ابوداؤد، ترمذی شریف، مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹

(۱۵)

جناب علی حیدرؓ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا، آپ نے مجھے اس پر حد لگانے کا حکم دیا۔ (جب میں حد جاری کرنے کو تیار ہوا) تو مجھے پتہ چلا کہ وہ بچہ جننے کے قریب ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر اس کو حد لگاؤں تو وہ جان بر نہیں ہوگی (اس لئے حد نہیں لگائی) اور اس کا ذکر جناب رسالتمآبؐ سے کیا تو آپ نے فرمایا — تو نے اچھا کیا ہے۔ (جو حد جاری نہیں کی)

لیکن ابوداؤد میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اس وقت اسے چھوڑ دو، جب اس کا خون بند ہو جائے تو حد جاری کرنا۔

۱۔ صحیح مسلم۔
۲۔ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۔

(۱۶)

عمرو بن حمزہ اسلمی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ کے ہمراہ تھے پھر جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ آئے۔ یہاں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بادیہ جانے کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دے دی۔ تو وہ بادیہ کو روانہ ہوئے۔ جس وقت عمرو ضبوعہ کے مقام پر پہنچے جو مدینہ سے مکہ کی راہ پر ایک منزل پر واقع ہے۔ وہاں انھیں ایک حسین وجمیل عرب لونڈی نظر پڑی۔ شیطان نے انھیں اس حد تک بہکایا کہ وہ اُس سے زنا کر بیٹھے۔ اس وقت تک اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اپنے کئے پر سخت نادم ہوئے تو واپس جناب رسالتمآبؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ (اور صورت حال سے آں حضورؐ کو آگاہ کیا) آپ نے عمرو بن حمزہ پر حد جاری فرمائی۔

آپؐ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ انھیں جُدا جُدا کر کے کوڑے لگائے۔ اور کوئی ایسا کوڑا استعمال کرے جو استعمال شدہ اور نرم ہو۔

(طبقات ابن سعد، جلد ۴)

(۱۷)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک خاتون نماز کے ارادہ سے آرہی تھی کہ راستہ میں اُسے ایک شخص نے پکڑ لیا، زبردستی اُس سے زنا کیا۔ اور فرار ہوگیا، کیوں کہ عورت شور مچا رہی تھی۔ اتفاقاً (اُسی لمحے) ایک دوسرا شخص وہیں سے گذرا، عورت نے سمجھا کہ یہی شخص مجرم ہے۔ تو اُسی کے متعلق کہنے لگی کہ اِسی نے میرے ساتھ بدفعلی کی ہے۔ اُسی طرف سے مہاجرین کے چند آدمی گذر رہے تھے۔ عورت کے شور مچانے پر انھوں نے اسی شخص کو پکڑ لیا۔ (حالاں کہ یہ شخص حقیقت میں بے قصور تھا) عورت نے بھی کہا کہ یہی شخص ہے جس نے میری آبرو ریزی کی ہے۔ اس لئے وہ اسے لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اصل مجرم کو جب پتہ چلا کہ ایک بے گناہ شخص پر حد جاری ہوگی۔ تو وہ خود بارگاہِ رسالتؐ میں پیش ہوگیا۔ اور عرض کی۔

یا رسول اللہ! یہ شخص بے قصور ہے۔ جرم کا ارتکاب میں نے کیا ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا۔

"جاؤ۔ اللہ نے تیری بخشش فرما دی۔" پہلے شخص (بے قصور) کے متعلق کلمات خیر فرمائے۔ اور مجرم کے بارے میں حکم دیا کہ اُسے رجم کر دو۔ چنانچہ اُسے سنگسار کر دیا گیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ "اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے۔ کہ اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کرلیتے تو قبول کر لی جاتی۔"

۱۔ مشکوٰۃ جلد ۲ : صـ۳۶
۲۔ ابوداؤد جلد ۲ کتاب الحدود

(۱۸)

لجلاجؓ بیان کرتے ہیں:

"میں بازار میں بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا کہ اتنے میں ایک عورت اپنے بچہ کو سینے سے لگائے وہاں سے گذری۔ لوگ اُس کے پیچھے ہولئے۔ میں بھی (دیکھا دیکھی) اُن کے ساتھ ہولیا۔ وہ عورت (اور اس کے ساتھ لوگ) جب جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہ میں پہنچی۔ تو آپ نے اس عورت سے دریافت فرمایا۔ "اس بچے کا باپ کون ہے؟" وہ عورت تو خاموش رہی۔ لیکن اسی کے پاس سے ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا،

"یا رسول اللہؐ! اس (بچے) کا باپ میں ہوں"۔

اس پر جناب رسالتمآبؐ اسی عورت کی طرف مخاطب ہوئے اور پھر پوچھا۔ "بتاؤ۔ اس بچے کا باپ کون ہے؟" عورت تو چپ چاپ رہی۔ لیکن اسی نوجوان نے پھر کہا۔ "یا رسول اللہؐ! میں ہوں اس کا باپ"۔

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے (تحقیق کی خاطر) حاضرین سے پوچھا کہ کیا یہ شخص مجنون تو نہیں۔؟ سب نے عرض کیا، کہ نہیں۔ یہ تو بالکل بھلا چنگا ہے۔ اب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت کیا، "کیا تو شادی شدہ ہے"؟ تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ اسے رجم کیا جائے۔ اور اس شخص کو آپ کے حکم کے مطابق سنگسار کر دیا گیا۔ (۱) سنن ابی داؤد جلد ۲۔ کتاب الحدود

(۲) مسند امام احمد

قذف، لعان اور ظہار

ارشادِ ربانی:

(۱)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر (ثبوت میں) چار گواہ نہ لا سکیں، تو انھیں اسی (۸۰) تازیانوں کی سزا دو، اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ ایسے ہی لوگ ہیں، جو پکے فاسق ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے اس بدعملی کے بعد توبہ کر لی اور اپنی زندگی سنوار لی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا۔ رحمت والا ہے۔ (سورۂ نور: ۵،۴)

(۲)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا عیب لگائیں اور خود ان کے سوا، ان کا کوئی گواہ نہ ہو، تو ایسے مدعیوں میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہوگی کہ پہلے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ وہ ضرور اپنے بیان میں سچا ہے، پھر پانچویں مرتبہ کہے: اگر میں جھوٹا ہوں، تو مجھ پر اللہ کی پھٹکار، اور اگر (شوہر کے قسم کھانے کے بعد) عورت بھی چار مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ یہ آدمی اپنے بیان میں سراسر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہہ دے: اگر یہ اپنے بیان میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ ہی کا غضب پڑے (اس صورت میں) عورت کے سر سے سزا ٹل سکتی ہے۔

(سورۂ نور: ۷،۱۰)

جنابِ سیدالکونین کے فیصلے

۱ - قذف

(ا)

جنابِ ختمی مرتبت، سیدالانبیاءؐ صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۶ھ میں غزوۂ بنی المصطلق میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضؓ صدیقۂ کائنات بھی تھیں۔

غزوہ سے فراغت کے بعد آپؐ نے مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ واپسی میں ایک روز یہ واقعہ پیش آیا۔ قافلہ نے ایک منزل پر پڑاؤ کیا۔ آخر شب میں کوچ کا اعلان کیا گیا تو اس وقت جناب صدیقہؓ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً اُن کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش میں جناب صدیقہؓ کو دیر ہو گئی۔ قافلہ والوں نے جناب صدیقہؓ کا خالی ہودہ اونٹ پر رکھ لیا تھا۔ اور وہ روانہ ہو گئے تھے۔ ام المومنینؓ جب واپس ہوئیں تو قافلہ کو نہ پایا۔ انہوں نے کمال دانش مندی، جرأت اور استقلال سے کام لیا۔ قافلہ کے پیچھے ادھر اُدھر دوڑنے کی سعی نہیں کی بلکہ چادر لپیٹ کر بیٹھ رہیں۔ ابھی رات باقی تھی، نیند کا غلبہ ہوا۔ تو آنکھ لگ گئی۔

حضرت صفوانؓ بن معطل کے ذمہ حضورؐ نے یہ فرض عائد کیا تھا کہ قافلہ کے پیچھے رہا کریں۔ تاکہ کوئی چیز اگر رہ جائے تو اُسے محفوظ کر لیں۔ صبح جب وہ پڑاؤ کے مقام پر پہنچے۔ تو کسی کو سوتے ہوئے پایا۔ قریب آئے تو انہوں نے جناب صدیقہؓ کو پہچان لیا۔ کیوں کہ آیاتِ حجاب کے نزول سے قبل انہوں نے ام المومنینؓ کو دیکھا ہوا تھا۔ انتہائی افسوس کے عالم میں اُن کی زبان سے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجعون" نکلا یہ آواز جب ام المومنینؓ کے کان میں پڑی۔ تو آنکھ کھل گئی۔ جلدی سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ صفوانؓ اُن کے قریب اونٹ لے آئے اور خود دور کھڑے ہو گئے۔ جنابِ صدیقہؓ اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ تو صفوانؓ اُونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑے اور قافلہ کے ساتھ آن ملے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر راس المنافقین عبداللہ بن ابی کو موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور لگا واہی تباہی بکنے۔ بہتان تراشی شروع کر دی، ابن پھر کیا تھا۔ بھولے بھالے مسلمان بھی اس کے داؤ میں آ گئے۔ ان میں حضرت حسّانؓ بن ثابت، مسطح اور ایک خاتون حمنہ بنت جحش بھی شامل ہو گئے اور باتیں بنانے لگے۔

اس منافق کے بہتان کا جب چرچا ہوا۔ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی صدمہ پہنچا۔ جنابِ صدیقہؓ بھی انتہائی رنجیدہ تھیں اور عام مسلمان بھی سخت رنج و محن میں مبتلا تھے۔ ایک مہینہ تک یہ سوگوار کیفیت برقرار رہی۔ آخر اللہ پاک نے حضرت ام المومنین جنابِ سیدہ عائشہؓ کی براءت میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ ..... لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ٥

(سورۂ نور ۱۱ - ۲۶)

جناب رسالتمآبؐ کو تسکین خاطر ہوئی۔ حضرتِ صدیقہ کی خوشی کا عجیب عالم تھا۔ کیوں کہ خالقِ ارض و سما نے خود قرآنی آیات کے ذریعے

جناب صدیقہؓ کی برأت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہتی دنیا تک ثبت فرما دی۔

ان آیات میں اس مہم میں بہتان طرازی میں شریک ہونے والوں کی بھی مذمت کی گئی۔ اور قرآنی ضابطۂ قانون

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو، پھر نہ لائیں

چار مرد شاہد۔ تو مارو اُن کو اَسّی دُرّے۔ اور نہ مانو ان کی کوئی

گواہی – اور وہ لوگ ہی نافرمان ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (سورۂ نور)

کے مطابق تہمت تراشنے والوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ چار شاہد پیش کریں ۔ یہ تو محض بے بنیاد تہمت تھی ۔ بے سروپا بہتان تھا۔ گواہ کہاں سے لاتے، چوں کہ وہ گواہ نہ لاسکے ۔ اس لیے آپؐ نے اُن پر حدقذف جاری فرمائی ۔

اور حکم الٰہی کے مطابق ہر ملزم کو اَسّی تازیانے لگائے گئے ۔

جن تین مسلمانوں پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدقذف جاری فرمائی ان کے نام یہ ہیں :۔

حسّان بن ثابت رضؓ ۔ حمنہ بنت جحش اور مسطح بن اثاثہ غلام صدیق اکبرؓ۔

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ :

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی پر جو اس فتنہ کا اصل اور بانی تھا – دوہری حد جاری فرمائی ۔

مومنین رضؓ نے اللہ کے حضور توبہ کرلی ۔

لیکن منافقین ۔ اپنے فتنہ و دجل میں مزید غرق ہوتے چلے گئے ۔

۱۔ تفسیر تفہیم القرآن : سورۂ نور،

۲۔ تفسیر معارف القرآن : تفسیر سورۂ نور جلد ۶ ۔

۳۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ غزوہ بنی المصطلق ۔ واقعہ افک

۴۔ تاریخ طبری : سیرت النبی جلد اول ۔ غزوہ بنی المصطلق ۔

(۲)

بنو بکر بن لیث کا ایک شخص جناب سیدالکونینؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ۔ اُس نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور چار مرتبہ اقرار کیا کہ اُس سے زنا سرزد ہوا ہے ۔ اُس نے حضورؐ کو یہ بھی بتایا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے ۔

چنانچہ آپؐ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔

اُسے سو کوڑے مارے گئے ۔

پھر اُس شخص نے جس عورت کے ساتھ ملوث ہونا بیان کیا تھا ۔ اُس عورت پر اُس کے گواہ اُس شخص سے طلب کئے گئے ۔ (لیکن گواہ کوئی بھی نہیں تھا) (وہ عورت بُلائی گئی) تو وہ کہنے لگی :

"یا رسول اللہ - خدا کی قسم - یہ شخص سراسر جھوٹا ہے (اس نے مجھ پر تہمت باندھی ہے)
چنانچہ اس شخص پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدِ قذف بھی جاری فرمائی

راوی - ابنِ عباس - سنن ابی داؤد - جلد ۴
مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۶۶

(ب) لعان

(۱)

حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں - کہ جب قرآن مجید میں قذف کی حد سے متعلق احکام کی آیات :

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور (ثبوت میں) چار گواہ نہ لا سکیں،
تو انھیں اسّی (۸۰) تازیانوں کی سزا دو - اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو ایسے ہی
لوگ ہیں جو کہتے فاسق ہیں -" (النور : ۵)

کا نزول ہوا - تو انصار کے قبیلہ بنی خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ نے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا -

"کیا یہ آیات اسی طرح نازل ہوئی ہیں"

اُن کی زبانی اس قسم کی بات سن کر حضور دم بخود ہو گئے - اور انصار سے فرمایا :

" اے گروہ انصار! سن رہے ہو اپنے سردار کی باتیں ؟"

تو حاضرین نے عرض کیا ، یا رسول اللہؐ! آپ سعد کو ملامت نہ فرمائیں شدید غیرت کی وجہ سے اُن کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں - اس پر سعد بن عبادہ نے خود عرض کیا :-

یا رسول اللہؐ - میرے ماں باپ آپ پر قربان - میرا ایمان ہے کہ یہ آیات حق ہیں - اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائی ہیں - مگر جو بات پریشان کن ہے وہ یہ کہ اگر میں اپنی بے حیا بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ ملوث دیکھوں، تو کیا میں حق پر نہیں ہوں گا - اگر اسے قتل کر دوں - تو کیا میرے لئے ضروری ہوگا کہ میں چار گواہ ڈھونڈتا پھروں، اور جب تک انھیں اکٹھا کروں ، ملزم اپنا مطلب پورا کر کے فرار ہو جائے -

ان آیات کے نزول اور سعد بن عبادہ کی اس گفتگو پر تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ ہلال بن اُمیہ - کو بعینہٖ یہی واقعہ پیش آ گیا - عشا کے وقت جب وہ اپنی زمینوں سے واپس ہوئے - تو انہوں نے ایک فرد کو اپنی بیوی پر پایا ان کی باتیں بھی سُنیں لیکن کوئی قدم نہیں اُٹھایا - صبح دم ہلال جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ من وعن حضورؐ کے گوش گذار کیا - جناب رسالتمآب یہ واقعہ سُن کر سخت رنجیدہ ہوئے - اتنے میں انصار کے دوسرے افراد بھی وہاں آن پہنچے اور آپس میں کہنے لگے -

" ہمارے سردار سعد بن عبادہ نے جو بات کہی تھی ، ہم اسی ابتلا میں پڑ گئے - ہلال کے بس کا روگ نہیں کہ چار گواہ اکٹھے کر سکے ، اس لیے

جناب رسالتمآبؐ احکام الٰہی کے مطابق اسے حدِ قذف بھی لگائیں اور ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت بھی قرار دیں گے۔

مگر ہلال نے کہا۔ بخدا مجھے اللہ تعالٰے کی ذات پر کامل یقین ہے کہ وہ مجھے رسوا نہیں کرے گا۔

جناب رسالتمآبؐ نے ہلال کا واقعہ سن کر فرمایا۔

اے ہلال! قرآنی حکم کے مطابق چار گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پیٹھ پر اسی تازیانے لگائے جائیں گے۔

ہلال بن امیہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں اپنے دعوے میں حق پر ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ ضرور اللہ تعالٰے کوئی ایسی سبیل پیدا فرمائیں گے۔ جو میری پیٹھ کو حد قذف سے نجات دلائے گی۔

دوران گفتگو حضرت جبریل آئے یہ آیات،

> اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا عیب لگائیں اور خود اُن کے سوا، اُن کا کوئی گواہ نہ ہو، ایسے مدعیوں میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہوگی کہ پہلے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ وہ ضرور اپنے بیان میں سچا ہے۔ پھر پانچویں مرتبہ کہے، اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی پھٹکار۔
>
> اور اگر (شوہر کے قسم کھانے کے بعد) عورت بھی چار مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ یہ آدمی سراسر اپنے بیان میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہہ دے۔
>
> اگر یہ اپنے بیان میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ ہی کا غضب پڑے (اس صورت میں) عورت کے سر سے سزا ٹل سکتی ہے۔ (سورۂ نور ۷:۱۰)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آیات لعان نازل ہوئیں تو جناب رسالتمآبؐ نے ہلال بن امیہ کو بلا کر بشارت دی کہ اللہ تعالٰے نے تمہارے لیے راہ پیدا فرما دی ہلال نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ میں تو اللہ پاک سے ایسی ہی آس لگائے ہوئے تھا۔

اس پر جناب رسول اللہؐ نے ہلال کی بیوی کو بھی بلا بھیجا۔ جب وہ آن پہنچی۔ تو حضورؐ نے اس دعویٰ سے متعلق اس سے باز پرس کی، جس پر وہ کہنے لگی "یا رسول اللہؐ! ہلال نے مجھ پر بہتان باندھا ہے"۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا: "اللہ تعالٰے علیم و خبیر ہے۔ اُسے علم ہے کہ تم میں کا کوئی ایک جھوٹا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جو (خدا کا خوف کرتے ہوئے) توبہ کرے اور حق بات ظاہر کر دے"۔

اس پر ہلال بن امیہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میں نے حق بات کہی ہے۔ اور جو کچھ کہا ہے۔ سچ کہا ہے۔

اس پر جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ دونوں میاں بیوی سے قرآنی احکام کے مطابق لعان کرایا جائے۔ اس لئے آپؐ نے پہلے ہلال کو حکم دیا۔ کہ وہ چار مرتبہ اُن الفاظ سے شہادت دے جو کلام پاک میں مذکور ہیں۔ چنانچہ ہلال نے چار مرتبہ

شہادت دی کہ :

"میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں۔"

جب وہ پانچویں شہادت کے لئے تیار ہوا تو حضورؐ نے تاکیداً ہلال سے فرمایا:

"دیکھو ہلالؓ : خدا کا خوف کرو، دنیاوی سزا آخرت کے عذاب سے کہیں ہلکی ہے۔ اور عذاب الٰہی۔ لوگوں کی دی ہوئی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے۔ اسی پر فیصلہ کا دارومدار ہے۔"

اس پر ہلال بن امیہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے کامل یقین ہے کہ اللہ پاک مجھے اس شہادت پر آخرت کا عذاب نہیں دیں گے ،اور اُس نے پانچویں شہادت دی۔

"اگر میں جھوٹ بولتا ہوں۔ تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔"

اس کے بعد ہلال بن امیہ کی بیوی آگے بڑھی، اس نے بھی چار بار شہادت دی اور قسمیں کھائیں اور ہر بار کہا کہ میرا خاوند جھوٹا ہے جب پانچویں شہادت دینے لگی تو آپ نے اُسے روک دیا۔ اور فرمایا "خدا سے ڈرو، یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے۔ یاد رکھو اللہ کا عذاب اس دنیاوی سزا (زنا کی حد شرعی) سے زیادہ المناک ہے۔"

اُس نے جب یہ سُنا۔ تو وہ تھوڑی دیر رکی۔ جھجکی۔ مگر پھر فوراً کہہ اُٹھی :

واللہ۔ میں اپنی قوم کو ہرگز رسوا نہیں کروں گی۔ اور پانچویں شہادت بھی دے دی۔

"کہ اگر میرا شوہر سچا ہے۔ تو اللہ کی پھٹکار مجھ پر پڑے۔"

جب ملاعنت کی کارروائی مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی میں تفریق کرا دی اور حکم دیا کہ۔

۱۔ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو گا۔ وہ ماں سے منسوب کیا جائے گا

۲۔ باپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

۳۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بچے کو مطعون کرے۔ یا اس کی ماں کو ملامت کرے، اور اگر کوئی شخص اس کے باوجود الزام تراشی کا مرتکب ہوا، تو —— اس پر حدِ قذف جاری ہو گی۔

۴۔ عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ ہلال سے زمانہ عدت کے لئے نفقہ اور سکونت کا مطالبہ کرے۔ کیوں کہ یہ طلاق اور وفات کے بغیر اپنے خاوند سے الگ کی جا رہی ہے۔

پھر آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

اس عورت کے ہاں جب بچہ کی ولادت ہو تو دیکھو وہ کس پر گیا ہے؟ وہ ہلال پر ہو تو سمجھو ہلال کا ہے۔

اور اگر دوسری صورت پر ہو تو سمجھو کہ یہ بچہ اُس شخص کا ہے۔ جس کے ساتھ عورت متہم کی گئی ہے۔

وضع حمل کے بعد جب دیکھا گیا تو بچہ ہلال کی صورت پر نہیں تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا :

اگر خدا کی کتاب پہلے فیصلہ نہ کر چکی ہوتی۔ تو میں اس پر ضرور حد جاری کرتا۔

۱۔معارف القرآن۔تفسیر سورۂ نور ، صحیح بخاری؛ جلد ۲۔ کتاب المحاربین صہ ۴۴۰، ۴۴

جلد ۳ کتاب۔ صہ ۹۰۸ - ۹۰۹

۲۔تفہیم القرآن : تفسیر سورۂ نور صحیح مسلم : جلد ۲ : صہ ۱۳۳-۱۳۶

سنن نسائی :۔

(۲)

ایک شخص اور اس کی بیوی کا مقدمہ بارگاہِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا۔ (خاوند نے بیوی پر الزام لگایا کہ وہ دوسرے شخص سے ملوث ہوئی ہے) ان کے درمیان لعان کرایا گیا۔

عورت حمل سے تھی، لیکن مرد کو اصرار تھا کہ یہ حمل اُس کا نہیں (ملاعنت کے بعد) جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے درمیان تفریق کرا دی اور فیصلہ دیا۔

کہ بچہ صرف ماں کا ہوگا۔

راوی عبد اللہ بن عمرؓ / موطا امام مالک صہ ۴۰۸

(۳)

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اِسی طرح کا ایک اور معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کا حکم دیا۔ ملاعنت کے بعد حضورؐ نے فرمایا :

"تمہارا حساب اللہ پاک کے ذمے ہے۔ تم میں کا ایک بہر حال جھوٹا ہے۔" پھر آپ نے مرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ (عورت) اب تیرے حق میں نہیں رہی۔ اب تیرا اس کے ساتھ تعلق باقی نہیں رہا۔ تم اس (عورت) کے خلاف نہ تو کسی قسم کی دست درازی کر سکتے ہو، اور نہ کسی منتقمانہ کارروائی کرنے کے مجاز ہو۔"

اس پر اُس شخص نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میرے مال (جو اِسے میں نے دیا ہے) کا کیا بنے گا؟"

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمھیں مال واپس لینے کا کوئی حق نہیں۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے۔ تو بھی (تمہارا) مال اس لذت کا بدل ہے جو تو نے حلال کر کے اُس سے حاصل کی۔

اور اگر تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ تو بھی (جس طرح اب وہ عورت تم سے دور ہو گئی ہے) اِسی طرح مال بھی تیرے حق ملکیت سے دور چلا گیا۔

(۴)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لعان پر کلام کرتے ہوئے فرمایا :۔

" جو عورت کسی خاندان میں ایسا بچہ لے آئے جو اس خاندان کا نہیں (یعنی عمل حرام) تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگی۔
اور جو مرد اپنے بچے کے نسب سے انکار کرے، حالاں کہ بچہ اس کو دیکھ رہا ہو تو اللہ قیامت کے دن اپنے اور اس کے درمیان حجاب حائل کر دے گا۔ اور اُسے تمام اگلی اور پچھلی مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا۔
راوی:۔ ابو ہریرہ رضؓ / سنن نسائی:۔

(۵)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔
جب زنا کی تہمت لگانے والے پر حدِ قذف قائم کرنے کے احکام نازل ہوئے۔ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف لا کر یہ احکام لوگوں کو سنائے۔ حاضرین میں عاصم بن عدی بھی تھے۔ وہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا:
یا رسول اللہؐ! میری جان آپ پر قربان ہو۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص دیکھتا ہے کہ اس کی عورت کسی غیر مرد سے لوث ہے۔ تو اگر وہ چشم دید واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ تو حدِ قذف کا مستحق بنتا ہے۔ اور مردود الشہادت فاسق قرار دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ گواہوں کی تلاش میں نکلتا ہے۔ تو جب تک وہ گواہ اکٹھے کرے۔ وہ شخص اپنی حاجت پوری کرکے فرار ہو چکا ہوگا۔
عاصم نے وہی سوال حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ جو اس سے قبل سعد بن عبادہ کر چکے تھے۔
چند روز کے بعد اس کے اپنے خاندان میں ایسا واقعہ رونما ہوا، عاصم کے چچا زاد بھائی عویمر عَجلَانی کی بیوی، خولہ، جو اس کی چچا زاد بہن بھی تھی۔ ایک روز شریک بن سحما کے ساتھ مُبتلا پائی گئی۔ یہ شریک بھی عاصم کا چچا زاد بھائی تھا۔ عویمر عجلانی نے یہ واقعہ اپنے چچا زاد بھائی عاصم سے بیان کیا اور اُسے کہا کہ تم میرے واسطے اس مسئلہ کا حل جناب رسالتمآبؐ سے پوچھو۔ عاصم نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ اور رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
یا رسول اللہؐ! میں نے جو سوال آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ افسوس ہے کہ میں خود اس میں مبتلا ہوگیا۔ میرے ہی اہلِ بیت میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا ہے۔ حضورؐ نے عاصم کے اس سوال کو ناپسند فرمایا۔ اور بُرا منایا۔ چنانچہ جب وہ واپس گھر گیا۔ تو عویمر کو کہا۔ تم نے میرے ساتھ اچھائی نہیں کی۔
عویمر نے کہا، بخدا میں خود حضورؐ کی خدمت میں جا کر عرضِ حال کروں گا چنانچہ وہ خود حاضر ہوا اور عرض کیا۔
یا رسول اللہؐ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو لوث دیکھے۔ تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو قتل کر دے اور اس کے بدلہ میں خود مارا جائے۔ بھلا۔ وہ اس کے علاوہ کرے تو کیا کرے اور اس کے بعد صورت حال حضورؐ کے سامنے بیان کی۔

(تمام واقعہ سن کر)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (پریشان مت ہو) اللہ تعالےٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملے میں حکم نازل فرمایا ہے۔ جاؤ۔ اور بیوی کو لے آؤ۔

چنانچہ عویمر عجلانی اور اس کی بیوی خولہ، دونوں مسجد میں پہنچے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ وہ ملاعنت کریں لیکن ملاعنت کرنے سے پہلے تین بار آپ ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ پاک علیم و خبیر ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کا ایک ضرور جھوٹا ہے۔ پھر کیا تم میں سے کوئی (خدا کا خوف کرتے ہوئے) توبہ کرنے کو تیار ہے؟"

حضورؐ کے انتباہ کے باوجود کوئی بھی توبہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوا تو حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ ملاعنت کریں۔

جب دونوں میاں بیوی — پانچوں بار قسمیں اٹھا چکے۔ اور کسی نے بھی اپنے دعوے سے رجوع نہیں کیا۔ تو عویمر نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اب اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھتا ہوں تو (اس کا مطلب ہے کہ) میں جھوٹا ہوں (اور میں نے بہتان باندھا ہے) یہ کہہ کر عویمر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ حالاں کہ ابھی حضورؐ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بہرحال آپ نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ اور فیصلہ دیا کہ:

"یہ تفریق ہر ایسے جوڑے کے معاملے میں ہے جو باہم لعان کرے۔"

یہ سنت قائم ہو گئی کہ لعان کرنے والے میاں بیوی کو جدا کر دیا جائے۔ اور انہیں یکجا نہ رہنے دیا جائے۔

عویمر کی بیوی حمل سے تھی۔ لیکن عویمر مصر تھا کہ یہ حمل میرا نہیں اس لئے آپ نے فیصلہ صادر فرمایا:۔

۱۔ بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

۲۔ نیز بچہ ماں سے میراث پانے کا حق دار ہوگا۔

اور ۳۔ ماں بھی اس سے میراث پانے کی مستحق ہوگی۔

صحیح بخاری : ۱۔ جلد ۲: کتاب الطلاق صہ ۹۰۹ – ۹۱۶
۲۔ جلد ۲ کتاب المحاربین صہ ۴۵

صحیح مسلم : جلد ۲ صہ ۱۲۶ – ۱۳۰

سنن نسائی :۔ معارف القرآن تفسیر سورۂ نور

موطا امام مالک صہ ۴۰۷

(۶)

ایک شخص جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے اور وہ مجھے حد سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر اس کا حال کچھ ایسا ہے کہ کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں جھٹکتی۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ تو اسے طلاق دے دے

اس پر اُس شخص نے کہا۔ حضورؐ! مگر میں تو اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔
حضورؐ نے فرمایا۔ تو اُسے اپنے پاس رہنے دے۔
چونکہ یہ معاملہ مبہم تھا۔ اس لئے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے اس بات کا مطالبہ نہیں کیا کہ جو بات اُس نے اشارے کنائے میں کی ہے، اس کی تشریح کرے۔
اس لئے آپ نے اُسے رخصت فرما دیا اور لعان کا حکم نہیں دیا۔

(سنن نسائی)

(۷)

ایک اعرابی جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔
یا رسول اللہؐ! میری بیوی کے ایک لڑکا ہوا ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ میری اولاد ہے۔
آپ نے فرمایا:۔ تیرے پاس کچھ اونٹ تو ہوں گے۔
اس نے جواب دیا: ہاں، حضورؐ!
آپ نے استفسار فرمایا۔ وہ کس رنگ کے ہیں؟
اس نے عرض کیا۔ سُرخ رنگ کے۔
آپ نے فرمایا، کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے۔
اُس نے کہا: جی ہاں۔ بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں۔
آپ نے پوچھا۔ تو یہ رنگ کہاں سے آ گیا؟
اُس نے کہا: شاید کوئی رگ کھینچ لے گئی، (یعنی ان کے باپ دادا میں کوئی ایسے رنگ کا ہوگا اور اس کا اثر اُن میں آ گیا ہے)
اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
شاید اس بچے کو بھی کوئی رگ کھینچ لے گئی ہے۔
اس لئے تمہیں اس بات کا حق نہیں کہ اپنے بچے کے نسب سے انکار کرو۔

صحیح بخاری۔ جلد ۳ کتاب الطلاق ص ۹۰
جلد ۶ کتاب المحاربین ص ۴۱
صحیح مسلم۔ جلد ۲ ص ۱۳۶ - ۱۳۷

ج:۔ ظہار

ایک خاتون خولہ نامی جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کی خدمت میں عرض کیا:

یارسول اللہ! جب اوس نے مجھے اپنے نکاح میں لیا، تو میں اس وقت جوان، دلکش اور حسین دوشیزہ تھی۔ عمر کے ساتھ ساتھ میری جوانی ڈھلنے لگی، کثرتِ اولاد کے باعث میرا پیٹ پھول گیا۔ اور جسم پر جھریاں بڑھنے لگیں۔ تو میرے خاوند نے میرے ساتھ اس قسم کا برتاؤ شروع کیا، جیسے میں اس کی ماں ہوں۔ (اب میرے لیے کیا حکم ہے؟)

پورا ماجرا سننے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے بی بی (تم جاؤ) میرے پاس اس سلسلے کا کوئی حکم نہیں ہے۔"

یہ سن کر وہ (مغموم ہوگئی) اور لگی الحاح و زاری کرنے۔ اور پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

یا رسول اللہ! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر (انھیں بھی باپ نے لاتعلق کر دیا) اور یہ میرے پاس رہ گئے۔ تو ان کے نان نفقہ کا بندوبست کہاں سے ہوگا۔

اسی پر اللہ تعالےٰ نے ظہار کے کفارے سے متعلق احکام کا نزول فرمایا:

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں، پھر اپنے قول سے رجوع کرلیں تو (اُن کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضرور) ہے۔ (مومنو) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اُس سے خبردار ہے ○ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے روزے رکھے۔ جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اُسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے)۔ یہ (حکم) اس لئے (ہے)، کہ تم خدا اور رسول کے فرمانبردار ہو جاؤ اور یہ خدا کی حدیں ہیں اور نہ ماننے والوں کے لئے درد دینے والا عذاب ہے ○ (سورۂ المجادلہ: ۳، ۴)

چنانچہ ان احکام کے نزول کے بعد جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت (مدعیہ) کے شوہر کو بلایا اور کہا۔

رسول اللہ: کیا تو اتنی استطاعت رکھتا ہے کہ ایک غلام آزاد کر سکے؟

وہ شخص: یارسول اللہ! نہیں۔

رسول اللہ: تو پھر متواتر دو ماہ روزے رکھ پائے گا؟

وہ شخص: یا رسول اللہ! معذور ہوں۔

رسول اللہ: اچھا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا ہی کھلا دے۔

وہ شخص: یارسول اللہ۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔

چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو پندرہ (۱۵) صاع جو اپنے پاس سے عطا کئے جبکہ مزید پندرہ (۱۵) صاع جو ایک دوسرے شخص نے دیئے۔

اور اس طرح یہ جو اُس نے مسکینوں میں تقسیم کر دیئے۔

(معانی زجاج)

(۲)

سلمان بن صخر — جو سلمہ بن صخر بیاضی کے نام سے مشہور ہے، اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری ماں کی پشت کی مانند ہے۔ یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ گذر جائے۔ لیکن ابھی ماہِ رمضان نصف کے قریب گذر رہا تھا۔ کہ رات اُس نے اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کر لی۔ (اُسے اپنے کئے پر ندامت ہوئی) تو فوراً جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا:

رسول اللہؐ: تمہیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔

سلمان:۔ یا رسول اللہؐ! میں اتنا صاحب حیثیت کہاں ہوں۔

رسول اللہؐ: تو پھر دو ماہ کے متواتر روزے رکھو۔

سلمان: یا رسول اللہ۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں۔

رسول اللہؐ: تو پھر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلا دے

سلمان: حضور مجھ میں تو اتنی استطاعت بھی نہیں

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی فروہ بن عمر کو حکم دیا کہ اِسے کھجوروں کا ایک عرق[1] دے دو۔ تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں میں بانٹ دے۔

راوی: ابو سلمہ / مشکوٰۃ جلد ۲ صـ ۱۰۴
سنن ابن ماجہ

بابُ الحدود (جاری): شراب پینے / بنانے سے متعلق فیصلے / چوری (سرقہ)

۱۔ شراب کیلئے حُدود:

(۱)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص شراب نوشی کرے۔ اُسے تازیانے مارو — اگر وہ باز نہ آئے اور چار بار شراب نوشی کا ارتکاب کرے، تو چوتھی بار اُس کی گردن اڑا دو۔

پھر ایک شخص کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ اُس نے چوتھی مرتبہ شراب نوشی کی تھی۔

آپ نے حکم دیا۔ کہ "شرابی" کو تازیانے مارے جائیں۔

آپ نے اس شخص کے قتل کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا۔

راوی: جابرؓ / سنن ترمذی / مشکوٰۃ جلد ۲ صـ ۱۷۵

---

[1] زنبیل۔ بورہ۔ (ادارہ)

(۲)

نُعیمان یا ابن نعیمان کو جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسی حالت میں لا یا گیا۔ جب کہ وہ شراب کے نشے میں دُھت تھا۔ آپ کو یہ حالت سخت ناگواری گزری (سخت غضب میں) آپؐ نے حاضرین کو حکم دیا کہ اس شخص کو حدیں ماریں۔
چنانچہ حاضرین نے اُسے خوب پیٹنا شروع کیا۔ (عقبہ بن حارث)
جبکہ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضور نے جب اُس کے مارنے کا حکم دیا۔ تو شرابی کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارا گیا
(صحیح بخاری جلد ۵ صد ۵۶)

(۳)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص کو پیش کیا گیا۔ جس نے شراب پی رکھی تھی۔
آپ کو یہ امر ناگوار گذرا۔ اس لئے صحابہ کو حکم دیا۔ اسے حد مارو۔
آپ کا یہ ارشاد سن کر کسی نے صحابہ میں سے، اُسے ہاتھ سے مارا۔ کسی نے جوتے سے اس کی پٹائی کی اور کسی نے اس غرض کے لیے کپڑا استعمال کیا۔

(صحیح بخاری جلد ۵ صد ۱۶۵)

سنن ابی داؤد میں ہے اور نیز اس پر مزید ہے کہ پھر جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا: "اسے تنبیہ کرو۔"
چنانچہ صحابہ نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا۔
"اے شخص! تو نے خدا کا خوف نہیں کھایا۔ تجھے خدا کے عذاب کا ڈر نہیں ہے۔ تجھے جناب رسالتمآب سے بھی حیا نہ آئی۔"
اُن میں سے کوئی آدمی کہنے لگا۔ "اللہ تجھ کو رسوا کرے۔"
یہ کلمہ جب جناب ختمی مرتبتؐ نے سُنا تو اُسے ٹوک دیا اور ارشاد فرمایا:
"اے شخص! ایسا ہرگز نہ کہو۔ کیوں کہ ایسا کرنے میں تم شیطان کی مدد کرتے ہو۔ تاکہ وہ ایسوں پر غلبہ حاصل کرے۔"
بلکہ یوں کہو "اے پروردگار۔ اس پر اپنا رحم فرما۔ اس کی مغفرت فرما۔ اور اسے بخش دے۔"
راوی: ابوہریرہ:-
سنن ابی داؤد بحوالہ مشکوٰۃ جلد ۲ صد ۱۷۵-۱۷۶

(۴)

ایک شخص جس کا نام عبداللہ تھا۔ لوگ اُسے حمار کے لقب سے پکارتے تھے۔ وہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور معصوم مزاح سے حضورؐ کے تفنن طبع کا انتظام کرتا تھا۔ حضورؐ بھی اُس کے مزاح سے لطف اندوز ہوتے اور تبسم فرماتے۔
لیکن اس میں شراب نوشی کی عادت تھی۔ آپؐ نے اس پر شراب پینے کی وجہ سے حد بھی جاری فرمائی تھی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اُس نے پھر شراب چڑھالی اور نشے کی حالت میں حضورؐ رسالتمآب کی خدمت میں لایا گیا۔ آپؐ نے اس پر حد جاری فرمائی اور تازیانے لگانے کا حکم دیا۔

اُسے کوڑے مارے گئے۔
تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا" اللہ کی لعنت ہو ایسے شخص پر۔ کتنی بار شراب نوشی کے جرم میں سزا پا چکا ہے۔ لیکن باز پھر بھی نہیں آتا۔
آپ نے جب یہ کلمہ سُنا تو فرمایا:
"اے شخص! اس پر لعنت مت کرو۔ اللہ کی قسم۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسے اللہ اور اللہ کے رسول سے کس قدر محبت ہے۔"
راوی: حضرت عمر فاروق
صحیح بخاری جلد ۵ صـ۱۵۲

(۵)

حضرت عبداللہ بن الدیلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:۔
ہم جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
یا رسول اللہؐ۔ آپ کو تو بعلم ہے۔ کہ ہم لوگ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کس انسان کی بارگاہ میں پیش ہوئے ہیں۔
رسول اللہؐ: تم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے پاس آئے ہو۔
وہ لوگ: یا رسول اللہؐ ہمارے ہاں انگور کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، ہم اُن کو کس طرح استعمال میں لائیں۔ آپ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟
رسول اللہؐ:۔ اُن کی کشمش بنا لیا کرو۔
وہ لوگ:۔ یا رسول اللہؐ۔ اس قدر وافر مقدار میں کشمش ہمارے کس کام آئے گی؟
رسول اللہ۔ صبح ہی اُن کی نبیذ ڈال لیا کرو اور رات کو اُسے پی لو پھر رات میں انہیں پانی میں بھگو دو صبح نوش کرو۔ البتہ غور سے سنو! انہیں مشکیزوں میں بھگونا۔ انہیں بڑے بڑے مٹکوں میں بھگونا تمہارے لئے جائز نہیں۔ کیوں کہ ان کے نچوڑنے میں اگر دیر ہو جائے تو کشمش سرکہ میں تبدیل ہو جائے گی۔

۱۔ ابو داؤد شریف۔ صـ۵۲۱۔
۲۔ سنن نسائی جلد ۳ صـ۵۴۳۔

(۶)

ایک شخص یمن سے آیا۔ اور اس نے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔
یمنی:۔ یا رسول اللہؐ ہم یمن میں جوار سے ایک قسم کی شراب کشید کرتے ہیں اسے ہم مزر کہتے ہیں اور ہم اسے پیتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔
رسول اللہؐ: کیا یہ شراب نشہ آور ہے؟

یمنی : جی، ہاں یا رسول اللہؐ!
رسول اللہؐ :- تو سنو! اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ جو شخص نشہ آور مشروب استعمال کرے۔ تو اُسے قیامت میں طینۃ الخبال پلایا جائے گا۔
صحابہ کرام :- یا رسول اللہ۔ یہ طینۃ الخبال۔ کس چیز کا نام ہے؟
رسول اللہ :- یہ دوزخیوں کا پسینہ اور ان کے زخموں کی پیپ ہے۔
راوی :- جابرؓ صحیح مسلم / مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۱۸۱
سنن نسائی جلد ۳ صہ ۵۳۸

(۷)

دَیلم حمیری بیان کرتے ہیں :
کہ ہم جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے میں نے حضورؐ سے گفتگو کا آغاز کیا۔
دیلم حمیری : یا رسول اللہؐ. ہم ایسے علاقے کے باسی ہیں جہاں شدت کی سردی پڑتی ہے۔ ہمیں (روزگار کے لیے) سخت محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے ہم گیہوں سے کشید کردہ شراب استعمال کرنے پر مجبور ہیں: تاکہ سردی سے بھی محفوظ رہیں اور توانائی بھی بحال رہے۔
رسول اللہؐ : کیا وہ مشروب نشہ آور ہے؟
دیلم حمیری :- جی ہاں، یا رسول اللہؐ!
رسول اللہؐ :- اُسے بالکل ترک کردو۔
دیلم حمیری :- (مجھے خوف ہے) یا رسول اللہؐ لوگ اس شراب کو ترک نہیں کریں گے۔
رسول اللہؐ :- تو میرا حکم سُن لو، اگر وہ لوگ اس کا پینا ترک نہ کریں تو اُن کے خلاف جنگ کرو۔
سنن ابی داؤد / مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۱۸۳

(۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں :
جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف (حاکم بنا کر) بھیجا تو میں نے آپؐ سے عرض کیا۔
ابوموسیٰؓ : یا رسول اللہؐ۔ یمن میں دو قسم کی شراب کشید کی جاتی ہے۔ میرے لیے کیا حکم ہے کہ میں ان میں کا کون سا مشروب استعمال کروں۔
رسول اللہؐ : وہاں کس قسم کی شرابیں کشید کی جاتی ہیں۔
ابوموسیٰؓ : یا رسول اللہؐ! بتع اور مزر۔

رسول اللہؐ :۔ یہ (شرابیں) کس شے سے بنائی جاتی ہیں۔
ابوموسیٰ :۔ یا رسول اللہؐ! بتع شہد سے کشید کی جاتی ہے۔ اور مزر جَو سے بنائی جاتی ہے۔
رسول اللہؐ :۔ جو نبیذ (مشروب) نشہ آور ہو، اُسے ہرگز استعمال نہ کرو۔
کیوں کہ مَیں نے ہر نشہ آور شے کو حرام کیا ہے۔

(سنن نسائی جلد ۳ صہ ۱۴۵)

باب السرقہ (چوری)

ارشادِ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

جب زانی زنا کرتا ہے تو ایمان کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان کی دولت اُس سے چھین لی جاتی ہے۔

اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو ایمان اس سے دُور ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص لوگوں کے دیکھتے رہزنی اور ڈاکہ زنی کرے، تو وہ بھی ایمان کی نعمت گنوا دیتا ہے۔

(یعنی یہ افعال بندہ کو ایمان سے دور اور کفر سے قریب تر کر دیتے ہیں)

ہاں۔ اگر اس کے بعد توبہ کر لے۔ تو اللہ تعالےٰ اُس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔

راوی: حضرت ابوہریرہؓ
سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۴۰ - ۳۴۱

(۱)

جنابِ سیدالکونینؐ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہُوا، اور اقرار کیا کہ اُس نے چوری کی ہے (تلاشی لینے پر) اُس سے کسی قسم کا مال برآمد نہ ہوا تو جنابِ رسالتمآبؐ نے فرمایا "ایسا معلوم ہوتا ہے۔ تم نے چوری کا ارتکاب نہیں کیا"۔ لیکن اُس شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نے چوری کی ہے۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا "اسے لے جا کر اس کا ہاتھ کاٹ دو، اور پھر دوبارہ اِسے میرے پاس لے آؤ"۔

چنانچہ آپؐ کے حکم پر اُس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اور پھر اُسے حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو۔

جنابِ سرورِ عالمؐ نے فرمایا "اے شخص کہو، مَیں اللہ تعالےٰ کے حضورؐ توبہ کرتا ہوں اور اُس سے معافی کا خواستگار ہوں"۔

اس پر اس (چور) نے عرض کیا "میں صدقِ دل سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار ہوں"۔

تو حضورؐ نے (دستِ مبارک اٹھا کر) دعا فرمائی۔

"اے اللہ اپنے اس (عاجز) بندے کو معاف فرما دے"۔

راوی: ابواُمیّہ مخزومی
سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۴۲

(۲)

ایک شخص نے ایک ڈھال مسجد نبوی کے ایک مقام صفتہ النساء سے چرائی - اس ڈھال کی قیمت ۳ درہم تھی۔ جب اس چور کو حاضر کیا گیا تو حضورؐ نے اس چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

اور ساتھ ہی آپؐ نے حکم دیا۔

کہ ہر اُس چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے جو چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری کا ارتکاب کرے۔

راوی :- عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ

سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۵۱ - ۳۵۲

(۳)

ایک شخص پر چوری کا الزام تھا۔ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قید میں ڈال دیا۔ لیکن بعد میں اُسے آزاد کر دیا۔

راوی : بہز بن حکیم ۔/ سنن نسائی جلد ۳ ، صہ ۳۴۷

(۴)

ایک عورت کی یہ عادت تھی کہ وہ لوگوں سے عاریتاً چیزیں لیتی۔ لیکن انھیں واپس نہ کرتی۔ بلکہ صاف انکار کر دیتی (کہ اس نے لی ہی نہیں)، اسی طرح لوگوں سے زیور عاریتاً لیتی اور اپنے پاس رکھ لیتی (مالکوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیتی) جب اُس کی اس عادت بد کا جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا — تو آپ نے اُس عورت کو بلا کر فرمایا کہ توبہ کرو اور دوسروں کا جو مال بھی تمھارے پاس ہے - اُسے اُن کے مالکوں کو لوٹا دو۔" آپ نے یہ حکم کئی بار دُہرایا۔ لیکن وہ عورت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بلکہ اُس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

" اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے -

چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

راوی : حضرت ابن عمرؓ ، حضرت نافعؓ

سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۴۵

(۵)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص کو پیش کیا گیا جس نے چوری کی تھی۔ آپؐ نے اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کٹا ہوا ہاتھ اس کے گلے میں لٹکا دو، چنانچہ چور کا ہاتھ کاٹ کر اُس کے گلے میں لٹکا دیا گیا -

راوی : عبدالرحمان بن محیریز / سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۶۵

(۶)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛

" جب غلام چوری کا مرتکب ہو۔ تو اُسے فروخت کر دو ، چاہے اس کی قیمت ۲۰ درہم ہی وصول ہو۔

(راوی ؛ ابوہریرہ : سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۶۰)

(۷)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص پیش کیا گیا۔ جس نے چوری کی تھی۔ تو آپ نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن حاضرین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے۔

تو جناب رسالتمآبؐ نے اس کا دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

وہ شخص باز نہ آیا۔ اور دوبارہ چوری میں ماخوذ ہوا، جب اسے حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا تو جناب رسالت مآبؐ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مگر حاضرین نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ شخص (دوبارہ) چوری کا مرتکب ہوا ہے۔ تو آپؐ نے حکم دیا کہ چور کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا۔

(دو دفعہ سزا پانے کے باوجود یہ شخص چوری سے باز نہ آیا) اور تیسری دفعہ پھر چوری کی اس لئے اسے تیسری بار حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ تو آپؐ نے اس کے قتل کرنے کو کہا۔ لیکن حاضرین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ یہ چور ہے۔

چنانچہ آپؐ نے اس کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (مگر چور ڈھیٹ تھا) چوتھی بار پھر اس نے چوری کی۔ تو آپ نے حکم دیا کہ اس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے اور اس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے۔

وہ (سیاہ بخت) پانچویں دفعہ پھر چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ تو حضورؐ نے حکم صادر فرمایا۔ کہ اب کے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لیے اس شخص کو مربد کے مقام کی طرف قتل کرنے کے لئے لے گئے اور وہاں پر اسے پیٹھ کے بل لٹا دیا گیا۔ لیکن وہ ہاتھ پاؤں کٹے ہونے کے باوجود دوڑنے لگا۔ اس کی یہ خوفناک ہیئت کذائی دیکھ کر اونٹ بھی خوف سے بلبلانے لگے۔ وہ شخص دوڑتے ہوئے گر پڑا۔ لوگوں نے پھر اس پر قابو پا لیا۔ اس کے باوجود بھی اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن سے سوئے تیسری دفعہ اسے پکڑ لیا گیا اور لوگوں نے پتھر مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کی لاش لوگوں نے اٹھا کر کنوئیں میں پھینک دی، اس پر مزید پتھر برسائے (تاکہ لاش ڈھک جائے)

(راوی۔ جابرؓ / سنن نسائی جلد ۳: صفحہ ۳۵۸ - ۳۵۹)

(۸)

ایک شخص جس کا تعلق قبیلہ مزینہ سے تھا۔ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (چوری سے متعلق احکامات دریافت کرنے کے لئے) حاضر ہوا۔ اور حضورؐ سے گفتگو کا آغاز کیا۔

وہ شخص: یا رسول اللہؐ! پہاڑ پر چرنے والے جانوروں کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے (اگر کوئی چرالے)؟

رسول اللہؐ: اگر کوئی شخص اس قسم کا جانور چوری کرے تو اسے وہ جانور لوٹانا ہوگا۔

اس کے ساتھ اسی قسم کا ایک اور جانور (بطور تاوان) دینا ہوگا۔

اس کے علاوہ اسے سزا بھی دی جائیگی۔ لیکن چوری کرنے کے جرم میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ہاں اگر کوئی شخص ایسا جانور چوری کرتا ہے۔ جو باڑے کے اندر ہو اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت سے کم ہو تو اسے وہ جانور

واپس کرنا ہوگا۔ ساتھ میں اُسے کوڑے بھی مارے جائیں گے۔

وہ شخص :۔ یارسول اللہ۔ آپؐ کا ایسے پھل کے متعلق کیا حکم ہے جو درخت پر لگا ہوا اور اُسے چرایا جائے؟

رسول اللہؐ :۔ اگر کوئی ضرورت مند شخص اشد ضرورت کے وقت ایسا پھل چوری کرے۔ تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے یہ پھل کسی کپڑے میں باندھ کر چھپا نہ لے۔ لیکن اگر کوئی شخص (عام حالات میں) ایسا پھل چوری کر کے نکل آئے۔ تو وہ چوری کردہ پھل واپس لوٹائے۔ اور اسی قدر مزید پھل بھی ادا کرے۔ یعنی اُسے دگنا تاوان دینا ہوگا۔ تاوان کے علاوہ اُسے سزا بھی دی جائے گی۔ ہاں ایسے پھل جنھیں توڑ کر کھلیان میں محفوظ کیا گیا ہو۔ تو جو شخص اُن میں سے اس قدر پھل چرائے کہ ان کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو۔ تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر جو پھل اُس نے چرائے ہیں۔ اُن کی قیمت ڈھال کی قیمت سے کم ہوتی تو اُسے دُہرا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ تاوان کے علاوہ اُسے کوڑوں کی سزا بھی دی جائے گی۔

راوی : عبداللہ بن عمرو بن العاص
سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۵۶ - ۳۵۷

(۹)

حضرت عائشۃ الصدیقہ رضؓ فرماتی ہیں:

کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا جس نے چوری کی تھی، ہاتھ کٹوا دیا تھا۔ سزا پانے کے بعد وہ عورت اکثر ہمارے ہاں آیا کرتی تھی۔ میں اس بیچاری کی ضروریات جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتی تھی۔ (اور جناب رسول اللہؐ اس کی ضروریات پورا فرماتے تھے)

جناب صدیقہؓ فرماتی ہیں، اس عورت نے توبہ کی اور بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ توبہ کی۔

(صحیح بخاری جلد ۳ کتاب الحدود صہ ۲۶)

(۱۰)

ایک شخص نے چوری کی، اُسے حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا تو حضورؐ نے اُسے معاف فرما دیا (کہ شاید توبہ کر لے)

لیکن وہ شخص چوری سے باز نہ آیا۔ اُسے چار بار چوری کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا۔ اور حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُسے چاروں بار پیش کیا گیا۔ جناب رسالتمآبؐ نے اُسے ہر بار معاف فرما دیا۔ (شاید توبہ کر لے) وہ شخص اس عادت بد سے باز نہ آیا۔ پانچویں بار چوری کی۔ تو حضور اکرمؐ نے اُس کا ایک ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ مگر چھٹی بار اُس نے پھر چوری کی۔ تو حضورؐ نے اس کا ایک پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ ساتویں بار چوری میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے جب اُسے حضورؐ کی خدمت میں لائے تو حضور رسالتمآبؐ کے حکم سے اُس کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ اس کے باوجود اس نے چوری ترک نہیں کی۔ بدبخت کو آٹھویں بار جب حضورؐ کے سامنے لائے تو آپؐ کے حکم سے اس کا دوسرا پاؤں بھی کاٹ دیا گیا۔

۱۔ مصنف عبدالرزاق ۲۔ سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۵۸

(۱۱)

ایک شخص کو بچے چرانے کی عادت تھی۔ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔
مگر جناب سید الکونینؐ نے کھانا یا کھانے کی چیزیں چرانے پر معاف فرمادیا۔

(مصنف عبدالرزاق)

(۱۲)

صفوان بن امیہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔
میں ایک دن مسجد میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھے سو رہا تھا۔ جس کی قیمت ۳۰ درہم تھی۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے چادر کو آہستہ آہستہ میرے سر کے نیچے سے سرکا کر کھینچ لیا۔ اور چادر لے کر بھاگ نکلا۔
چور کو پکڑ لیا گیا۔ جب اُسے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا (یہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوا اور) میں نے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ! آپ محض ۳۰ درہم کے لیے اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ اِسے معاف فرمائیں۔ میں اس چادر کو اس کے ہاتھ بیچتا ہوں"۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔
(اب خدا کا قانون اور حکم ٹل نہیں سکتا۔) میرے پاس اِسے لانے سے پہلے ہی تم نے ایسا کیوں نہیں کرلیا۔
(ابو داؤد صہ ۶۰۲ / سنن نسائی جلد ۲ صہ ۲۴۲-۲۴۴)

(۱۳)

ایک عورت جس کا تعلق بنو مخزوم سے تھا، نے فتح مکہ کے دوران چوری کی لوگ اس عورت کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ یہ ایک بڑے قبیلہ کی عورت تھی۔ اس لئے بنو مخزوم کے لوگ جو اس عورت کے رشتہ دار تھے۔ اسامہ بن زیدؓ کے پاس آئے: تاکہ وہ حضورؐ کے پاس جائیں اور اس عورت کی سفارش کریں۔ اُن کا خیال تھا کہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہؓ کی سفارش پر اس مخزومیہ کو معاف کردیں گے۔
جب سفارش کرنے کے لئے اسامہؓ بن زید حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ سخت جلال میں آگئے اور فرمایا۔
"اے اسامہ! بنی اسرائیل محض اس لئے تباہ ہوئے کہ اُن میں کا جب کوئی بڑا اور صاحب ثروت شخص کسی قابلِ حد جرم کا ارتکاب کرتا۔ تو وہ اس سے درگزر کرتے۔ لیکن کسی مفلس، نادار اور بے سہارا شخص سے کوئی ایسا جرم سرزد ہوجاتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں سے ایک حد تمہارے لئے توڑ دی جائے۔
اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ (مخزومیہ تو ایک طرف رہی) اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی چوری کا ارتکاب ہوجائے تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دوں۔
پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور آپؐ کے حکم کے مطابق اس عورت کا

ہاتھ کاٹا گیا۔ (سنن نسائی جلد ۳ صہ ۳۴۵ - ۳۴۹)

(۱۴)

عباد بن شرحبیلؓ بیان کرتے ہیں :

مدینہ میں ایک سال سخت قحط پڑا ، مجھے اسی سال مدینہ جانے کا اتفاق ہوا ، جب وہاں پہنچا۔ (بھوک سے نڈھال تھا) کہ میرا گذر ایک باغ پر سے ہوا۔ (وہ انگوروں کا باغ تھا) میں نے باغ میں جا کر انگور کا ایک خوشہ توڑا اور اسے کھا لیا۔ کچھ اور خوشے توڑ کر اپنی چادر میں رکھ لئے چلنے کو تھا کہ باغ کا مالک آن پہنچا۔ آنے کے ساتھ ہی اس نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے نہ صرف اس نے مارا بلکہ میرے کپڑے بھی چھین لئے۔

میں اسی حالت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور سارا ماجرا آپ کی خدمت میں بیان کیا۔ آپؐ نے باغ کے مالک کو بُلا کر کہا۔

"جب یہ شخص بھوکا تھا۔ تو تو نے اسے کھانا کیوں نہیں دیا۔ اور اگر وہ بے علم تھا۔ تو تُو نے (مارنے کی بجائے) اُسے بتایا کیوں نہیں (کہ ایسا کرنا جرم ہے) میرا حکم سن لو، جاؤ اور اس کے کپڑے واپس کر دو۔

ان کے ساتھ ایک وسق غلہ بھی (لطورِ تاوان) اس کے حوالے کرو۔"

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۳۷)

(۱۵)

رافع بن عمرو الغفاریؓ بیان کرتے ہیں :

" میں نے ایک انصاری کے کھجور کے درختوں سے کھجور حاصل کرنے کے لئے پتھر مارے۔ تو اس کا مالک آ گیا۔ اور مجھے پکڑ کر جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ اور سارا واقعہ حضورؐ کو سنایا۔

اس پر جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا: " اے لڑکے! تو درخت پر پتھر کیوں مار رہا تھا۔"

میں نے عرض کیا :" یا رسول اللہؐ۔ تاکہ کھجور حاصل کر کے کھاؤں۔"

اس پر آپؐ نے فرمایا :" دیکھو ! (کھجور کو) پتھر نہ مارا کرو، البتہ جو کھجور زمین پر گری پڑی ہو۔ اُسے اُٹھا کر کھا لیا کرو۔"

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۳۷)

---

۳ - باب الجہاد

(۱)

غزوہ بدر الکبریٰ میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ

دشمنوں کا جو مال و اسباب ملے اُسے جمع کر لیا جائے ۔ آپؐ کے فرمان کے مطابق مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیا گیا ۔ ہر مومن نے جو کچھ اُسے ملا وہیں لا کر جمع کرا دیا ۔ لیکن مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مسلمان مجاہدین کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ۔ بڑے بڑے تین گروہ تھے جن میں سے ہر ایک کی رائے تقسیم کے بارے میں مختلف تھی ۔

۱۔ بعض وہ لوگ جنہوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا تھا ۔ اس بات پر مُصر تھے کہ یہ مال اُن کا ہے ۔ اور انھیں ہی ملنا چاہیئے ۔ اس مطالبے کو وزنی بنانے کے لیے انہوں نے یہ توضیح پیش کی کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت جس قدر، جس کو ملے وہ اسی کا ہے ۔

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو مصروفِ پیکار رہے اور کافروں کو اسیر کرنے میں لگے رہے ۔ اُن کا مؤقف یہ تھا کہ اگر ہم نہ ہوتے ۔ تو کسی صورت میں مالِ غنیمت پر تمہارا قبضہ نہیں ہو سکتا تھا ۔ ہم ہی نے تمھیں یہ موقع فراہم کیا کہ تم لوگ دشمن کا مال اکٹھا کر سکو ۔

۳۔ تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو دشمن کی یلغار کے خوف سے جناب رسالتمآبؐ کی حفاظت کر رہے تھے ۔ انھیں اس بات پر اصرار تھا کہ اُن سے زیادہ کوئی دوسرا فریق مالِ غنیمت کا مستحق نہیں ۔ ان کی توضیح یہ تھی کہ اللہ نے جب ہمیں فتح دی ، شکست خوردہ دشمن پیٹھ موڑ کر فرار ہوا ۔ تو ہم آسانی سے مالِ غنیمت پر قبضہ کر سکتے تھے ۔ لیکن جناب رسالتمآبؐ کی حفاظت کے خیال سے ہم نے ایسا قدم نہیں اٹھایا ۔ مبادا ۔ دشمن حضورؐ کو تنہا دیکھ کر پلٹ پڑے اور حضورؐ پر یورش کرے ۔

اس لیے مالِ غنیمت کے ہم زیادہ حق دار ہیں ۔

فریقین کے درمیان ۔ اپنا اپنا دعویٰ پیش کرتے اور اس پر اصرار کرنے کی وجہ سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا ۔ اور نوبت تُو تکار (سخت کلامی) تک پہنچ گئی ۔ یہ حالات تھے جب سورۂ انفال کا نزول ہوا ۔ اللہ کے حکم سے تمام لوگوں نے جمع کردہ مالِ غنیمت جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا ۔

آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق سارا مالِ غنیمت مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا ۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲
۲۔ تاریخ طبری جلد ۱ ؛ سیرۃ النبی ص ۱۸۹ - ۱۹۰
۳۔ معارف القرآن : تفسیر سورۂ انفال ۔
۴۔ تفہیم القرآن : تفسیر سورۂ انفال ۔

(۲)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودِ مدینہ

ہجرت کے بعد جب سید الکونینؐ مدینہ تشریف لائے ۔ تو آپؐ نے مدینہ کے دفاع کی خاطر یہودِ مدینہ سے ایک معاہدہ کیا جو تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے ۔ اس میثاق میں یہودیوں کے بڑے بڑے قبائل بنی قینقاع ، بنی نضیر اور بنی قریظہ شامل تھے ۔ اس معاہدہ

کی رُو سے یہود مدینہ اس بات کے پابند تھے کہ
۱۔ اگر کوئی خارجی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہو تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔
۲۔ ایسے کسی بھی OPERATION کے اخراجات وہ خود برداشت کریں گے۔
۳۔ قریش مکہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے۔
اور ۴۔ مذہبی رواداری سے کام لیں گے۔

غزوہ بدر کبریٰ۔ جب وقوع پذیر ہوا۔ تو یہود نہ صرف اس سے الگ رہے۔ بلکہ ان کی کوشش تھی کہ مسلمان کسی طرح تباہ ہوں۔ انہوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی۔ ان کی توقعات کے خلاف اللہ پاک نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ یہود حسد کے مارے جل بھن گئے۔ کینہ و بغض کو چھپا نہیں سکے اور لگے بڑ ہانکنے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شمشیر زنوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ اگر ہم سے سابقہ پڑتا تو انھیں چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔

اب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہو گیا کہ آپ اس غدار اور سرکش قوم کے خلاف عملی قدم اٹھائیں۔ ان سے متعلق حضورؐ نے مندرجہ ذیل فیصلے صادر فرمائے۔

۱۔ بنوقینقاع :

غزوۂ بدر کے معاً بعد ایک مسلمان انصاری عورت اپنا کچھ سامان بیچنے کے لئے بنو قینقاع کے بازار میں آئی۔ اپنا سامان بیچ کر، ایک سنار کی دکان پر گئی۔ تو یہودیوں نے از راہِ شرارت اُس خاتون کی بے حرمتی کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے جب فریاد کی۔ تو اُس کی فریاد پر ایک مسلمان نے اُس سنار کو قتل کر دیا۔ جس پر یہودیوں نے اُس پر جھپٹ کر شہید کر دیا۔

اطلاع ملتے ہی جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سُوقِ بنو قینقاع پہنچے۔ بنو قینقاع کو بازار میں جمع کر کے ارشاد فرمایا۔

"اے یہود! خدا کا خوف کرو، کہیں تمہارا حشر بھی ویسا نہ ہو، جیسا اللہ نے قریش کا کیا ہے۔ بہتر ہے اسلام قبول کر لو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں۔ نبیٔ مرسل ہوں جس کا ذکر تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو، اُس میثاق میں پاتے ہو جو اللہ نے تم سے لیا تھا۔"

لیکن یہود نے مصالحت پر آمادگی کا اظہار کرنے کی بجائے نہایت ہی تکبر سے کہا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم ہمیں بھی اپنی قوم پر قیاس کر رہے ہو۔ کہیں اس وہم میں نہ رہنا۔ تمہارا مقابلہ تو اُن لوگوں سے تھا۔ جو فنِ حرب سے قطعاً واقف نہیں، اور تم نے انھیں زیر کر لیا۔ لیکن بخدا۔ اگر تمہارا واسطہ ہم لوگوں سے پڑا، تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ہم مردِ میدان ہیں۔

بنی قینقاع یہودیوں کا پہلا قبیلہ ہے۔ جس نے وہ عہد توڑ دیا۔ جو انہوں نے جنابِ رسالتمآب سے کیا تھا۔ اور رزم آرائی کے لیے تیار ہو گئے۔ اور تجدیدِ عہد سے انکار کر دیا۔

اسی پر یہ حکم خداوندی نازل ہُوا:۔

"اگر تمھیں کسی قوم کی خیانت کا اندیشہ ہو۔ تو تم بھی اُن کے ساتھ ویسے پیش آؤ"

چنانچہ حضورؐ معہ مسلمان مجاہدین کے بنو قینقاع کی طرف گئے اور اُن کی گڑھیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ حصار پندرہ دن تک قائم رہا۔ بنو قینقاع کو جب کوئی راہِ نجات بھائی نہ دی۔ تو ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے آپ کو رسول اللہؐ کے حوالے کر دیا۔

آپؐ نے حکم دیا کہ ان سب کی مشکیں کس دی جائیں۔ کیوں کہ حضورؐ کا ارادہ تھا کہ اُن کو قتل کیا جائے۔ چنانچہ انھیں رسیوں میں جکڑ دیا گیا لیکن عبداللہ بن ابی نے آپؐ کا دامن تھام لیا اور رحم کی درخواست کی۔ اُس نے اُس وقت تک آپؐ کا دامن تھامے رکھا جب تک آپؐ نے اُس کی بات مان نہ لی۔

اس لیے حضورؐ نے ان کے قتل سے درگذر فرمایا۔ اور کہا کہ اُن پر اُن کے ساتھی پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی درج ذیل فیصلہ صادر فرمایا:۔

۱۔ بنو قینقاع کو جلا وطن کیا جائے۔

۲۔ ان کی املاک کو مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ آپؐ نے عبادہ بن صامت کو حکم دیا کہ وہ بنو قینقاع کو خارج البلد کر آئیں۔ یہ کُل سات سو افراد تھے۔ چار سو غیر مسلح اور تین سو زرہ پوش

پھر آپؐ نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ وہ یوں تھا۔

۱۔ آپؐ نے اپنا خاص حصّہ لیا۔

۲۔ خمس وصول کیا۔ اور اپنا عام حصہ بھی۔

۳۔ اور بقیہ چار حصّوں کو جنابِ رسالت مآبؐ نے صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔

خصوصیات:۔ اس غزوہ میں پہلا خمس نکالا گیا اور یہ پہلا خمس ہے جو جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا۔

۱۔ سیرت ابنِ ہشام جلد ۲ صہ ۲۱-۲۸

۲۔ تاریخ طبری جلد ۱ سیرۃ النبیؐ صہ ۲۰۵-۲۰۸

۲۔ بنو نضیر:۔

عمرو بن امیہ ضمری مدینہ کی طرف واپس ہو رہا تھا۔ تو اُس نے راستہ میں بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ حالاں کہ اُن کے ساتھ عہدِ جوار تھا لیکن عمرو اس امان سے بے خبر تھے۔ عامر بن الطفیل رئیس بنو عامر نے حضورؐ کو اس کے متعلق اطلاع دی اور لکھا کہ باوجود عہدِ جوار کے آپؐ نے ہمارے دو افراد قتل کر دیے ہیں۔ اس لیے اُن کی دیت ادا کی جائے۔

اس سے قبل حضورؐ نے بھی اُن کی دیت کا فیصلہ فرمایا تھا۔ آپؐ قبا آئے اور وہاں سے بنی نضیر کی گڑھیوں کا رُخ کیا۔ آپ کے ساتھ دیگر مہاجرین و انصار کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، عمر فاروق رضؓ، علی حیدر رضؓ اور اُسید بن حضیر رضؓ بھی تھے۔ چونکہ بنی نضیر اور بنو عامر حلیف بھی تھے۔ اس لئے آپ کے وہاں جانے کا مقصد یہ تھا کہ بنو عامر کے ان دو آدمیوں کی دیت کے بارے میں بنو نضیر کا تعاون حاصل کریں۔ چنانچہ جس وقت آپ وہاں پہنچے تو آپ نے اُن سے تعاون کے لیے کہا۔ جس پر انہوں نے کہا، ہاں، اے ابوالقاسم! ہم تعاون کے لیے تیار ہیں۔

لیکن درپردہ ان بدکردار یہودیوں کے عزائم کچھ اور تھے۔ اس لئے وہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ حضورؐ اس وقت بنو نضیر کے مکانوں کی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یہودیوں نے یہ سازش کی کہ کوئی شخص مکان کی چھت پر چڑھ جائے اور ایک بھاری پتھر حضورؐ پر گرا دے۔ چنانچہ ایک یہودی عمرو بن جحاش اس فاسد ارادے سے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ اور چاہا کہ بد ارادہ کو عملی جامہ پہنائے کہ اللہ پاک نے اس گھناؤنی سازش کی اطلاع آپؐ کو دے دی آپؐ فوراً اُٹھ کر مدینہ کی طرف چل پڑے صحابہ کو بھی وہیں چھوڑ دیا اور کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ صرف اتنا کہا کہ تم یہاں ٹھیرو، میں ابھی آتا ہوں۔

جب حضور سید المومنینؐ کو آنے میں دیر ہوئی تو صحابہ کرام بھی وہاں سے چل پڑے راستہ میں ایک شخص کی زبانی پتہ چلا کہ آپؐ مدینہ تشریف لے گئے ہیں، تو وہ بھی آپؐ کی خدمت میں وہیں پہنچ گئے۔

آپؐ نے صحابہ کرام کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اور حکم دیا کہ یہودیوں سے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں اور صحابہ کرام کو ساتھ لے کر بنو نضیر کے مقابلہ کو پہنچ گئے اور اُن کی گڑھیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے تو آپؐ نے حکم دیا۔

"اُن کے تمام نخلستان کاٹ کر جلا دیئے جائیں"

یہودی چیخ اٹھے۔ تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو بُلا کر فرمایا "تم یہودیوں کے پاس فوراً جاؤ۔ اور اُن سے کہو کہ فوراً میرے علاقے خالی کر دیں اور یہاں سے نکل جائیں۔

چنانچہ انہوں نے آپ کا پیغام یہودیوں تک پہنچا دیا۔ یہودی آپ کا حکم ماننے کے لئے تیار ہو گئے لیکن بعض منافقین نے کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا، یہود بنی نضیر کو مدد کا یقین دلایا۔ اور کہا کہ وہ علاقے خالی نہ کریں۔ یہ بھی کہا کہ اگر تم سے قتال کیا گیا تو میں اور میرے دو ہزار ساتھی۔ تمہارا ساتھ دیں گے اور دیس نکالے کی صورت میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ بنی قریظہ بھی تمہاری امداد کو آئیں گے۔ لیکن رئیس بنی قریظہ کعب بن اسد نے صاف انکار کر دیا۔

سلام بن مشکم نے حُیّی بن اخطب رئیس بنو نضیر کو مشورہ دیا کہ وہ اور اس کے قبیلہ والے حضورؐ کا فیصلہ تسلیم کر لیں اور گڑھیاں خالی کر دیں" تاکہ ہماری جان و مال محفوظ رہے۔ اور اگر ہم نے فیصلہ نہ مانا تو ——

—— ہمارے لڑنے والے افراد تہ تیغ کئے جائیں گے۔

ہمارے بچے اور عورتیں۔ غلام اور لونڈیاں بنائے جائیں گے

اور تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا۔

لیکن حُیّی بن اخطب ڈٹا رہا۔ اُس نے حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا: "کہ جو جی میں آئے کرو، ہم تو وطن سے نکلنے سے رہے "۔

یہ کھلا پیغامِ جنگ تھا۔ حضورؐ نے محاصرہ اور سخت کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن اُبَی جس کی امداد کا انھیں مان تھا۔ وہ ان کی مدد کو نہ آیا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے اُن کے دلوں میں ایسی ہیبت طاری کر دی اور وہ اس قدر بے بس ہو گئے کہ انہوں نے حضورِ سید الکونین کی خدمت میں درخواست کی۔

۱۔ انھیں قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ انھیں جلا وطن کیا جائے۔

اور ۳۔ انھیں اسلحہ وغیرہ چھوڑ کر باقی مال و اسباب لے جانے کی اجازت دی جائے۔ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور کر لی۔ اور آپؐ نے فیصلہ صادر فرمایا:

فیصلہ ۱: ۱۔ اُن (بنو نضیر) کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اُن کے وطن اور زمینوں سے اُن کو بے دخل کیا جاتا ہے۔

۳۔ اُن کو جلا وطن کیا جائے۔

۴۔ البتہ وہ اپنا مال و اسباب ساتھ لے جا سکتے ہیں۔

چنانچہ یہودِ بنی نضیر اپنے مال و اسباب کے علاوہ اپنے گھروں کی چوکھٹیں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ بعض تو خیبر کی طرف گئے اور بعض نے شام کی راہ لی۔

فیصلہ ۲: بنی نضیر اپنی تمام املاک اور بقیہ اموال جنابِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ گئے۔ تاکہ آپ جس طرح چاہیں انھیں اپنے تصرف میں لائیں۔ آپؐ نے ان متروک املاک کے لیے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر فرمایا۔

۱۔ یہ اموال و املاک مہاجرینِ اولین میں تقسیم فرما دیں۔

۲۔ انصار میں سے صرف ابو دجانہؓ اور سماکؓ، جو مفلوک الحال تھے کی امداد فرمائی۔

۳۔ بنو نضیر میں کے دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ انھیں اُن کی املاک واپس کر دی گئیں۔

(۱۔ سیرت ابنِ ہشام جلد ۲ ص ۲۱۵ - ۲۳۴)

(۲۔ تاریخ طبری جلد ۱: سیرۃ النبی ص ۲۹۵ - ۲۷۰۰)

۳۔ غزوۂ خندق: (ا) بنی غطفان

(ب) بنو قریظہ

۱۔ بنی غطفان: غزوۂ خندق کے موقعہ پر احزابِ کفار کے دس ہزار آدمیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان میں قریش کے جوش

کے ساتھ دیگر قبائل کے علاوہ بنی غطفان کے جنگجو شامل تھے۔ منافقین کا اندرونی خطرہ اس کے علاوہ تھا۔ محاصرہ نے طول پکڑا۔ تو مسلمان سخت آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ جناب سید المومنینؐ نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر عیینہ بن حصین اور حارث بن عوف جو بنی غطفان کے قائدین تھے۔ کو بلا بھیجا آپؐ نے مدینہ کے پھلوں کی فصل کا ایک تہائی اس شرط پر دینے کی پیش کش کی کہ وہ جناب رسول اللہ اور مسلمانوں کی مخالفت چھوڑ کر اتحادیوں سے الگ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے صلح کی پیش رفت ہوئی یہاں تک کہ آپؐ نے ایک تحریر بھی لکھ دی لیکن ابھی تک اس پر گواہوں کے دستخط باقی تھے۔ کیوں کہ بنی غطفان کی رضامندی کا مسئلہ درپیش تھا۔ بنی غطفان کے دونوں رئیسوں نے صلح کی گفتگو پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اب اس کا آخری اور قطعی فیصلہ ہونا تھا۔ چنانچہ اس کو قطعی شکل دینے کیلئے پہلے آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ رئیسانِ انصار کو بلا بھیجا۔ اور اُن سے اس گفتگو کا تذکرہ کر کے اُن کا مشورہ طلب فرمایا۔ اس پر ان دونوں نے جواب دیا۔

"یا رسول اللہؐ! اگر یہ آپ کی خوشی ہے تو ہمیں مجالِ انکار نہیں۔ اگر یہ اللہ کا حکم ہے۔ تو اس پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ یا پھر آپؐ کو ہماری بھلائی منظور ہے؟"

رسول اللہؐ!۔ اس میں میری ذاتی خواہش کو کوئی دخل نہیں، اس سے محض مجھے تمہاری بھلائی منظور ہے۔ دیکھتے نہیں کہ سارا عرب متحد ہو کر تمہارا استیصال کرنے کے لئے اُمڈ پڑا ہے۔ راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی حد تک اُن کی طاقت توڑ دوں۔

سعد بن معاذؓ: یا رسول اللہؐ: اس سے قبل ہم اُن ہی کی طرح مشرک و بُت پرست تھے۔ ہمیں نہ خُدا کی ذات کا علم تھا اور نہ ہی اس کی عبادت سے کام۔ ضیافت اور خریداری کی بات اور ہے یہ لوگ اپنی تمام تر خواہش کے باوجود مدینہ کی ایک کھجور کی طرف بھی نگاہِ بد سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

یا رسول اللہؐ! اب جبکہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں آپ کے ذریعے سے ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اسلام کے ذریعے ہمیں راہِ مستقیم دکھائی ہے۔ آپ کی اور اسلام کی برکت سے ہمیں عزت کا مقام عطا ہوا ہے۔ ہمیں طاقت بخشی ہے۔ ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے تو ہم انھیں کیسے اپنے اموال حوالے کر سکتے ہیں؟

خدا کی قسم ہم انھیں اپنے اموال ہرگز نہیں دیں گے، ہمیں اُن کی شرائط پر صلح کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں جواب میں ہماری تلوار حاضر ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی فیصلہ فرما دے۔

رسول اللہؐ:۔ اچھا تو تم جانو اور تمہارا کام اور یہ ہے وہ پرچہ، سعدؓ بن معاذ نے وہ پرچہ لے لیا اور وہ تحریر مٹا دی۔ اور کہا:

"یا رسول اللہؐ! اب وہ ہمارے خلاف قوت آزمائی کر لیں۔"

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ ۲۴۸-۲۵۹

۲۔ تاریخ طبری جلد ۲، سیرۃ النبیؐ صـ ۲۸۴-۲۸۵

(۳-ب) بنو قریظہ: بنی قریظہ کا یہودی قبیلہ بھی میثاق مدینہ میں شامل تھا۔ انہوں نے میثاق کی خلاف ورزی میں نقض عہد

کا ساتھ دیا اور نہ ہی بنی نضیر کی حمایت کی۔ بلکہ میثاق پر قائم رہے۔

غزوۂ احزاب کے محرک یہودی تھے۔ ان میں حیّی بن اخطب رئیس بنونضیر پیش پیش تھا۔ وہ احزابِ کفار کو مدینہ پر چڑھا لایا۔ یہ تعداد میں دس ہزار تھے۔ ان قریش کے جوش، دیگر قبائل کے علاوہ یہودی بھی شامل تھے۔

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی انتظامات کے لیے مدینہ کے ایک طرف خندق کھدوائی۔ اپنی جمعیت سے کر نکلے اور سلع پہاڑ کے قریب اس طرح پڑاؤ کیا کہ پہاڑ پشت پر تھا۔ جبکہ خندق مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو محفوظ گڑھیوں میں منتقل کر دیا تھا۔ جہاں آپؐ نے حسانؓ بن ثابت کو متعین فرمایا۔

حیّی بن اخطب بھی اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا۔ اب اس نے ایک اور چال چلی۔ اس نے کعب بن اسد رئیس بنی قریظہ کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جب کعب کو پتہ چلا کہ حیّی اس سے ملنے آ رہا ہے۔ تو اس نے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا اور اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ حیّی نے کئی حیلے بہانے کئے اور آخر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اسے شیشہ میں اتار لیا۔ چنانچہ کعب نے دروازہ کھول دیا۔

حیّی کعب کے قریب بیٹھ گیا اور کہا "میں قریش بنی غطفان اور دیگر قبائل کا لشکر جرار لے کر آیا ہوں۔ وہ مسلمانوں کا مکمل استیصال کئے بغیر یہاں سے نہیں ٹلیں گے، میرا ان سے عہد و پیمان ہے لیکن کعب نے حضورؐ کے ساتھ کیا ہوا میثاق توڑنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔

"تم منحوس اور بدبخت ہو۔ مجھے میری حالت پر چھوڑ دو، میں نے (حضرت) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بجز وفائے عہد اور صداقت کے کچھ نہیں پایا۔ میں اس کی خلاف ورزی کرنے سے رہا۔

لیکن حیّی نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ سبز باغ دکھائے اور آخر اسے بدعہدی پر راضی کر لیا۔

جب حضورؐ کو اس امر کا علم ہوا تو آپؐ نے سعدؓ بن معاذ (رئیس اوس) سعد بن عبادہؓ (رئیس خزرج) عبداللہؓ بن رواحہ اور خوات بن جبیرؓ کو حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ اور ان کو ہدایت فرمائی۔ اگر بات صحیح ہو تو اشارے کنائے میں بات کرنا۔ اور اگر غلط ہو تو تمام لشکرگاہ میں اعلان کر دینا۔

انہوں نے وہاں جا کر کعب بن اسد کے رویّہ میں سخت تبدیلی دیکھی۔ اس نے جناب رسالتمآبؐ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ جاؤ۔ ہم میں اور محمد (ؐ) میں کوئی پیمان نہیں۔

چونکہ خبر کی تصدیق ہو گئی تھی، اس لئے جب وہ واپس آئے تو حضورؐ کی خدمت میں اشاروں اشاروں میں تصدیق کر دی۔

محاصرہ کے دوران یہودیوں نے ایک اور قدم اٹھایا اور بدعہدی کی بدترین مثال قائم کر دی۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی ان گڑھیوں کی طرف بھیجا جہاں مسلمان خواتین اور بچے پناہ گزین تھے۔ تاکہ صورتِ حال کا مشاہدہ کرے۔ تاکہ کوئی کارروائی کی جا سکے۔

حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس سوائے حضرت حسانؓ بن ثابت کے کوئی دوسرا مرد نہیں تھا۔ وہ شخص (یہودی) ہمارے گڑھیوں کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اندر سے حملہ کر کے مسلمانوں کو نازک حالات سے دوچار کر دیا جائے۔"

حضرت صفیہؓ نے حسانؓ کو اسے قتل کرنے کو کہا۔ لیکن حسانؓ میں جرأت نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے خود خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لی۔ قلعہ سے نیچے اتریں، یہودی کو قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ پھر یہودیوں کو ان گڑھیوں کی طرف آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

انہی دنوں نعیم بن مسعودؓ جن کا تعلق بنی غطفان سے تھا۔ حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں تہہ دل سے اسلام قبول کر چکا ہوں۔ لیکن میرے اسلام لانے کا حال میری قوم کو معلوم نہیں۔ اب جناب کا جو حکم ہو فرمائیے۔ میں حاضر ہوں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو ایک چال کے ذریعے قریش اور بنو قریظہ کے درمیان پھوٹ ڈال دی جا سکے۔

اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اے نعیم الحرب خدعة (لڑائی چال سے سرزد ہوتی ہے)۔ تم ہم میں اکیلے ہو، ہم سے علاحدہ ہو جاؤ اور کوئی تدبیر ایسی کرو کہ ان مشرکوں میں تفرقہ پڑ جائے۔

چنانچہ نعیم بن مسعود نے پہلے تو کمال ہوشیاری سے بنی قریظہ کو قریش سے بدظن کیا۔ اور پھر قریش کے پاس آ کر ایسی چال چلی کہ اُن کے دل میں بنی قریظہ سے متعلق شکوک پیدا ہو گئے۔

چنانچہ قریش بد دل ہو گئے۔ اتنے میں اللہ تعالےٰ نے طوفان کی صورت میں اُن پر بلائے آسمانی نازل فرما دی۔ قریش نے خوفزدہ ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا اور مکہ کی راہ لی۔

بنی غطفان اور دیگر قبائل بھی چلتے بنے۔

صبح ہوئی تو جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اور سب نے ہتھیار اُتار دیئے۔ لیکن ظہر کے وقت حضرت جبریل حضورؐ کی خدمت میں اللہ کا حکم لے کر آئے کہ فوراً بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی کرو۔

چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کا دم بھرتا ہے وہ بنی قریظہ کی گڑھیوں میں جا کر نماز عصر ادا کرے۔ کوچ فوراً عمل میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بمعہ اپنے جاں نثاروں کے وہاں پہنچ گئے۔ حضورؐ نے فوراً ہی بنی قریظہ کی بستیوں کا محاصرہ کر لیا۔ جو تقریباً پچیس دن جاری رہا۔

اللہ نے بنی قریظہ کے دل میں خوف و دہشت ڈال دی۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ جناب رسول اللہ صلعم جب تک مقابلہ نہیں کر لیں گے، واپس نہیں ہوں گے۔

بنی قریظہ نے مصائب سے تنگ آ کر حضور کو پیغام بھیجا کہ ہمارے معاملہ کا حکم سعد بن معاذ کو بنایا جائے۔ اُن کا فیصلہ ہمیں منظور ہوگا۔

تو حضورؐ نے بنی قریظہ کو حکم دیا کہ وہ قلعوں سے نیچے آئیں۔ صبح ہوئی تو بنی قریظہ گڑھیوں سے نیچے اُتر آئے۔ اُنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بنی اوس دوڑ کر حضور رحمت للعالمین کی خدمت میں پہنچے اور لگے بنی قریظہ کے حق میں سفارش کرنے۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ جس طرح آپ نے بنی خزرج کی سفارش پر بنو قینقاع کی جان بخشی کی۔ اسی طرح بنو قریظہ پر بھی رحم فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اے گروہِ اوس! کیا تم اس بات سے خوش ہو گے اگر میں تم میں کا ایک آدمی حکم مقرر کر دوں۔ اُنہ

کے بارے میں جو فیصلہ وہ کرے۔ تمھیں منظور ہوگا۔
بنی اوس۔ یا رسول اللہؐ! ہمیں منظور ہے۔
رسول اللہ: تو سنو، تمہارے سردار سعد بن معاذ کو حکم بنایا جاتا ہے۔

سعد چونکہ زخمی تھے۔ اس لئے وہ اس خیمہ میں جو مسجد نبوی میں خاص اُن کے لیے نصب کیا گیا تھا، مقیم تھے۔ یہ سنتے ہی لوگ اُن کے پاس گئے اور انھیں سوار کرکے حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ راستہ میں انہوں نے حضرت سعد سے کہا۔ اے ابو عمرو! اپنے حلیفوں کے معاملے میں نرمی سے کام لینا۔ جب بار بار انہوں نے اصرار کیا تو سعد نے کہا: "اب سعد کے لئے وقت آگیا ہے۔ کہ وہ اللہ کے معاملے میں لومۃ لائم کی پروا نہ کرے" جب سعد حضورؐ کے قریب پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے سردار کا احترام کرو، تمام صحابہ نے اُن کا استقبال کیا اور کہا۔ اے ابو عمرو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تمہارے حلیفوں کے معاملے میں حکم بنایا ہے۔ سعد نے کہا۔ ہاں، لیکن تم اللہ کے سامنے اس بات کا پختہ اقرار کرو کہ جو فیصلہ میں دوں گا۔ وہ تمہیں قبول ہوگا۔ اور اس پر قائم رہوگے۔

سب نے کہا۔ ہاں۔

پھر سعد نے اُس طرف رُخ کرکے جس طرف جناب رسالتمآب تشریف فرما تھے۔ وہی بات دُہرائی تو جناب رسول اللہ نے بہ نفسِ نفیس فرمایا۔ ہاں، میں اس پر صاد کروں گا۔ اس پر سعد نے مندرجہ ذیل فیصلہ دیا۔

۱۔ اُن کے سارے مرد تہ تیغ کئے جائیں۔
۲۔ اُن کی املاک اور اموال تقسیم کر دئے جائیں۔
اور ۳۔ اُن کے بیوی بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا جائے۔

حضور رسالتمآب نے اس فیصلہ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔ سعد! تم نے بنو قریظہ کے معاملہ میں اللہ کے حکم کے عین مطابق کیا ہے۔ جس کا نزول آسمانوں سے ہوا۔

پھر آپ مدینہ کے بازار کی طرف آئے، وہاں خندقیں کھدوائیں۔ اور پھر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بنو قریظہ کے تمام مردوں کو لاکر اُن کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان قتل ہونے والوں میں رئیس بنو نضیر حُیَیّ بن اخطب اور رئیس بنو قریظہ کعب بن اسد بھی شامل تھے۔ یہ تعداد میں قریب قریب سات سو تھے۔

بنی قریظہ کی صرف ایک عورت جس کا نام بنانہ تھا۔ کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ یہ وہی عورت تھی جس نے خلاد بن سوید پر چکی پھینک کر اُسے قتل کیا تھا۔

ایک لڑکے رفاعہ بن سموئیل کو سلمیٰ بنت قیس جو رشتہ میں حضورؐ کی خالہ تھیں۔ کے کہنے پر رہا کیا گیا اور اُسے سلمیٰ کے حوالے کیا گیا۔

اس سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اموال غنیمت کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقے پر کی گئی۔

۱۔ سب سے پہلے خُمس نکالا گیا۔
۲۔ بنو قریظہ کے اموال اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔
۳۔ سوار اور پیادہ لوگوں کے حصے مقرر کئے گئے۔
(ا) سوار کے تین حصے۔ دو اس کے مرکب کے اور ایک اس کا ذاتی حصہ۔
(ب) پیادہ کا ایک حصہ۔
یہ پہلا مالِ غنیمت تھا جس میں حصّوں کا تعین کیا گیا اور خُمس نکالا گیا۔

جنابِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلّم نے اموالِ غنیمت کی تقسیم کے طریقۂ کار کی جو مثال قائم فرما دی۔ اس کے مطابق اموالِ غنیمت کا اصول اور قانون قائم ہو گیا۔

بنو قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام اور کنیز کے طور پر شام میں فروخت کیا گیا۔

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ ۲۴۵ – ۲۸۷
۲۔ تاریخ طبری جلد اول؛ سیرۃ النبیؐ صـ ۲۷۵ – ۳۰۵

۴۔ غزوۂ خیبر ۷ھ

حدیبیہ سے واپسی کے بعد جنابِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلّم تقریباً ۲ ماہ مدینہ میں مقیم رہے۔ آپ ۷ھ اواخر محرم میں خیبر کے لیے نکلے اور مختلف منازل طے کرتے ہوئے رجیع کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، یہ مقام خیبر اور غطفان کی آبادیوں کے درمیان تھا۔ مقصد یہ تھا کہ بنی غطفان جو اہلِ خیبر کے حلیف تھے۔ اہلِ خیبر کی مدد کو نہ آ سکیں۔ جب بنی غطفان کو حضورؐ کی پیش قدمی کا علم ہوا۔ تو وہ اپنی جمعیت لے کر روانہ ہوئے۔ ابھی ایک منزل ہی طے کی تھی کہ اُن پر خوف طاری ہوا، اور وہ واپس اپنی آبادیوں کی طرف لوٹ گئے۔

جنابِ رسالتمآبؐ نے یہودیوں کی گڑھیوں کو فتح کرنا شروع کیا۔ جو گڑھی فتح ہوتی۔ وہاں کے یہودیوں کی املاک اور جائداد قبضے میں کر لیتے۔ سب سے پہلے آپ نے قلعہ حصن ناعم کو فتح کیا۔ پھر حصن قموص اور ابن ابی الحقیق کی گڑھیاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ یہاں پر اموالِ غنیمت، بہت سے لونڈی اور غلام آپ کے قبضے میں آئے۔ ان میں حضرت صفیہؓ بنت حُیَیّ بن اخطب اور اس کی دو چچیری بہنیں آپ کے ہاتھ آئیں۔ آپ نے حضرت صفیہؓ جو کنانہ بن الربیع کی بیوی تھیں کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور مندرجہ ذیل احکامات جاری فرمائے۔

۱۔ گھروں میں پلے ہوئے گدھوں کا گوشت نہ کھایا جائے۔
۲۔ حاملہ قیدی عورتوں سے صحبت نہ کی جائے۔
۳۔ درندوں کا گوشت نہ کھایا جائے۔

۴۔ تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

اس کے بعد قلعہ صعب بن معاذ، اور دیگر قلعے فتح ہو گئے۔ جب باقی کے سارے قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو یہودیوں کے لیے سوائے وطیح اور سلالم کے قلعوں کے اور کوئی جائے پناہ نہ رہی۔ خیبر کے تمام یہودی سمٹ کر ان قلعوں میں جمع ہو گئے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور حصار تنگ کرتے چلے گئے۔ اور ساتھ ہی اس کے نزدیکی گڑھ شق، نطاۃ اور کتیبہ وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب محصور یہودیوں کو یقین ہو گیا۔ کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ پورے دس روز سے وہ محصور تھے اور کوئی راہ نکل نہیں رہی تھی اس لیے انہوں نے جناب رسالتمآب کی خدمت میں درخواست کی۔

یا رسول اللہؐ۔ ہمیں وطن سے نکل جانے دیجئے اور جانوں کی امان دی جائے۔

آپؐ نے اہلِ خیبر کی درخواست منظور فرمائی۔

اس سے قبل جن قدر قلعے اور گڑھیاں فتح ہو چکی تھیں۔ وہ سارا مال و اسباب جو ان قلعوں میں ملا۔ آپ اس پر قبضہ فرما چکے تھے۔ اب ان دو قلعوں کے اموال بھی آپؐ کے قبضے میں آگئے۔

اہلِ فدک کو جب اہلِ خیبر کے حشر سے متعلق علم ہوا۔ تو انہوں نے اسی میں عافیت دیکھی کہ حضور سے امان کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے درخواست بھیجی کہ :

۱۔ اُن کو جان کی امان دی جائے۔

۲۔ اُن کو جلا وطن کیا جائے۔

اور ۳۔ وہ اپنی تمام املاک مسلمانوں کے لیے چھوڑ جائیں گے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست بھی منظور فرمالی۔

جب خیبر کے یہودیوں نے اپنے آپ حضورؐ کے حوالے کر دیا۔ تو انہوں نے بنی حارثہ کے محیصہ بن مسعود کو وکیل بنا کر معاملات طے کرنے کے لیے جنابِ رسالتمآب کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ یہ دوسری درخواست تھی۔

یا رسول اللہؐ! ہمیں کھیتی باڑی کا مسلمانوں کی نسبت علم بھی زیادہ ہے اور تجربہ بھی، اور ہم بہترین مزارعین بھی ہیں۔

آپ ہمیں یہاں رہنے کی اجازت دیں، ہم زمینیں کاشت کریں گے اور نصف پیداوار بطور لگان / خراج آپ کے حوالے کریں گے۔ اس لیے آپ ہمارے ساتھ نصف نصف پر معاملہ فرما لیجئے۔

جناب رسالتمآب نے اُن کی درخواست اس شرط پر منظور فرمائی۔ کہ جب بھی ضرورت درپیش آئی۔ یا ہم نے چاہا۔ تو تمہیں بیدخل کر کے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

اہلِ خیبر نے یہ شرط منظور کر لی۔

اہلِ فدک نے بھی انہی شرائط پر صلح کر لی۔

اس کے بعد :

۱۔ سارا خیبر تمام مسلمانوں کے لئے مال غنیمت قرار دیا گیا۔
۲۔ فدک چوں کہ بغیر رزم آرائی کے فتح ہوا، اس لئے اُسے فے قرار دیا گیا اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کیا گیا۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صہ ۳۹۲ - ۴۳۰
۲۔ تاریخ طبری جلد ۱ سیرۃ النبی صہ ۳۵۸ - ۳۶۶

---

(۴)

فتح مکہ :-

فتح مکہ اسلام کی سربلندی اور رفعت کا دن تھا۔

قریش مکہ نے اسلام قبول کر کے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کیا اور انھیں سرفرازی ملی جناب ختمی مرتبت، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو جان کی امان دی ـــ اور اپنے اُن دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپؐ پہ اور آپؐ کے جان نثاروں پہ ہر طرح کے ظلم وستم آزمائے۔ گھر سے نکالا، ایذائیں دیں۔ ہجرت کے بعد لڑائیاں کیں۔ تاکہ اسلام اور اسلام کے نام لیوا مٹ جائیں۔ لیکن حبیب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم فتح سے سرفراز فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا:

"لا تثریب علیکم الیوم"

صرف چند اشخاص تھے جنھیں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا اور ان کے قتل کے احکامات بھی جاری فرمائے۔ لیکن شانِ رحمت ورأفت کے کیا کہنے، ان میں سے بھی جس نے سرنیاز خم کر دیا۔ یا جن کے لیے اُن کے اپنوں نے سرور عالم سے معافی طلب کی۔ اُن کی خطائیں بخش دیں اور انھیں بھی جان کی امان دی گئی۔

واجب القتل افراد کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن خطل	۶۔ بی بی سارہ (بجوگو)
۲۔ مقیس بن حبابہ	۷۔ حبار بن الاسود۔
۳۔ قریبہ (کنیز)	۸۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح
۴۔ حویرث بن نقیذ	۹۔ عکرمہ بن ابوجہل
۵۔ فرتنی (کنیز)	۱۰۔ صفوان بن اُمیّہ

حضورؐ کے فیصلہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان مباح الدم افراد کے جرائم کا مختصر سا حال بیان کیا جائے۔ تاکہ اس سزا کا پس منظر معلوم ہو سکے:-

۱۔ عبداللہ بن خطل: اس کا تعلق بنی تیم بن غالب سے تھا۔ یہ مسلمان تھا۔ اسے جناب رسالت مآب نے عامل بنا کر صدقات وصول

(۵)

جاسوس کی سزا کا فیصلہ

ایک بار کسی غزوہ کے سلسلے میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ تو ایک مشرک کو دیکھا گیا جو وہاں جاسوسی کی غرض سے آیا ہوا تھا۔ اس کی اطلاع جب آپ کو ملی تو وہ واپس ہونے کو تھا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

"جاسوس کو قتل کر دو۔"

چنانچہ ایک شخص فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اُسے راستہ میں جا لیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

اس کے بعد مقتول کے سامان کو بھی قبضہ میں لے لیا۔

جب وہ حضور کی خدمت میں واپس ہوا۔ تو آپ نے مقتول کا سامان جاسوس کو قتل کرنے والے مجاہد کو مال غنیمت کے طور پر عطا فرما دیا

صحیح بخاری

(۶)

سفراء:

مسیلمہ کذاب نے ایک خط دو قاصدوں کے ہاتھ میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ جب آپ خط سماعت فرما چکے تو آپ نے قاصدوں سے سوال کیا۔

رسول اللہ: تمہارا مسلک کیا ہے؟

سفراءؑ: جو کچھ مسیلمہ (کذاب) کہتا ہے، وہی ہمارا مسلک ہے

رسول اللہ:۔ اگر سفیروں کا قتل قانونی طور پر جائز ہوتا۔ تو میں دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔

(سنن ابی داؤد)

(۷)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دوران فرمایا۔ کون ہے جو دشمن سے متعلق اطلاعات ہمیں فراہم کرے" زبیرؓ اُٹھے اور عرض کیا۔" یا رسول اللہؐ میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

جناب رسالتمآبؐ نے دوبارہ فرمایا۔" دشمن کی جاسوسی کے لیے کون اپنا آپ پیش کرتا ہے۔"

زبیرؓ نے دوبارہ عرض کیا: یا رسول اللہؐ۔ میں حاضر ہوں"۔

یہ سن کر جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔" ہر پیغمبر کا ایک حواری ہوتا ہے۔ اور میرا حواری زبیرؓ ہے"۔

صحیح بخاری جلد ۳ : کتاب الجہاد والسیر ص ۲۴

(۸۱)

اَھلِ کتاب اَور جزیہ

۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جناب سید الکونین کی خدمت میں آیا یہ کل ساٹھ افراد تھے۔ ان میں چودہ سربرآوردہ آدمی شامل تھے۔ عاقب عبدالمسیح رئیس وفد تھا جبکہ سید ایہم مشیر و منتظم۔ ان کا اسقف اعظم ابو حارثہ بن علقمہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ شخص اصلاً عرب تھا اور قبیلۂ بکر بن وائل سے تھا۔ لیکن عیسائیت قبول کر لی تھی اور اپنے علم و فضل کی بدولت اسے اسقفِ اعظم کا مرتبہ ملا۔ جب وفد کے ارکان مدینہ منورہ پہنچے۔ تو جناب رسالتمآب نے انھیں مسجد نبوی میں ٹھیرایا۔ یہ لوگ حضورؐ کے پاس مُناظرے کے لیے آئے تھے۔

چنانچہ دوران قیام۔ انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت جیسے مسائل بحث کے لئے حضورؐ کے سامنے پیش کئے۔ حضورؐ نے نہایت ہی دل نشین انداز میں قطعی دلائل سے ان پر ان مسائل کی حقیقت واضح کی اور ثابت فرمایا کہ یہ عقاید باطل ہیں۔

نجران کے نصاریٰ پر اگرچہ حق واضح ہوگیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے جان بوجھ کر اتباع حق سے انکار کردیا۔

اس پر قرآن کی یہ آیات ۔

الٓمٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ..... لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آل عمران ۱-۶)

اور

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ .... لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران ۵۹-۶۱)

نازل ہوئیں۔ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ اور اگلے روز آپؐ حضرت علی حیدرؓ، سیدالنساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور جناب حسنینؓ کو اپنے ہمراہ لے کر باہر تشریف لائے۔ نجرانی عیسائیوں نے جب یہ مبارک نورانی چہرے دیکھے۔ تو وہ دہل گئے۔ مباہلہ سے باز آئے اور مہلت مانگی۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا تو عاقب عبدالمسیح نے کہا: خدا کی قسم، تمھیں اچھی طرح علم ہے۔ کہ یہ شخص نبی مرسل ہے، تم نے اگر مباہلہ کی جرأت کی۔ تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے، بخدا میں ایسے ملکوتی چہرے دیکھ رہا ہوں۔ کہ اگر یہ دعا کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ آپؐ نے حضرت عیسٰی کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے قول فیصل ہے۔ بہتر ہے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ امن چاہتے ہو۔ اور اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو صلح کر لو ـــ

چنانچہ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں صلح کی درخواست کی اور سالانہ جزیہ ادا کرنے کی پیش کش کی۔ چنانچہ ان کی درخواست

پر حضورؐ نے صلح کرنے کا فیصلہ فرمایا جزیہ کی شرط پر اور اس غرض کے لئے ایک صلح نامہ تحریر کروایا۔ جس کی اہم دفعات حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ اہل نجران ہر سال دو ہزار حُلّے ادا کریں گے، ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں، اور ہر حلّہ کی قیمت چالیس درہم ہو گی۔

۲۔ اہل نجران پر لازم ہو گا کہ وہ جناب رسالتمآب کے سفیر کی ایک ماہ تک مہمانی کریں ۔

۳۔ یمن میں اگر کوئی شورش یا فتنہ برپا ہوا۔ تو اہل نجران کے لیے ضروری ہے کہ وہ ۳۰ گھوڑے ۳۰ زرہیں اور ۳۰ اونٹ عاریتاً دیں گے۔ بعد میں یہ چیزیں اُن کو واپس کر دی جائیں گی ۔ہاں اگر کوئی چیز گم یا ضائع ہوئی۔ تو اس کی ذمہ داری ہم پر ہو گی ۔

۴۔ اس کے بدلے اللہ اور اللہ کا رسول اُن کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اُن کے اموال و املاک۔ ان کی زمینیں، ان کی جائیدادیں۔ اُن کے حقوق۔ اُن کا مذہب و ملت، اُن کے قسیس و راہب، ان کے خاندان اور متبعین۔ اُن سب کی حیثیت اپنی جگہ برقرار رہے گی ۔

۵۔ جاہلیت کے کسی خون کا مطالبہ اُن سے نہیں کیا جائے گا ۔

۶۔ اُن کی سرزمین میں کوئی لشکر داخل نہیں ہو گا۔

۷۔ جو شخص اُن سے حق کا مطالبہ کرے گا۔ تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

۸۔ جو شخص سود کھائے۔ ہم اُس سے بری الذمہ ہیں۔

۹۔ اگر کوئی شخص ظلم و زیادتی کرے گا۔ تو اس کے بدلہ میں کسی دوسرے شخص پر گرفت نہیں کی جائے گی ۔

سیرۃ المصطفےٰ جلد ۳ صـ۲۸۳-۲۸۰

بحوالہ: ۱۔ فتح الباری جلد ۸ صـ۷۳ / ۲۔ شرح المواہب جلد ۴ صـ۴۱
۳ تفسیر دُرِّ منثور جلد ۲ صـ۳۸ / ۴۔ زاد المعاد جلد ۳ صـ۴۱

---

۴ : ابواب النکاح والطلاق

۱۔ باب النکاح

ارشادِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ کسی بیوہ کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہ کیا جائے۔

اور ۲۔ کسی کنواری کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! لیکن (کنواری) کی مرضی کا پتہ کیوں کر چلے گا ۔



میدانِ عرفات اور پاکستانی پرچم

آپ نے فرمایا :۔ اس کا خاموش رہنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ (اس نکاح پر) راضی ہے۔
راوی : ابوہریرہؓ (متفق علیہ) ۱۔ مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۱
۲۔ صحیح بخاری جلد ۳ کتاب الاکراہ صہ ۱۰۸۱،۲

(۱)

خنساء بنت خذام بیوہ تھی۔ اس کے باپ نے (اُس کی اجازت یا مرضی پوچھے بغیر) اس کا نکاح کر دیا۔ وہ اس نکاح پر رضامند نہیں تھی۔ اس لئے وہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔
یا رسول اللہ! میرے باپ نے مجھ سے پوچھے بغیر میرا نکاح کر دیا ہے (اور یہ نکاح مجھے منظور نہیں)
آپ نے (اس وجہ سے) یہ نکاح فسخ کر دیا۔ بخاری شریف جلد ۲ باب الاکراہ صہ ۱۰۷
راوی خنساء بنت خذام
مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۱

(۲)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری لڑکی کا نکاح کرتے وقت اُس کی مرضی معلوم کی جائے۔ اگر وہ سکوت اختیار کرے تو اسے اس کی رضا پر محمول کیا جائے لیکن اگر وہ (اس نکاح سے) انکار کر دے۔ تو اس پر جبر کرنے کا کوئی جواز نہیں۔
راوی: ابوہریرہؓ :۔
ابوداؤد۔ نسائی / مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۲

(۳)

ایک شخص نے اپنی کنواری بیٹی کی شادی ایک شخص سے کر دی۔ حالاں کہ اُس کی بیٹی کو اُس شخص سے کراہت تھی۔ چنانچہ وہ لڑکی جناب سید الکونین کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور اپنا حال عرض کیا۔
اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
تجھے اختیار ہے، چاہے تو (نکاح) فسخ کر دے، چاہے تو باقی رہنے دے۔
راوی ابن عباس (مصنف عبدالرزاق) مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۲
سنن ابوداؤد

(۴)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"دیکھو۔ کوئی مرد نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی نہ کرے۔"
یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

یارسولؐ اللہ! میری عورت حج کے لیے جارہی ہے (لیکن میں اس کے ہمراہ نہیں جا سکتا کیونکہ) مجھے تو فلاں فلاں غزوہ کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔ (آپ کا اس بارے میں کیا فرمان ہے؟)

جناب سید الکونین نے فرمایا: تو واپس چلا جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جا

(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۸۶۰)

(۵)

عقبہ کا بیان ہے:۔

میں نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ تو ایک سیاہ رنگ کی عورت آئی اور کہنے لگی:۔

(یہ نکاح نہیں ہو سکتا کیوں کہ) میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے میں نے اُس عورت کی یہ بات سُنی تو جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا۔

یارسول اللہؐ! میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ تو (ہمارے ہاں) فلاں سیاہ رنگ کی عورت آن پہنچی۔ اس کا کہنا ہے کہ اُس نے ہم دونوں (میاں بیوی) کو دودھ پلایا ہے — لیکن حضورؐ، وہ سراسر جھوٹ بولتی ہے۔

جب میں نے یہ الفاظ کہے تو حضورؐ نے (ناگواری سے) منہ پھیر لیا۔ میں اُسی طرف گیا۔ جس طرف حضورؐ کا رُخ انور تھا اور دوبارہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! وہ عورت جھوٹی ہے۔

اس پر جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔

"(تعجب ہے) کہ جب دودھ پلانے والی خود اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ تو تم کس طرح اس عورت (رضاعی بہن) کو بیوی بنا سکتے ہو" (یعنی وہ تمہارے لئے حلال نہیں)

اور آپؐ نے حکم دیا کہ:

"اس عورت سے الگ ہو جاؤ۔"

(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۷۶۶-۷۷۹)

(۶)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رفاعہ بن سموال قرظی نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وھب کو تین طلاقیں دے دیں تو تمیمہ نے عبدالرحمان بن زبیرؓ سے دوسرا نکاح کر لیا۔ لیکن عبدالرحمان (جنسی کمزوری کی وجہ سے) اس پر قادر نہ ہو سکا اور خلوت صحیحہ کرنے میں ناکام رہا۔ اس لیے اُس نے بھی اس عورت (تمیمہ) کو الگ کر دیا۔

تب تمیمہ کے پہلے شوہر رفاعہ قرظی نے اُس کو پھر اپنے نکاح میں لانا چاہا۔ چنانچہ وہ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اپنی اس خواہش کا ذکر حضورؐ سے کیا۔

لیکن جناب ختمی مرتبتؐ نے اُسے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا:

" اے رفاعہ! تیرے لئے وہ عورت اُس وقت تک کیسے حلال ہو سکتی ہے۔ جب تک دوسرے خاوند سے اس کی خلوتِ صحیحہ نہ ہو۔"

۱۔ موطا امام مالک، کتاب النکاح صہ ۳۸۲

۲۔ سنن نسائی جلد ۲ صہ ۱۵۴

۳۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۵۲-۵۳

(۷)

ایک بار ایک کنواری عورت حضورؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا۔

" یارسول اللہ! — میرے والد نے میری شادی میرے چچازاد بھائی سے کردی۔ حالانکہ اس نے اس سلسلے میں مجھ سے پوچھا تک نہیں اور نہ اذن لیا — اس شادی سے میرے چچازاد بھائی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ اپنی مالی حالت درست کرے (یعنی اُسے کوئی دوسری رغبت نہیں تھی)

اب اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

اس معاملے میں میرا بھی کوئی حق یا اختیار ہے؟

رسول اللہؐ!" ہاں۔ تمہیں (ہر طرح کا حق حاصل) ہے۔"

وہ دوشیزہ: " یارسول اللہ! اس بات کے کہنے سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ میں اپنے والد کے طے کئے ہوئے رشتے کو فسخ کردوں یا توڑ دوں، میں تو صرف آنا چاہتی ہوں کہ میری بہنیں جان لیں کہ انھیں (نکاح کے) سلسلے میں پورا پورا حق و اختیار حاصل ہے۔ (یعنی نکاح میں اُن سے اجازت لینا ضروری امر ہے) (مصنف عبدالرزاق)

(۸)

ایک عورت جناب سید الکونین کے زمانے میں اسلام لے آئی۔ تو اُس نے دوسرا نکاح کر لیا حالاں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھی (اس کے سابق شوہر کو جب پتہ چلا) تو وہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

یارسول اللہ! میں بھی اسلام لے آیا ہوں اور یہ عورت میرے اسلام سے اچھی طرح واقف ہے۔ (میں اس کا خاوند ہوں)

اس کے باوجود اُس نے دوسری شادی رچالی ہے۔

یہ سن کر جناب رسالتمآبؐ نے اُس عورت کو دوسرے شوہر سے علاحدہ ہونے کا حکم دیا اور اُسے پہلے شوہر کے حوالے کردیا (سنن ابی داؤد)

(۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

کسی عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسری عورت کا نکاح کردے اور نہ ہی کسی عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کرے۔

اس کے باوجود اگر کوئی عورت اپنا نکاح خود (بغیر ولی کے) کرتی ہے تو وہ زناکار ہے۔
راوی: ابوہریرہ   ابنِ ماجہ جلد۱ / مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۲

(۱۰)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
جو عورت بغیر اپنے ولی (سرپرست) کے اپنے طور پر اپنا نکاح خود کرتی ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے!
اس کا نکاح باطل ہے!! اس کا نکاح باطل ہے!!!
اس کے باوجود (وہ شخص جس کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے) اگر اُس کے ساتھ خلوت صحیحہ کرتا ہے۔ تو اس کی شرمگاہ سے جو لذت اُس نے حاصل کی ہے۔ اس کے بدلہ میں اُسے مہر ادا کرنا ہوگا ۔
جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو، تو اس کا ولی سلطان ہے ۔   راوی :۔ جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا
(ابوداؤد، احمد، ترمذی، ابن ماجہ۔ / مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۱)

(۱۱)

ایک انصاری بیان کرتے ہیں، کہ
میں نے ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ باکرہ ہے لیکن جس وقت میں اُس کے قریب ہوا۔ تو اُس وقت مجھے معلوم ہوا، کہ وہ تو حمل سے ہے۔ اس لیے میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتِ حال آپ سے بیان کی
اس پر آپ نے فرمایا:۔
یہ عورت مہر کی حق دار ہے کیونکہ تم اُس سے مقاربت کر چکے ہو ہاں (وضع حمل کے بعد) وہ بچہ تمہارا غلام ہوگا ۔
پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ :
وضع حمل کے بعد عورت کے تازیانے مارے جائیں۔ اور ان دونوں کے درمیان تفریق کروا دی جائے ۔
(مصنف عبدالرزاق)

(۱۲)

غیلان دمشقی جب مسلمان ہوا۔ تو اس وقت زمانۂ جاہلیت سے دس عورتیں تھیں۔ ان عورتوں نے بھی (اپنے خاوند کے ساتھ) اسلام قبول کر لیا تو
جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا:۔
اے غیلان! صرف چار عورتیں رکھ سکتے ہو۔ باقی عورتوں کو علیحدہ کر دو۔

راوی ابنِ عمر : ابن ماجہ / مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۸

(۱۳)

نوفل بن معاویہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں نے اسلام قبول کیا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں۔ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس بارے میں استفسار کیا۔

تو آپ نے حکم دیا — چار بیویاں رہنے دو، اور ان میں سے ایک کو الگ کر دو۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص۸۰)

(۱۴)

فیروز دیلمی جب مسلمان ہوا۔ تو اس کے نکاح میں دو (سگی) بہنیں تھیں۔ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا۔ جو تمھیں پسند ہو۔ اُسے رکھ لو (اور دوسری کو جدا کر دو) (مشکوٰۃ ج ۲ ص۸۰)

(۱۵)

ایک عورت مسلمان ہوئی، تو اُس نے دوسرا نکاح کر لیا۔ (یہ معلوم ہونے پر) اس کا پہلا خاوند جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ! میں مسلمان ہوں۔ (میری بیوی کو) میرے اسلام کا علم تھا۔ (لیکن اس نے دوسرا بیاہ رچا لیا۔)

جناب رسالتمآبؐ نے اُسے پہلے خاوند کے حوالے کر دیا۔

شرح السنۃ میں ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی عورتوں کو سابقہ نکاح کی وجہ سے اُن کے خاوندوں کے حوالے کر دیا۔ جبکہ خاوند اور بیوی دونوں اسلام لے آئے۔ حالاں کہ وہ مختلف دین پر تھے اور مختلف شہروں میں مقیم تھے۔ مثلاً

۱۔ ولید بن مغیرہ کی بیٹی صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی۔ جس روز مکہ فتح ہوا وہ اسلام لے آئی۔ لیکن اس کے خاوند نے اسلام قبول نہ کیا اور مکہ سے راہِ فرار اختیار کی۔ (جناب رسالتمآبؐ کو علم ہوا تو) آپ نے اس کے چچا زاد بھائی وہب بن عمیر کو اپنی رداشے مبارک دے کر اُس کی طرف بھیجا۔ اور کہلایا کہ تمھیں امان دی جاتی ہے اور یہ چادر امان کی نشانی ہے۔ صفوان واپس مکہ آیا۔ تو اُسے نہ صرف امان دی گئی بلکہ چار ماہ کی مہلت بھی حضورؐ نے عطا فرمائی۔ یہاں تک کہ صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ تو اس کی بیوی بنت ولید اس کے نکاح میں رہی۔

۲۔ دوسری عورت حارث بن ہشام کی بیٹی، اُم حکیم تھی۔ جو عکرمہ بن ابو جہل کے نکاح میں تھی۔ یہ عورت بھی فتحِ مکہ کے روز اسلام لے آئی لیکن اُس کے میاں عکرمہ بن ابی جہل نے اسلام قبول نہ کیا۔ بلکہ رزم آرائی کی وجہ سے یمن کی طرف فرار ہو گیا۔

ام حکیم نے جناب رسالتمآب سے اپنے خاوند کے لئے امان طلب کی، جو حضورؐ نے منظور فرمائی۔ تو وہ اپنے خاوند کو واپس لانے کے لئے یمن گئی اور اُسے راضی کر کے واپس مکہ لے آئی۔ جہاں اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے ام حکیم اور عکرمہ بن ابی جہل سابقہ نکاح کی بنا پر میاں بیوی رہے۔ (راوی: عبداللہ بن عباسؓ)

(۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ باب فتح مکہ / ۲۔ مشکوٰۃ جلد ۲ ص۸۰-۸۱)

(۱۶)

حضرت عقبہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے لوگو! (تمہارے لئے) تمام شرائط کی نسبت اُن شرائط کا پورا کرنا لازمی ہے۔ جن شرائط کی بنا پر تمہارے لئے عورتوں کی شرمگاہ حلال کی گئی — (یعنی جن شرائط پر تمہارا نکاح ہوا)
(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب النکاح ص ۱۸)

(۱۷)

عروہ نے جناب صدیقہؓ سے اس آیت وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی کا مطلب دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا:
"یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے متعلق ہے، جو کسی سرپرست کی تربیت و پرورش میں ہو، مال دار ہو، حسین ہو اور مال اور جمال کی وجہ سے اس کا سرپرست چاہے کہ اُسے اپنی زوجیت میں لے آئے۔ لیکن مہر جو اس کا حق ہے۔ پورا ادا نہ کرنا چاہے (جو کہیں دوسری جگہ اس کا نکاح ہونے کی صورت میں اُسے مل سکتا ہے) تو اُسے لازم ہے کہ وہ ایسی لڑکی (یتیم) کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ البتہ اگر مہر کے سلسلے میں انصاف کا تقاضہ پورا کرے اور حق ادا کرے تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ ورنہ یہ حکم ہے کہ اس (یتیم لڑکی) کے سوا جہاں چاہے نکاح کرے۔" (صحیح بخاری جلد ۲ باب النکاح ص ۲۲)

(۱۸)

حسن بصریؒ کہتے ہیں، میں نے حضرت معقل بن یسارؓ کی زبانی سنا وہ کہتے تھے کہ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ۔ آیت قرآنی میرے متعلق نازل ہوئی۔ وہ بیان کرتے ہیں۔
میری ایک بہن تھی۔ اُس کا نکاح میں نے کسی شخص سے کر دیا تھا۔ لیکن اُس شخص نے اُسے طلاق دے دی۔ جب اس نے عدت کے ایام پورے کر لیے تو اُسی شخص نے دوبارہ نکاح کے لیے پیغام دیا۔ تو میں نے اُسے کہا۔
میں نے تم سے اپنی بہن بیاہی۔ تجھے عزت دی کہ اُسے تیرے لیے باعث آرام بنایا تم نے (اس نیکی کا) بدلہ یہ دیا کہ اُسے طلاق دے دی۔ تو پھر دوبارہ اُسے کیوں اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اب میں دوبارہ اُسے تمہارے نکاح میں نہیں دے سکتا۔ وہ شخص فطرۃً بُرا نہیں تھا۔ میری ہمشیرہ کی بھی خواہش تھی کہ اُس کا نکاح دوبارہ اُس سے ہو جائے۔ (مگر میں اس پر راضی نہیں تھا) انہی دنوں یہ آیت نازل ہوئی۔
(سرور عالم نے مجھے بلایا اور یہ فرمان الٰہی سنایا) تو میں نے عرض کیا۔
"یارسول اللہ۔ اللہ کا حکم نازل ہو چکا۔ میرے لیے سوائے اس حکم کے مان لینے کے اور کوئی چارہ نہیں۔
چنانچہ معقل نے اپنی بہن کو دوبارہ اس شخص سے بیاہ دیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب النکاح ص ۹۷، ۹۸)

(۱۹)

امّ المومنین ام حبیبہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

ام حبیبہؓ: یا رسول اللہؐ! کیا آپ کو میری بہن ابو سفیان کی بیٹی اچھی نہیں لگتی؟

رسول اللہؐ:۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

ام حبیبہؓ: یا رسول اللہؐ! آپ میری بہن سے نکاح کر لیں۔

رسول اللہؐ:۔ کیا تم اس کو برداشت کر لوگی۔؟

ام حبیبہؓ:۔ حضورؐ! میں پہلے ہی کب (آپ کی) اکیلی (بیوی) ہوں۔ (جہاں اس قدر سوکنیں ہیں) وہاں ایک بہن بھی سہی پھر اگر میری بہن میرے ساتھ بھلائی میں شریک ہو، تو مجھے یہ کیسے پسند نہیں ہوگا؟

رسول اللہؐ: لیکن وہ تو میرے لیے حلال نہیں۔

(یعنی ایک شوہر کے پاس دو سگی بہنیں نہیں رہ سکتیں)

ام حبیبہؓ:۔ یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم، ہم تو یہاں تک سن رہے ہیں کہ آپ نے دُرّہ بنت ابو سلمہ کے لئے پیغام بھیجا ہے۔

رسول اللہؐ:۔ دُرّہ۔ ام سلمیٰ کی بیٹی؟

ام حبیبہؓ: جی ہاں۔

رسول اللہ: (نہیں، ہرگز نہیں)۔ خدا کی قسم، وہ اگر میری پرورده نہ بھی ہوتی، تو بھی میرے لیے حلال نہیں تھی، وہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے (میری بھتیجی ہے)۔ میں نے اور اس کے باپ ابو سلمہؓ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا ہے غور سے سنو! آئندہ تم اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے لیے مجھ سے نکاح کی خواہش ہرگز نہ کرو۔

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الرضاع صہ ۶۶

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب النکاح صہ ۷۷۶، ۷۸۴

(۲۰)

حضرت علی حیدرؓ بیان فرماتے ہیں۔

میں نے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپؐ قریشی عورتوں کی رغبت اور خواہش تو رکھتے ہیں۔ لیکن ہماری طرف آپؐ کا دھیان نہیں ہے

رسول اللہؐ:۔ کیا کوئی ایسی عورت ہے؟

حضرت علیؓ: جی۔ ہاں یا رسول اللہؐ! آپ کے چچا حمزہ کی بیٹی وہ جوان ہے۔ حسین و جمیل ہے اور قریش سے ہے۔

رسول اللہ: وہ میرے لیے حلال نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حمزہ میرے رضاعی بھائی تھے۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نسب کے لحاظ سے حرام قرار دیا ہے۔ وہ دودھ کے رشتے سے بھی حرام: (۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۶۵ / ۲ مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۸)

(۲۱)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین اُمّ سلمہ سے نکاح فرمایا۔ تو ان کے پاس تین دن قیام پذیر رہے۔ (تین شب قیام کیا) اور اُن سے فرمایا:۔

اے ام سلمہ: تم اپنے شوہر کے لئے اپنے اہل میں سے حقیر نہیں، تمہاری خواہش ہو۔ تو میں تمہارے پاس پورا ہفتہ قیام کروں۔ ہاں اگر ایک ہفتہ تمہارے یہاں رہا۔ تو پھر تمام ازواج کے پاس مجھے (باری باری) سات سات دن قیام کرنا ہوگا۔ اور اگر چاہے تو میں تیرے پاس تین دن قیام کروں گا۔ پھر اسی طرح دوسروں کے پاس بھی تین تین دن قیام کیا کروں گا۔

اُم سلمہ: یا رسول اللہ مجھے منظور ہے۔ تین روز قیام فرمائیں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے ہی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

باکرہ بیوی کے پاس سات روز قیام کرنا چاہیے اور ثیبہ (بیوہ) کے پاس تین روز۔

صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۷۶ - ۷۷

(۲۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

جناب سید الکونین کی نو بیویاں تھیں۔ ہر ایک کی باری مقرر تھی اور آپ جب اُن میں باری مقرر فرماتے تھے تو پہلی بیوی کے پاس نویں دن تشریف لایا کرتے تھے۔ ازواج مطہرات میں یہ قاعدہ تھا۔ کہ آپ جس زوجۂ محترمہ کے گھر میں تشریف فرما ہوتے۔ تمام ازواج مطہرات وہیں، اکٹھی ہو جایا کرتیں۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۷۸

نکاحِ شغار:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں۔

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

"نکاح شغار نہ کیا جائے۔"

نکاح شغار یہ ہے:۔

ایک شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرتا تو اس سے اقرار لیتا کہ وہ بھی اُسے اپنی بیٹی بیاہ دے اور دونوں نکاحوں میں مہر کا کوئی ذکر نہ ہوتا۔

تو آپؐ نے فرمایا:۔

"ایسا نکاح باطل ہے۔"

صحیح مسلم: جلد ۲: کتاب النکاح صہ ۱۲۷.

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"جس شخص کے پاس لونڈی ہو، وہ اگر اُس کی اچھا طرح تعلیم و تربیت کرے - پھر اُسے آزاد کرکے اپنے نکاح میں لے آئے تو اللہ کے ہاں ایسے شخص کے لیے بڑا اجر ہے -"
راوی - حضرت ابوہریرہ رضؓ
صحیح بخاری جلد ۲ کتاب النکاح صہ ۷۶۵ - ۷۶۶

باب الطلاق :

(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ بیان کرتے ہیں :-

میں نے جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی بیوی کو ایسے وقت میں طلاق دی - جبکہ وہ حیض کی حالت میں تھی - میرے والد جناب عمر فاروقؓ کو پتہ چلا تو وہ جناب سرور کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضؓ کا مسئلہ آپ کے سامنے رکھا - آپ نے فرمایا -

عبداللہ سے کہو رجعت کرلے، اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے تک اپنے پاس رہنے دے - اس کے بعد دوبارہ حیض آنے اور پاک ہونے تک روکے رکھے - پھر اس کی مرضی ہے، چاہے طلاق دے دے، چاہے رجوع کرلے - فرمایا - اور اللہ کے اس قول :

" عورتوں کو ان کی عدت پر طلاق دو "

کا یہی مطلب ہے -

۱ - صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الطلاق صہ ۸۷۲ - ۸۷۳
۲ - صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الطلاق صہ ۸۷ - ۹۰

(۲)

ایک دفعہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں - آپؐ نے یہ بات سُنی تو جلال میں آگئے اور کھڑے ہوکر فرمایا :

" کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ بھی مذاق کیا جارہا ہے - حالانکہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں "

یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوگیا اور عرض کی -

" یارسولؐ اللہ ! حکم ہو تو میں اُسے قتل کردوں "

راوی محمود بن لبید : نسائی / مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۱۰۱ - ۱۰۲

(۳)

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی زوجہ سہیمہ کو طلاق دے دی، پھر وہ جناب سید الکونین کی خدمت میں حاضر ہوا - آپ کو اطلاع

دی اور عرض کیا:

یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم۔ میرا اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ ہے۔

جناب رسالتمآب نے فرمایا:۔

نہیں ارادہ تھا تمہارا مگر ایک طلاق دینے کا، تو رکانہ نے کہا، خدا کی قسم نہیں ارادہ کیا۔ مگر ایک طلاق دینے کا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت واپس اس کے حوالے کر دی۔

راوی: رکانہ۔ مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۰۱

(۴)

حضرت نافعؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی شخص حیض والی عورت کی طلاق سے متعلق مسئلہ دریافت کرتا تو وہ کہتے۔

اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دی ہیں، تو تو رجوع کر سکتا ہے۔ کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسا ہی حکم دیا تھا۔ اور اگر تم نے تین طلاق دے دی ہیں۔ تو وہ عورت تجھ پر حرام ہو گئی۔ جب تک سوائے تمہارے وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ تو نے اپنی عورت کو تین طلاق دیں تو طلاق میں اپنے خالق کی نافرمانی کی۔

صحیح مسلم۔ جلد ۴، کتاب الطلاق ص ۸۸ - ۸۹

(۵)

فاطمہ بنت قیس کو اس کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے طلاق دے دی۔ یہ طلاق بائن تھی۔ وہ خود شہر سے کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس لئے اُس نے ایک وکیل فاطمہ کے پاس بھیجا اور تھوڑے سے جَو بھی، فاطمہ اس پر غصہ ہوئی۔ (کہ اُس کے ہاں میرا کوئی حق نہیں بنتا۔)۔

اس پر اُس وکیل نے کہا۔ اللہ کی قسم۔ ہم پر اَور ہماری کسی شے پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ چنانچہ فاطمہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا بیان کیا۔

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارے لیے اُن کے ذمے کچھ بھی نہیں ہے۔ تیرے لیے کچھ بھی نفقہ نہیں، سوائے حاملہ ہونے کی صورت میں۔"

پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا۔

"جاؤ اور ام شریک کے گھر اپنی عدت کے ایام پورے کرو۔"

پھر فرمایا:

(تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں)۔ ام شریک کے پاس تو اکثر ہمارے بہت سے اصحاب جمع رہتے ہیں۔

بہتر ہے کہ تم ابن ام مکتوم کے گھر قیام کرو اور وہاں اپنی عدت پوری کرو، وہ نابینا ہیں۔ وہاں تم بے تکلفی سے رہ سکتی ہو۔ وہاں

اگر تم اپنا دوپٹہ بھی اتار دو گی۔ تو تمہیں دیکھنے والا کوئی نہ ہوگا۔
پس وہ ابن ام مکتوم کے گھر چلی گئی۔ پھر جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ - کتاب الطلاق صـ ۱۱۱-۱۱۲)

(۶)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس عورت نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ دوسرے مرد نے اس سے بغیر جماع کئے اُسے طلاق دے دی۔
جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا گیا کہ آیا یہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہے؟
آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ جب تک اس کا نکاح جس دوسرے شخص سے ہوا ہے۔ وہ اس سے جماع کی لذت حاصل نہ کر لے، جیسے پہلے مرد نے اس کی صحبت سے حاصل کیا تھا۔ یہ پہلے شخص پر حرام ہے۔
راوی حضرت عائشہؓ (صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الطلاق صـ ۸۰۶)

(۷)

ابو سعید خُدری کی بہن فریعہ بنت مالک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:۔
"یا رسول اللہؐ! ہمارے غلام فرار ہو گئے۔ تو میرا خاوند اُن کی تلاش میں نکلا۔ فراریوں نے موقعہ پا کر میرے خاوند کو قتل کر دیا یعقوبل نہ تو اپنے پیچھے کوئی مکان چھوڑ گیا ہے۔ جہاں میں قیام کر سکوں اور نہ نفقہ کہ گزارا کر سکوں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ کیا میں اپنے خاندان بنی خُدرہ کی طرف چلی جاؤں؟"
اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" ہاں تو اپنے کنبہ میں چلی جا"
وہ کہتی ہیں کہ جب میں حجرہ کے قریب پہنچی تو حضورؐ نے مجھے واپس بلایا۔ اور فرمایا:
"اے عورت! اپنے گھر میں مقیم رہو۔ یہاں تک کہ اپنی عدت پوری کر لو"
راوی: زینب بنت کعب (سنن نسائی) / مشکوٰۃ ج ۲ صـ ۱۱۴

(۸)

ثابت بن قیس کی بیوی جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:
"یا رسول اللہؐ! مجھے ثابت بن قیس سے کوئی شکایت نہیں۔ وہ نہایت ہی دیندار اور صاحب اخلاق شخص ہیں۔ ان کے سلوک سے میں ناخوش نہیں۔
لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں مسلمان رہتے ہوئے میں اپنے خاوند کی ناشکر گزاری کروں، اُس کے احسان کو پس پشت ڈال دوں اور اس طرح گناہ کا ارتکاب کر بیٹھوں۔
(جناب سید المرسلینؐ اس عورت کے کنائے کا مطلب پا گئے) اس لئے آپ نے فرمایا:

تو ثابتؓ نے جو باغ تجھے (بطور حق مہر) دیا تھا۔ کیا تو اس سے دست بردار ہونے کو تیار ہے۔؟
اُس نے کہا: "یا رسول اللہ۔ جی، ہاں۔ میں وہ باغ ثابتؓ کو واپس کرنے کے لیے تیار ہوں"
چنانچہ اس نے وہ باغ واپس کر دیا تو آپؐ نے ثابتؓ کو حکم دیا کہ اُسے طلاق دے دے۔
ثابتؓ نے آپ کے فرمان کے مطابق اُس سے علاحدگی اختیار کر لی۔
صحیح بخاری جلد ۳ کتاب الطلاق صفحہ ۸۸۸ — ۸۹۰

(۹)

ایک عورت جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔
وہ عورت: "یا رسول اللہ — میرا خاوند میرے قریب نہیں آیا"۔
عورت یہ شکایت کر ہی رہی تھی کہ اُس کا خاوند بھی آن پہنچا۔ اُس نے یہ سنا تو کہا: "یا رسول اللہؐ! یہ عورت صریح جھوٹ بول رہی ہے۔ میں اس کے قریب جاتا ہوں۔ لیکن یہ محض حیلے بہانے کرتی ہے۔ ان حیلوں سے اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ مجھ سے طلاق لے۔ اور پھر سے اپنے پہلے خاوند کے پاس چلی جائے"
اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک تو اس سے مقاربت نہ کرے
(سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۴۵۴)

(۱۰)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا۔ جب وہ عورت جناب رسالتمآبؐ کے پاس لائی گئی۔ تو آپؐ اس کے قریب ہوئے اور اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو اُس نے برا منایا۔ اور کہنے لگی۔
"مَیں آپؐ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں"
اس پر آپؐ نے فرمایا: "اے عورت، تو نے بڑی ہی عظیم الشان ہستی کی پناہ مانگ لی ہے۔ اب اپنے میکے چلی جا۔"
آپؐ نے ابو اُسید کو حکم دیا کہ اسے اُس کے گھر روانہ کر دو۔ اور اسے ایک جوڑا کپڑے بھی دے دو۔ (اس طرح حضورؐ نے اس پر احسان فرمایا اور اُسے الگ کر دیا۔) (راوی: حضرت عائشہؓ / حضرت اُسید)
(صحیح بخاری جلد ۳: کتاب الطلاق صفحہ ۸۷۲ - ۸۷۳)

ایلاء :-

ارشاد ربانی :-

جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لیں اُن کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ اور اگر انہوں نے

طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو جان لیں کہ اللہ سمیع اور علیم ہے۔
(البقرہ: ۲۲۶ - ۲۲۷)

و جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلا فرمایا۔ (آپؐ نے قسم کھائی کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپؐ مسلسل ۲۹ راتیں ایک بالاخانہ پر مقیم رہے۔

بعد ازاں آپ بالاخانے سے اُترے اور اپنی ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپؐ نے تو پورے ایک ماہ تک نہ آنے کی قسم کھائی تھی؟"

اس پر آپؐ نے فرمایا: "مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔"

(حضورؐ نے مقررہ مدت سے پہلے رجوع فرما لیا تھا)

راوی: انس بن مالک ۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الطلاق ص ۸۹

۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۵

و حضرت عائشہ الصدیقہؓ فرماتی ہیں۔

جب جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دے دیا گیا۔ تو سب سے پہلے جناب سید المرسلینؐ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"اے عائشہ میری ایک ضروری بات غور سے سنو۔ لیکن اس (کے فیصلے کرنے میں) عجلت سے کام نہ لینا۔ اور بہتر یہ ہے کہ تم اس سلسلہ میں اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لو۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا۔ کہ میرے والدین مجھے (حضورؐ سے) علاحدگی کا حکم ہرگز نہیں دے سکتے۔ (اس لئے آپؐ نے مشورہ کا فرمایا)

پھر جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو۔ تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہو، تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں۔ اللہ کے ہاں اُن کے لئے اجر عظیم ہے۔

(الاحزاب: ۲۸ - ۲۹)

یہ احکام خداوندی اُسن کر میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا مجھے اپنے اس معاملے میں (جو میرے اور آپ کے درمیان ہے) والدین کی اجازت یا اصلاح مشورے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو اللہ، اللہ کے رسول اور دار آخرت کی طلب ہے۔

پھر تمام ازواج نے میری تقلید کی ۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الطلاق ص ۷۹۸
۲۔ صحیح مسلم جلد ۱ کتاب الطلاق ص ۹۶

• جناب صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں :
جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا (کہ چاہیں تو آپ کو اختیار کریں اور چاہیں تو آپ سے الگ ہو کر دنیا کو اختیار کریں) ۔ تو ہم نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو اختیار کر لیا ۔
وہ فرماتی ہیں کہ اس طرح کرنے میں ہرگز طلاق واقع نہیں ہوتی ۔

(۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الطلاق ص ۷۹۲)
(۲۔ صحیح مسلم جلد ۱ 〃 ص ۹۶)

• ابن عباس کہتے ہیں :-
اگر کوئی شخص اپنی عورت سے کہے کہ تو میرے لیے حرام ہے ۔ تو ایسا کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا (یعنی طلاق واقع نہیں ہوتی) البتہ ایسا کہنے سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ قسم ہے ۔
وہ فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں مثالی نمونہ ہے ۔
(یعنی حضورؐ کی مثال کی تقلید کرنے میں ہماری بہتری ہے) (۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۹۲ / ۲۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۹۶)

• سبیعہ کا بیان ہے :
میں سعد کے نکاح میں تھی، میرا تعلق قبیلہ بنی عامر سے تھا میرے خاوند حجۃ الوداع کے موقعہ پر رحلت فرما گئے ۔ تو میں حمل سے تھی ۔ اُن کی رحلت کے فوراً بعد میرے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی ۔ جب میں پاک صاف ہو گئی ۔ تو میں نے پیغام (نکاح) دینے والوں کے لئے بناؤ سنگار کیا ۔ یہ سُن کر میرے پاس ابو السنابل جن کا تعلق قبیلہ عبدالدار سے تھا، آئے اور پوچھا کہ تم نے یہ بناؤ سنگار کس غرض سے کیا ہے ۔ شاید نکاح کرنا چاہتی ہو ۔ بخدا ۔ تم ہرگز نکاح نہیں کر سکتیں ۔ جب تک تم پر چار ماہ اور دس دن نہ گذر جائیں ۔ (یعنی جب تک عدت پوری نہ کر لو)
میں نے اس کی بات سُنی ۔ تو کپڑے بدلے اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی ۔ سارا ماجرا آپؐ کو سنایا اور عرض کیا : "یا رسول اللہؐ ۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے ؟"
یہ سن کر آپ نے فرمایا :
"اے عورت! تیری عدت تو اُسی روز پوری ہو گئی جس روز تمہارے اس بچہ کی ولادت ہوئی ۔"

اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا۔
تو جب چاہے، نکاح کر سکتی ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الطلاق صہ ۱۱۹-۱۲۰)

و فاطمہ بیان کرتی ہیں:۔
جب میرے خاوند نے مجھے تین طلاق دے دیں۔ تو میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ! خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے اب مجھے خوف ہے۔ کہ اگر میں وہاں رہوں، تو وہ میرے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے اور ناروا سلوک کریں گے۔ (فرمایئے میرے لیے کیا حکم ہے؟)"

آپؐ نے فرمایا۔ (حکم دیا)
"تو کسی دوسرے گھر میں جا اور قیام کر۔" (صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الطلاق صہ ۱۱۸)

ابواب الفرائض والاحکام ومتفرقات و میراث

ارشادِ باری تعالیٰ

خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں اُن کا حصہ دو تہائی ہوگا اور اگر اکیلی ہو تو اُسے آدھا ملے گا۔

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔ لیکن یہ اُس صورت میں ہے کہ میت کے اولاد ہو۔ اگر اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لیے تہائی (باقی باپ کا۔)

اگر (ماں باپ کے علاوہ) میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔

لیکن یاد رہے میت نے جو کچھ وصیت کر دی ہو، یا جو کچھ اس پر قرض رہ

گیا ہو، اس کی تعمیل اور ادائیگی کے بعد یہ حصے تقسیم ہوں گے (دیکھو) تمہارے باپ دادا بھی ہیں اور تمہاری اولاد بھی ہے۔ تم نہیں جانتے، نفع رسانی کے لحاظ سے کون سا رشتہ تم سے زیادہ نزدیک ہے (اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہیے، کس کا کم۔ اللہ کی حکمت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ پس) اللہ نے حصے ٹھیرا دیے ہیں اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا اور (تمام اپنے احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ تمہاری بیویاں جو کچھ ترکے میں چھوڑ جائیں اُس کا حکم یہ ہے کہ اگر اُن سے اولاد نہ ہو تو تمہارا (یعنی شوہر کا) حصہ آدھا ہے۔ اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی۔ مگر یہ تقسیم اس کے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں۔ اس کی تعمیل ہو جائے اور جو کچھ ان پر قرض ہو، ادا کر دیا جائے۔

اور جو کچھ ترکہ تم چھوڑ جاؤ۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو، تو بیویوں کا حصہ چوتھائی ہوگا۔ اگر اولاد ہو تو آٹھواں،

جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اس کی تعمیل اور جو کچھ تم پہ قرض رہ گیا ہو۔ اس کی ادائیگی کے بعد۔

اور اگر ایسا ہو کہ کوئی مرد یا عورت چھوڑ جائے۔ جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا، (کلالہ ہو) مگر اس کے بھائی یا بہن ہو۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ بھائی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہوگا۔ اور اگر (بھائی بہن) ایک سے زیادہ ہوں۔ تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے لیکن اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میت نے کر دی ہو۔ نیز اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت کے ذمے رہ گیا ہو؛ بشرطیکہ (وصیت اور قرض سے) مقصود (حق داروں کو) نقصان پہنچانا نہ ہو، یہ (ترکے کی تقسیم کے بارے میں) اللہ کی طرف سے حکم ہے اور (یقین رکھو) اللہ (بندوں کے مصالح) جاننے والا اور (اُن کی کمزوریوں کے لیے اپنے احکام اور قوانین میں) بہت بُردبار ہے۔ سورۃ النساء ۱۱ : ۱۲

(ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔" (راوی: اسامہ بن زید) ۱۔ صحیح بخاری جلد ۳ ص ۶۴۹
۲۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۱۵۳-۱۵۴
۳۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۳۶

(۲)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو میراث زمانہ جاہلیت میں جس طریقہ پہ ہو چکی ہے وہ ویسے ہی برقرار رہے گی، ہاں جس میراث کی اب تک تقسیم نہیں ہوئی وہ قرآنی احکامات کے مطابق تقسیم کی جائے گی۔

سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۰

(۳)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(میراث میں) جن لوگوں کا حق ہے۔ ان کو ان کے حصے دے دو پھر جو بچ رہے۔ تو وہ اُس مرد کا حصہ ہے، جو رشتہ میں متوفی کے سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ راوی: ابن عباس ۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴
۲۔ صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۶۳۴

(۴)

سعدؓ بن الربیع کی بیوہ اپنی دونوں بیٹیوں کو جو سعد سے تھیں لے کر جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

یا رسول اللہؐ۔ سعدؓ آپؐ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شریک تھے اور شہید ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو لڑکیاں چھوڑیں جو آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ان لڑکیوں کے باپ (سعد) نے جو ترکہ اپنے پیچھے چھوڑا وہ ان بچیوں کے چچا (سعد کے بھائی) نے ہتھیا لیا۔ میرے یا ان بچیوں کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ (اب میرے لیے کیا حکم ہے؟)

محمد بن سحنون اپنی کتاب الفرائض میں لکھتے ہیں کہ سعد کی بیوہ نے سعد کے بھائی کی نہیں۔ بلکہ سعد کے باپ کی شکایت کی کہ اُس نے اپنی پوتیوں کا مال ہتھیا لیا ہے جبکہ ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے لڑکیوں کے چچا کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ مال چچا نے ہتھیا لیا تھا۔

حضور خاموش رہے تو اس عورت نے کہا۔ یا رسول اللہؐ۔ اب جبکہ لوگ مال دیکھ کر نکاح کرتے ہیں، تو ان بے سہارا یتیم بچیوں کے ساتھ بغیر مال کے کون نکاح کرے گا۔

اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے سامنے اُن کا معاملہ ہے۔ وہی اِن کا فیصلہ کرے گا اور ضرور اُن کے معاملے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا۔"

اس لیے اس وقت آپؐ نے اس عورت کو واپس کر دیا۔ حضورؐ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے چند روز منتظر رہے۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میراث کی آیات نازل فرمائیں)۔ آپ نے سعد کی بیوہ کو پیغام بھیجا (کہ اس کی بیٹیوں کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے) اور سعد بن ربیع کے بھائی کو بُلا بھیجا۔ اُس کے سامنے میراث کی آیات تلاوت فرمائیں۔

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔
اگر (میت اپنے) پیچھے دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں چھوڑے تو ترکہ میں اُن کا حصہ دو تہائی ہوگا۔
چنانچہ آپ نے سعد کے بھائی کو حکم دیا کہ سعد کے ترکے میں سے۔

۱۔ اس کی بیوہ کو آٹھواں حصہ ادا کرو۔
۲۔ سعد کی بیٹیوں کا ⅔ (دو تہائی) حصہ انھیں ادا کر دو
اور ۳۔ جو باقی بچ رہے وہ تمہارا حصہ ہے۔

یہ پہلی میراث ہے۔ جو اسلام میں تقسیم کی گئی

۱۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱-۱۵۲
۲۔ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۸-۵۹
۳۔ محمد بن سحنون ۔ کتاب الفرائض

(۵)

حضرت عائشہ الصدیقہؓ فرماتی ہیں:
جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"ہم گروہِ انبیا کا کوئی وارث (میراث میں) نہیں ہوا کرتا۔ جو (ترکہ) ہم چھوڑ جائیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔
جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میرے ورثاء کا یہ حق نہیں کہ اگر میں ایک دینار بھی پیچھے چھوڑ دوں تو اُسے (آپس میں) تقسیم کریں۔ بلکہ جو املاک میں چھوڑ جاؤں تو (سب سے پہلے) اس میں سے میری ازواج اور عملہ کا خرچ الگ کیا جائے۔ اس کے علاوہ جو باقی بچ رہے۔ وہ سارے کا سارا صدقہ کر دیا جائے

صحیح بخاری جلد ۵ کتاب فرائض والاحکام، صفحہ ۶۲۶، ۶۲۹

(۶)

ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس کا کوئی بھی وارث نہیں تھا۔ اس کے پیچھے صرف اس کا ایک آزاد کردہ غلام تھا۔
جب حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔
"متوفی کا کوئی وارث بھی ہے؟"
صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اور تو کوئی نہیں، صرف ایک غلام ہے جسے متوفی نے وفات سے قبل آزاد کر دیا تھا۔
اس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ۔
مرحوم کی میراث اُس کے آزاد کردہ غلام کے حوالے کر دی جائے۔ (وہی مرحوم کا وارث ہے)۔

* راوی: ابن عباس سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ / مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۶۰

(۷)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی۔
یا رسول اللہؐ! میرا پوتا فوت ہو گیا ہے (اس نے اپنے پیچھے جو ترکہ چھوڑا ہے) کیا اس ترکہ میں میرا بھی کوئی حق بنتا ہے؟
آپؐ نے فرمایا۔ (اے شخص!) اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ تم لے سکتے ہو (یہ تمہارا حق ہے)
وہ شخص جب واپس جانے کے لیے ہوا۔ تو آپ نے اُسے پھر بلایا۔ اور فرمایا:
سنو! تیرے لئے ایک اور چھٹا حصہ بھی ہے (اور آخر کا ۱/۶ حصہ تمہارے لئے رزق ہے۔
ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو بھی میراث کا چھٹا حصہ دلوایا۔

راوی:۔ عمران بن حصین / حضرت ابن عباس ۱۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صد ۱۵۲-۱۵۳
۲۔ مشکوٰۃ جلد ۲ صد ۵۹

(۸)

دو آدمی جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپؐ کے سامنے میراث کا مقدمہ پیش کیا۔ اگرچہ دونوں اشخاص اپنے اپنے دعوے کو حق ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ لیکن دعوے کے حق میں دونوں کے پاس شہادت موجود نہیں تھی۔
ان کا دعویٰ سن کر جناب رسول اللہؐ نے فرمایا:
(غور سے سنو) میں اس بارے میں جس شخص کے حق میں فیصلہ دوں گا اگر یہ چیز واقعت میں اُس کی نہیں بلکہ اُس کے بھائی (فریق مخالف) کی ہے۔ تو اس (مال) کی حقیقت آگ کے ٹکڑے کی ہے جو اُس شخص کو دیا جا رہا ہے (جس کے حق میں فیصلہ دیا گیا)
آپؐ کا یہ قول سن کر، دونوں (بیک وقت) پکار اُٹھے۔
یا رسول اللہ! (مجھے یہ مال نہیں چاہیے) میں اپنے بھائی (فریق مخالف) کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔
اس پر آپ نے فرمایا:
تو جاؤ۔ باہمی رضامندی سے اِسے آپس میں تقسیم کر لو، لیکن حق کو ہاتھ سے نہ دو (کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے) تقسیم کے بعد قرعہ اندازی کر لو۔ (جو جس کے حصہ میں آئے لے اس کے باوجود) تم دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو معاف کر دو۔

راوی: ام سلمہؓ (مشکوٰۃ جلد ۲ صد ۲۰۵)

(۹)

جناب سید المرسلین ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"میں مومنوں پر خود ان کی جان سے زیادہ حق رکھتا ہوں (اُن پر خود اُن سے زیادہ مہربان ہوں)
(تو سنو!) اگر کوئی شخص ایسی حالت میں فوت ہو جائے کہ وہ مقروض ہو اور ادائیگی کے لیے جائداد وغیرہ بھی نہ ہو تو اس کا قرض (بیت المال سے) ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔

اور اگر اس کے پس ماندگان بے سہارا رہ جائیں اور اُن کا کوئی کفیل نہ ہو، تو میں اُن کی کفالت کا ذمہ دار ہوں۔
ہاں اگر متوفی اپنے پیچھے کوئی ترکہ چھوڑ جاتے۔ تو وہ مال اس کے وارثوں کو ملے گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:
جس کا کوئی (وارث) نہ ہو، میں اس کا (وارث) ہوں۔ اس کے مال کا وارث ہوں۔ اس کی گردن (قرض اور فرض سے) آزاد کرنا میرا فرض ہے۔
جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو۔ اور صرف ایک ماموں ہو، تو وہی ماموں اس کا وارث ہے۔ وہ متوفی کی طرف سے دیت ادا کرنے کا بھی ذمہ دار ہے اور اُسی پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کی گردن (قرض، فرض کے بوجھ سے) آزاد کرائے۔ اس متوفی کے ترکہ کا وارث بھی وہی ہے۔ راوی: ابوہریرہؓ ومقدامؓ

۱۔ صحیح بخاری جلد ۵ کتاب الفرائض صہ ۳۱ / ۲۔ مشکوٰۃ جلد ۱ صہ ۵۷
۳۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۵۷، ۱۵۸ / ۴۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۴۲

(۱۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:
رُباب بن حذیفہ نے ام وائل بنت معمر سے نکاح کیا۔ ام وائل سے رُباب کے تین بچے ہوئے۔ (کچھ عرصہ بعد) ان بچوں کی والدہ فوت ہو گئیں تو اس کے بیٹے اس کی زمین اور اموال (ولاء) کے وارث قرار دیے گئے۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۵۴)

(۱۱)

عزہ بنت حمزہ کہتی ہیں:
میری ایک کنیز تھی۔ اُس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے پس ماندگان میں صرف ایک لڑکی تھی۔ (اور ترکہ بھی تھا) چنانچہ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس بارے میں حضورؐ کا حکم دریافت فرمایا۔
تو آپ نے اس کنیز کے ترکہ کو میرے اور اس (متوفیہ) کی لڑکی کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۵۴)

(۱۲)

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں سخت بیمار ہو گیا۔ جناب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر پیدل چل کر میری عیادت کو تشریف لائے (مجھ پر بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے) چنانچہ جس وقت آپؐ میرے ہاں تشریف لائے تو مجھ پر بیہوشی طاری تھی۔ آپؐ نے وضو فرمایا۔ اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کیا۔
یارسول اللہؐ۔ میں اپنے مال کا کیا کروں؟
ایک روایت میں ہے کہ جابر نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ میری کئی بہنیں ہیں۔ آپ اُس وقت خاموش رہے حتیٰ کہ ترکہ کی

تقسیم سے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں :

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُم ...... واللہ علیمٌ حکیمٌ ہ

(سورۂ نساء : ۱۱ ، ۱۲)

اور حضورؐ نے مجھے ان احکامات سے آگاہ فرمایا ۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۵ کتاب الفرائض صہ ۶۲۵ ۔
۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۳۸-۲۳۹ ۔

(۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں ۔
جناب سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔
کہ بیٹی کو (ترکہ) کا آدھا حصہ ملے گا (اگر لڑکی اکیلی وارث ہو)
پوتی کو چھٹا حصہ اور
باقی مال بہن کو ملے گا ۔ (گویا بہن بھی عصبہ ہوئی)

صحیح بخاری جلد ۵ کتاب الفرائض صہ ۶۳۶

(۱۴)

جناب سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز خطبہ دیتے ہوئے ۔ ارشاد فرمایا :
' عورت اپنے خاوند کی دیت کی اور ترکہ کی وارث ہوگی ۔ اسی طرح خاوند اپنی عورت کی دیت اور ترکہ دونوں کا وارث ہوگا ، جب تک دونوں ایک دوسرے کی جان کے درپے نہ ہوں ۔
اگر ان میں کا ایک دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کرے گا (قتل عمد کا ارتکاب کرے گا) تو نہ اس کی دیت کا وارث ہوگا ۔ اور نہ ترکہ کی میراث اُسے ملے گی ۔
ہاں اگر ان میں کا کوئی ایک دوسرے کو غلطی سے قتل کر دے ۔ تو ترکہ تو اُسے ملے گا ۔ لیکن دیت کا وارث نہیں ہوگا ۔

سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۵۷ ۔

(۱۵)

جناب صدیقہؓ فرماتی ہیں :۔
جناب سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا ۔ وہ کھجور کے درخت سے گرا اور جاں بحق ہوگیا ۔ اس غلام کی نہ تو کوئی اولاد تھی اور نہ ہی کوئی رشتہ دار تھے ۔ چنانچہ حضورؐ نے حکم دیا ۔
کہ اس غلام کے گاؤں والوں میں سے کسی ایک کو اس کا ترکہ (ولاء) دے دیا جائے ۔

سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۵۵ ۔

(۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں ۔

جو بچہ کسی کے (والد) مرنے کے بعد اس کی جانب منسوب کیا جائے یعنی میت کے ورثا اس بات کا دعویٰ کریں ۔ کہ اس بچے کے ہم مالک ہیں ۔ تو اس مسئلہ کا فیصلہ یہ ہے کہ

۱۔ اگر وہ بچہ ایسی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا ہے کہ جس روز (اُس کے) مالک نے اُس سے ہم بستری کی تھی ۔ تو وہ اس کی ملکیت میں تھی ۔ تو اس بچہ کی نسبت والد سے کی جائے گی ۔ اور میراث میں بھی اس کا حصہ ہوگا ۔

ہاں جو میراث زمانۂ جاہلیت میں تقسیم کی جا چکی ہے ۔ اُس میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا ۔ البتہ اگر کچھ ترکہ باقی ہے اور اُسے میراث بھی قرار دے دیا جائے تو اس صورت میں یہ بچہ (حکم خداوندی کے مطابق) اس ترکہ میں سے اپنا حصہ پائے گا ۔

۲۔ مگر جب صورت یہ ہو کہ والد خود اس بچے کو اپنانے سے منکر ہو ۔ تو پھر ورثا کا یہ دعویٰ کہ "بچہ ہمارا ہے" بے معنی ہے ۔

۳۔ بصورت دیگر ۔ اگر یہ بچہ ایسی باندی کے بطن سے ہو، جو اس مرد کی ملکیت میں نہیں تھی ۔ یا پھر کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہے ۔ جس کے ساتھ اُس (مرد) نے زنا کیا ہے ۔

تو یہ بچہ کسی صورت میں بھی متوفی سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ (یعنی یہ بچہ کسی حالت میں میت کا وارث نہیں قرار دیا جا سکتا)

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۱۵۹ ۔ ۱۶۰)

(۱۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں ۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر میں مکہ میں تھا ۔ ایسا سخت بیمار پڑا ۔ کہ جینے کی امید نہ رہی ۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو میرے پاس تشریف لے آئے ۔ تو میں نے حضورؐ کی خدمت میں گذارش کی ۔

یا رسول اللہ ۔ (بستر مرگ پر ہوں) میرے پاس حد سے زیادہ دولت ہے ۔ لیکن صرف ایک بیٹی ہے ۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہیں ۔ میری خواہش ہے کہ اپنا دو تہائی مال (اللہ کی راہ میں) خیرات کر دوں ۔ اس بارے میں آپؐ کا کیا حکم ہے ؟

آپ نے فرمایا ۔ اے سعدؓ نہیں، ایسا نہ کرو ۔

سعد (دوبارہ عرض کرتے ہوئے) حضور! تو پھر نصف مال ہی سہی ۔

رسول اللہؐ ۔ نہیں (یہ بھی ٹھیک نہیں) ۔

سعدؓ : حضورؐ (اگر آپؐ کی اجازت ہو) تو پھر ایک تہائی مال خیرات کر دوں ۔

رسول اللہؐ :۔ ہاں، اے سعد ۔ بس ایک تہائی مال کافی ہے (اسے اللہ کی راہ میں خیرات کر دو) ۔ تمہارے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اپنی اولاد کو مرفع الحال چھوڑ جاؤ ۔ وہ کسی کے محتاج نہ رہیں تاکہ دوسروں کے آگے انھیں ہاتھ نہ پھیلانا پڑے ۔ اور تجھے ہر اُس شئے کا اجر ملے گا، جو تو محض اللہ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں خرچ کرے ۔ حتیٰ کہ وہ لقمہ بھی تیرے لئے باعث اجر ہوگا ۔

جو تو اپنی بیوی کے منہ تک لے جاتے۔ (صحیح بخاری جلد ۵۔ کتاب الفرائض ص ۶۳۱)

(۱۸)

حضرت عائشہ الصدیقہ رضؓ بیان فرماتی ہیں:

ایک دن بریرہ رضؓ میرے پاس آئی اور کہنے لگی

"میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر مکاتبت کی ہے۔ اور مجھے ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا ہوگا۔ (جب نو پورے ہوں گے۔ تو آزادی ملے گی) آپ میری مدد فرمائیں"۔

چنانچہ میں نے کہا:

اے بریرہ! اگر تمہارے مالک اس بات پر راضی ہوں تو میں پوری رقم یکمشت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ تاکہ تمہیں آزاد کر دیا جائے۔ البتہ (یہ اپنے مالکوں کو بتا دے) کہ تیری (ولا) کی مالک میں ہوں گی۔

بریرہ اپنے مالکوں کے پاس گئی اور انہیں حضرت عائشہ رضؓ کی بات سنائی لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ وہ اس شرط پر سودا کرنے کو تیار ہو گئے کہ ولاؔ اُن کو ملے۔ (یعنی ترکہ کے وہ وارث ہوں گے)

جناب صدیقہ نے یہ معاملہ حضورؐ کے گوش گذار کیا تو آپ نے فرمایا۔

۔ تم اے عائشہ مکاتبت کی پوری رقم ادا کر دو۔ اس کے بعد بریرہ کو آزاد کر دو۔ ولا (ترکہ) کی مالک تم ہی ہوگی۔ (کیوں کہ تم نے اُسے آزاد کرایا ہے)

پھر جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حیرانی کی بات ہے کہ لوگ اس قسم کی شرائط معاملات میں عائد کرتے ہیں۔ جو اللہ کی کتاب میں موجود نہیں۔ اور جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ پائی جائے۔ وہ باطل ہے۔ (اس کا باندھنے والا گنہگار رہے گا)

یاد رکھو! اللہ کا فیصلہ زیادہ وزنی اور اٹل ہے۔ اللہ کی عائد کردہ (حدود) اور شرائط زیادہ مضبوط۔

اور غور سے سنو! ولا کا مالک وہی ہوگا جو (لونڈی / غلام کو) آزاد کرائے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۵ کتاب الفرائض ص ۶۴۲
۲۔ صحیح مسلم۔ / ۳۔ مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۳

(۱۹)

جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء ادا کرنے کے بعد فارغ ہو لئے اور معاہدے کی میعاد (تین یوم) بھی پوری ہو گئی۔ تو قریش کے چند لوگ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا۔

یا علی! (معاہدے کی میعاد پوری ہو چکی) اپنے صاحب (جناب رسالتمآبؐ) سے کہیں کہ وہ اب فوراً مکہ سے کوچ کریں۔

چنانچہ آپ نے سنتے ہی کوچ کا حکم دیا۔ جس وقت جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہونے کو تھے تو جناب

کی بیٹی چچا چچا پکارتی ہوئی حضورؐ کے پیچھے دوڑی ۔ حضرت علی حیدرؓ نے اُس بچی کو بازوؤں میں تھام لیا ۔ اور جناب فاطمۃ الزہراؓ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ۔

لو ۔ یہ تمہارے رشتے چچا کی بیٹی ہے ۔ اسے سنبھالو ۔

اس پر حضرت علی حیدرؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان تُو تُو میں میں ہونے لگی ۔ ہر ایک کا یہی مطالبہ تھا کہ بچی پر اُس کا حق زیادہ ہے ۔ لہٰذا بچی اُسے ملنی چاہیے ۔

حضرت علیؓ کا دعویٰ تھا ۔ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے ۔ (اس لئے میرا حق فائق ہے)

حضرت جعفرؓ کا اصرار تھا ۔ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے ، میری بھتیجی ہے ۔ اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (میرا حق دُہرا ہے)

جبکہ زید مُصر تھا کہ نہیں ۔ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے ۔

حضورؐ نے یہ صورت حال دیکھی تو تینوں کو بلایا اور فیصلہ دیا کہ بچی پر حضرت جعفرؓ کا حق زیادہ ہے ۔ اسے لئے اُسے ملنی چاہیے ۔ اس طرح یہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے گی (اور وہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے گی) کیوں کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے ۔

پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں ۔

حضرت جعفرؓ سے فرمایا ۔ تم خلق و خُلق میں مجھ سے زیادہ ملتے جلتے ہو ۔

اور حضرت زیدؓ سے فرمایا ۔ اے زید ! تم میرے بھائی بھی ہو اور ساتھی بھی ۔ (صحیح بخاری .....)

(۲۰)

عُتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ دیکھو سعدؓ ! زمعہ بن قیس کی لونڈی کے بطن سے جو لڑکا ہے ۔ وہ میرے نطفے سے ہے ۔ لہٰذا جب مکہ جانا ہو ۔ تو اس لڑکے کو اپنے قبضہ میں کر لینا ۔

جس سال مکہ فتح ہُوا ۔ تو حضرت سعدؓ بھی حضورؐ کے ساتھ تھے ۔ انہوں نے اُس لڑکے (عبدالرحمان) کو دیکھا ۔ تو پکڑ لیا ۔ اور لگے کہنے ؛

یہ میرا ہے ۔ میرا بھتیجا ہے ۔ میرے بھائی نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں اسے اپنے سایہ عاطفت میں لے لوں ۔

یہ دیکھا تو عبد بن زمعہ بھی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ۔

نہیں ، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ یہ میرا بھائی ہے ۔ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے ۔ میرے باپ کی لونڈی کے بطن سے ہوا ہے ۔ (اس پر کوئی دوسرا کیسے حق جتا سکتا ہے ؟)

دونوں میں تو تو میں میں ہونے لگی ۔ جھگڑتے ہوئے جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے ۔ تو سعدؓ کہنے لگے ۔

لہ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے رشتے میں چچا تھے ۔ لیکن رضاعی بھائی بھی تھے ۔ اس لئے حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ کو جناب سیدۃ النساءؓ کا چچا بتا رہے ہیں

یا رسول اللہؐ! یہ لڑکا میرا بھتیجا ہے۔ (میرے بھائی عُتبہ کا بیٹا ہے) اُس نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں اسے لے لوں۔
پھر عبد بن زمعہ کہنے لگے۔ نہیں، یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا۔ میرے باپ کی لونڈی نے اسے جنا ہے۔ (اس پر میرا حق ہے)

دونوں کا دعویٰ اور جواب دعویٰ سننے کے بعد حضورؐ نے فیصلہ صادر فرمایا،
"اے عبد بن زمعہ! یہ بچہ تو لے لے۔ (اس پر تمہارا حق ہے)۔ بچہ اُسی کا ہوتا ہے۔ جس کے بستر پر پیدا ہُوا ہو۔
اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ (اُسے سنگسار کیا جائے)
اس فیصلہ کے باوجود آپؐ کو یقین ہو گیا کہ لڑکا عتبہ کا ہے۔ اس لیے آپؐ نے اپنی زوجہ ام المومنین سودہ بنت زمعہ کو حکم دیا۔ "کہ آئندہ اس لڑکے سے پردہ کیا کرو۔"
چنانچہ ام المومنین مرتے دم تک اُس کے سامنے نہیں آئیں۔
(صحیح بخاری جلد ۵ کتاب الفرائض صہ ۶۳۹ - ۶۴۰)

(۲۱)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عورت تین شخصوں کی میراث میں حق دار ہو سکتی ہے۔
۱۔ ایک تو وہ غلام جسے اُس نے آزاد کیا ہو۔
۲۔ دوسرے وہ بچہ جس کی اس نے پرورش کی ہو۔
۳۔ تیسرے وہ بچہ جو لعان کی صورت میں اُس کو ملا ہے۔
(راوی:۔ واثلہ بن اسقعؓ) مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۵۸

(۲۲)

بنو خزاعہ کا ایک شخص انتقال کر گیا، لوگ اس کی میراث جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ (کیوں کہ اس کے ترکہ کا کوئی وارث نہیں تھا)۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا،
"اس کے وارث کو یا کسی قریبی رشتہ دار کو تلاش کرو۔"
"تلاش بسیار کے بعد بھی جب کوئی وارث یا قریبی رشتہ دار نہ ملا تو حضورؐ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ
"بنو خزاعہ میں سے کسی بڑے کو تلاش کرو اور متوفی کا ترکہ اس کے حوالے کر دو۔"
مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۵۸

(۲۳)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن مسلمہ انصاریؓ دونوں بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم اس وقت موجود تھے۔ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے (متوفی کی) نانی کو (ترکہ کا) چھٹا حصہ دلایا۔ (موطا امام مالکؒ باب المیراث صہ ۵۶۷)

(۲۴)

زید بن اسلم روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالے (کی میراث) کے متعلق دریافت کیا تو جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا سورۂ نسأ کی آخری وہ آیات جو گرمی میں نازل ہوئیں تیرے لئے کافی نہیں؟[ا]

موطا۔ امام مالک۔ باب المیراث ص۵۶۹-۵۶۹

(۲۵)

اوس بن ثابتؓ کی بیوہ جناب ختمی مرتبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ! میرے خاوند اوس بن ثابت فوت ہو گئے ہیں، اس نے اپنے پیچھے دو لڑکیاں اور ایک نابالغ لڑکا چھوڑا ہے۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق اوس کے دو چچا زاد بھائیوں نے آکر مرحوم کی املاک و مال پر قبضہ جما لیا۔ میری اولاد اور مجھے کچھ نہیں دیا۔ عورت تو (قدیم دستور کے مطابق) عورت ہونے کے ناطے وراثت کی حق دار نہ رہی۔ اس سلئے میں اور دونوں بچیاں میراث سے محروم کی گئیں اور اوس کا لڑکا چوں کہ ابھی نابالغ تھا۔ اس لیے اُسے بھی اس وجہ سے میراث سے محروم کیا گیا۔ لہٰذا پورے مال کو ہتھیا کر دونوں اپنے طور پر وارث بھی بن گئے۔

یا رسول اللہؐ! میں نے یہ بھی کوشش کی کہ یہ دونوں چچا زاد بھائی جنہوں نے پورے ترکہ کو ہتھیا لیا ہے۔ ان دو لڑکیوں (اوس کی بیٹیوں) سے نکاح کر لیں تاکہ اُن کی فکر تو دامن گیر نہ رہے۔ مگر وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے اور انکار کر دیا۔

اس لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی ہوں تاکہ اپنی محرومیوں اور بچوں کی بے کسی کی شکایت آپؐ کے حضور پیش کروں۔

ابھی تک چوں کہ قرآن مجید میں وراثت کا قانون نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے جناب سید المرسلینؐ نے قدرے جواب دینے میں توقف فرمایا۔ لیکن جناب رسالت مآبؐ کو کامل یقین تھا کہ اس ظالمانہ رسمی قانون کو بدلنے کے لیے اللہ تعالےٰ ضرور احکامات نازل فرمائیں گے۔

چنانچہ اسی وقت آیات میراث نازل ہوئیں۔ پہلے

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ . . . . . . اور كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ (سورۂ نسأ: ۷)

اور اس کے بعد دوسری آیات میراث نازل ہوئیں جن میں میراث کے حصوں کی تفصیلات ہیں۔ (سورۂ نسأ ۱۱: ۱۲)

تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام قرآنی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔

[ا] کلالے کے باب میں دو آیتیں نازل ہوئیں:۔

ا۔ سورۂ نسأ کے اول میں: وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً ۔ یہ سردیوں کے موسم میں نازل ہوئی۔

ب۔ سورۂ نسأ کے آخر میں: يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۔ یہ گرمیوں کے موسم میں نازل ہوئی۔

۱۔ بیوی کو کل ترکہ کا آٹھواں حصہ عطا فرمایا۔
۲۔ باقی مال میں نصف اوس کے لڑکے کو عطا فرمایا۔
۳۔ باقی نصف دونوں لڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم فرمایا۔
۴۔ بچا زاد بھائیوں کو وراثت سے محروم کیا۔ کیوں کہ اولاد کے مقابلہ میں وہ اقرب نہ تھے۔

۱۔ معارف القرآن جلد ۲ تفسیر سورۂ نسار، صد ۳۰۹-۳۱۰
۲۔ معالم القرآن جلد ۴ تفسیر سورۂ نسار، صد ۶۳۹-۶۴۰
(بحوالہ روح المعانی و بیان القرآن)

متفرقات

(۱)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔
جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
اگر محض دعویٰ کی بنا پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے تو ہو سکتا ہے۔ کہ لوگ بندوں کے خون اور اموال پر بھی دعوی کر بیٹھیں۔
ایسی صورت میں مدعا علیہ پر لازم ہے کہ وہ قسم کھائے۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صد ۲۰۳)

(۲)

ابو امامہ بیان کرتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو آدمی محض اس لیے قسم کھاتا ہے کہ وہ ایسا کرنے سے کسی (دوسرے) مسلمان کا حق غصب کرے گا۔ ایسے شخص کے لئے جنت حرام کر دی جاتی ہے اور اللہ پاک اس کیلئے نارِ جہنم واجب کر دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صد ۲۰۳)

(۳)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں:۔

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:" تم میرے پاس اپنے دعوے لے کر آتے ہو۔ ہو سکتا ہے تم میں کے بعض تیز طرار ہوں اور مدلل تقریر کرنے والے ہوں۔ اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ میں ایسے شخص کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ (اگر ایسا ہو جائے) تو اُسے وہ چیز ہرگز نہیں لینی چاہیے۔ جو حقیقت میں تمہارے بھائی کی ہو۔ اگر جانتے بوجھتے اُس چیز کو ہتھیانا چاہتے ہو، تو سمجھ لو، کہ تم محض آگ

کے ایک ٹکڑے کو اپنے قبضے میں لے رہے ہو۔ (متفق علیہ : ا۔ صحیح بخاری / ۲۔ صحیح مسلم)

(۴)

ایک عورت جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔
یا رسول اللہؐ! میں نے اپنی والدہ کو ایک کنیز صدقہ میں دی تھی۔
میری والدہ رحلت فرما گئیں۔ (اب میرے لیے اس بارے میں کیا حکم ہے؟)
آپ نے فرمایا: باری تعالیٰ تمھیں اس کا اجر عطا کریں گے۔
اور حکم دیا کہ وہ کنیز اب میراث کے طور پر پھر تیری ہو گئی۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۶۲)

(۵)

ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا
یا رسول اللہؐ! میں نے اپنی والدہ کو ایک باغ عطیہ کے طور پر دیا تھا۔ اب جبکہ میری والدہ انتقال کر گئی ہے۔ میرے سوا اس کا کوئی وارث بھی نہیں۔ (تو میرے لئے کیا حکم ہے؟)
آپ نے فرمایا۔ تیرا صدقہ اللہ پاک قبول فرمائیں گے۔ چونکہ اپنی والدہ کے ترکہ کا تو وارث ہے۔ اس لئے یہ باغ بطور میراث اب پھر تیرا ہو گیا۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۶۳)

(۶)

ایک انصاری نے اپنے والدین کو کچھ مال صدقہ کے طور پر دیا۔ وہ دونوں بقضائے الٰہی اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے
چونکہ ان کا وہی ایک بیٹا تھا اس لیے وہی ان کے مال و اسباب کا وارث ہوا۔
(بعض لوگوں کو اس پر تردد ہوا) تو انہوں نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس بارے میں حضورؐ سے استفسار فرمایا۔ (ان میں وہ شخص بھی تھا) آپ نے اس (فرزند) سے فرمایا۔
یہ میراث بھی تمہاری ہے اور تم نے جو صدقہ کیا تھا اس کا ثواب بھی تمہیں ملے گا۔ (موطا امام مالک)

(۷)

خیبر کی ایک عمدہ اراضی حضرت عمر فاروقؓ کے حصے میں آئی حضرت فاروقؓ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اس بارے میں آپ سے رہنمائی حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔
یا رسول اللہؐ! خیبر میں جیسی عمدہ اراضی میرے حصہ میں آئی۔ ویسی زمین مجھے زندگی بھر نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کا مشورہ مطلوب ہے۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ بہتر ہے کہ تم اصل (زمین) رہنے دو اور اس سے جو نفع حاصل ہو اسے صدقہ کر دو۔
اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اسے اللہ کی راہ میں وقف کر دو،
چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کے فرمان پر عمل کیا۔ اور یہ زمین وقف کر دی۔ اس کے لیے یہ شرائط متعین کر دیں۔

۱۔ یہ رقبہ زمین فروخت نہ کی جائے
۲۔ نہ اسے میراث میں تقسیم کیا جائے اور نہ ہی ہبہ میں کسی کو دیا جائے۔
۳۔ یہ زمین فقراء۔ ذوی القربیٰ۔ غلاموں، مجاہدوں۔ مسافروں۔ کمزوروں اور مہمانوں کے لئے صدقہ ہے۔
۴۔ البتہ اس کا جو متولی ہو۔ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دستور کے مطابق اس زمین کی پیداوار خود کھائے۔ دوستوں کو کھلائے۔ لیکن اس سے حاصل شدہ مال جمع کرنے کی اُسے ہرگز اجازت نہیں۔

۱۔ صحیح مسلم : باب الوقف
۲۔ سنن ابن ماجہ : جلد ۲ صہ ۹۳

(۸)

خیرہ، جو مالک کے فرزند کعب کی زوجہ تھی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ اپنے ساتھ اپنے زیوات بھی لے آئی اور عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ! میں انھیں (زیوات کو) صدقہ کرنا چاہتی ہوں۔ (آپؐ کا کیا فرمان ہے؟)

رسول اللہؐ: (سنو) اگر کوئی عورت صدقہ کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے خاوند سے اجازت لے۔ ورنہ اس کا صدقہ جائز نہیں۔ کیا تم نے کعب (عورت کا خاوند) سے اجازت لے لی ہے؟

خیرہ :۔ جی ہاں۔ یا رسول اللہؐ!

پھر بھی (مزید تسلی کے لیے) جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کعب کے پاس بھیجا۔ تاکہ معلوم کرے کہ اُس نے اپنی بیوی کو (زیورات) صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ جب اُس سے استفسار کیا گیا تو اُس نے اثبات میں جواب دیا۔

اس پر حضور سید الکونینؐ نے اُسے صدقہ کی اجازت دے دی۔

سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۹۱

(۹)

نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ

اُن کے والد انھیں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ: آپ گواہ رہیں کہ میں نے فلاں فلاں چیز اپنے بیٹے نعمان کو ہبہ کر دی ہے۔

بعض دوسری روایات میں ہے کہ اس کی والدہ کے اصرار پر یہ چیز ہبہ کر دی ہے اس کی بات سن کر حضور نے فرمایا۔

اسے شخص! جیسے تم نے نعمان کو ہبہ کر دی ہے، کیا اتنا دوسرے بچوں کو بھی دیا ہے؟

تو میرے والد نے جواب دیا۔ نہیں، یا رسول اللہ۔

اس پر حضور نے فرمایا۔ تو پھر مجھے معاف رکھو۔ کوئی دوسرا گواہ بنا لو (میں اس معاملے میں تمہاری تائید نہیں کر سکتا)
اور اسے شخص۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارے سارے بچے تمہارے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔
میرے والد نے کہا۔ کیوں نہیں حضور!
تو آپ نے فرمایا۔ پھر ایسا مت کرو۔ (ہر ایک کو برابر کا حصہ دو)
(سنن نسائی / سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۵)

(۱۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
میرے پاس ایک عمدہ نسل کا گھوڑا تھا۔ میں نے اُسے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ لیکن جس شخص کو میں نے صدقہ میں یہ گھوڑا دیا تھا۔ (اس نے اس کی نگہداشت نہ کی) اور تباہ کر دیا۔ کیوں کہ وہ نادار تھا۔ میں نے جب اپنے گھوڑے کی یہ حالت دیکھی تو چاہا کہ اپنے (صدقہ شدہ) گھوڑے کو اُس شخص سے واپس قیمتاً لے لوں لیکن میں نے ایسا کرنے سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ حضور سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتِ حال آپ کے سامنے رکھی۔
آپ نے فرمایا۔ (اے عمر!) مت خریدو اس کو، چاہے ایک درہم میں کیوں نہ ملے۔ اور مت واپس لو صدقہ اپنا۔ سنو صدقہ واپس لینے والے کی مثال اُس کتے کی سی ہے۔ جس نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، پھر قے کر دی اور پھر اپنی ہی قے کو چاٹنے لگ گیا۔
(صحیح مسلم جلد ۴ ص ۲۴۳)

(۱۱)

عاص بن وائل نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں۔ اس کے بیٹے ہشام نے تو باپ کی خاطر پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ لیکن دوسرے بیٹے عمرو نے جب اپنی طرف سے پچاس غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ (تو سوچ میں پڑ گیا)۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ جب تک اس بارے میں جنابِ سید الکونین سے پوچھ نہیں لوں گا۔ ایسا نہیں کروں گا۔
عمرو جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے باپ نے ہمیں (مجھے اور میرے بھائی) کو وصیت کی تھی۔ کہ اُس کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ میرے بھائی ہشام نے تو وصیت پر عمل کرتے ہوئے پچاس غلام آزاد کر دیئے ہیں۔ اب مجھ پر پچاس غلام آزاد کرنا باقی ہیں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ آیا میں بھی ایسا کر دوں؟
اس پر جنابِ رسالتمآب نے فرمایا:
اے عمرو، اگر تمہارا والد مسلمان ہوتا۔ اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، صدقہ دیتے، یا حج کرتے۔ اُسے ثواب پہنچ جاتا۔ (لیکن اب ایسا کرنا جائز نہیں)

بحوالہ ابوداؤد مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۶۳

(۱۲)

جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اگر کوئی شخص کوئی چیز کسی دوسرے شخص کو عمر بھر کے لیے دے تو یہ جائز ہے۔ بہتر یہی ہے کہ نہ عمریٰ کیا جائے اور نہ رقبیٰ۔ پھر بھی اگر کسی شخص نے عمریٰ اور رقبیٰ کر لیا۔ تو وہ چیز ہمیشہ کے لیے اس کی ہو گئی جس کے حق میں عمریٰ اور رقبیٰ کیا جائے۔ چاہیے وہ زندہ رہے یا مر جائے۔

لیکن اگر کوئی شخص ایک چیز دے کر واپس لے (تو یہ جائز نہیں) - یہ تو ایسے ہے کہ جیسے اُس نے قے کی اور پھر اُسے چاٹ لیا۔

راوی: ابن عباس و ابن عمر - / سنن نسائی ص ۱۲۳/۱۷

(۱۳)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی زُرعہ اور قبیلہ جہینہ کے ایک خاندان بنی ربعہ کو امان نامہ عطا فرماتے ہوئے لکھا:

ان کو جان اور مال کی امان دی جاتی ہے۔ اگر کوئی ان کے خلاف جنگ کرے یا ظلم و زیادتی کرے، تو اس کے خلاف اُن کی امداد کی جائے سوائے دین اور اہل کے۔ اور ان میں سے جو دیہات کے رہنے والے ہیں، وہ اگر نیکی اور تقویٰ کو اپنائیں۔ تو اُن کے لیے بھی وہ ساری مراعات ہوں گی جو اُن کے شہریوں کو عطا کی گئی ہیں۔ (طبقاتِ ابن سعد جلد ۱)

(۱۴)

ایک شخص کے چھ غلام تھے۔ ان غلاموں کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا مال یا ترکہ نہیں تھا۔ اُس نے مرتے وقت یہ سارے غلام آزاد کر دئے۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے فیصلہ پر صاد نہیں فرمایا۔ چنانچہ ان غلاموں کو بلایا - اُن کو تین حصوں میں الگ الگ کر دیا۔ اور پھر ان پر قرعہ اندازی فرمائی۔ دو کو (جن کے نام قرعہ نکلا) آزاد فرما دیا اور باقی چار غلام رہے۔

آپ نے آزاد کرنے والے متوفی کے بارے میں سخت کلامی فرمائی۔ (یعنی اس کے فعل کو پسند نہیں فرمایا)

(راوی: عمران بن حصین) سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۵۰ / مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۲۶

(۱۵)

ایک انصاری نے ایک غلام مدبر کیا۔ حالاں کہ اُس کے پاس سوائے اس غلام کے کوئی دوسرا مال ترکہ نہیں تھا۔ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے اس غلام کو بلایا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کون ایسا ہے، جو اس غلام کو مجھ سے خریدے۔"

نعیم بن نحام نے اُسے ۸۰۰ درہم میں خرید کر لیا اور پوری رقم حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ چنانچہ آپ نے وہ پوری رقم اُس شخص کے حوالے کی اور اُسے حکم دیا۔

(جاؤ)! اس رقم کو اپنی جان پر خرچ کرو۔ اس کا تمہیں اجر ملے گا۔ اگر کچھ بچ رہے تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو۔
پھر بھی اگر بچ رہے تو اسے اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کر دو۔
اس کے باوجود بھی اگر رقم بچ رہے۔ تو اُسے اپنے ہمسایوں میں بانٹ دینا۔
راوی: جابرؓ صحیح مسلم / صحیح بخاری / مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ - ۱۲۷

(۱۶)

سویدؓ کہتے ہیں:۔
جناب سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک تھا۔ ہم مقرن کے بیٹے اکٹھے رہا کرتے تھے۔ ہمارے پاس صرف ایک کنیز تھی۔ (اُس سے کوئی غلطی ہو گئی) تو ہم میں سے کسی ایک نے اُس کو منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ جب اس بات کی خبر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ تو آپ نے ہمیں حکم دیا۔ کہ
اس کنیز کو آزاد کر دو۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۴)

(۱۷)

معاویہؓ بن حکم روایت کرتے ہیں:
میری ایک لونڈی تھی۔ جسے میں نے بھیڑیں چرانے پر مامور کر رکھا تھا۔ وہ جبل اُحد اور جوانیہ کی وادی میں بھیڑیں چرایا کرتی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ بھیڑیا آیا اور ایک بکری اُچک کر لے گیا۔ میں جب آیا۔ تو دیکھا کہ ریوڑ میں ایک بکری کم تھی۔ اس لیے میں نے اُس سے بکری کے متعلق استفسار کیا تو اُس نے جواب دیا کہ بکری تو بھیڑیا لے گیا۔
میں بنی آدم ہوں۔ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے اُس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ (اس کے فوراً بعد اپنے اس فعل پر مجھے ندامت محسوس ہوئی) تو میں جناب سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔

آپ کو میرا یہ فعل سخت ناگوار گزرا چنانچہ فرمایا۔ "اے شخص — تو نے بڑا گناہ کیا ہے"۔
میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا میں اس لونڈی کو آزاد نہ کر دوں"
آپؐ نے فرمایا: "اے معاویہ! جاؤ اور اس لونڈی کو میرے پاس لے آؤ"
جب میں لونڈی کو حضورؐ کی خدمت میں لے آیا تو حضورؐ نے اس پر سوالات کئے:۔
رسول اللہؐ: "اللہ کہاں ہے؟"
لونڈی: "آسمان میں"۔
رسول اللہؐ: "اچھا بتلاؤ۔ میں کون ہوں؟"
لونڈی: حضورؐ! آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

یہ جوابات سن کر آپ نے حکم دیا۔ اسے معاویہ! اسے آزاد کر دو۔ یہ مسلمان ہے
(صحیح مسلم / مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

لقطہ (گری پڑی چیز)

(۱)

سلمان بن ربیعہ کہتے ہیں، جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک تھا مجھے سو اشرفیاں پڑی ملیں۔ میں وہ اشرفیاں لے کر جناب رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان اشرفیوں سے متعلق آپ کا حکم دریافت کیا۔

آپ نے حکم دیا۔ پورا ایک سال ان کے متعلق اعلان کرتے رہو۔ (شاید ان کا مالک مل جائے) چنانچہ میں ایک سال تک حضور کے فرمان کے مطابق اعلان کرتا رہا۔ لیکن اُن اشرفیوں کے مالک کا پتہ نہیں چلا۔ میں دوبارہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، صورت حال عرض کرنے کے بعد آپ سے پوچھا کہ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے دوبارہ وہی حکم صادر فرمایا اس بار بھی اشرفیوں کا مالک تلاش کرنے میں مجھے ناکامی ہوئی۔ اس لیے پھر حاضر خدمت ہوا۔ تو حضور نے فرمایا:

سلمان! اشرفیوں کو اچھی طرح گن لو، ان کی مہر کی خوب جانچ پڑتال کر لو۔ ایک سال مزید انتظار کرو۔ اگر اس کا مالک مل جائے تو بہتر۔ ورنہ تو ان اشرفیوں کا مالک ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۹۳)

(۲)

زید بن خالد الجہنی بیان کرتے ہیں:

ایک شخص جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حضور سے سوالات کرنے لگا۔

اُس شخص نے حضور سے گم شدہ اونٹ کے بارے میں دریافت کیا۔ (کہ اس بارے میں آپ کا کیا حکم ہے)؟ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک لال سُرخ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔

"اے شخص! تجھے آخر اس (اونٹ) کے پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلنے کو اُس کے پاؤں ہیں۔ کھانے پینے کو اس کا پیٹ ہے۔ وہ خود چل پھر کر گھاس چرتا رہے گا، پیاس بجھائے گا۔ درختوں کے پتوں سے پیٹ بھر لے گا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک اُسے پالے گا۔"

اُس شخص نے دوبارہ عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! گم شدہ بکری کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟" اس پر آپ نے فرمایا:۔

"اُسے پکڑ کر قبضے میں کر لو، وہ تیرے لیے ہے۔ یا تیرے بھائی کے لیے ہے۔ ورنہ پھر بھیڑیے کی ہے (یعنی۔ اس کا مالک آجائے تو اُس کی ہے، ورنہ تیری اور اگر یونہی رہے۔ تو پھر بھیڑیا کی خوراک بن جائے گی)"

پھر اُس شخص نے پوچھا۔ "یا رسول اللہ گری پڑی چیز کے لیے کیا حکم ہے"؟ تو آپ نے فرمایا:۔

اُس کی تھیلی اور بندھن اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ ایک سال تک اس کے متعلق اعلان کرتے رہو۔ اگر اس گم شدہ مال کا مالک مل جائے تو اس کے حوالے کر دو، ورنہ تجھ کو اس پر تصرف کا پورا اختیار حاصل ہوگا۔

صحیح مسلم / صحیح بخاری / سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۹۲ - ۹۳

مشکوٰۃ - جلد ۲ صہ ۵۴

احکام

(۱)

ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: "یا رسول اللہؐ! میرے باپ نے میرا پورا سرمایہ ختم کر دیا ہے۔"

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"اے شخص - تو بھی - اور تیرا سب کچھ تیرے باپ کا ہے - ہاں - تیری اولاد - تیری کمائی ہے - لہٰذا تجھے حق پہنچتا ہے کہ تو اُن کا کھا -"

(۲)

دو آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ایک جانور کے متعلق اپنا دعویٰ پیش کیا۔ دونوں نے اپنے دعوے کے حق میں اپنی طرف سے گواہ بھی پیش کئے۔ گواہوں نے شہادت دی کہ جانور فلاں کا ہے - اس کی پیدائش اس کے گھر میں ہوئی تھی۔

شہادت سننے کے بعد آپؐ نے اُس شخص کے حق میں فیصلہ دیا جس کے قبضہ میں جانور تھا۔

راوی : جابر بن عبد اللہ مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۲۰۶

(۳)

دو شخص ایک اونٹ کا دعویٰ لے کر جناب سید الکونین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ اونٹ میرا ہے۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں دونوں نے اپنی طرف سے دو دو گواہ بھی پیش کئے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ :

" یہ اونٹ دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔"

راوی : حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۲۰۶ / ابو داؤد نسائی

(۴)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے - اور آپؐ کے سامنے انہوں نے ایک

جھونپڑی کا مقدمہ پیش کیا۔ یہ جھونپڑی ان کے درمیان مشترک تھی۔ اس لئے دونوں فریق اس پر مصر تھے کہ یہ اُن کی ہے۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ بن الیمان کو حکم بنا کر اُن کے ساتھ کر دیا۔ تاکہ حذیفہ (موقعہ پر جا کر) اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔
حذیفہؓ نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ جس شخص کی رسی اس جھونپڑی سے بندھی ہوئی ہے۔ وہی شخص اس جھونپڑی کا مالک ہے۔ فیصلہ کرنے کے بعد حذیفہؓ جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا فیصلہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔
حضورؐ نے اس پر صاد کرتے ہوئے فرمایا۔ تم نے صحیح اور احسن فیصلہ کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۸۸-۸۹)

(۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ :
جناب سیدالابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص پیش کئے گئے جو ایک جانور کے بارے میں باہم جھگڑ رہے تھے۔ لیکن کوئی شخص ایسا نہیں جو ان میں سے کسی کے حق میں شہادت دے
اس لیے سرور عالمؐ نے اس جانور کو دونوں میں مساوی تقسیم فرما دیا۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۴۵-۴۶)

(۶)

جناب سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص پیش ہوئے۔ ایک کا تعلق کندہ سے اور دوسرے کا حضرموت سے تھا۔ ان دونوں کے درمیان ایک قطعہ زمین کا مقدمہ تھا جو یمن میں واقع تھا۔
حضرمی نے عرض کیا :۔ یارسول اللہؐ! اس کندی کے باپ نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا۔ وہی غصب شدہ زمین اب اس کے قبضے میں ہے۔
آپؐ نے فرمایا۔ کیا تیرے پاس کوئی گواہ بھی ہے۔
حضرمی نے کہا : یارسول اللہؐ۔ گواہ تو کوئی نہیں۔ ہاں اگر یہ شخص قسم کھائے اور اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہے کہ اسے اس بات کا علم نہیں کہ اس کے باپ نے غاصبانہ قبضہ میری اراضی پر کیا تھا۔ (تو میں دستبردار ہونے کو تیار ہوں)
کندی قسم کھانے کو تیار ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا۔
"قسم کھا کر کسی کا مال ہتھیا لینا ہرگز جائز نہیں۔ ایسا شخص (جھوٹی قسم کھانے والا) حبیب اللہ کے حضور حاضر ہوگا تو اس کی حالت یہ ہوگی کہ دست بریدہ ہوگا۔"
کندی نے حضورؐ کی بات سُنی تو پکار اٹھا :
"یارسول اللہؐ! (میں قسم نہیں کھاتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ) یہ زمین اس شخص کی ہے۔

چنانچہ وہ زمین حضرمی کے حوالے کر دی گئی۔

سنن ابوداؤد / مشکوٰۃ جلد ۱ صـ ۲۰۷

(۷)

اشعث بن قیس بیان کرتے ہیں کہ:

میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک مشترک قطعۂ زمین تھا۔ یہودی نے (میری ملکیت تسلیم نہ کرتے ہوئے) میرا حصہ دینے سے انکار کر دیا۔

میں جناب سید المرسلین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:

"اے اشعث۔ اتیرا کوئی گواہ بھی ہے؟"

میں نے جواب دیا "یا رسول اللہ! نہیں۔

آپ نے یہودی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ قسم کھاؤ۔ جس پر میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! (اس یہودی کی قسم کا کیا اعتبار) یہ تو قسم کھا کر میرا مال ہضم کر دے گا۔"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ...... الآیہ (۳ : ۷۷)

سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ ۴۷/۴۳

ابوداؤد / مشکوٰۃ جلد ۲ صـ ۳۶

(۸)

سلمہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں:۔

ایک لڑکے کو اس کے والدین لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُن میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان دونوں یہی چاہتے تھے کہ بچہ اُسے ملے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لڑکے کو اختیار دے دیا (کہ وہ جس کو چاہے اپنا لے۔) وہ لڑکا کچھ دیر کے لیے کافر کی طرف مائل ہوتا نظر آیا تو جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی کہ "اے اللہ! اسے ہدایت دے۔ اسے سیدھی راہ دکھا۔"

اس پر وہ لڑکا رکا اور پھر اس نے مسلمان کا دامن تھام لیا۔ اس لیے آپ نے مسلمان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

(۹)

یہ تحریر جناب محمد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے وائل بن حجر کے نام ہے۔ جو حضرموت کا رئیس ہے۔ وہ یہ ہے:

"چونکہ تم اسلام لے آئے ہو، اس لئے جس قدر اراضی اور قلعے تمہارے قبضے میں ہیں اُن پر تمہارا قبضہ برقرار رہے گا۔"

میں تمہارے حق میں یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ ان مقبوضات کے بارے میں تم پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ جب تک دین پر قائم رہوگے تو نبیؐ اور مومنین اس سلسلے میں ہمیشہ تمہاری مدد کریں گے۔

(طبقات ابن سعد) بحوالہ کتابت حدیث ..... صد ۱۰۰-۱۰۱

(۱۰)

یہ دستاویز۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ کو عطا کی ہے۔ اس کی رو سے سوارق کا پورا علاقہ۔ اُوپر کے حصے سے زیریں حصے تک اور مؤرع کے قریہ سے موقت قریہ تک انھیں عطا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ ان کے مقابلے میں اپنا حق جتلاتے گے۔

(الوثائق السیاسیہ۔ ڈاکٹر حمید اللہ)

مزارعت

(۱)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام اور ایک انصاری کے درمیان پانی (کی تقسیم) پر جھگڑا ہو گیا۔ یہ تنازعہ ایک نہر کے (پانی کے) بارہ میں تھا۔ جو حرہ میں بہتی تھی اور جس سے زمینوں کو سیراب کیا جاتا (معاملہ یہ تھا) کہ انصاری نے زبیر سے کہا کہ وہ پانی کو روک نہ رکھے۔ زبیر نے اُس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جس پر دونوں میں تُو تُو میں میں ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں جھگڑتے ہوئے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔ (دونوں کے بیانات سننے کے بعد) حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

(اے زبیر!) "پانی (زمینوں میں) چھوڑ دو، جب بھر جائیں تو اُسے آگے جانے دو۔"

(کیوں کہ پانی کے قریب پہلے حضرت زبیرؓ کا کھیت تھا اور اس کے بعد اُس انصاری کا کھیت تھا)

حضورؐ کے اس فیصلہ پر انصاری نے ناگواری محسوس کی۔ وہ درشت لہجے میں کہنے لگا "یا رسول اللہؐ! آپ نے اپنے فیصلہ میں جانب داری برتی ہے (انصاف سے کام نہیں لیا) کیوں کہ زبیر آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔"

(انصاری کی گستاخانہ بات سُن کر) حضور سرور عالمؐ کے رُخِ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

" اے نادان اگر میں نے انصاف نہ کیا تو پھر اور کون انصاف کرے گا۔ بخدا جس نے انصاف میں جانبداری سے کام لیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔" اس کے بعد آپؐ نے زبیرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" اے زبیر! اپنی زمینوں کو خوب سیراب کرو اس کے بعد بھی پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ دیواروں تک بلند ہو جائے۔"

راوی:۔ زبیر بن عوام (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۳۵)

(۲)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔
جو شخص مردہ زمین کو پھر سے زندہ کرے (بنجر اراضی کو قابلِ کاشت بنائے) اور اگر یہ زمین پہلے سے کسی مسلمان کے تصرف میں نہ ہو۔ (افتادہ ہو) - تو اس زمین کا حق ملکیت اُسے حاصل ہوگا۔
لیکن جو کوئی ظلم و جبر کے ذریعہ کسی کی اراضی کو زیرِ کاشت لانے کی کوشش کرے۔ تو اس پر ایسے شخص کا کوئی حق نہیں ہوگا۔
(صحیح بخاری)

(۳)

چار افراد نے مل جل کر ایک قطعۂ اراضی کو کاشت کرنے کا منصوبہ بنایا۔ (ہر ایک نے اپنی طرف سے کسی نہ کسی چیز کی پیش کش کی۔)

ایک شریک کار نے کہا۔ زمین میری طرف سے ہوگی۔
دوسرے نے کہا۔ اس کے لیے بیج میں دوں گا۔
جبکہ تیسرے نے کہا۔ بیلوں کا جوڑا میں مہیا کروں گا۔
اور چوتھے شریک کار نے کہا۔ اس پر محنت اور مزدوری میں کروں گا۔

سب نے اپنے اپنے حصہ کا کام پورا کیا۔ جب فصل پک کر تیار ہو گئی تو کٹائی کا کام کیا گیا۔ کٹنے کے بعد ان لوگوں کے درمیان (فصل کی تقسیم کے بارے میں) جھگڑا اٹھ کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ وہ چاروں اپنا مقدمہ لے کر جناب سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (اور اپنا اپنا دعویٰ پیش کیا)

سید المرسلینؐ نے چاروں کے بیانات سن کر مندرجہ ذیل احکامات صادر فرمائے،
۱- مالک زمین کا دعویٰ غلط ہے۔ اس لئے اُسے کچھ نہ دیا جائے۔
۲- جس شخص نے بیل کا جوڑا مہیا کیا ہے۔ اُسے مقررہ اجرت دی جائے (جو آپ نے مقرر فرما دی)
۳- جس شخص نے زمین کو جوتا۔ بویا، محنت کی اُسے ایک درہم روزانہ کے حساب سے مزدوری دی جائے۔
۴- اور جس شخص نے بیج مہیا کیا ہے۔ فصل کا مالک وہ ہے۔ (واضحہ)

(۴)

جناب ختمی مرتبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی کو پانی دینے سے متعلق درج ذیل فیصلہ صادر فرمایا:
۱- سب سے پہلے اوپر والا شخص اپنے درختوں کو سیراب کرے اور ٹخنوں تک پانی دے۔ پھر اپنے سے بعد والے باغ کے لئے پانی کو واگذار کرے جو اس سے متصل ہو۔
۲- یہ دوسرا شخص (اس متصل باغ کا مالک) بھی اپنے باغ کو اچھی طرح سینچ لے اور اپنے سے بعد والے کے لیے پانی کو چھوڑ دے۔

۴- یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے۔ تاوقتیکہ باغوں کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ یا پھر سیرابی والے پانی کی مقدار ختم ہو جائے۔
(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۲)

(۵)

بنی بیاضہ کے ایک شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اُس کی اجازت کے بغیر زور سے کھجور کا درخت لگا دیا۔ دوسرے شخص نے جب اُس کے اِس قدم پر احتجاج کیا تو دونوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ دونوں لڑتے جھگڑتے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپؐ نے (دونوں کے بیانات سننے کے بعد) فیصلہ صادر فرمایا کہ:

"زمین صاحبِ زمین کی ہے۔

درخت لگانے والے کو حکم دیا کہ (اُس کا حق وہاں درخت لگانے کا نہیں تھا اس لیے) وہ اپنا درخت وہاں سے اکھیڑ لے۔
(صحیح بخاری۔ کتاب ابی عُبید)

(۶)

رافع بن خدیج ایک روایت بیان کرتے ہیں، کہ
میں ایک قطعۂ اراضی زیرِ کاشت لایا۔ ایک دن میں اس زمین کو پانی دے رہا تھا کہ جنابِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر وہاں سے ہوا مجھے زمین سینچتے ہوئے دیکھا تو ٹھہر گئے اور فرمایا:۔
"یہ زمین کس کی ہے اور اس میں کاشت کس نے کی ہے؟"
میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! میں نے اس زمین میں محنت کی، ہل چلایا۔ سینچا اور بیج بھی ڈالا۔ یہ کھیتی (کاشت شدہ فصل) میری ہے۔ اس میں کا ایک حصہ میرا ہے۔ اور ایک حصہ اس شخص کا جو اس قطعہ زمین کا مالک ہے۔ اور اس کا تعلق فلاں قبیلہ سے ہے۔ میں اس کا مالک نہیں۔"
اس پر جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے رافع! تم نے اچھا نہیں کیا (یہ تو گناہ کا ارتکاب ہے) تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ زمین اُس کے مالکوں کے حوالے کر دو۔ اور جو کچھ (بیج اور محنت وغیرہ کی صورت میں) تم نے اِس پر خرچ کیا ہے۔ وہ رقم اس کے مالکوں سے لے لو۔
(سنن ابی داؤد) باب المزارعت

(۷)

عبادہؓ بن صامت فرماتے ہیں، کہ
اگر کسی شخص کے ایک، دو یا تین درخت ہوں۔ اور وہ اس کے حقوق میں مختلف ہو جائیں۔ تو اس صورت میں جنابِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا۔
کہ درخت کا احاطہ اس قدر ہے جس قدر اُس کے اردگرد ڈھلیاں رکھی ہوں۔ یا پھر اس قدر ہوگا۔ جہاں جہاں تک اس

کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۸-۸۹)

۶۔ باب البیوع

ارشاد باری تعالیٰ:

۱۔ خرید و فروخت (تجارت) کرنا بھی ایسا ہے جیسے قرض دے کر سود لینا حالاں کہ خرید و فروخت کو تو اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام۔

(البقرہ: ۲۷۵)

۲۔ ہاں اگر ایسا ہو کہ نقد (لین دین) کا کاروبار ہو جسے تم (ہاتھوں ہاتھ) لیا دیا کرتے ہو تو ایسی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر لکھا پڑھی نہ کی جائے۔

لیکن (تجارتی کاروبار میں بھی) سودا کرتے ہوئے گواہ کر لیا کرو (تاکہ خرید و فروخت کی نوعیت اور شرائط کے بارے میں بعد کو کوئی جھگڑا نہ ہو جائے)

(البقرہ: ۲۸۲)

۳۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ البتہ تجارت کرکے باہمی رضامندی سے لے سکتے ہو۔ (النساء)

بیع نامہ:

(۱)

عبدالمجید بن وہب بیان کرتے ہیں:

مجھ سے العداء بن خالد نے پوچھا کہ کیا میں تم کو ایک دستاویز نہ دکھاؤں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے تحریر فرمائی تھی۔

میں نے کہا "ضرور دکھائیے"۔ تو انہوں نے مجھے وہ دستاویز دکھائی۔ (جس میں تحریر کیا گیا تھا کہ)

یہ دستاویز اس چیز کی ہے۔ جو العداء بن خالد بن ہوذہ نے (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدی ہے۔ انہوں نے آپؐ سے ایک غلام یا باندی کو خریدا ہے۔ جو ہر لحاظ سے صحت مند ہے۔ نہ اس میں کوئی ایسی بات ہے۔ جو مال کی بربادی کا باعث بنے اور نہ ہی کوئی طبعی خباثت ہے۔

یہ ایسی بیع ہے جو ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی سے کرنی چاہیے۔

۱۔ سنن ترمذی باب البیوع
۲۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۴

(۲)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

خریدنے والے اور بیچنے والے کو ایک دوسرے پر اختیار حاصل ہے جب تک وہ دونوں ایک ہی جگہ رہیں۔ مگر بیع خیار کی صورت میں جبکہ ایک شخص دوسرے کو اختیار دے دے۔ تو دونوں کے جُدا ہونے کے بعد بھی دونوں کو اختیار کا یہ حق حاصل رہتا ہے۔ بیع فاسد نہیں ہوتی بلکہ پوری ہو جاتی ہے۔

لیکن دونوں میں سے کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ سودا یا معاملہ کرتے ہی، اُس مقام سے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس خیال سے کہ دوسرے کو بیع فسخ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے۔ بہتر یہی ہے کہ جب تک سودا طے نہ ہو جائے، وہ دونوں اکٹھے رہیں۔

پھر بھی اگر معاملہ طے کرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے الگ بھی ہو گئے لیکن کسی نے بھی بیع کو فسخ نہیں کیا تو بیع لازم ہو جائے گی۔

اگر خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں صدق بیانی سے کام لیتے ہوئے (بلکاؤ) چیز کی حقیقت بیان کر دیں یعنی اگر مال میں کوئی نقص وغیرہ ہو تو اُسے صاف صاف بیان کر دیں۔ ایسا سودا بابرکت ہوتا اور تجارت کے لیے ترقی کا باعث بنتا ہے۔

لیکن اگر وہ اخفا سے کام لیتے ہوئے جھوٹ کا سہارا لیں گے۔ یعنی مال کے نقص کو ظاہر کرنے میں اخفا سے کام لیں گے یا قیمت غلط بتائیں گے۔ تو ایسے سودے سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ نہ بیع میں برکت ہوتی ہے اور نہ ترقی۔

آپؐ نے مزید فرمایا :-

کہ مال و اسباب فروخت کرنے کی خاطر قسمیں کھانے سے احتراز کیا جائے قسمیں کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن کمائی برباد ہو جاتی ہے اور یہ کہ اللہ پاک نہ ایسے شخص سے کلام کریں گے اور نہ اُس کی طرف دیکھیں گے، جو خرید و فروخت میں جھوٹی قسمیں کھائے۔

آپ نے فرمایا کہ

سچا اور امانت دار تاجر نبیوں، ولیوں اور شہیدوں کے زمرہ میں ہوگا۔

(صحیح بخاری / مسلم / ابوداؤد / ترمذی / نسائی)

(۳)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حلال و حرام سب پر واضح ہے۔ ان دونوں (حلال و حرام) کے درمیان چند چیزیں ایسی ہیں۔ جو اُن سے ملتی جلتی ہیں۔ (جن کی شناخت ضروری ہے) تو جو شخص مشتبہ اور مشکوک چیز سے اجتناب برتے گا۔ تو سمجھو کہ اُس نے واضح، جلی اور صاف گناہ کو بدرجۂ اولیٰ چھوڑ دیا۔ لیکن جس شخص نے مشتبہ چیز (کو استعمال کرنے کی) جرأت کر لی۔ تو وہ کھلم کھلا حرام کا ارتکاب کر لے گا۔

راوی: نعمان بن بشیر — (صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب البیوع ص ۹۲۵)

(۴)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں :-

ایک شخص نے غلام خریدا۔ خریدنے والے نے اُس غلام سے مزدوری بھی لی۔ اس دوران اُس میں کوئی عیب نکل آیا۔ تو اُس نے غلام کو واپس کر دیا۔ اس پر بیچنے والا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

یارسول اللہؐ! اس شخص نے میرے غلام سے مزدوری بھی لی اور اُجرت بھی۔ تو جناب رسالتمآب صلعم نے حکم دیا کہ خراج بیچنے والے کا ہوگا۔ اور کہ غلام کی واپسی کا اختیار تین دن تک ہے اس کے بعد نہیں۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۲۲-۲۳)

(۵)

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں :-

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام عطا فرمائے۔ جو آپس میں بھائی بھائی تھے۔ (وہ دونوں بھائی تھے) میں نے ان میں کا ایک غلام فروخت کر دیا۔ آپؐ نے استفسار فرمایا :

"اے علی! تم نے اُن دو غلاموں کا کیا کیا؟"

میں نے عرض کیا:" یارسول اللہؐ! میں نے ایک کو فروخت کر دیا"

اس پر آپؐ نے حکم دیا:" اسے واپس لے لو، (اس کا فروخت کرنا جائز نہیں)

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۲۴)

(۶)

جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے۔ یہ سوقیانہ پن ہے کسی شہری کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اہلِ بادیہ کا مال فروخت کرے۔ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ (لوگوں کو دھوکا دینے کی خاطر) بکری یا اونٹنی کے تھنوں میں دودھ کو روک رکھے۔

جس شخص نے ایسا جانور خریدا۔ جس کے تھنوں میں (زیادہ قیمت وصول کرنے کی خاطر) دودھ روکا گیا ہو۔ تو خریدار کو اختیار ہے کہ (اگر دودھ اتنا نہ نکلے جتنا اُسے گمان تھا۔ یا ظاہر کیا گیا تھا) ۔ چاہے تو جانور اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو بیچنے والے کو واپس کردے۔ ہاں اُسے جانور تین دن کے اندر اندر واپس کرنے کا اختیار ہے۔

واپس کرنے کی صورت میں اُسے ایک صاع کھجور (بطورِ تاوان) ادا کرنے ہوں گے۔ کھجور کے بدلے آٹا ہی دودھ یا اس کے برابر گندم بھی ادا کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم جلد ۲ کتاب البیوع صہ ۱۵۰-۱۵۱

سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۲۱-۲۲

(۷)

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں یہ رواج تھا کہ لوگ قافلہ والوں سے راستہ ہی میں جا کر غلہ خرید کر لیتے۔ اس لیے آپ ان (قافلہ والوں) کے پاس ایک شخص کو بھیج دیتے۔ جو آپ کی طرف سے انھیں ہدایت کرتا کہ وہ اُس جگہ غلہ نہ بیچیں۔ اور اس وقت تک فروخت نہ کریں جب تک مال منڈی (بازار) میں نہ پہنچ جائے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ جو شخص اناج خریدے۔ تو وہ اس وقت تک اس کی فروخت شروع نہ کرے جب تک وہ مال اس کے قبضے میں نہ آ جائے۔

اور جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے۔ تو اس پر اپنا قبضہ کرنے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ میں فروخت نہ کرے۔

(راوی: ابن عمرؓ/ ابوسعید خدریؓ) صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۹۵۹ - ۹۶۰ / مشکوٰۃ جلد ۲: صہ ۳۶

(۸)

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ

اپنے اناج (کے ذخیرہ) کو ناپ تول لیا کرو۔ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ حضورؐ کے زمانے میں اناج کے ڈھیر (بغیر ناپے تولے محض اندازے سے) خرید لیتے۔ تو انہیں (آپ کے حکم سے) سزا دی جاتی (کیوں کہ آپ کا حکم تھا کہ جب تک اناج گھر نہ لے جائیں، اُسے بیچیں نہیں۔)

راوی: ابن عمرؓ۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع جلد ۱ صہ ۹۶۱ - ۹۶۲

(۹)

ایک شخص جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؐ سے شکایت کی کہ: "یا رسول اللہ! لوگ اکثر مجھے خرید و فروخت میں دھوکا دے جاتے ہیں۔"

اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا: "اے شخص! تم جب بھی معاملہ کرو۔ تو دوسرے شخص سے صاف صاف کہہ دیا کرو۔ بیع دھوکے اور فریب کا کام نہیں ہے۔ مجھے اس میں فریب دینے کی کوشش مت کرو۔"

راوی: ابن عمرؓ (صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۹۵۶)

(۱۰)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک جگہ ہوا۔ جہاں پر غلہ کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ آپ ڈھیر کے قریب گئے اور اپنا دستِ مبارک ڈھیر کے اندر ڈال دیا۔ آپ نے ڈھیر کے اندر نمی محسوس فرمائی تو غلہ والے سے دریافت فرمایا: "اے شخص! یہ کیا ماجرا ہے؟"

اُس شخص نے کہا: "یا رسول اللہ۔ غلہ پہ بارش ہوئی تھی۔ (میں نے گیلا غلہ خشک غلہ کے نیچے چھپا دیا ہے۔)"

آپ نے فرمایا: "تو نے گیلے غلے کو اوپر کیوں نہیں رکھا۔ تاکہ خریدار اسے دیکھ سکیں۔"

سنو (یہ سراسر دھوکا ہے) اور جو شخص بیع میں فریب دہی سے کام لے۔ میں اُس سے بری الذمہ ہوں۔"
(صحیح مسلم / صحیح بخاری / مشکوٰۃ صہ ۱۹-۲۰)

(۱۱)

جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا:" کہ (جب ضرورت پوری ہو جائے) تو زائد پانی کو فروخت نہ کیا جائے انگور اس وقت تک نہ بیچے جائیں، جب تک پک کر سیاہ نہ ہو جائیں، غلہ اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے جب تک پک کر تیار نہ ہو جائے اور کھجور اس وقت تک نہ بیچی جائے۔ جب تک پک کر خوش رنگ نہ ہو جائے۔"

اس لیے جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ:

" مزابنہ کو اختیار نہ کیا جائے"۔

یعنی۔ درخت پر لگی (تازہ کھجور) کو خشک کھجور کے بدلے تول کر نہ بیچے۔ تازہ انگوروں کو خشک انگوروں کے بدلے میں ناپ کر کے فروخت نہ کرے اور کھڑی فصل کو غلہ کے بدلہ میں ناپ تول کر کے فروخت نہ کرے۔ یہ معاملات بیوع ممنوع ہیں۔

ایک شخص جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:" یا رسول اللہؐ۔ کیا تازہ کھجور کو خشک کھجور کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے؟"۔

آپؐ نے فرمایا:" تازہ کھجور تو خشک ہو کر کم ہو جاتی ہے۔"

اُس نے کہا:" یا رسول اللہؐ! ہاں۔"

آپؐ نے حکم دیا:" ایسا مت کرو۔ (یہ جائز نہیں)۔"

(راوی، سعد بن ابی وقاص / حضرت انس بن مالک) مشکوٰۃ۔ جلد ۲ صہ ۱۳، ۱۹-۲۰

(۱۲)

نجرانی کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا، کیا درخت پر پھل آنے سے پہلے بھی بیع سلم کی جا سکتی ہے؟

انہوں نے میرا سوال سن کر فرمایا:" نہیں" اور اس کے بعد بیان کیا۔ کہ

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک باغ کے درختوں کی بیع سلم کی حالاں کہ اُس وقت تک درختوں پر پھل نہیں لگے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ درختوں پر پھل نہ آئے۔ اس لیے خریدار نے بیچنے والے سے اس بات پر اصرار کیا کہ یہ باغ اُس وقت تک اُس کے قبضے میں رہے گا۔ جب تک اس کے درختوں پر پھل نہ آجائیں۔ لیکن بیچنے والے نے اُس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے تو یہ باغ تیرے پاس صرف اس سال کے لئے فروخت کیا تھا۔ پھلوں کا ذمہ دار میں نہیں!

چنانچہ دونوں شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضورؐ نے دونوں کے دعوے سن کر بیچنے والے سے فرمایا:" کیا خریدار نے اس (باغ) سے کچھ فائدہ اٹھایا ہے؟"

اُس نے عرض کیا:" یا رسول اللہ! نہیں۔"

اس پر آپ نے فرمایا "تو اس کا مال تیرے لئے کیسے جائز ہو جائے گا۔" (چنانچہ آپ نے فیصلہ صادر فرماتے ہوئے حکم دیا) "تم نے جتنا مال اس سے لیا ہے۔ وہ واپس کر دو۔ اور (سنو)! آئندہ اس وقت تک بیع سلم نہ کیا کرو جب تک درختوں پر پھل نہ آجائیں۔" (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۲۳-۲۴)

(۱۳)

ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ:
جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ایک اونٹ کی بیع سلم کی۔ بیع کے بعد آپ نے فرمایا:
"جب ہمارے پاس صدقہ کے اونٹ آئیں گے۔ تو ہم تیرا اونٹ تجھے واپس کر دیں گے۔" چنانچہ جس وقت صدقہ کے اونٹ آئے تو حضورؐ نے فرمایا:
"اے ابو رافع! اس کا اونٹ (حسب وعدہ) واپس کر دو۔"
ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے سارے اونٹوں پر نگاہ دوڑائی۔ لیکن مجھے اُس اونٹ جیسا کوئی اونٹ نظر نہ آیا۔ جو اس شخص نے حضور کو دیا تھا۔ بلکہ اس سے بہتر چار دانتوں والے اونٹ تھے۔ چنانچہ میں نے صورتِ حال جناب رسول اللہ صلعم سے بیان کی۔ تو آپ نے حکم دیا۔
اُس سے بہتر اونٹ دے دو۔ اور ہاں سنو، بہتر لوگ وہی ہوتے ہیں جو اپنا قرضہ بطریقِ احسن ادا کرتے ہیں۔
صحیح بخاری / سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۳۴۔

(۱۴)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ دو اشخاص کا ایک چیز کی خرید اری پر تکرار ہو گیا۔ لیکن اُن کا گواہ کوئی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ تو حضورؐ نے حکم دیا کہ (چوں کہ گواہ کوئی نہیں۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام قرعہ نکلے۔ وہ شخص قسم کھا کر مال لے لے، چاہے اِسے دوسرا شخص پسند کرے یا نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب البیوع صہ ۵۰)

(۱۵)

جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جب کسی شخص کا مال چوری ہو جائے۔ یا ضائع ہو جائے۔ اگر وہ (اتفاقاً) کسی بھی شخص کو اس مسروقہ مال کو بیچتے ہوئے پائے۔ تو پھر مال اُس (مالک) کے حوالے کر دیا جائے۔ کیوں کہ یہ اُس مال کا زیادہ حق دار ہے۔
(اور اگر صورت یہ ہو) کہ مال کسی شخص نے خرید لیا ہو۔ تو خریدار کو بھی لازم ہے کہ مال اُس کے مالک کو واپس کر دے اور بیچنے والے سے اپنی رقم واپس لے لے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب البیوع صہ ۴۶)

(۱۶)

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں جائز نہیں۔
بیع حصاۃ سے مراد یہ ہے کہ ایک کنکر پھینک کر بیع کی جائے اور بیع غرر سے مراد ہے کسی ایسی چیز بیع کی
جائے۔ جس پر نہ قدرت حاصل ہو اور نہ قبضہ۔ ان بیوع کے علاوہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بیع عربان
نہ کی جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ خریدار بیچنے والے کو ایک معمولی سی رقم بطور بیعانہ یا سائی کے دے دے اور اس پر شرط یہ
باندھے کہ اگر یہ سودا طے ہو گیا۔ تو ادا کردہ رقم مجرا ہو جائے گی۔ اور اگر سودا طے نہ ہو سکا تو یہ رقم تیرے (بیچنے والے) کے
پاس رہے گی، اور واپس نہ لی جائے گی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ / بروایت عمرو بن شعیب)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بائع اور مشتری کے درمیان بیع کے معاملہ میں اختلاف پیدا
ہو جائے (اور وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکیں تو) اس صورت میں بائع کا قول اعتبار کے لحاظ سے فائق ہو گا۔ اس کے ساتھ
خریدار کو یہ حق حاصل ہو گا۔ کہ چاہے تو بیع کو قائم رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔

(ابن مسعود۔ ترمذی۔ کتاب البیوع)

اور جو شخص کسی ایسی چیز کو جو عیب دار ہو۔ اگر کوئی شخص اس کا عیب ظاہر کئے بغیر (دھوکہ سے) بیچے۔ تو ایسا شخص
ہمیشہ اللہ کے غضب کا شکار رہتا ہے۔ اور فرشتے بھی ہمیشہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(واثلہ ابن اسقع۔ ابن ماجہ کتاب البیوع)

(۱۷)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ بیچنے کا ارادہ فرمایا (تو ان دونوں چیزوں کو سامنے رکھ کر)
فرمایا۔ کون ہے۔ جو اس ٹاٹ اور پیالہ کو خریدے۔ (یعنی اس کی قیمت لگائے) ایک شخص اُٹھا اور اُس نے عرض کیا،
"یا رسول اللہؐ! میں ان کے لیے ایک درہم کی بولی لگاتا ہوں۔"

حضورؐ نے (اس کی بات سن کر) پھر فرمایا:

"کوئی دوسرا شخص ایسا ہے جو ان کی قیمت ایک درہم سے زیادہ لگائے۔"

حاضرین میں سے ایک دوسرا شخص اٹھا اور اس نے اُن کے دو درہم لگائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دونوں چیزیں دو درہم کے عوض اس شخص کے حوالے کر دیں۔

راوی: انسؓ (ترمذی / ابن ماجہ / ابوداؤد۔)

(۱۸)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ
خون کی قیمت سے، کُتے کی قیمت سے اور زانی عورت کی کمائی سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ شکاری کُتا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس

کے ساتھ ہی آپ نے سود لینے والے اور دینے والے پر، جسم کو گودنے والے پر اور گدوانے والے پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوجحیفہ رض)

جناب سرورِ عالم نے فرمایا ہے کہ میوہ کو چند سال کے لیے ایک بار ہی فروخت نہ کیا جائے۔ اگر کوئی آفت یا بلائے ناگہانی آن پڑے تو بیع میں کمی کر دی جائے۔ (جابر رض)

اور فرمایا کہ نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت نہ لی جائے (ابن عمرؓ)

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضورؐ نے مزید فرمایا: کہ اللہ کی رحمت ہو اُس شخص پر۔ جو خرید و فروخت۔ (اور رقم کا) تقاضا کرنے میں نرمی سے کام لیتا ہے۔

(صحیح بخاری)

(۱۹)

حضرت جابر انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ: "فتح مکہ کے موقع پر جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ شراب کا کاروبار۔ مردار کی خرید و فروخت، سور کا بیچنا اور بتوں کا کاروبار اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے۔

(یہ سن کر) حاضرین نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! مردار کی چربی کے متعلق اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا کیا فرمان ہے؟ جبکہ وہ کشتیوں پر ملی جاتی ہے۔ اس سے چمڑے کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اس چربی سے چراغ بھی جلاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: - (مردار کی چربی حرام ہے۔ اس سے کسی قسم کا فائدہ لینا جائز نہیں۔ اس کے فوراً بعد آپ نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو یہود پر۔ جب پروردگارِ عالم نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا۔ تو ان (بدبختوں) نے چربی کو پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا اور اس کی قیمت کھانے لگے۔ (صحیح بخاری) جلد ۲ کتاب البیوع صد ۱۰۱)

(۲۰)

جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" سونے کا سونے کے عوض بیچنا سود ہے۔ البتہ نقد سودے کی اجازت ہے۔ گیہوں کے عوض گیہوں کا بیچنا بھی جائز نہیں، البتہ ہاتھوں ہاتھ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

کھجور کو کھجور کے عوض میں فروخت کرنا بھی منع ہے۔ البتہ نقد سودا کرنے میں کوئی بات نہیں۔

جَو کے بدلے جَو فروخت کرنا بھی سود ہے۔ البتہ نقد سودے میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ سونا چاندی کے بدلے میں، کم و بیش یا مساوی فروخت کرنا جائز ہے۔ مگر سودا نقد ہونا چاہیے۔ اس میں میعاد درست نہیں۔

ہاں جس نے زیادہ دیا۔ یا زیادہ لیا۔ تو اُس نے (دوسرے لفظوں میں) سود دیا یا سود لیا۔

راوی: حضرت عمرؓ (صحیح بخاری جلد ۲ کتاب البیوع صد ۹۶۳ / سنن ابن ماجہ ۳ صد ۲۵ صحیح مسلم / سنن نسائی ۳ جلد ۳)

(۲۱)

عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ اگر کسی شخص نے ایک درخت کو پیوند کیا اور پھر جڑ سمیت اُسے بیچ ڈالا، تو جو پھل اس میں لگا ہو۔ وہ بائع کا ہوگا، البتہ اگر خریدار صاف صاف وضاحت کرکے اس شرط پر درخت خریدے کہ پھل اُس کا ہوگا۔ تو اس صورت میں پھل کا حق دار خریدار ہوگا۔ (صحیح بخاری ۱، کتاب البیوع ص۹۸۶)

(۲۲)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے آئے۔ تو آپؐ نے یہاں آکر ملاحظہ فرمایا۔ کہ اہلِ مدینہ کھجوریں دو دو یا تین تین سال کی میعاد کیلئے بیع سلم کیا کرتے تھے۔

یہ حالت دیکھ کر آپؐ نے فرمایا:

" جب کسی چیز میں کوئی بیع سلم کرنا چاہے تو اس کے لیے ناپ، تول اور میعاد مقرر ضرور کرے "۔ (صحیح بخاری ۱ ص۱۰۰۳)

(۲۳)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی بیوع سے منع فرمایا ہے۔ یہ بیوع ہیں:

" منابذہ اور ملامسہ "

" منابذہ" یہ ہے کہ ایک شخص یہ کہے دوسرے سے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اُسے پھینک دے اور دوسرا شخص بھی پہلے سے یہ کہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اُسے پھینک دے۔ حالاں کہ دونوں میں سے کسی کو نہ تو اس چیز کی مقدار معلوم ہو۔ اور نہ ہی اس شے کی خوبی و خامی۔

اور "لامسہ" یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ میں یہ کپڑا تمہارے کپڑے کے بدلہ میں فروخت کرتا ہوں۔ حالاں کہ دونوں ایک دوسرے کے کپڑے کو دیکھیں نہیں۔ اور صرف چھو لینے پر اکتفا کریں۔

(راوی: حضرت ابوہریرہ) سنن نسائی جلد ۲ ص۲۳۶

(۲۴)

ابوسعید خدری روایت بیان کرتے ہیں:

جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے پھل دار درخت خریدے۔ آسمانی آفت نازل ہوئی اور پھل تباہ ہو گئے۔ اس نقصان کی بدولت وہ شخص مقروض ہو گیا۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا۔ تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا،

" اس (مقروض شخص کو امداد کے طور پر) صدقہ دو "

صحابہ کرامؓ نے صدقہ دیا لیکن اُس کے قرض کی رقم پھر بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس بات کے پیشِ نظر جناب رسالت مآبؐ

نے اُس شخص کے قرض خواہوں سے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! ـ جو کچھ تمہیں اس سے وصول ہو گیا۔ اُسی کو کافی سمجھو، اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔

(سنن نسائی ۲ صـ۲۴۰)

(۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں ۔

میں بقیع میں اونٹوں کی تجارت کیا کرتا تھا۔ اس وقت میں اونٹوں کو درہم کے عوض فروخت کر کے روپیہ لے لیتا تھا۔ میں اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔

یا رسول اللہ! ـ میں نفع کمانے کی خاطر اونٹ فروخت کرتا ہوں ۔ ان کی قیمت اشرفیوں میں لگائی جاتی ہے ۔ لیکن میں اُن کے بدلے میں روپے لیتا ہوں ۔ (اس بارے میں آپ کا کیا فرمان ہے؟)

حضورؐ نے ارشاد فرمایا : " اے ابن عمر! کوئی حرج نہیں ۔ اگر تم بیع کے دن کے نرخ کے مطابق روپیہ لے لو۔ اور سودا نقد بہ نقد ہو "

(سنن نسائی جلد ۳ صـ۲۵۴)

(۲۶)

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدنے کا اتفاق ہوا۔ لوگوں نے اعرابی کو دیکھا تو اُس سے گھوڑے کی بابت بات کرنے لگے اور گھوڑے کی قیمت لگانے ، اُنہیں یہ علم نہیں تھا کہ حضور ختمی مرتبت ؐ یہ گھوڑا خرید فرما چکے ہیں بعض لوگ تو لاعلمی میں یہاں تک بڑھ گئے کہ انہوں نے حضورؐ کی طے کردہ قیمت سے دام بڑھا دیئے ـــ (اعرابی کی نیت میں فرق آ گیا) چنانچہ اُس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا ـــ اور کہا: " اگر آپ نے گھوڑا خریدنا ہے تو ٹھیک ورنہ میں یہ گھوڑا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔"

حضورؐ نے جب اعرابی کی آواز سُنی تو کھڑے ہو گئے اور اُس سے پوچھا۔

" کیا تم نے یہ گھوڑا میرے پاس فروخت نہیں کیا ؟ کیا میں نے تم سے اس کی قیمت طے نہیں کی ؟ کیا میں اسے خرید نہیں چکا ؟"

اعرابی نے کہا :

" بخدا ، میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا ۔"

حضورؐ نے فرمایا :

" (سنو) میں یہ گھوڑا تم سے خرید چکا ہوں "

کچھ لوگ حضورؐ کی تائید کرنے لگے ۔ تو بعض نے (لاعلمی میں) اعرابی کا ساتھ دیا ۔ اعرابی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگا :

"بہتر ہے آپ کوئی ایسا گواہ سے آئیں جو شہادت دے کہ میں یہ گھوڑا آپ کے ہاتھوں فروخت کر چکا ہوں"۔
یہ سن کر خزیمہ بن ثابتؓ آگے بڑھے اور اعرابی سے کہا:۔
"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم یہ گھوڑا حضور کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہو"۔
حضورؐ نے خزیمہؓ سے دریافت فرمایا "آخر تم کیوں کر یہ گواہی دے رہے ہو"۔
خزیمہ نے کہا "یا رسول اللہؐ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں"۔
اس بات پہ جناب سرورِ عالمؐ نے خزیمہؓ کی گواہی کو دو اشخاص کی گواہی کے برابر قرار دیا۔
(راوی۔ خزیمہ بن ثابتؓ ۔ سنن نسائی صفحہ ۲۷۰-۲۷۱)

(۲۷)

جنابِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں بہترین قسم کی کھجور (جنیب) لے آیا۔ حضورؐ نے یہ اعلیٰ قسم کی کھجور ملاحظہ فرمائی۔ تو کہا۔ "کیا خیبر میں سارے کی ساری اسی قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں"۔ اس شخص (عامل) نے عرض کیا "نہیں یا رسول اللہ! ایسا تو نہیں۔ ہم تو مُجدا دو صاع گھٹیا قسم کی کھجور دے کر ایک صاع اور تین صاع گھٹیا قسم کی کھجور دے کر دو صاع اعلیٰ قسم کی کھجور حاصل کرتے ہیں۔
جنابِ رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ پہلے معمولی قسم کی کھجور کو فروخت کر دو۔ اس سے جو رقم حاصل ہو۔ تو اس رقم سے جنیب خرید سکتے ہو۔
اسی طرح ایک بار آپ کی خدمت میں کھجور کی ایک دوسری اعلیٰ قسم (ریان) لائی گئی۔ اس وقت حضورؐ کے سامنے خشک کھجور رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے یہ اعلیٰ قسم کی کھجور دیکھ کر استفسار فرمایا "یہ کھجور کہاں سے آئی ہے؟"
لانے والوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم نے دو صاع (معمولی کھجور) دے کر اس کھجور کا ایک صاع حاصل کیا ہے۔
آپؐ نے فرمایا "ایسا کرنا قطعاً ٹھیک نہیں۔ ہاں البتہ یہ کر سکتے ہو کہ پہلے اپنی کھجوروں کو بیچ دو، اس سے جو دام حاصل ہوں۔ اُن سے اپنی ضرورت کے مطابق ریان خرید لو۔
حضرت بلالؓ کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دن جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجور (اعلیٰ قسم کی کھجور) لائے۔
آپ نے ملاحظہ کیں تو فرمایا "اے بلالؓ! یہ کھجوریں کہاں سے حاصل کیں؟"
حضرت بلالؓ نے کہا "یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں میں نے دو صاع دے کر ایک صاع یہ اعلیٰ کھجور حاصل کی ہے"۔
آپ نے فرمایا "افسوس! یہ تو عین سود ہے۔ ایسا ہرگز مت کرو۔ اگر اعلیٰ کھجور خریدنا مقصود ہو، تو پہلے یہ (گھٹیا قسم کی)

کھجور فروخت کر دو۔ اس سے جو رقم حاصل ہو۔ تو نقد قیمت پر یہ کھجور خرید اکرو۔

(راوی: ابوسعید خدری / ابو ہریرہؓ) صحیح بخاری جلد ۲ کتاب البیوع صہ ۹۸۶

سنن نسائی صہ ۲۴۲-۲۴۶ / مشکوٰۃ جلد ۲ صہ ۱۱-۱۲

(۲۸)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔

جناب ختمی مرتبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" اگر کسی شخص کے پاس کوئی جانور رہن ہو تو۔ اُسے حق حاصل ہے کہ اس پر سواری کرے۔ اُسے یہ بھی حق ہے کہ وہ اس کا دودھ پیئے۔ ہاں اس صورت میں اس جانور کا چارہ، دانہ اُس کے ذمہ ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صہ ۴۷)

(۲۹)

جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم میں سے بعض اشخاص کے پاس ضرورت سے زیادہ زمینیں تھیں۔ اس لیے ہم زمینوں کو تہائی یا چوتھائی کی بٹائی پر دے دیتے تھے۔ اس بارے میں جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس کے پاس (ضرورت سے) زیادہ زمین ہو۔ وہ یا تو خود کاشت کرے۔ یا اپنے (مسلمان) بھائی کو بلا معاوضہ کاشت کے لیے دے۔ ہاں اگر وہ اسے قبول نہ کرے تو زمین کو ایسے ہی رہنے دے۔ (صحیح مسلم)

(۳۰)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ:

جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک سوداگر تھا۔ جو ضرورت مندوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ چنانچہ جب اُسے کسی سے متعلق پتہ چلتا کہ وہ نادار اور محتاج ہے۔ تو اپنے کارندوں کو حکم دیتا کہ اسے معاف کردو، شاید اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہمیں معاف کردے۔ جب وہ شخص فوت ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُسے معاف کردیا۔

روایت میں آتا ہے کہ جناب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا کہ ایک شخص نے چند دینار کسی دوسرے کو بطورِ قرض دیئے۔ اُس نے مقروض شخص کا پیچھا کیا اور اپنے قرضہ کا مطالبہ کیا۔ لیکن اُس شخص نے کہا۔

" میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو تمہیں دے سکوں "

اس پر قرض خواہ نے مقروض سے کہا:۔

" جب تک تم میرا قرض ادا نہیں کروگے، یا ضمانت نہیں دوگے۔ تو میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا "

چنانچہ وہ اُسے پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے آیا۔ حضورؐ نے واقعہ سن کر قرض خواہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

" تم اسے کس قدر مہلت دے سکتے ہو؟ "

اُس نے کہا " یا رسول اللہ! صرف ایک ماہ "۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

"اچھا۔ تو تو اس کو یہی مہلت دے دے۔ میں اس کا ضامن ہوں"۔
جب ایک ماہ پورا ہوا، تو وہ شخص قرضہ کی رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا۔
"اے شخص!۔ تیرے پاس یہ رقم کہاں سے آئی؟"
اُس نے کہا۔" یا رسول اللہ! ایک چھپے خزانہ سے ملے ہیں"۔
یہ سن کر جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔
ایسی دولت میں بھلائی نہیں۔ چنانچہ آپ نے اُس شخص کا قرضہ خود ادا فرمادیا۔

صحیح بخاری جلد ۱ کتاب البیوع ص ۹۳
سنن ابن ماجہ جلد ۱ ص ۶۵-۶۶

(۳۱)

جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
پھل اُس وقت تک فروخت نہ کئے جائیں۔ جب تک پک کر خوش رنگ نہ ہو جائیں۔ یعنی پک کر زرد یا سرخ نہ ہو جائیں اور کسی ارضی یا سماوی آفت کا امکان بھی نہ رہے۔
دیکھو، (ہوسکتا ہے) کہ اللہ تعالےٰ پھلوں کو روک دے۔ (یعنی پھل پکنے سے پہلے ہی تباہ ہوجائیں) اِس صورت میں تمہارا بھائی خسارے میں رہے گا۔

(۳۲)

جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
۱۔ ہر اُس مال میں جو تقسیم نہ ہوا ہو، شفعہ کا حق قائم رہتا ہے۔ ہاں جب (تقسیم ہو جائے) اور حدود قائم ہو جائیں، رستے جُدا جُدا ہو جائیں۔ تو شفعہ کا حق باقی نہیں رہتا۔
۲۔ ہمسایہ قریب ہونے کی وجہ شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔
۳۔ مشترک زمین خواہ وہ گھر ہو یا باغ۔ اور جو تقسیم نہ کی گئی ہو، میں شفعہ کا حق باقی رہتا ہے اور یہ کہ دونوں شریکوں میں سے کسی ایک شریک کو اُس وقت تک اپنا حصہ بیچنے کا حق حاصل نہیں جب تک وہ اپنے ساتھی سے اجازت نہ حاصل کرے۔ یہ اُس شریک کی مرضی پر منحصر ہے۔ چاہے تو خود اس حصہ کو خرید لے۔ چاہے تو اُسے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت دے دے۔ لیکن اگر کسی نے اپنے شریک کی مرضی کے بغیر اپنا حصہ فروخت کر دیا۔ تو اس صورت میں بھی اس کا شریک ہی خریدنے کا حقدار ہوگا۔ (کوئی دوسرا شخص یہ حق نہیں رکھتا) کیونکہ شفعہ ہر چیز میں ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ کتاب البیوع

(۳۳)

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تاجر کو رزق عطا ہوتا ہے۔ لیکن جو تاجر (گرانی کے خیال سے) غلہ کو روکتا ہے اور ذخیرہ کرتا ہے۔ تو ایسا شخص گنہگار اور ملعون ہے۔"

(صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ)

کتابیات

۱۔ صحاح ستہ

۲۔ تاریخ طبری۔ جلد اول سیرۃ النبیؐ

۳۔ سیرتؐ ابن ہشام۔ جلد اول، دوم

۴۔ الوثائق السیاسیہ، ڈاکٹر حمید اللہ

۵۔ طحاوی شریف۔ چار جلدیں

۶۔ انسانِ کامل۔ ڈاکٹر علوی

۷۔ تفہیم القرآن۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۸۔ معارف القرآن۔ مفتی محمد شفیعؒ

۹۔ ترجمان القرآن۔ مولانا ابوالکلام آزاد

۱۰۔ معالم القرآن جلد ۳، جلد ۱۲ مولانا محمد علی صدیقی

۱۱۔ دربار نبوی کے فیصلے۔ قرطبی

۱۲۔ علوم الحدیث۔ الدکتور صبحی الصالح

۱۳۔ تدوین حدیث۔ سید مناظر احسن گیلانی

عہدِ نبوی میں سفارتی ادارہ

محمد یوسف فاروقی

مختلف قوموں اور مملکتوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دوطرفہ معاہدات کے لیے قدیم زمانے سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ جنگی معاملات اور تجارتی امور پر بھی اس ادارہ کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ قدیم زمانہ میں اگرچہ یہ ادارہ اس قدر منظم اور ترقی یافتہ نہ تھا، نہ ہی سفارت خانوں کے مستقل دفاتر مختلف ممالک میں قائم ہوتے تھے۔ لیکن سیاسی طور پر اسے نمایاں مقام حاصل تھا جب سفارتی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، تو ایسے فرد کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا، جو زیرِ غور مسئلے کے ہر پہلو کو خوب سمجھتا ہو۔ ذہین اور سمجھ دار ہو اپنی بات کو مؤثر انداز میں پیش کر سکے اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوا سکے۔

اسلام سے قبل عربوں کی سفارتی سرگرمیاں

جنگ بعاث میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابو الحیس کی سربراہی میں قریش مکہ کے پاس بھیجا تھا۔ اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لیے قائم کیا تھا کہ قریش مکہ کو اپنا حلیف بنالیں اور جنگ میں ان سے خزرج کے خلاف مدد حاصل کریں[1] مکہ کی شہری مملکت میں سفارت کا ادارہ خاندانِ عدی کے پاس تھا، اور بعثت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عہدے پر فائز تھے[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی، تو قریش مکہ نے علمائے یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ بھیجا تھا تاکہ وہ علمائے یہود سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کے پیغام توحید کے بارے میں ان سے مشورہ کریں اور یہ معلوم کریں کہ آیا یہ مدعی نبوت واقعی نبی ہیں؟ کیا اہل کتاب کی کتابوں میں کسی ایسے نبی کا تذکرہ موجود ہے؟[3] مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بعض مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کر لی تھی۔ اہلِ مکہ نے شاہ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ سفارتی ذریعہ سے شاہِ حبشہ پر دباؤ ڈالا جائے تاکہ وہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دے یا کم از کم اپنی حکومت سے انہیں نکلنے پر مجبور کر دے۔ قریش مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیے۔ شاہِ حبشہ نے دربار میں قریش کے ان سفیروں کے ساتھ مسلمانوں کے نمائندوں کو بھی بلا لیا۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے ان قریشی سفیروں کی باتوں اور اُن کے اعتراضات کا بہت مؤثر انداز میں مدلّل جواب دیا۔ حضرت جعفر طیار کی مؤثر و مدلّل گفتگو نے شاہ حبشہ کو متاثر کیا اور اس نے ان مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ سلطنت مکہ کی سفارت ان بے خانماں مہاجرین کے مقابلہ میں ناکام ہو گئی۔ مسلمان مہاجرین کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔

---

[1] شبلی، سیرت النبی جلد اول، ص ۲۶۱ مطبوعہ قرآن محل، کراچی [2] ایضاً، ص ۲۱۲۔

[3] السہیلی، الروض الانف جلد اول، ص ۱۹ مطبوعہ ملتان ۱۹۷۷ء

اسلام کے بعد سفارتی رابطوں کی تنظیم

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں سفارتی رابطے صرف اس وقت قائم کیے جاتے تھے یا دوطرفہ معاہدات طے کرنے ہوں یا کوئی اہم مشکل آن پڑی ہو، بعض اوقات محض سیاسی تعلقات بنانے کے لیے بھی رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ کو زیادہ فعال اور منظم بنایا اور اس کے فرائض میں سب سے اہم ذمہ داری دعوتِ دین اور اشاعتِ حق کے کام کو قرار دیا۔

اسلام ایک آفاقی دین تھا، جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی فلاح و سعادت کے لیے ایک جامع نظامِ حیات پیش کیا، اس نظام میں دعوتِ دین یا نظریہ کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفراء کے فرائض میں دعوتِ دین کے فریضہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

اسلامی مملکت بنیادی طور پر ایک نظریاتی مملکت ہوتی ہے۔ نظریہ کی اشاعت اور دُنیا بھر میں شہادتِ حق اور اس کے قیام کے لیے جد و جہد مملکت اور ملّت کا اہم ترین فریضہ ہے، لہٰذا ایک ایسی مملکت کے سفراء کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتخاب اور تقرر کے موقع پر اس عظیم الشان مقصد کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن افراد کو یہ منصب عنایت فرماتے تھے وہ عملی اعتبار سے بہت پکے مسلمان ہوتے تھے، اس لئے کہ عمل اشاعتِ دین کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔ عملی زندگی کے ساتھ ساتھ بعض اور صفات بھی دیکھی جاتی تھیں، مثلاً دین کا وسیع علم رکھتے ہوں، اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا اچھا ملکہ حاصل ہو اور اپنی بات مؤثر اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں، لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا جس ملک میں بحیثیت سفیر جا رہے ہوں، واں کے حالات اور اُن کی زبان کو سمجھتے ہوں۔

سفیروں کی خصوصیات

محمد عجاج الخطیب نے المصباح المضی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"وفي السنة السادسة كثرت بعوثه صلى الله عليه وسلم فقد وجه بعد صلح الحديبية رسله الى الملوك يحملون كتبه، ففي يوم واحد انطلق ستة نفر الى جهات مختلفة يتكلم كل واحد منهم بلسان القوم الذين بعث اليهم"[1]

(۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی وفود کثرت سے روانہ ہوئے صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے پاس اپنے خطوط دے کر ان سفیروں کو روانہ کیا، ایک دن چھ وفود مختلف ممالک کے حکمرانوں کے پاس روانہ ہوئے، ان میں سے ہر فرد اس قوم کی زبان جانتا تھا جس قوم میں اسے بھیجا گیا تھا)

حضرت زید بن ثابت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبرانی زبان سیکھنے کا حکم اسی لئے دیا تھا کہ وہ یہودیوں کے ساتھ مذاکرات اور سفارتی سرگرمیوں میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکیں۔[2] سفراء کی اہلیت کے بارے میں عبدالحی کتانی نے اپنی مشہور کتاب التراتیب الاداریہ میں ایک

---

[1] محمد عجاج الخطیب: السنۃ قبل التدوین، ص ۱۷۱۔ بحوالہ المصباح المضی، ص ۴۰، مخطوطہ، المکتبۃ الاوقاف بحلب

[2] شبلی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۳۹۔ ۴ھ میں رسول اللہؐ نے حضرت زید بن ثابت کو یہ حکم دیا تھا۔

اور اہم صفت کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفراء کے انتخاب میں اس بات کا خاص طور سے خیال فرماتے تھے کہ سفراء کی شخصیت باوقار و پرکشش ہو۔ حضرت دحیہ کلبیؓ ان سفراء میں سب سے زیادہ صاحب وجاہت اور جاذب نظر تھے۔[1]

مدینہ میں پہلا مسلمان سفیر

تحریک اسلامی کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمرانوں اور سرداروں کے پاس سفیر نہیں بھیجے بلکہ عام لوگوں سے خود بھی رابطہ رکھا اور اپنے نمائندے بھی ان میں بھیج کر ان سے قریبی رابطہ رکھا یہ نمائندے قبیلوں کے عام لوگوں میں جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کرتے۔

اسلام کی سیاسی تاریخ میں بیعت عقبہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، یہ بیعت دو مرتبہ ہوئی پہلی مرتبہ بعثت نبوت کے گیارہویں سال ہوئی اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی شعاعیں سرزمین مدینہ پر پڑنے لگیں۔ اس بیعت کے ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو اپنا نمائندہ بنا کر قبائل اوس و خزرج میں روانہ کر دیا تاکہ وہ ان لوگوں میں دعوت دین اور اشاعت حق کا فریضہ انجام دیں اور جو لوگ دین اسلام کو قبول کریں ان کی تربیت اور تزکیۂ نفس کا کام کریں تاکہ تقویٰ اور مکارم اخلاق کی بنیاد پر اُمت مسلمہ کے مہذب و صالح معاشرہ کی تشکیل کر سکیں۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر کا انداز دعوت بہت لطیف ہوتا تھا وہ بہت ملاطفت کے ساتھ گفتگو کا آغاز کرتے اور مؤثر و مضبوط دلائل کے ساتھ مخاطب کو قائل کرتے تھے، وہ جب بھی کسی کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تو کم ہی لوگوں کو انکار کی گنجائش ہوتی تھی، ورنہ عام طور پر لوگ اسلام قبول کر کے دعوت دین کی تحریک میں ان کے شریک کار بن جاتے تھے۔

عام لوگوں میں دعوت دین کا کام کرنا اور انہیں اپنے نظم میں منسلک کر لینا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا ان افراد کو شامل کرنا دشوار ہوتا ہے جو سیاسی قیادت کرتے ہوں یا اقتدار و قوت رکھتے ہوں حضرت مصعب بن عمیر کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اوس و خزرج کے سرداروں کو بھی جو مکمل سیادت و اقتدار کے مالک تھے، دائرہ اسلام میں داخل کر لیا اوس و خزرج کے ان سرداروں سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے قبول اسلام کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مدینہ منورہ کے ان دو عظیم قبائل کے تقریباً تمام افراد مسلمان ہو گئے۔

اسلامی مملکت کے قیام کے بعد سفارتی رابطے

مدنی دور میں جب باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہو چکی تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ کو خاص طور پر متحرک بنایا اور دین اسلام کی اشاعت، امن و سلامتی کے قیام اور انسانیت کی فلاح و سعادت کے لئے اپنے سفراء کے ذریعہ اس وقت کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حکمرانوں، نیم خود مختار ریاستوں کے امراء اور قبائل کے سرداروں کے ساتھ سفارتی رابطے قائم کئے اور انہیں دین کے پیغام اور اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا اور یہ بات واضح کر دی گئی کہ ان کی اور ساری انسانیت کی سلامتی کا راستہ صرف دین اسلام ہے۔[2]

حضرت دحیہ کلبی اور قیصر روم

جن حکمرانوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء گئے ان میں سب سے زیادہ اہم حکمران روم کا بادشاہ قیصر تھا۔ قیصر کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عبدالحی کتانی، التراتیب الادرایۃ، ج ۱، ص ۱۹۰ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے محمد رضا مصری، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۴۴ تا ۲۷۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۶ء، ابن جریر طبری ۶ھ کے واقعات کے تحت۔

کا پیغام لے کر گئے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب روم کو اپنے زمانہ کی دوسری بڑی طاقت فارس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ روم اس دور کی سب سے بڑی طاقتور سلطنت تھی۔ حضرت دحیہ کلبی جب قیصر کے دربار میں پہنچے تو اس نے ان کا اعزاز و احترام کیا آپ کا خط غور سے پڑھا اور بہت سے ضروری سوالات کئے۔ قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کے بارے میں صرف آپؐ کے سفیر ہی سے گفتگو نہیں کی بلکہ عرب کی سرزمین سے تجارت کے سلسلے میں آنے والے لوگوں کو بھی بلا بھیجا تاکہ اُن سے بھی معلومات حاصل کرے۔ ابوسفیان ان دنوں تجارتی قافلہ کے ساتھ غزہ میں تھے۔ انہیں دربار میں بلا کر ان سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں، اور آپؐ کے پیغام سے متعلق سوالات کئے، اس تمام گفتگو سے جو قیصر نے آپ کے نمائندہ اور ابوسفیان سے کی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی صداقت کا یقین ہو گیا تھا قیصر نے مزید تصدیق کے لئے اپنی مملکت کے ایک بڑے عالم ضغاطر رومی سے بھی معلومات حاصل کی تھیں، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔[1]

قیصر روم نے آپؐ کے سفیر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ کے سفیر کو اعزاز و احترام کے ساتھ واپس روانہ کیا۔[2]

شاہ روم کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دعوت کو قبول کرے یا اپنی وسیع و عریض مملکت کو برقرار رکھے اور اپنی رعایا کو خوش رکھے، شاید سیاسی مصلحتیں اور مادی منافع رکاوٹ بن گئی تھیں[3] دنیا کی بڑی طاقت ہونے کا بھرم بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عظمت اور رسالت کا رعب بھی دل و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ۹ھ میں تبوک کے مقام پر قیصر کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمان مجاہدین کے مقابلہ کے لئے نکلتا۔ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابی میں حضرت دحیہ کلبی کی کامیاب سفارت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مکتوب کا بڑا حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ بھیجا تھا۔

حکومتِ فارس کی طرف سفارت

فارس دنیا کی دوسری بڑی سلطنت تھی، دنیا کے بہت بڑے حصے پر کسریٰ کا راج تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد غالباً اس وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر روم کے پاس سفیر بھیجا تھا، اسی زمانہ میں فارس کے شہنشاہ کسریٰ کے پاس بھی بھیجا، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے کسریٰ کے پاس گئے، اور اسے آپ کا پیغام پہنچایا کسریٰ کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہوئی کہ اتنی بڑی حکومت کے شہنشاہ کو جزیرۃ العرب کی چھوٹی سی مملکت کا ایک فرد دینِ الٰہی کی دعوت پیش کرے اور یہ بات کہے کہ اسلام قبول کرلو اسی میں سلامتی ہے۔ کسریٰ نے سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا اور آپؐ کے مکتوب کو پھاڑ دیا یمن اس زمانہ میں فارس کی نو آبادی تھا جہاں باذان گورنر تھا۔ کسریٰ نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ فوراً دو طاقتور افراد سرزمین حجاز بھیجو اور اس شخص کو جو لوگوں کو نئے دین کی دعوت دے رہا ہے حکم دو کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائے، اگر وہ باز نہیں آتا تو اس کا سر میرے پاس پیش کر دیا خود

[1] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج ۱، ص ۳۸ [2] الطبری، ج ۳، ص ۸۸۷ [3] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۶۲ تا ۲۶۸۔

[4] السیرۃ الحلبیہ میں قیصر کے یہ الفاظ منقول ہیں "ان فعلت ذھب ملکی وقتلنی الروم" اگر میں آپؐ کی بات مان لوں، تو میری حکومت جاتی رہے گی اور رومی لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ شاید قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ پر غور نہیں کیا تھا: "اسلم تسلم" اسلام قبول کرو تم بچ جاؤ گے۔

اسے گرفتار کر کے پیش کرو۔ باذان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو قوی افراد بھیج دیئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا کہ آپ اپنے آپ کو ان سپاہیوں کے حوالے کر دیں، اگر آپ نے بچنے کی کوشش کی تو یہ نہ صرف آپ کی تباہی کا باعث ہو گا بلکہ آپ کی پوری قوم اور آپ کے ملک کی تباہی کا بھی باعث ہو گا۔ یہ سپاہی باذان کا حکم نامہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ کی عظمت و تقدس سے مرعوب ہو گئے اور خاموشی کے ساتھ حاکم یمن کا حکم نامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم کچھ روز یہاں ٹھہرو کل پھر مجھ سے ملنا اگلے روز جب یہ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں اطلاع دی کہ فارس کا کسریٰ قتل کر دیا گیا اس کا بیٹا تخت و سلطنت پر قابض ہو گیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سپاہیوں کو بھی اسلام کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ اب تم جاؤ اور میری طرف سے حاکم یمن کو بھی اسلام کی دعوت پیش کرو، اور اسے یہ بھی بتا دینا کہ اللہ تعالےٰ کا دین اور میری مملکت وہاں تک پہنچے گی، جہاں تک کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے۔ حاکم یمن کے سپاہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام لے کر واپس چلے گئے اور تمام حالات حاکم یمن سے بیان کئے جب اسے واقعہ کی تصدیق ہوئی کہ شاہ فارس کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا شیرویہ حکومت پر قابض ہو گیا ہے تو باذان اور اس کے رفقاء کار نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

سفیرِ رسولؐ نجاشی کے دربار میں

حاکم حبشہ اصحمہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ ضمیری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لے کر گئے نجاشی عیسائی بادشاہ تھا اور اس سے قبل جب مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور اہل مکہ نے سفارتی ذرائع سے اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ان مسلمانوں کو جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے ہیں، اپنے ملک سے نکال دے، لیکن مسلمانوں کے نمائندے سے گفتگو کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ ان مسلمانوں کا پیغام حق ہے اور ان کے مقاصد نیک ہیں۔ حضرت جعفر طیار کی تقریر سے شاہ حبشہ متاثر ہو چکا تھا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے باقاعدہ سفیر پیغام لے کر گیا، اور شاہ حبشہ سے بہت مؤثر و بلیغ انداز میں گفتگو کی۔[2] نجاشی نے آپ کے مکتوب کو بہت ادب و احترام کے ساتھ پڑھا، اور اس خط کا جواب ارسال کیا جس میں اس نے اسلام کا اعلان کیا اور لکھا کہ میں نے آپ کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے۔[3]

مملکتِ مصر سے سفارتی رابطہ

مصر کے حاکم مقوقس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ کی حیثیت سے گئے مقوقس نے آپ کے سفیر کا اعزاز و احترام کیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی مقوقس کو دیا اور اسے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں باتیں بتائیں۔ حاکم مصر نے مملکت اسلامیہ کے سفیر سے بات کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے۔

"احسنت انت حکیم جاء من عند حکیم

(تم نے مجھے اچھی طرح سمجھایا ہے، تم سمجھ دار انسان ہو اور ایک دانا و حکیم کی طرف سے آئے ہو۔)[4]

قبیلوں کا یہ حکمران خود مختار نہ تھا بلکہ رومی سلطنت کے زیر اثر تھا اسے یہ جرأت تو نہ ہوئی کہ آپ کی دعوت کو بلا جھجک قبول کر لیتا

---

[1] علی بن برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۹۱، ۲۹۲، ابن سید الناس: عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۶۳۔ زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۲ الطبری، جلد ۳، ص ۹۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۶۸، ۲۶۷، [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کا شاہ حبشہ سے انداز گفتگو کے لیے دیکھیے ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲، صفحہ ۲۶۴ [3] علی بن برہان الدین حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۹۳ [4] السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۹۶۔

اُس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو باقاعدہ جواب لکھا، اور خیر سگالی کا اظہار کرتے ہوئے بہت سے تحائف بھیجے۔

بحرین کے لیے سفارت

حاکم بحرین کے پاس بھی سفارت بھیجی گئی۔ منذر بن ساوی بحرین کا حاکم مجوسی مذہب کا پیروکار تھا۔ حضرت علاء بن حضرمی نے سفارتی فرائض انجام دیئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ شاہ بحرین نے اسلام قبول کر لیا اور اہل بحرین کو بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھوایا۔ بحرین میں مجوسیوں اور یہودیوں کی آبادی تھی ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ منذر بن ساوی نے خط کا جواب لکھا اور آپ سے اس سیاسی اُلجھن کے بارے میں پوچھا جو ارکان حکومت اور رعایا کے بہت سے افراد کے قبولِ اسلام کے بعد پیدا ہو گئی تھی، وہ یہ کہ اب غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس طرح کا تعلق ہوگا؟ [2]

سلطنت عمان کے لیے سفارت

عمان کے حکمران جلندی کے دو بیٹے عبد اور جیفر عملاً حکمران تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے پاس حضرت عمرو بن العاص کو سفیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عمرو بن العاص خود ایک بہت بڑے سردار کے بیٹے تھے، ان کے والد کی قائدانہ صلاحیتوں کا عرب معترف تھا۔ حضرت عمرو بن العاص عمان پہنچے تو پہلے عبد بن جلندی سے ملاقات ہوئی، عبد بن جلندی بہت خوش اخلاق، بردبار اور سلیم الطبع انسان تھا اُس نے دینِ اسلام کے علاوہ بعض اہم سوالات کیے جو بین الاقوامی سیاست اور دیگر حکمرانوں کے اسلام کے بارے میں طرزِ عمل سے متعلق تھے مثلاً اُس نے حبشہ کے بادشاہ کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اُسے بھی دعوت دی گئی ہے؟ اگر دی گئی ہے تو اس کا ردّعمل کیا ہوا؟ نجاشی کے اسلام قبول کرنے کا اس کی رعایا پر کیا اثر ہوا؟ مملکت حبشہ کے پادریوں اور راہبوں نے اپنے بادشاہ کے قبول اسلام پر کس قسم کا ردّعمل ظاہر کیا؟ روم کے شہنشاہ ہرقل کو بھی نجاشی کے قبول اسلام کی اطلاع ملی یا نہیں؟ اطلاع ملنے پر ہرقل نے حبشہ کی مملکت کے خلاف کیا اقدامات کئے؟ حضرت عمرو بن العاص نے اس کے تمام سوالات کے جواب دیئے اور خاصا مطمئن پایا پھر اس کے بڑے بھائی جیفر کے ساتھ بھی گفتگو ہوئی۔ جیفر و عبد کی معاونت کے لئے مملکت کے دیگر اہم ارکان اور مشیر بھی شریک رہے۔ مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر عمان کے یہ دونوں حکمران اسلام کے بارے میں مطمئن ہو گئے۔ اور اسلام قبول کر لیا۔ [3]

الاصابہ میں جلندی کے یہ اشعار نقل کئے ہیں جو اُنہوں نے قبول اسلام کے بعد کہے تھے۔

اتانی عمرو بالحق لیس بعدھا — من الحق شیئ والنصیح نصیح

فیا عمرو قد اسلمت للہ جھرۃ — ینادی بھا فی الوادیین فصیح [4]

(عمرو میرے پاس حق و صداقت کا پیغام لائے ہیں جس کے بعد حق و صداقت کا کوئی حصّہ باقی نہیں رہا، اور خیر خواہ تو خیر خواہ ہی ہوتا ہے

اے عمرو! میں کھلم کھلا اللہ تعالےٰ پر ایمان لے آیا ہوں میرے ایمان کا اعلان ان دونوں وادیوں میں فصیح و بلیغ انسان بآواز بلند کرے گا)

یمامہ کی طرف ترسیلِ سفیر

یمامہ کا امیر ہوذہ بن علی تھا اسکے پاس حضرت سلیط بن عمرو عامری کو رسول اللہ نے بھیجا۔ حضرت سلیط بن عمرو کو اس لیے سفیر منتخب کیا کہ وہ اکثر یمامہ جاتے رہتے تھے، وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ [5] سلیط بن عمرو لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] السہیلی، روض الانف، ج ۲، ص ۳۵۵۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۲۹۵، ۲۹۸، عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۶۵ [2] السیرۃ الحلبیۃ ج ۳، ص ۳۰۰، عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۶۶۔ روض الانف، ج ۲، ص ۳۵۶۔ [3] السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۳۰۱ تا ۳۰۳۔ عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۶۷، روض الانف، ج ۲، ص ۳۵۶، [4] السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۳۰۳۔ [5] الاصابہ، ج ۲، ص ۳۰۳۔

کا مکتوب گرامی حاکم یمامہ کو پہنچایا۔ ہوذہ نے آپ کے نمائندے کا بہت اعزاز کیا آپ کے خط کو پڑھا۔ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت اچھا دین ہے لیکن حکومت واقتدار کی ہوس دامن گیر رہی ہوذہ نے سلیط بن عمرو سے کہا کہ دیکھو میں صرف حاکم ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کا شاعر اور خطیب بھی ہوں۔ عرب میرے مقام و مرتبہ سے ڈرتے ہیں لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکومت میں شریک کریں تو میں ان کی اتباع کرنے کو تیار ہوں۔ اس جواب کے ساتھ حضرت سلیطؓ کو خلعت عطا کی اور تحفے دے کر واپس روانہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر یمامہ کے سیاسی اسلام کو قبول نہ کیا، بلکہ فرمایا کہ "اگر وہ بالشت بھر زمین مانگے گا تو نہیں دوں گا۔ ہوذہ خود بھی تباہ ہوا اور اس کا ملک بھی تباہ ہوا۔" [1]

دمشق سے سفارتی رابطہ

دمشق میں حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس حضرت شجاع ابن وہب اسدی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ حارث رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر نے اس کے حفاظتی عملہ سے بہت کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں۔ انہیں ملاقات سے قبل ہی یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ حارث قیصر روم سے بہت ڈرتا ہے۔[2] حارث سے ملاقات ہوئی تو اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پیش کر دیا۔ حارث نے خط پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا کہ بھلا مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے، یہ کہہ کر اس نے جنگی تیاری کا حکم دے دیا اور اجازت لینے کے لئے قیصر کو بھی لکھ دیا۔ قیصر کے پاس حارث کا خط لیکر جس وقت آیا، جب حضرت دحیہ کلبی اسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی قسم کا پیغام پہنچا چکے تھے۔ قیصر نے فوج کشی کے ارادہ سے منع کر دیا اور کہا کہ بیت المقدس میں میرے استقبال کی تیاری کرو۔ حارث بن شمر غسانی کو تو روم کی طاقت پہ گھمنڈ تھا جب اس نے دیکھا کہ قیصر روم بھی ان سے خوفزدہ ہے تو اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ کو بلایا اور سو مثقال سونا بطور تحفہ دے کر انہیں روانہ کیا۔[3]

دوسری متفرق سفارتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے علاوہ اور بھی بے شمار قبائل کے سرداروں، ریاستوں کے نوابوں اور سیاسی قیادت رکھنے والے معززین کے پاس اپنے نمائندوں کو بھیجا، مثلاً یمن کے بادشاہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس مہاجر ابن امیہ مخزومی کو بھیجا،[4] قبیلہ بنو کلاب کے سمعان بن قریط کے پاس عبداللہ بن عولجہ عرنی کو، بکر بن وائل کے پاس ظبیان بن مرثد کو قبیلہ حمیر کے رؤسا حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال کے پاس عیاش بن ربیعہ مخزومی کو طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے پاس نمیر بن خرشہ کو مسیلمہ کذاب کے پاس سائب بن عوام کو اور حضرت وائل بن حجر کو خود انہی کے قبیلہ کے لوگوں کے پاس پیغامات دے کر بھیجا۔[5]

سفارتی رابطوں کے اثرات

عہد نبوی میں سفارتی ذرائع سے مختلف ممالک کے حکمرانوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے اور ان میں دعوت دین اور اشاعت حق کے لئے کام کرنے کے بہت سے دور رس نتائج برآمد ہوئے سب سے زیادہ اہم فائدہ تو یہی ہوا کہ بہت سے حکمرانوں، قبائل کے سرداروں اور سیاسی رہنماؤں نے اسلام قبول کر لیا اور دعوت دین کے کام میں خود بھی شریک ہوگئے۔ معاشرہ کے ان اثر و رسوخ رکھنے والے طبقات کے اسلام قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی رعایا اور ان کے زیر اثر لوگ بھی دلچسپی اور جستجو

---

[1] السیرۃ، ج ۳، ص ۳۰۴۔ عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۶۹، زاد المعاد، ج ۳، ص ۶۳ [2] حفاظتی عملہ کے افسر نے بتایا کہ "ھو یخاف قیصر" وہ قیصر سے ڈرتا ہے، السیرۃ الحلبیہ، ج، ص ۳۰۵۔ [3] زرقانی، ج ۳ ص ۳۵۶، عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۷۰۔ السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص، [4] ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج ۴، ص ۲۴۸، ابن سید الناس عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۵۹ [5] طبقات بن سعد، ج ۴، ۳ طبقات بن سعد، ج ۲، ص ۳۴ تا ۵۰۔

کے ساتھ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت تھوڑے عرصے میں یہ لوگ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بعض حکمرانوں نے اگرچہ اسلام کو قبول تو نہیں کیا لیکن ذہنی طور پر وہ یہ بات ماننے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام حق و صداقت کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دعوت دین کا کام مخلصانہ طور پر اسلام کی حقانیت کی بناء پر کر رہے ہیں' ملکوں اور علاقوں پر قبضہ کرنا یا اپنی مملکت کی سرحدوں کو وسیع کرنا ان کا مقصد نہیں' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسلام قبول کرنے والے حکمرانوں یا قبائلی سرداروں کو حکومت و قیادت سے برطرف نہیں کیا کرتے تھے بلکہ انہی لوگوں کو برقرار رکھتے تھے۔

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بے مثال عزم و استقامت نے ان حکمرانوں کو یہ بات سوچنے پر بھی مجبور کر دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آج جس اعتماد و یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دے رہے ہیں' مستقبل میں یہ دین ضرور غالب و کامیاب ہو گا انہی وجوہات کی بناء پر بہت سے حکمرانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سفراء کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا' انہوں نے ان سفیروں کو تحفے پیش کئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی تحائف بھیجے تاکہ دوستانہ تعلقات قائم کر سکیں۔

فارس کے شہنشاہ کسریٰ اور دو ایک دیگر حکمرانوں نے ان سفیروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکتوب گرامی کے جواب میں سخت ردعمل کا مظاہرہ کیا۔

سب سے بڑا فائدہ ان سفارتی سرگرمیوں کا یہ ہوا کہ ان حکمرانوں کے جوابات اور ان کے ردعمل نے ان کے مقاصد اور سیاسی رجحانات کو واضح کر دیا جس کی روشنی میں مملکت اسلامیہ کے لئے ان کے ساتھ مستقبل کی پالیسی مرتب کرنا اور ان کے ساتھ آئندہ تعلقات کی نوعیت متعین کرنا آسان ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیروں کے ساتھ طرزِ عمل

زمانہ جاہلیت میں اگرچہ یہ قانون موجود تھا' کہ سفارتی نمائندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئیے اور بدسلوکی یا ایذا رسانی سے گریز کرنا چاہئیے لیکن اس قانون پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ سفیروں کے ساتھ غیر مہذب سلوک حتیٰ کہ انہیں یرغمال بنانے اور قتل تک کر ڈالنے کی بے شمار مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ خود مسلمان سفیروں کے ساتھ ناروا سلوک ہوتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعض نمائندوں کو قتل بھی کیا گیا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سفارتی آداب کی تعلیم دی اور سفیروں کے ساتھ اعزاز و احترام کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن سفراء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مختلف حکمرانوں یا قبائلی سرداروں کے پاس بھیجا تھا' انہیں بھی اس بات کی تربیت دی تھی کہ وہ لوگ اپنے مشن میں سفارتی آداب کو ملحوظ رکھیں اور حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ان تمام سفیروں کی سرگرمیوں اور تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان تمام باتوں کا ہر طرح سے خیال رکھا مثلاً حضرت دحیہ کلبی نے قیصر روم سے براہ راست رابطہ قائم نہیں کیا بلکہ روم کی ایک ماتحت ریاست بصریٰ کے گورنر کے توسط سے ملاقات کا اہتمام کیا' بصریٰ کے گورنر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کے ساتھ اپنے دربار کے ایک معتمد فرد عدی بن حاتم کو بھیجا تاکہ وہ قیصر روم کے ساتھ ملاقات کا انتظام کرائے۔ [1]

---

[1] سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۲۸۴ -

مدینہ منورہ میں آنے والے سفراء اور وفود کے ساتھ آپ بہت عزت و احترام کا برتاؤ کرتے تھے اور اس قدر رواداری کا مظاہرہ فرماتے تھے کہ ان کی بہت سی نازیبا اور ناقابل برداشت حرکتوں کو بھی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سب سے بدترین وفد عامر بن طفیل کا وفد تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا، یہ وفد تین افراد پر مشتمل تھا عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی۔ عامر بن طفیل اس وفد کا قائد تھا۔ یہ تینوں سرداران قوم سے تھے اور ان کے عزائم ٹھیک نہ تھے عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت غیر مہذب بلکہ گستاخانہ انداز میں گفتگو کی۔ واپس جاتے ہوئے اُس نے دھمکی بھی دی کہ وہ اپنے مسلح لشکروں سے مدینہ کی مملکت کو تہس نہس کر دے گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ بھی سفیروں کا سا سلوک کیا اور اس کے جانے کے بعد صرف یہ دعا کی کہ اے اللہ تو عامر کے فتنوں سے ہمیں محفوظ فرما۔[۱]

مسیلمہ کذاب کے سفیروں سے بھی بُرا سلوک نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ان سفیروں نے تمام آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی اور شرارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صرف یہ کہا۔

"اما واللہ لولا ان الرسل لا تقتل تضربت اعناقکما"[۲]

(خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کا قتل جائز نہیں تو میں ضرور تمہاری گردنیں اُڑوا دیتا۔)

نجران کا ایک بہت بڑا وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور اس کی قیادت عبدالمسیح کر رہا تھا، یہ لوگ مسجد نبوی میں ٹھہرے۔ جب اُن کی نماز کا وقت ہوا تو اُنہوں نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا چاہی، یہ لوگ عیسائی تھے اور بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ لوگ اپنے مذہب کے مطابق اور اپنے قبلہ کی جانب منہ کر کے ہماری مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو اُنہیں روکنا چاہا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو منع فرما دیا اور ان مہمانوں کو اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھنے کی اجازت دی، چنانچہ اُنہوں نے مسجد نبوی میں عیسائیت کے مطابق نماز ادا کی۔[۳]

قبیلہ بنو ثقیف کا وفد آیا تو اسے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور خاص طور پر ان کے لئے خیمے لگوائے، ان کے ساتھ مذاکرات اور ضیافت کے لئے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو افسر رابطہ و ضیافت مقرر فرمایا۔[۴]

مدینہ منورہ میں آنے والے سفراء اور وفود کے پاس اگر زادِ راہ ختم ہو جاتا تو ان کی واپسی کے انتظامات فرماتے تھے۔ قبیلہ مزینہ کا وفد واپس جانے لگا تو ان کے پاس راستے میں کھانے پینے کا سامان پورا نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے لئے اسباب خورد و نوش کا انتظام کر دیا جائے۔[۵] اسی طرح بنو ثعلبہ کے وفد کے ہر فرد کو واپس جاتے ہوئے پانچ پانچ اوقیہ چاندی دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔[۶]

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفیروں کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپؐ کے الفاظ یہ تھے۔

---

[۱] ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۳۲۔ زاد المعاد، ج ۳، ص ۲۹۔ [۲] ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج ۴، ص ۲۴۷ [۳] السیرۃ الحلبیہ، ج ۲، ص ۲۳۵ [۴] عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۲۰، السیرۃ الحلبیہ، جلد ۲، ص ۲۴۲، ۲۴۳ [۵] الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۳، [۶] الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۹۸

"أجیزھم کما تجیز الوفد"

ان (وفد ثعلبہ) کے ساتھ اسی طرح خاطر و مدارات کرو جس طرح وفود کے ساتھ خاطر و مدارات کی جاتی ہے۔[1]

سفیروں کے تحفظ اور ان کے اعزاز و احترام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر خیال تھا کہ اپنے آخری ایام میں جو وصیت فرمائی تھی اس میں بھی سفیروں کے ساتھ باعزت سلوک کرنے کا حکم دیا تھا آپ نے فرمایا تھا ان نمائندوں کی عزت و مدارات اسی طرح کرتے رہنا جس طرح میں کرتا ہوں آپؐ کے الفاظ یہ تھے۔

"أجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم"[2]

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۹۸

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۴۲۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے واسطے رحمت بنا کر

(الانبیاء: ۱۰۷)



رسول اللہؐ کی حکمتِ سیاست

رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ سیاست

سید اسعد گیلانی

حضور اکرمؐ کی قیادت میں اسلامی انقلاب جیسے عظیم الہٰی نظام کا برپا ہونا جہاں ایک واضح اور غیر معمولی احسان ربانی ہے۔ وہاں اس میں حضور اکرمؐ کی دانشورانہ حکیمانہ اور جرأت مندانہ قیادت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کو پورا کرنے کے لئے عالم اسباب میں سے جن موزوں ترین عوامل کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ان عوامل میں سب سے بڑا اور سب سے مؤثر عامل حضور اکرمؐ کی ذات مبارک تھی۔ آپ میں وہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جن سے اسلامی انقلاب جیسا منفرد تاریخی کارنامہ سرانجام دیا جا سکتا تھا۔ یہ محض اقتدار کے الٹ پھیر کا نام نہ تھا۔ یہ محض کرسی بدلنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کا مسئلہ بھی نہ تھا بلکہ یہ ایک تعمیری اخلاقی تعلیمی تربیتی اور عظیم معاشرتی اور اصلاحی کام تھا جس کا دائرہ ایک فرد سے لیکر تمام عالم انسانیت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں فرد کی روحانی ضروریات سے لیکر اس کی مادی ضروریات تک فراہم کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس میں انسانی سوسائٹی میں سے نسلوں اور فرقوں کی پیدا شدہ برائیوں کو ختم کرنے کا مسئلہ تھا۔ یہ صدہا صدیوں سے انسانوں کی بگڑی ہوئی عادات کو سدھارنے اور انہیں سچے بندگان خدا بنانے کا مسئلہ تھا۔ یہ ان گنت مدتوں کے پیدا شدہ اونچ نیچ کو اٹھا کر آدمؑ کے انسانی خاندان کو ایک خاندانی اور برادارانہ سطح پر لانے کا مسئلہ تھا۔ یہ صدیوں سے باہمی ایک دوسرے کے حقوق انسانیت پر جابرانہ قابض شدہ جابر لوگوں سے مظلوموں کے حقوق حاصل کر کے انہیں لوٹانے اور ان میں شرف انسانیت پیدا کرنے کا مسئلہ تھا۔

انقلاب اسلامی محض کرسی حاصل کرنے کا مسئلہ نہ تھا جو بالعموم ہر طالع آزما اور سیاسی مہم جو کا مسئلہ ہوتا ہے۔ بلکہ یہ طالع آزماؤں کے آگے بند باندھ کر خدا کے نیک بندوں کو آگے لانے کا مسئلہ تھا۔ یہ بڑا ہی پیچیدہ شاخ در شاخ الجھا ہوا مسئلہ تھا۔ جسے حضور اکرمؐ نے ۲۳ سال کی قلیل ترین مدت میں سلجھا کر انسانیت کے قافلے کو بندگی رب کی صراطِ مستقیم پر ڈال دیا جب حضورؐ نے اپنا کام مکمل فرمایا تو سارے انسانی مسائل سلجھ چکے تھے اور انسان خدا کی زمین پر آدمؑ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے باہمی بھائی بھائی بن چکے تھے

یہ کام محض معجزے دکھانے سے ہونے والا نہیں تھا آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاءؑ ہزارہا معجزات کے ساتھ انسانوں کو دعوتِ بندگئ رب دے چکے تھے لیکن انسانوں نے قبول دعوت اور صراط مستقیم پر چلنے کی بجائے عذاب خداوندی تک پہنچنے کا راستہ بار بار اختیار کیا تھا۔ آپؐ سے پہلے بہت بڑے بڑے زور آور فوجوں والے فاتحین آئے تھے لیکن فوجوں نے صرف قوموں کو تباہ کیا، ابن آدم کو مفتوح اور بے آبرو کر کے اپنا غلام بنایا اور ابن آدم کے مسائل میں مزید اضافہ کر دیا۔ آپؐ سے پہلے بہت سے مصلحین اخلاق بھی آئے لیکن ان سے کسی نے اصلاحِ اخلاق کا درس نہ لیا اور اگر کسی نے لیا تو اس نے تقسیم شدہ

انسانیت میں ایک اعلیٰ متحارب گروہ کا اضافہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اپنے دنیا کے دائرہ آسمان میں بڑی پریشان چلی آ رہی تھی، بالآخر الجھے ہوئے پیچیدہ سوالات کا صحیح اور آسان حل صرف حضور اکرمؐ نے ہی انسانیت کو بتایا۔

یہ عظیم کارنامہ جو حضورؐ نے سرانجام دیا اس میں حضورؐ کی حکمت سیاست و بصیرت و دانش اور تدبر کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

افسوس یہ ہے کہ اس پہلو پر بہت کم غور کیا گیا ہے۔ ہمارے اس دور کا مطالبہ اور تقاضا یہ ہے کہ ہم حضورؐ کی اس جدوجہد میں اس سیاسی بصیرت و دانشوری اور اس حکمت و تدبر کی بھی نشاندہی کریں جس کا اتباع ہر دور کے اسلامی انقلاب کے لئے ضروری ہے۔ ہماری بدقسمتی سے دور حاضر میں جہاں دین و سیاست کو الگ کیا گیا ہے تاکہ سیاست کو دین سے آزاد رکھ کر اس سب سے زیادہ طاقتور ادارے کو باطل مقاصد اور ہوائے نفس کے لئے استعمال کیا جا سکے وہاں حضورؐ کی سیرت میں سے بھی سیاسی اجزاء کو نکال کر لیے صرف پند و نصائح وعظ و تلقین، تبلیغ و اشاعت، عبادات، فقر و فاقہ اور دنیا سے مکمل اجتناب کی زندگی بنا کر ہی پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضورؐ کی سیرت کا سب سے بڑا اور اہم حصہ تو یہ ہے کہ حضورؐ نے ایک عظیم سیاسی اور روحانی انقلاب برپا کر کے باطل قوتوں کو بزور بازو سرنگوں کر دیا۔ اکثر سیرت نگار انقلاب اسلامی کے کارنامے کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔ جیسے یہ سارا کام خود بخود ہی ہو گیا اور اس میں صرف دعاؤں اور تسبیح و وظائف کا ہی دخل تھا۔ حالانکہ اس طرح پیش کرنے سے ایک طرف حضور اکرمؐ کی سیرت ادھوری رہ جاتی ہے، دوسری طرف حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کا ایک نہایت اہم حصہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ جس کے بغیر مومن نظام باطل کو کبھی بھی چیلنج کر کے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع نہیں کر سکتا۔

سیاست و تدبر بصیرت و حکمت اور تدبیر مملکت حضورؐ کی سیرت کا اہم ترین حصہ ہے۔ یہی وہ حصہ انسانی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ میں اس سمت میں سوچ و بچار کا راستہ کھولنے کے لئے اپنے طور پر حضور اکرمؐ کی سیاسی بصیرت و حکمت کے بعض پہلوؤں کی طرف نشاندہی کروں گا اس میں میرے مطالعہ، فیصلے اور اخذ و نتائج کا کم و بیش تعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن میں جس جذبۂ خدمت دین اور نیت خیر کے ساتھ اس جہت میں اپنے نتائج فکر پیش کر رہا ہوں ان میں نقائص کے باوجود میں اس کوشش کے ذریعے اپنے مالک سے اجر و بخشش کی امید رکھتا ہوں۔

اسلامی انقلاب کے لئے اتحاد اور امن کا اہتمام

حضور اکرمؐ کی ۲۳ سالہ جدوجہد کا مطالعہ یہ بات بار بار ہمارے سامنے لاتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے ملت کے اندر اتحاد کو سب سے بڑی اہمیت دی آپؐ نے سب انسانوں کے سامنے ایسی نظریاتی اور اصولی بنیادیں فراہم کیں جو پہلے سے سعید فطرت کثیر انسانوں کے درمیان متفق علیہ چلی آ رہی تھیں۔ جن میں سب سے اہم اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا اور آخرت میں اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس تھا۔ توحید سے مساوات اور آخرت کے عقیدے سے ذمہ داری پیدا ہوتی ہے بلاشبہ بعض لوگوں نے باپ دادا کے بگاڑ کی حفاظت کے لئے کچھ مزاحمت بھی کی جو ناگزیر تھی اور خود حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کی انقلابی تربیت کے لئے بھی اس مزاحمت کی ضرورت تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ بنیادیں کثیر انسانوں کے اندر مدت دراز سے متفق علیہ چلی آ رہی تھیں اور یہ ایسی

انوکھی باتیں نہ تھیں کہ جنہیں تسلیم کر لینے سے کوئی شخص بہت ہی دور از خیال انوکھے اصولوں کو تسلیم کرنے کا مرتکب ہو جاتا ان باتوں کو فطرتاً اور اصولاً سب مانتے تھے۔ صرف اپنے باپ دادا کے پیدا کردہ سفارشیوں کا واسطہ اپنے لئے مفید اور آسان سمجھتے تھے۔ چنانچہ لوگوں نے ان اصولوں کو تھوڑی سی مزاحمت اور ردو قدح کے بعد تسلیم کر ہی لیا اس سے اتحاد ملت پیدا ہوا۔ دوسرا مسئلہ امن کا تھا۔ حضورؐ نے دعوتِ اسلامی کے لئے بطور ضرورت اور حکمت کے امن کے حالات کو ہمیشہ بہت اہمیت دی اور ایسے حالات پیدا کرنے کی ہمیشہ کوشش کی جس سے دعوت کے اخلاق و کردار اپنا کام کر سکیں اور تعصبات حائل نہ ہوں یہ دونوں چیزیں حضورؐ کی جدوجہد میں ہمیں بطور اصول کے پورے عرصۂ جدوجہد میں رواں دواں نظر آتی ہیں۔

عرب کردار پر اسلام کا اصلاحی غازہ

حضور اکرمؐ نے اپنے انقلاب کے لئے عرب کردار کو زیادہ توڑنے پھوڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ ہی اس کی زیادہ کوشش کی عربوں میں بنیادی انسانی کردار کی بہت سی خوبیاں پہلے سے موجود تھیں وہ مدت دراز سے درباداری سے دور سلطنتوں کی عیش پرستانہ زندگی سے بیگانہ آزاد اور خوددار لوگ تھے ان میں بنیادی طور پر شجاعت تھی، حمیت و غیرت تھی۔ فیاضی اور مہمان نوازی تھی، جذبۂ مہم جوئی اور شوق سیاحت تھا امانت داری اور دیانت کا تصور موجود تھا۔ پاس عہد، احساس مروت دوستی اور وفاداری تھی۔ حضورؐ نے قدیم عرب کردار کی ان خوبیوں کو قائم رکھا اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ آپؐ نے ان خوبیوں میں مناسب صالحیت کا اضافہ کر کے انسانیت کے لئے انہیں زیادہ مثبت اور مفید بنا دیا۔ لیکن ان کے قومی کردار کی زیادہ توڑ پھوڑ نہیں کی۔ اسلام کا نظام تدریج کے ساتھ خود ہی ایک ایسا سانچہ ہوتا ہے جو کردار کو اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ مثلاً بنائے کعبہ کے بارے میں حضورؐ نے ایک بار ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا تھا کہ حطیم کا حصہ کعبے کی عمارت کا حصہ ہے جی لے ڈھا کر عمارت میں شامل کر دیتا لیکن اے عائشہ تیری قوم ابھی جدید الاسلام ہے اس لئے مناسب نہیں ہے۔ غرض حضورؐ نے عربوں کی خوبیوں کو مزید اجاگر کر کے انہیں اسلام کے سپاہی بنایا اور انہوں نے بلاشبہ خدمت اسلام کا حق ادا کیا۔

معاشرتی مرتبے کی بجائے قبولیتِ حق، معیارِ فضیلت

حضور اکرمؐ نے اپنی تحریک کے اندر جاہلی دور کے باطل نظام کے پیدا کردہ معاشرتی مراتب کو وقعت دینے کی بجائے قبولیت حق کے لئے آگے بڑھنے کی مخلصانہ استعداد کو زیادہ اہمیت دی۔ سرداران قریش بار بار غلاموں، نوکروں، ملازموں، مزدوروں اور محنت پیشہ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ کیا ہم ان کے ساتھ آ کر ایک ہی صف میں بیٹھیں؟ یہ شریف لوگ ذات برادری نسب اور پیشہ کی تقسیم کے سبب "کمین" لوگوں میں آ کر بیٹھنے سے کتراتے تھے اور ایک ہی صف میں محمود و ایاز کے اس طریقے کو ناپسند کرتے اور اپنے مرتبے سے فروتر سمجھتے تھے۔ حضورؐ کی دانش نے جو وحی سے فیض یاب تھی ان کے اس مطالبے کو بلا تاخیر رد کر دیا اور اگر کہیں اس اصول اور حکمت سے ذرا بھی صرف نظر ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً توجہ دلائی۔

"اے محمدؐ جس نے بے نیازی برتی تم اس کے پیچھے پڑتے ہو ؛ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے اور جو تمہارے پاس دوڑا آتا ہے۔ اس حال میں کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے تم اس سے بے رخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے"۔ (۵ - ۱۳)

اسلامی تحریک میں معاشرتی مرتبے کو دین حق کی تبلیغ کے لئے تو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کسی کو اسلامی تحریک میں بلند مقام عطا کیا جائے اور اس کے مقابلے میں کم تر معاشرتی مرتبے کے کارکنوں کو کم وزن دیا جائے۔ یہ چیز اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔ حضورؐ نے اس کیفیت کو اپنی تحریک میں ایک لمحہ کے لئے بھی پیدا نہیں ہونے دیا۔ وہاں یہ اصول کار فرما تھا کہ مالدار لوگ ہی دیانت دار ہوتے ہیں اس لئے کہ انہیں بددیانتی کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ خدا ترسی، نیکی اور خدا خوفی انسان کی قدر و منزلت کا اصول تھا۔ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ہی قدر و منزلت کی بنیاد تھی اور حضورؐ جانتے تھے کہ باطل کے نظام میں معاشرتی مرتبے، دیانت دار ہونے اور امانت دار ہونے سے نہیں بلکہ بے ضمیریوں، سفارشوں، رشوتوں اور ظلم و زیادتی کا آلہ کار بننے سے حاصل ہوتے ہیں چنانچہ معاشرتی مرتبے کی فضیلت نظرانداز کرکے نظریاتی اور تحریکی حیثیت کو وقعت دینے سے حضورؐ کو مخلص اور جاں نثار ساتھیوں کا ایک بہترین گروہ حاصل ہو گیا۔

غلاموں کی آزادی اور مظلوموں کی دادرسی کی تحریک

حضورؐ نے غلاموں کی آزادی کی تحریک چلا دی۔ اس کے علاوہ آپ نے بے سہاروں، مظلوموں، کمزوروں، مسکینوں غلاموں، محتاجوں، مسافروں، قیدیوں، بیماروں، یتیموں اور بیوگان کی ہمہ پہلو امداد و معاونت کی مہم بھی جاری کی۔ حضورؐ کی یہ تحریک مکے میں بھی دکھائی دیتی تھی جب حضورؐ کے اشارے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے اکابر صحابہ اپنے غلاموں کو آزاد کرکے پھر دوسروں کے نو مسلم غلاموں کو بھی خرید خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ مدینہ کی آبادی میں پہنچ کر تو غلاموں کی آزادی، ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی غلام آزاد کرنا معاشرے کا فیشن بن گیا۔ معمولی معمولی لغزشوں پر کفارہ غلام کی آزادی قرار پایا۔ مساکین کو کھانا کھلانا بھی ایک ایسا کفارہ قرار پایا جو ہر لغزش میں کام آنے والا تھا۔ بلکہ زکوٰۃ کے فنڈ میں اس کام کے لئے حصہ مخصوص کیا گیا۔ اسلامی ریاست کا مقصد وجود ہی مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے فتنے کی سرکوبی بتایا گیا۔

دنیا کے سارے مذاہب میں غلامی جاری رہی اور کسی نے اس کی تنسیخ نہ کی لیکن اسلام نے ظہور کرتے ہی غلامی کو سارے ذرائع سے بتدریج ختم کر دینے کی مہم چلا دی۔ چنانچہ غلاموں کی آزادی کو نیکی کا اصول بنایا گیا والسائلین وفی الرقاب (بقرہ - ۱۲) پھر غلاموں کی آزادی کو آخرت میں نجات حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ (سورہ بلد) اسی طرح غلاموں کی آزادی کو بعض لغزشوں کے کفارے کا ذریعہ قرار دیا: مثلاً قتل خطا میں۔ ظہار کا کفارہ، روزہ توڑنے کا کفارہ، غلام کو مارنے کا کفارہ بھی اس کی آزادی قرار پایا۔ یہ بات یہاں تک چلی کہ اکابر صحابہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ نے ہزاروں غلام آزاد کئے اور بتدریج مسلمانوں سے غلامی کا رواج ختم کر دیا اور ان کا مرتبہ اتنا بلند کیا گیا کہ وہ مسلمانوں

کے قائدؒ، امام، محدث، سپہ سالار، صوبوں کے حاکم بلکہ خود سلطان تک مقرر ہوگئے۔ محمود غزنوی خود خاندان غلاماں سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ سبکتگین غلام تھا۔ اسی وجہ سے عرب کی کثیر آبادی کی فطری ہمدردیاں اسلامی تحریک کے ساتھ ہوگئیں انہیں اس تحریک میں اپنا معاشرتی سیاسی اور معاشی مستقبل محفوظ اور درخشاں نظر آنے لگا۔ چنانچہ صہیب رومی اور بلال حبشی سے لیکر سلمان فارسی تک اسلام کے شیدائی اور جاں نثار دکھائی دینے لگے یہ اسلام کی وہ انقلابی روح تھی جس نے گرے ہوئے انسانوں کو سہارا دیا اور بے وسیلہ لوگوں کی دست گیری کی۔ اس کے نتیجے میں اسلام نے دنیا میں معاشرت اور سیاست کا تصور بدل دیا اور اسے اقتصادی خوشحالی اور نسلی افتخار سے نکال کر مساوات انسانی پر قائم کر دیا۔ حضورؐ کی یہ اسلامی تحریک مساوات انسانی، امداد مساکین اور غلاموں کی آزادی کے لئے "زبردست مہم بن گئی۔ جس کے نتیجے میں اسلامی دعوت کی توسیع کے لئے یہ چیزیں زبردست محرک ثابت ہوئیں۔

حضور میں یہ جذبہ نہایت قوی موجود تھا کہ مظلوموں کی مدد کی جائے اور ظالم کا ہاتھ پکڑا جائے۔ یہ بے لاگ انسانی خدمت اول روز سے حضورؐ کے اخلاق و کردار کا حصہ تھی۔ اس کی درخشاں مثال نبوت سے پہلے حلف الفضول کے معاہدے میں آپؐ کی شرکت تھی۔ حضورؐ کفار کی مختلف سرگرمیوں میں بالعموم کوئی دلچسپی نہ لیتے تھے۔ لیکن اس معاہدے میں آپؐ نے باقاعدہ شرکت فرمائی اور اس پر دستخط ثبت فرمائے۔ یہ ایک نوعیت کی انجمن امداد مظلومین تھی جس کے ممبر ظالموں کے ہاتھ روکتے اور مظلوموں کا حق دلاتے تھے۔ اس انجمن میں شریک ہونے والوں کا حلف یہ ہوتا تھا۔

> "خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تاآنکہ وہ ظالم اس مظلوم کا حق ادا نہ کر دے اور جب تک سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور ثبیر کے پہاڑ قائم ہیں ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔"[1]

حضورؐ نے محنت کاروں اور اجیروں کے سلسلے میں بھی سختی کے ساتھ واضح ہدایات جاری فرمائیں۔

مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

خدا کی لعنت ہے اس تاجر پر جو اجیر کا حق مارے۔

اپنے خادم کو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جو تم خود نہ کر سکو۔ کام میں اس کا ہاتھ بٹاؤ۔ اور اس سے نرم سلوک کرو اس پر اس کی قوت سے زائد بوجھ نہ ڈالو۔

محنت کار کو اپنی طرح کا آدمی سمجھو اور اس کے اعزاز اور عافیت کا خیال رکھو۔

یاد رکھو کہ اجیر اجیر ہے اور تم مستاجر۔ یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں کہ تم اجیر ہو جاؤ اور وہ تاجر۔

مومن کی شناخت یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اس کی پیشانی محنت کے پسینے سے تر ہو۔

---

[1] سیاسی زندگی، ۲۷-۲۸۔

اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو اپنی روزی اپنی محنت سے کماتا ہے
غریبوں کے حق کو پہچانو۔ یہ تمہارا ہی کام کر رہے ہیں [1]

غرض حضورؐ کی اسلامی تحریک معاشرے کے پسماندہ طبقے کے حقوق کی پوری طرح محافظ تھی اس کا نتیجہ تھا کہ سرداروں اور خوشحال طبقے کے دباؤ کے باوجود غلاموں مسکینوں اور اجیروں نے اسلام کا کھل کر ساتھ دیا۔ وہ اسلام کی فوج کے بہترین سپاہی ثابت ہوئے۔

حجرِ اسود کی خونی نزاع کا متوازن قابلِ قبول فیصلہ

حجرِ اسود کی نزاع کا فیصلہ آپؐ کی حکمت و تدبر کا شاہکار ہے۔ بعثت سے پہلے حضور اہل مکہ میں دیانت و امانت اور صدق و شرافت کی اعلیٰ شہرت رکھتے تھے۔ آپؐ کا احترام دانش و حکمت کے سبب بھی پوری شہری سوسائٹی میں موجود تھا۔ قریش کعبے کی تعمیر نو اور مرمت کا کام کر رہے تھے جب حجرِ اسود والی دیوار ڈیڑھ گز اونچی ہو گئی تو حجرِ اسود جو عربوں میں متفق علیہ مقدس پتھر تھا اسے دیوار میں اس کی جگہ رکھنے کا مسئلہ پیدا ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے خطرناک نزاع کی صورت اختیار کر گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو حطیم کی تعمیر کرنے والے قبیلے نے خون سے پیالہ بھر کر رکھ دیا اور اسے چاٹنے لگا گویا اب مرے مارے بغیر وہ کسی دوسرے کو حجرِ اسود نہ رکھنے دیں گے یہاں تک کہ امیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ اسے خدا پر چھوڑ دو اور بیت المقدس میں جو شخص اس راستے سے سب سے پہلے داخل ہو اسے ثالث بنا لو۔ اچانک حضورؐ داخل ہوتے ہوئے سب کو دکھائی دیئے تو سب نے شور مچایا کہ

"یہ لو امین آ رہا ہے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ تو محمدؐ ہے"

حضورؐ نے سارا معاملہ سن کر ایک چادر طلب کر کے بچھائی۔ حجرِ اسود اٹھا کر اس میں رکھا اور پھر جملہ قبائل کے نمائندوں سے کہا کہ وہ اس چادر کے کونے پکڑ کر حجرِ اسود کو دیوار کے مقام تنصیب تک لائیں جب وہ چادر اٹھا کر اوپر لائے تو حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود اٹھا کر دیوار میں اس کی جگہ پر لگا دیا۔ حضورؐ کی حکمت و دانش کا یہ حال اس وقت بھی تھا جب آپؐ پر ابھی وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا۔ یہی اعتقاد تھا جس کے سبب بعد میں آپ کی تحریک میں مکہ نے اپنے جگر گوشے ڈال دیئے جو ابوبکر صدیقؓ عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ کی صورت میں دنیا کے سامنے آئے۔

کلمۂ طیبہ اسلامی تحریک کے لئے ایک جامع انقلابی نعرہ

حضورؐ نے تحریک اسلامی کو ایک جامع انقلابی نعرہ دیا جسے ہم کلمہ طیبہ کے نام سے جانتے ہیں یہ کلمہ اس تحریک سے وابستہ ہر مومن کا قیامت تک کے لئے جزو ایمان ہے۔ اس مختصر کلمے میں تحریک کی نظریاتی روح کا پورا عکس آ گیا ہے اس

۱۔ نقش سیرت ۶۶۶ – ۶۶۷

میں توحید آخرت اور رسالت کے تینوں بنیادی عقیدے سمو دیئے گئے ہیں یہ کلمہ مختصر ہے۔ جامع ہے بیک وقت دعوتی بھی اور انقلابی بھی ہے اور اسلامی تحریک کے انقلابی نظریاتی کردار کا جامع نمونہ بھی۔ اس مختصر کلمے نے عرب کا دل دہلا دیا اس ایک کلمے کی ضرب سے بڑے بڑے سرداران قریش بلبلا اٹھے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا اختصار ہے جو ہر نعرے میں ہونا چاہیئے۔ دوسری خوبی اس کا نظریاتی پرت ہے تیسری خوبی یہ ہے کہ یہ نعرہ ایک ذاتی گرز کی طرح تمام مخالفین کے متفرق عقیدوں پر ضرب کاری کا کام کرتا ہے اور ان کے لیے مفاہمت کی کوئی راہ اطاعت کے سوا نہیں چھوڑتا تاکہ وہ غلط امید دل کا سہارا نہ لیں۔ چوتھی خوبی یہ ہے کہ یہ فی الفور زبانوں پر چڑھ جاتا ہے۔ آسان سلیس مترنم، واضح دلکش اور خوش گوار۔

اس سے پہلے کسی تبلیغ کا کوئی نعرہ نہ تھا۔ اسلامی تحریک کا عرب کی فضا میں پہلی بار ایک مختصر اور جامع نعرہ گونجا یہ نعرہ ہر کسی کی زبان پر چڑھ گیا اور ہر کسی کی سمجھ میں آگیا اس میں جرأت کا اظہار تھا۔ مردانگی کا اعلان تھا اور وحدت اللہ کے متفقہ عقیدے کا پرچار تھا۔ گویا ساری تحریک کی علمی شان کو اس مختصر سے جملے میں سمو دیا گیا تھا۔ حضورؐ عوام کی نفسیات سے خوب آگاہ تھے وہ جانتے تھے کہ ایک آسان اور عام فہم نعرہ بہت سی علمی تقریروں اور مقالوں پر بھاری ہوتا ہے اس کلمے نے تحریک کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا جب یہ کلمہ میدان میں آگیا تو گویا ایک سریع الاقدار نظریاتی ہتھیار میدان میں آگیا جو مخالف اسے سنتا وہ پیچ وتاب کھا کر رہ جاتا۔ جو اس باختہ ہو جاتا اور اسے اس کی گونج اپنے چاروں طرف سنائی دیتی یہ کلمہ تحریک کی ہمہ وقت بولتی ہوئی زبان بن گیا۔ اس میں تحریک کی دو مرکزی ذاتوں کا اجتماع اور تعارف موجود تھا۔ اللہ اور محمد۔ گویا حاکم اعلیٰ جس کے آگے سب کو سر جھکانا چاہیئے اور جو بادشاہ حقیقی ہے۔ اس کا تعارف بھی اس کلمے میں موجود ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی اس کا مدمقابل نہیں ہے۔ اس بات کو کفار تسلیم بھی کرتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ محمدؐ لوگوں کے معبود اور حقیقی بادشاہ کے نمائندہ ہیں اس لیے ان کی پیروی اپنے بادشاہ کی پیروی کے مترادف ہے۔ پھر آگے چل کر یہ کلمہ اذانوں میں بھی آگیا۔ اللہ اکبر کے ذریعے اللہ کی کبریائی کا مزید اعتراف علی الاعلان کیا گیا غرض کلمہ طیبہ اور اللہ اکبر یہ اسلامی تحریک کے ایسے نعرے تھے کہ مشرک کفار کے پاس اس کا کوئی توڑ موجود نہ تھا اور وہ کلمہ کی گونج اور اللہ اکبر کی تکبیر میں گھر کر رہ گئے تھے ان دو نعروں سے حضور اکرمؐ نے اپنے مدمقابل کو فوراً لرزا دیا تھا۔

مکہ سے باہر دور کے علاقوں میں اسلامی تحریک کے اثرات پہنچانے کی کوشش

آپؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں صرف مکہ کی بستی تک ہی محدود نہیں رکھیں بلکہ اپنی دعوت کو دور دراز کے قبائل اور بستیوں تک بھی پہنچانے کی کوشش کی۔ پہلے انبیاء صرف اپنی بستی تک دعوت پہنچاتے تھے اور جب وہ دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیتے تو نبی کا دعوتی میدان ختم ہو جاتا تھا اور ان بستیوں کو عذاب سے تباہ کر دیا جاتا تھا۔ لیکن حضور اکرمؐ نے مکہ کو ہی صرف اپنی دعوتی سرگرمیوں کا میدان نہیں بنایا بلکہ دعوت کو دور و نزدیک تک پھیلایا۔ بلاشبہ مکہ کو اس وقت مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن حضور نے مکہ کے باشندوں کو ہی تنہا اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مخاطب اور محور نہیں بنایا بلکہ آپ طائف تشریف لے گئے

اور باشندگان طائف تک بھی دعوت پہنچائی۔ اس سفر میں ایک غلام عداس نینوی مسلمان بھی ہوا ہر سال حج کے موقعہ پر عرب کے ہر علاقے سے آنے والے قبائل کے کیمپوں میں جا کر دعوت اسلامی پیش کرتے تھے۔ آپ میلوں میں بھی دعوتی مہم چلاتے اور چل پھر کر لوگوں سے دعوتی مذاکرات کرتے۔ کبھی آپ سوق عکاظ میں نظر آتے کبھی سوق ذوالمجاز و مجنہ میں۔ حج کے ایام میں یہ کوششیں بہت بڑھ جاتیں۔ انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ عقبہ کی گھاٹی میں مدینہ کے حاجیوں سے ملاقات ہو گئی۔ مدینہ کے لوگ یہودیوں کی ہمسائگی کے سبب خدا، رسالت، آخرت اور انبیاء کے سلسلے کی باتوں سے کچھ کچھ آگاہ تھے۔ انہوں نے دلچسپی سے آپ کی باتیں سنیں اور مطمئن ہو کر مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ مدینے جا کر اپنے لوگوں میں دین اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں اتنے افراد مسلمان ہو گئے کہ وہاں ایک مبلغ بھیجنے کی ضرورت پیش آگئی۔ چنانچہ تین سو میل کے فاصلے کی بستی میں حضور نے اپنا پہلا مبلغ حضرت مصعب بن عمیر کو بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے مدینے کے نیک دل باشندوں میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس تبلیغ کے نتیجہ میں بعد کے ایام میں مدینہ ہی تحریک اسلامی کا مرکز قرار پایا۔ بیرونی تبلیغ کی اس حکمت سے یہ ممکن ہوا کہ اگر ایک شہر کے باشندوں نے نبی کے کام کو مشکل تر بنا دیا تو دوسرے شہر کے لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ نے کھول دیئے۔ حضور کا یہ طرز عمل آخر دم تک رہا۔ آپ دعوت دین کی توسیع کے لئے نئے سے نئے گوشے تلاش کرتے تھے۔

مسجد نبوی کے اصحاب صفہ میں سے بے شمار تبلیغی وفود بنا بنا کر حضور مختلف قبائل کی طرف ارسال فرماتے رہے ان میں بہت سے وفود کو لوگوں نے دھوکے سے قتل بھی کیا لیکن حضور نے دعوت کو دور دور تک پہنچانے کا کام ترک نہ کیا، تاکہ اسلام کی وسعت و اشاعت اور قوت تسخیر کا انحصار کسی ایک ہی علاقے کے لوگوں پر نہ رہے۔ بلکہ جس قوم میں ان اصولوں کو اپنانے اور ان کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی صلاحیت موجود ہے وہ قوم آگے بڑھے اور اقوام عالم کی قائد بن جائے چنانچہ جیسے ہی عرب میں ذرا اثرات مضبوط ہوئے۔ آنحضور نے مکاتیب اور سفارتوں کے ذریعے دیگر سلاطین تک دعوت اسلامی کا پیغام پہنچانا شروع کر دیا اس طرح عرب کے لوگوں کو بھی اطمینان ہوا کہ یہ دعوت عجم تک پھیلنے والی تھی اور اس کے ابتدائی نتائج یہی تھے کہ دور و نزدیک دعوت کے ابتدائی علمبردار ہونے کی حیثیت سے عربوں کا سکہ چلنے والا تھا۔

حضور کی اس حکمت تبلیغ نے بہت سے لوگوں کو اسلام کے قریب تر کر دیا اور اسلام کے لئے تسخیر اقوام کے راستے کھول دیئے۔

اصولوں کے بارے میں ناقابلِ مصالحت روّیہ

حضور جس قدر نرم مزاج، خوش طبع، رحمدل، ہمدرد اور ہر انسان کے خیر خواہ حقیقی تھے۔ اپنے دعوتی اصولوں کے بارے میں اسی قدر سخت اور ناقابل مصالحت تھے۔ کوئی شخص حضور کی نرم خوئی سے یہ توقع نہ رکھ سکتا تھا کہ وہ انہیں کسی اصول میں معمولی لچک پیدا کرنے کے لئے آپ کو آمادہ کر سکتا ہے یہ وہ صفت ہے جو حضور کی پوری جد و جہد میں ہر طرف ہر جگہ ہیرے کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مکہ میں کسمپرسی کا عجیب عالم ہے، سارا شہر دشمن ہے جا بجا مخالفت کے اکٹھ ہو رہے ہیں۔ سرداران قریش اس دعوت کی خطرناکی کا اندازہ کر کے اپنی سرداریوں کی موجودہ صورت کو متزلزل محسوس کرتے ہیں اور اس اٹھتی ہوئی دعوت کو جس قدر جلد ممکن ہو کچل دینا چاہتے ہیں۔ تشدد اور غنڈہ گردی کا آغاز کیا جا چکا ہے۔ حضورؐ کے بعض کمزور اور بے سہارا ساتھیوں کے ساتھ شب و روز مظالم کا ایک سلسلہ جاری ہے مکہ کی پوری بستی مسلمانوں کے لئے عقوبت گاہ بنی ہوئی ہے اور کسی طرف سے ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا نہیں آتا ہے۔ بس ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ جس کا سہارا ہر لحظہ موجود ہے۔ باقی ساری بستی تو بچھوؤں اور سانپوں کی بانبی بن گئی ہے ہر کوچہ و گلی سے ہر طرف ہر وقت قتل کی خونی دھمکیوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔

ایسی ہی صورت حال ہے جب قریش کا ایک جرگہ بیٹھتا ہے جو اس ساری صورت حال پر غور کرتا ہے۔ جس سے اس نئی دعوت کے سبب مکہ کی بستی دوچار ہو گئی ہے۔ جرگہ کی طرف سے پہلے ایک نمائندہ جہاندیدہ سردار عتبہ آتا ہے۔

"میرے بھتیجے اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تم مالدار ہو جاؤ اگر عزت کی بھوک ہے تو ہم تمہیں بادشاہ عرب بنائے لیتے ہیں جو چاہو ہم کرنے کو تیار ہیں" وہ کہتا ہے۔

"تم نے میری بابت جو کچھ کہا ہے وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں میری حقیقت تم کو قرآن بتائے گا"

حضورؐ نے فرمایا اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ قرآن سن کر عتبہ پر محویت کا عالم طاری ہو گیا اور وہ چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔

پھر سارے سرداروں کا جرگہ حضورؐ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا اور دھمکی دی کہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔

چچا نے انتہائی دکھ درد اور محبت سے آپ کو بلا کر ساری بات بتائی اور کہا کہ اس حد تک معاملہ چلا گیا تو پھر میں بھی کچھ نہ کر سکوں گا یہ بات سن کر حضور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا۔

"چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھیں تو بھی اس کام سے نہیں ہٹ سکوں گا چاہے اس کام میں میری جان ہی چلی جائے"

اس پر چچا نے کہا۔ "تم بے خوف و خطر اپنا کام کئے جاؤ"

اس سے مایوس ہو کر پھر قریش کے جرگے نے آپ کو قوم کے سامنے بلانے کا فیصلہ کیا۔ حضور خوشی خوشی سرداران قوم کے اجلاس میں تشریف لے گئے۔ سرداروں نے پہلے لالچ دیا۔ مال، دولت، حسین عورت، بادشاہی علاج معالجہ جب ناکامی ہوئی تو پھر معجزات کے مطالبے کئے۔ نہریں، باغات، سونے کے پہاڑ، باپ دادوں کو زندہ کرنا جب بتایا گیا کہ رسول کا یہ کام نہیں ہے تو پھر دھمکیاں، مذاق اور استہزا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضور نے توحید، رسالت، آخرت اور دین کے اصولوں میں سرمو تغیر کرنے پر بھی آمادگی ظاہر نہ کی مسیلمہ کذاب نے بھی اسی طرح شرکت رسالت کا مطالبہ کیا تو حضور نے خندۂ استہزا سے ٹھکرا دیا بغرض بڑی

سے بڑی ہولناک آزمائش اور لالچ کے مقابلے میں حضورؐ نے اپنی دعوت کے اصولوں میں سرمو تغیر کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضور کے سارے دشمن اس بات کو خوب جانتے تھے کہ دین کے بارے میں حضور کی طرف سے نہ مصالحت ہوئی اور نہ مداہنت۔

جدید مستقر کا قیام

حضور کی انقلابی جدوجہد میں حالات کے مطابق منصوبہ بندی کا زبردست عنصر دکھائی دیتا ہے۔ تیرہ سال تک ہر ممکن طریقے سے دعوت دینے کے بعد حضور نے ان لوگوں کو دعوت کے ابتدائی علمبرداروں کے طور پر مزید آزمانا غیر ضروری سمجھا اس سے قوت اور وقت کا ضیاع ہوتا تھا اور چند مطلوب نتائج نہ نکلنے کی صورت میں مایوسی پیدا ہونے اور قوت کار مضمحل ہونے کا اندیشہ موجود تھا۔ چنانچہ مکہ کے لوگوں کی سنگ دلی اور ہٹ دھرمی دیکھ کر حضور نے دعوت اسلامی کا مرکز بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ظاہر ہے کہ ایک سرد انقلاب انسانوں کے اندر لانا ہوتا ہے اگر کوئی بستی بانجھ ثابت ہونے لگے یا ضرورت سے زیادہ وقت لینے لگے جس سے دعوت کے زمانی تقاضے مجروح ہوں تو پھر ایک عملی رہنما کے لیے دعوتی مستقر بدلے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

چنانچہ حضور نے دعوت کی شدت مزاحمت، ظلم و ستم اور کفار مکہ کی انتہائی سنگ دلانہ ہٹ دھرمی کو دیکھ کر دعوت کے پانچویں سال میں پہلے حبش کی موزونیت مستقر دیکھنے کے لیے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدی "وہاں کا بادشاہ رحمدل اور نرم خو ہے" حضور نے فرمایا چنانچہ مسلمان وہاں گئے تو شاہ حبش نے بلا شبہ ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا لیکن پردیس بہرحال پردیس ہی ہوتا ہے اور ہر وقت وطن کی خبروں پر مہاجرین کے کان لگے ہوتے تھے۔ پھر ایک اور قافلہ بھی وہاں گیا لیکن پھر مدینہ کے لوگوں نے آگے بڑھ کر اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا اور تین چار سال کے اندر مدینہ کی بڑی آبادی نے اسلام قبول کر کے اسے شہر اسلام بنا دیا۔ اسلام کے مبلغ حضرت مصعب بن عمیر نے بھی بہت کام کیا۔ چنانچہ وہاں سے ایک بڑا وفد حضورؐ سے بات کرنے آیا۔ بات چیت کے بعد حضور نے مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے نتیجہ میں مکہ کے مظلوموں کی خاصی تعداد آہستہ آہستہ مدینہ منتقل ہونے لگی۔ سب سے پہلے مہاجر ابو سلمہ تھے جو پہلے حبش گئے اور وہاں سے واپس آکر پھر مکہ والوں کی مشق ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور پھر ان کے بعد یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ حضور کے منتقل ہونے سے پہلے بیسیوں خاندان اور افراد اپنے طور پر اجازت ملنے کے بعد مدینہ منتقل ہو چکے تھے۔ حضور کی تشریف آوری سے پہلے نصف سے زیادہ صحابہ وہاں منتقل ہو چکے تھے۔

بہرحال مدینہ حضور کے ننھیال کا شہر بھی تھا اور اس کو نیا مستقر بنانے سے پہلے وہاں کے نمائندہ وفد کے ساتھ حضور نے کافی بات چیت بھی کی۔ انہوں نے بھی پہلے مرحلے پر ہی صورتحال کی نزاکت کا پورا پورا احساس کیا۔ مدینے پر سارے عرب کی تلواریں برسیں گی اور اشراف قتل ہوں گے اور بچے یتیم ہوں گے یہ سارے اندیشے ان کے سامنے تھے اور ان سارے خطروں کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے حضور کا ہاتھ ہی نہیں تھاما بلکہ حضور کے ہاتھ میں اپنا دست اطاعت دے دیا۔ حضور کو اپنا ہادی، سربراہ، سردار اور پیشوا تسلیم کیا اور آپ پر اپنی جانیں بھی نچھاور کر دینے کا عہد کیا۔ اس کے جواب میں حضور نے بھی وعدہ فرمایا کہ میری زندگی اور موت تمہارے ہی درمیان ہوگی اور میں تمہیں چھوڑ کر واپس نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ پرانے مستقر میں جہاں جہاں کی دھمکیاں دی

جا رہی تھیں۔ نئے مستقر میں حضور پر اپنی جانیں نچھاور کر دینے کے وعدے ہو رہے تھے۔ یہ بات فیصلہ کر دینے کے لئے کافی تھی کہ اب تحریک دعوت اسلامی کو اپنا مستقر بدل دینا چاہیئے اور آگے بڑھ کر نئے حالات کے مطابق نئے تقاضوں کا سامنا کرنا چاہیئے۔

مکہ سے مدینہ کے مستقر کی تبدیلی درحقیقت دعوت کی کامیابی کی طرف پہلا قدم تھا جو دن بدن اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر دین کے لئے نکل جانا اور نئی سرزمین کو دین حق کے تقاضوں کے لیے تلاش کرنا یہ صفت ابراہیمی بھی ہے اور سنت محمدی بھی۔ بہرحال حضور نے مستقر بدل کر اپنی قوم اور عالم انسانیت کی تقدیر بدل ڈالی۔

اس طرح تحریک کو ایک آزاد اور خود مختار مستقر فراہم ہو گیا جس میں آزادی کے ساتھ مشورہ کر کے سارے مسائل طے کئے جا سکتے تھے۔ بلکہ آگے بڑھ کر حضور کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ جو اب تک بیت المقدس تھا، یہود و نصاریٰ کے قبلے کے تحت ہو اس سے تحریک کی انفرادیت اور جداگانہ تشخص مجروح ہوتا تھا۔ حضور کی تمنا تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بھی یہود و نصاریٰ کے قبلے سے مختلف اور آزاد ہو۔ آپ نے ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا

"اے جبریل میری خواہش ہے کہ اللہ میرا رخ یہود کے قبلے سے پھیر دے۔"

حضرت جبریل نے فرمایا ....

میں تو محض ایک بندہ ہوں آپ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اسی سے درخواست کیجئے۔ چنانچہ حضور ایسا ہی کرتے رہے اور دعا میں اپنا رخ آسمان کی طرف اٹھاتے رہے یہاں تک کہ پورے ۱۸ ماہ بعد مسلمانوں کو آزاد مستقر کے ساتھ اپنا آزاد قبلہ بھی مل گیا اور حکم ہو گیا کہ فول وجھک شطر المسجد الحرام

اس طرح دعوت اسلامی نے اپنے نئے خدوخال پیدا کئے۔ قدیم مستقر کو سنگلاخ قرار دے کر بدل دیا گیا اور نئے قبلے کو دوسرے اہل مذہب کا تابع سمجھ کر تبدیل کر دیا۔ اس طرح تحریک اسلامی پوری طرح متعین اور مشخص ہو کر دنیا کے سامنے اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کے لئے نمایاں ہو گئی۔

آپؐ نے اسلامی تحریک کا منشور پیش فرمایا۔

حضورؐ کو بارہ سال دعوت پیش کرتے ہوئے گذر چکے تھے۔ آپ کی دعوت قریش سے گذر کر آس پاس کے قبائل عرب، طائف اور دوسرے مقامات تک پہنچ چکی تھی۔ قریش کی طرف سے مخالفت کا سلسلہ انتہائی زوروں پر تھا مسلمان دربار حبش کی طرف ہجرت کر چکے تھے اور اب تیسری مدنی ہجرت بالکل تیار سامنے تھی یہی وقت تھا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریک اسلامی کو وہ منشور دیا گیا جو حضور کی طرف سے قریش اور ساری دنیا کے سامنے پیش کیا جانا تھا۔ اول تو اس منشور کے دینے کا طریقہ ہی انتہائی حیرت انگیز تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو معراج عطا فرمائی پھر اس معراج میں وہ چودہ نکاتی منشور دیا جو قریش کے لئے لمحہ فکریہ پیش کرتا تھا اس سے پہلے حضور قریش سے متعدد بار فرما چکے تھے کہ تم اس دعوت کو قبول کر لو تو عرب و عجم پر تمہاری حکومت ہو گی اور تمہاری دعوت پر ساری دنیا لبیک کہے گی لیکن اکابرین قریش اب تک ہر معقول بات کو رد کرتے چلے آ رہے تھے جبکہ قریش کے دل و جگر کے

ٹکڑے شبانہ روز اسلام کے دائرے میں داخل ہو رہے تھے۔ اس سے قریش کی دشمنی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اب اتمام حجت کے طور پر ان کے سامنے اس تحریک کا منشور بھی پیش کر دیا گیا جس کا علم حضور اکرم ان کے درمیان اٹھائے ہوئے تھے تاکہ وہ اس منشور پر غور کریں اور اگر اس کے اندر ایک عالم نو کے امکانات محسوس کریں تو اس کے علمبردار بنیں۔ اس لئے کہ اس کی علمبرداری میں ہی ان کی حقیقی فلاح پوشیدہ تھی۔

ہجرت مدینہ یعنی مکہ کو چھوڑ دینے اور قریش پر اتمام حجت تمام کرنے سے ذرا پہلے انتہائی نفسیاتی موقعہ پر اس منشور کو پیش کیا گیا اس سے بہتر قریش کے لئے اور کوئی موقعہ نہ ہو سکتا تھا کہ وہ مفتوح ہو کر اسلام کے دائرے میں آنے کی بجائے اس کے علمبردار بن کر اٹھیں اور سارے عالم پر چھا جائیں۔

منشور کے نکات درج ذیل تھے۔

۱۔ صرف اللہ کی بندگی کی جائے اور اقتدار اعلیٰ میں اس کے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے۔

۲۔ تمدن میں خاندان کی اہمیت محفوظ رکھی جائے۔ اولاد، والدین کی فرمانبردار اور خدمت گذار ہو اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار رہیں۔

۳۔ سوسائٹی میں جو لوگ غریب اور معذور ہوں یا جو لوگ اپنے وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں وہ بے وسیلہ نہ چھوڑ دیئے جائیں۔

۴۔ دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مال دار اپنے روپے کو بری طرح خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

۵۔ لوگ اپنے خرچ کو اعتدال پر رکھیں۔ نہ بخل کر کے دولت کو روکیں اور نہ فضول خرچی کر کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کریں۔

۶۔ رزق کی تقسیم کا قدرتی انتظام کرنے والا مخلوق کو زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔

۷۔ معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے۔ آنے والی نسلوں کیلئے بھی وہی انتظام کرے گا۔

۸۔ خواہش نفس کو پورا کرنے کے لئے زنا کا راستہ بڑا راستہ ہے لہٰذا نہ صرف زنا سے پرہیز کیا جائے بلکہ اس کے قریب جانے والے اسباب کا دروازہ بھی بند ہونا چاہیئے۔

۹۔ انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے۔ لہٰذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے۔ نہ کوئی اپنے آپ کو قتل کرے اور نہ کسی دوسرے کو قتل کرے۔

۱۰۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے جب وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

۱۱۔ عہد و پیمان کو پورا کیا جائے انسان اپنے معاہدات کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

۱۲۔ تجارتی معاملات میں لین دین اور ناپ تول ٹھیک ٹھاک راستی پر ہونا چاہیئے، اوزان اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

۱۳۔ جس چیز کا انہیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔ وہم وگمان پر نہ چلو۔ کیوں کہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق خدا کے سامنے جوابدہی کرنی ہے کہ اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔

۱۴۔ نخوت اور تکبر سے پرہیز کرو۔ مغرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

ان چودہ اصولوں کے ذریعے حضورؐ نے معاشرے کو پاکیزہ ترین نہج پر استوار کرنے کے لیے جو اصول پیش فرمائے وہ آپؐ کی تحریک اور دعوت کے کردار کی خوبی کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر قریش ضد اور ہٹ دھرمی سے اجتناب کر کے ان اصولوں پر غور کرتے تو وہ سمجھ سکتے تھے کہ اس تحریک کے ذریعہ کتنا پاکیزہ معاشرہ کتنی اعلیٰ پائے کی انسانی تہذیب اور کتنا منصفانہ اور عادلانہ تمدن وجود میں آرہا تھا۔ یہ حضورؐ کی طرف سے "قریش کو وعظ و تلقین اور دعوت و انذار کے ذریعے سمجھانے کا آخری اور مؤثر ترین انداز تھا لیکن جب وہ دعوت کے اس انداز معراج سے بھی نہ سمجھے تو پھر انہیں خندق و بدر سے گذر کر مکہ کو اسلام کے لیے فتح ہوتے ہوئے اپنی ہی آنکھوں سے دیکھنا پڑا اور انہیں حضرت یوسف کے بھائیوں کی طرح اپنے اخی الکریم سے جان بخشی کی بھیک مانگنی پڑی۔ یہ الگ بات ہے کہ رحمت للعالمین تو اس وقت بھی اپنے ان جانی دشمنوں کو معاف ہی کر دینے والے تھے۔ جب حکمت دعوت کے سارے مراحل گذر کر دعوت قوت کا مرحلہ آگیا تھا۔

معاہدۂ مدینہ اور ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے قیام کا سنگِ بنیاد

مدینہ تشریف لانے کے بعد حضورؐ اور آپؐ کے صحابہ کی جماعت کی پوزیشن اب وہ نہ تھی جو مکہ میں تھی۔ مکہ میں وہ ایک ستم رسیدہ مظلوم گروہ تھا جو اپنی مدافعت میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہی نہ رکھتا تھا۔ لیکن مدینہ پہنچ کر وہ ایک آزاد اور خود مختار شہر میں تھے۔ جہاں کے باشندوں نے آپؐ سے عہد وفاداری باندھا تھا۔ یہ لوگ آپؐ سے عقیدے کے نظریاتی رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ اب مدینہ میں ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی جا رہی تھی جس سے مدینے کی بستی کی حیثیت بہت کچھ بدل گئی تھی۔ مدینے میں یہود بھی ایک قوی گروہ تھے۔ جن کے قلعے تھے اس لیے اب ہر قوت کا مقام از سر نو متعین کرنے کی ضرورت تھی۔ اپنی اولین فرصت میں حضورؐ نے ایک منشور مرتب فرمایا چنانچہ یہ منشور مختلف گروہوں کے دستخط ہو کر باقاعدہ نئی حکومت کا آئین بن گیا۔ اس منشور کی کسی شق سے بھی کسی کو بظاہر اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔

"یہ تحریر محمد النبی کی طرف سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اور کاروبار میں ان کے ساتھ شامل ہیں کہ یہ سب ایک ہی قوم (وطنی سطح پر) سمجھے جائیں گے۔ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں اور جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا۔ تو اس کے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے۔ مسلمان ان کی نصرت کریں گے۔ معاہد قوموں کے تعلقات باہمی خیر خواہی، خیر اندیشی اور

فائدہ رسانی کے ہوں گے ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شریک رہیں گے یہودیوں کی ماتحت قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔ کوئی شخص اپنے معاہدہ کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا اور مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی مدینے کے اندر کشت و خون کرنا اس معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر حرام ہوگا۔ زنہاری بھی معاہد قوموں جیسے سمجھے جائیں گے۔ اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمد رسول اللہؐ کے متعلق سمجھا جائے گا۔"

یہ ایک ایسی امن پسندانہ صلح جویانہ اور بھائی چارے پر مبنی تحریر تھی کہ جن پر دستخط کرتے ہوئے کسی کو بھی رکاوٹ نہ ہوتی تھی لیکن دوسری طرف اس کے ذریعے مدینہ میں ایک ایسی مرکزی قوت وجود میں آگئی جو محمد رسول اللہ کو رسول تسلیم کرتی تھی اور معاہد قوموں سے صلح مندی کے ذریعے تعلق قائم رکھنا چاہتی تھی۔ اس پر مدینہ کے سب گروہوں کے دستخط ہو گئے۔ اور حضورؐ نے کوشش کی کہ آس پاس کے قبائل کے بھی اس پر دستخط ہو جائیں۔ چنانچہ چند دیگر قبائل نے بھی دستخط کر کے اس مدنی قوت کی پناہ حاصل کر لی۔ اس طرح مدینہ میں تشکیل ریاست کے اس معاہدے سے نراجیت اور قبائلی تشدد کی انارکی کا خاتمہ ہو گیا اور اس سے تمام فیصلوں کا آخری اختیار محمد رسول اللہ کے ہاتھ میں آگیا۔ اس طرح حضورؐ نے کمال حکمت سے نراجیت انارکی اور مختلف قبائل کی منتشر قوت کے اندر سے جہاں درس و مرج کو بھی یہ مرکزی پوزیشن حاصل نہ تھی حضورؐ نے بیعت منشور کے ذریعے پہلے ایک مرکزی اقتدار وجود میں لائے پھر تمام گروہوں کا رخ اطاعت و تعاون کی طرف موڑا۔ پھر تمام نزاعی امور کے فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر اس مرکزی اقتدار کو اسلام کی طرف منتقل کر دیا۔ یوں بلا خون خرابہ صرف مسائل کو دانش و حکمت سے مرتب کرنے سے ایک اسلامی اقتدار وجود میں آگیا اور وہی اقتدار اسلامی ریاست کا مرکز و محور قرار پایا۔ یہ اقتدار خالص نظریاتی اور اصولی تھا اس میں کسی نسلی یا گروہی بنیاد پر اقتدار منتقل نہیں ہوا تھا اس منشور نے جو قومیت قرار دی تھی وہ قومیت اس اقتدار کے تحفظ کے لئے دفاعی نوعیت کی علاقائی قومیت تھی جو معاہدے سے وجود میں آئی تھی۔

مواخاۃ ۔ نظریاتی اسلامی برادری کا قیام

مدینہ تشریف لانے کے بعد اولین کام جو حضورؐ نے سرانجام دیا وہ ایک معاہدے کے ذریعے مرکزی اقتدار کی تخلیق تھی جس سے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی اس کے بعد دوسرا فوری کام ان بے یار و مددگار اور بے گھر و بے در مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا جو مکہ اور دیگر قبائل کی طرف سے کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سے پریشان ہو کر حضورؐ کے حکم کے تحت اس نئے اسلامی مستقر کی طرف منتقل ہو رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی وسائل نہ تھے اور نہ ہی ریاست کے پاس کوئی مؤثر ذرائع تھے۔ مقامی آبادی انصار مدینہ کی معیشت بھی متوسط درجے کی تھی۔ مہاجرین کے مسئلے کا بہترین حل حضورؐ نے مواخاۃ کے ذریعے تلاش کر لیا۔ انصار کے مختلف گھرانوں میں مہاجرین کے مختلف گھرانوں کو اسلامی بھائی بنا کر مہمانوں کی حیثیت سے آباد کر دیا گیا۔ ایک گھر کے لئے کسی ایک گھر کے افراد کو بطور

مہمان اپنے جیسے یا اپنے سے کچھ کم تر حیثیت کے ساتھ گزارا کرنا کچھ مشکل نہ تھا اس طرح پوری مہاجرین کی بے گھر آبادی مواخاۃ کے اصول کے تحت ایک دن کے اندر اندر اپنے انصار دینی بھائیوں کے گھروں میں ابتدائی امداد کے طور پر آباد ہو گئی پھر پاؤں سے بازار تک جانے کے بعد تو کسی کے لئے بھی مشکل نہیں ہوتا کہ وہ جلد یا بدیر اپنے لئے نئے وسائل پیدا کرلے چنانچہ بعض مہاجرین نے تو ایک دن بھی اپنے انصار اسلامی بھائی پر بوجھ بننا پسند نہ کیا اور بعض چند دن رہ کر پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم نے اسلامی برادری کو مواخاتی اصول کے تحت آباد کر کے ایک طرف اسلامی ریاست کا جو ابھی کوئی وسائل نہ رکھتی تھی سارا بوجھ آبادی کی طرف منتقل کر دیا۔ پھر ان کو باہم ایک شہر کے باشندے بن کر رہنا تھا۔ مستقل مہاجر اور انصار بن کر تو رہنا نہیں تھا اس لئے ایک ساتھ رہنے سے ان میں باہمی محبت و یگانگت اور تہذیبی یکسانی کے تعلقات پیدا ہو گئے اس طرح انہیں باہمی ایک دوسرے کے اطوار اپنانے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ مدینہ کی جدید و قدیم آبادی دو مختلف گروہوں پر مشتمل ہونے کے باوجود باہمی بالکل شیر و شکر ہو کر رہ گئی اس حکمت آباد کاری نے مہاجرین اور مقامی لوگوں کے درمیان منافقت کا مسئلہ بھی حل کر دیا اور مسابقت کا بھی دونوں کے درمیان کوئی غیریت باقی نہ رہی۔ بالآخر دونوں گروہ باہمی اس طرح گھل مل گئے کہ ان میں مہاجر اور مقامی کی بنیاد پر کوئی تنازعہ پوری تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ حضور اکرم کی اس حکمت آباد کاری سے ان کے سیاسی معاشرتی اقتصادی بلکہ نفسیاتی سارے ہی مسائل حل ہو گئے۔ مہاجرین کی کاروباری سوجھ بوجھ سے مدینہ کی کاروباری اور اقتصادی حالت پر بھی بہت اچھے اثرات پڑے۔

دعوتِ اسلامی کے مرکز کی تعمیر

حضورؐ حد درجہ دور اندیش، مدبر و مفکر، عقل خداداد کے مالک اور پختہ کار با بصیرت سیاست دان تھے۔ آپؐ جانتے تھے کہ اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کی تنفیذ کے لئے ایک مرکز کا قیام اور اس مرکز کی تعمیر و ترقی وارتقا انتہائی ضروری ہے چنانچہ آپ نے سب سے پہلی فرصت میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھ دی۔ جو دین و دنیا کے مشترکہ اقتدار کا نشان اور بندگی رب کی حامل تحریک کی مکمل عملی علامت ہے۔ یہی عبادت گاہ تھی یہی دار شوریٰ اور یہی مسلم جماعت کا مقام اجتماع تھا یہیں معاہدے ہوتے۔ وفود مرتب ہوتے، وفود کا استقبال کیا جاتا۔ دعوتی خطوط کا دفتر اور عسکری کارگزاریوں اور سرگرمیوں کا مرکز تھی اسی میں جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری ہوتی۔ اسی میں انفاق فی سبیل اللہ کی اپیل کی جاتی تھی۔ یہیں نزاعات کے فیصلے ہوتے تھے یہیں اتمام و سزا تجویز ہوتے تھے۔ غرض مسجد نبوی پہلی اسلامی ریاست کا مکمل سیکرٹریٹ تھا۔ اور اسی کے متصل ہر وقت موجود اور تیار مبلغین کی قیام گاہ صُفّہ پر تھی۔ وہیں حضور اکرم کے رہائشی حجرات تھے۔ مستشرقین کو حضورؐ کے مکہ میں نبی اور مدینہ میں بادشاہ ہونے کا جو شکوہ ہے اگر وہ اس بادشاہت کو دیکھ لیتے جو اللہ کے دین نے حضور کو عطا فرمائی تھی تو شائد وہ قائل ہو جاتے کہ زمین پر یہی وہ آسمانی بادشاہت تھی جس کی دعا حضرت عیسیٰ نے فرمائی تھی۔

مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ کے اندر حضور نے اسلامی ریاست کا نشان جھنڈا بھی تیار کر لیا۔ جو سب سے پہلے عبداللہ بن حارث کو عطا کیا گیا تھا تاکہ وہ اسے دشمنوں کے مقابلے میں بلند کریں۔ اس طرح کلمے کے نعرے کے بعد اسلامی ریاست کا ایک تشخص بھی وجود میں آ گیا۔ مدینہ میں اس طرح اسلامی قوت کا مرکز ہو جانا قریش کو بھی کھٹک رہا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب مدینے میں جو تجارتی شاہراہ کے قریب ہے اسلام کی قوت کی موجودگی ان کے لیے کھلا چیلنج ہے۔ وہ اگر ان کا دین روکیں گے تو مسلمان انکی تجارت روکیں گے

حضورؐ اکرم نے اب مسجد میں نماز کو لازم قرار دیدیا جو اسلام کی تمام سرگرمیوں کا مرکز اور مدینے کی اسلامی ریاست کا بھی اب یہی مرکز تھی۔ تاکہ اس مرکز میں مسلمان دن میں پانچ بار جمع ہوں۔ درس تہذیب و تمدن لیں۔ قرآن کا مطالعہ کریں۔ سنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اپنے کرداروں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں اور یکجا آزاد رہائش سے ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھیں۔ یہیں سب مسلمانوں کو اخوت، ہمدردی، تعارف، حریت معاشرتی عدل کی تعلیم دی گئی اور مذہبی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی حیثیت بھی تسلیم کی گئی حضور نے اپنی تمام ہی معاشرتی، اخلاقی، دینی، سیاسی اور عدل و انصاف کی سرگرمیوں کا مسجد کو ہی محور قرار دیا۔ باجماعت نماز کے اہتمام سے مسلمانوں کو نظم و ضبط کا درس دیا۔ ایک امام کی قیادت میں نماز ادا کرنے سے اطاعت امیر اور ایک آواز پر حرکت کرنے کی مشق پیدا کی۔ غرض اس مرکز نے مسلمانوں کی اخلاقی، دینی، معاشرتی اور عسکری تعلیم و تربیت میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ گویا مدینہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ تھا تو مسجد نبوی اسلامی حکومت کا مرکزی سیکرٹریٹ، پارلیمنٹ عدالت عالیہ اور عسکری تیاریوں کا مرکز تھی۔

قریش کی دھمکی پر اندرونی فتنے کا علاج

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں جا کر امن و چین سے رہنے لگے ہیں اور اپنے دین کی ترقی میں سرگرم ہو گئے ہیں تو انہوں نے کفار مدینہ اور منافقین کو ایک پیغام کے ذریعے مندرجہ ذیل دھمکی دی۔

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا ہے۔ اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا اسے وہاں سے نکال دو ورنہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ ہم یکبارگی تم پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔"

یہ دھمکی بڑی کارگر ہوئی اور کفار مدینہ اور منافقین کا ایک مجمع لگ گیا جہاں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے حضور اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ کو بھی اطلاع مل گئی چونکہ آپ اپنے مخالفین کے بارے میں انتہائی باخبر رہتے تھے۔ آپ فوراً اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس مجمع میں بے دھڑک پہنچ گئے اور ان سے مخاطب ہوئے۔

"دیکھو قریش نے تمہارے ساتھ ایک ایسی چال چلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آ گئے تو تمہارا بہت زیادہ نقصان ہوگا اس کی بہ نسبت کہ تم ان کی اس بات سے انکار کر دو گے۔ کیوں کہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) قتل کرو گے۔ اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں سے مقابلہ ہوگا۔

حضور اکرم کی یہ دل نشین مدلل باتیں سن کر مجمع منتشر ہو گیا اور ایک خطرناک اندرونی شورش کا خطرہ حضور کی حکمت و دانش سے ٹل گیا۔

تجارتی قافلہ کی بجائے مسلح لشکر سے ٹکراؤ کا فیصلہ

کفار قریش کا قافلہ تجارت شام سے لاکھوں روپے کا مال لے کر مکہ جارہا تھا اور وہ مسلمانوں کی زد میں تھا۔ قافلے کا سردار ابوسفیان جانتا تھا کہ مسلمانوں کا وجود ان کی تجارتی شاہراہ کے لئے دھمکی ہے چنانچہ اس نے مکے آدمی دوڑا دیا کہ قافلہ خطرے میں ہے قریش نے مسلمانوں کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کا عزم کر کے مسلح افراد پر مشتمل ایک لشکر قافلے کی امداد اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔ اب حضور کے سامنے یہ صورت تھی کہ اگر قافلے پر جاتے ہیں تو بھی لشکر کفار سے مقابلہ ضروری ہے اور اگر کہیں نہیں جاتے اور بیٹھے رہتے ہیں تو عرب میں اسلام کی قوت کی ہوا ہمیشہ کے لئے اکھڑ جاتی ہے اور آس پاس کے قبائل بھی شیر ہو جاتے ہیں چنانچہ حضور نے انتہائی بے سروسامانی اور ہجرت کی بے گھری اور بے دری کے باوجود لشکر کفار سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لئے اپنے ساتھیوں کی وسیع مجلس میں مشورہ کیا۔ اکثر کی رائے تو یہی تھی کہ قافلہ آسان اور فائدہ مند ہے، اسے لے لیا جائے لیکن حضور کے بار بار اصرار پر لوگ سمجھ گئے کہ حضور کا ارادہ قافلہ کا نہیں ہے لشکر کا مقابلہ کرنے کا ہے مہاجر مسلمان تو مکہ کی ۱۳ سالہ مار کھا کر تحریک اسلامی کے پختہ کارکن بن چکے تھے اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑھ چڑھ کر کہا کہ ہم جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں، آپ جہاں چاہیں ہمیں لے چلیں۔ لیکن انصار کو ایسی بے سروسامانی کے ساتھ اس سے پہلے کسی معرکے میں شرکت کا موقعہ نہ ملا تھا۔ اس لئے حضور نے ان کی رائے کا انتظار فرمایا تو انصار کے سرداروں نے بھی پرزور تائید کی اور بالآخر قافلہ کی بجائے لشکر سے ٹکرانے کا فیصلہ ہو گیا۔ لشکر کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے سروسامانی بھی بے مثال تھی۔ دو تین گھوڑے، چند اونٹ، تھوڑی سی زرہیں اور کچھ تلواریں اور نیزے۔ غرض اگر بدر کو غزوہ عسرت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ لیکن حضور کی دانش اور سیاسی بصیرت یہ جانتی تھی کہ وہ وقت اسلام کی تحریک کے لئے زندگی اور موت کا وقت تھا اور سارا عرب اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ایک جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی ضرورت تھی اس کے بعد نتیجہ قدرت کے ہاتھ میں تھا بدر کی عسکری رزم آرائی سے محجوب ہو کر بیٹھ رہنا سسک سسک کر مرنے کے مترادف تھا اور اس میں مردانہ وار کود جانا عزت کی موت اور عزت کی شاندار زندگی دونوں کی طرف جانے والا یقینی راستہ تھا حضور نے جرأت اور مردانگی اور اسلام کی آبرو کا راستہ اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جرأت مندانہ قدم کو فتح سے پذیرائی بخشی اور مسلمانوں کو روحانی قوت، مضبوط تنظیم، وحدت قیادت اور اطاعت خدا و رسول کی خوبیوں کی بنا پر کامیابی عطا فرمائی۔ معرکہ بدر نے یہ بھی سبق دیا کہ ایک قلیل گروہ جرأت ایمانی اور یقین محکم سے کثیر گروہ پر غالب آسکتا ہے اور یہ بھی سبق دیا کہ مال کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو جہاد فی سبیل اللہ زیادہ پسند ہے۔

کفر کے مقابلے میں ڈٹ کر رہنے کا پُرعزیمت راستہ

حضور نے اپنی تمام تر مادی مشکلات، افرادی قوت کی کمی، دشمنوں کی بھاری تعداد کثیر وسائل اور پے بہ پے ہجوم مخالفت کے باوجود ہمیشہ ڈٹ کر رہنے کا پرعزیمت راستہ اختیار کیا۔ کبھی بھی کفار کی کثرت تعداد اور کثرت سامان سے نہ مرعوب ہوئے اور نہ ان کے رعب میں آکر اپنی پالیسی اور طرز عمل کو نرم کیا۔ جتنی نرمی حضور کے مزاج میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں تھی اسی قدر سختی اور استقامت کفار کی چیرہ دستیوں کے مقابلے میں تھی۔ اللہ تعالیٰ کا بھی حضور کے لئے یہی حکم تھا۔ ایک اسلامی تحریک کا فرض کے نسخے میں

ایسا ہی پروقار طرزِ عمل رکھنے پر مامور ہوتی ہے۔ کافروں کے دباؤ سے دب کر صلح کی درخواستیں کرنا اور اپنی پالیسیاں تبدیل کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، فرمایا گیا

فلا تھنوا و تدعوا الی السلم و انتم الاعلون (محمد ۳۵)

پس تم —— نہ ہو اور صلح کی درخواست نہ کرو تم ہی غالب رہنے والے ہو۔

غرض حضور اکرمؐ نے مکہ کی سخت ترین حالت میں بھی جب کہ جان کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا تھا اور دوسری طرف لالچ کے بے شمار مواقع تھے آپ نے کفار کی درخواست اور خواہش کے باوجود ان کی کسی دھمکی اور حملے کی پرواکئے بغیر نہ دب کر صلح کی اور نہ ان کے سامنے امن و سلامتی کی درخواستیں پیش کیں۔ شعب ابی طالب کا تین سالہ دور عسرت گزارا بھوکے بچوں کو بلکتے دیکھا کمزور مسلمانوں کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پایا۔ مدینہ میں کفار کا نرغہ، معاشی مقاطعہ اور بار بار کے جان لیوا حملے برداشت کئے لیکن دشمن سے دب کر رہنے اور اپنی جان بچانے کے لئے درخواستیں دینے کا رویہ کبھی اختیار نہ کیا۔ تحریک کا یہی مردانہ وار کردار تھا۔ جس کی وجہ سے دشمنوں پر اس کا رعب اور دوستوں کے لئے اخلاص کے ساتھ اس کا ساتھ دینا ممکن تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ حق حق نہیں ہے جو باطل کے سامنے اپنی سلامتی کی درخواستیں لے کر جائے اور اپنے مفادات کے تحفظ کی اس سے التجائیں کرے یہ اس کے تاریخی کردار کے منافی طرزِ عمل ہے حضورؐ کا پورا کردار اس پر عزیمت سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اور آپ کا یہ طرزِ عمل حکم خداوندی کے عین مطابق تھا۔

فرمایا گیا۔

"اے مسلمانو کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔" (الانفال ۳۹)

مزید سختی سے فرمایا گیا۔

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں (البقرہ - ۱۹۰)

دشمن کو مکمل طور پر کچل دینے کی پالیسی بتاتے ہوئے فرمایا۔

"کسی نبی کے لئے زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔" (الانفال - ۶۷)

دشمن کے خلاف ہر وقت تیار رہنے کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے رکھو اور اس کے ذریعے سے اللہ اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ جانتا ہے۔ (الانفال - ۵۹)

گویا حضورؐ کے لئے دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہر وقت تیار رہنا اللہ تعالیٰ کی طے کردہ پالیسی کا حصہ ہے۔ دشمنوں کو اپنی

تیاریوں سے خوف زدہ کرنا ان کے خلاف ہر ممکن حد تک قوت فراہم کرنا وہ مستقل پالیسی ہے جو تحریک اسلامی کو خود اللہ تعالےٰ کی طرف سے دی گئی ہے حضورؐ سختی سے اس پالیسی کے پابند تھے۔ چنانچہ حضور صلعم کی بات چیت بھی کبھی کمزوری کی حالت میں نہیں بلکہ اپنی بالا دستی کی حالت میں کرتے تھے اور وہ بھی اس صورت میں جب دشمن کی طرف سے اس کی پیشکش یا درخواست ہوتی تھی اس صورت میں حضورؐ کا رویہ انتہائی فراخدلانہ اور فیاضانہ ہوتا تھا۔

ہرقل روم کی تیاریوں اور اس کے حملے کی خبر ملی تو حضورؐ نے فی الفور اس کا حملہ سرحد شام پر ہی روکنے کا فیصلہ کرلیا آپ مارا مار بڑی سے بڑی تیاری کر کے تبوک کے لئے روانہ ہوگئے۔ ہرقل روم اسلامی لشکر کی اتنی سرعت رفتار مقابلے کیلئے تیاری اور جرأت کردار دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ مسلمانوں کی عرب کے اندر فتوحات کو وہ پہلے سے جانتا تھا اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کی بڑے بڑے لشکروں پر فتوحات کی خبریں بھی اس کے علم میں تھیں چنانچہ اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ وہ فوری طور پر مقابلہ کرنے کی بجائے طرح دے۔ حضورؐ نے دشمن کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور نہایت باوقار طریقے پر تبوک پر پڑاؤ کیا آس پاس کے قبائل بھی پوری طرح سے باخبر تھے وہ اس نئی قوت کو یوں ابھرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اس لئے جوق در جوق وہ مطیع فرمان بن کر معاہدات کے ذریعے مسلمانوں کے معاون و مددگار بن گئے اس طرح اسلام کے لئے دور دور تک راستہ کھل گیا جرأت کردار حضورؐ کی سیاسی حکمت عملی کا بنیادی پتھر ہے۔ جو ہمیں اسلامی تحریک کے تعمیری خدوخال میں ہر جگہ ہر کہیں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

دشمن کی درخواست صلح پر بے جھجک جرأت مندانہ پذیرائی

حضورؐ کا طریقہ یہ تھا کہ دشمنی کرنے والے سے کبھی نہ دبتے لیکن جو دشمن دب کر صلح کی درخواست کرتا آپ اس سے انتہائی فیاضی اور نرمی سے پیش آتے اور اسے ہر ممکن رعائت جان و مال و آبرو کی دیتے۔ یہ حضورؐ کا طرز عمل قرآن کی طے کردہ پالیسی کے مطابق ہی تھا۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم ۝ (الانفال - ۶۱)

"اور اے نبی اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہو تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

یہ وہ جرأت مندانہ کردار ہے جو خدا نے اپنے نبی اور اسلامی تحریک کے کارکنوں کو سکھایا ہے کہ اگر دشمن صلح کرنے پر آمادہ ہے تو پھر خواہ مخواہ نزاع، خون خرابہ، اور خلق خدا کو مبتلائے آزمائش رکھنے کی بجائے باوقار صلح کر کے اس پر احسان کیا جائے اور اگر اس کا ارادہ دھوکے کا ہے تو بھی اللہ پر توکل کیا جائے جس اللہ نے اب دشمن کے مقابلے میں آپ کو اتنی قوت دی ہے کہ وہ دب کر صلح چاہتا ہے وہی اللہ اس کے دھوکے کا بھی علاج کر دے گا بہر حال صورت حال کے جرأت مندانہ کردار کے ساتھ نپٹا جائے اگر وہ دھوکا کرے گا تو پھر دوبارہ کسی رعائت کا مستحق نہ ہوگا۔

حضورؐ کا یہی جرأت مندانہ کردار ہے جو ہمیں صلح حدیبیہ میں دکھائی دیتا ہے اور یہی کردار غزوہ تبوک میں نظر آتا ہے۔

آپ ہر مقابلے میں باوقار، پرسکون، فیاض اور فراخ حوصلہ ہیں اور یہی آپ کی کامیابی کی دلیل ہے۔

دُشمنوں کو ممنُون احسان کرنا

حضور انسانی اور اخلاقی سطح پر ہر ذی روح کے لیے رحمۃ للعالمین تھے اس لیے حضور کی اسی حیثیت کا ایک پہلو تو یہ بھی تھا کہ آپ سیاسی مسائل میں بھی دشمنوں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے کا راستہ اپنا گئے تھے جب جنگ بدر میں کافر قیدی گرفتار ہوئے تو حضورؐ نے ان کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کا اہتمام فرمایا۔ خوراک ہیں، سواری ہیں یہاں تک کہ رہائی تک میں معمولی شرائط پر انہیں آزاد کر دیا۔ حضور کو دشمن کے قیدیوں کی معمولی تکلیف تک بھی گوارا نہ تھی۔

پھر جب اس دشمن کے شہر مکہ میں سخت قحط پڑا اور غلہ ناپید ہو گیا تو حضورؐ نے صلہ رحمی کا احترام کرتے ہوئے مکے کے سردار اور اپنے بدترین دشمن ابوسفیان کو ۵۰۰ اشرفیاں قحط زدہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے روانہ فرمائیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے عوام آپ کو ایک شریف دشمن کہنے لگے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ حضور نے مکہ والوں کو غلہ بھی ارسال فرمایا تھا۔ یہ گویا آپ کا ایک ایسا پیارا انداز ہے جس سے غیر محسوس طور پر ہر شخص متاثر ہو جاتا ہے۔

خبر رسانی اور دشمنوں کی صفوں میں اپنے آدمی رکھنا

حضور کا خبر رسانی کا نظام نہایت مؤثر جامع اور مکمل تھا۔ اس کام کو حضور نے بس افواہوں اور چلتی پھرتی اور سنی سنائی باتوں پر ہی نہیں چھوڑا ہوا تھا بلکہ آپ نے اس کا مؤثر اہتمام فرمایا اور ایک نظریاتی تحریک کے لئے یہ کام کچھ دشوار نہیں ہو گا اگر وہ ذرا بیدار مغزی، تنظیمی صلاحیت اور مستعدی کا ثبوت دے تو نظریہ سے متاثر ذہنی اور قلبی طور پر اس سے ہم آہنگ افراد انسانی زندگی کے ہر گوشے میں اور مخالفین کی صفوں کے اندر دور دراز کناروں تک میں مل جاتے ہیں۔ حضور اس کا جامع انتظام فرماتے تھے کہ آپ کو دشمن کی سرگرمیوں، آئندہ ارادوں اور پروگراموں اور منصوبوں کی بروقت، مؤثر اور حقیقی خبر ملتی رہے۔

یوں تو ہر قبیلے میں آپ کے نامہ نگار اور ہم خیال لوگ موجود تھے لیکن قریش جو حقیقی دشمن اور مدمقابل تھے ان کے اندر تو آپ کے بڑے مؤثر نامہ نگار اور مخبر موجود تھے۔ یہی سبب تھا کہ آپ مکہ پر بلاخون بہائے قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جنگ احد میں بھی ان پیشگی اطلاعات سے تیاری کرنے میں آپ کو مدد ملی تھی اور پھر قریش کے لوٹ جانے کے بعد واپس پلٹ کر حملہ کرنے کے بارے میں آپ کو باوثوق ذرائع سے خبریں ملی تھیں۔ خصوصاً جنگ خندق کے موقعہ پر تو خبر رسانی کے اس نظام نے بہت اعلیٰ کردار ادا کیا اور حضورؐ کو احزاب کے آنے سے بہت پہلے تیاریاں کرنے خندق کھودنے اور اپنے انتظامات مضبوط کرنے کا موقعہ مل گیا اگر وہ سارے احزاب جو دس بارہ ہزار کی فوج پر مشتمل تھے۔ یکبارگی مدینہ پر چڑھ آتے اور مدینہ والوں کو اچانک کسی ہولناک صبح کو ان کی آمد کا علم ہوتا تو تباہی و بربادی اور ناکامی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ اور اسلامی تحریک پورے طور پر کچل کر رہ جاتی۔ یہ آپ کا اعلیٰ پائے کا نظام خبر رسانی تھا جس نے آپ کو بہت پہلے آگاہ کر دیا

اس طرح جب حضورؐ نے یہودیوں کے مختلف قلعوں پر مدینہ اور خیبر میں مختلف اوقات میں حملے کئے اور محاصرے کئے تو بیشتر ان کی خبر رسانی سے ہی حملے کو کامیاب کرنا یا محاصرہ کو مؤثر کر کے انہیں مجبور کرنا ممکن ہو سکا حضورؐ کے خبر رساں ہر اس گروہ میں موجود رہتے تھے جو اسلامی تحریک سے مخالفانہ تعلق رکھتا تھا۔

نہ صرف دشمن کی خبروں سے حضورؐ آگاہ رہتے تھے بلکہ اپنی خبروں سے اسے بے خبر رکھنے کا بھی بہت اعلیٰ اور مؤثر انتظام فرماتے تھے۔ جب خندق کے معرکے میں قریش مدینہ پر قبائل غطفان وغیروں کو اتنی بڑی تعداد میں چڑھا لائے اسی زمانے میں حضور عرب کے شمال دومۃ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے۔ آپ کے سراغرسانوں نے آپ کو قریش کے ارادوں سے آگاہ کیا تو آپ آدھے راستے سے ہی واپس تشریف لے آئے اور آکر خندق کی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں قریش اور قبائل کے مشترکہ لشکر سے پہلے پہلے خندق کی جنگ کی تیاریاں مکمل کر لیں جو آپ کے نظام سراغ رسانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ لیکن جب حضور نے فتح مکہ کی مہم کا پروگرام بنایا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اگر کسی نے غلطی سے کوئی پیغام قریش کو بھیجا بھی تو وہ پیام رساں ناکہ بندی کے سبب راستے میں ہی پکڑا گیا اور قریش تک نہ پہنچ سکا غرض حضورؐ مکے پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ قریش مکہ کو بے خبری میں جا لیا۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے حضور پہنچ گئے اور اسلامی فوج کے کیمپ کی روشنیاں اور آگ دیکھ کر انہیں پتہ چلا کہ کوئی لشکر ان کے سر پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا تھا جس کا مقابلہ اب ان کے بس سے باہر تھا اس طرح دشمن کی خبروں سے آگاہ ہونا اور اپنی خبروں کو مکمل کنٹرول میں رکھنا یہ حضور کی حکمتِ سیاست کا بہت مؤثر حصہ تھا۔

حضورؐ کی حکمتِ سیاسی کا یہ بھی حصہ تھا کہ اپنی کوئی کمزوری دشمن پر کبھی ظاہر نہ ہونے دیتے تھے ہمیشہ رعب، وقار اور جرأت کے مظاہرے سے دشمن پر اپنا وزن قائم رکھتے۔ صبر و استقلال توکل علی اللہ اور ہمت و شجاعت آپ کے جنگی ہتھیار بھی تھے اور سیاسی ہتھیار بھی۔ ان سے آپ ہر جگہ اور ہر حالت میں کام لیتے تھے۔ مکہ میں جب آپ دشمنوں کے نرغے میں ہیں اور آپ کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ تو آپ صبر و تحمل کی نادر مثال قائم کرتے ہیں جس کا نمونہ تاریخ میں نہیں ہے اور جب آپ کو دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے، ان کا قوت اور حکمت سے مقابلے کرنے کا حکم ہوتا ہے تو آپ جس دانشوری جرأت اور بے سروسامانی میں بڑے بڑے ساماں والوں کا مقابلہ کرتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ ایک بے مثال واقعہ ہے۔

حج اور عمرے میں رَمل کا طریقہ بھی اسلام میں کفر کے مقابلہ میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ہی جاری کیا گیا تھا جو اتنا پسند کیا گیا کہ قیامت تک اسے ارکان حج و عمرے کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

دشمنوں سے باری باری نپٹنے کی حکمت

جب کوئی نظریاتی اور اصولی دعوت اٹھتی ہے تو دنیا بھر کی آفتیں جو اس کی کامیابی میں اپنی موت دیکھتی ہیں اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتی ہیں حضور اکرم نے جب دعوتِ اسلامی کا آغاز کیا تو مخالفتوں کا زور بھی دعوت کے زور کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ جوں جوں دعوتِ اسلامی مختلف مفاد یافتہ عصبیتوں کے لئے خطرہ بنتی چلی گئی، مخالفوں کی صف میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

قریش مکہ اپنی سرداریوں، معاشی اجارہ داریوں، خاندانی عداوتوں باپ دادا کی عصبیتوں کے سبب مخالف تھی تو مختلف قبائل عرب قریش کے حلیف ہوئے اور بعض دیگر وجوہ سے مخالف ہو گئے۔ یہودیوں نے اپنی دیرینہ بیماری اور قلبی ناگلی کے سبب مخالفت رسول کا تاریخی کردار اپنے ذمے لے لیا۔ اور سازشوں، جوڑ توڑ، اکھاڑ پچھاڑ اور قبائل کو اکسانے اور بھڑکانے میں لگ گئے۔ منافقین اپنے دل کی نامسلمانی اور دنیاوی مفاد پرستی کا بت پوجنے لگے۔ غرض دعوت کے میدان میں آتے ہی مختلف نوعیت کے مخالفین میدان کارزار میں سرگرم عمل ہو گئے۔

آغاز دعوت کانٹوں کے بھرپور انبار کے درمیان نرم و نازک پھول کی مانند ہوتا ہے وہ کھلتے ہی اتنی شدید مخالفتوں میں گھر جائے تو اس کے لیے جانبر ہونا مشکل ہو جاتا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفتوں کے اس ہمہ پہلو طوفان بلاخیز میں سے اپنا راستہ نکالا۔ آپ نے انتہائی بیدار مغزی، مستعدی اور سفارتی سرگرمیوں کے ذریعے مختلف دشمنوں کو بیک وقت اور مشترکہ طور پر برسر عمل آنے سے اکثر اوقات نہایت کامیابی سے روکا۔ بس ایک احزاب کا مشترکہ اقدام ہی وہ کر سکے۔ لیکن اسے بھی حضور نے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی تدابیر کے ذریعے اس انداز میں سنبھالا کہ اس میں باہمی پھوٹ پڑ گئی وہ احزاب جو عرب بھر کی قوت سمیٹ کر مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھ دوڑے تھے۔ بالکل بے بس اور مایوس ہو کر اس مختصر سی بستی کو ناقابل فتح قرار دے کر واپس لوٹ گئے اس کے علاوہ حضور نے مختلف دشمنوں سے نپٹنے کے لئے ہمیشہ باری کا اہتمام رکھا۔ جب کسی ایک سے نپٹنا ہوا تو دوسرے دشمن کے ساتھ معاہدہ عدم محاربت کے ذریعے صلح رکھی۔

ہجرت مکہ کے بعد قریش سے جب آپ کی لڑائی ٹھن گئی تو آپ نے مختلف قبائلی دوروں اور فوجی دستوں کی ترسیل کے ذریعے مدینہ کے آس پاس کے زیادہ سے زیادہ قبائل کو عدم محاربت کے معاہدات میں باندھ لیا خود یہودیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاہدہ کر لیا۔ جس کے نتیجے میں بدر اور احد کی جنگیں یکسوئی کے ساتھ برپا ہو سکیں۔ پھر احزاب کے موقعہ پر جب سارا عرب چڑھ آیا تو آپ نے یہودیوں کے قبیلے یعنی بنو قریظہ سے معاہدہ کر لیا تھا تاکہ سامنے کے دشمن سے مقابلہ ہو تو اندر کے دشمن کا خطرہ موجود نہ ہو۔ احزاب کے بعد اب اسلام کی پیشقدمی کا دور آیا۔ تو حضور نے صلح حدیبیہ کے ذریعے قریش سے معاہدہ عدم محاربت کر لیا۔ جس کے نتیجے میں خیبر اور غطفان کے یہودیوں سے آسانی سے نپٹا جا سکا اور جب یہودی دشمن پوری طرح زیر ہو گیا اور ان کی اکساہٹ میں آتے ہوئے سرکش قبائل بھی دب گئے تو پھر دو ہی سال بعد آپ نے قریش سے بھی معاہدہ شکنی اور مسلسل جارحیت کے جرم کا بدلہ لے لیا۔ جس کے نتیجے میں فتح مکہ جیسا تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

غرض حضورؐ کی حکمت کار کا اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو آپ اپنی پوری جدوجہد میں اس امر کا اہتمام فرماتے نظر آتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی دشمن سے نپٹا جائے اور اس دوران دوسرے دشمنوں سے صلح صفائی یا معاہدہ عدم جارحیت برقرار رکھا جائے یہ وہ عملی حکمت سیاسی ہے جس کے سبب اسلام کی قوت نہایت قلیل ہونے اور بہت سے خوفناک دشمنوں کا نشانہ بننے کے باوجود اپنے سارے ہی دشمنوں کو باری باری سے شکست دیکر راستہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی۔ قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ جیسا معاہدہ عدم محاربت جسے قرآن نے فتح مبین قرار دیا ہے وہ اس معنی میں فتح مبین ہے کہ اس نتیجے میں اسلام کو پھیلنے، قبائل کو اسے سمجھنے، مسلمانوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کرنے اور اس نئی طاقت سے معاہدات قائم کر کے اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کا موقع فراہم ہوا دوسری طرف یہ بھی ممکن ہوا کہ اس صلح کے

ذریعے قریش کی طرف سے مکمل اطمینان حاصل کر کے یہودیوں کی فتنہ انگیزیوں کا کامل تدارک کر لیا جائے اس لئے کہ یہودی تو قریش سے بھی بڑھ کر بدخصلت کمینے دشمن تھے۔ ان سے پہلے نپٹ لینا اس لئے بھی ضروری تھا کہ میدان عمل میں پھر آخری اقدام قریش سے نپٹنا ہی باقی رہ جائے جو دعوت کے اولین سب سے مضبوط اور بڑے مخالف تھے۔ قریش کے مفتوح ہونے پر عرب میں اسلام کے لئے سارے راستے کھل جاتے تھے اور ان کے مفتوح ہونے سے اسلام کو افرادی قوت کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آ جاتا تھا۔ غرض حضور نے چھوٹے دشمن کے بعد بڑے دشمن سے نپٹنے کا تدریجی سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ باری باری کر کے سارے ہی دشمن میدان مقابلہ سے محو ہو گئے اس کے بعد اسلام عرب سے باہر باطل کے مقابلے میں بین الاقوامی میدان کشمکش میں پہنچ گیا اور اس کا حقیقی مقام یہی تھا کہ وہ دنیا کی رہنمائی کرے۔

عرب کا افرادی ذخیرۂ قوت محفوظ رکھنے کا اہتمام

ہر تحریک کو مردان کار کی وافر ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کے سارے کام انسانوں کے ذریعے ہی چلائے جا سکتے ہیں اور جس قدر اعلیٰ و ارفع مقصد ہو اسی قدر بہتر استعداد و صلاحیت کے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ قریش کے کردار میں جو انسانی خوبیاں تھیں اور ان میں عرب ہونے کی حیثیت سے بھی عربی کی دعوت کو لیکر اٹھنے کی جو پیدائشی صلاحیتیں موجود تھیں حضورؐ ان سے اچھی طرح آگاہ تھے خلفاً قریش عرب معاشرے میں مکھن کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی برتری سے سیاست کو عرب تسلیم بھی کرتے تھے حضورؐ کو بھی اپنے ساتھیوں میں بہترین ساتھی قریش ہیں سے ہی ملے تھے، حضورؐ جانتے تھے کہ اسلام کا جھنڈا اٹھا کر وہ عرب سے عجم تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے بہترین اہل تھے بس صرف ذرا ان کے اخلاق و کردار کو توحید اور آخرت کے عقیدے سے پالش کر دینے کی ضرورت تھی یہ عقیدہ سارے رنگ اتار کر انسان کو بہترین انسان بنا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بدر میں بلاشبہ قریش پر سخت کاری ضرب لگائی گئی تھی۔ اس معرکے میں ان کے بہت سے اکابر مارے گئے تھے۔ ان اکابر کا مارا جانا اسلام کا راستہ بنانا اور اس کے راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے نہایت ضروری تھا۔ البتہ اس کے بعد قریش سے جتنی جنگیں ہوئیں ان میں ان کی افرادی قوت کا زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ حضور کی حکمت یہ تھی کہ اسلام ایک چڑھتے ہوئے بادل کی طرح مدینہ سے اٹھے۔ مدینہ کے آس پاس کے مخالفین کو قوت و حکمت کے ذریعہ پایاب کرے۔ یہودیوں کی گبڑتی ہوئی قوم کو مفتوح کرے اور مکہ تک پہنچتے پہنچتے اس کی قوت و توانائی اتنی بڑھ جائے کہ پھر قریش کے لئے مقابلہ کرنے کی بجائے بلا مقابلہ مفتوح ہو جانے کے سوا دوسرا کوئی چارہ باقی نہ رہ جاتے تاکہ جنگی مقابلے میں وہ خون خرابہ نہ ہو جو ایک طرف افرادی قوت کو ضائع کرتا ہے اور دوسری طرف خاندانی دشمنیوں کی مستقل بنیا ڈال دیتا ہے۔

اس سیاسی حکمت کے ساتھ حضورؐ اسلام کا لشکر لیکر میدان جد وجہد میں برابر آگے بڑھتے رہے۔ آپ نے ایک ایک یہودی قبیلے کو اسلام کو ضرر پہنچانے کے مقام سے خارج کیا۔ بدوی آزاد قبائل کو کچھ دعوت کے ذریعے اور کچھ قوت کے ذریعے زیر کیا اس عرصہ میں قریش سے بھی مقابلے ہوتے رہے لیکن بس وہی مقابلے جن میں وہ خود چڑھ چڑھ کر مسلمانوں پر آتے رہے، لیکن

حضور زیادہ تر قریش کے دست و بازو توڑنے میں مصروف رہے، آزاد بدوی قبائل میں سے کچھ کو قوت سے مطیع کیا کچھ کو مسلمان کیا اور کچھ سے معاہدات کر کے انہیں اپنا حلیف بنایا جس سے قریش بتدریج آہستہ آہستہ تنہا (ISOLATE) ہوتے چلے گئے جنگ احزاب کے بعد تو پھر ان کے لیے کوئی مشترکہ کاروائی کرنا بالکل ممکن نہ رہا تھا۔ دوسری طرف حضور نے یہود کی ریشہ دوانیوں کا پوری قوت سے قلع قمع کیا انہیں ایک ایک کر کے پوری طرح کچل دیا یہاں تک کہ فتح خیبر کے بعد وہ مکمل طور پر میدان مقابلہ سے نکال دیئے گئے اس کے بعد پھر صرف قریش مکہ میں رہ گئے جو ان تغیرات کو دیکھ بھی رہے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اب ان کے لئے اسلام کا مقابلہ آسان نہیں ہے چونکہ اس کے سارے حلیف ایک ایک کر کے میدان سے نکل گئے تھے۔ اسی صلح حدیبیہ کے دو سال بعد ہی جب مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے پر حملہ کرنے میں قریش نے مدد کی جس سے حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا تو انہیں یکایک یہ احساس ہوا کہ یہ معاہدہ توڑ کر انہوں نے اپنی حماقت سے وہ حصار توڑ ڈالا ہے جو اسلامی یلغار سے بچنے کیلئے صلح حدیبیہ کے بعد اپنے گرد تعمیر کیا ہوا تھا اس صورتحال کا احساس ہوتے ہی گھبرا کر انہوں نے تجدید معاہدہ کی کوشش کی چنانچہ قریش کا سردار ابوسفیان دوڑا دوڑا مدینہ پہنچا اور تجدید معاہدہ کی ہر ممکن کوشش کی اور اس کے لیے ہر سہارا تلاش کیا یہ وہ قریش تھے جن سے صرف دو سال پہلے حدیبیہ کے میدان میں مسلمانوں نے کچھ دب کر ہی معاہدہ کیا تھا اور وہ بات بات پر مسلمانوں کو دبانے کی مزید کوشش کرتے تھے۔ جنہوں نے اس وقت مسلمانوں کو عمرہ تک کی اجازت نہ دی تھی۔ اب دو سال بعد یہ نوبت آگئی تھی کہ قریش کا سردار ابوسفیان مدینہ میں گھر گھر سفارشی تلاش کرتا پھرتا تھا تاکہ معاہدہ حدیبیہ کی تجدید ہو سکے وہ بعض شرائط کو جو مسلمانوں کے نزدیک اس وقت قابل اعتراض تھیں ساقط بھی کرنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور دعوت اسلامی اپنے مختلف دشمنوں سے نپٹنے کے بعد اس مقام پر آگئی تھی کہ اب ایسے معاہدہ شکن لوگوں سے از سر نو معاہدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی

اس طرح قریش بے یار و مددگار اور ہراساں تھے جب حضور نے بالآخر اس شکار کو جو پر شکستہ ہو چکا تھا پکڑ لینے کا فیصلہ کیا ظاہر ہے کہ ایسے شکار پر نہ کوئی گولی چلانے کی ضرورت تھی اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا کر کمزور کرنے کی حاجت تھی وہ خود اب اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اسے ہاتھ بڑھا کر بس پکڑ لینے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضور نے ۸ ہجری میں مکہ کو ہاتھ بڑھا کر صحیح سالم اسلام کے فتراک میں داخل کر لیا۔ اس طرح وہ افرادی قوت محفوظ رہی جو اسلام کے مستقبل کے معرکوں کے لئے بہت ضروری تھی۔

حضور اکرمؐ جیسے زیرک عبقری انسان سے یہ بعید تھا کہ وہ دعوت کے بنیادی انسانی سرمائے کو آسانی سے محض ذوق انتقام کی تسکین کے لئے تباہ و برباد کر دے۔ آپ تو سراپا رحمت تھے۔ پھر دعوت اسلامی کا بنیادی سرمایہ یہود نہ ہو سکتے تھے جو نسلوں سے بگڑے ہوئے لوگ اور انبیاء کے دشمن اور قاتل تھے بلکہ دعوت کا بنیادی سرمایہ وہی لوگ ہو سکتے تھے جن میں سے ایک انسان نبی بنا کر اٹھایا گیا تھا اور جو نبیوں کے قتل کے جرم سے بہرحال بری تھے اسلام کی بعد کی تاریخ نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ حضور کی یہ حکمت کتنی عظیم تھی حضور نے قریش کے انسانی سرمائے کو بچا کر اسلام کی خدمت کے لئے محفوظ کر لیا تھا۔ یہود جنہیں ہدایات کے لئے ہزاروں انبیاء بھی کافی نہ ہوئے اور انہوں نے ہزاروں انبیاء کو قتل کیا ان کے مقابلے میں عربوں میں اتنی سعادت اور شجاعت موجود تھی کہ انہوں نے ایک ہی نبی کی ہدایت کو قبول کر کے اس کی تعلیمات کو سارے جہان میں پہنچا دیا اور دعوت اسلامی کی کامیابی

کے لیے نبی کے ساتھ مل کر اس کے دشمنوں سے لڑے اور اس کے بعد اس کی دعوت کو سارے جہان میں پہنچایا اور پھیلایا اور قوموں کی قوموں کو راہ ہدایت دکھائی انسانوں کے اس سرمائے کو محفوظ کرنا حضور اکرم کی بصیرت و حکمت کا بہترین ثبوت ہے۔

صُلح حدیبیہ ۔ وقفۂ دعوت و تبلیغ

باطل کے خلاف حضور کی جد و جہد میں صلح حدیبیہ بھی ایک حیرت انگیز اور تاریخ ساز معاہدہ ہے۔ جس کے الفاظ مسلمانوں پر گراں لیکن جس کے نتائج اسلام کے راستے کی ساری مشکلات کو دور کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہ معاہدہ عدم محاربت جس طرح حضور نے قریش سے حاصل کیا ... وہ بھی تدبر و سیاست کا شاہکار ہے۔ حضور چاہتے تھے کہ اسلامی دعوت کے خلاف قبائلی دشمنیوں کے پردے چاک ہو جائیں اور لوگ اسے بے لاگ طور پر دیکھ سکیں حضور یہ بھی چاہتے تھے کہ قریش سے صلح صفائی کے نتیجے میں انہیں اسلام پر اس کی خوبیوں کے لحاظ سے غور کرنے کا موقعہ ملے۔ حضور یہ بھی چاہتے تھے کہ ایسے کسی معاہدے سے عام قبائل عرب کو قریش یا مسلمانوں سے برابر کی سطح پر معاہدات کرنے اور حلیف بننے کا موقعہ ملے اور عرب میں اسلام قریش کے مقابلے میں اس کے برابر کی ایک طاقت قرار پائے تاکہ اس کی حیثیت تسلیم کی جائے اور حضور یہ بھی چاہتے تھے کہ یہود کی ریشہ دوانیوں سے جو شب و روز اپنے قبائلی اثرات اور اپنی بے بہا دولت اسلام کے خلاف سازشوں میں استعمال کر رہے تھے۔ نپٹنے کا موقعہ مل جائے چنانچہ یہ معاہدہ جو اس وقت بظاہر مسلمانوں کو اپنی شان کے خلاف محسوس ہوا تھا لیکن اس کے پیچھے بے شمار وہ فوائد تھے جو قریش کو بہ حیثیت گروہ بالکل حاصل نہ ہو سکے چاہے ان کے لئے کتنے ہی شاندار الفاظ معاہدے میں درج ہوئے تھے اس کے مقابلے میں اسلام کو بہ حیثیت تحریک کے وہ سارے فوائد حاصل ہوئے جو ایسے وقفہ عدم محاربت سے دعوتی، تبلیغی، اور سفارتی سطح پر حاصل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ حضور نے اس معاہدے سے وہ سارے ہی فوائد حاصل کئے جو اس وقت مسلمانوں کو مطلوب تھے معاہدے کے بعد کے حالات نے جو رخ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد معاہدہ کی وہ شقیں بھی جو قریش نے بڑے فخر سے اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے معاہدے میں رکھوائی تھیں نو مسلموں کے لئے نئے مستقر کی فوجی کارروائیوں سے بچنے کے لئے انہیں وہ معقول شقیں بھی خود معاہدے سے ساقط کروانی پڑیں۔ اگرچہ حضور خوب سوچ سمجھ کر ذیقعد کے مہینے میں نہیں حج کے مہینے میں عمرے کے لئے آئے تھے تاکہ قریش پر آپ کا عمرے کے لئے آنا ثابت ہو جائے۔ لیکن قریش کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان زیارت بیت اللہ کے لئے غیر مسلح آئے ہیں تو انہیں چھیڑ چھاڑ کر مشتعل کیا جائے اور بالآخر لڑنے پر آمادہ کر لیا جائے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ پھر چھوٹی چھوٹی فوجی ٹولیاں مسلمانوں کو چھیڑنے، نقصان پہنچانے اور مشتعل کرنے کے لئے ارسال کیں اور پھر مسلمانوں کے جو سفیر مذاکرات کے لئے بھیجے گئے ان کے ساتھ بدسلوکی کی اور حضرت عثمان کو تو روک لیا جس سے یہ افواہ اڑائی گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے اس سے قریش کی مراد یہ تھی کہ نہتے مسلمانوں سے بہتر شکار اور کوئی نہیں مل سکتا اور مشتعل ہو کر اگر وہ حملہ کریں گے تو سارے عرب میں یہی بات مشہور ہوگی کہ مسلمان زیارت بیت اللہ کا بہانہ کر کے قریش پر حملہ آور ہوتے تھے اس طرح ان کی اخلاقی ساکھ کو بھی نقصان پہنچایا جا سکے گا اور یوں نہتے غیر مسلح افراد کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دینا بھی آسان ہوگا۔ حضور کی حکمت و تدبر اور

صبر نے قریش کی یہ چال ناکام بنا دی۔ حضور نے ایک طرف تو صبر کو آخری حد تک پہنچا دیا اور کسی نوعیت کے اشتعال کی رو نہ چلنے دی دوسری طرف قریش کی جو ٹولیاں چھیڑ چھاڑ کے لئے آتی تھیں انہیں گرفتار کر کے پھر چھوڑ دیا جاتا رہا۔ البتہ چھوٹنے سے پہلے انہیں مسلمانوں کے کیمپ کا نظم و ضبط اور ڈسپلن ضرور دکھا دیا جاتا۔ آخر جب شہادت عثمان کی افواہ اڑی تو حضور نے بیعت رضوان لی جو در اصل راہ حق میں موت کی بیعت تھی صحابہ نے جس جوش و خروش سے وہ بیعت کی اس نے قریش کو ہلا دیا۔ ذہنی طور پر قریش خود بھی لڑائی کے لئے پہلے سے تیار نہ تھے اب غزوہ خندق کے بعد وہ حلیفوں کی امداد کے بغیر مسلمانوں سے تنہا ٹکراتے ہوئے بھی ڈرتے تھے مسلمانوں کے اس تہور و جاں نثاری کے اعلان کو دیکھ کر وہ گھبرا گئے اور انہیں اپنی حکمت الٹی پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اگر مسلمان اس حالت میں بھی ہمیں شکست دے گئے تو پھر سارے عرب میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ چنانچہ پھر وہ مذاکرات کے بارے میں سنجیدہ ہو گئے اگرچہ پھر بھی انہوں نے بڑی بڑی شرطیں رکھوائیں لیکن حضور ان تمام شرطوں کو اشارہ خداوندی پر قبول فرما گئے اور بالآخر صلح نامہ پر دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے موت کے لئے جوش و خروش کی بیعت کے بعد ایسی شرطوں پر صلح انہیں فطری طور پر ناگوار تھی۔ لیکن یہ صلح در حقیقت حضور کے اعلیٰ سیاسی تدبر اور مالک کائنات کے اشارۂ خداوندی کا نتیجہ تھی صلح پر بظاہر مسلمانوں کا غم سنبھالے نہ سنبھلتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ یہ فتح مبین ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۔ تب مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوئے۔

اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کے لئے تبلیغ اسلام کے راستے کھل گئے۔ قبائل کو حلیف بنا کر زیادہ سے زیادہ غیر جانبدار کرنے اور انہیں اپنے گرد سمیٹنے کے مواقع پیدا ہو گئے اور یہودیوں سے نپٹنے کی مہلت بھی مل گئی۔ گہرے مطالعہ کے لئے اس عظیم تاریخی صلح نامے کی شرائط کو سامنے رکھنا ضروری ہے تاکہ صلح میں مسلمانوں کے رنج کا حقیقی سبب معلوم ہو سکے اور ایسی دل شکن شرائط کے باوجود دور رس دعوتی فوائد کے لئے دشمن سے حکیمانہ صلح کا جواز بھی سمجھ میں آ سکے۔

۱۔ دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی اور ایک دوسرے کیخلاف خفیہ یا علانیہ کوئی جنگی کارروائی نہ کی جائیگی۔

۲۔ اس عرصے میں قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی طرف بلا اجازت جائے گا وہ واپس ہو گا۔ لیکن مسلمانوں میں سے جو قریش کے پاس از خود جائے گا وہ واپس نہ کیا جائے گا۔

۳۔ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ جس فریق معاہدہ کے ساتھ حلیف بن کر شریک معاہدہ ہونا چاہے گا اسے اختیار ہو گا۔

۴۔ محمد ﷺ اور انکے ساتھی اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال عمرے کے لئے تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکیں گے اور کوئی سامان حرب تلوار کے سوا ہمراہ نہیں لائیں گے۔ قریش اس دوران میں ٹکراؤ سے بچنے کے لئے شہر خالی کر دیں گے۔

ان میں شرط نمبر ۲ مسلمانوں پر بہت شاق تھی لیکن حضور نے فرمایا کہ جو ہمارے پاس سے مرتد ہو کر ادھر جائے اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے اور جو ادھر سے ادھر آنے میں روکا جائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔
لیکن اس صلح سے جو فوائد نکلے وہ بے شمار تھے اور وہی پر امن غیر خونی فتح مکہ کا باعث بن گئے۔

: تبلیغ کے نتیجے میں کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اس سے پہلے کے تمام عرصے میں لوگ اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس معاہدے کے بعد ہوئے اس لئے کہ ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہونے سے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کو سمجھنے اور اسلام کو جاننے کا موقعہ اہل عرب کو پہلی بار ملا تھا۔

: بے شمار قبائل مسلمانوں کو قریش کے ہم پلہ ایک نئی قوت سمجھ کر ان کے حلیف ہو گئے جن میں اسلامی دعوت پھیلنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔

: حضور نے کشمکش سے فراغت پاکر ایک بڑے حلقے کو آگے بڑھایا اور سلاطین کو بے شمار خطوط لکھے جن کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کرتی ہے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں چند سلاطین مسلمان بھی ہوئے اور دعوت عرب سے نکل کر عجم تک پھیل گئی اس دعوتی مہم سے غیر عرب لوگ بھی مسلمان ہوئے۔

: حضور نے کثرت سے سفیر مختلف قبائل، حکومتوں اور ریاستوں کی طرف دعوت اسلام کے ساتھ ارسال کئے۔

: مکہ میں جو نئے مسلمان ہوئے ان کے لئے چونکہ مدینہ میں آنا منع تھا۔ انہوں نے ساحل سمندر پر ایک ٹھکانہ بنالیا اور وہاں جمع ہو کر قریش کے مختلف قافلوں پر چھاپے مارنے لگے چونکہ وہ معاہدے کا حصہ نہیں تھے اس لئے قریش نے تنگ آکر (مسلمانوں) نو مسلموں کو مدینہ جانے کی پابندی والی شق معاہدے سے خود ہی ساقط کر دی اور سارے نو مسلم حضور کے پاس پہنچ گئے۔

: اس صلح کے ذریعے حضور نے قریش کو غیر جانب دار کر کے کینہ پرور یہود اور لوٹ مار کرنے والے قبائل سے نپٹنے کا موقعہ پیدا فرمالیا۔ چونکہ معاملات میں یہود کے مقابلے میں قریش زیادہ قابل اعتماد تھے اس لئے دونوں میں سے ایک فریق کو طرف دار کرنے کے لئے قریش ہی کو موزوں پایا۔ اور ویسے بھی قریش کو حضور بلا قتل و غارت بے بس کر کے اسلام کے حلیف بنانا چاہتے تھے۔

غرض اسلامی انقلاب کی عظیم جد و جہد میں صلح حدیبیہ ایک ایسا معرکۃ الآرا مرحلہ ہے جو حیرت انگیز کامیابیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یہ حضور کے تحمل اور تدبر کا شاہکار ہے۔ یہ صرف اللہ کے رسول کی ہی بصیرت تھی کہ انہوں نے بظاہر تاریک دفعات صلح میں سے صبح درخشاں کا چمکتا اور تاباں سورج ابھرتا ہوا دیکھ لیا تھا۔

صلاحیت اور جوہر قابل کا اعتراف اور استعمال

حضور اکرم کے پیش نظر ایک انقلاب آفریں نظام کا قیام تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک نیا نظام اپنے لئے افراد کی زبردست ٹیم کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر سطح پر اس نظام کو چلانے اور اس کی روح کے مطابق نافذ کرنے والے بے شمار باصلاحیت افراد کی ضرورت ہوتی ہے کسی اصولی اور بامقصد نظام کا چلانا کسی ایک فرد کا کھیل نہیں ہے چاہے وہ کتنا ہی قابل اور صاحب صلاحیت کیوں نہ ہو حتیٰ کہ انبیاء کرام کو بھی اگر صاحب صلاحیت افراد کی قابل لحاظ ٹیم فراہم ہوئی اسی صورت میں وہ اپنی دعوت کو انسانی

معاشروں میں نافذ کر سکے اور اگر ایسی ٹیم فراہم نہ ہو سکی تو انبیاء کرام اور داعیان دعوت حق نے بلاشبہ اپنی قوتوں پر دعوت پیش کرنے کی حجت تو تمام کر دی لیکن وہ نظام نافذ نہ ہو سکا جو ان کے پیش نظر تھا۔ اس طرح دنیا کا نظام چلا سکنے کی صلاحیت سے بہرہ ور افراد نہ ملے اور انسانی معاشرے تباہی و بربادی کا شکار ہوتے رہے۔

حضور اکرم اس اجتماعی ضرورت کو خوب سمجھتے تھے کہ ایک نظام کو چلانے کے لیے کس طرح ایک ایک با صلاحیت فرد کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ آپ با صلاحیت افراد کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ حضرت عمر فاروق کے ایمان کیلئے حضور اکرم نے خود دعا فرمائی، سرداران قریش سے خصوصی ملاقاتیں کر کے آپ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے جب وہ اسلام کی طرف سے بے نیازی برتتے تو حضور دل ہی دل میں اسے دعوتِ اسلامی کا نقصان سمجھ کر بہید کڑھتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم کو دعوتِ اسلامی کی تگ و دو میں اعتدال اور صبر کی تلقین فرمائی۔

حضورؐ جانتے تھے کہ ہر فرد جو بہتر صلاحیت کا حامل ہے۔ اگر اسلام کے حق میں اپنی صلاحیت استعمال کرے گا تو اس سے دعوت اسلامی کو فائدہ پہنچے گا۔ اس مقصد کے لئے حضور نے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ تعلقات بڑھائے وظائف دیئے تالیف قلب کے لئے ہدیے مرحمت فرمائے۔ رشتہ داریاں قائم کیں۔ مناصب دیئے اور اس طرح باصلاحیت افراد کی صلاحیتوں کو اسلام کی خاطر وقف کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار فرمائیں۔ ابو سفیان کے خاندان میں جنگی اور انتظامی صلاحیتیں موجود تھیں ان جیسے شدید معاندِ اسلام کے گھر کو جو اول روز سے فتح مکہ تک مزاحمت کا گڑھ رہا تھا۔ فتح مکہ کے روز امن کا گھر قرار دیا۔ ان کے بیٹے کو اپنا کاتب مقرر کیا حالانکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور وہ طلقا کہلاتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید کو جنہوں نے مسلمانوں کو جنگ احد میں سخت نقصان پہنچایا تھا اسلام قبول کرتے ہی فوج میں اعلیٰ منصب دیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو جو مسلمان مہاجرین کا پیچھا کرنے کے لیے حبش تک قریش کے سفیر بن کر گئے تھے اسلام قبول کرنے پر عزت دی۔ انتہا یہ ہے کہ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو اپنے پاس بلا کر معاف کیا اور اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ مکہ والوں میں جو ہر قابل پایا تھا اور ان میں فوجوں کی کمان کرنے اعلیٰ مناصب کو سنبھالنے، سفارتیں کرنے اور ایک نئے نظام کو اعلیٰ پائے کی افرادی قوت فراہم کرنے کا جوہر موجود تھا آپ نے یہ جوہر فتح مکہ پر ضائع کرنے کی بجائے ان کا ایک ایک فرد بچانے کی کوشش کی تالیف قلب کے طور پر انہیں مال غنیمت سے مالا مال کر کے ان کے دلوں کی کدورت کو اسلام کے لیے محبت میں تبدیل کرنے کی کوشش فرمائی اور خلافت جیسے اہم کام کے بارے میں ان کی صلاحیت اور اہمیت اور عرب کے قبائل میں ان کے وقار کے پیش نظر فرمایا کہ یہ تو ان کا ہی حصہ ہے۔

غرض ہمیں حضور اکرم کی سیاست کا یہ پہلو بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی اور شخصی غم و غصے کو کبھی نظام کی بہتری کے راستے میں رکاوٹ بننے نہیں دیا۔ آپ نے ہر باصلاحیت فرد کی قدر افزائی کی اور اسے اسلام کی گاڑی میں جوت کر منزل حق کی طرف روانہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ حضور اکرم کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا یہ شاہکار ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور کے گرد ایسے افراد جمع ہو گئے جو میدانوں کے فاتح مجالس صلح کے لیے بہترین مشیر اور غیر ملکی مشغول

ں اسلام کے بہترین سفیر ثابت ہوئے ان کے ذریعے اسلام دور دور تک پہنچا اور جہاں جہاں پہنچا وہاں اسکی جڑیں ایسی پیوست ہیں کہ دوسری قومیں اپنی زبان لباس کلچر تک بھول کر عربی تہذیب و تمدن کا جزو بن گئیں حضور نے ایسے ہی باصلاحیت اور ردار لوگ جمع کیے تھے آپ جوہر قابل کے بہترین جوہری تھے۔

جوہر قابل کی پذیرائی اور قدر افزائی کرنے والا حضور اکرم سے بڑھ کر ہمیں دوسرا کوئی قائد پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتا اس لیے جس قدر جوہر قابل حضور اکرم کو میسر آیا اور کسی کو میسر نہیں آیا۔ یہی سبب ہے کہ جس قدر پائیدار انقلاب حضور اکرم کا ثابت ہوا دوسرا کوئی انقلاب ایسا پائیدار ثابت نہیں ہوا، حضور کی محبت کا گرویدہ ہونے کے بعد کوئی شخص آپ سے علیحدہ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جانشین کے مسئلے کا پیشگی حل

بالعموم مملکتوں کو تباہ کرنے والا جانشین کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جدید مروجہ جمہوریت کے رواج پانے سے پہلے تو یہ مسئلہ بڑا ہی نازک مسئلہ ہوتا تھا۔ مملکتوں میں انتقال اقتدار کے لیے کوئی مقررہ اور پرامن طریق کار نہ ہونے کے سبب جنگ جانشینی ہر سربراہ مملکت کی اقامت کے بعد اس مملکت کی تاریخ کا لازمی جزو ہوا کرتی تھی اس مسئلے کو نسلی حکمرانی کے تصور کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن نسلی حکمرانی میں جو پنہاں اخلاقی اور سیاسی خرابیاں ہیں ان سے اب ساری دنیا آگاہ ہے وہ خرابیاں بھی جنگ جانشینی سے کم مہلک نہیں ہیں۔

اسلام نے دنیا کو جو تصور سیاست و طرز حکومت دیا وہ شورائی تھا اس میں نسلی جانشینی کا تصور موجود نہیں تھا۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام پبلک سے آزادی حاصل کرنے کے ذرائع بھی اس وقت ایجاد نہیں ہوئے تھے اور نہ ذرائع وسائل کی قلت کے سبب یہ ممکن تھا حضور اکرم نے نئے نظام کے استحکام اور اسے مضبوطی سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے جانشینی کے مسئلے کو نہایت ہی حکمت و تدبر سے اپنی زندگی میں ہی حل فرما دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق حضور اکرم کے بعثت سے قبل کے دوستوں میں سے تھے بلکہ تنہا یار غار دوست تھے جن سے حضور کی رازداری اور انتہائی قربت و محبت کی دوستی تھی۔ خاندان سے باہر حضور پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے۔ سارے مراحل دعوت میں انہوں نے ہر ہر قدم پر حضور کا ساتھ دیا تھا انہوں نے زندگی میں کبھی ایک بار بھی حضور کے ذاتی مزاج سے مختلف انداز میں نہ سوچا تھا۔ ہر لمحہ، ہر حالت اور ہر صورت میں وہ حضور کا ساتھ دینے والے تھے انہوں نے پوری طرح مزاج نبوت شناس پایا تھا۔ قرآن نے انہیں غار ثور میں ثانی اثنین (دو میں کا دوسرا) قرار دیا تھا۔ یعنی حضور کے بعد دوسرا مسلم۔ حضور نے ان کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کو حضور کی رفاقت ہجرت کا شرف عطا فرمایا تھا کہ وہ حضور کی ایک ایک بات ایک ایک ضرورت اور ایک ایک راز سے آگاہ تھے حضور نے ان کے بارے میں ہی فرمایا تھا۔ زندگی میں ہر شخص کے احسان کا بدلہ دیدیا ہے۔ لیکن ابوبکر صدیق کے احسان کا بدلہ ممکن نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا حضرت ابوبکر کی رائے زندگی بھر حضور کے ساتھ ملتی رہی اور کبھی بھی کوئی اختلاف رائے پیدا نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور ان کی خلافت سے ملوکیت یا نسلی حکومت سے مماثلت کا کوئی خطرہ نہیں تھا ان کی قربانیوں اور اسلام کے بارے میں ان کی وفاداری غیر مشتبہ اور سب سے بالاتر تھی حضور کوئی کام بھی وحی کے اشارے کے بغیر نہ کرتے تھے آپ نے ابوبکر صدیق کے مختلف مناقب بیان کئے۔ ان کو اپنی رازداری میں لیا۔ ان کے ذمے ایسے کام لگائے جو حضور کے بعد دوسرے درجے کی اہمیت رکھتے تھے۔ حضور نے اپنی بیماری میں ان کو اپنی جگہ مسلمانوں کی امامت کے لئے کھڑا کیا جو مسلمانوں کے لئے عین توقع کے مطابق اور ہر لحاظ سے مطلوب تھا کسی ایک شخص نے بھی حضورؐ کے اس فیصلے پر دل گرفتگی محسوس نہیں کی۔ ہر شخص حضور کے بعد آپ کو ہی سب سے زیادہ اہمیت دیتا اور بزرگ کہتا تھا۔ ابوبکر صدیق نے بھی حضور کی وفات کے بعد ایک ہی دن میں حضور کی وفات کا مسئلہ، دفن کا مسئلہ، خلافت کا مسئلہ اور لشکر اسامہ کا مسئلہ حل کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ سب سے زیادہ حضور کی خلافت کے وہی مستحق اور اہل تھے۔ حضور نے بھی اسلامی انقلاب کو مضبوط اور پائیدار بنیادوں اور طریق نبوی پر چلانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کو ہی اپنے بعد خلافت کے لئے اشاروں اشاروں میں تجویز کیا تھا۔ گویا خلافت کے لئے صریحاً نامزدگی نہ کرنا تو مسلمانوں میں شورائیت اور جمہوریت کو رواج دینے کے مترادف تھا اور اشاروں اشاروں میں ان کو بہتر اور نبی کے بعد اسلام کا دوسرا آدمی قرار دینا گویا موزوں ترین فرد کے بارے میں اپنی رائے دینے کے مترادف تھا اور اپنے خاندان سے باہر کے آدمی کا تجویز کرنا نسلی اور خاندانی حکومت کی بجائے شورائی خلافت قائم کرنے کے مترادف تھا۔ اس طرح حضور نے کمال حکمت سے اسلامی انقلاب پر مبنی ایک نظام مملکت کو داخلی شورش، اختلافات اور خانہ جنگی سے بچا لیا اور اسلامی انقلاب کی بنیادیں اور زیادہ مضبوط اور گہری کر دیں۔ ظاہر ہے کہ حضور کا کوئی اشارہ بھی اشارۂ وحی کے بغیر نہ ہوتا تھا۔

نسلی ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا خاتمہ

حضورؐ نے اپنے بعد اپنے خاندان کے کسی بھی شخص کو خلیفہ نامزد نہ کیا حالانکہ اگر حضور ایسا کرتے تو مسلمانوں میں کوئی شخص بھی اس کی مخالفت کرنے والا نہ تھا لیکن حضورؐ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کیا کہ وہ ایک ایسا نظام مملکت قائم کر رہے تھے جو تمام تر شورائیت پر مبنی تھا اور اس میں نسلی اور خاندانی حکومت کا شائبہ تک نہ تھا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول پر تقویٰ پرہیزگاری اور صلاحیت و قابلیت کو ہی اہمیت کا حقیقی مقام حاصل تھا۔ اس طرح حضور نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے ساتھ ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھی جو دنیا کے اس وقت کے رائج الوقت طرز حکومت سے بالکل مختلف تھا جس میں خلیفہ سب کا منتخب اور ان کا نمائندہ تھا جو سب مسلمانوں کے مشورے کا پابند تھا اور جو نسلی اور خاندانی نہیں بلکہ اصولی اور نظریاتی سربراہ ہوتا اور رائے عامہ کی اکثریت و اہمیت کی بنا پر منتخب ہوتا تھا۔ اس طرح حضورؐ نے اسلام میں سے ملوکیت اور خاندانی بادشاہت دونوں کا نشان مٹا دیا اور اسے عملاً قیصر و کسریٰ کی سنت قرار دے کر مکمل طور پر ترک کر دیا اسی سبب سے وہ انتہائی نظریاتی نظام دستوری لحاظ سے ایک عرصہ تک معیاری کہلایا جب تک اس کے اندر یہ روح قائم رہی جب اس سے معمولی

انحراف بھی ہوا تو مسلمانوں نے اسے معیاری خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی روایات میں اس کا معیاری اور دستوری تصور ہمیشہ قائم کیا۔ اسی محفوظ تصور کا نتیجہ ہے کہ مسلمان جب چاہیں اسے بحال کر کے اپنا نظریاتی نظام از سر نو لا سکتے ہیں۔

اسلامی نظام مملکت کے قیام میں حضرت علیؓ کی قربانیوں اور جانفروشیوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ ہر میدان کے مرد تھے اور حضورؐ نے اپنے آپ کو علم کا شہر اور انہیں اس کا دروازہ قرار دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے اپنے کسی قول یا اشارے یا عمل سے خاندانی بادشاہت کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا ورنہ آپ کے لئے یہ کام مشکل نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا مطلوبہ نظام خالص نظریاتی اور شورائی تھا اور حضورؐ کے قائم کردہ اسلامی نظام میں نسلی اور خاندانی برتری کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔

تلوار اور قوت کا استعمال

حضورؐ نے کفر کے مقابلے میں قوت کی قابل لحاظ تعداد تیار ہوتے ہی اپنا علیحدہ نظریاتی پلیٹ فارم بنا لیا اور جب وہ علیحدہ پلیٹ فارم وجود میں آ گیا تو پھر آپ نے بھی اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے اس طرح قوت استعمال کی جیسے کفر کے علمبردار اسلام کے خلاف قوت کا استعمال کر رہے تھے۔ اس کے لئے نہ حضورؐ نے کوئی معذرت کی اور نہ ہی مہلت طلب فرمائی۔ حضورؐ کا مسنون طریق انقلاب بلاشبہ مسلح انقلاب ہی تھا۔ وہ مسلح انقلاب نہیں جو زیر زمین سرگرمیوں کے ذریعہ فتنہ و فساد برپا کر کے انسانی جان و مال اور تباہی و بربادی اور گھیراؤ جلاؤ کا عظیم زیان کر کے اشتراکی نظریات برپا کرتے ہیں بلکہ وہ اسلامی انقلاب جس میں قوت کا استعمال جرأت، بہادری، رو در رو داد شجاعت، مردانگی اور مردانگی پر مبنی تھی۔ آپ کے خلاف جب قوت کا استعمال ہوا تو آپ نے اسے قوت سے ہی روکا اور اس کے لئے کوئی معذرت پیش نہیں کی۔ قوت کے مقابلے میں قوت کا استعمال اپنا جواز خود ہوتا ہے کامیابی کی صورت میں اس سے بہتر کوئی بصیرت نہیں ہوتی اور ناکامی کی صورت میں اس سے بڑی اور کوئی شجاعت نہیں ہوتی جسے تاریخ اپنے دامن شہادت میں ہمیشہ محفوظ رکھتی ہے۔

جب تک تیاری نہ تھی اسلامی دعوت کے علمبرداروں نے ڈٹ کر مار کھائی۔ نہ کفر کے سامنے کبھی معذرت کی اور نہ ہی اس کا کبھی خوف کھایا۔ نہ بیدلی اور کمزوری دکھائی۔ نہ بے صبری اور غیر مستقل مزاجی کا اظہار کیا۔ بہادری اور صبر سے مار کھائی بار بار کھائی لیکن اس مار میں بھی یہ شان رکھی کہ دشمن کو جتلا دیا کہ ایک وقت ہمارا موقعہ بھی آئے گا تو ہم نپٹ لیں گے اگر تمہارا طرز عمل یہی رہا تو پھر ایک روز بڑا اور کھلا مقتل ضرور قائم ہو گا جس میں انسانوں کی گردنیں کٹیں گی۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ہر مجلس میں ڈٹ کر بات کی۔ بے اصولی پیش کش کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ ہر تشدد کا پورے صبر و استقلال سے جواب دیا اور ساتھیوں کو بھی بتا دیا کہ ایک روز زمانہ بدلے گا اور دنیا اسلام کے لئے فتح ہو گی۔ پھر جب وہ موقعہ ملا۔ تو ان کے قافلے پر حملے کی تیاری کر لی اور جب قافلے کی بجائے لشکر سامنے آیا تو اس کو بھی للکارا اور بالآخر تائید خداوندی کی قوت سے میدان میں اسے پچھاڑا۔ بغرض حضورؐ کی نفاذ نظام کی ساری جد و جہد خالص مسلح اور حربی قوت کی مثبت جد و جہد ہے وہ کفر

کے ساتھ مسلح کشمکش ہے پھر جب میدان میں دو قوتیں ڈٹ کر لڑتی ہیں تو ایک کو لازماً فتح حاصل ہوتی ہے اس وقت بقائے صلح کا قانون کام کرتا ہے۔

غرض اسلامی انقلاب کے لئے اسوۂ حسنہ اور طریق نبوت تو دعوت کے بعد ہجرت اور ہجرت کے بعد جہاد ہی ہے اور جہاد میں وہ فیصلہ کن مرحلہ ہے جس کے بعد کفر کی مہلت عمر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مسنون طریقہ جہاد اور جنگ ہے دوسرے طریقے بھی اجتہادی طور پر اختیار کئے جا سکتے ہیں ملک وملت اور حالات کے تقاضوں کی روشنی میں ہی طریق کار متعین ہوگا لیکن اس طریق کار کے پیچھے حضور کی جرأت شجاعت فراست اور باطل سے جانبدارانہ کشمکش کی روح ضرور قائم رہے گی حضور نے انقلاب اسلامی کے لئے یہی اسوہ پیش فرمایا ہے۔ ساری تدبیروں میں سے سب سے بڑی تدبیر باطل کو حق کی قوت سے سرنگوں کرنے کا کام ہی ہے۔

کعب بن اشرف کا قتل اور گوریلا تدابیر

حضورؐ ایک عملی قائد تھے اور آپ نے اسلامی انقلاب کے راستے کی ساری رکاوٹیں اللہ کی مدد کے ساتھ اپنی فراست اور تدابیر سے دور کیں۔ کعب بن اشرف یہودی جو اسلام کے خلاف سازشوں کا سرغنہ اور اس کا گھر سازشوں کا اڈہ تھا۔ اسے حضور نے دو انصاری صحابہ کے ذریعے قتل کروا دیا۔ وہ شخص حضور کے قتل کی سازشیں کرتا رہتا تھا۔ معاہدۂ امن کے باوجود دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔ اور انہیں مسلمانوں کی ساری خبریں پہنچاتا رہتا تھا حضورؐ کے اہل بیت کی اشعار میں توہین کرتا اور مجالس میں بے ہودہ گوئی کرتا تھا وہ اسلام کے خلاف زہریلے ناگ کی طرح مسلسل زہر ٹپکاتا رہتا تھا۔ حضور نے اس ناگ کو مروا دیا۔ بلاشبہ حضور کو وحی کا اشارہ ملتا تھا لیکن وحی خود بھی طریق انقلاب طے کرنے کا ہی ذریعہ تھا۔ حضورؐ نے کبھی کوئی کام منشائے خداوندی کے خلاف نہیں کیا تھا۔

اسلام کے کارواں کے راستے کا ایسا روڑہ جو تنہا دشمن کا کام کرے جو اپنی پوری ہستی سے ثابت کر دے کہ اس کی حیثیت سانپ سے بھی بدتر ہے اور اس میں اصلاح کی صلاحیت کلیۃً مفقود ہو چکی ہے لیسے راستے سے ہٹا دینے کی تدبیر بلاشبہ بہت غور طلب ہے اگرچہ یہ تدبیر پوری مدت انقلاب میں بس ایک ہی بار استعمال ہوتی ہے جس سے اس کی احتیاط کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تدبیر بھی آخری چارہ کار کے طور پر حضور نے اپنی اسلامی جدوجہد میں استعمال کی ہے۔ گویا خالص اور صرف اسلام کی خاطر کسی بدترین عہد فراموش کافر کے خلاف ایسی تدبیر کی گنجائش موجود ہے

خطرے کا بروقت نوٹس لینا

کسی تحریک کے رہنما کی انتہائی بیدار مغزی کا یہ ثبوت ہوتا ہے کہ وہ تحریک کے اندر یا باہر تحریک کیلئے منڈلانے والے خطرات کا بروقت نوٹس لے سکے اور اس کے نقصانات کا آغاز ہونے سے پہلے ان کا تدارک کر سکے۔

اگر تحریک کے اندر یا باہر کوئی خطرہ پیدا ہوا اور غفلت یا کم اندیشی سے اس کا بروقت نوٹس نہ لیا جائے تو بعض

اوقات معمولی سا خطرہ پہاڑ بن کر تحریک کے پورے وجود کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اس لئے چوکنے پہریدار کیطرح تحریک کے لئے رہنما کا کام خطروں کو جاننا، پہنچاننا اور ان کا بروقت نوٹس لینا بھی ہوتا ہے۔ تحریک کے اندر کی نزاعات ہوں تو انہیں بروقت دور کرنا اور تحریک کے باہر سے اس کے وجود کو خطرہ ہو تو اس کے چیلنج کو بروقت قبول کر کے اسکو زائل کرنا بروقت رہنمائی کا ضروری حصہ ہوتا ہے۔

جنگ خندق میں یہودی قبیلہ بنی قریظہ جو مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ اچانک معاہدے سے پھر گیا اور اس سے پہلے کردہ مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ حضورؐ کو اس کا علم ہو گیا۔ حضورؐ نے انصار کے بڑے سرداروں کو تحقیق حال کے لئے روانہ کیا۔ یہودیوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے اس سے اہل مدینہ میں اضطراب پھیل گیا لیکن اس موقعہ پر ایک طرف حضورؐ کی یہ تدبیر کام آگئی کہ نعیم بن مسعود نومسلم کے سیاسی مذاکرات سے بنو قریظہ اور قریش و یہود کے متحدہ محاذ کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور دوسری طرف جیسے ہی خندق کا محاصرہ ختم ہوا حضورؐ نے اپنی اولین فرصت میں انھیں سبھے سجائے ہتھیاروں کے ساتھ بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا چنانچہ انہیں دو تین ہفتوں کے محاصرے کے بعد ہی مکمل طور پر مدینہ میں سے اکھاڑ دیا گیا اس طرح مدینہ کا اندرونی محاذ یہود کی ریشہ دوانیوں سے کلیۃً محفوظ ہو گیا۔ یوں خطرے کا بروقت نوٹس لینے سے وہ خطرہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ورنہ وہ بڑھ کر جان لیوا بھی ہو سکتا تھا۔

اس طرح حدیبیہ میں آپ نے بروقت فیصلہ اور اقدام کر کے اسلام کی فتح کے راستے کھول دیئے۔ بدر میں آپ نے قافلہ کو ترک کر کے میدان جنگ سے نپٹنے کا فیصلہ کر کے کفار کی کمر پر زبردست کاری ضرب لگائی۔ غزوہ خندق میں آپ نے خندق کھود کر کافروں کو حیران و پریشان اور بے بس کر دیا۔ منافقین نے جو بظاہر مسلمان تھے اور صحابہ میں شامل دکھائی دیتے تھے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے ایک مسجد تعمیر کی اور اس کا افتتاح کرنے کی درخواست خود حضورؐ سے کی گئی لیکن اشارہ وحی سے منافقین کی سازشوں کا حال معلوم ہونے پر آپ نے بلا تاخیر اس مسجد ضرار کو جلا کر مسمار کر دینے کا حکم دیدیا تاکہ منافقوں کو پھر ایسی جرأت نہ ہو۔ اس طرح حضور اکرمؐ کو جب اطلاع ملی کہ بعض منافقین سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہو کر لوگوں کو حضورؐ کے ساتھ غزوہ تبوک میں جانے سے روک رہے ہیں تو آپ نے فی الفور علی بن عبیداللہ کو حکم دے کر بھیجا اور انہوں نے سویلم یہودی کا مکان نذر آتش کر کے ایسی سازشوں کا بر سر موقعہ قلع قمع کر دیا۔ اس کارروائی سے سارے منافقین منتشر ہو گئے۔

یہودی قبیلے بنو نضیر نے جب آپ ان کے پاس گئے ہوئے تھے تو حضورؐ پر پتھر گرا کر آپ کو قتل کر دینے کی سازش کی یہ بات حضورؐ کے علم میں آگئی۔ آپ نے فی الفور محاصرہ کر کے انہیں شہر چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح مدینہ کا ایک حصہ یہودیوں کے سازشی وجود سے پاک ہو گیا۔ غرض ہمیشہ حضورؐ کے بروقت اقدامات سے اسلام کی فتوحات کے لئے دروازے کھلتے چلے گئے۔

معاہدات صلح کے ذریعے قبائل کو حلیف اور غیر جانبدار بنانا

حضورؐ اس امر پر ہمیشہ تدبیر و حکمت کے ساتھ کاربند رہے کہ دشمنوں میں سے زیادہ سے زیادہ تعداد کو غیر جانبدار بنایا جائے پھر ان غیر جانبدار قبائل میں سے زیادہ سے زیادہ کو اپنا حلیف بنالیا جائے تاکہ مخالف قوت کم سے کم میدان میں باقی رہ جائے اور جو قوتیں ان میں موجود بھی ہوں اس کو بھی باری باری سے مزاحمت اور مخالفت کے لئے میدان میں آنے کا موقعہ ملے۔ قبائل کو حلیف یا غیر جانبدار بنانے کے لئے حضورؐ کی طرف سے بالعموم مندرجہ ذیل شرائط ہوتی تھیں۔

۱۔ انہیں ان کے جان و مال پر امان ہے۔

۲۔ ان کو ہر ایسے دشمن کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے۔

۳۔ ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو جنگ سے اجتناب کریں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بستیوں میں رہنے والوں کو حاصل ہیں۔

۴۔ اور مدد تو اللہ ہی سے پائی جاتی ہے۔[۱]

یہ شرائط ایسی قبولیت عامہ رکھتی ہیں کہ کسی کو ان کی بنیاد پر حلیف یا غیر جانبدار رہنے میں اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ قبائل اسے اپنی ایک بڑی قوت سے وابستگی کا ذریعہ سمجھ کر قبول کر لیتے اور تحریک کا داعی اس کے ذریعے آہستہ آہستہ منتشر قبائلی قوت کو مخالفت کے مقام سے ہٹا کر موافقت کے حصار میں لاتا چلا جاتا اس کے علاوہ ان معاہدات کے ذریعے عام نزاعیت طوائف الملوکی اور انتشار بھی ختم ہو جاتا اور ملک منظم معاہد اور متحد قوت کے زیر نگین جمع ہوتا چلا جاتا تھا اس طرح ایک مہذب ریاست کا قیام ممکن ہو گیا۔ حضورؐ نے اس نوعیت کے معاہدات بے شمار کئے جن کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے۔ جہینہ، بنی حمزہ۔ بنو اشجع، بنی غفار، بنی مزینہ اشجع، بنو عامر، بنو خزاعہ، بنو اسلم، جذام، قضاعہ، عذرا اور ایسے ہی بیسیوں قبائل اور ان کی شاخیں ایسے معاہدات میں شامل ہوتے چلے گئے جس سے قریش خود بخود بتدریج اسلامی قوت کے سامنے یک و تنہا رہ گئے۔ یہی معاہدے تبلیغ و تلقین، اشاعت اسلام کا ذریعہ بنے اور یہی معاہدے قوت و اجتماع و اعتماد و غلبہ کا سبب بنے۔

جب حضورؐ نے مکاتیب کے ذریعے اسلامی دعوت عرب سے باہر پہنچائی اور متعدد بادشاہ اور حکمران مطیع اور مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اسلام قبول کرنے والے قبائل کا تانتا بندھ گیا۔ مدینہ میں ایمان لانے کے لئے پہنچنے والے وفود کی لڑی بندھ گئی جن میں دوس، صدا، ثقیف، عبدالقیس، بنی حنیفہ، طے، الشعرین، ازد، خردہ جذامی، ہمدان، طارق بن عبداللہ تجیب، بنی سعد، ذریم، عذرا، خولان، محارب، نسان، بنی الحارث، بنی عیش، نماذ بن خزارہ، سلامان، نجران، نخع وغیرہ یہ سارے قبائل اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لئے خود حاضر ہوتے چلے گئے۔[۲]

انہیں معاہدات کا نتیجہ تھا کہ جب آخری طور پر قریش کو ہر طرف سے بے بس کر کے حضورؐ نے فتح مکہ کے لئے اقدام کیا تو حضورؐ کی فوج میں دس ہزار سے زائد لشکری موجود تھے جن میں بہت سے عرب قبائل شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ فوج

---

[۱] سیاسی زندگی، ص ۲۴۹ [۲] سیاسی زندگی

مدینے کی آبادی اس وقت کی آبادی سے دگنی سے بھی کچھ زائد تھی۔

چیلنج کو جرأت و مردانگی سے قبول کرنا

حضور کی حکمت سیاست میں شجاعت و بہادری اور جرأت و فداکاری کا ایک ایسا حیران کن عنصر موجود ہے جو بے مثل ہے اس عنصر نے حضور کی کامیابیوں کو تیز تر مؤثر تر حقیقی کامیابیاں بنا دیا ہے۔ غزوۂ احد میں ابوسفیان نے یہ رن مار لیا اگرچہ اس وقت وہ اسی بات پر اکتفا کر گیا کہ مسلمانوں کو ہرا دیا ہے اس مختصر اور ادھوری سی فتح کو بچانے اور اس غیر متوقع کامیابی کی بوکھلاہٹ میں وہ یکایک مکہ کی طرف پلٹ گیا لیکن جاتے ہوئے یہ چیلنج دے گیا کہ اگلے سال انہیں دنوں میں بدر کے مقام پر مقابلہ ہو گا گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم بدر کا بدلہ بھی بر سر موقعہ لیں گے۔ فاتح کا یہ چیلنج ظاہر ہے کہ بڑے رعب داب اور سر پُر غرور کا چیلنج تھا۔ حضور نے بھی شدید زخمی حالت میں مسلمانوں کی منتشر قوت کے باوجود علی الاعلان اس چیلنج کو قبول کیا اور ابوسفیان کو اطلاع دیدی کہ مسلمان اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔

پھر پورا سال گزر گیا اور وہ دن آ گئے۔

مسلمانوں کو جنگ احد نے سخت مجروح کر دیا تھا بہت سے قیمتی صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ شکست کے نتیجے میں آس پاس کے قبائل بھی شیر ہو گئے تھے۔ گھر کے یہودی بھی کھلی کھلی دشمنی پر تل گئے تھے مسلمانوں کا بدر کا قائم کردہ رعب داب بھی ختم ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان خیالات میں جب آس پاس کے قبائل مخالف ہوں یہودی متخاصم ہوں، تیاری ناکافی ہو کسی چیلنج کو قبول کرنا بڑے دل گردے کی بات تھی لیکن حضور نے ابوسفیان کے چیلنج کے مطابق بدر کے مقام پر جا کر قریش کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور جہاد کا اعلان کر دیا۔

ابوسفیان اب مقابلے میں آنے سے گھبرا رہا تھا اس نے مدینے میں افواہ پھیلائی کہ قریش زبردست تیاری کے ساتھ آ رہے ہیں اس مقابلے پر نہ جانا ہی بہتر ہے۔ بعض صحابہ کی بھی یہی رائے محسوس ہوتی تھی۔ لیکن حضور کے انقلابی مزاج کے یہ بات بالکل منافی تھی۔ حضور نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ ہم قریش کے مقابلے کے لئے بدر کے مقام پر ضرور جائیں گے البتہ آپ نے حکم دیا کہ چونکہ وہاں انہی دنوں بڑا میلہ لگتا ہے اس لئے لوگ تجارتی سامان بھی اپنے ہمراہ لے لیں۔ چنانچہ حضور بدر کے مقام پر وعدے کے مطابق پہنچ گئے۔ لیکن ابوسفیان کو مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی۔ وہ مرالظہران کے مقام پر پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ "اس مرتبہ خشک سالی اور قحط بہت زیادہ ہے۔ جانوروں کے لئے چارے اور پانی کی شدید کمی ہے اس لئے مناسب ہے کہ ہم اس سال یہ مہم ملتوی کر دیں" چنانچہ راستے میں سے ہی اپنا لشکر لیکر واپس چلا گیا حضور نے بدر میں آٹھ دن قیام فرمایا۔ سارے عرب نے حضور کا یہ منظر جرأت اور ابوسفیان کا وہ فرار بزدلی اپنی آنکھوں سے دیکھا مسلمان وہاں آٹھ دن تک ٹھہرے رہے چیلنج والوں کا انتظار کیا۔ پہلے سے فائدہ اٹھا کر خوب تجارت کی اور جدال و قتال کے بغیر واپس

مدینے آ گئے۔ حضورؐ کی اس جرأت مقابلہ نے سارے عرب کو آپ کی شجاعت و بہادری اور وعدہ وفائی سے مسحور و مرعوب کر دیا۔

دعوتی قوت اور سیاسی دباؤ کا استعمال

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے سلاطین کے نام کثرت سے دعوتی مکاتیب جاری کئے جن میں سے تاریخ نے اب تک دو ڈھائی سو مکاتیب تو محفوظ کئے ہیں۔[1] ظاہر ہے کہ وہ مکاتیب جو سرداران قبائل چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سلاطین اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام جاری کئے گئے ہوں گے ان کی تعداد کسی صورت بھی سینکڑوں سے کم نہ ہوگی یہ مکاتیب عرب سے باہر بھی گئے اور غیر عرب لوگوں نے بھی ان مکاتیب کے ذریعے دعوت اسلامی کو قبول کر کے اسلام کی اطاعت اختیار کی۔ دعوت کے اس رخ کو عربوں نے اپنی تاریخ میں پہلی بار دیکھا تھا کہ غیر عرب لوگ بھی ایک عربی نبی اور سردار کے حلقۂ اطاعت وارادت میں داخل ہو رہے تھے۔ مال غنیمت خراج اور اموال زکوٰۃ و صدقات پہ چہار طرف سے اسلامی عربی دارالسلطنت کی طرف امڈے چلے آ رہے تھے۔ یہ منظر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جب ان کے سامنے یہ دعوت پیش کی گئی تھی اور انہوں نے اس کی مزاحمت کا آغاز کیا تھا وہ اسے عرب کے اندر ایک نئی سرداری قائم کرنے کا کام کہتے تھے اور بعض اسے عرب کے اندر اپنی نبوت منوا کر اپنے کچھ عربی پیروکار بنانے کا خیال جانتے تھے لیکن یہ بات تو ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی کہ دعوت صرف ان کے لئے نہ تھی بلکہ اس کے اندر پوری دنیا کو خطاب کرنے اور مسخر کرنے کی قوت بھی موجود تھی وہ دیکھ رہے تھے کہ اس دعوت مکاتبت تسخیر نے ان بہت سے سلاطین کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ جن سلاطین کے درباروں میں وہ بڑے ادب و احترام سے جایا کرتے تھے۔ ان میں سے کئی ایک انتہائی ذوق و شوق سے نبی عربی کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے۔

عربوں کے لئے دعوت کا یہ رخ کشش و تسخیر کی زبردست قوت رکھتا تھا۔ جب حضورؐ کے دعوتی مکاتیب پر مختلف سرداروں اور سلاطین نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو اس کے نتیجے میں عربوں کے اندر بھی اسلام قبول کرنے کی تحریک ایک زبردست قوت بن کر ابھری۔ یہ صورت حال ان کے لئے سیاسی دباؤ کی حیثیت رکھتی تھی بالآخر سلاطین نے بھی اس دعوت اسلامی کو قبول کر لیا تھا۔ ان کے نزدیک اس دعوت کی مکاتیب کی یہ بہت بڑی دلیل تھی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس عالمگیر دعوت کی علمبرداری اہل عرب کے ہاتھ میں تھی جو دعوت عرب کے بعد اب عجم کے لالہ زاروں کو بھی مسخر کر رہی تھی وہ چاہتے تھے کہ اسلامی دعوت کی فتوحات کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں رہے اور اس کی مرکزیت بھی عرب میں ہی قائم رہے۔ بغرض عالمگیر دعوت کے آغاز نے عربوں کو دعوت کی طرف بڑی قوت سے کھینچا اس لئے کہ وہ اس دعوت کے فطری علمبردار اور امام تھے۔

[1] سیاسی زندگی ص۔ ۔

ساتھیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک

حضورؐ نے جب دعوتِ اسلامی کا آغاز کیا تو جس نے بھی اس دعوت کو ایک بار قبول کرلیا اور آپ کا دامن تھام لیا پھر وہ آپ کا دامن چھوڑ کر اور کہیں نہیں گیا آنے والوں میں سے ہر شخص نے دکھ درد، تکالیف، مصائب سب کچھ برداشت یا لیکن آپ سے جدائی کبھی قبول نہیں کی۔ یہ حال اگر مردوں کا تھا تو یہی حال عورتوں کا بھی تھا۔ ابوجہل کے نیزے سے سمیہؓ نے شہادت قبول کرلی لیکن اسلام کا دامن نہ چھوڑا اس کی وجہ یہ ہے کہ قیادت کی بہترین صفات جو تصور میں آسکتی ہیں وہ آپ کی ذات میں موجود تھیں ہر جاں نثار یہی سمجھتا تھا کہ حضور کو جس قدر اس سے محبت ہے شاید ہی کسی دوسرے سے ہو۔ دکھی مصیبت زدہ گنہگار، خطاکار، پریشان حال۔ گھر سے نکالے ہوئے ہر قسم کے ساتھی آتے تھے اور حضور کے دامن میں پناہ حاصل کرتے تھے وہی بات کہ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اس کیفیت سے بہت بالاتر تھے کہ

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

خوئے دل نوازی تو آپ میں اس درجہ تھی کہ جان کا دشمن یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال بھی دو دن ٹھہر کر کہتا تھا کہ اب مجھے آپ سے زیادہ دنیا میں کسی سے محبت نہیں ہے۔ ہندہ جگر خوار نے بھی یہی کہا تھا کہ مجھے آپ کے خیمے سے زیادہ معتوب کوئی خیمہ نہ تھا اور اب آپ کے خیمے سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ بھی نہیں ہے۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو معاف کردیا اگرچہ ان سے زبردست اجتماعی جرم سرزد ہوگیا تھا۔ آپ نے الوب کو معاف کردیا جنہوں نے اجتماعی راز فاش کردیا تھا۔ آپ نے تو خاتون غامدیہ تک کو بار بار پردہ پوشی کی تلقین کی، انتہا یہ ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ابی کو جو کسی سے چھپا ہوا نہ تھا آخر دم تک معاف کئے رکھا اور اس کی ہر زیادتی کو نظرانداز کردیا۔ اس خیال سے کہ لوگ کہیں گے کہ خود اپنے ہی ساتھیوں سے بدسلوکی کرتا ہے۔ عبداللہ بن ابی سے آپ کا سلوک حیرت انگیز وسعتِ ظرف کا ثبوت ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ مرا تو اس کے لئے اپنی چادر کفن کی خاطر دیدی، اس کے جنازے میں شرکت کے لئے اور اس پر ستر سے زائد بار دعائے مغفرت کے لئے تیار ہوگئے۔

حضورؐ نے ایک خاتون کو اپنے بچے کو آپ کے پاس لئے کھڑی دیکھ کر صحابہ سے فرمایا تھا کہ کیا یہ ماں اپنے اس بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے تو صحابہ نے فرمایا کہ "نہیں" اس پر حضور نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ لیکن حضور بھی محبوب ترین ہستی کی طرح

اپنے ایک ایک ساتھی پر بیحد شفیق اور مہربان تھے اور اس کی خطاؤں کی طرف سے صرف نظر رکھتے تھے۔ ایک عورت نے کہا یارسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے تو حضور نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس پر اس عورت نے کہا" یارسول اللہ۔ پھر ماں تو اپنے بچے کو کبھی آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی" اس عورت کی یہ بات سن کر حضور زار قطار رونے لگ گئے تھے اس لئے کہ وہ بھی اپنی امت کے لئے ایسے ہی مہربان تھے جیسے ماں اپنے بچوں پر مہربان ہوتی ہے۔ حضور کی اس شفقت کا خود قرآن نے بھی ذکر کیا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ ط

(آل عمران ۱۵۹)

اے پیغمبر، یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور ان کو دین کے کام میں شریک ہونے کا مشورہ دو۔

غرض حضور کی شفقت، محبت، نرمی، رحمت اور اپنے ساتھیوں سے مہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک ایک ساتھی کے بارے میں پوچھا کرتے تھے پھر جو چند دن بھی نظر سے اوجھل ہوتا تو اس کے بارے میں خصوصاً پوچھتے اگر بیماری کا پتہ چلتا تو خود اس کی عیادت کے لئے تشریف لیجاتے آپ لوگوں کے ذاتی اور شخصی مسائل میں پوری پوری دلچسپی لیتے تھے ان کے دکھ درد اور خوشیوں میں برابر شریک ہوتے اور ان کے ساتھ ایک خاندان کے افراد کی طرح رہتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ اس کے ساتھ بے نیازی اور نظر اندازی کا سوتیلا سلوک ہو رہا تھا۔ آپ کی اس محبت بھری رحیم و کریم شخصیت کا اثر تھا کہ آپ کے ساتھی بھی آپ پر جان نچھاور کرتے اور آپ کی رہنمائی میں سر ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے۔ آپ کا رویہ کسی ایک رفیق کے ساتھ بھی سخت گیری، خشکی، یبوست، بے پروائی، بے نیازی، نظر اندازی اور نفرت و حقارت کا رویہ نہ تھا۔ آپ سب کے ساتھ محبت و شفقت کا مساوی سلوک کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ گلی کے بچوں تک سے آپ انتہائی شفقت اور بے تکلفی سے پیش آتے تھے آپ ان کے ساتھ بھی ان کی دلچسپی کی باتیں کرتے اور انہیں سلام کہہ کر گذرتے تھے۔

آپ کی یہی وہ شخصیت تھی جو اپنے اندر قیادت کی بلند پایہ صفت رکھتی تھی۔ انسانوں کے ساتھ معاملہ ان کی نفسیات کے ساتھ ہوتا اور لوگ باہم کشیدہ خاطر ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن حضور کی تعلیمات شخصیت اور کردار کی کچھ ایسی نوعیت تھی کہ آپ کی ذات میں رحمت شفقت اور محبت مرکوز تھی اپنے ساتھیوں کے لیے آپ کے اندر ان صفات حمیدہ کے سوا کوئی سختی نہ تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ آپ ہمیں اتنے ہدیے ارسال کیا کرتے تھے کہ ہم آپ کے ہی ارسال کردہ ہدیوں میں سے پھر آپ کے پاس ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے لیے اس سے بڑی لغت اور رحمت کی گواہی اور کیا ہو سکتی ہے آپ کی کامیاب سیاسی جدوجہد میں آپ کے ساتھیوں کی جاں نثارانہ اور فدا کارانہ معاونت کا

بہت بڑا دخل ہے۔

فتح مکہ پر دشمنوں کے ساتھ آپؐ کا بلند پایہ اخلاقی سلوک

پوری انسانی تاریخ میں اتنی عظیم فتح پر جو اکیس سال کی طویل جان لیوا اور جانگسل کشمکش کے بعد حاصل ہوئی حضورؐ کا انتہائی پرامن طریقے پر خون بہائے بغیر شہر میں داخل ہونا قتل و غارت سے اسلامی فوج کو بالکل منع کر دینا۔ ایک صحابی کی زبان سے اتنی سی بات نکل جانے پر کہ آج انتقام کا دن ہے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لیکر ان کے لڑکے کو دیدینا۔ پورے شہر کی اس طرح ناکہ بندی کرنا اور فوج کو پھیلا کر اس طرح شہر میں ہر دروازے سے داخل ہونا کہ کسی کو مزاحمت کی ہمت نہ پڑے اور کوئی قتل و خون نہ ہونے پائے حیرت انگیز رحمدلی کا مظاہرہ ہے جب کہ دنیا کے فاتحین خون بہائے بغیر داخل ہونا اپنے رعب و داب کے منافی سمجھتے ہیں۔ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ایک جگہ خالد بن ولید کے دستے سے شہریوں کی معمولی مزاحمت سے چند جانوں کے نقصان پر انتہائی افسوس کا اظہار کرنا اور اسے تقدیر کا فیصلہ قرار دینا گویا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ حضور جس شہر سے نکالے گئے تھے۔ جس شہر میں حضور کے قتل کے منصوبے بنے تھے جس شہر میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے، کوڑے برسائے اور مظالم ڈھائے گئے تھے جس شہر میں گلے میں کپڑا ڈال کر آپ کو گھسیٹا گیا تھا اور جس شہر میں آپ کی گردن پر اوجھڑی ڈالی گئی تھی اس شہر میں حضور ایک قطرہ خون کا گرانا بھی پسند نہ فرماتے تھے سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم رحمۃ للعالمین کی یہ شان انسانی ادراک کی پہنچ سے بالاتر رحمت کاملہ کی حامل شان ہے۔

بڑے بڑے جان کے لاگو دشمن مفتوح ہو کر سامنے آئے۔ تو حضورؐ نے ان سے فرمایا "میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ لا تثریب علیکم الیوم۔ جاؤ آج تم سے کسی شے کا کوئی محاسبہ نہیں ہے"
پھر حضور نے سب کے سامنے تقریر فرمائی۔

"اے گروہ قریش، خدا نے تمہاری جاہلانہ اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج ختم کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔ پھر فرمایا اچھا جاؤ "تم سب آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں ہے۔"

پھر غزوہ حنین سے جس قدر بے پناہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ وہ سب مکہ کے ان نومسلم طلقاء کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حد یہ ہے کہ اس میں سے اپنے مدینے کے لشکر میں کبھی بھی کچھ تقسیم نہ کیا۔ سارے کا سارا مال ان لوگوں میں بانٹ دیا جو ابھی کل ایمان لائے تھے اور جن کی تلواروں سے اب تک مسلمانوں کے خون کی بو نہ گئی تھی یہ تالیف قلب کا کمال درجے کا نمونہ تھا حضورؐ کے اس طرز عمل نے سارے عرب کو ایک طرف حیران کر دیا تو دوسری طرف اطمینان دلا دیا کہ مدینہ سے ابھرنے والی نئی قوت کوئی حریصانہ فاتح قوت نہیں، مگر ایک انوکھی قوت تھی وہ فیاض اور رحیم و کریم تھی۔ اس سے کسی شریف حلیف کو کوئی خطرہ نہیں تھا رحمت ہی رحمت تھی اور اس کے ساتھ مل کر رہنے میں زندگی ہی زندگی تھی چنانچہ فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے اس رحم دلانہ طرز

سارے عرب کے دل اسلام کے لئے کھل گئے اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

انصار کا گلہ اور ان کی دلجوئی

فتح مکہ کے بعد فوراً ہی غزوہ ہوازن پیش آیا جس میں مکہ کے نومسلم نوجوانوں کا بھی ایک خاصا لشکر شریک ہوا ہوازن کی شکست سے زبردست مال غنیمت ہاتھ آیا چونکہ وہ اپنا سارا مال ومتاع بکریاں مال واسباب لیکر میدان جنگ میں آئے تھے حضور نے وہ سارا مال غنیمت مکہ کے نومسلموں میں بانٹ دیا اور اس میں سے اپنے مدینے کے ساتھیوں کو کچھ نہ دیا اس پر انصار کے گروہ میں گلے شکوے کی فضا پیدا ہوئی اور کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں بعض کو یہاں تک خدشہ ہوا کہ فتح مکہ کے بعد اب حضورؐ اپنی قوم کے پاس مکہ میں ہی رہ جائیں گے۔ شاید مدینہ نہ جائیں گے ان باتوں سے وہ دل گرفتہ ہو گئے اور آپؐ نے جب یہ سنا تو اس کی تصدیق کے بعد آپ نے ایک تقریر فرمائی۔

”اے گروہ انصار، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعے تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے تم کو دولت مند کیا حضور فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر یہ بات کہے جاتے تھے کہ

”ہم پر خدا اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔“

پھر یکایک آپ نے پلٹ کر فرمایا۔

”نہیں، تم جواب یہ دو کہ اے محمدؐ تم کو جب سب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں پناہ دی، تم ہمارے پاس مفلس آئے تھے ہم نے ہر طرح تمہاری مدد کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ“ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔“

حضورؐ کی اس بات پر انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رونے لگے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔

”اے گروہ انصار، کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔“

بس اس بات پر تو انصار کی چیخیں ہی نکل گئیں۔ اکثر کا یہ حال تھا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئی تھیں پھر آپؐ نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کو ان کے حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف ان کی تالیف قلب کے لئے اتنا کچھ دیا ہے۔ اس بات پر سب مطمئن ہو گئے سارے گلے شکوے دور ہو گئے سب کے ایمان ہزاروں گنا زیادہ بڑھ گئے اور انصار کے چہروں پہ وہ رونق آگئی جو پھر کسی دوسرے کے چہرے پر نہیں تھی۔

یوں حضورؐ نے اپنی شان دلربائی سے اپنے روٹھنے والے ساتھیوں کا دل ایک حکمت تقریر سے موہ لیا۔ اب وہ آپ کے پہلے سے بھی زیادہ گرویدہ اور جاں نثار ہو گئے۔

مردم شناسی اور قیادت کے لئے ایک مؤثر گروہ کی تیاری

حضورؐ نے اسلامی تحریک کو جو زمان و مکان کے حدود پھلانگ کر قیامت تک کے لئے سارے عالم کی ہدایت کے لئے اٹھی تھی مناسب اور مؤثر قیادت فراہم کرنے کا بھی اہتمام فرمایا حضورؐ نے اس کام کو بھی الہٰی تحریک کے رخ پر گذرنے والے وقت کے حوالے نہیں کر دیا کہ خود جو کچھ ہونا ہے وہ ہو جائے گا اور کوئی مرد سے از غیب نمودار ہو کر تحریک کی باگ ڈور تھام لے گا اور اس کی مستقبل کی منازل تک اس کی رہنمائی کرتا رہے گا بلکہ اول روز سے حضورؐ نے اس تحریک کی مؤثر اور اجتماعی قیادت کی تشکیل کا اہتمام فرمایا یہی وہ زبردست دور اندیشی تھی جس کے نتیجے میں اسلام کی دعوت حضورؐ کے بعد بھی آج تک نکھری ہوئی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اگرچہ وہ سیاسی نظام مملکت اس صورت میں بعد کے دور میں قائم نہ رہا۔ عربوں کی سابقہ خاندانی چپقلش خصوصاً بنو امیہ کی خاندانی عصبیت اور ان کا حد سے بڑھا ہوا . خاندانی احساس، وجاہت نظام کے معیاری وجود میں رکاوٹ بن گیا۔ اس کے باوجود حضورؐ نے جن اصولی، نظریاتی اور مضبوط دعوتی بنیادوں پر نظام اسلام کو کھڑا کر دیا تھا وہ صدیوں تک اپنے اس مؤقف سے اکھاڑا نہ جا سکا۔

حضورؐ نے اسلامی نظام مملکت کو قائم کرنے اور دعوت اسلامی کی تحریک کو فعال بنانے کے لئے اپنے ساتھ ساتھ ایک مؤثر قیادت بھی تیار فرمائی۔ جس کے لئے حضورؐ نے مختلف تدابیر اختیار فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے ہر اہم معاملے میں ہمیشہ شریک، مشیر اور قائم مقام رہے وہ اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ اول روز سے جان و مال سے اسلامی تحریک کے لئے قربانیاں دیتے چلے آرہے تھے اس کے ساتھ ہی حضورؐ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح کر کے ان سارے تعلقات کو قریب تر اور مضبوط تر کر دیا۔ حضورؐ نے ان کے مناقب فراخدلی سے ارشاد فرمائے اور آپ کی تحریکی خدمت کی کثرت سے تعریف فرمائی۔ قرآن نے بھی اس کی تصدیق کی

حضرت عمرؓ فاروق کے اندر جوہر قیادت دیکھ کر حضورؐ نے ان کے اسلام کے لئے دعا کی۔ ان کو اپنے سارے مشوروں میں شریک رکھا۔ ان کے اکثر مشوروں کے مطابق قرآن کی آیات نازل ہوئیں جس سے آپ کی رائے اور زیادہ مستحکم ہوئی۔ آپ نے مشکل اوقات میں اسلام کی زبردست خدمات سرانجام دیں۔ حضورؐ نے اس تعلق کو آپ کی بیٹی ام المؤمنین حفصہ سے نکاح کر کے اور مضبوط کر دیا۔ حضورؐ نے آپ کی مختلف مواقع پر تعریف فرمائی۔ حضرت عمر کے بے شمار مناقب ہیں جو حضورؐ کی زبانی آپ کے بارے میں بیان ہوئے ہیں:

حضرت عثمانؓ اور حضرت علی دونوں اول روز سے حضورؐ کے زیر تربیت رہے۔ حضرت عثمانؓ نے اسلام کے لئے مال کی اور حضرت علیؓ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے مثال قربانیاں پیش کیں حضورؐ نے ان دونوں کو اپنے داماد بنا کر اس رشتہ کو اور مستحکم کر دیا۔

اس طرح حضورؐ نے اپنے بے شمار ساتھیوں سے مشورہ لے کر، انہیں مختلف غزوات میں اپنا قائم مقام بنا کر یا ان کو کسی غزوہ میں جھنڈا دے کر یا کسی لشکر کا امیر بنا کر یا اس کی خدمات کے بارے میں کلمات تحسین فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ لوگ تحریک کے مقام رہنمائی پر فائز تھے اور ان پر اسلامی مملکت کو چلانے کی ذمہ داری ڈالی جا سکتی تھی مثلاً حضرت ابوبکر صدیق ہی تھے جنہوں نے حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد ایک ہی دن میں پے درپے ملی مسائل کو حل کیا یہ ان کی صلاحیت خلافت کے عظیم نشانات ہیں۔

حضورؐ کا انتقال ہوا تو سب پریشان تھے۔ حضرت عمرؓ تو تلوار لئے پھرتے تھے کہ جس نے کہا کہ حضورؐ کا انتقال ہو گیا وہ اس کی گردن اڑا دیں گے۔ لیکن جب حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے تو انہوں نے اطمینان سے جا کر حضورؐ کو دیکھا آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ کی موت کی گواہی دی۔ پھر سکون سے مسجد نبوی میں جا کر خطبہ دیا اور کہا کہ جو محمدؐ کو پوجتا تھا تو ان کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ البتہ جو خدا کا پرستار ہے تو خدا حی وقیوم ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ان کے اس ارشاد سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

پھر سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی حضورؐ کا ارشاد قریش کی امامت کے بارے میں سنا کر قضیہ کا فیصلہ کیا۔

پھر حضورؐ کے دفن کا مسئلہ آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی یہ بتا کر کہ نبی جہاں فوت ہوتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں وہ نزاع ختم کی جو بہت سخت تھی۔

پھر وراثت کی تقسیم کا مسئلہ اٹھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی یہ بتا کر کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ مسئلے کا تصفیہ کیا غرض حضرت ابوبکرؓ جن کو حضورؐ نے اپنی جگہ نماز کے لئے آگے کیا تھا انہوں نے حضورؐ کی غیر موجودگی کے پہلے ہی دن میں بار بار اپنی صلاحیت اور اہلیت کو ثابت کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضورؐ نے اپنے بعد اسلام کی خدمت کرنے کے لئے انسانوں کی ایک پوری بے نظیر کھیپ تیار کی جو ہر صلاحیت اور ہر خوبی سے مزین تھی تاریخ العالم میں اور کوئی رہنما اپنے ساتھ ایسی عمدہ، اعلیٰ اور ارفع انسانی کھیپ تیار نہ کر سکا۔ صرف خلفائے راشدین کو ہی لے لیا جائے تو انسان ان کی قوتوں صلاحیتوں قربانیوں اور خدا ترسیوں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے اور یہ سارا بہترین انسانی سرمایہ حضورؐ کا تیار کردہ تھا۔ حضورؐ نے اسلامی تحریک کے اندر جو طریق تربیت ایک مؤثر قیادت تیار کرنے کے لئے اختیار فرمایا وہ طریق تربیت جہاں اور جس درجے میں بھی کہیں بروئے کار لایا گیا وہاں درخشاں سیرت کے انسان نمودار ہوتے چلے گئے۔

درحقیقت تحاریک اعلیٰ صلاحیتوں کے بے شمار افراد کے ذریعے کام کرتی ہیں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے افراد تیار نہ ہونے کے نتیجے میں مر جاتی ہیں تاریخ اس بات پر ہر روز گواہی دیتی ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنے زور کردار و حکمت تربیت سے انسانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کی جو دنیا کی رہنمائی کے لئے بے نظیر تھی جس سے برتر اور بہتر انسانوں کے کسی گروہ

کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عصبیتوں کو بھڑکانے سے اجتناب

حضورؐ انسانیت کے نبض شناس رہنما تھے آپ ہمیشہ اس بات کا پورا اہتمام رکھتے تھے کہ انسانوں کے اندر پوشیدہ نفسیاتی بیماریوں اور کمزوریوں، قیادت کی کسی بے احتیاطی کے سبب اس طرح ابھر نہ آئیں جو تحریک اور دعوت اسلامی کے لئے فائدے کی بجائے الٹا نقصان کا سبب بن جائیں۔ حضورؐ نے جہاں ایک طرف اس نوعیت کی تمام لسانی، نسلی اور علاقائی عصبیتوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا وہاں ایسی عصبیتوں کے بھڑکنے کے ہر موقعہ سے سختی سے اجتناب کیا۔

ایک غزوہ میں گھوڑوں کو پانی پلاتے ہوئے دو افراد مہاجر اور انصاری کے درمیان تو تکار ہو گئی جس کے نتیجے میں دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو اے گروہ "انصار" اور اے گروہ مہاجرین کہہ کر پکارنا شروع کیا جیسے ہی یہ آواز حضورؐ کے کان میں پڑی حضورؐ خیمے سے باہر تشریف لائے اور سختی سے اس پکار کی مذمت کی اور فرمایا "میری موجودگی میں یہ جاہلیت کی پکار تم کیسے لگا رہے ہو" اسی طرح ایک موقعہ پر یہودیوں کے بھڑکانے سے اوس و خزرج کے قبائل میں قبیلوں کی پرانی عداوت کا جذبہ بھڑک اٹھا تو حضورؐ نے اسے سختی سے دبا دیا۔ غرض ایک اصولی اور نظریاتی خدا پرستانہ تحریک کے لیے نسل و وطن و قوم کی پرستش کی پکار جاہلیت کی پکار ہوتی ہے اور حضورؐ ان ساری عصبیتوں کو مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ لیکن حضورؐ کمال حکمت سے ایسی ہر عصبیت کے بھڑک اٹھنے سے سخت اجتناب کرتے تھے اور خود بھی کوئی کارروائی ایسی نہ کرتے تھے جس سے کسی کی کوئی عصبیت بھڑک اٹھے۔

فتح مکہ کے بعد سارے بت گرا دیئے گئے اور بیت اللہ شریف خالص اللہ کی عبادت کے لیے وقف ہو گیا لیکن حضورؐ نے خود عمارت کعبہ کے بارے میں کوئی کارروائی نہ کی۔ اس وقت کعبہ کی عمارت وہ تھی جو حضورؐ کی بعثت سے صرف پانچ سال پہلے قریش نے تعمیر کی تھی اور جس میں حجر اسود نصب کرنے کی نزاع کا خود حضورؐ نے فیصلہ کیا تھا اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپے کی کمی کے سبب عمارت کا طول کچھ کم کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنا یہ منشا تو ظاہر فرما دیا کہ عمارت کا بنائے ابراہیمی پر تعمیر ہونا ہی بہتر تھا۔ لیکن اس خیال کے پیش نظر کہ قوم ابھی تازہ نو مسلم تھی۔ عمارت کو جوں کا توں چھوڑ دیا اس لیے کہ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے عمارت کی تعمیر کے لیے مالی اور بدنی امداد دی تھی ان پر عمارات کا انہدام شاق گذر سکتا تھا۔ حضورؐ نے حکمت نفسیات کے پیش نظر ان کی دلدہی کی دیوار کو مضبوط کرنے کے لیے اینٹ پتھر کی عمارت کا اہتمام کرنے سے اجتناب فرمایا تاکہ کوئی شخص انہدام عمارت بیت اللہ سے کسی عصبیت میں مبتلا نہ ہونے پائے۔

زندگی کے ہر پہلو میں سادگی کا خصوصی اہتمام

حضورؐ نے اسلامی زندگی کے ہر پہلو میں بطور خاص سادگی کا اہتمام فرمایا۔ عبادت کے لیے مرکز اسلام مسجد نبوی تعمیر کی تو وہ اتنی سادہ بنائی کہ چھت پر کھجور کی شاخوں کا چھپر۔ مٹی کی دیواریں، کھجور کے تنوں کے ستون، اور منبر کے ساتھ سہارے کیلئے

کھجور کا ہی ایک تنا کھڑا ہوا جب کہ قیصر و کسریٰ کے محلات آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں اس وقت بھی اعلیٰ درجے کی تعمیر شدہ تھیں۔ خود بیت المقدس میں حضرت سلیمان کی تعمیر کردہ مسجد عظیم الشان تھی لیکن حضورؐ نے یہ سارے سامان موجود ہوتے ہوئے بھی ہر معاملے میں سادگی کا ہی اہتمام فرمایا اور ہر شے میں صرف رضائے الٰہی کے حصول کو ہی ملحوظ رکھا۔

حضورؐ نے اپنے لئے مسجد کے ساتھ جو کمرے بنوائے وہ بھی کچے، کھجوروں کے چھپروں والے کھجوروں کے تنوں کے ستونوں والے نہایت معمولی اور چھوٹے چھوٹے کہ نماز پڑھتے ہوئے کمرے کے دوسرے مکین کو سجدہ کے لئے پاؤں سمیٹنے پڑتے۔ بوریہ پر بستر لگا ہوا۔ بستر میں بھی صرف کھجور کی چٹائی جو جسم پر اپنے نقوش چھوڑ دے ایک دفعہ کسی ام المومنین نے کپڑا دوہرا کر کے حضورؐ کے آرام کی خاطر چٹائی پر بچھا دیا تو آپ کو ذرا گہری نیند آگئی جاگنے پر آپ نے فرمایا۔ میرے لئے ایسا بستر نہ بناؤ۔ مجھے ان آرام دہ بستروں سے کیا کام؟ حضرت عمرؓ نے تقاضا کیا کہ قیصر وکسریٰ تو عیش کریں اور آپ کے جسم پر بوریئے اور چٹائی کے نشان ہوں تو آپ نے فرمایا " ابن خطاب، میں تو اس سوار کی مانند ہوں جو کسی چھاؤں میں تھوڑی دیر دم لیتا ہے۔ اور پھر اپنی منزل کی طرف چلا جاتا ہے"۔ یہ سادگی رہائش میں ہی نہیں لباس میں بھی تھی معمولی سوتی لباس جو دھلا ہوا اور صاف کیا ہوا ہوتا تھا۔ کئی کئی جوڑے بنا کر رکھنا آپ پسند نہ فرماتے تھے آپ نے یہی صفات صحابہ کرام کے اندر بھی پیدا فرمانے کا اہتمام کیا ایک انصاری نے دو منزلہ مکان کی ڈیوڑھی بنائی تو آپ اس سے ناراض ہو گئے یہاں تک کہ اس نے وہ ڈیوڑھی گرا دی۔ یہی معاملہ خوراک کا تھا، سادہ ترین خوراک، کھجور اور پانی، کھجور اور بکری کا دودھ، روٹی اور شوربا، روٹی اور سبزی گوشت اور روٹی، غرض دستر خوان کو نعمت ہائے رنگا رنگ کی نمائش گاہ بنانا آپ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ مکان میں سادگی رہائش میں سادگی، لباس میں سادگی، خوراک میں سادگی، بات چیت میں بے تکلف محبت اور بے پناہ اپنائیت، آپ کی شخصیت اور عوام کے درمیان کوئی پردے حائل نہ تھے۔ نہ پردے کھڑکیوں پر تھے نہ دیواروں پر تھے اور نہ شخصیت اور انسانوں کے درمیان پردے تھے۔ سادگی، خدا ترسی، نیک مخلص مستعد، بہادر مدبر دیانت دار شخصیت۔ حضورؐ کی یہی سادگی دوستوں اور اجنبیوں میں احساسِ اپنائیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی تھی اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت بلالؓ ایسے ساتھی کبھی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور نہ مال دار صحابہؓ حضورؐ کی اس سادگی کے کسی قسم کے احساس برتری میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ معاشرے میں مساوات کا رنگ غالب رکھنے کے لئے حضورؐ کی یہ سادگی زبردست نفسیاتی اور معاشرتی حکمت پر مبنی تھی۔ وہاں کوئی معیار زندگی کی دوڑ نہ تھی صرف معیار اخلاق کی مسابقت تھی اور اس معیار کو بلند کرنے کے لئے کسی مال و دولت کی ضرورت نہ تھی۔ اس طرح حضورؐ نے ایک مساواتِ انسانیت کی فضا اپنے اس طرز عمل سے پورے معاشرے میں بنا دی تھی چنانچہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے تو یہ بات سب لوگوں کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ یہ الفاظ نہیں تھے کردار تھا۔

حضورؐ کی زندگی کا ہر گوشہ سادگی کا نمونہ تھا، یہ سادگی ایک انقلاب آفریں سادگی تھی اس سادگی میں سارے صحابہ

کے لیے ایک اسوۂ حسنہ بھی پوشیدہ تھا۔" چنانچہ حضورؐ کے صحابہؓ بھی اپنی روزمرہ زندگی میں سادہ طرزِ عمل کے ہی حامل تھے اسی سادگی کے سبب وہ فاتح تھے اور جب یہی سادگی مسلمانوں میں سے ختم ہوئی اور مسلمانوں کے دستر خوان انواع واقسام کی نعمتوں کی نمائش گاہیں اور ان کے پیٹ حیوانات آبی، بری اور ہوائی کے قبرستان بنے تو پھر مسلمان خود ساری دنیا کی قوموں کیلئے دستر خوان بن گئے۔

عزمِ مصمم کے حامل اور متوکل

حضورؐ مذبذب الشان نہ تھے، آپ عزمِ مصمم کے حامل تھے۔ حضورؐ کی طبیعت کا یہی رخ آپ کو فیصلہ کرنے میں مدد دیتا اور پھر اقدام کرنے میں قوت پہنچاتا تھا۔ حضورؐ کی صفت قرآن پاک نے بھی بیان کی فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (آل عمران ۱۵۹)۔

پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسے پر کام کرتے ہیں حضورؐ کی ساری جد وجہد میں اللہ پر توکل کر کے بڑے بڑے اقدامات کرنے کا رنگ صاف دکھائی دیتا ہے۔

جنگ احد کے موقعہ پر یہ بحث چھڑی کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے یا باہر میدان میں جاکر تو نوجوان صحابہؓ کی رائے باہر نکل کر اور عمر رسیدہ سنجیدہ حضرات کی رائے شہر میں رہ کر لڑنے کی تھی۔ خود حضورؐ کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے۔ لیکن بدر میں شرکت سے محروم پر جوش نوجوان باہر جاکر لڑنے پر ضد کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے اندر جانے کے بعد سب نے سوچا کہ حضورؐ کو ان کی رائے کے خلاف مجبور کرنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضورؐ ہتھیار بند ہو کر باہر تشریف لائے تو اکثر صحابہؓ نے یہ اصرار کیا کہ حضورؐ آپ اپنی رائے کے مطابق عمل فرمایئے لیکن حضورؐ نے جواب دیا "نہیں اب جنگ باہر جاکر ہی ہوگی، نبی جب ایک بار ہتھیار بند ہو جاتا ہے تو پھر میدان گرم کئے بغیر ہتھیار نہیں اتارتا۔" چنانچہ حضورؐ نے جب ایک بار باہر جاکر جنگ کا ارادہ فرمایا تو پھر آپ اس ارادے پر قائم رہے۔

آپ غور و فکر کرتے، مشورے حاصل کرتے اور معاملہ کا فیصلہ کرنے کے بعد ہی ان پر عملدرآمد فرماتے تھے لیکن آپ نے کبھی نفع و نقصان کے میزانیے لگا کر اور نفع کے تمام امکانات کی ضمانت اور نقصان کے تمام امکانات کے سدِ باب کا کلی اطمینان حاصل کر کے اس کی بنا پر فیصلے نہیں کئے۔ حضورؐ نفع و نقصان کو معیارِ فیصلہ نہیں بلکہ حق و باطل کو معیارِ فیصلہ بناتے تھے اور جب آپ فہم و دانش اور بحث و مذاکرے کے بعد ایک بار جو فیصلہ کر لیتے تھے تو پھر اس میں یکسوئی کے ساتھ عمل فرماتے تھے۔ آپ کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ بار بار فیصلے بدلے جائیں اور بار بار نفع و نقصان کے تخمینے لگائے جائیں۔ حضورؐ ایک عملی مدبر تھے اور تدبیر کا کام مکمل کر لینے کے بعد عمل کا حصہ بے دریغ و بلا تذبذب سرانجام دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی ساری جد وجہد میں آپ کہیں بھی کسی بات پر پریشان نہ ہوتے اور نہ پچھتاتے۔ آپ فہم و بصیرت سے فیصلے کرتے اور پھر یکسوئی اور توجہ سے ان فیصلوں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ اس کے بعد اس عمل کے جو نتائج بھی برآمد ہوتے آپ ان نتائج کو قدرت کا فیصلہ سمجھ کر بطیبِ خاطر قبول کرتے ہیں۔

آپؐ کو یہ اطمینان حاصل تھا کہ انسان اپنے فہم سے بڑھ کر مستقبل کو مزید آگے نہیں دیکھ سکتا۔ غیب اس سے پوشیدہ ہے جو جدوجہد کا نتیجہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے عین مطابق ہے اور سارے اعمال اگر اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کے ساتھ کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی بھی فرماتا ہے اور ان کی دستگیری بھی کرتا ہے۔

عالمگیر دعوت کا منشورِ انسانیت

حضورؐ جس دعوت کے علمبردار تھے وہ تمام عالمِ انسانیت کے لئے عالمگیر دعوت تھی۔ اس کا کوئی رنگ نہ تھا سوائے صبغۃ اللہ کے۔ اس کی کوئی جہت نہ تھی سوائے لوجہ اللہ کے۔ نہ آدم کی ساری ہی اولاد کے لیے دعوت فلاح و نجات تھی اور قیامت تک کے لیے تھی۔ اس دعوت کے نزول کے بعد سارے انسانوں کی بہتری اسی دعوت کے قبول کرنے اور اسی کی پیروی کرنے سے وابستہ ہے چنانچہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جمعہ کے دن آپ نے میدانِ عرفات میں جہاں ساری دنیا کے دینداروں کی ہمیشہ موثر نمائندگی ہوتی ہے اور جس سے بڑھ کر عالمگیر اسمبلی کا اجلاس دنیا کے کسی خطے میں کہیں بھی منعقد نہیں ہوتا، آپ نے پورے عالمِ انسانیت کے لیے جو منشور پیش فرمایا۔ اس کی ہر دفعہ انسانوں کے بوجھ اتارنے والی اور انہیں اخوت کی لڑی میں پرونے والی ہے۔ اس منشور نے رسولِ اکرمؐ کی دعوت کو ہمیشہ کے لیے زندہ و پائندہ رواں دواں اور عالمگیر بنا دیا ہے۔

اس اجلاس کے واسطے سے آپ نے پوری انسانیت کو قیامت تک کے لئے جو خطاب کیا وہ درج ذیل ہے:[1]

۱۔ ساری تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے معافی مانگتے ہیں اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں اور ہم اسی کے پاس اپنے نفس کی برائیوں اور اعمال کی خرابیوں سے پناہ طلب کرتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ گمراہ کرے۔ اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسولؐ ہے

۲۔ اے اللہ کے بندو، میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا اور اس کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم ہونے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں اسی بات سے ابتدا کرتا ہوں جو سراسر بھلائی ہے۔

۳۔ اے لوگو سنو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں گا۔

۴۔ لوگو، تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لئے ایک دوسرے پر قیامت تک کے لئے حرام ہیں اور ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمہارا یہ آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والا ہے۔ اے لوگو گواہی دو کہ کیا میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا (لوگوں کی آوازیں آئیں) تو پھر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔

۵ پھر فرمایا: لوگو، جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کرے جس نے اس کے پاس وہ امانت رکھوائی ہو۔

۶ خبردار، سود حرام ہے اور جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے۔ البتہ تمہارے لئے راس المال پر حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے اور پہلا سود جس کے ساقط کرنے سے میں اس

---

[1] [illegible]

ابتدا کرتا ہوں وہ میرے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔
۷۔ خبردار، جاہلیت کے خون ختم کئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں اسے ساقط کرنے کی ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچازاد بھائی کے بیٹے عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔
۸۔ خبردار جاہلیت کے تمام آثار و مناصب ساقط کئے جاتے ہیں بجز خانہ کعبہ کی رکھوالی اور حجاج کو پانی پلانے کے۔
۹ قتل عمد پر قصاص ہے، مشابہ عمد وہ ہے جس میں لٹھ اور پتھر سے موت واقع ہو اس میں سو اونٹ خون بہا ہیں جو اس میں زیادتی کا مطالبہ کرے تو وہ جاہلیت والا ہے۔ اے لوگو کیا میں نے تم تک پیغام پہنچا دیا (آوازیں) اس پر آپ نے فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔

پھر فرمایا ۱۰۔ اے لوگو شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو اس لئے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔
۱۱۔ لوگو، سال کے حرام مہینوں میں اول بدل کفر میں ایک زیادتی ہے جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ حرام کردہ چیز کو حلال کرتے ہیں۔ آج زمانہ چکر لگا کر پھر اسی صورت میں آ گیا ہے جیسا کہ خدا کے زمینوں آسمانوں کو پیدا کرنے کے دن تھا سال کے بارہ مہینے ہیں اور ان میں ذیقعد، ذی الحج، محرم اور رجب حرام مہینے ہیں ...... کیا میں نے پیغام پہنچا دیا (آوازیں) آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا۔
پھر فرمایا ۱۲۔ اے لوگو تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو کسی اور سے نہ روندوائیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی کو نہ داخل ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان پر سختی کر سکتے ہو اگر وہ اطاعت کریں قرآن کو دستور کے مطابق اچھا کھلاؤ اور پہناؤ۔ میں تمہیں عورتوں کے بارے میں بھلائی کی تاکید کرتا ہوں ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو، سنو کیا میں نے پیغام پہنچا دیا (آوازیں) آپ نے فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔
پھر آپ نے فرمایا ۱۳۔ لوگو، تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ اس کی اجازت سے لے۔
۱۴۔ لوگو، میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے تھامے رہو گے تو تم گمراہ نہ ہو گے وہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ آوازیں بلند ہوئیں تو آپ نے فرمایا "اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔
اس کے بعد فرمایا ۱۵۔ لوگو، تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے جاہلیت کی عصبیتیں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ تم میں اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔ بتاؤ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا" اس پر لوگوں نے بآواز بلند گواہی دی تو آپ نے فرمایا کہ "حاضر کو چاہئے کہ وہ غائب تک یہ باتیں پہنچا دے۔

پھر آپ نے فرمایا ۱۶ ''لوگو اللہ نے ہر وارث کے لئے ورثے میں حصہ مقرر کر دیا ہے اب کسی اور وصیت کی ضرورت نہیں بجز ایک تہائی کے۔ بچہ بستر کے مالک کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرے یا اپنے مولا کے سوا کسی اور کو مولا بنائے تو اللہ اور اس کے فرشتوں کی اس پر لعنت ہے۔ اس سے کوئی رقم اور کوئی بدلہ قبول نہیں ہوگا۔'' [1]

یہ ہے وہ عظیم منشور انسانیت جو ملکوں، نسلوں، قبیلوں، رنگوں اور زبانوں اور صدیوں کی حدود پھاند کر پوری انسانیت کے سارے ادوار کو اپنی حدود میں سمیٹ لیتا ہے جس کی دعوت عالمگیر ہے جس کے اثرات بین الانسانی اور بین الاقوامی ہیں اور جو جاری ہونے کے لحاظ سے قیامت تک کے لئے ایک زندہ تابندہ اور درخشاں ہدایت کا صحیفہ ہے۔ اس کے بعد انسانیت کو کسی مزید ہدایت کی ضرورت نہیں ہے حضور نے یہ منشور پیش فرما کر انسان کو ایک عالمی اسلامی ریاست کا شہری بنا دیا ہے۔

سیاست عبادت کی مانند ہر آلودگی سے پاک

اس کے باوجود کہ حضورؐ نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا جو تاریخ کا ایک منفرد کارنامہ ہے اس جدوجہد میں حضورؐ کو دوستوں اور دشمنوں سے کینہ پرور مخالفین سے لیکر مکار اور دھوکے باز حلیفوں تک واسطہ پڑا، آپؐ معاہدات، جنگ، جدل اور مذاکرات کے مختلف سیاسی مراحل طے کرتے ہوئے ایک اسلامی ریاست کے سربراہ مملکت تک بن گئے لیکن آپ کی سیاست اتنی ہی پاک صاف ستھری پاکیزہ اور طاہر و مطہر تھی جیسے آپ کی نماز روزے، حج اور دیگر عبادات پاکیزہ تھیں اس لئے کہ آپ کی دونوں ہی چیزیں فی سبیل اللہ تھیں۔ سیاست بھی اور عبادت بھی۔ آپؐ سبحانہٗ ہی کی خاطر یہ سارے امور سرانجام دیتے تھے۔

آپؐ نے بیسیوں وعدے کئے لیکن کبھی ایک بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپؐ نے متعدد معاہدے کئے لیکن کبھی ایک بار بھی معاہدہ شکنی نہیں کی۔ آپؐ نے بے شمار سیاسی مذاکرات کئے لیکن کبھی کسی سے دھوکا دہی اور مکر و فن سے کام نہیں لیا آپ نے دشمنوں کو پچھاڑا لیکن دھوکے سے نہیں ہمت و جرأت قوت بازو اور تائید ایزدی سے پچھاڑا۔

حضورؐ نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ سبق دیا کہ ایمانداری، صداقت اور امانت داری جس طرح انفرادی زندگی میں انسان کے لئے خوبی ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی میں بھی انہی چیزوں کا وزن ہے۔ حضورؐ نے مظلومیت کا دور بھی گزارا اور ایک مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے بھی بہت دن گزارے۔ دوستوں سے وعدے کئے اور دشمنوں کی وعدہ شکنیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے کبھی کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ آپؐ نے کبھی کسی کے ساتھ عہد کر کے اسے نہیں توڑا آپؐ نے اپنی کسی بات کی غلط تاویل تک کرنا پسند نہ فرمایا۔ اپنے حلیفوں کا آپؐ نے نازک ترین حالات میں بھی ہمیشہ ساتھ دیا دشمنوں کے چیلنج کو مشکل ترین حالات میں بھی جرأت سے قبول کیا۔ آپ نے جان کے دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کیا بلکہ انصاف سے بھی آگے بڑھ کر ہمیشہ فیاضی اور احسان کا راستہ اختیار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست کی اس کسوٹی پر حضورؐ کے سوا دنیا کا کوئی

[1] بخاری کے مطابق یہ خطبہ حضور اکرمؐ کے حکم سے لکھ کر حضرت ابو شاہ کو دیا گیا تھا سیاسی زندگی ص ۵۷

انسان بھی کھرا نہیں اترتا ہے۔ یہ حکمت سیاست حضورؐ کو نبوت کے واسطے سے ہی ملی تھی اور اللہ مالک الملک کی حفاظت اور پناہ بھی آپ کو حاصل تھی ایسی جاں گسل کشمکش میں ربع صدی تک مبتلا رہنا۔ فوجی اقدامات کرنا، دشمن کے شہر فتح کرنا، ہزاروں قیدیوں کا آنا جانا برسوں تک معمول رہا لیکن کوئی ایک واقعہ بھی حضورؐ کے فوجیوں کے ذریعے کسی کی عزت پہ دست درازی کا رونما نہیں ہوا۔ لوٹ مار نہیں ہوئی ظلم و ستم اور جبر و تشدد نہیں ہوا۔ اس سے زیادہ پاکیزہ سیاست اور کسے کہا جا سکتا ہے۔ یہ سیاست اتنی ہی پاکیزہ ہے جتنی کوئی نماز پاکیزہ اور طیب ہو سکتی ہے۔

آپ کی سیاسی جدوجہد میں جو اصول شروع سے آخر تک دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ایک مامور من اللہ انسان ہیں۔ آپ اپنے مالک کا عائد کیا ہوا فریضہ احسن طریقے سے ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب وہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے تو آپ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے مالک کو بار بار گواہ کر کے اپنے فرض کی ادائیگی کا اعلان کرتے ہیں آپ کا دوسرا اصول توکل علی اللہ ہے حضورؐ سے بڑھ کر متوکل اور صابر انسان پوری تاریخ میں کہیں کوئی نظر نہیں آتا۔ طائف کے بازاروں میں پاؤں زخمی ہونے اور بے ہوش ہونے کا مرحلہ بھی ہے اور فتح مکہ کا عظیم موقعہ بھی ہے لیکن آپ ہر مقام پر متوکل اور صابر ہیں۔ آپ کی تیسری خصوصیت آپ کی بے نظیر جفاکشی اور جرأت و شجاعت ہے جو شیروں کو مات کرتی اور پہاڑوں کو تھراتی ہے۔ چاہے وہ احد کا میدان ہو یا ہوازن کا آپ کا چوتھا اصول فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری کے مقابلے میں امن و سلامتی کا قیام ہے۔ یہ خصوصیات ہیں جو حضورؐ کی ساری جدوجہد میں کہیں نہ کہیں ہر مقام پر دکھائی دیتی ہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ اتحاد کو قائم رکھتے اور دشمنوں کو باری باری سے مسخر کرتے ہیں، کہیں قوت اور کہیں دعوتِ اسلامی کے ذریعے آپ دین کے راستے صاف کرتے چلے جاتے ہیں ہجرت کے بعد یہ عمل مسلسل ۸۔۹ سال تک جاری رہتا ہے یہاں تک کہ دشمن سب کے سب راستہ چھوڑ کر ہٹ جاتے ہیں اور خدا کے بندوں اور ان کے خدا کے درمیان دعوتِ حق کا صراطِ مستقیم بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت و مخالفت استوار ہو جاتا ہے۔

حضورؐ کے مشن کی کامیابی دنیا کی کامیابیوں میں سب سے بڑی مثالی کامیابی ہے اور حضورؐ کا راستہ ہی دین و سیاست اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا مستند راستہ ہے اسی راستے کا نام صراطِ مستقیم ہے۔

بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے والے وفود

ابن ہشام المعافری، ترجمہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

امام ابو محمد عبد الملک ابنِ ہشام معافری بصری (متوفی ۲۱۳ھ) کی تصنیف "السیرۃ النبویۃ" سیرتِ طیبہ کے مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور پر اسے "سیرت ابنِ ہشام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے والے وفود کا تذکرہ اسی کتاب سے کسی قدر تلخیص کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

جب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا، تبوک سے فارغ ہو گئے اور قبیلۂ ثقیف اسلام لا کر بیعت سے مشرف ہو گیا تو ہر جانب سے عرب کے وفود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ (ابنِ اسحاق)

ابو عبیدہ نے بیان کیا کہ یہ سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس سال کا نام "سنۃ الوفود" قرار دیا گیا۔ (ابنِ ہشام)

عام طور پر عرب، اسلام لانے میں تاخیر سے کام لے رہے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے تعلقات کیا نوعیت اختیار کرتے ہیں، کیونکہ قریش عام لوگوں کے امام اور ہادی تھے۔ بیت اللہ شریف کے خادم اور حرم کے باسی تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد تھے اور عرب کے راہنما تھے۔ ان کی یہ حیثیات مسلّم تھیں اور قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرِ پیکار اور مخالفت میں پیش پیش تھے۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ قریش نے اطاعت اختیار کر لی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، تو عربوں نے محسوس کیا کہ ہمارے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اور دشمنی کی سکت نہیں تو ہر طرف سے ان کی جماعتوں کی جماعتیں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے لگیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ	جب اللہ کی مدد اور فتح آئے
وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر۔ پ ۳۰)	اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں، تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یعنی اس بنا پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو کہ اس نے تمہارے دین کو غلبہ عطا فرما دیا اور اس سے بخشش کی دعا مانگو کہ وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

وفد بنو تمیم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے مختلف وفود حاضر ہوئے چنانچہ بنو تمیم کے معززین میں عطارد بن حاجب بن زرارہ

بن عدس تمیمی، اقرعؓ بن حابس تمیمی، زبرقان[٢] بن بدر تمیمی، عمرو[٤] بن الاہتم اور حتات بن یزید حاضر ہوئے ۔

یہ حتات وہی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کے درمیان بھائی چارہ (عقد مواخات) قائم کرایا تھا۔ اُن کے علاوہ آپ نے جن مہاجرین صحابۂ کرام کے درمیان برادرانہ تعلقات قائم کیے ان میں سے چند نام یہ ہیں:

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، حضرت عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن العوام، حضرت ابوذر غفاری اور مقداد بن عمرو بہرانی، حضرت معاویہ بن ابوسفیان اور حتات بن یزید مجاشعی رضی اللہ عنہم (ابن ہشام)

بنو تمیم کے عظیم وفد میں یہ حضرات بھی تھے۔ نعیم بن یزید، قیس[٦] بن الحرث، قیس بن عاصم (یہ بنو سعد میں سے ہیں) (ابن اسحاق)

ان کے علاوہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری بھی ساتھ تھے۔ حضرت اقرع بن حابس اور حضرت عیینہ بن حصن مکہ معظمہ، حنین اور طائف کی فتح کے موقع پر بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ جب بنو تمیم کا وفد آیا، تو یہ حضرات بھی اس میں شامل تھے۔ وفد نے مسجد میں داخل ہو کر حجرات مبارکہ کے باہر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا کہ اے محمدؐ! باہر تشریف لائیں (حضورؐ آرام فرما تھے) ان کے اس طرح بلند آواز سے پکارنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی[١]۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس اظہارِ فخر کے لیے آئے ہیں۔ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: تمہارے خطیب کو اجازت ہے۔

بنو تمیم کا خطاب

عطارد بن حاجب نے اُٹھ کر کہا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کا ہم پر فضل اور احسان ہے، وہ تمام تعریفوں کے لائق ہے جس نے ہمیں بادشاہ بنایا اور ہمیں بکثرت مال دیا۔ ہم اس مال کو نیک راستوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں مشرق والوں پر عزت، تعداد اور خوشحالی میں فوقیت عطا فرمائی۔ دوسرے لوگوں میں ہم جیسا کون ہے؟ کیا ہم لوگوں کے سردار فضیلت میں اُن سے زیادہ نہیں ہیں؟ جو شخص فخر میں ہمارا مقابلہ کرنا چاہے اُسے چاہیے کہ ہماری بیان کردہ خوبیوں کے مقابل اپنی خوبیاں گنوائے۔ اگر ہم چاہیں، تو گفتگو کو طول دے سکتے ہیں، لیکن خداداد نعمتوں کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے ہماری شناخت کے لیے یہی کچھ کافی ہے۔ میری گزارش ہے کہ آپ بھی جوابی طور پر ایسی ہی گفتگو فرمائیں اور ہمارے فضائل سے بڑھ کر فضائل بیان کریں ——— یہ کہہ کر عطارد بیٹھ گئے۔

حضرت ثابت بن قیس کا خطاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو حکم دیا جن کا تعلق بنو حرث بن خزرج سے تھا کہ تم اُٹھ کر اس کے خطاب کا جواب دو۔ حضرت ثابتؓ

؎۱ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ٥	بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں
وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡهِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ٥ پ ۲۶ الحجرات آیت ۴/۵	اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے، تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نے کھڑے ہو کر فرمایا:

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، اس کے حکم نے اُن کے بارے میں فیصلہ کیا، اُس کا علم اس کی کرسی کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس کے فضل کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی قدرت کے کرشمے نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اس نے اپنی تمام مخلوق میں سے افضل ہستی کو رسولؐ منتخب فرمایا جن کا نسب انتہائی اعلیٰ گفتگو حد درجہ سچی اور شرافت میں سب سے بڑھ کر ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی کتاب اتاری، انہیں مخلوق پر امین بنایا۔ وہ تمام جہانوں میں سے اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ ہیں، پھر آپؐ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی، آپ کے رشتے دار اور آپؐ کی قوم کے مہاجرین آپؐ پر ایمان لائے جو شرافت، وجاہت اور نیکی میں سب لوگوں سے افضل ہیں اور دعوت اسلام قبول کرنے میں دوسروں کے پیش رو ہیں، پھر ہم نے خدا اور رسولؐ کے بلانے پر لبیک کہی، ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ ہم کافروں سے جنگ کرتے رہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں، جو شخص اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے گا۔ ہم اس کے جان و مال کے محافظ ہیں اور جو کفر پر رہے گا ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس سے ہمیشہ جہاد کریں گے اور اس کا قتل ہمارے لیے آسان ہوگا۔ میں اپنی گفتگو اسی پر ختم کرتا ہوں، اپنے لیے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ تعالےٰ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو!

زبرقان کے اشعار

پھر زبرقان بن بدر نے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے

نَحْنُ الكِرَامُ فَلَا حَيٌّ يُعَادِلُنَا   مِنَّا المُلُوكُ وَفِينَا تُنْصَبُ البِيَعُ

ہم عزت والے ہیں کوئی قبیلہ ہماری ہمسری نہیں کر سکتا۔ ہم میں سے بادشاہ ہیں اور ہمارے ہاں عبادت گاہیں تعمیر کی جاتی ہیں۔

وَكَمْ قَسَرْنَا مِنَ الأَحْيَاءِ كُلِّهِمِ   عِنْدَ النِّهَابِ وَفَضْلُ العِزِّ يُتَّبَعُ

ہم نے قتل و غارت کے وقت تمام قبیلوں کو شکست دے دی اور عزت کی فضیلت کی پیروی کی جاتی ہے

وَنَحْنُ يُطْعَمُ عِنْدَ القَحْطِ مَطْعَمُنَا   مِنَ الشِّوَاءِ إِذَا لَمْ يُؤْنَسِ القَزَعُ

جب بادل دیکھنے میں نہ آتا ہو اور قحط کا عالم ہو تو ہمارے ہاں بھنا ہوا گوشت کھلایا جاتا ہے۔

بِمَا تَرَى النَّاسَ تَأْتِينَا سَرَاتُهُمُ   مِنْ كُلِّ أَرْضٍ هُوِيًّا ثُمَّ نَصْطَنِعُ

تم دیکھتے ہو کہ ہر خطے کے سرکردہ لوگ دوڑتے ہوئے ہمارے پاس آتے ہیں، اور ہم ان کی خاطر مدارات کرتے ہیں۔

فَنَنْحَرُ الْكُوْمَ عَبْطًا فِيْ اَرُوْمَتِنَا　　لِلنَّازِلِيْنَ اِذَا مَا اُنْزِلُوْا شَبِعُوْا

ہم اپنی فطرت کے مطابق مہمانوں کے لیے بڑی کوہانوں والے اونٹ ذبح کرتے ہیں اور جب انہیں مہمان بنایا جاتا ہے، تو خوب سیر ہو کر کھاتے ہیں۔

فَلَا تَرَانَا اِلٰى حَيٍّ نُفَاخِرُهُمْ　　اِلَّا اسْتَفَادُوْا فَكَانُوا الرَّاْسَ يُقْتَطَعُ

تم ہمیں جس قبیلے کے پاس بھی فخر کرتے ہوئے دیکھو گے، اس قبیلے نے ہم سے فائدہ حاصل کیا ہوگا اور اس کا سر ہمارے سامنے جھکا ہوا ہوگا۔

فَمَنْ يُّفَاخِرُنَا فِيْ ذَاكَ نَعْرِفُهُ　　فَيَرْجِعُ الْقَوْمُ وَالْاَخْبَارُ تُسْتَمَعُ

جو شخص اس معاملے میں ہم پر فخر کرتا ہے ہم اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں، لوگ واپس چلے جاتے ہیں اور خبریں پھر بھی سنی جاتی ہیں۔

اِنَّا اَبَيْنَا وَلَا يَاْبٰى لَنَا اَحَدٌ　　اِنَّا كَذٰلِكَ عِنْدَ الْفَخْرِ نَرْتَفِعُ

ہم انکار کر دیتے ہیں اور ہمارے سامنے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ہم عظمتِ شان کے اظہار کے وقت ایسے ہی سر بلند رہتے ہیں۔ ابنِ ہشام نے کہا، ایک روایت میں یہ شعر بھی ہے۔

مِنَّا الْمُلُوْكُ وَفِيْنَا تُقْسَمُ الرُّبُعُ　　مِنْ كُلِّ اَرْضٍ هَوَانًا ثُمَّ نُتَّبَعُ

ہم میں سے بادشاہ ہیں، مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ (جاہلیت کے طریقے کے مطابق) ہم میں ہی تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہر علاقے کے لوگ ذلیل ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں، پھر ہماری پیروی کی جاتی ہے۔

ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ مجھے یہ اشعار بنو تمیم کے بعض افراد نے بیان کیے لیکن اشعار کے اکثر ماہرین تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اشعار زبرقان کے ہیں۔

حضرت حسّان کا جواب

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیج کر انہیں بلایا۔ حضرت حسّان فرماتے ہیں، میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ تمہیں بنو تمیم کے شاعر کا جواب دینے کے لیے بلایا ہے۔ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے لیے چل دیا اور میری زبان پر یہ اشعار تھے۔

مَنَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ اِذْ حَلَّ وَسْطَنَا　　عَلٰى اَنْفِ رَاضٍ مِّنْ مَّعَدٍّ وَّرَاغِمِ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، تو ہم نے قبیلۂ مَعَد کی خوشی اور ناخوشی کی پروا کیے بغیر آپ کی حفاظت کی۔

مَنَعْنَاهُ لَمَّا حَلَّ بَيْنَ بُيُوْتِنَا　　بِاَسْيَافِنَا مِنْ كُلِّ بَاغٍ وَّظَالِمِ

جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بستی میں تشریف لائے، تو ہم نے اپنی تلواروں کے ساتھ ہر باغی اور ظالم

آپ کی حفاظت کی۔

بِبَيْتٍ حَرِيْدٍ عِزُّهُ وَثَرَاؤُهُ — بِجَابِيَةِ الْجَوْلَانِ وَسْطَ الْأَعَاجِمِ
هَلِ الْمَجْدُ إِلَّا السُّؤْدَدُ الْعَوْدُ وَالنَّدٰی — وَجَاهُ الْمُلُوْكِ وَاحْتِمَالُ الْعَظَائِمِ

ایسے منفرد گھر میں جس کی عزت و منزلت وہی ہے جو عجمیوں میں جابیۃ الجولان (شام کے بادشاہوں یعنی قبیلۂ غسان) کی ہے۔

بزرگی کیا ہے؟ پشت در پشت منتقل ہونے والی سرداری، سخاوت، شاہانہ جاہ و حشم اور بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھانے کا نام ہے۔ حضرت حسان بن ثابت فرماتے ہیں جب میں بارگاہِ رسالت میں پہنچا، تو بنو تمیم کا شاعر اپنا کلام پیش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے کلام پر تعریض کی اور اُسی کی زمین میں شعر کہے۔ جب زبرقان فارغ ہوگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت کو فرمایا: حسان!

کھڑے ہو کر اس کے اشعار کا جواب دو

حضرت حسان نے اٹھ کر یہ شعر کہے ـــ

إِنَّ الذَّوَائِبَ مِنْ فِهْرٍ وَّإِخْوَتِهِمْ — قَدْ بَيَّنُوْا سُنَّةً لِّلنَّاسِ تُتَّبَعُ

قبیلۂ فہر اور ان کے معاصر قبیلوں کے چوٹی کے سرداروں نے لوگوں کو وہ طریقہ بتایا جس کی پیروی کی جاتی ہے

يَرْضٰی بِهِمْ كُلُّ مَنْ كَانَتْ سَرِيْرَتُهُ — تَقْوَی الْإِلٰهِ وَكُلَّ الْخَيْرِ يَصْطَنِعُ

ان سرداروں سے ہر وہ شخص راضی ہے جس کی سرشت میں خوفِ خدا اور ہر نیکی کا اختیار کرنا شامل ہے۔

قَوْمٌ إِذَا حَارَبُوْا ضَرُّوْا عَدُوَّهُمُ — أَوْ حَاوَلُوا النَّفْعَ فِيْ أَشْيَاعِهِمْ نَفَعُوْا

یہ وہ لوگ ہیں جو جنگ میں اپنے دشمن کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہتے اور جب اپنے ہمنواؤں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، تو پہنچا کر رہتے ہیں۔

سَجِيَّةٌ تِلْكَ مِنْهُمْ غَيْرُ مُحْدَثَةٍ — إِنَّ الْخَلَائِقَ فَاعْلَمْ شَرُّهَا الْبِدَعُ

ان کی فطرت یہ ہے کہ وہ نئی نئی چیزیں پیدا نہیں کرتے۔ اچھی طرح جان لو کہ مخلوق میں سے بدترین لوگ وہ ہیں، جو بدعات (مخالف شریعت امور) کو رواج دیتے ہیں۔

إِنْ كَانَ فِي النَّاسِ سَبَّاقُوْنَ بَعْدَهُمُ — فَكُلُّ سَبْقٍ لِأَدْنٰی سَبْقِهِمْ تَبَعُ

اگر ان کے بعد کچھ لوگ سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے، تو اُن کی ہر سبقت ان سرداروں کی معمولی سبقت سے بھی پیچھے ہوگی۔

لَا يَرْقَعُ النَّاسُ مَا أَوْهَتْ أَكُفُّهُمُ — عِنْدَ الدِّفَاعِ وَلَا يُوْهُوْنَ مَا رَقَعُوْا

ان کے ہاتھوں نے جس عمارت کو منہدم کر دیا، تمام لوگ مل کر بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتے اور جسے یہ استوار کر دیں، اسے دوسرے لوگ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

إنْ سابقوا الناسَ يوماً فازَ سبقُهُمُ ... أو وازنوا أهلَ مجدٍ بالنّدى مَتَعوا

اگر یہ دوسرے لوگوں کا مقابلہ کریں، تو سبقت انہی کے حصّہ میں آتی ہے اور اگر سخاوت میں بڑے لوگوں کا موازنہ کریں، تو ان کا پلّہ بھاری رہتا ہے

أعِفّةٌ ذُكِرَتْ في الوحي عِفّتُهُمْ ... لا يَطْبَعونَ ولا يُرْديهِمُ طَمَعُ

یہ ایسے پاکدامن ہیں جن کی پاکدامنی کا قرآنِ پاک گواہ ہے۔ بداخلاقی ان کے پاس سے بھی نہیں گزری اور نہ ہی لالچ انہیں ہلاک کرسکتا ہے۔

لا يَبْخَلونَ على جارٍ بفضلِهِمُ ... ولا يَمَسُّهُمُ مِنْ مَطْمَعٍ طَبَعُ

وہ اپنے مال سے اپنے ہمسایوں پر بخل نہیں کرتے اور نہ ہی لالچ کی آلودگی اُن کے قریب سے گزرتی ہے۔

إذا نَصَبْنا لِحَيٍّ لم نَدِبَّ لَهُمْ ... كما يَدِبُّ إلى الوَحْشِيّةِ الذَّرَعُ

جب ہم کسی قبیلے سے محاذ آرائی کرتے ہیں، تو اُن کی طرف دبے قدموں نہیں بڑھتے جیسے وحشی گائے کا بچہ اپنی ماں کی طرف بڑھتا ہے (بلکہ کھلم کھلا پیش قدمی کرتے ہیں)

نَسْمو إذا الحربُ نالَتْنا مخالبُها ... إذا الزّعانِفُ مِنْ أظفارِها خَشَعوا

جب جنگ کے پنجے ہم تک پہنچتے ہیں، تو ہمارے مجاہد کچھ اور اُونچے ہو جاتے ہیں، حالانکہ ایسے وقت میں حاشیہ بردار قسم کے لوگ جنگ کے ناخنوں سے خوفزدہ ہو کر دبک جاتے ہیں۔

لا يَفْخَرونَ إذا نالوا عَدُوَّهُمُ ... وإنْ أُصيبوا فلا خَوَرٌ ولا هَلَعُ

جب وہ اپنے دشمن پر غلبہ پالیں، تو اتراتے نہیں ہیں اور اگر انہیں چوٹ لگ جائے تو کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے

كأنّهُمْ في الوغى والموتُ مُكْتَنِعٌ ... أُسْدٌ بِحَلْيَةَ في أرساغِها فَدَعُ

جب میدانِ جنگ میں موت سامنے نظر آ رہی ہو، تو وہ یوں محسوس کرتے ہیں گویا حلیہ (ایک مقام) کے شیر ہیں، جن کے پنجوں میں کجی ہے۔

خُذْ مِنْهُمُ ما أتى عَفْواً إذا غَضِبوا ... ولا يَكُنْ هَمَّكَ الأمرُ الّذي مَنَعوا

اُن کے غضب کی حالت میں جو عطیہ مل جائے لے لو اور جس چیز سے وہ منع کر دیں اس کا ارادہ بھی نہ کرو۔

فإنّ في حربِهِمْ فاتْرُكْ عَداوتَهُمْ ... شَرّاً يُخاضُ عليهِ السُّمُّ والسَّلَعُ

اُن کی دشمنی کو چھوڑ دو کیونکہ ان کی دشمنی میں ایسی پریشانی ہے، جس میں زہر اور انتہائی کڑوی بوٹی سلع ملا دی گئی ہے۔

أكْرِمْ بقومٍ رسولُ اللهِ شيعتُهُمْ ... إذا تفاوتتِ الأهواءُ والشِّيَعُ

وہ قوم کتنی معزز ہے کہ خواہشات اور جماعتوں کے اختلاف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جماعت ہیں

أهْدى لهُمْ مِدْحَتي قلبٌ يُوازِرُهُ ... فيما أُحِبُّ لسانٌ حائكٌ صَنَعُ

اُن کے لیے میری مدح و ثنا کا تحفہ ایسے دل نے پیش کیا ہے، جس کی ایک فصیح و بلیغ اور فنکار زبان پشت پناہی کر رہی ہے۔

فَاِنَّهُمْ اَفْضَلُ الْاَحْيَاءِ كُلِّهِمْ ۔۔۔ اِنْ جَدَّ بِالنَّاسِ جِدُّ الْقَوْلِ اَوْ شَمَعُوْا

بے شک وہ تمام قبیلوں سے افضل ہیں، خواہ لوگوں کی سنجیدہ گفتگو چل رہی ہو یا ہنسی مزاح کی۔

ابن ہشام کہتے ہیں، ابو زید نے یہ شعر سنایا۔

يَرْضَى بِهِمَا كُلُّ مَنْ كَانَتْ سَرِيرَتُهُ ۔۔۔ تَقْوَى الْاِلٰهِ وَبِالْاَمْرِ الَّذِیْ شَرَعُوْا

جس کے دل میں خوف خدا ہے وہ ان حضرات سے اور ان کے شروع کیے ہوئے کام سے ضرور خوش ہوگا۔

زبرقان کے مزید اشعار

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے بنو تمیم کے بعض ماہرین اشعار نے بیان کیا کہ جب زبرقان بن بدر بنو تمیم کے وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوا، تو اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اَتَيْنَاكَ كَيْمَا يَعْلَمَ النَّاسُ فَضْلَنَا ۔۔۔ اِذَا اخْتَلَفُوْا عِنْدَ احْتِضَارِ الْمَوَاسِمِ

بِاَنَّا فُرُوْعُ النَّاسِ فِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ ۔۔۔ وَاَنْ لَيْسَ فِیْ اَرْضِ الْحِجَازِ كَدَارِمِ

وَاَنَّا نَذُوْدُ الْمُعْلِمِيْنَ اِذَا انْتَخَوْا ۔۔۔ وَنَضْرِبُ رَاْسَ الْاَصْيَدِ الْمُتَفَاقِمِ

ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ جب لوگ مختلف مواقع کی حاضری کے وقت محفلیں منعقد کریں، تو انہیں ہماری فضیلت معلوم ہو جائے۔

اور یہ کہ ہم ہر جگہ سرکردہ لوگ ہیں اور حجاز کی زمین میں قبیلۂ دارم (بنو تمیم کی شاخ) جیسا کوئی نہیں ہے۔

اور یہ کہ جب نشان لگا کر لڑنے والے تکبر کا مظاہرہ کریں، تو ہم انہیں پیچھے دھکیل دیتے ہیں اور ٹیڑھی گردن والے متکبرین کا سر قلم کر دیتے ہیں۔

وَاَنَّ لَنَا الْمِرْبَاعَ فِیْ كُلِّ غَارَةٍ ۔۔۔ نُغِيْرُ بِنَجْدٍ اَوْ بِاَرْضِ الْاَعَاجِمِ

ہر لوٹ مار میں ہمارا چوتھائی حصہ ہوتا ہے (کیونکہ ہم سردار ہیں) خواہ نجد میں لوٹ مچائی جائے یا عجمی علاقے میں۔

حضرت حسانؓ کا جواب

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر یہ جوابی اشعار پڑھے۔

هَلِ الْمَجْدُ اِلَّا السُّؤْدَدُ الْعَوْدُ وَالنَّدٰى ۔۔۔ وَجَاهُ الْمُلُوْكِ وَاحْتِمَالُ الْعَظَائِمِ

عزت و شرافت، صرف، قدیم، سرداری، سخاوت، شاہانہ جاہ و حشم اور بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھانے کا نام ہے۔

نَصَرْنَا وَاٰوَيْنَا النَّبِیَّ مُحَمَّدًا ۔۔۔ عَلٰى اَنْفِ رَاضٍ مِنْ مَعَدٍّ وَرَاغِمِ

ہم نے قبیلۂ معد کی خوشی کی اور ناخوشی کی پرواہ کیے بغیر نبی عربی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت کی اور رہائش کے لیے جگہ پیش کی۔

بِحَيٍّ حَرِيدٍ أَمْلُهُ وَثَرَاؤُهُ ... بِجَابِيَةِ الْجَوْلَانِ وَسْطَ الْأَعَاجِمِ

ایسے مخفوظ قبیلے میں جس کی عزت و منزلت وہی ہے جو عجمیوں کے درمیان جابیۃ الجولان (قبیلہ غسان، بادشاہانِ شام) کی ہے۔

نَصَرْنَاهُ لَمَّا حَلَّ وَسْطَ دِيَارِنَا ... بِأَسْيَافِنَا مِنْ كُلِّ بَاغٍ وَظَالِمِ

جب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں تشریف لائے، تو ہم نے اپنی تلواروں کے ساتھ، ہر باغی اور ظالم سے آپ کی حفاظت کی۔

جَعَلْنَا بَنِينَا دُونَهُ وَبَنَاتِنَا ... وَطِبْنَا لَهُ نَفْسًا بِفَيْءِ الْمَغَانِمِ

ہم نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو آپ کی حفاظت پر مامور کر دیا اور خوش دلی سے مالِ غنیمت آپ کے سپرد کر دیا (جب حُنین کے دن آپ نے مالِ غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیا اور انصار کو نہیں دیا۔

وَنَحْنُ ضَرَبْنَا النَّاسَ حَتَّى تَتَابَعُوا ... عَلَى دِينِهِ بِالْمُرْهَفَاتِ الصَّوَارِمِ

ہم نے تیز تلواروں سے کافروں سے جہاد کیا، یہاں تک کہ وہ پے در پے آپ کے دین میں داخل ہونے لگے۔

وَنَحْنُ وَلَدْنَا مِنْ قُرَيْشٍ عَظِيمَهَا ... وَلَدْنَا نَبِيَّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمِ

ہم سے قریش کے عظیم ترین انسان پیدا ہوئے، پھر ہمارے ہاں آلِ ہاشم سے بھلائیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے (حضرت عبدالمطلب کی والدہ ایک انصاری خاتون تھیں)

بَنِي دَارِمٍ لَا تَفْخَرُوا إِنَّ فَخْرَكُمْ ... يَعُودُ وَبَالًا عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ

بنو دارم! تم فخر نہ کرو، عظمتوں کے بیان کے وقت تمہارا فخر وبال بن جائے گا۔

هَبِلْتُمْ عَلَيْنَا تَفْخَرُونَ وَأَنْتُمُ ... لَنَا خَوَلٌ مَا بَيْنَ ظِئْرٍ وَخَادِمِ

تمہاری مائیں تمہیں گم کر بیٹھیں! تم ہمارے غلاموں کی حیثیت رکھتے ہو، تمہاری عورتیں اُجرت پر دودھ پلاتی ہیں اور مرد خدمت گار ہیں، اس کے باوجود تم ہم پر فخر کرتے ہو۔

فَإِنْ كُنْتُمُ جِئْتُمْ لِحَقْنِ دِمَائِكُمْ ... وَأَمْوَالِكُمْ أَنْ تُقْسَمُوا فِي الْمَقَاسِمِ

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ نِدًّا وَأَسْلِمُوا ... وَلَا تَلْبَسُوا زِيًّا كَزِيِّ الْأَعَاجِمِ

اگر تم اپنے خونوں کی حفاظت اور مالوں کو غنیمت کے طور پر تقسیم کیے جانے سے بچانے کے لیے آئے ہو

تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ، اسلام لے آؤ اور عجمیوں ایسا لباس نہ پہنو!

وفد کا مشرف باسلام ہونا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضرت حسان بن ثابت فارغ ہوئے تو اقرع بن حابس نے کہا میرے باپ کی قسم! اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو تائیدِ ایزدی حاصل ہے، ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور اُن کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے، ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ میٹھی ہیں۔ بنو تمیم اس گفتگو سے فارغ ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعامات سے خوب

خوب نوازا۔

عمرو بن الاہتم، عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ انہیں یہ لوگ سواریوں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ قیس بن عاصم عمرو بن الاہتم سے ناخوش تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ایک شخص ہماری سواریوں کے پاس ہے، وہ ایک نوعمر لڑکا ہے اور ان کا تحقیر آمیز انداز میں ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن الاہتم کو بھی اتنا ہی انعام عطا فرمایا جتنا دوسروں کو دیا تھا۔ جب عمرو بن الاہتم کو معلوم ہوا کہ قیس نے ان کے بارے میں کیا کچھ کہا ہے" تو انہوں نے قیس کی ہجو میں کہا

ظَلِلْتَ مُفْتَرِشَ الْهَلْبَاءِ تَشْتُمُنِي عِنْدَ النَّبِيِّ فَلَمْ تَصْدُقْ وَلَمْ تُصِبِ

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے گالیاں دینے لگا۔ اس حال میں کہ تیری داڑھی بکھری ہوئی تھی۔ تو نے نہ سچ کہا اور نہ صواب کو پہنچا۔

وفد بنو عامر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو عامر کا جو وفد آیا اس میں تین اشخاص تھے۔ یہ تینوں اپنی قوم کے سردار اور شیطان تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) عامر بن طفیل (۲) اربد بن قیس (۳) جبار بن سلمی۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت

دشمن خدا عامر بن طفیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس کا ارادہ یہ تھا کہ فریب کاری سے کام لے کر آپ پر حملہ کرے گا۔ اس سے پہلے اس کی قوم نے کہا تھا عامر! لوگ اسلام لا چکے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ۔ عامر نے کہا تھا: میں نے قسم کھائی تھی کہ میں اس وقت تک کوشش جاری رکھوں گا جب تک عرب میرے نقش قدم پر چلنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتے۔ کیا اب میں اس قریشی جوان (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیرو کار بن جاؤں؟

عامر نے اپنے ساتھی اربد کو ہدایت دی تھی کہ جب ہم اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچیں گے، تو میں انہیں اپنی طرف متوجہ کر لوں گا۔ تم اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر تلوار سے حملہ کر دینا۔ جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں پہنچے، تو عامر نے کہا اے محمد! مجھے تنہائی کا موقع دیجیے! آپ نے فرمایا: بخدا! ایسا نہیں ہوگا۔ جب تک تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لے آتے اس نے پھر تخلیے کی درخواست کی اور گفتگو کرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ منتظر تھا کہ اربد حملہ کر دے۔ لیکن اربد بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ عامر نے پھر کہا اے محمد! مجھے تخلیہ کا موقع دیں، آپ نے وہی جواب دیا کہ بخدا! ایسا نہیں ہوگا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہیں لے آتے۔ آپ کے انکار پر کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں اس خطے کو گھوڑوں اور مردوں سے بھر دوں گا۔ جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے عامر بن طفیل کے شر سے محفوظ فرما۔

جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت سے باہر آئے تو عامر نے کہا اربد! تم نے میرے حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک تمام روئے زمین پر تجھ سے زیادہ خوفناک شخص کوئی نہ تھا۔ بخدا! آج کے بعد میں تجھ سے کبھی نہیں ڈروں گا۔ اربد نے کہا: تیرا باپ نہ رہے، تو میرے بارے میں جلد بازی نہ کر۔ خدا کی قسم! جب بھی میں وار کرنا چاہتا تھا، تو میرے اور اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

کے درمیان تو حائل ہو جاتا تھا۔ مجھے تیرے سوا کوئی دکھائی نہ دیتا۔ کیا تجھ پر تلوار کا وار کر دیتا۔

عامر کی حسرت ناک موت

یہ لوگ اپنے شہروں کی طرف جا رہے تھے کہ راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے عامر کی گردن میں طاعون پیدا کر دیا جس سے وہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں ہلاک ہو گیا۔ مرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا: اے بنو عامر! کیا میں جوان اونٹ کی طرح طاعون کے غدود میں مبتلا ہو کر بنو سلول کی ایک عورت کے گھر مر جاؤں گا۔

اربد کی ہولناک ہلاکت

ابن اسحاق کہتے ہیں عامر کو دفن کر کے اس کے ساتھی اپنے علاقے کی طرف چل دیے۔ جب ان کی اپنی قوم، بنو عامر سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے پوچھا اربد! تمہارے پیچھے کیا ہے؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں، بخدا! انہوں نے مجھے ایک چیز کی عبادت کی دعوت دی۔ اگر اس وقت وہ میرے سامنے ہوں تو میں تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں قتل کر دوں۔ اس گفتگو کے ایک یا دو دن بعد وہ اپنے اونٹ کے پیچھے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی نازل فرمادی جس نے دونوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اربد بن قیس، ماں کی طرف سے لبید[1] بن ربیعہ کا بھائی تھا۔

ابن ہشام اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عامر اور اربد کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى (الی قولہ) لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

(الرعد — ٨ - ١١)

اللہ جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے (یہاں تک کہ فرمایا) آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں۔ اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے تو وہ پھر نہیں سکتی اور اس کے سوا ان کا کوئی حامی نہیں۔

(ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی)

حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا: "مُعَقِّبٰتٌ" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بحکم خداوندی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت

---

[1] حضرت لبید مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے شاعری ترک کر دی۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس کا سبب پوچھا، تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ بقرہ اور آل عمران سکھا دی ہے، اس کے بعد میں شعر کیوں کہوں گا۔ اس بات پر خوش ہو کر حضرت عمر رضؓ نے ان کے وظیفے میں پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ کہتے ہیں مسلمان ہونے کے بعد صرف ایک شعر کہا ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ يَاْتِنِیْ اَجَلِیْ ۔۔۔ حَتّٰى اكْتَسَيْتُ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا

خدا کا شکر ہے کہ اسلام کا لباس پہننے سے پہلے میری موت واقع نہیں ہوئی۔ الروض الانف ج ۲ ص ۳۳۸

کرنے والے ہیں۔ پھر ار بد اور اس چیز کا ذکر کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُسے ہلاک کیا۔ چنانچہ فرمایا:

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۝ (الرعد آیت ۱۳)

اور کڑک بھیجتا ہے، تو اسے ڈالتا ہے جس پر چاہے اور وہ اللہ میں جھگڑتے ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ سخت ہے۔

(ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

وفد سعد بن بکر

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو سعد بن بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضمام بن ثعلبہ[1] کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔

ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو بارگاہِ رسالت میں نمائندہ بنا کر بھیجا۔ وہ آئے تو اونٹ کو مسجد کے دروازے پر گھٹنا باندھ کر بٹھا دیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ ضمام مضبوط جسم کے مالک تھے اور انہوں نے بالوں کی کثرت کی وجہ سے دو مینڈھیاں بنا رکھی تھیں اُنہوں نے صحابہ کرام کے پاس آکر پوچھا تم میں ابن عبد المطلب کون ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ابن عبد المطلب ہوں پھر پوچھا آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کہنے لگے اے ابن عبد المطلب! میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ میرے سوال کی درشتی کو محسوس نہ فرمائیں آپ نے فرمایا: تم جو پوچھنا چاہو پوچھو میں محسوس نہیں کروں گا۔

ضمام نے کہا: میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو آپ کا آپ سے پہلوں اور پچھلوں کا خدا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہی بات ہے پھر پوچھا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو آپ کا خدا ہے اور آپ سے پہلے گزرنے اور بعد میں آنے والوں کا خدا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم صرف اُسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد اللہ تعالیٰ کے ساتھ پوجتے تھے آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر اس نے کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو آپ کا اور آپ سے پہلے گزرنے اور بعد میں آنے والوں کا خدا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے حکم آپکو دیا ہے کہ ہم یہ پانچ نمازیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں پھر وہ اسلام کے دیگر فرائض، زکوٰۃ، روزہ، حج اور اس کے علاوہ دوسرے احکام کے بارے میں ایک ایک کرکے پوچھنے لگا اور ہر ایک کے ساتھ اسی طرح قسم دیتا جس طرح وہ پہلے دے چکا تھا۔

سوالات سے فارغ ہو کر کہنے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ان ہی کے بارے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے فرمایا: ہمارے پاس ایک اعرابی اہل نجد سے آیا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے اس کی آواز کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے جب وہ قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ یہ حدیث امام مالک نے مؤطا میں روایت کی۔ (السہیلی: الروض الانف ج ۲ ص ۳۴۹)

اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں۔ میں ان فرائض کو ادا کروں گا اور جن چیزوں سے آپ نے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کروں گا۔ پھر نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ پھر اُٹھ کر اپنے اونٹ کی طرف چلے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مینڈھیوں والے نے سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ضمام اونٹ کے پاس آئے۔ اس کی رسی کھولی اور روانہ ہو کر اپنی قوم کے پاس پہنچ گئے۔ لوگ اُن کے پاس جمع ہو گئے، تو انہوں نے سب سے پہلے یہ بات کہی: لات اور عزّٰی بہت بُرے ہیں، لوگوں نے کہا ضمام! برص، کوڑھ اور جنون سے ڈرو اور ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ انہوں نے فرمایا: خدا کے بندو! خدا کی قسم! یہ بُت نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ — اللہ تعالیٰ نے رسولِ گرامی کو بھیج دیا ہے۔ ان پر کتاب نازل کی اور تمہیں شرک و کفر سے نجات کی راہ دکھا دی ہے۔ جس شرک و کفر میں تم مبتلا تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبدِ مکرم اور رسولؐ ہیں اور میں تمہارے پاس ان کے احکام لے کر آیا ہوں کہ انہوں نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ شام سے پہلے پہلے وہاں جتنے مرد و زن تھے سب مسلمان ہو چکے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم نے کسی قوم کا نمائندہ حضرت ضمام بن ثعلبہ سے افضل نہیں سنا۔

وفد عبد القیس

ابن اسحاق نے کہا: قبیلۂ عبد القیس کے جارود بن عمرو بن حنش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: جارود بن بشر بن المعلی وفد عبد القیس میں حاضر ہوئے یہ پہلے عیسائی تھے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں: مجھے اس شخص نے بیان کیا جو میرے نزدیک مُتّہم نہیں ہے کہ حسین کہتے ہیں کہ جب جارود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان پر اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور ترغیب دی، انہوں نے کہا اے محمدؐ! میں اس سے پہلے ایک دین پر تھا۔ اب میں آپ کے دین کے لیے اس دین کو ترک کرتا ہوں۔ کیا آپ میرے دین کی ضمانت دیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دین سے بہتر دین کی ہدایت عطا فرمائی۔ چنانچہ حضرت جارود اور ان کے ساتھی اسلام لے آئے۔

پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں سواریاں عطا کی جائیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا! اس وقت میرے پاس تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! مدینہ طیبہ اور ہمارے شہروں کے درمیان گم راہ لوگ موجود ہیں، کیا ہم اُن کے پاس سے ہوتے ہوئے گزر جائیں؟ فرمایا: نہیں۔ یہ تو آگ میں جلنے کے مترادف ہے۔

دورِ ارتداد میں ثابت قدمی

حضرت جارود اجازت لے کر اپنی قوم کے پاس چلے گئے۔ وصال تک پوری ثابت قدمی کے ساتھ دین پر قائم رہے، انہوں نے ارتداد کا زمانہ بھی پایا۔ جب ان کی قوم کے کچھ لوگ جو اسلام لا چکے تھے۔ غرور بن منذر بن نعمان کے بہکانے پر مُرتد ہو گئے، تو حضرت جارود نے کھڑے ہو کر حق کی گواہی دی، لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور فرمایا:-

لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عبدِ مکرم اور رسول ہیں اور جو شخص یہ گواہی نہیں دیتا میرے نزدیک کافر ہے۔

ابنِ ہشام کہتے ہیں ایک روایت میں ہے: وَاَكْفِيْ مَنْ لَّمْ يَشْهَدْ " جو گواہی نہیں دیتا، میں اس کے لیے کافی ہوں۔

وفد بنو حنیفہ

اور مسیلمۂ کذاب کی آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو حنیفہ کا وفد حاضر ہوا، اس میں مسیلمہ بن حبیب حنفی کذاب بھی شامل تھا۔

ابنِ ہشام نے اس کا نام مسیلمہ بن ثمامہ اور کنیت ابوثمامہ بیان کی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، ان کا قیام بنو نجار کی ایک انصاریہ بنت الحرث کے گھر تھا مجھے مدینہ طیبہ کے بعض علمائ نے بیان کیا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کو کپڑوں میں چھپا کر بارگاہِ رسالت میں لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے دستِ اقدس میں کھجور کی چھڑی تھی، جس کے کنارے پر کچھ پتے تھے۔ مسیلمہ کپڑوں میں لپٹا لپٹایا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ سے کچھ مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تو مجھ سے یہ لکڑی بھی مانگے تو نہیں دوں گا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے یمامہ کے رہنے والے، قبیلۂ بنو حنیفہ کے ایک شیخ نے بیان کیا کہ مسیلمہ کا واقعہ بیان مذکور سے مختلف تھا اس شیخ نے بیان کیا کہ بنو حنیفہ کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسیلمہ کو اپنی سواریوں کے پاس چھوڑ گئے۔ اسلام لانے کے بعد اس کی یاد آئی، تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے ایک ساتھی کو اپنے سامان اور سواریوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ آئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھی اتنے ہی عطیے کا حکم دیا، جتنا دوسروں کو دیا تھا اور فرمایا: اس کی جگہ کچھ بُری نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔ پھر یہ لوگ مسیلمہ کا حصہ لے کر بارگاہِ رسالت سے واپس آ گئے۔

جب یمامہ پہنچے تو دشمنِ خدا مسیلمہ مرتد ہو گیا اور نبی بن بیٹھا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نبوت میں ان کے ساتھ شریک ہوں۔ اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا جب تم نے میرا ذکر کیا تھا، تو حضور نے فرمایا نہیں تھا کہ اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ بِشَرِّكُمْ مَكَانًا اس کی جگہ بُری نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہا تھا کہ انہیں علم تھا کہ میں نبوت میں اُن کے ساتھ شریک ہوں، پھر اُن کے سامنے مَن گھڑت مسجع مقفّٰی کلام پیش کرتا اور دھوکہ یہ کرتا کہ یہ قرآن پاک جیسا کلام ہے۔ مثلاً:

لَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى اَخْرَجَ مِنْهَا نَسَمَةً تَسْعٰى مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَّحَشًا وَاَحَلَّ لَهُمُ الْخَمْرَ وَالزِّنَا وَوَضَعَ عَنْهُمُ الصَّلٰوةَ۔

اللہ تعالیٰ نے حاملہ پر انعام فرمایا۔ اس کی انتڑیوں اور پیٹ کی جھلی کے درمیان سے ایسی روح نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے شراب اور زنا کو حلال کر دیا اور نماز معاف کر دی۔

اس کے باوجود وہ گواہی دیتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، بنو حنیفہ اس پر اس کے ساتھ متفق ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں میں سے کون سا واقعہ صحیح ہے۔

وفد بنو طے

قیادت : زید الخیل

ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبیلۂ طے کا وفد حاضر ہوا جس میں ان کے سردار زید الخیل بھی تھے جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی اور ان کے سامنے تعلیم اسلام پیش کی تو وہ دل وجان سے مسلمان ہوگئے مجھے قبیلۂ طے کے غیر متہم شخص نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے سامنے عرب کے جس شخص کی بھی فضیلت بیان کی گئی پھر وہ میرے پاس آیا تو جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا تھا میں نے اسے اس سے کم پایا سوائے زید الخیل کے ان کے بارے میں بیان کرنے والا پوری طرح بیان نہیں کر سکا تھا۔

پھر آپ نے اُن کا نام "زید الخیر" رکھا اور انہیں فید (گاؤں) اور اس کے آس پاس کی زمینیں عنایت فرمائیں اور تحریر لکھ کر دے دی حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہو کر اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے فرمایا:- اِن یَّنجُ زَیدٌ مِن حُمّی المَدِینَۃِ فَاِنَّہٗ ، اگر زید مدینہ کے بخار سے بچ گئے تو .... راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخار کے لئے لفظ حُمّٰی اور اُمّ مِلدم کے علاوہ کوئی لفظ[1] استعمال کیا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔

حضرت زید کا وصال

جب حضرت زید نجد کے ایک چشمے "فردہ" کے پاس پہنچے تو انہیں بخار نے آلیا اور اسی میں ان کا وصال ہوگیا جب انہیں آخری وقت کا احساس ہوا تو انہوں نے کہا:-

اَمُرتَحِلٌ قَومِی المَشَارِقَ غُدوَۃً ۔۔۔ وَاُترَکُ فِی بَیتٍ بِفَردَۃَ مُنجِدِ

کیا صبح میری قوم مشرق کی طرف روانہ ہو جائے گی اور مجھے نجد کے چشمہ فردہ کے ایک گھر میں چھوڑ دیا جائے گا۔

اَلَا رُبَّ یَومٍ لَو مَرِضتُ لَعَادَنِی ۔۔۔ عَوَائِدُ مَن لَم یُبرَ مِنہُنَّ یَجہَدِ

کیا بہت دفعہ ایسا نہیں ہوا کہ میں بیمار ہوا تو ایسی عورتوں نے میری عیادت کی جو طویل سفر کی مشقت سے محفوظ نہ تھیں۔ (وہ دور دراز سے آئی تھیں۔)

جب ان کا وصال ہو گیا تو اُن کی اہلیہ نے تمام تحریرات نذر آتش کر دیں۔

عدی بن حاتم

مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ عدی بن حاتم کہا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر سننے کے بعد عرب کا کوئی شخص مجھ سے زیادہ

---

[1] سہیلی کہتے ہیں کہ راوی کو بخار کا نام جو یاد نہیں رہا "اُمّ کلبۃ" ہے کلبۃ سخت کپکپی کو کہتے ہیں۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۳۴۲)

آپ کو ناپسند کرنے والا نہ تھا میں ایک معزز آدمی تھا اور عیسائیت کا پیرو میں اپنی قوم سے چوتھائی حصہ لیتا تھا اور اپنے خیال میں ایک دین پر عمل پیرا تھا میں اپنی قوم کا بادشاہ تھا اور میرے ساتھ بادشاہوں والا معاملہ کیا جاتا تھا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سنا تو ان سے نفرت کرنے لگا میں نے اپنے اونٹوں کے محافظ عربی غلام کو کہا تیرا باپ نہ ہو! میرے لئے طاقتور اور فرماں بردار قسم کے چند اونٹ تیار کر کے رکھو جب تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکروں کے متعلق سنو کہ وہ ان شہروں میں پیش قدمی کر رہے ہیں تو مجھے اطلاع دینا۔

عدی کا فرار

ایک صبح وہ غلام میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے عدی! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکروں کی آمد پہ تم جو کچھ کرنا چاہتے تھے کر گزرو مجھے کچھ جھنڈے دکھائی دیئے اور میرے استفسار پر بتایا گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکر ہیں عدی کہتے ہیں میں نے کہا: میرے اونٹ قریب لاؤ جب وہ لایا تو میں نے اپنے اہل و عیال کو ان پر سوار کرایا اور کہا کہ میں انہیں لے کر اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے پاس شام جا رہا ہوں چنانچہ میں جوشیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابن ہشام نے اس جگہ کا نام حوشیہ بتایا ہے اور حاتم کی بیٹیؓ کو بستی ہی میں رہنے دیا میں شام پہنچ کر وہیں قیام پذیر ہو گیا۔

بہن کی گرفتاری

میرے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوار آئے اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ حاتم کی بیٹی کو بھی گرفتار کر کے لے گئے انہیں قبیلہ طے کے قیدیوں سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ میرے شام کی طرف فرار کی اطلاع آپ کو مل چکی تھی۔ حاتم کی بیٹی کو مسجد کے دروازے کے پاس ایک باڑے میں رکھا گیا جہاں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا بنت حاتم بڑی دانا خاتون تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ھَلَکَ الْوَالِدُ وَغَابَ الْوَافِدُ فَامْنُنْ عَلَیَّ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکَ

یا رسول اللہ! باپ فوت ہو گیا اور حفاظت کرنے والا بھاگ گیا آپ مجھ پر احسان فرمائیں اللہ تعالےٰ آپ پر احسان فرمائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارا محافظ کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم آپ نے فرمایا۔ وہ خدا اور رسول سے فرار اختیار کر رہا ہے۔ حاتم طائی کی صاحبزادی[۱] کہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے دوسرے دن جب میرے پاس سے گزرے تو میں نے وہی گذارش دوبارہ پیش کی۔ وہی سوال وجواب ہوا اور آپ تشریف لے گئے تیسرے دن میں مایوس ہو چکی تھی آپ تشریف لائے اور آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک شخص نے اشارہ کیا کہ اٹھ کر درخواست پیش کر دو! میں نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! باپ فوت ہو چکا ہے اور حفاظت کرنے والا بھاگ گیا ہے آپ مجھ پر احسان فرمائیں اللہ تعالےٰ آپ پر احسان فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری درخواست منظور ہے لیکن تم جانے میں جلدی نہ کرو جب تمہاری قوم کا کوئی قابل اعتماد آدمی مل جائے جو تمہیں تمہارے شہر پہنچا دے تو مجھے اطلاع دے دینا۔ میں نے ان صاحب کے متعلق دریافت کیا جنہوں نے مجھے حضور سے گفتگو کرنے کا اشارہ کیا تھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

میں ٹھہری رہی یہاں تک کہ قبیلہ بلی یا قضاعہ کے سواروں کی ایک جماعت آگئی۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ اپنے بھائی کے پاس شام چلی جاؤں

---

[۱] حاتم طائی کی اس صاحبزادی کا نام سفانہ تھا۔ (سہیلی)

میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری قوم کے کچھ لوگ آ گئے ہیں، ان میں قابلِ اعتماد لوگ بھی موجود ہیں، جو مجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دیں گے۔

الطافِ کریمانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لباس، سواری اور سفر خرچ عنایت فرمایا۔ میں اس جماعت کے ساتھ روانہ ہو کر شام پہنچ گئی۔

عدی کہتے ہیں بخدا! میں اپنے اہل وعیال میں بیٹھا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار خاتون ہماری طرف آرہی ہے۔ میں نے کہا یہ حاتم کی بیٹی ہے اور واقعی وہی تھی۔ جب میرے پاس آکر ٹھہری تو اس نے کہا قطع رحمی کرنے والے ظالم! تو اپنے اہل وعیال کو لے کر چل دیا اور اپنے باپ کی نشانی اور بہن کو یونہی چھوڑ آیا۔ میں نے کہا: میری ہمشیرہ تم کوئی بری بات زبان پر نہ لانا۔ خدا کی قسم! میں کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ واقعی میں نے وہی کیا، جو تم نے کہا ہے۔ پھر وہ سواری سے نیچے اتر آئیں اور میرے پاس مقیم ہو گئیں۔

عدی بارگاہِ رسالت میں

عدی کہتے ہیں میری بہن دانشمند خاتون تھیں۔ میں نے ان سے کہا اس شخصیت کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا: بخدا! میری رائے یہ ہے کہ ہمیں جلد از جلد ان کی خدمت میں پہنچ جانا چاہیے۔ اگر وہ نبی ہیں، تو جو ان کے پاس پہلے پہنچے گا وہ فضیلت حاصل کر جائے گا اور اگر وہ بادشاہ ہیں، تو تمہیں ان کی برکت عزت کی بدولت کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور تم وہی رہو گے جو اب ہو، میں نے کہا: خدا کی قسم یہ رائے بالکل صحیح ہے۔

عدی کہتے ہیں، میں مدینہ طیبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے لیے چل دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، تو اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا، تو آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا۔ عدی بن حاتم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور مجھے ساتھ لے کر کاشانۂ مبارکہ کی طرف چل دیے۔

شانِ نبوت

حضور مجھے ساتھ لیے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک معمر اور ضعیف خاتون آپ کو مل گئیں۔ آپ اس کے لیے دیر تک کھڑے رہے اور وہ اپنی حاجت کے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا، خدا کی قسم! یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ پھر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ اندر جا کر آپ نے چمڑے کا ایک گدا اٹھا کر مجھے دیا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا آپ تشریف رکھیں۔ فرمایا: نہیں تم اس پر بیٹھو، چنانچہ میں اس گدے پر بیٹھ گیا اور آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ بادشاہوں کا انداز نہیں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: عدی بن حاتم، تم رکوسی (عیسائیوں اور صابیوں کے درمیان ایک مذہب کے پیرو) نہیں ہو؟ عدی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا ہاں میں رکوسی ہوں، فرمایا: تم اپنی قوم سے چوتھائی حصہ لیا کرتے تھے؟ عرض کیا ہاں! فرمایا تمہارے دین میں تمہارے لیے یہ حلال نہیں تھا۔ عرض کیا: ہاں میرے لیے حلال نہیں تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ نبی مرسل ہیں، آپ ان (غیبی) امور سے باخبر ہیں، جنہیں دوسرے نہیں جانتے۔

پھر فرمایا، عدی! تمہیں اس دین میں داخل ہونے سے یہ بات مانع ہے کہ تم مسلمانوں کو حاجت مند دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم! ان کے پاس مال اس کثرت سے ہوگا کہ اسے لینے والا نہیں ملے گا۔ شائد تمہیں اس دین میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ مسلمانوں کی

يُسَامِي الْقِرْنَ اِنْ قِرْنٌ تَيَمَّمَهٗ فَيَعْتَضِدُهٗ

وہ شیر اپنے مدمقابل سے بلند ہوگا اور اگر مقابل اس پر حملہ کرنا چاہے تو اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لے گا۔

فَيَأْخُذُهٗ فَيَرْفَعُهٗ فَيَخْفِضُهٗ فَيَقْتَصِدُهٗ

وہ شیر اپنے مقابل کو پکڑے گا اٹھا کر پٹخ دے گا اور ہلاک کر دے گا۔

فَيَدْمَغُهٗ فَيَحْطِمُهٗ فَيَخْضِمُهٗ فَيَزْدَرِدُهٗ

اس کا بھیجا نکال دے گا۔ اسے توڑ پھوڑ دے گا۔ اسے کھا جائے گا اور نگل جائے گا۔

ظَلُوْمُ الشِّرْكِ فِيْمَا اَحْرَزَتْ اَنْيَابُهٗ وَيَدُهٗ

اس شیر کے دانتوں اور ہاتھوں کے شکار میں جو شرکت کرنا چاہے اس پر ظلم وستم ڈھا دیتا ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں عمر ابن معدیکرب اپنی قوم بنوزبید میں قیام پذیر رہا ان پر حضرت فروہ ابن مسیک مقرر کئے ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو عمر ابن معدیکرب مرتد ہو گیا

وفد کندہ

قیادت : اشعث ابن قیس

ابن اسحاق فرماتے ہیں: اشعث ابن قیس کندہ کے وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے مجھے زہری ابن شہاب نے بیان کیا کہ اشعث کندہ کے اسی سواروں کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ان حضرات نے اپنے لمبے لمبے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا تھا اور حیرہ کے جبّے پہنے ہوئے تھے جن کے اردگرد ریشم لگا ہوا تھا۔ جب یہ حضرات مسجد میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اسلام نہیں لا چکے؟ انہوں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں فرمایا۔ پھر تمہاری گردنوں میں ریشم کیسا ہے؟ انہوں نے ریشم پھاڑ کر پھینک دیا۔

آکل المرار کی طرف انتساب کی نفی

حضرت اشعث ابن قیس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آکل المرار کی اولاد ہیں اور آپ بھی اس کی اولاد سے ہیں۔ اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ نسب تم عباس ابن عبدالمطلب اور ربیعہ ابن الحرث سے ملاؤ یہ دونوں تاجر تھے جب یہ عرب کے بعض قبائل کے پاس جاتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟ تو وہ اعزاز حاصل کرنے کے لئے کہتے کہ ہم آکل المرار کی اولاد سے ہیں۔ کیونکہ قبیلہ کندہ بادشاہوں کا خاندان تھا۔ پھر انہیں فرمایا ہم آکل المرار کی اولاد سے نہیں بلکہ نضر ابن کنانہ کی اولاد سے ہیں ہم اپنے باپ سے نسب کی نفی کر کے ماں کی طرف منسوب نہیں کرتے اشعث ابن قیس نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا: اے گروہ کندہ! تم فارغ ہو گئے ہو؟ بخدا! میں نے آئندہ یہ بات کسی سے سنی تو اسے اسی کوڑے لگاؤں گا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں: اشعث ابن قیس ماؤں کی طرف سے آکل المرار کی اولاد سے تھے۔ آکل المرار کا نام ونسب یہ ہے حرث ابن عمر ابن حجر ابن عمر ابن معاویہ ابن حرث ابن معاویہ ابن ثور ابن مرتع ابن معاویہ ابن کندی۔ بعض نے کندی کی جگہ کندہ کہا ہے

آکل المرار کی وجہ تسمیہ آکل المرار نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ عمرو ابن ہبولہ غسانی نے حرث کی عدم موجودگی میں کندہ پر حملہ کیا مال غنیمت لوٹا بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا قیدیوں میں حرث ابن عمر کی بیوی ام اُناس بنت عوف ابن مسلم شیبانی بھی تھی۔ اُس نے دوران سفر اپنے شوہر حرث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عمر سے کہا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آکل المرار کھانے والے اونٹ کی طرح لٹکتے ہوئے ہونٹوں والے ایک سیاہ رنگ شخص نے تمہاری گردن دبوچ لی ہے اس لئے حرث کا نام ہی آکل المرار پڑ گیا مرار کڑوی بوٹی کو کہتے ہیں پھر حرث نے بنو بکر ابن وائل کو ساتھ لے کر عمر کا تعاقب کیا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا اپنی بیوی کو چھڑا لیا اور لوٹا ہوا تمام مال واپس حاصل کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ آکل المرار حجر ابن عمر ابن معاویہ ہے اور یہ واقعہ اسی کا ہے۔ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اس جنگ میں اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے مُرار نامی کڑوی بوٹی کھائی تھی۔

وفد ازد

قیادت : صُرد بن عبداللہ

ابن اسحاق فرماتے ہیں۔ صرد ابن عبداللہ ازدی ازد کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر دل و جان سے اسلام لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قوم کے مسلمانوں کا امیر مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر یمن کے قریبی مشرک قبائل کے ساتھ جہاد کرو۔ حضرت صُرد ابن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق روانہ ہو کر جرش دیمن کے ایک شہر پہنچ گئے۔ اس شہر کی چاروں طرف قلعہ نما فصیل تھی جس میں یمن کے مختلف قبائل آباد تھے

قبیلہ خثعم بھی آکر ان کے ساتھ مل گیا۔ جب انہیں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو یہ سب قلعہ بند ہو گئے مسلمانوں نے تقریباً ایک ماہ ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ قلعہ بند ہونے کی وجہ سے یہ لوگ محفوظ رہے۔ ایک ماہ بعد مسلمان واپس آ گئے جب وہ شکر نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو قلعہ جرش والوں نے سمجھا کہ وہ ڈر کر بھاگ گئے ہیں چنانچہ باہر نکل کر تعاقب کیا قریب پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

غیبی خبر جرش والوں نے دو افراد مدینہ طیبہ بھیجے ہوئے تھے جو حالات کا جائزہ لے رہے تھے ایک دن یہ دونوں عصر کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا: شکر نامی پہاڑ، اللہ تعالٰی کے کس شہر میں ہے؟ دونوں افراد کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر کہا جاتا ہے جرش والے اس پہاڑ کو اسی نام سے پہچانتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کشر نہیں بلکہ شکر ہے۔ عرض کیا اس کے بارے میں کیا خبر ہے؟ فرمایا۔ اس وقت وہاں اللہ تعالٰی کے اونٹ ذبح کئے جا رہے ہیں۔ یہ دونوں حضرت ابوبکر یا حضرت عثمان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے فرمایا: خدا کے بندو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں تمہاری قوم کی ہلاکت کی خبر دے رہے ہیں، تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرو کہ اللہ تعالٰی تمہاری قوم سے ہلاکت اُٹھا لے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی درخواست کی آپ نے دعا کی یا اللہ! اُن سے ہلاکت کو اٹھا لے۔

یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہو کر اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے جب اپنی قوم کے پاس پہنچے تو انہیں

معلوم ہوا کہ جس دن اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مذکورہ بالا بات فرمائی تھی اس وقت حضرت صرد ابن عبداللہ نے حملہ کیا تھا اور جرش والوں پر قیامت گزر گئی تھی۔

اہل جرش آغوش اسلام میں

اس کے بعد جرش کا ایک وفد روانہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گاؤں کے آس پاس کی جگہ گھوڑوں، اونٹوں اور بیلوں کی چراگاہ مقرر فرمائی اور اس کے گرد نشانات لگوا دیئے اس خطے میں دوسرا آدمی جانور چراتا تا تو اس کا سازو سامان چھین لیا جاتا۔

اس جنگ کے بارے میں ازد کے ایک شخص نے درج ذیل اشعار کہے۔ قبیلہ خثعم دورِ جاہلیت میں ازد پر حملہ آور ہوا کرتا تھا۔ اور شہر حرام میں بھی ظلم و ستم روا رکھتا تھا۔

يَا غَزْوَةً مَّا غَزَوْنَا غَيْرَ خَائِبَةٍ ۔۔۔ فِيهَا الْبِغَالُ وَفِيهَا الْخَيْلُ وَالْحُمُرُ

وہ کیا خوب جنگ تھی جس میں ہم ناکامی کے بغیر لڑے۔ اس میں خچریں گھوڑے اور گدھے تھے۔

حَتَّىٰ أَتَيْنَا حُمَيْرًا فِي مَصَانِعِهَا ۔۔۔ وَجَمْعُ خَثْعَمَ قَدْ شَاعَتْ لَهَا النُّذُرُ

ہم نے جرش کے گدھوں (مشرکوں) پر ان کے قلعوں میں حملہ کیا اس وقت قبیلۂ خثعم کے نذر کے جانور ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔

إِذَا وَضَعْتُ غَلِيلًا كُنْتُ أَحْمِلُهُ ۔۔۔ فَمَا أُبَالِي أَدَانُوا بَعْدُ أَمْ كَفَرُوا

جب میں نے پیاس بجھائی جسے میں اٹھائے پھرتا تھا تو مجھے پروا نہیں تھی کہ وہ فرمانبردار ہو گئے ہیں یا کافر ہیں۔

بادشاہانِ حمیر کا قاصد

تبوک سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بادشاہانِ حمیر کا مکتوب پہنچا[1] یہ مکتوب حرث بن عبد کلال نعیم بن عبد کلال اور ذو رعین معافر اور ہمدان کے امیر نعمان نے زرعہ ذو یزن مالک ابن مُرّہ رہاوی کے ہاتھ بھجوایا تھا جس میں تحریر تھا کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اور شرک اور اہل شرک سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف سے حرث ابن عبد کلال نُعیم ابن عبد کلال اور نعمان امیر ذو رُعین معافر و ہمدان کی طرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی حمد کے بعد ارض روم سے ہماری واپسی کے وقت تمہارا قاصد ہمارے پاس مدینہ طیبہ پہنچا اس نے تمہارا پیغام پہنچایا۔ تمہارے حالات کی اطلاع دی، تمہارے اسلام لانے اور مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کی خبر دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے۔

احکامِ اسلام

اگر تم راہِ راست پر رہے تم نے خدا و رسول کی اطاعت کی، نماز قائم کی، زکوٰۃ دی، غنیمت سے اللہ تعالیٰ کا حق پانچواں حصہ اور نبی صلی اللہ علیہ کا لازمی حصہ نکالا اور مسلمانوں پر جو صدقہ لازم کیا ہے ادا کیا یعنی چشمے کے پانی

---

[1] یہ واقعہ ماہِ رمضان المبارک سنہ ۹ھ کا ہے۔ طبقات ابن سعدؒ عربی مطبوعہ بیروت، ج ۱ ص ۳۵۶

سے سیراب کی جانے والی اور بارانی زمین کی پیداوار کا دسواں حصّہ اور بڑے ڈول سے سیراب کی جانے والی زمین کی پیداوار کا بیسواں حصّہ ادا کیا۔ چالیس اونٹوں میں سے بنت لبون (وہ اونٹنی جو دو سال پورے کرکے تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو) اور تیس اونٹوں میں ابن لبون (وہ اونٹ جو تیسرے سال میں داخل ہو گیا ہو) پانچ اونٹوں کی زکوٰۃ ایک بکری دس اونٹوں سے دو بکریاں، چالیس گایوں کی زکوٰۃ ایک گائے اور تیس گایوں میں ایک تبیع، جذع یا جذعہ ہے۔ ہر چالیس باہر چرنے والی بکریوں پر ایک بکری۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فرض ہے جو اس نے ایمان داروں پر صدقہ میں لازم کیا جس نے اس سے زیادہ دیا اس کے لیے وہ بہتر ہے اور جس نے یہ فریضہ ادا کیا اور اپنے اسلام پر گواہ بنایا اور مشرکوں کے خلاف مسلمانوں کی امداد کی تو وہ مومنوں میں سے ہے، اس کے لیے وہی فوائد ہوں گے جو ایمان داروں کے ہیں اور اس پر وہی حقوق لازم ہوں گے جو دوسرے مومنوں پر ہیں اور اس کے لیے خدا و رسولؐ کا ذمہ ہے۔

جو یہودی یا عیسائی ایمان لایا، اس کے حقوق اور ذمہ داریاں وہی ہیں جو دوسرے مومنوں کی ہیں۔ جو شخص یہودیت یا عیسائیت پر قائم رہنا چاہے اُسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس پر جزیہ (ٹیکس) لازم ہے۔ ہر بالغ مرد و زن پر خواہ وہ غلام ہو یا آزاد ایک دینار ہے جسے وہ معافری یا دوسرے کپڑوں کی صورت میں ادا کر سکتا ہے۔ جو شخص یہ جزیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرے گا اس کے لیے خدا و رسول کا ذمہ ہے اور جو انکار کرے گا وہ خدا و رسول کا دشمن ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زرعہ ذویزن کو پیغام دیا ہے کہ جب تمہارے پاس ہمارے نمائندے پہنچیں، تو تمہیں تاکیدی حکم ہے کہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ نمائندے یہ ہیں۔ معاذ ابن جبل، عبداللہ ابن زید، مالک ابن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک ابن مرہ اور اُن کے ساتھی۔ تمہیں تاکید کی جاتی ہے کہ تم مسلمانوں سے صدقہ اور غیر مسلموں سے جزیہ جمع کر کے ہمارے نمائندوں کے پاس پہنچا دو۔ ان کے امیر معاذ ابن جبل ہیں وہ تم سے راضی ہو کر واپس آئیں۔

بے شک محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالےٰ کے بندے اور رسول ہیں مالک بن مرّہ رہاوی نے مجھے بتایا کہ تم قبیلۂ حمیر کے اولین اسلام لانے والے ہو اور تم نے مشرکین سے جہاد کیا ہے تمہیں بھلائی کی خوشخبری ہے۔ مَیں تمہیں حمیر کے ساتھ نیکی کا حکم دیتا ہوں، تم خیانت نہ کرو، ایک دوسرے کو بے یار و مددگار نہ چھوڑو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے غریب اور مال دار کے محافظ ہیں اور صدقہ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اہل بیت کے لیے حلال نہیں ہے۔ یہ تو وہ زکوٰۃ ہے۔ جو غریب مسلمانوں اور مسافروں کو دی جاتی ہے۔ مالک نے اطلاع پہنچائی اور راز کو محفوظ رکھا۔ مَیں تمہیں ان کے ساتھ نیکی کا حکم دیتا ہوں۔

مَیں تمہیں پاس اپنے صالح، دیندار اور صاحب علم صحابہؓ کو بھیج رہا ہوں اور تمہیں ان کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔ یہ ان کے لائق ہے۔ والسلام علیکم۔

حضرت معاذ بن جبل کو نصیحت

ابن اسحاق فرماتے ہیں مجھے عبداللہ ابن ابوبکر نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو بھیجا، تو اُن کو خصوصی احکام دیے اور ان سے

عہد لیا۔ پھر انہیں فرمایا: آسانی بہم پہنچانا نہ کہ تنگی۔ لوگوں کو خوش رکھنا متنفر نہ کرنا۔ تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے وہ تم سے پوچھیں گے کہ جنت کی چابی کیا ہے؟ تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت۔

شوہر کا بیوی پر حق

حضرت معاذ ابن جبل، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام لے کر یمن پہنچے، تو یمن کی ایک عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا کہ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے؟ فرمایا: اللہ کی بندی! عورت شوہر کا حق ادا نہیں کر سکتی، تم طاقت کے مطابق اپنے آپ کو اس کی فرمانبرداری کے لیے مشقت میں ڈالو۔ اس نے کہا بخدا! اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، تو یقیناً آپ کے علم میں ہوگا کہ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے۔ فرمایا، خدا کی بندی! اگر تو لوٹ کر جائے اور شوہر کو اس حال میں پائے کہ اس کے نتھنوں سے پیپ اور خون جاری ہے اور تو اسے چوس کر ختم کر دے تو پھر بھی اس کا پورا حق ادا نہیں کر پائی۔

فروہ ابن عَمر جُذامی کا اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں: فروہ ابن عَمر ابن النافرہ جذامی نفاثی نے ایک قاصد کو اپنے اسلام کی اطلاع عرض کرنے کے لیے بارگاہِ رسالت میں بھیجا اور ایک سفید خچر بطور ہدیہ بھجوائی۔ فروہ، شاہِ روم کی طرف سے ان عربوں پر عامل مقرر تھے۔ جو اُن کے قریب رہتے تھے۔ شام میں مُعان اور اس کے آس پاس کا علاقہ اُن کے زیرِ انتظام تھا۔ جب شاہِ رُوم کو ان کے اسلام کی خبر ملی تو انہیں بلایا اور گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ حضرت فروہ نے جیل میں یہ اشعار کہے۔

طَرَقَتْ سُلَیْمیٰ مَوْہِنًا اَصْحَابِیْ ۔۔۔ وَالرُّوْمُ بَیْنَ الْبَابِ وَالْقِرْوَانِ

سُلیمیٰ (حضرت فروہ کی بیوی خیالی پیکر میں) آدھی رات کے بعد میرے ساتھیوں کے پاس آئی جب کہ رومی، دروازے اور جیل کے وسط میں تھے۔

صَدَّ الْخَیَالَ وَسَاءَہٗ مَا قَدْ رَأیٰ ۔۔۔ وَھَمَمْتُ اَنْ اَغْفیٰ وَقَدْ اَبْکَانِیْ

محبوبہ کے خیالی پیکر کو سامنے کے منظر نے روک دیا اور تکلیف پہنچائی۔ میں ہلکی سی نیند لینا چاہتا تھا، مگر اس پیکر نے مجھے رلا دیا

لَا تَکْحَلِنَّ الْعَیْنَ بَعْدِیْ اِثْمِدًا ۔۔۔ سَلْمیٰ وَلَا تَدِیَنَّ لِلْاِتْیَانِ

سلمیٰ! میرے بعد آنکھوں میں اثمد (سُرمہ) نہ لگانا اور آنے کی زحمت نہ اٹھانا

وَلَقَدْ عَلِمْتَ اَبَا کُبَیْشَۃَ اَنَّنِیْ ۔۔۔ وَسْطَ الْاَعِزَّۃِ لَا یُحَصُّ لِسَانِیْ

ابو کُبیشہ! تم جانتے ہو کہ میں بہترین عزت والوں سے ہوں اور میری زبان کاٹی نہیں جا سکتی۔

فَلَئِنْ ھَلَکْتُ لَتَفْقِدُنَّ اَخَاکُمْ ۔۔۔ وَلَئِنْ بَقِیْتُ لَتَعْرِفُنَّ مَکَانِیْ

اگر میں ہلاک ہو گیا، تو تم اپنے بھائی کو گم کر بیٹھو گے اور اگر میں زندہ رہا، تو تم ضرور میرا مقام پہچان لو گے۔

وَلَقَدْ جَمَعْتُ اَجَلَّ مَا جَمَعَ الْفَتیٰ ۔۔۔ مِنْ جَوْدَۃٍ وَّشَجَاعَۃٍ وَّبَیَانِ

کسی بھی جوان میں جو عمدگی، بہادری اور فصاحت و بلاغت پائی جاتی ہے۔ مجھ میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت فروہ کی مظلومانہ شہادت جب رومیوں نے فلسطین کے ایک چشمے کے کنارے حضرت فروہ کو سولی چڑھانے کا فیصلہ کر لیا، تو انہوں نے فرمایا:

أَلَا هَلْ أَتَى سَلْمَى بِأَنَّ حَلِيلَهَا — عَلَى مَاءِ عَفْرَى فَوْقَ إِحْدَى الرَّوَاحِلِ

کیا سلمیٰ کو یہ خبر مل چکی ہے کہ اس کا شوہر عفریٰ چشمے کے کنارے ایک سواری پر سوار ہے۔

عَلَى نَاقَةٍ لَمْ يَضْرِبِ الْفَحْلُ أُمَّهَا — مُشَذَّبَةٍ أَطْرَافُهَا بِالْمَنَاجِلِ

وہ ایسی اونٹنی (تختہ دار) پر سوار ہے جس کی ماں کے پاس نر نہیں گیا۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں درانتیوں سے کاٹ دیئے گئے ہیں۔

زہری ابن شہاب کا کہنا ہے کہ جب انہیں شہید کرنے کے لیے لایا گیا، تو انہوں نے فرمایا:

بَلِّغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِينَ بِأَنَّنِي — سَلْمٌ لِرَبِّي أَعْظُمِي وَمَقَامِي

مسلمانوں کے سرداروں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میری ہڈیاں اور میرے قیام کی جگہ میرے رب کی فرمانبردار ہے۔

پھر رومیوں نے اُن کا سر قلم کر دیا اور اسی چشمے پر انہیں سولی چڑھا دیا۔

وفد بنو الحرث ابن کعب

بنو الحرث کا حضرت خالد ابن ولید کے ہاتھ پر اسلام ابن اسحاق فرماتے ہیں، ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو الحرث ابن کعب کے پاس نجران بھیجا اور حکم دیا کہ جہاد سے پہلے تین دن تک اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام لے آئیں، تو اُن کا اسلام قبول کر لو اور اگر انکار کر دیں، تو ان سے جہاد کرو۔ حضرت خالد، بنو الحرث کے پاس پہنچے اور سواروں کو ہر طرف دعوت اسلام کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ حضرات کہتے تھے۔ لوگو! اسلام لے آؤ محفوظ ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ لوگ اسلام لے آئے اور جس دین کی انہیں دعوت دی گئی تھی۔ اس میں داخل ہو گئے۔ حضرت خالد نے اُن کے ہاں قیام فرما کر انہیں اسلام کی تعلیم دی اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہی حکم دیا تھا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور جنگ نہ کریں، تو انہیں اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنا۔ پھر حضرت خالد بن ولید نے بارگاہِ رسالت میں عریضہ ارسال کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

حضرت خالد بن ولید کا عریضہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خالد بن ولید کی طرف سے۔

السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

میں آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اما بعد! یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ نے مجھے بنو حرث ابن کعب کی طرف بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ جب میں اُن کے پاس جاؤں تو تین دن تک ان سے جہاد نہ کروں اور انہیں اسلام کی

دعوت دوں اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان میں قیام کروں اور ان کے اسلام کو تسلیم کر کے انہیں اسلامی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھاؤں اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان سے جہاد کروں۔ میں نے ان کے پاس آ کر تین دن تک انہیں اسلام کی دعوت دی جیسے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ میں نے سواروں کو ان کے پاس بھیجا جنہوں نے کہا اے بنو الحرث! اسلام لے آؤ! سلامتی کے ساتھ رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ نہیں کی اور اسلام لے آئے۔ میں ان کے ہاں مقیم ہوں۔ انہیں اس چیز کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ میں انہیں اسلامی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دے رہا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتوب ارسال فرمائیں۔

والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بارگاہ رسالت کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو جواب لکھوایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول محمد کی طرف سے خالد بن ولید کی طرف "سلام علیک"!

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد! تمہارے قاصد کے ذریعے تمہارا مکتوب موصول ہوا جس میں تم نے اطلاع دی ہے کہ بنو الحرث جنگ کئے بغیر اسلام لے آئے ہیں۔ جس اسلام کی تم نے انہیں تبلیغ کی ہے اسے انہوں نے قبول کر لیا ہے اور گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ انہیں خوشخبری اور ڈر سناؤ۔ تم خود بھی آؤ اور تمہارے ہمراہ ان کا وفد بھی آئے۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو الحرث کے وفد کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اس وفد میں قیس ابن الحصین ذوالغصہ یزید ابن عبدالمدان، یزید ابن المحجل، عبداللہ ابن قراد زیادی، شداد بن عبداللہ قنانی اور عمرو ابن عبداللہ قنانی تھے۔

جب یہ حضرات بارگاہ رسالت کے قریب حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کس قوم کے لوگ ہیں؟ یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہند کے لوگ ہیں۔ عرض کیا گیا یہ بنو الحرث ابن کعب کے افراد ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے سلام عرض کیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر فرمایا۔ تم وہ لوگ ہو جنہیں مقابلہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو بڑھ کر حملہ کرتے ہیں؟ وہ لوگ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا یہی سوال آپ نے دوسری اور تیسری مرتبہ کیا مگر سب خاموش رہے چوتھی مرتبہ یہی سوال دہرایا تو حضرت یزید ابن عبدالمدان نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہیں مقابلے کا حکم دیا جاتا ہے تو آگے بڑھ کر حملہ کرتے ہیں۔ انہوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوال کے مطابق یہ جملہ چار مرتبہ کہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر خالد مجھے یہ تحریر نہ کرتے کہ تم اسلام لے آئے ہو اور تم نے جنگ نہیں کی تو میں تمہارے سر تمہارے قدموں میں ڈال دیتا۔ یزید ابن عبدالمدان نے عرض کیا خدا کی قسم! ہم نے آپ کی اور حضرت خالد کی حمد و ثنا نہیں کی۔ آپ نے فرمایا تم

نے کس کی حمد و ثنا کی ہے۔ عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی۔ یا رسول اللہ جس نے آپ کے وسیلے سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دورِ جاہلیت میں تم دشمنوں پر کس طرح غلبہ پایا کرتے تھے؟ عرض کیا ہم کسی پر غلبہ نہیں پایا کرتے تھے فرمایا: کیوں نہیں تم اپنے دشمنوں پر غلبہ پایا کرتے تھے۔ عرض کیا ہم اپنے دشمنوں پر اس طرح غلبہ پاتے تھے کہ ہم اکٹھے ہو جاتے تھے الگ الگ نہیں رہتے تھے کسی پر ظلم کی ابتدا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا: تم نے سچ کہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو الحرث پر قیس ابن حصین کو امیر بنا دیا۔ چنانچہ یہ وفد شوال کے آخری دنوں یا ذیقعدہ کے ابتدائی دنوں میں اپنی قوم کے پاس واپس چلا گیا ابھی چار مہینے نہیں گزرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت و برکت اور رضا و نعمت سے نواز دیا۔

اس وفد کی روانگی کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ ابن حزم کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ انہیں دین و سنت اور تعلیمات اسلامیہ سکھائیں اور اُن سے صدقات وصول کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن حزم کو ایک تحریر عنایات فرمائی، جس میں ہدایات اور احکام درج تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کی ہدایات ہیں: اے ایمان والو! عہد و پیمان کو پورا کرو۔ یہ اللہ کے نبی اور رسولؐ کا عہد ہے۔ عمرؓ ابن حزم کے لیے جب انہیں یمن کی طرف روانہ کیا۔

انہیں حکم دیا کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ بے شک اللہ تعالیٰ متقین اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔ انہیں حکم دیا کہ وہ حق پر عمل کریں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ لوگوں کو خیر کی بشارت دیں اور خیر کا حکم دیں۔ لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیں اور اس کے مطالب سمجھائیں۔ قرآن پاک کو وہی چھوئے جو پاک ہو۔ لوگوں کو اُن کے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ کریں۔ حق میں لوگوں سے نرمی کریں اور ظلم کے معاملے میں اُن پر سختی کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کو ناپسند فرماتا ہے اور اس سے منع فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ لوگوں کو جنت کی خوش خبری دیں اور جنتیوں والے کام سکھائیں۔ جہنم اور جہنمیوں والے اعمال سے ڈرائیں۔ لوگوں سے اُلفت کا برتاؤ کریں، یہاں تک کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔

لوگوں کو حج کے احکام، سُنتیں اور فرائض اور فرامینِ خداوندی سکھائیں۔ حج اکبر، حج ہے اور حج اصغر، عمرہ ہے۔ لوگوں کو ایک چھوٹے کپڑے میں نماز پڑھنے سے منع کریں۔ ہاں اتنا ہو کہ اس کے دونوں کنارے اس کے کندھوں پر آجائیں۔ اسی طرح ایک کپڑا باندھ کر اس طرح بیٹھنے سے منع کریں کہ اُوپر سے ستر کھلا ہوا ہو۔ گدی پر بالوں کا جوڑا بنانے سے منع کریں۔ ہیجان کے وقت لوگوں کو قبائل اور گروہوں کی طرف بلانے سے منع کریں۔ انہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلائیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف نہ بلائے بلکہ قبیلوں اور گروہوں کی طرف بلائے، اسے تلوار سے قتل کر دیں، یہاں تک کہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی طرف بُلائیں۔

لوگوں کو حکم دیں کہ وضو مکمل کریں، چہروں کو دھوئیں، ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئیں اور سر پر مسح

کریں، جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ لوگوں کو حکم دیں کہ نماز وقت پر پڑھیں، رکوع اور سجود مکمل طور پر خضوع وخشوع سے ادا کریں۔ صبح کی نماز اندھیرے میں، ظہر زوال آفتاب کے بعد اور عصر اس وقت پڑھیں، جب سورج زمین کی طرف جا رہا ہو۔ مغرب رات کے آنے پر پڑھیں، ستاروں کے ظاہر ہونے تک مؤخر نہ کریں۔ عشاء کی نماز رات کے ابتدائی حصے میں پڑھیں۔ جب جمعہ کی اذان ہو جائے، تو اس کی طرف جلدی کریں اور جاتے وقت غسل کریں۔

حضرت عمرؓ ابن حزم کو حکم دیا کہ مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر زمین کا جو صدقہ واجب کیا ہے وصول کریں، جس زمین کو چشمے یا بارش سے سیراب کیا گیا ہے اس کی پیداوار کا دسواں حصہ اور جسے ڈول سے سیراب کیا ہے اس کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے۔ ہر دس اونٹوں کی زکوٰۃ دو بکریاں اور ہر بیس کی زکوٰۃ چار بکریاں۔ ہر چالیس گایوں سے ایک گائے اور تیس میں سے، ایک تبیع، جذع یا جذعہ، چرنے والی ہر چالیس بکریوں سے ایک بکری وصول کی جائے۔ یہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہے جو دہ زیادہ دے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔

جو یہودی یا عیسائی خوش دلی سے، دل وجان سے اسلام لے آئے اور دینِ اسلام کی اطاعت قبول کرے تو وہ مومن ہے اس کے حقوق اور ذمہ داریاں وہی ہیں جو مسلمانوں کی ہیں اور جو شخص عیسائیت یا یہودیت پہ قائم رہتا ہے اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ ہر بالغ مرد و زن پہ ایک دینار یا اس مالیت کے کپڑے (بہ طور جزیہ) لازم ہیں جو شخص یہ ادا کرے گا اس کے لئے خدا اور رسول کا ذمہ ہے اور جو انکار کرے وہ خدا و رسول اور تمام مومنوں کا دشمن ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه
اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، سلامتی، مہربانی اور برکتیں نازل ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

رفاعہ ابن زید جذامی کی حاضری

خیبر سے پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر رفاعہ ابن زید جذامی ضبیبی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ایک غلام پیش کیا۔[1] اور دل و جان سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کی قوم کے نام ایک مکتوب عنایت فرمایا۔

بسم اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، رفاعہ ابن زید کو دیا گیا۔ میں نے انہیں ان کی قوم اور قوم میں داخل ہونے والے تمام افراد کی طرف بھیجا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائیں جو ان کی دعوت کو قبول کرے وہ خدا اور رسول کے گروہ میں داخل ہے اور جو قبول نہ کرے اس کے لئے دو ماہ کی مہلت ہے، جب حضرت رفاعہ نے آکر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ مسلمان ہو گئے اور حرۃ الرجلاء میں آکر قیام پذیر ہو گئے۔

وفد ہمدان

ابن ہشام فرماتے ہیں، مجھے ایک معتمد شخص نے عمرو ابن عبیداللہ ابنِ اذینہ عبدی سے روایت کی کہ انہوں نے ابواسحاق سبیعی سے

---

[1] اس کا غلام کا نام مدعم تھا جس کا ذکر مؤطا امام مالک میں ہے۔ (سہیلی)

روایت کی کہ بارگاہِ رسالت میں ہمدان کا وفد حاضر ہوا جس میں مالک ابن نمط ابوثور جنہیں ذوالمشعار کہا جاتا تھا مالک ابن ایفع ضمام ابن مالک سلمانی عمیرہ ابن مالک خارفی تھے۔ یہ لوگ اس وقت بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ اُنہوں نے یمنی چادروں کے سلے ہوئے کپڑے اور عدنی عمامے زیب تن کئے ہوئے تھے (المیس لکڑی) کے بنے ہوئے کجاووں میں مہری (حضرموت کے ایک علاقے کی طرف نسبت) اور ارحبی (ہمدان کے ایک قبیلے کی طرف نسبت) اونٹوں پر سوار تھے مالک ابن نمط اور اُن کا ایک ساتھی یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

هَمْدَانُ خَيْرُ سُوْقَةٍ وَّاَقْيَالٌ لَيْسَ لَهَا الْعَالَمِيْنَ اَمْثَالٌ

ہمدان کے باشندے بہترین راہنما اور بادشاہ ہیں، دنیا میں اُن کی کوئی مثال نہیں ہے۔

مَحَلُّهَا الْهَضْبُ وَمِنْهَا الْاَبْطَالُ لَهَا اَطَابَاتٌ بِهَا وَآكَالٌ

وہ بلند جگہ کے رہنے والے ہیں اور ان میں بڑے بڑے بہادر ہیں جنہیں تحفے اور نذرانے دئیے جاتے ہیں۔ ایک دوسرا شخص کہہ رہا تھا

اِلَيْكَ جَاوَزْنَ سَوَادَ الرِّيْفِ فِيْ هَبَوَاتِ الصَّيْفِ وَالْخَرِيْفِ مُخَطَّمَاتٍ بِحِبَالِ اللِّيْفِ

کھجور کے پتوں کی نکیل والی اونٹنیاں موسم گرما اور خزاں کے گرد و غبار سے گزرتی ہوئی سرسبز علاقوں کو طے کر کے آپ کے پاس پہنچی ہیں

مالک ابن نمط بارگاہِ رسالت میں کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں یا رسُول اللہ! ہمدان کے نمائندے شہروں اور دیہات سے تیز رو اور نوعمر اونٹنیوں پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں وہ اسلام کی رسی سے بندھے ہوئے ہیں اور انہیں راہ خداوندی میں کوئی ملامت متاثر نہیں کرتی۔ یہ لوگ قبیلۂ خارف، یام اور شاکر کے علاقے سے آئے ہیں جہاں اونٹ اور گھوڑے بکثرت ہیں اُنہوں نے اللہ تعالےٰ کے رسُول کی دعوت قبول کی ہے۔ معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دیا ہے اور ان کا معاہدہ کبھی نہیں ٹوٹے گا جب تک لعلع پہاڑ باقی رہے اور چٹیل میدانوں میں ہرن دوڑتے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مکتوب عنایت فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے قبیلہ خارف کے شہر، بلند اور ریگستانی زمین والوں کے لئے جن کے ساتھ ان کا نمائندہ ذوالمشعار ہے یعنی مالک بن نمط اور ان لوگوں کے لیے جو ان کی قوم سے اسلام لائے ہیں۔

ان کے لئے ان کی بلند اور پست زمینیں ہیں، جب تک نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ یہ لوگ وہاں کی پیداوار کھائیں گے اور گھاس جانوروں کو کھلائیں گے ان کے لئے یہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ہے اور اس پر مہاجرین اور انصار گواہ ہیں۔

اسی بارے میں مالک ابن نمط نے یہ شعر کہے۔

ذَكَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ فَحْمَةِ الدُّجَى وَنَحْنُ بِاَعْلٰى رَحْرَحَانَ وَصَلْدَدِ

مَیں نے گہری تاریکی میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا جب ہم رحرحان اور صلدد (مقامات) کے بالائی حصّہ میں تھے۔

وَهُنَّ بِنَا خُوْصٌ طَلَائِحُ تَعْتَلِيْ بِرُكْبَانِهَا فِيْ لَاحِبٍ مُتَمَدِّدِ

اونٹنیاں اپنے سواروں کو لیے دُور دراز راستوں کو طے کر رہی تھیں، اور سفر کی صعوبتوں کی بناء پر اُن کی آنکھیں دھنسی

ہوئی تھیں۔

عَلٰی کُلِّ فَتْلَاءِ الذِّرَاعَیْنِ جَسْرَۃٍ   تَمُرُّ بِنَا مَرَّ الْھِجَفِّ الْخَفَیْدَدِ

ہم لمبے بازوؤں والی تیز رفتار اونٹنیوں پر سوار تھے جو ہمیں لیے بڑے شتر مرغ کی طرح بھاگ رہی تھیں۔

حَلَفْتُ بِرَبِّ الرَّاقِصَاتِ اِلٰی مِنًی   صَوَادِرَ بِالرُّکْبَانِ مِنْ ھَضْبِ قَرْدَدِ

منیٰ کی طرف جھومتے ہوئے جانے والی اونٹنیوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں جو بلند و بالا زمینوں سے سواروں کو لے کر واپس آتی ہیں۔

بِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْنَا مُصَدَّقٌ   رَسُوْلٌ اَتٰی مِنْ عِنْدِ ذِی الْعَرْشِ مُھْتَدِ

کہ ہمارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی جائے گی اور آپ مالک عرش کے رسول اور راہ راست پر ہیں

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَۃٍ فَوْقَ رَحْلِھَا   اَشَدَّ عَلٰی اَعْدَائِہٖ مِنْ مُّحَمَّدِ

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دشمنان خدا پر شدت والا کسی اونٹنی نے اپنے کجاوے پر سوار نہیں کیا

وَاَعْطٰی اِذَا مَا طَالِبُ الْعُرْفِ جَاءَہٗ   وَاَمْضٰی بِحَدِّ الْمَشْرَفِیِّ الْمُھَنَّدِ

جب کوئی طالبِ احسان آپ کے پاس آتا ہے، تو آپ اسے بے حساب عطا فرماتے ہیں اور ہندی مشرفی تلوار کی دھار سے آپ کی قوتِ فیصلہ زیادہ تیز ہے۔

(۲)

لفظ وفد کی تحقیق

وُفُدٌ، وَافِدٌ کی جمع ہے۔ وَفد، قوم کی اس منتخب جماعت کو کہتے ہیں جو اہم مقاصد کے لئے بڑے لوگوں کے پاس جاکر قوم کی نمائندگی کرتی ہے۔ (امام نووی، شرح مسلم ج ا ص ۳۳) وُفُودٌ جمع کی جمع ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اعلان توحید و رسالت کیا فرمایا کہ دنیائے کفر و شرک میں زلزلہ آگیا۔ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ تمام مرد و زن، پیر و جوان دشمن جاں بن گئے ایک ایک کو دعوت اسلام دی مگر وہ رو براہ ہونے کی بجائے دشمنی میں سخت سے سخت تر ہوتے گئے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ حج کے موقعہ پر آنے والے مختلف قبائل کے پاس تشریف لیجاتے اور انہیں دین اسلام کی تبلیغ فرماتے، لیکن یہ قبیلے قریش کے منتظر تھے کہ وہ ایمان لائیں تو ہم بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔

بیعت انصار

اعلان نبوت کے گیارہویں سال (ہجرت سے دو سال پہلے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ کی ایک گھاٹی (عقبہ) میں تشریف فرما تھے کہ مدینہ طیبہ کا رہنے والا قبیلہ خزرج آپ کے پاس پہنچا۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ قرآن پاک سنایا اور فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بناکر بھیجا ہے اگر میری پیروی کروگے تو دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کروگے۔ یہ لوگ یہودیوں سے سن چکے تھے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سنی اور آپ کے جمال و کمال کا دیدار کیا تو آپس میں کہنے لگے۔ خدا کی قسم! یہی وہ پیغمبر ہیں جن کی خبریں یہودی ہمیں دیا کرتے تھے موقع غنیمت جانو اور ایمان لے آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ مدینہ والوں میں سے کوئی اور تم سے سبقت لیجائے۔ چنانچہ یہ حضرات مشرف باسلام ہوگئے یہ حضرات تعداد میں چھ تھے۔ حضرت اسعد ابن زرارہ اور حضرت جابر ابن عبداللہ اسی جماعت میں شامل تھے اس بیعت کو بیعت عقبہ الاولیٰ کہتے ہیں جب یہ حضرات واپس پہنچے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے مدینہ کی مجلسیں اور گھر منور ہوگئے

(مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۵۱ - ۵۲)

۱۷۔ وفد انصار

آئندہ سال ہجرت سے ایک سال پہلے اوس اور خزرج کے بارہ افراد مدینہ طیبہ سے آکر اسی گھاٹی کے پاس حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت عبادہ ابن صامت اور حضرت عویم ابن ساعدہ اور حضرت ذکوان ابن عبدالقیس اس جماعت میں شامل تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جماعت کی درخواست پر حضرت مصعب ابن عمیر کو قرآن پاک اور دین کی تعلیم کے لئے ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اسی سال مدینہ مطہرہ میں جمعہ قائم کیا گیا (شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۵۳)

۱۸۔ انصار کا دوسرا وفد

اعلان نبوت کے تیرہویں سال ہجرت سے تین ماہ پہلے حضرت مصعب ابن عمیر ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ اس جماعت میں کچھ مشرک بھی تھے جو حج کے لئے آئے تھے اس وفد کی تعداد میں مختلف روایات ہیں (۱) پانچ سو کے قریب (۲) اوس اور خزرج کے تین سو افراد (۳) ستر (۴) تہتر۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ذوالحجہ کو دو تہائی رات گزرنے کے بعد اسی گھاٹی کے پاس تشریف لائے، آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ کی حفاظت کے خیال سے ساتھ چلے آئے تھے۔ مدینہ سے آئے ہوئے مشرکین زیارت سے مشرف ہوئے اور اسلام لے آئے۔

حضرت عباس نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمارے درمیان کتنی عزت و شرافت ہے ہم نے ہر چند انہیں منع کیا۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہیں سنی اور تمہاری ملاقات کا ارادہ ملتوی نہیں کیا اگر تم ان کیساتھ وفاداری کا پختہ ارادہ رکھتے ہو اور تمہیں اپنے اوپر مکمل اعتماد ہے کہ ان سے جو وعدہ کرو گے اسے پورا کرو گے تو فبہا ورنہ ابھی بتا دو، تاکہ بعد میں تمہیں پریشان نہ ہونا پڑے اور تم ہمیں اپنا دشمن نہ بنالو۔ انہوں نے کہا عباس! ہم نے آپ کی بات سن لی اور سمجھ لی۔ یارسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو وعدہ ہم سے لینا چاہتے ہیں لے لیجئے۔

تعلیمات

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا! اللہ تعالیٰ کا عہد یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ! اور میرا عہد یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں میرا ساتھ دو اور جو اس معاملے میں آڑے آئے اس سے جہاد کرنے سے گریز نہ کرو نیز فرمایا: میری بیعت کرو کہ جو کچھ میں تمہیں حکم دوں اسے سنو اور سستی ہو یا چستی ہر حال میں فرمانبرداری کرو۔ خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ امر و نواہی کو بجالاؤ، حق بات کہو اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرو۔ میرے دست و بازو بنو۔ اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو میری اسی طرح

حفاظت کرو جس طرح تم اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو: انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کا کام ہی جنگ و قتال تھا۔ لیکن ہمارے اور یہودیوں کے درمیان سابقہ روابط اور معاہدے ہیں اب ہم وہ سب منقطع کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو نصرت اور غلبہ عطا فرمائے تو آپ واپس اپنی قوم کے پاس آجائیں اور ہمیں تنہا چھوڑ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ایسا نہیں ہوگا۔ میرا روحانی اور جسمانی تعلق تم سے ہوگا میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ۔ میرا مزار تمہارے ہاں اور میرا قیام تمہارے پاس ہوگا۔ جو تم سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا اور جو تمہارے ساتھ صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا۔ عرض کیا یارسول اللہ! اگر ہم سب آپ کی محبت کے راستے میں شہید ہو جائیں اور جان و مال آپ پر قربان کر دیں تو اس کی جزا کیا ہوگی؟ فرمایا: جَنّٰتٍ تَجْرِی مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰر وہ باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ عرض کیا: یہ تو کامیاب سودا ہے۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اپنا دست کرم بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ اسی موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ	بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں۔ اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔
(التوبہ پ ۱۱ رکوع ۳)	(ترجمہ امام احمد رضا بریلوی)

"اس بیعت کو عقبۂ کبریٰ کہتے ہیں اور بعض ارباب سیرت عقبۂ ثانیہ کہتے ہیں، لیکن سابقہ تفصیل کے مطابق اسے عقبۂ ثالثہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس گھاٹی کے پاس انصار نے یہ تیسری مرتبہ بیعت کی تھی۔"

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۵۳-۵۴)

۱۹۔ وفد عبدالقیس

فتح مکہ سے کچھ پہلے (۸ھ) قبیلۂ عبدالقیس کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، قول مشہور کے مطابق اس وقت حج فرض نہیں ہوا تھا۔ حج ۹ھ میں فرض ہوا اسی لئے اس وفد کو دی جانے والی ہدایات میں حج کا ذکر نہیں ہے۔

(امام یحییٰ ابن شرف الدین النواوی، شرح مسلم ج ۱ ص ۳۴)

شرکاء وفد

اس وفد میں چودہ افراد شریک تھے۔ ان میں سے جن کے اسماء معلوم ہو سکے یہ ہیں:۔
الاشج العصری (قائد وفد) مزیدہ ابن مالک المحاربی، عبیدہ ابن ہمام المحاربی۔ صحار ابن عباس المری، عمر ابن محروم العصری، حارث ابن شعیب العصری اور حارث ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم،
ان حضرات کی آمد کا سبب یہ تھا کہ بنو غنم میں سے منقذ ابن حیان دور جاہلیت میں تجارت کے لئے یثرب آیا

کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد مقام ہجر سے لحاف اور کھجوریں لے کر مدینہ طیبہ آئے ایک دن بیٹھے ہوتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاس سے تشریف لیجا رہے تھے یہ اٹھ کر ملے۔ آپ نے فرمایا: منقذ ابن حیان! تمہارا اور تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟ پھر ان کی قوم کے معززین کی نام بنام خیریت دریافت کی حضرت منقذ مشرف باسلام ہو گئے۔ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اقراء کی تعلیم حاصل کی اور اپنے علاقہ ہجر کی طرف روانہ ہو گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قبیلہ عبد القیس کے نام ایک مکتوب عنایت فرمایا۔ وہ گرامی نامہ انہوں نے چند دن چھپائے رکھا پھر ایک دن ان کی بیوی بنت المنذر ابن عائذ نے دیکھ لیا۔ اس نے اپنے والد سے تذکرہ کیا اور کہا کہ جب سے میرے شوہر مدینہ سے آئے ہیں عجیب وغریب کام کرتے ہیں۔ اپنے اعضاء دھوتے ہیں اور ایک طرف (قبلہ کی طرف) منہ کر کے کبھی اپنی پشت جھکاتے ہیں اور کبھی اپنا ماتھا زمین پر رکھتے ہیں۔ حضرت منذر جن کا نام چہرے کے زخم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشج رکھا تھا حضرت منقذ سے ملے گفتگو کی اور اسلام لے آئے۔ پھر حضرت منذر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب اپنی قوم کو سنایا وہ بھی اسلام لے آئے اور طے پایا کہ بارگاہ رسالت میں حاضری دی جائے۔

بارگاہ رسالت میں

جب یہ وفد مدینہ طیبہ[1] کے قریب پہنچا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین کو فرمایا تمہارے پاس قبیلہ عبد القیس کا وفد آ رہا ہے۔ یہ اہل مشرق سے بہترین لوگ ہیں ان میں اشج عصری ہیں۔ یہ لوگ نہ عہد شکن ہیں نہ ردّ و بدل کرنے والے اور نہ ہی شک میں واقع ہونے والے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ قبیلہ عبد القیس کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم قبیلہ ربیعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر حائل ہیں۔ ہم صرف شہر حرام[2] میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ آپ ہمیں ایسے احکام بیان فرمائیں جن پر ہم خود عمل کریں اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو عمل کی دعوت دیں۔

---

[1] پہلے مدینہ طیبہ کا نام یثرب تھا۔ آب و ہوا کے ناخوشگوار ہونے کے سبب وہاں جانے والے کو ملامت کی جاتی تھی لیکن نبی اکرم کی برکت سے آب و ہوا میں بھی تبدیلی آ گئی۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار تھا کہ مدینہ پاک کو یثرب کہا جائے۔ کیونکہ یثرب کے معنی اچھے نہیں ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان پ ۲۱ رکوع ۱۸) قرآن پاک میں منافقین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے جس میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہا گیا ہے۔ ۱۲ اشرف قادری۔

[2] رجب، ذیقعد، ذوالحجہ اور محرم چار مہینوں کو اشہر الحرام کہتے ہیں۔ ان مہینوں میں جنگ ممنوع تھی۔ کافر بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے اور جنگ سے باز رہتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

امرکم باربع وانھاکم عن اربع الایمان باللہ ثم فسرھا لھم فقال شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وان تؤدوا خمس ما غنمتم وانھاکم عن الدباء والحنتم والنقیر والمقیر [1]

میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا پھر اس کی تفسیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دی جائے اور یہ کہ محمد مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرو۔ اور تمہیں چار چیزوں سے منع کرتا ہوں (۱) دُبّا (۲) سبز مٹکے (۳) نقیر (۴) مُقَیّر سے۔

ابتداً جب شراب حرام کی گئی تو ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع کر دیا گیا جن میں شراب تیار کی جاتی تھی۔

۱۔ دُبّاء کدو کو کہتے ہیں کہ خشک ہو جاتا تو اوپر سے سوراخ کر کے بطور برتن استعمال کیا جاتا تھا۔

۲۔ حَنْتَم سبز مٹکا جس کے اوپر روغن لگا ہوا ہوتا تھا۔

۳۔ نقیر درخت کے تنے کو اندر سے کھوکھلا کر کے برتن بنا لیا جاتا تھا۔

۴۔ مُقَیَّر وہ برتن جس پر روغن سیاہ لگا دیا جاتا تھا۔

ان سے منع کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ان میں انگور کا نچوڑ یا گنے کا رس وغیرہ ڈالا گیا تو وہ جلد نشہ آور ہو جائے گا اور ضائع ہو جائے گا۔ دوسرا یہ کہ لاعلمی میں کوئی اسے پی بیٹھے گا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ شراب سے کلی طور پر اجتناب کیا جا چکا تھا اور احکام پوری طرح واضح ہو چکے تھے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں چند برتنوں میں نبیذ تیار کرنے سے منع کیا تھا۔ اب جس برتن میں چاہو تیار کرو، لیکن نشہ آور نہ پیو۔

۲۰۔ وفد مزینہ

ماہ رجب ۵ھ میں مضر کی شاخ مُزَینہ کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ پہلا وفد ہے۔ جو بارگاہ رسالت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: تم مہاجر ہو چاہے جہاں بھی رہو۔ تم اپنے اموال کے

---

[1] مسلم شریف عربی، مطبوعہ نور محمد کراچی ج ۱ ص ۳۳۔ ۳۴

نوٹ: بقیہ تفصیلات امام یحییٰ ابن شرف النواوی کی شرح مسلم شریف سے ماخوذ ہیں۔

پاس لوٹ جاؤ چنانچہ یہ اپنے علاقے میں واپس چلے گئے۔

یہ دس افراد تھے ان میں خزاعی ابن عبد نہم بھی تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ لیکن جب اپنی قوم کے پاس پہنچے تو ان کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر حضرت حسان بن ثابت نے حضرت خزاعی کے بارے میں چند اشعار کہے۔ حضرت خزاعی نے فرمایا: اے قوم! حضور کے شاعر نے خاص طور پر تمہیں مخاطب کیا ہے۔ خدا کے لئے میری بات مان جاؤ۔ قوم نے کہا: ہم آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ چنانچہ یہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے فتح مکہ کے دن حضور نے مزینہ کا جھنڈا حضرت خزاعی کو عطا فرمایا ان کی تعداد اس دن ایک ہزار تھی۔

(طبقات ابن سعد، عربی، مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۲۹۱-۲)

طعام میں برکت؛

امام بیہقی اور امام احمد، حضرت نعمان ابن مقرن سے روایت کرتے ہیں کہ ہم قبیلۂ مزینہ کے چار سو افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ واپسی پر ہم نے زاد راہ کی درخواست پیش کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو فرمایا: انہیں زاد راہ دو، انہوں نے عرض کیا: میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں جو اتنی بڑی جماعت کے لئے کافی نہیں ہوں گی۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور انہیں دیدو۔ حضرت عمر انہیں ساتھ لیکر اپنے بالا خانے پر پہنچے تو دیکھا کہ اونٹ کے برابر کھجوروں کا ڈھیر موجود ہے۔ تمام حضرات نے کھجوریں حاصل کیں۔ حضرت نعمان فرماتے ہیں میں سب سے آخر میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ڈھیر جوں کا توں موجود ہے اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔

علامہ محمد ابن عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے ہیں (۱) تھوڑی سی کھجوریں اتنی بڑی جماعت کے لئے کافی ہو گئیں (۲) سب نے ضرورت کے مطابق کھجوریں حاصل کر لیں۔ مگر اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی

(زرقانی علی المواہب اللدنیہ، عربی، ج ۴، ص ۴۲)

۲۱- وفد اسد

۹ھ کی ابتداء میں بنو اسد کے دس افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اس جماعت میں یہ حضرات شامل تھے۔

(۱) حضرمی ابن عامر (۲) ضرار ابن الازور (۳) وابصہ ابن معبد (۴) قتادہ ابن القائف (۵) سلمہ ابن حبیش۔ (۶) طلحہ ابن خویلد (۷) نقادہ ابن عبد اللہ ابن خلف۔

حضرمی ابن عامر نے عرض کیا۔

اَتَیْنَاکَ نَتَدَرَّعُ اللَّیْلَ الْبَہِیْمَ، فِیْ سَنَۃٍ شَہْبَاءَ وَلَمْ تَبْعَثْ اِلَیْنَا بَعْثًا،

ہم خشک سالی کے عالم میں، انتہائی تاریک رات کو طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ جب کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی جماعت نہیں بھیجی۔

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین ○

اے حبیب! وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے، تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

(سورۃ ق پ ۲۶ رکوع ۱۴) ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ؛ (طبقات ابن سعد ج اص ۲۹۲)

ابن سعد نے وفد کے دس شرکاء میں سے سات کے نام بیان کئے ہیں۔ علامہ محمد ابن عبدالباقی زرقانی نے ساتواں نام ابو مکعث عرفطہ ابن نضلہ اسدی ذکر کیا ہے اور طلحہ ابن خویلد کی بجائے طلیحہ ابن خویلد ذکر کیا ہے۔ نیز بیان کیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد ابن ولید کو حکم دیا کہ پہلے قبیلہ مضر کی جانب رخ کریں اور مرتدین سے نمٹتے ہوئے یمامہ کی طرف بڑھیں (جہاں مسیلمہ کذاب اپنی بھاری جمعیت کے ساتھ موجود تھا) حضرت خالد ابن ولید نے طلیحہ کو شکست دی اور وہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ پھر دل وجان سے اسلام لے آئے۔ اسلام لانے کے بعد ان پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا۔ یہ حج کا احرام باندھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے انہیں دیکھا تو فرمایا: تم دو بہترین مردوں کو شہید کر چکے ہو۔ اس لئے میں تم سے محبت نہیں رکھتا یعنی حضرت عکاشہ ابن محصن اور ثابت ابن اقرم یہ دونوں حضرت خالد ابن ولید کے جاسوس تھے جنہیں طلیحہ نے قتل کر دیا تھا۔ طلیحہ نے کہا یہ دو حضرات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت عطا فرمائی اور مجھے ان کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا۔

طلیحہ ابن خویلد، مسلمانوں کے ہمراہ قادسیہ اور نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے اور فتوحات میں قابل قدر حصہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ نہاوند میں ۲۱ھ میں شہید ہوئے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۶۲-۶۳)

۴۲۔ وفد عبس

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بنو عبس کے نو افراد حاضر ہوئے یہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ ان کے اسماء یہ ہیں۔ (۱) میسرہ ابن مسروق (۲) حارث ابن ربیع ان ہی کو کامل کہا جاتا ہے۔ (۳) قنان ابن دارم (۴) بشر ابن حارث ابن عبادہ (۵) ہدم ابن مسعدہ (۶) سباع ابن زید (۷) ابو الحصن ابن لقمان (۸) عبداللہ ابن مالک (۹) فروہ ابن الحصین

یہ حضرات مشرف باسلام ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی اور فرمایا: ایک اور

شخص تلاش کرو جس کے ساتھ مل کر تم دس ہو جاؤ اور میں تمہیں ایک جھنڈا دیدوں۔ اتنے میں حضرت طلحہ ابن عبیداللہ تشریف لائے تو آپ نے انہیں جھنڈا عنایت فرمایا اور ان کا نشان "یا عُشَرَۃ" (اے دس کے گروہ) مقرر فرمایا:

ابن سعد، حضرت ابو ہریرہ سے راوی ہیں کہ بنو عَبس کے تین افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمارے اہل علم ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور ہمیں بتایا کہ جو ہجرت نہیں کرتا اس کا اسلام نہیں ہے۔ ہمارے پاس اموال اور مویشی ہیں جو ہمارا ذریعہ معاش ہیں۔ اگر ہجرت کے بغیر اسلام مقبول نہیں تو ہم اپنے اموال اور مویشی فروخت کر کے ہجرت کر آتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا الله حیث کنتم فلن یلتکم من اعمالکم شیئاً ولو کنتم بصمدٍ وجازان

تم جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز کم نہیں فرمائے گا۔ اگرچہ تم صَمَد اور جازان (دو مقام) میں ہو۔

پھر آپ نے حضرت خالد ابن سنان علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے فرمایا: وہ نبی تھے جنہیں ان کی قوم نے ضائع کر دیا۔ پھر حضرت خالد ابن سنان علیہ السلام کے کچھ واقعات صحابہ کرام کو بیان فرمائے۔

(طبقات ابن سعد، عربی ج ۱ ص ۲۹۶)

۲۳۔ وفد فزارہ

۹ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں بنو فزارہ کا دس سے زائد افراد کا ایک وفد حاضر ہوا جس میں یہ حضرات تھے۔ (۱) خارجہ ابن حصن (۲) حُر ابن قیس ابن حصن یہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے یہ حضرات کمزور سواریوں پر سوار تھے۔ اور مسلمان ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے شہروں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا ہمارے شہر خشک سالی کی زد میں ہیں۔ ہمارے مویشی ہلاک ہو گئے۔ ہمارا علاقہ قحط کا شکار ہے اور کھیتیاں خشک ہو گئی ہیں آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دعا کی۔

اللّٰھم اسق عبادك و بھائمك وانشر رحمتك واحی بلدك المیت اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا طبقا واسعا عاجلا غیر اٰجل نافعا غیر ضار اللّٰھم اسقنا سقیا رحمۃ لا سقیا عذاب ولا ھدم

اے اللہ! اپنے شہروں اور چوپایوں کو سیراب فرما اپنی رحمت عام فرما اور اپنے مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں سیراب کرنے والی خوشگوار تازگی بخش، وسیع اور ہمہ گیر بارش جلدی عطا فرما۔ دیر سے نہیں، مفید ہو نقصان دہ نہ ہو۔ اے اللہ!

وَلَا غَرَقٍ وَلَا مَحْقٍ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَاءِ

ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما جو باعثِ عذاب، مکانات کو گرانے والی، افراد کو غرق اور فنا کرنے والی نہ ہو اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری امداد فرما۔

بارش اس قدر ہوئی کہ اگلے چھ دن آسمان دکھائی نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَ لَا عَلَيْنَا عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ

اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش ہو۔ ہم پر نہ ہو۔ ٹیلوں، پہاڑیوں، وادیوں کے پیٹ اور جنگلوں میں بارش ہو۔

مدینہ طیبہ کے اوپر سے بادل اس طرح ہٹ گیا جیسے کپڑا ایک طرف کر دیا جائے۔

(طبقات ابن سعد، عربی، ج ۱ ص ۲۹۷)

دُعا کی قبولیت

علامہ زرقانی کی بیان کردہ روایت میں ہے۔ خدا کی قسم آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مسجد نبوی اور سَلَع پہاڑ کے درمیان کوئی عمارت اور گھر نہ تھا (حتیٰ کہ بادل کے دیکھنے سے کوئی عمارت مانع ہوتی) سلع کے پیچھے سے ڈھال ایسا بادل نمودار ہوا اور آسمان کے درمیان پہنچ کر دیکھتے ہی دیکھتے پھیل گیا پھر اتنی بارش ہوئی کہ ہفتہ بھر سورج دکھائی نہ دیا۔

(زرقانی علی المواہب، ج ۴ ص ۶۲)

۲۴۔ وفد مُرّہ

۹ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو تیرہ افراد پر مشتمل بنو مُرّہ کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان کے قائد حضرت حارث ابن عوف تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی قوم اور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم لؤی ابن غالب کی اولاد ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: تم نے اپنے اہل و عیال کو کہاں چھوڑا ہے؟ عرض کیا سلاح اور اس کے قرب و جوار میں۔ پھر آپ نے پوچھا تمہارے شہروں کا کیا حال ہے؟ عرض کیا خشک سالی کے شکار ہیں۔ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے! آپ نے دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ

یا اللہ! انہیں بارش عطا فرما!

پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا انہیں عطیات دو۔ انہوں نے ہر ایک کو دس اوقیہ چاندی (چار سو درہم کی مقدار) عنایت

کی اور حضرت حارث ابن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی (چار سو اسی درہم کی مقدار) دی۔ یہ حضرات اپنے علاقہ میں واپس گئے تو معلوم ہوا کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی تھی اسی روز بارش ہو گئی تھی۔

(طبقات ابن سعد، عربی ج ۱ صفحہ ۲۹۷-۰۸)

۲۵۔ وفد ثعلبہ

۸ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو قبیلہ ثعلبہ کے چار افراد بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم اپنی قوم کے نمائندے ہیں۔ ہم اور ہماری قوم اسلام لا چکے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کی مہمانی کی جائے چند روز قیام کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو آپ نے حضرت بلال کو فرمایا ان کو عطیہ دیا جائے جس طرح دوسرے وفود کو دیا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہر ایک کو پانچ اوقیہ چاندی (دو سو درہم کی مقدار) عنایت کی اور یہ حضرات واپس چلے گئے اس وقت ان کی جیب میں نقدی بالکل نہیں تھی۔

۲۶۔ وفد محارب

۱۰ھ میں دس افراد پر مشتمل قبیلہ محارب کا ایک وفد حجۃ الوداع کے موقع پر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں سواء ابن حارث اور ان کے بیٹے خزیمہ ابن سواء تھے۔ انہیں رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔ حضرت بلال صبح اور شام کا کھانا ان کے پاس لاتے تھے۔ یہ حضرات اسلام لے آئے اور کہا کہ ہم اپنے پچھلوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اس موقعہ پر اس قوم سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن نہ تھا۔ ان میں سے ایک شخص کو آپ نے پہچان لیا تو اس نے عرض کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْقَانِیْ حَتّٰی صَدَّقْتُ بِکَ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں آپ پر ایمان لے آیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ بِیَدِ اللّٰہِ" یہ دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ نے حضرت خزیمہ ابن سواء کے چہرے پر دست شفقت پھیرا تو وہ گورا اور روشن ہو گیا۔ آپ نے انہیں عطیات سے نوازا جس طرح دیگر وفود کو نوازتے تھے۔ پھر یہ حضرات واپس چلے گئے۔

(طبقات ابن سعد، عربی، ج ۱، صفحہ ۲۹۹)

مواہب لدنیہ میں امام بیہقی کے حوالے سے حضرت طارق ابن عبد اللہ محاربی کی روایت میں ہے کہ میں سوق ذوالمجاز[1] میں کھڑا تھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے وہ کہہ رہے تھے۔ اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا

---

[1] عرفات سے تین میل کے فاصلے پہ ایک جگہ جہاں عربوں کا میلہ لگتا ہے۔

کلمۂ طیبہ پڑھ لو کامیاب ہو جاؤ گے۔ ایک شخص ان کے پیچھے پیچھے پتھر مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا یہ جھوٹے ہیں ان کی تصدیق نہ کرو۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ بنو ہاشم کے ایک شخص ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں نے پوچھا یہ پتھر مارنے والا کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ عبدالعزیٰ ابولہب ہے۔

جب لوگ ایمان لے آئے اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تو ہم ربذہ* سے کھجوریں خریدنے کے ارادے سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے باغات اور نخلستان کے قریب پہنچے تو ہم نے مناسب سمجھا کہ اتر کر لباس تبدیل کر لیں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے دو چادریں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سلام کیا اور پوچھا تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ ہم نے بتایا ربذہ سے۔ پھر پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے بتایا مدینہ طیبہ کا۔ انہوں نے پوچھا مقصد کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہم کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں اور ایک سرخ اونٹ جس کو نکیل ڈالی گئی تھی فرمایا: کیا تم یہ اونٹ میرے پاس فروخت کرنا پسند کرو گے؟ ہم نے کہا ہاں! اتنے صاع کھجوریں لیں گے انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور لے کر چلے گئے۔

چودہویں کے چاند ایسا چہرہ

جب وہ مدینہ کے باغات اور نخلستان کی اوٹ میں چلے گئے تو ہم نے کہا۔ یہ ہم نے کیا کیا؟ ہم نے شناسائی کے بغیر اونٹ بیچ دیا اور اس کی قیمت بھی نہیں لی۔ ہماری ساتھی خاتون نے کہا۔ خدا کی قسم! میں نے ایسا شخص دیکھا ہے جس کا رخ تاباں چودہویں رات کے چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ میں تمہارے اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے اس خاتون نے کہا تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو۔ ان کا نورانی چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ دھوکہ نہیں دیں گے میں نے آج تک ان کے چہرے سے زیادہ بدر تمام کے مشابہ کوئی چیز نہیں دیکھی۔

ہم یہی گفتگو کر رہے تھے کہ ایک صاحب تشریف لائے اور بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ یہ تمہاری کھجوریں ہیں تم خوب جی بھر کر کھاؤ اور اس کے بعد پیمائش کر کے اپنا حق وصول کر لو۔ ہم نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں پھر مقررہ مقدار وصول کر لی۔ بعد ازاں ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور جب مسجد میں داخل ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز صحابہ کرام کو خطاب فرما رہے تھے جب ہم حاضر ہوئے تو آپ فرما رہے تھے۔

تصدقوا فان الصدقة خير لكم اليد العليا خير من اليد السفلى

صدقہ دو کیونکہ صدقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اونچا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۵۵-۵۶)

---

* مدینہ طیبہ سے مشرق کی طرف تین دن کے فاصلے پر عراق سے حج کیلئے آنے والوں کے راستے میں ایک جگہ جہاں حضرت ابوذر غفاری اور دیگر صحابہ کرام کے مزارات ہیں یہ گاؤں ابتدائے اسلام میں آباد تھا اب اس کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ (زرقانی)

۲۷۔ وفد کلابؓ

۹ھ میں تیرہ افراد پر مشتمل نبوکلب کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا ان میں لبید ابن ربیعہ اور جبار ابن سلمیٰ تھے۔ آپ نے انہیں رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرایا حضرت جبار اور حضرت کعب ابن مالک آپس میں دوست تھے جب حضرت کعب کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں خوش آمدید کہی اور حضرت جبار کو تحفہ پیش کیا اور ان کے شایان شان تعظیم و تکریم کی۔

یہ حضرات، حضرت کعب کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلامی طریقے کے مطابق سلام عرض کر کے کہنے لگے کہ حضرت ضحاک ابن سفیان ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور آپ کی سنت لیکر پہنچے جس کا آپ نے حکم دیا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف بلایا چنانچہ ہم نے خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے ہمارے مالدار دل سے صدقہ وصول کر کے ہمارے فقراء میں تقسیم کر دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۰۰)

۲۸۔ وفد عقیل ابن کعبؓ

بنو عقیل کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جس میں یہ حضرات تھے۔ (۱) ربیع ابن معاویہ (۲) مطرف ابن عبداللہ (۳) انس ابن قیس۔ انہوں نے بیعت کی اور علقمہ نکوش اسلام ہوئے اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عقیق بنو عقیل عطا فرمایا یہ ایک مقام تھا جس میں چشمے اور کھجوریں تھیں یہ مکتوب سرخ چمڑے میں لکھ کر عنایت فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذا ما اعطى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم ربيعًا و مطرفًا و انسًا اعطاهم العقيق ما اقاموا الصلوة و اتوا الزكوة وسمعوا واطاعوا ولم يعطهم حقًا لمسلم

یہ مکتوب حضرت مطرف کے پاس تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰؐ نے عطا کیا ہے۔ ربیع مطرف اور انس کو مقام عقیق عطا کیا ہے۔ جب تک وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، احکام سنیں اور اطاعت کریں۔ اور انہیں کسی مسلمان کا حق نہیں دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۰۱ - ۲)

۲۹۔ وفد جعدہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رقاد ابن عمر ابن ربیعہ ابن جعدہ حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں مقام فلجہ میں زمین عطا فرمائی اور انہیں تحریر لکھ دی۔ (ایضاً: ج ۱ ص ۳۰۳)

۳۰۔ وفد قشیر ابن کعب

حجۃ الوداع سے پہلے اور حنین کے بعد بارگاہ رسالت میں بنو قشیر کے چند افراد کا ایک وفد حاضر ہوا۔ جس میں یہ حضرات تھے۔
(۱) ثور ابن عروہ (۲) حیدہ ابن معاویہ (۳) قرۃ ابن ھُبیرہ یہ مشرف باسلام ہوئے۔ آپ نے اوّل الذکر کو ایک خطۂ زمین عنائت فرمایا اور تحریر لکھ دی اور آخر الذکر کو ان کی قوم پر صدقات کے وصول کرنے پر مقرر فرمایا اور انہیں ایک چادر عنائت فرمائی۔ (حوالہ مذکور)

۳۱۔ وفد بنو البکاء

۹ھ میں بنو البکاء کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے چند شرکاء کے اسماء یہ ہیں۔
(۱) معاویہ ابن ثور ابن عبادہ ابن البکاء ان کی عمر اس وقت سو سال تھی (۲) بشر ابن معاویہ (۳) فجیع ابن عبداللہ (۴) عبد عمر البکائی یہ اَصَم (بہرے) کہلاتے تھے۔
آپ نے ان کے قیام اور مہمانی کا حکم دیا اور عطیات سے نوازا۔ حضرت معاویہ ابن ثور نے عرض کیا: میں بوڑھا ہو چکا ہوں میرے اس بیٹے نے میری بہت خدمت کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کے چہرے پر دست اقدس پھیر کر اسے برکت عطا فرمائیں۔ آپ نے حضرت بشر کے چہرے پر دستِ شفقت پھیرا اور انہیں چند بکریاں عنائت فرمائیں ان پر بھی دست اقدس پھیر کر انہیں برکت عطا فرمائی۔ حضرت جد ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بنو البکاء خشک سالی کا شکار ہو جاتے تھے۔ لیکن ان حضرات پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے عبد عمر کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔
(ایضاً ج ۱ ص ۳۰۴-۵)

۳۲۔ وفد کنانہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کی طرف روانگی کی تیاری فرمارہے تھے کہ حضرت واثلہ ابن اسقع، مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ کیسے آنا ہوا؟ اور مقصد کیا ہے؟ انہوں نے اپنا نام ونسب بیان کیا اور عرض کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا تم یہ بیعت کرو کہ تم احکام کی تعمیل کرو گے خواہ ذاتی طور پر تمہیں پسند ہوں یا ناپسند چنانچہ انہوں نے بیعت کی اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔
جب انہوں نے اپنی قوم کو ایمان لانے کی اطلاع دی تو ان کے والد نے کہا۔ بخدا! میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں

کروں گا۔ البتہ ان کی بہن نے ان کی گفتگو سنی تو اسلام لے آئی اور آپ کو سفرِ خرچ دیا۔ حضرت واثلہ مدینہ طیبہ آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت واثلہ نے فرمایا جو مجھے اپنی سواری پر سوار کریگا، مالِ غنیمت میں سے میرا حصہ اس کے لئے ہوگا۔ حضرت کعب ابن عجرہ نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے اور غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔ آپ نے حضرت واثلہ کو حضرت خالد ابن ولید کے ساتھ اکیدر کی طرف بھیجا۔ وہاں سے ملنے والے مالِ غنیمت کا حصہ لیکر حضرت کعب ابن عجرہ کے پاس آئے اور انہیں پیش کیا۔ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا اپنے پاس رکھو میں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آپ کو اپنی سواری پر سوار کیا تھا۔

(ایضاً ج ۱ ص ۳۰۵-۶)

۴۳- وفد بنو عبد ابن عدی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بنو عبد ابن عدی کا ایک وفد حاضر ہوا جس میں حارث ابن اہبان، عویمر ابن اخرم حبیب ابن ملّہ، ربیعہ ابن ملّہ اور ان کی قوم کے چند افراد تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم حرم کے باشندے اور حرم کے معزز ترین افراد ہیں ہم آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے اگر آپ قریش کے علاوہ کسی قوم کے ساتھ جہاد کریں گے تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے، ہم قریش سے جنگ نہیں کریں گے۔ ہم آپ سے اور آپ کے خاندان سے محبت رکھتے ہیں اگر آپ کی طرف سے ہمارا کوئی ساتھی خطأً قتل ہو گیا تو آپ دیت دیں گے اور اگر ہم نے غلطی سے آپ کے کسی ساتھی کو شہید کر دیا تو ہم اس کی دیت دیں گے۔ آپ نے یہ شرطیں منظور فرمالیں تو یہ حضرات اسلام لے آئے۔

(ایضاً ج ۱ ص ۳۰۶)

۴۴- وفد اشجع

جنگ خندق[1] کے سال قبیلہ اشجع کے ایک سو افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان کے سردار مسعود ابن رخیلہ تھے یہ حضرات سلع (پہاڑ) کی گھاٹیوں میں فروکش ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ انہیں کھجوروں کی بوریاں عطا کی جائیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کوئی قوم ہماری قوم سے تعداد میں کم اور رہائش میں آپ کے زیادہ قریب نہیں ہے۔ ہم آپ سے اور آپ کی قوم سے جنگ کے متحمل نہیں ہیں ہم آپ سے مصالحت کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپ نے ان سے مصالحت فرمائی۔

بعض نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ سے فارغ ہو گئے تو قبیلہ اشجع کے سات سو افراد بارگاہِ رسالت

---

[1] جنگ خندق قول صحیح کے مطابق ۵ھ کو ہوئی ۱۲ شرح مسلم امام نواوی ج ۱ ص ۱۳۱۔

میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے مصالحت فرمائی پھر وہ حضرات اسلام لے آئے۔

(ایضاً ج ۱ ص ۳۰۶)

۳۵۔ وفد باہلہ

مُطَرِّف ابن کاہن باہلی اپنی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور اپنی قوم کے لئے امان حاصل کی۔ آپ نے انہیں ایک تحریر دی جس میں صدقات کی تفصیلات تھیں پھر نہشل ابن مالک وائلی باہلی قوم کے نمائندے بن کر حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی قوم کے مسلمانوں کو ایک تحریر عنایت فرمائی جس میں اسلامی احکام لکھے ہوئے تھے۔ یہ مکتوب حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا تھا۔

(ایضاً ج ۱ ص ۳۰۷)

۳۶۔ وفد سُلیم

بنو سُلیم کے ایک فرد، قیس ابن نُسیبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا کلام سنا اور چند اشیاء کے بارے میں سوال کیا۔ جن کا آپ نے جواب دیا۔ پھر آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے۔ جب اپنی قوم بنو سُلیم کے پاس پہنچے تو انہیں کہا میں نے اہل روم اور فارس کی گفتگو، عرب کے اشعار، کاہنوں کی کہانت اور حمیر کا کلام سنا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان سب سے مختلف ہے۔ میری بات مانو اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ فتح مکہ کے سال بنو سلیم کے نو سو بعض نے کہا ایک ہزار افراد مقام قدید میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان میں عباس ابن مرداس، انس ابن عیاض اور راشد ابن عبد ربہ تھے یہ حضرات اسلام لائے اور عرض کیا ہمیں لشکر کے مقدمہ میں جگہ دی جائے۔ ہمیں سرخ جھنڈا عطا کیا جائے اور ہماری علامت "مُقَدَّم" مقرر کی جائے آپ نے یہ سب باتیں قبول فرمائیں اور یہ حضرات فتح مکہ، طائف اور حُنین میں آپ کے ساتھ رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت راشد ابن عبد رَبّہ کو مقام رہاط عطا فرمایا جس میں "عین الرسول" نامی ایک چشمہ تھا حضرت راشد، بنو سلیم کے بت کے خادم ہوا کرتے تھے ایک دن انہوں نے دیکھا کہ دو لومڑیاں اس بت پر پیشاب کر رہی ہیں تو کہنے لگے۔

اَرَبٌّ یَبُولُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِہٖ — لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَیْہِ الثَّعَالِبُ

کیا دو لومڑیاں رب کے سر پر پیشاب کر رہی ہیں، جس پر لومڑیاں پیشاب کریں وہ بہت ہی ذلیل ہے۔

پھر انہوں نے بت کو پاش پاش کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کیا غاوی ابن عبد العزّیٰ، آپ نے فرمایا: تم راشد ابن عبد ربہ ہو۔ چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور فتح مکہ کے موقع پر بارگاہ اقدس میں حاضر رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عرب کے دیہات میں سے بہترین خیبر ہے

اور بنو سلیم میں سے بہترین راشد ہیں۔ آپ نے انہیں ان کی قوم پر عامل مقرر فرما دیا۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۸ - ۳۰۷)

۳۷ - وفد ہلال ابن عامر

بنو ہلال کے چند افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام عبد عوف ابن اصرم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام پوچھا۔ انھوں نے اپنا نام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا نام عبد اللہ ہے۔ (عبد عوف نہیں) وہ اسلام لے آئے۔ اس جماعت میں قبیصہ ابن مخارق بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا میں نے اپنی قوم کی طرف سے اپنے ذمہ قرض لے رکھا ہے۔ اس میں میری امداد فرمائیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جب صدقات آئیں گے تو تمہارا قرض ادا کر دیا جائے گا۔

زیاد ابن عبد اللہ ہلالی بھی حاضر ہوئے۔ جب وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی کے کاشانۂ مبارکہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت میمونہ ان کی خالہ تھیں۔ ان کی والدہ کا نام غرّہ بنت حارث تھا وہ اس وقت جوان تھا۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہیں حضرت میمونہ کے پاس دیکھا اور اظہار ناراضگی کے طور پر واپس تشریف لے آئے حضرت میمونہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا بھانجا ہے۔ آپ اندر تشریف لے آئے اور زیاد کو ساتھ لیکر مسجد میں تشریف لے آئے اور ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر زیاد کو قریب بلایا ان کے لئے دعا کی اور دست مبارک ان کے سر پر رکھا اور پھیرتے ہوئے ان کی ناک تک لے آئے۔ بنو ہلال کہا کرتے تھے کہ ہم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم کی بدولت) زیاد کے چہرے میں ہمیشہ برکت دیکھتے ہیں۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۱۰ - ۳۰۹)

۳۸ - وفد ثقیف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو عروہ ابن مسعود اور غیلان ابن سلمہ حاضر نہ تھے یہ جرش (مقام) میں پتھر پھینکنے کے آلات (منجنیق) اور ٹینک قسم کے آلات بنانے کا طریقہ سیکھ رہے تھے۔ جب آپ واپس تشریف لے آئے تو یہ دونوں طائف پہنچے تو انہوں نے منجنیق اور ٹینک نما آلات نصب کئے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عروہ کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی چنانچہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔

پھر انہوں نے اجازت طلب کی کہ میں اپنی قوم کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ نے فرمایا: تب تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا وہ مجھے اپنی کمسن اولاد سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ دوبارہ، سہ بارہ اجازت طلب کی تو فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ حضرت عروہ اپنی قوم کے پاس طائف پہنچے، ان کے رشتہ دار ملنے آئے تو انہوں نے مشرکانہ رسم کے مطابق سلام کہا۔ حضرت عروہ نے کہا: تم جنتیوں کے طریقے کے مطابق سلام کہو اور انہیں

اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ مشورہ کرنے کے لیے چلے گئے۔ صبح ہوئی تو حضرت عروہ نے بالاخانے پر چڑھ کر اذان کہی، پھر کیا تھا ہر طرف سے قبیلہ ثقیف کے افراد دوڑ پڑے۔ اوس ابن عوف نے تیر مارا جو ان کی کنپٹی پر لگا۔ خون تھا کہ بند ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

ان کے ہمنواؤں نے دیکھا تو وہ بھی مسلح ہو کر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت عروہ نے فرمایا تمہارے درمیان مصالحت کے لیے میں نے اپنا خون معاف کر دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت اور عزت عطا فرمائی ہے۔ مجھے ان شہداء کے پہلو میں دفن کر دینا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وصال کے بعد انہیں شہداء کے پاس سپرد خاک کر دیا گیا۔

ابو الملیح ابن عروہ اور قارب ابن اسود ابن مسعود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ آپ نے ان سے مالک ابن عوف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم انہیں طائف میں چھوڑ آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا انہیں اطلاع دیدو کہ اگر اسلام لے آئیں تو ان کے اہل وعیال اور اموال واپس کر دیئے جائیں گے اور ایک سو اونٹ بطور عطیہ دیئے جائیں گے چنانچہ مالک ابن عوف اسلام لے آئے اور آپ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور انہیں ثقیف کی سرکوبی پر مقرر فرما دیا۔ انہوں نے ثقیف کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کر دی۔

ان حالات کے پیش نظر ثقیف نے بارگاہ رسالت میں وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ دس سے زیادہ افراد کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جس میں عبد یالیل، ان کے دو بیٹے کنانہ و ربیعہ، شرحبیل ابن غیلان، حکم ابن عمر، عثمان ابن ابی العاص، اوس بن عوف، اور نمیر ابن خرشہ شامل تھے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مسرور ہوئے یہ حضرات مشرف باسلام ہوئے انہوں نے درخواست کی کہ ہمیں لات اور عزّیٰ بتوں کے توڑنے کا پابند نہ کیا جائے یہ درخواست قبول کی گئی اور حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے ان بتوں کو توڑنے کا فریضہ انجام دیا۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۱۲-۳)

۳۹ - وفد بکر ابن وائل

قبیلہ بکر ابن وائل کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جس میں بشیر ابن الخصاصیہ، عبد اللہ ابن مرثد، حسان ابن حوط اور عبد اللہ ابن اسود تھے حضرت عبد اللہ ابن اسود، یمامہ میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے اپنا مال فروخت کیا اور ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اس وقت ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی تھی آپ نے ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

اس وفد میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ قس ابن ساعدہ کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تم میں سے نہیں تھا وہ ایاد سے تعلق رکھتا تھا اور دورِ جاہلیت میں مشرکانہ طور طریق سے برگشتہ تھا۔ عکاظ میں لوگوں کے اجتماع کو اپنی گفتگو سنایا کرتا تھا۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۱۵)

۴۰ ۔ وفد تغلب

بنو تغلب کے سولہ افراد کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جس میں مسلمان بھی تھے اور عیسائی بھی عیسائیوں نے سونے کی صلیبیں سجا رکھی تھیں۔ انہوں نے حضرت رملہ بنت حارث کے گھر میں قیام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائیت کے رنگ میں نہیں رنگیں گے اور مسلمانوں کو عطیات سے نوازا

(ایضاً : ص ۳۱۶)

۴۱ ۔ وفد شیبان

حضرت قیلہ بنت مخرمہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے لئے تن تنہا چل دیتی ہیں راستے میں انہیں ایک ساتھی مل جاتا ہے جس کے ہمراہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتی ہیں۔ آپ عاجزی اور انکساری کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت قیلہ نے آپ کی زیارت کی تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسکین عورت (جلال نبوت سے) کانپ رہی ہے آپ نے ان کی طرف دیکھے بغیر فرمایا۔ یامسکینة علیك السکینة اے مسکین عورت خوفزدہ نہ ہو اور پرسکون رہ۔ وہ اسلام لائیں تو آپ نے انہیں اور ان کی بیٹیوں کے لئے سرخ چمڑے پر ایک تحریر لکھوا کر عنایت فرمائی

لا یظلمن حقاً و لا یکرھن علی منکح و ان کی حق تلفی نہ کی جائے۔ ان سے زبردستی نکاح نہ

کل مومن مسلم لهن نصیر و احسن و کیا جائے۔ اور ہر مومن مسلمان ان کا مددگار ہے

لا تسئن ط . تم نیک کام کرو، برے کام نہ کرو۔

ان کے علاوہ حضرت حرملہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپ نے انہیں اسلامی احکام سے روشناس کرایا پھر وہ رخصت ہوئے تو سوچا کہ ابھی نہیں جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید علم حاصل کروں گا۔ واپس آ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے کس عمل کا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: حرملہ! نیک کام کر اور برے کام سے اجتناب کر حضرت حرملہ لوٹ کر اپنی سواری کے پاس آتے لیکن پھر واپس آ کر پہلے سے بھی زیادہ قریب کھڑے ہو گئے اور عرض کیا " یا رسول اللہ! آپ مجھے کون سے عمل کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا: حرملہ! نیک کام کر اور برے کام سے گریز کر۔ جب تم کسی جماعت کے پاس سے اٹھ کر جاؤ تو جس کام کے بارے میں تم پسند کرتے ہو کہ وہ تمہاری طرف منسوب کر کے بیان کریں وہ کام کرو اور جس کام کی نسبت تم اپنی طرف پسند نہیں کرتے اسے چھوڑ دو

(ایضاً ج ۱ ص ۳۱۷، ۳۲۱)

۴۲ ۔ وفد تجیب

سنہ ۹ھ میں تیرہ افراد پر مشتمل تجیب کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، یہ لوگ اموال میں اللہ تعالیٰ کے فرض کئے

ہوئے صدقات بھی ساتھ لیتے آئے تھے۔ ان کی آمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ انہیں خوش آمدید کہی، انہیں عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ ان کی خوب اچھی طرح ضیافت کریں اور انہیں دیگر وفود کی نسبت زیادہ عطیات سے نوازا۔ ان سے پوچھا تم میں سے کوئی اور باقی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ایک نوعمر لڑکا ہے۔ جسے ہم سازو سامان کے پاس چھوڑ آئے ہیں فرمایا: اسے میرے پاس بھیج دو۔

وہ نوجوان حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: میں اس قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں جو ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے ان کی حاجتیں پوری کر دی ہیں، میری حاجت بھی پوری فرما دیجئے۔ فرمایا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ عرض کیا میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میری مغفرت فرما دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غنا (بے نیازی) سے مالا مال فرما دے۔ آپ نے دعا کی۔

اللّٰھمّ اغفر لہٗ وارحمہٗ واجعل غناہٗ فی قلبہٖ

اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اور اس کا دل غنا سے معمور فرما!

پھر اس نوجوان کو بھی اتنا ہی عطیہ دیا جتنا کہ دوسروں کو دیا تھا ——— یہ حضرات واپس اپنے اہل و عیال میں چلے گئے ۱۰ھ میں حج کے موقعہ پر منیٰ میں پھر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر اس سے زیادہ قناعت کرنے والا ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ حضور نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ہم دنیا سے اکٹھے رخصت ہوں گے۔

۴۳ - وفد خولان (ایضاً : ج ۱ ص ۳۲۴)

۱۰ھ ماہِ شعبان میں خولان کا دس افراد پر مشتمل وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں اور ہم اپنی باقی ماندہ قوم کے نمائندے ہیں۔ آپ نے ان کے بت کے متعلق پوچھا کہ عمّ انس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا اس کا حال برا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلے آپ کا لایا ہوا دین عطا فرما دیا ہے۔ ہم لوٹ کر جائیں گے۔ تو اسے مسمار کر دیں گے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے کچھ مسائل پوچھے آپ نے بیان کئے اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دیں۔ انہیں حضرت رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔ آپ نے ان کی مہمانی کا حکم دیا۔ جو انہیں پیش کی گئی۔ چند روز کے بعد رخصت ہونے کے لئے آئے تو آپ نے انہیں بارہ اوقیہ سے کچھ زائد چاندی (تقریباً پانچ سو درہم) عطا فرمائی۔

جب یہ حضرات لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گئے تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ عمّ انس (بت) کو گرا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے جو کچھ حرام اور حلال قرار دیا تھا اس پر کاربند ہے۔

۴۴ - وفد جعفی (ایضاً : ج ۱ ص ۳۲۴-۳۲۴)

ابو سبرہ یزید ابن مالک جعفی اپنے دو بیٹوں سبرہ اور عزیز کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیز سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا عزیز فرمایا: عزیز صرف اللہ تعالیٰ ہے تمہارا نام عبد الرحمٰن ہے۔ یہ حضرات

مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت ابوسبرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ہاتھ کی پشت پر ایک پھوڑا ہے۔ جس کے سبب میں اونٹنی کی نکیل نہیں پکڑ سکتا۔ آپ نے ایک پیالہ منگوا کر ان کے پھوڑے پر پھیرا یہاں تک کہ وہ جاتا رہا۔ آپ نے ان کے لئے اور ان کے بیٹوں کے لئے دعا فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یمن میں میری قوم کی وادی عنایت فرمائیں، جسے حروان کہا جاتا تھا۔ آپ نے انہیں عنایت فرما دی۔

(ایضاً: ج ۱ ص ۶-۳۲۵)

۴۵- وفد صداء

۸ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت قیس ابن سعد ابن عبادہ کو یمن کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ قبیلہ صدا کو تہس نہس کر دیں۔ انہوں نے قناۃ کے کنارے چار سو مجاہدین کا لشکر آراستہ کیا، اتنے میں قبیلہ صداء کا ایک شخص (حضرت زیاد ابن حارث) ادھر آنکلا۔ اس نے لشکر کے متعلق پوچھا۔ اسے بتایا گیا تو وہ تیز رفتاری سے چلتا ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا اور درخواست پیش کی کہ میں اپنی قوم کا نمائندہ ہوں۔ آپ لشکر کو واپس بلا لیں۔ میں اپنی قوم کی ضمانت دیتا ہوں آپ نے لشکر کو واپس بلا لیا۔

بعد ازاں اس قبیلے کے پندرہ افراد بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ جب یہ اپنے علاقے میں گئے تو ان کی قوم میں اسلام پھیل گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے سو آدمی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے۔

ایک سفر میں حضرت زیاد بن حارث صدائی نے اذان کہی، پھر حضرت بلال تکبیر کہنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبیلہ صداء کے ایک فرد نے اذان کہی وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔

(ایضاً: ج ۱ ص ۷-۳۲۶)

۴۶- وفد صدف

قبیلہ صدف کے دس سے زیادہ افراد اونٹنیوں پر سوار ہو کر تہبند اور چادریں زیب تن کئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ منبر اور کاشانہ مبارکہ کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ لیکن سلام عرض کئے بغیر بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم مسلمان ہو؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا، تم نے سلام کیوں نہیں دیا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ فرمایا وعلیکم السلام، بیٹھ جاؤ۔ یہ حضرات بیٹھ گئے اور اوقات نماز دریافت کئے جو آپ نے بیان فرمائے۔

(ایضاً: ج ۱ ص ۳۹۹)

۴۷- وفد خشین

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانگی کی تیاری فرما رہے تھے کہ ابو ثعلبہ خشنی حاضر ہو کر اسلام لائے، اور آپ کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوئے۔ پھر قبیلہ خشین کے سات افراد حاضر ہوئے انہوں نے حضرت ابو ثعلبہ کے پاس قیام کیا اور شرف اسلام و بیعت حاصل کر کے اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے۔

(ایضاً ص ۳۲۹)

۴۸۔ وفد سعد ھذیم

حضرت ابو النعمان اپنے والد سے راوی ہیں کہ میں اپنی قوم کے ایک وفد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے آیا۔ ہم مدینہ طیبہ کی ایک جانب فروکش ہوئے۔ پھر ہم مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز جنازہ ادا فرما رہے تھے[1] جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: تم کون ہو؟ عرض کیا ہم سعد ھذیم سے تعلق رکھتے ہیں ہم اسلام لائے بیعت کی اور اپنے ٹھکانے پر چلے آئے۔ آپ کے حکم پر ہمیں قیام کے لئے جگہ دی گئی اور ہماری مہمانی کی گئی۔ ہم نے تین دن قیام کیا پھر اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم اپنے ایک آدمی کو اپنا امیر بنالو۔ آپ کے حکم پر حضرت بلال نے ہمیں چند اوقیہ چاندی عنایت فرمائی اور ہم لوٹ کر اپنی قوم کے پاس چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم کو دولت اسلام عطا فرمادی۔ (ایضاً: ج ۱ ص ۳۲۹-۳۳۰)

۴۹۔ وفد بلیّ

حضرت رُویفع ابن ثابت بَلوی فرماتے ہیں۔ ماہ ربیع الاوّل ۹ھ میں میری قوم کا وفد آیا۔ میں نے انہیں اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ پھر انہیں لیکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ اپنے کاشانۂ مبارک میں صبح کے وقت تشریف فرما تھے۔ وفد کے رئیس ابو الضباب آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور گفتگو کے بعد سب لوگ اسلام لے آئے انہوں نے ضیافت کا حکم اور چند دیگر دینی مسائل پوچھے جو آپ نے بیان فرمائے۔ پھر میں ان حضرات کو لیکر اپنے گھر آگیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کی ایک گٹھری اٹھا کر لا رہے ہیں فرمایا: ان کھجوروں سے کام چلاؤ۔ میں نے ان حضرات کو یہ کھجوریں اور کچھ دوسری چیزیں پیش کیں۔ انہوں نے تین دن قیام کیا پھر رخصت لینے کے لئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں عطیات عطا فرمائے اس کے بعد وہ لوگ اپنے علاقے میں چلے گئے۔

(ایضاً: ج ۱ ص ۳۳۰)

۴۸۔ وفد بہراء

قبیلہ بہراء کے تیرہ افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ وہ اسلام لائے اور چند روز قیام کر کے فرائض کی تعلیم حاصل کی۔ پھر رخصت ہونے لگے تو آپ نے انہیں عطیات سے نوازا۔ (ایضاً: ج ۱ ص ۳۳۱)

۴۹۔ وفد عذرہ

ماہ صفر ۹ھ میں بارہ افراد کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جس میں حمزہ ابن النعمان عذری، سلیم ابن مالک،

---

[1] احناف کے نزدیک کسی عذر کے بغیر مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا شَیْئَ لَہٗ جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اسے کوئی ثواب نہیں ہے (ابوداؤد شریف، عربی، ج ۲، ص ۹۸) مذکورہ بالا نماز کسی عذر کی بنا پر مسجد میں ادا کی گئی ہوگی۔ قادری

سعد ابن مالک، اور مالک ابن ابی رباح شامل تھے۔ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو جاہلیت کے طریقے کے مطابق سلام عرض کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمایا: معلوم نہیں اسلامی طریقے کے مطابق سلام کہنے سے تمہیں کس چیز نے منع کیا ہے انہوں نے عرض کیا ہم اپنی قوم کی تلاش میں حاضر ہوئے ہیں پھر انہوں نے کچھ دینی مسائل پوچھے جو آپ نے بیان فرمائے یہ حضرات چند دن قیام کے بعد واپس چلے گئے اور آپ نے انہیں عطیات عطا فرمائے اور ان میں سے ایک کو چادر عطا فرمائی۔

زمل ابن عمر عذری بھی حاضر ہوئے اور بت سے سنی ہوئی گفتگو بیان کی آپ نے فرمایا: وہ ایماندار جن تھا۔ وہ بھی ایمان لائے۔ آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا اور ان کی قوم پر والی مقرر فرمایا: بعدازاں حضرت زمل، حضرت امیر معاویہ کے ساتھ صفین میں شریک ہوئے پھر مرج میں شریک ہوئے اور وہیں میدان جنگ میں جان دیدی۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۱-۲)

۵۰۔ وفد سلامان

ماہِ شوال سنہ ۱۰ھ میں سات افراد کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ حضرت حبیب ابن عمر سلامانی فرماتے ہیں: جب ہم حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے ہم نے عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فرمایا: وَعَلَیْکُمْ۔ تم لوگ کون ہو؟ عرض کیا ہم قبیلہ سلامان سے تعلق رکھتے ہیں اور بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے غلام حضرت ثوبان کو ہمارے قیام کے انتظام کا حکم دیا۔

ظہر کے بعد آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے آگے بڑھ کر نماز، احکام اسلام اور دم کرنے کے بارے میں سوالات کئے اور اسلام لائے۔ آپ نے ہم میں سے ہر ایک کو پانچ اوقیہ (دو سو درہم) عطا فرمائے اور ہم واپس چلے آئے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۲-۳)

۵۱۔ وفد جہینہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں عبدالعزّٰی ابن بدر اور ان کا چچازاد بھائی ابو روعہ حاضر ہوئے۔ آپ نے عبدالعزیٰ کو فرمایا: تمہارا نام عبداللہ ہے اور ابو روعہ کو فرمایا تم ان شاء اللہ تعالیٰ دشمن کو مرعوب کرو گے۔ فرمایا تم کس قبیلے سے ہو؟ عرض کیا بنو غیّان (گمراہی والے) سے، فرمایا: تم بنو رشدان (ہدایت والے) ہو۔ ان کی وادی کا نام غوی (گمراہی) تھا۔ آپ نے اس کا نام رُشد (ہدایت) رکھ دیا۔ ان کے لئے آپ نے مسجد کا نشان لگایا۔ مدینہ طیبہ میں یہ پہلی مسجد تھی جس کا نشان لگایا گیا تھا۔ فتح مکہ کے دن آپ نے عبداللہ ابن بدر کو جھنڈا عطا فرمایا۔

عمر ابن مُرّہ جہنی فرماتے ہیں ہمارا ایک بت تھا جس کی ہم بہت تعظیم کرتے تھے اور میں اس کا دربان تھا۔ جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا تو اسے توڑ کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام دینے کے لئے ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ چنانچہ ایک شخص کے علاوہ سب ہی اسلام لے آئے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۳-۴)

۵۲۔ وفد کلب

عبد عمرو ابن جبلہ کلبی فرماتے ہیں میں اور بنو رقاش کا ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے آپ نے ہم پر اسلام پیش

کیا اور فرمایا :

انا النبی الامی الصادق الزکی۔ والویل کل الویل لمن کذبنی وتولی عنی و قاتلنی والخیر کل الخیر لمن اوانی ونصرنی وآمن بی وصدق قولی وجاھد معی۔

میں نبی اُمّی، سچا اور پاکیزہ ہوں، اس شخص کے لیے مکمل ہلاکت ہے جس نے میری تکذیب کی مجھ سے روگردانی کی اور مجھ سے جنگ کی اور اس شخص کے لیے مکمل خیر ہے جس نے مجھے پناہ دی، میری امداد کی، مجھ پر ایمان لایا۔ میرے قول کی تصدیق کی اور میرے ہمراہ جہاد کیا۔

ہم نے کہا ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کے فرمان کی تصدیق کرتے ہیں۔
ان کے علاوہ حارثہ ابن قطن کلبی اور حمل ابن سعدانہ کلبی حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۳۴)

۵۳۔ وفد جرم

حضرت عمر ابن سلمہ جرمی فرماتے ہیں ہم ایک ایسے چشمے کے پاس رہتے تھے جو عام گزرگاہ پر واقع تھا۔ ہم آنے جانے والوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کرتے تھے وہ ہمیں بتاتے کہ ایک شخصیت کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی ہے۔ میں ان سے جو کچھ سنتا اسے یاد کرلیتا۔ یہاں تک کہ قرآن پاک کا بہت سا حصہ یاد کرلیا۔ عرب فتح مکہ کے منتظر تھے۔ جونہی مکہ معظمہ فتح ہوا۔ ہر قوم اسلام لانے لگی۔ میرے والد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد واپس آئے تو انہوں نے کہا خدا کی قسم! میں سچے رسول کے پاس سے آیا ہوں پھر آپ کی تعلیمات بیان کیں اور یہ فرمان بیان کیا کہ تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جسے قرآن پاک زیادہ یاد ہو وہ امامت کرائے ہمارے علاقے کے لوگوں نے تلاش کیا تو مجھ سے زیادہ کسی اور کو قرآن پاک یاد نہ تھا۔ انہوں نے مجھے امام بنادیا اس وقت میری عمر چھ سال تھی۔ میری چادر چھوٹی تھی جو ستر پوشی کے لیے بمشکل کفایت کرتی۔ میری قوم نے مجھے ایک قمیص لے دی مجھے کسی چیز کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس قمیص کے ملنے پر ہوئی۔

ان کے علاوہ اصقع ابن شریح اور ھوذہ ابن عمر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۳۵-۳۶)

۵۴۔ وفد غسّان

رمضان المبارک سنہ ۱۰ھ میں غسّان کے تین افراد کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ عرب کے تمام وفد دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ حضرات بھی اسلام لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول انہیں عطیات سے نوازا۔ جب یہ اپنی قوم کے پاس گئے تو انہوں نے دعوت اسلامی کو قبول نہ کیا۔ ان حضرات نے اپنا اسلام لانا مخفی رکھا یہاں تک کہ ان میں سے دو ایمان کے ساتھ وصال فرما گئے۔ تیسرے صحابی جنگ یرموک کے سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوعبیدہ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی تو وہ ان کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۳۸-۹)

۵۵۔ وفد سعد العشیرہ

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر عام ہوئی تو بنو انس اللہ ابن سعد العشیرہ کے ایک شخص ذباب نامی دوڑ کر اپنی قوم کے بت کے پاس گئے جسے فراض کہا جاتا تھا اسے توڑ پھوڑ دیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے ان کے صاحبزادے عبداللہ ابن ذباب جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

(ایضاً ج ۱ ص ۳۴۲)

۵۶۔ وفد عنس

قبیلہ عنس سے ربیعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے انہیں کھانے کی دعوت دی تو وہ بیٹھ گئے۔ کھانے کے بعد فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے عبد مکرم اور رسول ہیں۔ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آپ نے فرمایا تم دلچسپی کی بنا پر آئے ہو یا خوف کی بنا پر؟ ربیعہ نے کہا جہاں تک دلچسپی کا تعلق ہے تو خدا کی قسم! آپ کے پاس مال ہے ہی نہیں۔ رہی خوف کی بات تو میں ایسے شہر میں رہتا ہوں کہ وہاں تک آپ کے لشکر پہنچ نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرایا گیا تو میں ڈر گیا اور مجھے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آ تو میں ایمان لے آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کہ قبیلہ عنس میں ایسے خطیب کم ہوں گے۔

چند روز بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے رہے پھر رخصت لینے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تم فیصلہ کر چکے ہو تو جاؤ۔ اگر تم کوئی چیز محسوس کرو تو قریبی گاؤں میں پناہ لینا۔ حضرت ربیعہ روانہ ہوئے تو راستے میں بخار آنے لگا قریبی گاؤں میں تشریف لے گئے اور وہیں ان کا وصال ہو گیا۔

(ایضاً: ج ۱ ص ۳۴۲-۴۳)

۵۵۔ وفد الداریین

داریین کا دس افراد پر مشتمل وفد اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لاتے۔ اس وفد میں تمیم ابن اوس، نعیم ابن اوس، یزید ابن قیس، فاکر ابن لغمان، جبلہ ابن مالک، ابوہند ابن ذر، طیب ابن ذر، ہانی ابن حبیب، عزیز ابن مالک، اور مرو ابن مالک تھے۔ یہ حضرات مشرف باسلام ہوئے۔ رسول اکرم نے طیب کا نام عبداللہ اور عزیز کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔

ہانی ابن حبیب نے بارگاہ اقدس میں شراب کا ایک مشکیزہ، چند گھوڑے اور ایک قبا، سونے سے مزین پیش کی۔ آپ نے گھوڑے اور قبا قبول فرمائی (شراب قبول نہیں فرمائی) قبا حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو عطا فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا میں اسے کیا کروں گا؟ (سونے کے جڑاؤ کی وجہ سے پہن تو نہیں سکتا) فرمایا: سونا اتار کر عورتوں کا زیور بنا لینا یا سونا فروخت کر دینا۔ دیباج کو بھی بیچ کر اس کی قیمت لے سکتے ہو۔ حضرت عباس نے وہ قبا ایک یہودی کے پاس آٹھ ہزار درہم میں

فروخت کر دی۔

حضرت تمیم نے عرض کیا ہمارے قریب رومیوں کے دو گاؤں جبری اور بیت علینون ہیں اگر اللہ تعالیٰ آپ کے لئے شام کو فتح فرما دے تو یہ دونوں گاؤں مجھے عطا فرما دیں۔ فرمایا وہ تمہیں دیدیئے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی خلافت کے دور میں وہ گاؤں انہیں عطا فرما دیئے۔ یہ وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک قیام پذیر رہا۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۳-۴)

۵۶۔ وفد الرہاویین

سنہ ھ میں پندرہ رہاوی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہیں حضرت رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے طویل گفتگو فرمائی۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں مختلف تحائف پیش کئے جن میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کا نام مراوح تھا۔ آپ کے حکم پر آزمائشی طور پر اس پر سواری کی گئی تو آپ نے اسے بہت پسند فرمایا۔ یہ حضرات مشرف با سلام ہوئے۔ قرآن پاک اور فرائض کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے انہیں حسب معمول عطیات سے نوازا پھر یہ حضرات اپنے علاقہ میں چلے گئے۔ بعد ازاں چند حضرات مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی۔ انہوں نے آپ کے وصال تک مدینہ طیبہ میں قیام کیا۔

ان کے علاوہ عمرو ابن سُبیع بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۴-۵)

۵۷۔ وفد غامد

رمضان المبارک میں قبیلۂ غامد کے دس افراد کا ایک وفد حاضر ہوا۔ یہ حضرات بقیع الغرقد میں فروکش ہوئے۔ پھر عمدہ لباس پہن کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک تحریر عطا فرمائی جس میں اسلامی احکام کی تفصیل تھی حضرت ابی ابن کعب نے انہیں قرآن پاک کی تعلیم دی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول انہیں عطیات عنایت فرمائے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۵)

۵۸۔ وفد نخع

قبیلۂ نخع نے دو افراد کا وفد بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ ان میں سے ایک ارطاۃ ابن شراحیل اور دوسرے ارقم تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ آپ کو ان کی وضع قطع بہت پسند آئی فرمایا: تمہاری قوم میں تم جیسے اور لوگ بھی موجود ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ہماری قوم میں ستر افراد ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ہم سے افضل ہے۔ آپ نے ان کے لئے اور ان کی قوم کے لئے دعائے خیر کی اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِی النَّخَعِ اے اللہ! قبیلہ نخع میں برکت عطا فرما حضرت ارطاۃ کو ان کی قوم کا جھنڈا عطا فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ جھنڈا ان کے

پاس تھا۔ قادسیہ کی جنگ میں بھی ان کے پاس تھا۔ ان کے شہید ہوجانے پر ان کے بھائی دُرید نے لے لیا۔ وہ شہید ہوئے تو حضرت سیف ابن حارث نے لے لیا۔ اور کوفے میں داخل ہوگئے۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ بارگاہِ رسالت میں سب سے آخری وفد قبیلہ نخع کا حاضر ہوا۔ سالہ نصف محرم میں دو سو افراد حاضر ہوئے۔ یہ حضرات یمن میں حضرت معاذ ابن جبل کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے۔ ان میں حضرت زُرارہ ابن عَمر بھی تھے وہ پہلے عیسائی تھے۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۶)

۵۹۔ وفد بَجِیلہ

سنہ میں جریر ابن عبداللہ بجلی اپنی قوم کے ڈیڑھ سو افراد کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس اس راستے سے یمن والوں میں سے بہترین شخص آئے گا جس کے چہرے پر بادشاہی کا نشان ہوگا۔ چنانچہ جریر اپنی سواری پر سوار اپنی قوم کے ہمراہ آئے اور اسلام لائے۔ حضرت جریر فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس پھیلایا اور مجھ سے ان باتوں کی بیعت لی کہ تم گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، تم نماز قائم کرو گے۔ زکوٰۃ دو گے۔ رمضان کے روزے رکھو گے۔ مسلمان کی خیر خواہی کرو گے اور والی (امیر) کی اطاعت کرو گے۔ اگرچہ حبشی غلام ہی ہو۔

قیس ابن عزرہ احمسی دو سو پچاس افراد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ عرض کیا ہم اَحْمَسَ اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کے بہادر بندے) ہیں فرمایا: وَاَنْتُمُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ تم آج اللہ تعالیٰ کے لئے ہو پھر حضرت بلال سے فرمایا بَجِیلہ کے سواروں کو عطیات دو اور پہلے قبیلہ احمس کے افراد کو دو۔

حضرت جریر ابن عبداللہ، حضرت فروہ ابن عمرو بیاضی کے پاس قیام پذیر تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر سے ان کے علاقے کے لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ظاہر فرما دیا ہے۔ ان کی مسجدوں اور میدانوں میں اذانیں دی جاتی ہیں، قبائل نے اپنے بت توڑ دیئے ہیں۔ فرمایا: ذوالخلصہ (بت) کا کیا ہوا؟ عرض کیا وہ ابھی باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا اور اس بت کے توڑنے پر مامور فرمایا۔ جسے انہوں نے جا کر توڑ دیا۔ حضرت جریر نے عرض کیا میں گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ نے ان کے سینے پر دست اقدس پھیرا اور دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا اے اللہ! انہیں ہدایت دینے والا اور ہدایت دیا ہوا بنا۔ (چنانچہ وہ بخوبی گھوڑے پر سواری کرتے تھے۔) (ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۷)

۶۰۔ وفد خثعم

عثعث ابن زحر اور انس ابن مدرک، قبیلہ خثعم کی ایک جماعت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت

جریر ابن عبداللہ نے جب ذوالخلصہ (بت) کو مسمار کر دیا اور خثعم کے بعض افراد جنگ میں کام آئے تو قبیلہ خثعم نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لاتے ہیں۔ آپ ہمیں ایک تحریر لکھ دیں جس میں لکھے ہوئے احکام پر عمل کریں گے۔ حضرت جریر نے انہیں تحریر لکھ دی

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۴۸)

۶۱ - وفد اشعریین

حضرت ابوموسیٰ اشعری پچاس افراد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ یہ حضرات کشتی میں سوار ہو کر سمندری سفر کرتے ہوئے آئے تھے۔ ان کی کشتی جدہ میں لنگر انداز ہوئی جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو کہنے لگے غدا نلقی الاحبۃ محمدا و حزبہ کل ہم محبوب ہستیوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کریں گے۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے ہیں پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور اسلام لا کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الاشعرون فی الناس کصرۃ فیہا مسک لوگوں میں اشعریوں کی مثال اس تھیلی کی ہے جس میں کستوری ہو۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۳۴۸ - ۹)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ وفد ۷ھ میں خیبر کی فتح کے وقت حاضر ہوا۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہ وفد کشتی میں سوار ہو کر مدینہ طیبہ کے قصد سے روانہ ہوا تھا۔ لیکن ہوا نے انہیں حبشہ پہنچا دیا۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفر سے ہوئی پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

بخاری شریف میں ہے کہ بنو تمیم کے چند افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں بشارت ہو انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں بشارت عطا فرمائی ہے، تو مال بھی عنایت فرمائیں۔ آپ کے چہرۂ انور کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ اہل یمن کا وفد (حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قوم) حاضر ہوا تو فرمایا: تم بشارت قبول کرو، بنو تمیم نے تو قبول نہیں کی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے قبول کی ہم آپ سے دین سمجھنے آئے ہیں۔ ہم آپ سے کائنات کی ابتداء کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: ازل میں اللہ تعالیٰ موجود تھا۔ اس کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ابتداء اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ دی تھی۔

(زرقانی علی المواہب، ج ۴ ص ۳۵ - ۳۴)

۶۲ - وفد حضرموت

حضرموت کے بادشاہوں کی اولاد میں سے جمدہ، مخوس، مشرح اور ابضعہ کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام لایا

حضرت مخوس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری زبان کی لکنت دور فرما دے آپ نے ان کے لیے دعا کی اور حضر موت کے صدقات میں سے انہیں کھانا کھلایا۔

وائل ابن حجر ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وائل کے چہرے پر دستِ اقدس پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی اور انہیں ان کی قوم کا سردار مقرر فرمایا: پھر صحابۂ کرام سے خطاب فرمایا: لوگو! یہ وائل ابن حجر ہیں۔ حضر موت سے تمہارے پاس آئے ہیں یہ اسلام کا شوق لئے ہوئے آئے ہیں۔

پھر حضرت امیر معاویہ کو فرمایا انہیں حرہ میں ٹھہراؤ۔ حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں میں ان کے ساتھ روانہ ہوا تو زمین کی تپش نے میرے پاؤں کو جلا دیا میں نے ان سے کہا کہ مجھے اپنی سواری پر بٹھالو۔ انہوں نے کہا تم بادشاہوں کے ساتھ سوار ہونے کے لائق نہیں ہو۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے اپنے جوتے دیدو تاکہ زمین کی تپش سے بچ جاؤں تو انہوں نے کہا کہ یمن والوں کو یہ خبر نہیں پہنچنی چاہیے کہ ایک عام آدمی نے بادشاہ کے جوتے پہنے ہیں البتہ اگر تم چاہو تو میں اپنی اونٹنی آہستہ چلاتا ہوں۔ تم اس کے سائے میں چل سکتے ہو۔

حضرت امیر معاویہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا ان میں جاہلیت کا تکبر ابھی باقی ہے اسلامی تعلیمات کی بدولت دور ہو جائے گا۔ حضرت وائل واپس جانے لگے تو آپ نے انہیں ایک تحریر عطا فرمائی۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۔ ۳۵۰)

۶۳ - وفد ازد عمان

اہل عمان اسلام لے آئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء ابن الحضرمی کو ان کے پاس بھیجا تاکہ انہیں اسلامی احکام کی تعلیم دیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ پھر ان کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جس میں اسد ابن یبرح الطاحی تھے انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی شخص کو بھیجیں جو ہماری اصلاح کرے۔ حضرت مخربہ عبدی جن کا نام مدرک ابن خوط تھا نے عرض کیا کہ مجھے ان کے ہاں بھیجا جائے کیونکہ ان کا مجھ پر ایک احسان ہے جنوب کی جنگ میں انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ پھر مجھ پر احسان کیا۔ آپ نے انہیں عمان بھیج دیا۔

بعد ازاں سلمی ابن عیاذ ازدی ایک وفد کے ساتھ حاضر ہوئے انہوں نے دریافت کیا کہ ہم کس کی عبادت کریں اور لوگوں کو دعوت دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے درمیان اتفاق اور الفت پیدا فرمائے آپ نے دعا کی اور یہ وفد مشرف باسلام ہوا (ایضاً : ج ۱ ص ۳۵۱)

۶۴ - وفد غافق

جُلیحہ ابن شجار ابن صُحار غافقی اپنی قوم کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنی قوم کے معتمد ہیں۔ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ہمارے صدقات ہمارے میدانوں میں رکھے ہوئے ہیں فرمایا: تمہارے حقوق وہی

ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری ذمہ داریاں وہی ہیں جو دوسرے مسلمانوں کی ہیں۔ حضرت عوز ابن سُریر غافقی نے عرض کیا۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کی۔

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۵۲)

۶۵ - وفد بارق

بارق کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے انہیں ایک تحریر عطا فرمائی :-

یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے بارق کے لئے ہے۔ ان کے پھل کاٹے نہیں جائیں گے۔ بارق سے اجازت لئے بغیر ان کے علاقے میں جانور نہیں چرائے جائیں گے۔ خواہ موسم بہار ہو یا موسم گرما۔ اور جو مسلمان مشقت یا قحط سالی کی حالت میں ان کے پاس سے گذرے گا۔ یہ لوگ اس کی تین دن مہمانی کریں گے۔ اور جب ان کے پھل پک جائیں تو مسافر پیٹ بھرنے کے لئے پھل چن سکے گا۔ بشرطیکہ چوری نہ کرے۔

اس پر حضرت ابو عبیدہ ابن جراح، حضرت حذیفہ ابن یمان گواہ ہوئے اور حضرت اُبیؓ ابن کعب نے تحریر لکھی

(ایضاً : ج ۱ ص ۳۵۲)

۶۶ - وفد دَوس

حضرت طفیل ابن عمر دَوسی مشرف باسلام ہوئے تو ان کی دعوت پر ان کی قوم بھی اسلام لے آئی۔ ان کے ساتھ ستر یا اسّی کنبے مدینہ منورہ حاضر ہوئے ان میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ ابن اُزَیہر دوسی بھی شامل تھے اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے (یہ سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے) یہ حضرات خیبر میں جا کر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ جب آپ نے مال تقسیم کیا تو انہیں بھی حصہ عطا فرمایا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے۔ حضرت طفیل نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے میری قوم سے جدا نہ فرمائیں آپ نے انہیں حرۃ الدجاج میں ٹھہرایا۔ حضرت ابو ہریرہ ہجرت کر کے آئے تو راستے میں یہ شعر کہا۔

" یا طولہا من لیلۃ وعناءہا علی انہا من بلدۃ الکفر نجت "

وہ رات بہت ہی طویل اور پُر مشقت تھی لیکن اس نے کفر کے شہر سے نجات دی۔

حضرت عبد اللہ ابن اُزَیہر نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری قوم میں میرا ایک مقام ہے۔ آپ مجھے ان پر امیر مقرر فرما دیں آپ نے فرمایا! اے دَوس کے بھائی! اسلام کی ابتدا غربت میں ہوئی اور وہ پھر غربت کی طرف لوٹ جائے گا۔ جس نے اللہ تعالیٰ

کی تصدیق کی اس نے نجات پائی اور جو منحرف ہوا وہ ہلاک ہو گیا۔ تمہاری قوم کا بڑا آدمی وہ ہے۔ جو سچائی میں بڑا ہے۔ عنقریب حق، باطل پر غالب ہو جائے گا۔ (ایضاً : ج ۱ ص ۳۵۳)

۶۷ - وفد ثُمالہ و حُدّان

عبداللہ ابن عَلَس ثمالی اور مُسلمہ ابن ہزّان حُدّانی فتح مکہ کے بعد اپنی قوم کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، اسلام لائے اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک تحریر عنایت کی۔ جس میں اموال کے فرض صدقات درج تھے۔ یہ تحریر حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کی تھی اور اس پر حضرت سعد ابن عبادہ اور حضرت محمد ابن مسلمہ گواہ تھے۔ (ایضاً : ج ۱ ص ۴ - ۳۵۳)

۶۸ - وفد اسلم

عُمیرہ ابن اَفصیٰ، قبیلہ اسلم کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں آپ ہمیں اپنی بارگاہ میں وہ مقام عطا فرمائیں جس کی فضیلت، عرب پہچانیں۔ ہم انصار کے بھائی ہیں ہم ہر سختی اور آسانی میں آپ سے وفا کریں گے اور آپ کی امداد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ قبیلۂ اسلم کو سلامتی عطا فرمائے اور قبیلہ غفار کی مغفرت فرمائے آپ نے قبیلہ اسلم اور عرب کے ان مسلم قبائل کو ایک تحریر عطا فرمائی، جو سمندر کے کنارے اور ہموار زمین کے رہنے والے تھے۔ اس تحریر میں صدقہ اور چوپایوں کے فرض صدقات کا ذکر تھا۔ یہ مکتوب حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس نے لکھا حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح اور حضرت عمر ابن الخطاب گواہ بنے۔ (ایضاً : ج ۱ ص ۳۵۴)

۶۹ - وفد مَہْرہ

قبیلۂ مَہْرہ کا وفد مَہْری ابن الابیض کی قیادت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ تو وہ اسلام لے آئے۔ آپ نے انہیں عطیات سے نوازا اور ایک تحریر عطا فرمائی۔

یہ مکتوب ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے مَہْری ابن الابیض کے لئے ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ ان کا مال نہیں لوٹا جائے گا۔ ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ ان پر اسلامی احکام کا قائم کرنا لازم ہے۔ جس نے ردوبدل کیا اس نے جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ جو ایمان لایا اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمّہ ہے۔ گری ہوئی چیز واپس کی جائے گی۔ اونٹ چرانے والی جماعت کو نوازا جائے گا۔ میل کچیل گناہ ہے اور رفث بدکاری کا نام ہے۔ یہ مکتوب حضرت محمد ابن مسلمہ انصاری نے لکھا۔

قبیلہ بہرہ کا ایک شخص زُہیر ابن قرضم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے قریب جگہ دیتے اور عزت افزائی فرماتے کیونکہ وہ دور دراز کی مسافت طے کرکے آئے تھے جب وہ واپس جانے لگے۔ تو آپ نے انہیں ثابت قدمی کی دعا دی زاد راہ دیا اور ایک مکتوب عطا فرمایا۔ (ایضاً: ج ۱ ص ۳-۲۵۵)

۷۰۔ وفد نجران

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کی طرف ایک مکتوب ارسال فرمایا تو ان کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جس میں ان کے چودہ معززین تھے۔ چند نام یہ ہیں۔ (۱) عاقب اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ کندہ سے تھا۔ (۲) ابوالحارث ابن علقمہ، بنو ربیعہ سے اور کرز کے بھائی تھے۔ (۳) السید ابن الحارث (۴) اوس ابن الحارث (۵) زید ابن قیس (۶) شیبہ (۷) خُوَیلد (۸) خالد (۹) عمر (۱۰) عبیداللہ۔ ان میں سے تین ان کے معاملات کے نگران تھے۔ عاقب ان کے امیر تھے دوسرے لوگ ان کے مشوروں پر عمل کرتے تھے۔ ابوالحارث ان کے بشپ، عالم، امام اور مدارس کے منتظم تھے۔ السید، سفر میں راہنمائی کرتے تھے۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو انہوں نے حبرہ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور چادروں کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ یہ لوگ مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے لگے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں پڑھنے دو۔ پھر یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور ان سے گفتگو نہیں کی۔ حضرت عثمان غنی نے انہیں فرمایا تمہارے اس لباس کی وجہ سے تمہارے ساتھ گفتگو نہیں کی گئی۔ دوسرے دن وہ راہبوں کا لباس پہن کر آئے اور سلام عرض کیا، تو آپ نے انہیں جواب دیا پھر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ انہیں قرآن پاک سنایا لیکن وہ اسلام لانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ اگر تم ایمان لانے سے انکاری ہو تو آؤ میں تم سے مباہلہ کرتا ہوں۔ اسوقت تو یہ لوگ واپس چلے گئے۔ دوسرے دن صبح عبدالمسیح اور ان کے دو صاحب فکر افراد حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ سے مباہلہ نہ کریں۔ آپ حکم فرمائیں۔ ہم صلح کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ دو ہزار حُلّے سالانہ دینے پر صلح ہوئی، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں اور یہ طے پایا کہ اگر یمن میں جنگ ہوئی تو یہ چیزیں عاریۃً دی جائیں گی، تیس زرہیں، تیس نیزے تیس اونٹ اور تیس گھوڑے، اور فرمایا کہ نجران اور اس کے اطراف کے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ اللہ تعالےٰ کے نبی اور رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔ ان کی جانوں، ان کی ملت، زمین، اموال، ان کے حاضر و غائب۔ اور ان کے گرجوں کا، ان کے بشپ اور عالم کو اس کے مرتبہ سے، راہب کو رہبانیت سے اور واقف کو وقف سے روکا نہیں جائیگا اس پر ابوسفیان، ابن حرب، اقرع ابن حابس اور مغیرہ ابن شعبہ کو گواہ بنایا۔

یہ لوگ اپنے علاقہ کی طرف چلے گئے۔ چند روز کے بعد سید اور عاقب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر اسلام لے آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک اور اس کے بعد خلافت صدیقی میں نجران کے عیسائی اس معاہدہ پر قائم رہے۔ خلافت فاروقی

میں انہوں نے سودی کاروبار کیا تو حضرت عمر نے انہیں جلا وطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ عراق چلے گئے اور کوفہ کے قریب نجرانیہ میں قیام پذیر ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۸ - ۳۵۷)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ نجران، مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات مرحلوں کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ہے۔ قرآن پاک میں جس اخدود کا ذکر ہے وہ نجران کا ایک گاؤں ہے۔ ذونواس یہودی حمیری نے نجران کے عیسائیوں سے جنگ کی اور جنہوں نے عیسائیت سے ارتداد قبول نہ کیا انہیں اخدود میں جلا کر ہلاک کر دیا۔

یہ وفد ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے چوبیس معزز افراد تھے۔ ابن سعد نے چودہ کی تعداد بتائی ہے ممکن ہے وہ بہت ہی زیادہ معزز ہوں۔ ابن ابی شیبہ اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس فرشتہ یہ خبر لیکر آیا ہے کہ اگر اہل نجران نے مباہلہ کا فیصلہ کر لیا تو وہ ہلاکت سے بچ نہ سکیں گے۔ دوسرے دن آپ نے حضرت حسین اور حضرت حسن کا ہاتھ پکڑا اور روانہ ہوئے۔ پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ زہرا چل رہی تھیں اور ان کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ تھے آپ انہیں فرما رہے تھے کہ جب میں دعا مانگوں تو تم آمین کہنا۔ عیسائیوں کے بشپ نے کہا۔

انی لاری وجوھا لو سئا لو االله ان	میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے کسی پہاڑ
یزول جبلا من مکانہ لا زالہ فلا	کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے کی دعا کریں تو اسے ہٹا دیگا۔
تباھلوا فتھلکوا ولا یبقیٰ علی وجہ الارض	لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو، ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور قیامت
نصرانی الی یوم القیامۃ	تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہے گا۔

چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرتے۔ البتہ ہم مصالحت کے لئے تیار ہیں۔

(زرقانی علی المواہب، ج ۴ ص ۴۹، ۴۱، ۴۷)

وفد جیشانی

ابو وہب جیشانی اپنی قوم کے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے یمن میں پائی جانے شرابوں کے بارے میں دریافت کیا اور بتایا کہ شہد سے تیار کی جانے والی شراب کو بتع اور جو سے تیار شدہ شراب کو مزر کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان کے پینے سے تمہیں نشہ آتا ہے؟ عرض کیا اگر زیادہ پئیں تو نشہ آور ہے۔ فرمایا: فحرام قلیل ما اسکر کثیرہ، جس کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو۔ اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ ایک شخص شراب بناتا ہے اور اپنے کارندوں کو پلاتا ہے فرمایا: کل مسکر حرام ہر نشہ آور حرام ہے۔

طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۳۵۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے وفود کے اعزاز و اکرام کو اتنی اہمیت دی کہ وصیت میں فرمایا۔

اجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم

(بخاری شریف (عربی)، ج ۲ ص ۶۳۸)

آنے والے وفود کو اسی طرح عطیات دینا جس طرح میں دیا کرتا تھا۔

———— ∴ ————

النبیّ الأُمّیؐ

تالیف : علامہ شہید مرتضیٰ المطہری
مترجم : نور الٰہی ایڈووکیٹ

ایران کے مقتدر علمائ و مصنفین میں علامہ آیت اللہ سید مرتضیٰ مطہری ایک نامور فلسفی اور مصنف ہیں۔ ان کی سیرت کے بارے میں یہ مختصر سی کتاب اپنے دامن میں بے شمار وسعتیں رکھتی ہے۔ انہوں نے سیرتِ مطہرہ کے جس پہلو کو بطورِ خاص زیرِ بحث رکھا ہے وہ آپ کے اُمّی ہونے کا وصف ہے اور یہ وصف قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کے دلائل میں سے ایک وقیع دلیل ہے۔ اس لئے اس کا تعلق بھی حضور رسالت مآبؐ کے اوصافِ نبوت سے ہے جناب مطہری نے اس پہلو کو اس کتابچے میں نمایاں کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں واضح ترین امور میں سے یہ ہے کہ آں حضرتؐ نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا اور نہ ہی آپ کو کسی مقالہ یا کتاب کے بارے میں کچھ پتہ تھا اور نہ ہی کسی مسلمان یا غیر مسلم مورخ نے آپؐ کے دورِ طفولیت یا شباب اور زمانہ کہولت و شیخوخت (یعنی دورِ رسالت) میں آپؐ کے تعلم و تلمذ کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ کسی فردِ واحد نے بھی نہ تو اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسی سند پیش کی ہے جس سے واضح ہو کہ بعثت کے قبل آں حضرتؐ نے کبھی کوئی ایک سطر پڑھی ہو یا کوئی ایک کلمہ لکھا ہو۔

اس زمانہ میں اہلِ عرب اور بالخصوص اہلِ حجاز اَن پڑھ لوگ تھے اور ان میں سے لکھنا پڑھنا جاننے والے انگلیوں پہ گنے جا سکتے تھے اور ان کی نشاندہی کی جا سکتی تھی ان حالات میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ایک شخص لکھنے پڑھنے کا ماہر ہو اور اس کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو۔

ہم جانتے ہیں اور ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے کہ اس زمانے میں آنحضرت کے مخالفین آپؐ پہ یہ الزام تراشی کرتے تھے کہ آپؐ دوسروں سے سن کر ان کی تعلیمات نقل کرتے ہیں لیکن ان معارضین نے آپؐ کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ آپؐ لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا آپؐ کے پاس ایسی کتابیں ہیں جن سے آپؐ کچھ حصے چرا کر استفادہ کر رہے ہیں اگر آں حضرتؐ کو معمولی سے معمولی بھی لکھنے پڑھنے کا ملکہ ہوتا تو یہ اتہام آپؐ پہ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن آپؐ کے کسی مخالف نے بھی اس کی جسارت نہیں کی۔

غیر مسلموں کے اعترافات

مستشرقین جو اسلامی تاریخ کو دقیق ناقدانہ نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں انہیں بھی آپؐ کے لکھنے پڑھنے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملا۔ اسی لئے انہوں نے بھی بیت وعمل کے بعد یہ اعتراف کر لیا ہے کہ آنحضرتؐ امی تھے جو ایک اَن پڑھ قوم میں پروان چڑھے۔

کارلائل اپنی کتاب "الابطال" (HEROES) میں لکھتا ہے: "ہمیں یہ چیز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ محمدؐ نے کسی معلم سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی کیونکہ اس وقت قبائلِ عرب میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا اور یہ حقیقت ہے کہ محمد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور آپؐ صرف صحرائی طرز زندگی سے آشنا تھے۔

مستشرق ویل ڈیورانت اپنی کتاب "تہذیب و تمدن کی کہانی" (قصۃ الحضارت) میں لکھتا ہے:

"ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے آنحضرتؐ کی تعلیم و تدریس (یعنی لکھنے پڑھانے) کی فکر لاحق ہوتی۔ عربوں کی نظر میں کتابت و قرأت کی چنداں اہمیت نہ تھی اسی لئے اس زمانے میں لکھنا پڑھنا جاننے والوں کی تعداد سترہ سے متجاوز نہ تھی۔ اور ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ محمدؐ نے اپنے ہاتھ سے کوئی چیز لکھی ہو۔ (نبوت کے بعد آپؐ کے پاس کاتب خاص تھے) اس کے باوجود عربی کی معروف ترین اور مشہور ترین کتاب (القرآن) آپؐ کی زبان پر جاری ہوئی اور اکثر متعلمین کی بہ نسبت آپؐ حقائق و دقائق اشیا کا علم زیادہ رکھتے تھے۔"

جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "الاعتذار الی محمدؐ و القرآن" (APOLOGY) میں رقم طراز ہے کہ معروف علمی و تہذیبی دنیا بالاجماع اس بات کی معتقد ہے کہ محمدؐ نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی اور آپؐ صرف وہی کچھ جانتے تھے جو آپؐ کے قبیلے میں متداول تھا۔

کونستان ورژیل گیورگیو اپنی کتاب "محمدؐ! ....." میں تحریر کرتا ہے:

"اگرچہ آنحضرتؐ اَن پڑھ تھے لیکن ان پر نازل شدہ ابتدائی آیات میں ہمیں "قلم" اور "علم" یعنی کتابت و تکتیب اور تعلیم و تعلم کا تذکرہ ملتا ہے دنیا کے ادیانِ کبریٰ میں سے کسی دین نے بھی علم و معرفت کا یہ اہتمام نہیں کیا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایسا دین ہو جس نے علم و معرفت کی تحصیل میں وہ مقام پایا ہو جو دینِ اسلام کو حاصل ہے اگر محمدؐ عالم ہوتے تو غارِ حرا میں ان آیات کے نزول پر آپؐ کے لیے مجالِ تعجب نہ تھا کیونکہ ایک عالم تو علم کی قدر پہچانتا ہے لیکن آپؐ امی تھے اور آپؐ نے کسی معلم سے اکتسابِ علم نہیں کیا تھا اور اپنی طرف سے مسلمانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ابتدا ہی سے اس ارفع و اعلیٰ مقام کی معرفت حاصل کر لی۔"

گوستاف لی بون (G. LE BON) اپنی تصنیف "عربی اسلامی تہذیب" (الحضارت العربیۃ الاسلامیۃ) میں لکھتا ہے:۔

"مشہور ہے کہ نبیؐ امی تھے اور یہ امر قیاس و قاعدہ کے مطابق ہے کیونکہ اگر آپؐ اہلِ علم ہوتے تو

مطالب و مضامینِ قرآن کا ربط موجودہ صورت سے بہتر ہوتا[1] اور اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قرینِ قیاس ہے کہ اگر آپؐ امی نہ ہوتے تو آپؐ ایک جدید مذہب نہ لا سکتے تھے اور نہ ہی اس کی نشر و اشاعت کر سکتے تھے کیونکہ ایک اَن پڑھ انسان ہی جاہلوں کی ضروریات کے بارے میں زیادہ جانتا ہے اور ان کی احتیاجات کی زیادہ معرفت رکھتا ہے اور وہی بہتر طریقے پر انھیں راہِ راست پر چلا سکتا ہے۔ بہرحال آپ خواہ امی ہوں یا نہ ہوں اس امر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آپؐ بہترین فہم و فراست و ذکاوت سے بہرہ مند تھے۔"

یہ بات کچھ پسندیدہ نہیں ہے کہ گوستاف لی بون نے مفاہیم و مطالبِ قرآنی کا مطالعہ تو بالاستیعاب کیا نہیں اور اپنے ادبی افکار کو ایک دوسرے رخ پہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے اسے آیاتِ قرآنی میں ربط کا ادراک حاصل نہیں ہوا اور جاہلوں کی ضروریات سے ایک عالم کی لاعلمی کی منطق کے نقطۂ نظر سے اس نے اس کلام کو ہلکا گردانا ہے اور اس طرح قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو نکالا ہے۔ ان سب چیزوں کے باوجود وہ اعتراف کرتا ہے کہ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھنے پڑھنے کا کوئی تاریخی ثبوت اور علامت موجود نہیں ہے۔

فی الواقع ان عبارتوں کے نقل کرنے سے ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ ہم غیر مسلموں کی باتوں سے استشہاد کریں حالانکہ مسلمان غیر مسلموں کی بہ نسبت تاریخِ اسلام پر اظہارِ رائے کے زیادہ حقدار ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو بذاتِ خود تاریخ کا مطالعہ نہیں کرتے وہ جان لیں کہ اگر آنحضرتؐ کے لکھنے پڑھنے کے بارے میں کوئی علامت ہوتی تو وہ غیر مسلم ناقدین و معترضین کی نظروں سے اوجھل نہ ہوتی۔

ابتدائی دور میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ مکہ سے شام تک کا سفر کیا اور راستے میں بحیری (یا بحیرا)[2]

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کیفیتِ نزولِ قرآن کو نہیں سمجھتا اور قرآنِ کریم میں تصنیفی ترتیب اور کتابی اسلوب تلاش کرتا ہے اس کے احساسات اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم کتابِ دعوت ہے جو نبیؐ پر بیک وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی تئیس سالہ تحریکی زندگی میں حق و باطل کی کشمکش کے دوران میں ہر منزل ہر مرحلے اور ہر موڑ پر مناسب رہنمائی کے لئے خطبوں کی شکل میں نازل فرمایا۔ اس کتاب میں آثارِ کائنات اور تاریخی قصوں سے استدلال کر کے دینِ حق کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ اس میں اعتقادی مسائل، اخلاقی پند و نصائح، معاشی و معاشرتی ہدایات، سیاسی اصول اور شرعی احکام موجود ہیں لیکن معروف تصنیفی اسلوب کے مطابق مختلف ابواب و فصول کے تحت سلسلہ وار نہیں ہیں بلکہ بار بار ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور ایک ہی مضمون داعیانہ حکمت کے ساتھ مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں دہرایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مخالفانہ نقطۂ نظر سے دیکھنے والا اس پر اعتراض کرتا ہے اور جی۔ لی۔ بون صاحب بھی اسی بیماری کا شکار ہیں۔ (مترجم)

[2] پروفیسر ماسینیون جو ایک مشہور مستشرق اور علومِ اسلامیہ کا ماہر ہے اس نے اپنی کتاب (سلمان الطاہر) میں اس قسم کے کسی شخص کو جس کی آنحضرتؐ سے اس طرح ملاقات ہوئی ہو درحقیقت مشکوک الوجود اور ایک افسانوی کردار قرار دیا ہے وہ کہتا ہے: (بقیہ حاشیہ آئندہ)

نامی ایک راہب کے ساتھ آں حضرتؐ کی ایک مختصر سی ملاقات ہوئی۔ اس مختصر ملاقات کو خصوصیت حاصل ہو گئی کیونکہ مستشرقین نے اسے بڑی اہمیت دی ہے، وہ بغلیں بجاتے ہوئے اس پر چھپٹ پڑے اور قیاس آرائیاں اور چہ میگوئیاں شروع کر دیں، کیا نبیؐ نے اس مختصر سی ملاقات کے علاوہ کوئی اور تعلیم بھی کسی سے حاصل کی؟ جب اس چھوٹے سے حادثے نے قدیم و جدید مخالفین کی نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے تو اگر پہلے سے آنحضرتؐ کے لکھنا پڑھنا جاننے کی کوئی دلیل ہوتی تو وہ زیادہ مستعدی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کو مخفی نہ رہنے دیتے بلکہ اس قسم کی کوئی سند موجود ہوتی تو وہ لازمی طور پر ان کی خوردبینوں میں نظر آجاتی اور وہ اسے مسلسل بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔

اس امر کی وضاحت کے لیے لازمی ہے کہ ہم اس بحث کو مندرجہ ذیل دو حصوں میں تقسیم کریں:۔

۱۔ بعثت سے قبل کا دور

۲۔ بعثت سے بعد کا دور

یہ بات ضروری ہے کہ ہم لکھنے پڑھنے کے بارے میں دورِ مابعد بعثت پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ پس ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ مسلمان علماء کے نزدیک یہ امر قطعی اور مسلّم اور متفق علیہ ہے کہ آنحضرتؐ کو بعثت سے قبل لکھنے پڑھنے کا کوئی علم نہ تھا لیکن دورِ رسالت کا معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ وضاحت طلب ہے۔ اس دور میں یہ امر قرینِ واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے کبھی نہیں لکھا لیکن جہاں تک عدمِ قرأت کا تعلق ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ حضرات کی بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ زمانہ بعثت میں پڑھا کرتے تھے لیکن کتابت نہ کرتے تھے۔ شیعہ حضرات کی یہ روایات مختلف اور غیر متطابق ہیں۔

لیکن جملہ قرائن و دلائل سے یہی چیز حاصل ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ دورِ رسالت میں نہ لکھا ہوا پڑھا کرتے تھے اور نہ لکھتے تھے۔

دورِ ماقبل بعثت سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم جزیرہ عرب میں قرأت و کتابت کی عمومی صورتِ حال کے بارے میں بحث کریں۔

تواریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت معدودے چند افراد کے علاوہ کوئی بھی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔

مورخ بلاذری اپنی کتاب "فتوح البلدان" کے آخر میں لکھنے کے رواج کی ابتدا کے بارے میں ہمیں بتاتا ہے اور کہتا ہے۔

"قبیلہ طے کے تین افراد مسمیان مرامر بن مرہ اور اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ موضع بقہ[1] میں اکٹھے ہوئے اور انہوں نے خط وضع کیا اور سریانی حروف تہجی کے نمونہ کے مطابق عربی حروف تہجی تیار کئے۔ ان سے اہلِ انبار نے لکھنا سیکھا۔ پھر اہلِ انبار سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "کہ بحیرا سرجیوس اور تمیم داری وغیرہ جنکو راویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اکٹھا کر دیا ہے وہ افسانوی کردار ہیں اور ان کی اصلیت تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ (مؤلف)

[1] بقہ، حیرہ کے نزدیک ایک بستی کا نام ہے۔ (مترجم بحوالہ منتہی الارب)

اہلِ حیرہ نے کتابت سیکھی اور اکیدر بن عبدالملک بن عبدالجن کندی ثم سکونی کے بھائی بشر بن عبدالملک والئے دومۃ الجندل جو
مذہباً عیسائی تھا اس نے حیرہ میں کچھ عرصہ قیام کر کے اہلِ حیرہ سے عربی رسم الخط کی تعلیم حاصل کی۔
پھر وہ اپنے کسی کام کے سلسلے میں مکہ آیا۔ سفیان بن امیہ بن عبد شمس اور ابوقیس بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب نے اسے
لکھتے ہوئے دیکھا اور اس سے گذارش کی کہ انھیں بھی لکھنا سکھا دیا جائے۔ چنانچہ بشر نے انھیں حروفِ تہجی سکھائے پھر انھیں لکھا ہوا
دکھایا اور ان دونوں نے بھی لکھا۔ بعد ازاں بشر اور سفیان اور ابوقیس تجارت کے سلسلہ میں طائف گئے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی نے ان
کی معیت اختیار کی اور ان سے لکھنا سیکھا۔ بشر ان سے جدا ہو کر دیارِ مضر کی جانب چلا گیا۔ وہاں اس سے عمرو بن زرارہ بن عدس نے کتابت
سیکھی اور اس کو عمرو الکاتب کہا جانے لگا۔ پھر بشر نے شام کا رُخ کیا اور وہاں لوگوں نے اس سے لکھنا سیکھا۔
قبیلہ کلب کے ایک آدمی نے قبیلہ طے کے تین آدمیوں سے کتابت سیکھی اور پھر وادی القریٰ کے ایک آدمی کو اسے
تعلیم دی۔ وہ آمد و رفت کے کسی سلسلے میں وادی میں آیا اور وہاں کے رہنے والوں کو کتابت کی تعلیم دی۔
عربی رسم الخط کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ ابن الندیم نے الفہرست کے مقالہ اولیٰ کے فن اول میں بلاذری کے مندرجہ بالا
بیان کی نشاندہی کی ہے اور پھر ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سب سے پہلے خطِ عربی جنھوں نے سیکھا وہ قبیلہ بولان کے
تین اشخاص تھے اور یہ انبار کا ایک قبیلہ ہے۔ پھر اہلِ انبار سے اہلِ حیرہ نے لکھنا سیکھا۔
ابن خلدون نے بھی مندرجہ کلام کا کچھ حصہ ذکر کر کے اپنے مقدمہ میں اس کی تائید کی ہے (حوالہ کے لیے دیکھو فصل معنون بہ
”خط و کتابت کا شمار انسانی صنائع میں ہوتا ہے۔“)
بلاذری ایک روایت نقل کرتا ہے جس میں درج ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت قبیلہ قریش میں درجِ ذیل سترہ اشخاص
لکھنا جانتے تھے:۔
عمر[1] بن خطاب، علی[2] بن ابی طالب، عثمان[3] بن عفان، ابوعبیدہ[4] بن الجراح، طلحہ[5]، یزید[6] بن ابی سفیان، ابوحذیفہ[7] بن
بن عتبہ بن ربیعہ، حاطب[8] بن عمرو برادر سہیل بن عمرو عامری، ابوسلمہ[9] بن عبدالاسد مخزومی، ابان[10] بن سعید بن عاص بن امیہ، خالد[11] بن سعید برادر
ابان، عبداللہ[12] بن سعد بن ابی سرح عامری، حویطب[13] بن عبدالعزیٰ عامری، ابوسفیان[14] بن حرب بن امیہ۔ معاویہ[15] بن ابی سفیان، جہم[16] بن
صلت بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف۔ علاء[17] بن حضرمی (حلیف قریش)
اس کے بعد بلاذری ایک ایسی قریشی خاتون کا ذکر بھی کرتا ہے جو دورِ جاہلیت میں ظہورِ اسلام کے وقت قرأت و کتابت سے
آشنا تھی وہ (الشفا) بنت عبداللہ عدوی ہے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور مہاجرین اولین میں سے تھی۔ بلاذری نے یہ بھی ذکر
کیا ہے کہ الشفاؓ نے حضرت حفصہؓ (زوجۃ النبیؐ) کو بھی کتابت سکھلائی۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:
”تو نے حفصہ کو کتابت تو سکھلا دی ہے کیا تو اسے (رقیۃ النملۃ) چیونٹی کا تعویذ یعنی اطاعت
گذاری اور فرمانبرداری نہیں سکھلائے گی؟“
اس کے بعد بلاذری بعض ایسی خواتین کا ذکر کرتا ہے جو عہدِ اسلامی میں لکھنا اور پڑھنا یا صرف پڑھنا جانتی تھیں مثلاً حضرت حفصہؓ پڑھنا

جانتی تھیں۔ اسی طرح اولیں مہاجر خواتین میں سے بنت عقبہ بن ابی معیط لکھا کرتی تھیں۔ اس نے بنت سعد کو بتلایا کہ اس کے باپ نے اسے کتابت کی تعلیم دی ہے۔ اسی طرح بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں حضرت عائشہؓ (زوجۃ النبیؐ) پڑھ سکتی تھیں لیکن لکھنا نہ جانتی تھیں اور یہی کیفیت ام سلمہؓ کی تھی۔

بلاذری ان لوگوں کے ناموں کا ذکر بھی کرتا ہے جو آں حضرتؐ کے لئے کتابت کیا کرتے تھے پھر تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت اوس و خزرج کے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی تعداد گیارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ بلاذری ان کے اسماء کا ذکر بھی کرتا ہے (اوس اور خزرج دو معروف قبیلے ہیں جو مدینہ منورہ میں آباد تھے)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ دیارِ حجاز میں لکھنے کی صناعت نئی نئی وارد ہوئی تھی۔ اس صورت حال میں جب کوئی شخص کتابت سیکھتا تو اس کی طرف انگلیاں اٹھائی جاتیں۔ مکہ اور مدینہ میں کتابت جاننے والوں کی تعداد انگلیوں پہ گنی جا سکتی تھی۔ اسی لئے تاریخ نے ان کے ناموں کا ریکارڈ محفوظ کر دیا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں سے ہوتے تو آپؐ بھی یقیناً پہچانے جاتے۔ جب ان ناموں کی فہرست میں آپ کا ذکر نا پید ہے تو یہ چیز بالوضاحت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

عہدِ رسالتؐ بالخصوص قیامِ مدینہ کے دوران

جملہ قرائن کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عہدِ رسالتؐ میں بھی قرأت و کتابت نہیں جانتے تھے۔ اگرچہ مسلمان علما کا اس بارے میں اختلاف ہے خواہ وہ اہلِ تشیع ہوں یا اہلِ سنت جبکہ بعض نے اس امر کو بعید از قیاس سمجھا ہے کہ وحی نے آپؐ کو ہر چیز کی تعلیم نہ دی ہو۔

شیعہ حضرات کی بعض روایات میں درج ہے کہ آنحضرتؐ عہدِ رسالتؐ میں پڑھا کرتے تھے لیکن لکھتے نہ تھے۔ انہی میں ایک روایت وہ ہے جسے صدوق نے اپنی کتاب (علل الشرائع) میں ابی عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ آپ پڑھتے تھے لیکن لکھتے نہ تھے۔ جب ابو سفیان نے احد کی جانب لشکر کشی کی تو حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط لکھا۔ یہ مکتوب آپؐ کو اس وقت ملا جب آپؐ مدینہ سے باہر ایک باغ میں تھے۔ آنحضرتؐ نے خط پڑھا لیکن اس کی اطلاع صحابہؓ کو نہ دی اور انہیں مدینہ چلنے کا حکم دیا۔ جب صحابہؓ مدینہ تشریف لے آئے تو پھر انہیں اس بارے میں مطلع فرمایا۔[۱]

حضرت عباسؓ کے خط کا واقعہ سیرت زینی دحلان میں جس طرح بیان کیا گیا ہے وہ علل الشرائع کی روایت کے مخالف ہے۔ منقول ہے:۔

"اور عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خط تحریر کیا جس میں کفار کی جمعیت اور حملہ کرنے کی اطلاع

---

[۱] بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۲۔ [۲] بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۳ (اس روایت کی سند ضعیف ہے)

دی۔ جب یہ مکتوب آنحضرتؐ کو وصول ہوا تو اس وقت آپؐ قبا میں تھے۔ عباسؓ نے یہ خط بنی غفار کے ایک آدمی کے ہاتھ ارسال کیا جسے عباسؓ نے اجرت دی اور اس کے ساتھ یہ شرط طے کی وہ تین شبانروز میں یہ خط مدینہ لے جائے۔ چنانچہ اس نے اسی طرح تعمیل کی۔ جب خط آیا تو آپؐ نے اس کی مہر توڑی اور اسے ابی بن کعبؓ کو دیا جنہوں نے پڑھ کر آپؐ کو سنایا۔ آپؐ نے ابیؓ کو فرمایا کہ اس خبر کو پوشیدہ رکھنا۔ پھر آنحضرتؐ سعد بن ربیع کے ہاں تشریف لائے اور عباسؓ کے خط کے بارے میں بتلایا اور فرمایا۔ "خدا کی قسم میں بھلائی کا امیدوار ہوں[1]"

آپؐ نے سعد کو بھی یہی حکم دیا کہ فی الحال اس خبر کو مخفی رکھا جائے۔

صورتِ احوال تو اس طرح پر تھی جبکہ بعض کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ عہد رسالتؐ میں لکھتے اور پڑھتے تھے۔ بحارالانوار نے سید مرتضیٰؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ[2] شعبی اور اہلِ علم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آنحضرتؐ وفات سے قبل لکھنا پڑھنا جانتے تھے شاید ان کا استناد حدیث قرطاس و دوات پر ہے۔ کیونکہ ان کا بیان ہے:

"صحاح اور تواریخ میں آنحضرتؐ کا یہ قول مشہور ہے کہ دوات اور کاغذ لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔"

لیکن حدیثِ دوات و قرطاس سے استناد صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کا ارادہ اپنے ہاتھ سے لکھنے کا تھا۔ اگر ہم فرض کریں کہ آپؐ کچھ لکھانے کا حکم دینا چاہتے تھے جس پر حاضرین کو گمراہ بنانا مقصود تھا تو پھر "میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں" کی تعبیر صحیح ہے اور اپنی طرف یہ نسبت مجازی ہے۔ جیسا کہ اہل زبان کے ہاں رائج ہے اور اس طرح کا اسلوب بیان عربی زبان وغیرہ میں فصاحت و خوش بیانی کا حامل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت

معتبر اسلامی قدیم تواریخ کی نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ میں کاتبوں کی ایک جماعت موجود تھی اور یہ لوگ وحی الٰہی اور احادیث نبوی آپس کے عہد و پیمان اور معاملات، مشرکین اور اہلِ کتاب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدات، صدقات اور ٹیکسوں کے رجسٹر، غنائم اور خمس کے دفاتر اور آنحضرتؐ کے ارسال کردہ کثیر التعداد مکاتیب لکھتے تھے۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ وحی الٰہی اور زبانی احادیث کے علاوہ آنحضرتؐ کے کثیر معاہدے اور مکاتیب ہیں۔

محمد بن سعد اپنی کتاب "طبقات کبیر" جلد ۲ صفحہ ۳۰ تا ۳۸ پر تقریباً ایک سو مکاتیب اور ان کے متن کا ذکر کرتا ہے۔ ان میں سے بعض مکاتیب شاہان و حکام عالم رؤسائے قبائل، اور خلیج فارس میں روم اور ایران کے ماتحت امرأ اور دیگر شخصیات کی طرف ارسال کئے گئے تھے یا وہ فقہی استفسارات کے بارے میں جوابات کی شکل میں تھے اور مسائل شرعی وغیرہ

---

[1] سیرت زینی دحلان۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۲۹۔ طبع دار المعرفہ۔ بیروت۔

[2] بحارالانوار۔ جلد ۱۶۔ صفحہ ۱۳۵۔

کی عام تعلیم پر مشتمل تھے۔ ان میں سے اکثر مکتوبات کے کاتب معلوم ہیں۔ کیونکہ کاتب خط کے نیچے اپنا نام لکھا کرتے تھے اور سب سے پہلے جس نے مکتوب کے آخر میں کاتب کا نام لکھنے کے طریقے کو رواج دیا وہ مشہور صحابی ابی بن کعبؓ ہیں۔

واقعاتی صورت تو یہ تھی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مکتوبات، معاہدات اور دفاتر میں سے ایک تحریر بھی اپنے ہاتھ سے نہیں لکھی اور کوئی ایسا موقع پیش نہیں آیا جس کے متعلق یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں خط اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا تھا۔ بلکہ کوئی ایسا واقعہ بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت کوئی ایک آیت قرآنی بھی اپنے ہاتھ سے لکھی ہو۔ بلکہ کاتبوں میں سے ہر ایک آنحضرتؐ سے قرآن سن کر وحی کی کتابت اپنے ہاتھ سے کیا کرتا تھا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابت جانتے ہوں اور قرآن یا اس کی ایک سورت یا ایک آیت اپنے ہاتھ سے نہ لکھیں؟

تاریخ کی کتابوں میں کاتبانِ وحی کے اسما بھی درج ہیں، یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"آنحضرتؐ کے کاتب جو وحیِ الٰہی، مکتوبات اور معاہدے لکھا کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں: علیؓ بن ابی طالب، عثمانؓ بن عفان، عمروؓ بن عاص بن امیہ، معاویہؓ بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، مغیرہ بن شعبہ، معاذؓ بن جبل، زیدؓ بن ثابت، حنظلہؓ بن ربیع، ابیؓ بن کعب، جہیم بن صلت اور حصینؓ نمیری۔" [1]

مسعودی اپنی کتاب "التنبیہ والاشراف" میں ایک حد تک تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ ہر کاتب کے کیا فرائض تھے اور اس کا دائرۂ عمل کیا تھا اور اس کام کی تنظیم اور باہمی تقسیم کس طرح تھی۔ وہ لکھتا ہے:

"خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس بن مناف آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہونے والے جملہ امور کے بارے میں لکھا کرتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور حصین بن نمیر آپؐ کو پیش آمدہ حوائج و ضروریات سے متعلق لکھتے تھے۔ عبداللہ بن ارقم بن عبدیغوث زہری اور علاء بن عقبہ لوگوں کے مابین قرضوں کے لین دین اور دیگر عہد و پیمان اور معاملات کے بارے میں تحریر کرتے تھے۔ زبیر بن عوام اور جہیم بن صلت اموال صدقات کو منضبط کرتے تھے حذیفہ بن یمان حجاز کی زمینوں کی آمدن کے تخمینے کا ریکارڈ رکھتے تھے معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی جو بنی اسد کا حلیف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غنیمتوں کو ضبطِ تحریر میں لاتا تھا۔ شاہانِ عالم کے ساتھ آنحضرتؐ کی مراسلت کا شعبہ زیدؓ بن ثابت کے سپرد تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے لیے فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں

---

[1] تاریخ الیعقوبی۔ جلد ۲ صفحہ ۸۰

[2] جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن ثابت کو سریانی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ بلاذری نے بھی حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کتاب یہود سیکھنے کا حکم دیا۔ میرے باپ

کے ترجمہ کا کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ انہوں نے مدینہ میں ان زبانوں کے جاننے والوں سے یہ زبانیں سیکھی تھیں مذکورہ کاتبوں میں سے اگر کوئی غیر حاضر ہوتا تو حنظلہ بن ربیع اس کا کام سرانجام دیتے تھے۔ وہ سب کاتبوں کے قائم مقام اور نائب تھے۔ وہ حنظلہ کاتب کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی وفات حضرت عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بلاد کی فتوحات کے دروازے کھول دئے اور وہ دنیا میں پھیل گئے تو حنظلہ بھی دیارِ مضر کے بلاد "رہا" کی طرف کوچ کر گئے اور وہیں وفات پائی۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی آنحضرتؐ کا کاتب تھا وہ مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے مل گیا۔ شرحبیل بن حسنہ طانجی بھی آپؐ کا کاتب تھا۔ ابان بن سعید اور علاء بن حضرمی بھی کبھی کبھی آپ کے پاس کتابت کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات سے قبل حضرت معاویہؓ نے بھی چند ماہ آنحضرتؐ کے کاتب کی حیثیت سے کام کیا۔ ہم نے صرف ان کاتبوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے جو آپؐ کی کتابت پر مامور تھے۔"

(تلخیص از "التنبیہ والاشراف" صفحات ۲۴۵-۲۴۶)

مسعودی نے اس موقعہ پر وحیِ الٰہی اور اسلامی معاہدوں کی کتابت کے ضمن میں امام علیؓ اور عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعبؓ کے اسمائے گرامی کا ذکر نہیں کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مراد صرف ایسے اشخاص کے تذکرہ سے تھی جو کتابت وحی کے علاوہ دیگر شعبوں میں اضافی کام کرتے تھے۔

تاریخ اور اسلامی احادیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ دور و نزدیک کے مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نصیحت حاصل کرنے کے لیے آتے تھے اور آپؐ انھیں بلیغ اور حکیمانہ جواب دیتے تھے آنحضرتؐ کے ایسے بیشتر فیصلے محفوظ ہیں۔ تاریخ میں ؟ موجود ہے کہ یہ واقعات اسی مجلس میں یا اس کے بعد ضبطِ تحریر میں لائے جاتے تھے۔ لیکن یہ چیز قابلِ ملاحظہ ہے کہ ان فقط میں سے آنحضرتؐ نے کبھی ایک سطر تک اپنے ہاتھ سے رقم نہیں فرمائی۔ اگر آپؐ خود تحریر فرماتے تو مسلمان ان تحریروں کو تبرکاً محفوظ رکھتے اور ایسی تحریروں کو اپنے لئے اور اپنے قبیلوں کے لیے باعثِ افتخار سمجھتے۔ حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے خطوط سالہا سال بلکہ قرنوں تک ان کے گھروں اور ان کی جماعت کے گھروں میں محفوظ رہے اور اب تک بھی ایسے نسخے موجود ہیں جو ان کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں۔

اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے زید بن علی بن حسین اور یحییٰ بن زید کا واقعہ اور صحیفہ سجادیہ کی حفاظت کی کیفیت قابلِ ملاحظہ ہے۔

ابن ندیم اپنی کتاب "الفہرست" کے مقالہ دوم کے فنِ اول میں یہ عجیب وغریب واقعہ اس طرح نقل کرتا ہے:

"محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی تھا جس کا نام محمد بن حسین تھا وہ کتابوں کا اکٹھا کرنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :-)
نے مجھے کہا کہ یہود قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور وہ مجھے سریانی لکھنا نہیں سکھلائیں گے لیکن میں نے صرف نصف ماہ میں زبان سیکھ لی۔ اور میں آنحضرتؐ کے لئے یہود کے ساتھ مراسلت کیا کرتا تھا اور آنحضرتؐ کو یہود کے مکتوب پڑھ کر سناتا تھا۔ (فتوح البلدان صفحہ ۵۸۳ مطبوعہ مکتبہ النہضتہ۔ جامع ترمذی میں بھی اسی سے ملتا جلتا مضمون ہے)۔

> والا ابن ابی بعرہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کے پاس کتابوں کا بہت بڑا خزانہ تھا۔ عربی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ اور اتنی بڑی لائبریری میں نے کسی دوسرے شخص کے پاس نہ دیکھی تھی۔ اس لائبریری میں متعدد علوم مثلاً نحو، لغت اور ادب کی بیشمار کتابیں اور قدیم تحریریں تھیں لیکن جو عجیب وغریب اور سبق آموز اور نادر صنعت کی حامل بات تھی وہ یہ تھی کہ ہر جزو یا ہر ورق یا ہر کاغذ پر یکے بعد دیگرے متعدد علماء کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے تصدیق نامے تھے۔ ایک عالم کے بعد دوسرے عالم کا یہ سرٹیفکیٹ ثبت تھا کہ یہ فلاں عالم کا خط ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے خط کے بارے میں پانچ یا چھ علماء کی شہادتیں تھیں۔ ان تحریروں میں میں نے ایک مصحف دیکھا جو حضرت علیؓ کے رفیق کار خالد بن ابی ہیاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور ان کتابوں میں میں نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی تحریریں بھی دیکھیں اور اس لائبریری میں میں نے امیرالمومنین علیؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کاتبوں کے لکھے ہوئے امانت نامے اور معاہدے بھی دیکھے۔"

آثارِ مبارکہ اس طرح اور اس حد تک محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت نے کم از کم ایک سطر بھی لکھی ہوتی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ محفوظ نہ رکھی جاتی جبکہ مسلمان آثارِ مبارکہ کی حفاظت کا اہتمام اس حد تک کیا کرتے تھے۔ قرائن اور قطعی دلائل کی رو سے دورِ رسالت میں آنحضرتؐ کی کتابت کے مسئلہ کا جواب نفی میں ہے۔ لیکن جہاں تک آنحضرتؐ کی قرأت کا مسئلہ ہے تو اس کا حتمی انکار ممکن نہیں ہے اگرچہ ہمارے پاس آں حضرتؐ کی قرأت کے بارے میں کوئی قطعی دلیل بھی نہیں ہے بلکہ اکثر قرائن اس کے خلاف ہیں۔

صلح حدیبیہ آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ایسے واقعات پیش آئے جن سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ مدینہ منورہ میں بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ ان واقعات میں سے حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے جو تاریخی نتائج کے لحاظ سے اہمیت وشہرت کا حامل ہے اور باوجودیکہ تاریخ اور حدیث کی نقول اس بارہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ واقعہ بڑی حد تک کتابت وقرأت کے مسئلہ کی وضاحت کرتا ہے۔

ذی القعدہ ۶ھ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا قصد کیا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لے جانے کا حکم دیا جب آپ حدیبیہ پہنچے جو مکہ سے دو فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے تو قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ حالانکہ یہ مہینہ حرام مہینوں میں سے تھا اور جاہلی رواج کے مطابق کسی کو بھی بالخصوص قریش کو روکنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ آپؐ زیارتِ کعبہ اور ادائے مناسک کے بعد واپس چلے جائیں گے مگر قریش نے رکاوٹ پیدا کر دی اور مسلمانوں کے مکہ میں داخلے پر رضامند نہ ہوئے۔ مسلمانوں نے بھی دخولِ مکہ پہ اصرار کیا خواہ قوت ہی کیوں نہ استعمال کرنی پڑے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرزِ عمل پر راضی نہ ہوئے اور کعبہ کی حرمت کو پامال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ معاملہ صلح پر ختم ہوا۔ صلحنامہ کا مسودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا اور علیؓ نے تحریر کیا۔ آنحضرتؐ نے علیؓ کو فرمایا کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا جائے" قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ یہ مسلمانوں کا

شعار ہے اور وہ یعنی مشرکین اس کلام سے نا آشنا ہیں اس لئے ان کے طریقہ کے مطابق "بسمک اللھم" لکھا جائے آنحضرتؐ نے اسے منظور کر لیا اور علیؓ کو حکم دیا کہ سہیل بن عمرو کی تجویز کے مطابق لکھا جائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو یہ لکھنے کا حکم دیا " یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہؐ اور سہیل بن عمرو نے تسلیم کیا"۔

سہیل نے کہا " اگر میں آپ کو پیغمبر تسلیم کرتا تو آپؐ سے قتال نہ کرتا اس لئے آپ صرف اپنا نام اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو فرمایا کہ لکھو: " یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کی مصالحت ہوئی ہے"۔ اس موقعہ پر مخالفت اور اعتراضات پیش آئے اور اس ماجرا کے بارے میں تاریخی نقول باہم مختلف ہیں۔ سیرت ابن ہشام اور صحیح بخاری (اہل حرب کے ساتھ مصالحت اور جہاد کے باب) سے ظاہر ہے کہ قریش کا اعتراض کلمہ" رسول اللہ" لکھنے سے قبل تھا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ "محمد رسول اللہ" کی بجائے " محمدؐ بن عبداللہ" لکھے جانے پر رضامند ہو گئے لیکن اکثر نقول میں ہے کہ کلمہ" محمد رسول اللہ" کی کتابت کے بعد اعتراض پیدا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو فرمایا کہ کلمہ" رسول اللہ" مٹا دیا جائے۔ لیکن علیؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ کلمہ مٹانے سے معذوری کا اظہار کیا۔ یہاں بھی نقول میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ حضرات کی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جب علیؓ نے یہ کلمہ مٹانے سے انکار کر دیا تو آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے یہ کلمہ مٹا دیا۔ پھر علیؓ نے " محمد بن عبداللہ" تحریر کیا۔ اگرچہ اہل تشیع اور اہل السنت کی بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ آنحضرتؐ نے علیؓ کو فرمایا کہ مجھے وہ کلمہ دکھایا جائے اور اس جگہ پر انگلی رکھ دی جائے۔ علیؓ نے اس کلمہ کی نشاندہی کی اور آپؐ نے اپنے ہاتھ سے لفظ" رسول اللہ" مٹا دیا۔ علیؓ نے اس کی بجائے (ابن عبداللہ) لکھ دیا۔ کاتب علیؓ تھے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ لکھنا پڑھنا مطلقاً نہیں جانتے تھے۔

ابوبکر عتیق نیشاپوری کی تفسیر القرآن پانچویں صدی میں فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس سے کتاب" قصص القرآن" ماخوذ ہے جس میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ جب قریش کے مندوب سہیل بن عمرو نے کلمہ" رسول اللہ" کی کتابت پر اعتراض کیا تو اس مقام پر" قصص القرآن" کے بیان کا ترجمہ یہ ہے:

> "سہیل بن عمرو نے کہا کہ اس طرح لکھا جائے: یہ وہ معاہدہ ہے جو محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے مابین طے پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو حکم دیا کہ کلمہ" رسول اللہ" مٹا دیا جائے لیکن علیؓ کا دل اس کلمہ کو مٹانے پر آمادہ نہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ فرمایا لیکن عالم محبت میں علیؓ سے تعمیل نہ ہو سکی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری انگلی اس کلمے پر رکھ دو تاکہ میں اسے مٹا دوں کیونکہ آنحضرتؐ ناخواندہ تھے اور کتابت نہیں جانتے تھے۔ علیؓ نے آنحضرتؐ کی انگلی اس جگہ پر رکھ دی اور آنحضرتؐ نے یہ کلمہ مٹا دیا تاکہ سہیل کی تجویز کے مطابق لکھا جائے"۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

" اور آنحضرتؐ نے علیؓ کو حکم دیا اور انہوں نے لکھا (باسمک اللھم من محمد بن عبداللہ) اور صحیح مسلم میں یہ تاکید ہے کہ جب علیؓ کلمہ (رسول اللہ) مٹانے پر آمادہ نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے علیؓ کو فرمایا کہ مجھے اس کلمہ کی جگہ بتلا دی جائے۔ انہوں نے نشاندہی کر دی تو آپؐ نے اسے مٹا دیا اور اس کی بجائے (ابن عبداللہ) لکھ دیا۔ اس روایت میں غور طلب یہ چیز ہے کہ ایک دفعہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی جگہ معلوم کرنے کے لئے علیؓ سے امداد حاصل کی اور پھر یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کو مٹا دیا اور (ابن عبداللہ) لکھ دیا جس سے بادی النظر میں ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے آنحضرتؐ تھے لیکن یہ امر مسلم ہے کہ حدیث نقل کرنے والے کا مقصود یہ تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی جگہ معلوم کرنے کے لئے علیؓ سے امداد طلب کی اور اس کے بعد علیؓ نے لکھا اور یہی مضمون تاریخ طبری اور الکامل لابن الاثیر سے تقریباً صراحت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور صحیح بخاری (باب شرائط) کی دیگر روایات میں ہے کہ دوسرا کلمہ آنحضرتؐ نے اپنے خط سے لکھا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں:" فاخذہٗ رسول اللہ وکتب "

طبری اور ابن الاثیر کی عبارتوں میں دوسرا جملہ یہ ہے:

"فاخذ رسول اللہ ولیس یحسن ان یکتب فکتب"	ترجمہ: رسول اللہؐ نے تحریر لے لی، آپؐ اچھی طرح کتابت نہیں کر سکتے تھے۔ پس آپ نے لکھا۔

اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ کتابت استثنائی شکل میں تھی۔ اور اس سے دوسرے نظریہ کے قائلین کی تائید بھی ہوتی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہتے تو آپؐ لکھ سکتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے تھا لیکن آپؐ نے کبھی نہیں لکھا۔ شعر کے معاملے میں بھی آپؐ کا یہی حال تھا آپؐ شعر خود نظم نہیں کر سکتے تھے اور کسی دوسرے کا شعر بھی پڑھ نہیں سکتے تھے۔ جب آپؐ کسی کا شعر پڑھنا چاہتے تو بہت کو غیر موزوں پڑھ جاتے تھے اور اس میں الفاظ کا الٹ پھیر ہو جاتا تھا یا الفاظ میں کچھ کمی بیشی کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شاعروں کی بہ نسبت آپؐ کو بہت بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما علمنٰہُ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین۔ (یٰسین - ۶۹)	ہم نے آپؐ کو شعر نہیں سکھایا ہے اور نہ شاعری آپؐ کو زیب دیتی ہے۔ یہ تو ایک نصیحت ہے اور صاف پڑھی جانے والی کتاب

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بارے میں منقولہ روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض نے تاکید کی ہے کہ آنحضرتؐ نے کلمہ (ابن عبداللہ) اپنے ہاتھ سے لکھا جو آپ کی طرف سے بمنزلہ نشان تھا لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ بظاہر اسے استثنائی عمل ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

تمیم بن جراشہ ثقفی کے حالات کے ذیل میں "اسد الغابہ" میں ایک قصہ بیان ہوا ہے جس سے صراحت کے ساتھ اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ دور بعثت میں بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے "اسد الغابہ" کا مضمون یہ ہے [1]

---

[1] اسد الغابہ ۔ صفحہ ۲۱۶

"میں ثقیف کے وفد کے ہمراہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے اسلام قبول کیا اور آں حضرتؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ ہمیں ایک تحریر لکھ دیں جس میں کچھ شرائط درج ہوں۔ آنحضرتؐ نے ہمیں فرمایا: "جو کچھ چاہتے ہو لکھ کر میرے پاس لے آؤ۔" ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ ہمیں ایسی تحریر لکھ دیں جس میں سود اور زنا ہمارے لئے حلال قرار دیا جائے۔ علیؓ نے ہمارے لیے ایسی تحریر لکھنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے خالد بن سعید بن عاص سے فرمائش کی کہ وہ ہمیں تحریر لکھ دے۔ علیؓ نے اُسے کہا: "تم جانتے ہو کہ کیا لکھو گے؟" اس نے کہا: "جو کچھ یہ کہیں گے میں لکھوں گا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم واجب الاطاعت ہے۔" ہم یہ تحریر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوٰ ۔ (البقرہ ۲۷۸)

اے ایمان لانے والو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو

آپؐ نے اسے مٹا دیا ہمیں سکینت حاصل ہو گئی اور ہم نے اپنے مطالبے کو نہ دہرایا۔ جب زنا کا معاملہ پیش ہوا تو آپ نے تحریر پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا:

ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ۔ (بنی اسرائیل۔ ۳۲)

زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے۔

آپؐ نے اسے بھی مٹا دیا اور فرمایا کہ اس دستاویز کو منسوخ کر دیا جائے۔

عجیب و غریب دعویٰ

ڈاکٹر سید عبداللطیف رئیس ادارہ تعلیمات ثقافتیہ بھارت و مشرق ادنیٰ و رئیس اکادمی تعلیمات اسلامیہ حیدرآباد نئے بھارت میں منعقدہ ایک اسلامی کانفرنس میں اس موضوع پر لیکچر دیا۔ اس کے اقتباسات چار سال قبل بعض ایرانی رسالوں میں شائع ہوئے اور بعدازاں انگریزی زبان میں بھی اشاعت پذیر ہوئے۔ اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب مذکور نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد رسالت سے قبل لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ان اقتباسات کی اشاعت سے ایران میں تعلیم یافتہ حلقوں میں ہیجان برپا ہوا کثیر تعداد میں سوالات کئے گئے اور استفسارات کی بھرمار ہوئی۔ اس وقت میں نے اختصار کے ساتھ صورت حال کی وضاحت کی اور اب تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر سیر حاصل لکھ رہا ہوں اور اس مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ بحث کر رہا ہوں تاکہ ایک طرف حقیقت واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ مضمون ڈاکٹر سید عبداللطیف جیسے خال خال محققین کی طرف سے اٹھائے گئے بعید نقاط پر حاوی ہو۔

اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے دعوے یہ ہیں کہ:۔

۱۔ آنحضرتؐ کے بارے میں یہ قول کہ آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے مفسرین کی طرف سے لفظ "امی" کی غلط تفسیر کا نتیجہ ہے۔ یہ کلمہ سورہ اعراف کی درج ذیل آیات نمبر ۱۵۷، ۱۵۸ میں آیا ہے:۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی (۱۵۷)

ترجمہ: (پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں۔

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی (۱۵۸)

ترجمہ: پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر۔

مفسرین نے اس لفظ "امی" کی تفسیر یہ کی ہے کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو حالانکہ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے۔

۲۔ قرآن میں ایسی دیگر آیات ہیں جن سے صراحت کے ساتھ یہ مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت و کتابت کے ماہر تھے۔

۳۔ بعض معتبر احادیث اور تاریخی منقولات سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ آپ بہت اچھے قاری اور کاتب تھے۔

یہ ہے ان دعوؤں کا خلاصہ جن کی طرف ڈاکٹر صاحب موصوف نے اشارہ کیا ہے اور ہم اگلے صفحات میں ان پر نقد و نظر اور بحث و تمحیص کریں گے۔

پہلا دعویٰ

کیا آنحضرتؐ کی ناخواندگی کے بارے میں اعتقاد لفظ امی کی تفسیر سے پیدا ہوا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر مذکور کا یہ تصور غلطی پر مبنی ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں:۔

۱۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ اور عرب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ آپؐ نے لکھنا پڑھنا قطعاً نہیں سیکھا تھا۔ قبل ازیں ہم اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ حجاز کے علاقہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج محدود پیمانے پر تھا اور صرف چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ تاریخ نے ان کی ندرت و شہرت کی بنا پر ان کے ناموں کو محفوظ رکھا ہے۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذکور نہیں ہے۔ اگر قرآن کریم میں آنحضرتؐ کی ناخواندگی کے بارے میں خبر نہ ہوتی تو بھی مسلمان مذکورہ تاریخی شہادت کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخواندگی کا عقیدہ رکھتے۔

۲۔ قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی ہے جو سابقہ دو آیتوں سے جن میں لفظ "امی" آیا ہے صراحت کے اعتبار سے کم نہیں ہے۔ مفسرین کا لفظ "امی" کے مفہوم میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مندرجہ ذیل آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنا پڑھنا نہ سیکھنے پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (العنکبوت - ۴۸)

ترجمہ: (اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔

یہ آیت اس بارے میں صریح ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم عہد رسالتؐ سے قبل لکھتے پڑھتے نہیں تھے اور جمہور مفسرین نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے۔

اس مقام پر ڈاکٹر صاحب مذکور کا بیان ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کو اشتباہ ہوا کیونکہ کتاب سے مراد یہاں کتب

مقدسہ (مثلاً تورات اور انجیل) ہیں۔ ڈاکٹر مذکور کے نزدیک اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ آپؐ کو کسی کتاب مقدس کے بارے میں معلوم نہیں تھا کیونکہ کتابِ مقدس عربی زبان میں نہیں تھی۔ اگر آپ ان کتابوں کو پڑھتے تو شک کرنے والوں کو شک اور اتہام کا موقعہ مل جاتا۔

لیکن یہ دعوٰی واقعہ کے خلاف ہے کیوں کہ عربی زبان میں ہر مکتوب کو کتاب کہتے ہیں خواہ وہ رسالہ ہو یا مقدس آسمانی یا غیر آسمانی کتاب ہو۔ قرآنِ کریم میں مختلف نوشتوں اور تحریروں کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

کبھی اس لفظ کا استعمال دو شخصوں کے مابین خط و کتابت کے لئے ہوا ہے جیسا کہ ملکہ سبا کے قصے میں ہے:

یآیہا الملؤا انی القی الی کتاب کریم ... انہ من سلیمان ..... (النمل۔ ۲۹-۳۰)

ترجمہ: (اے اہل دربار۔ میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے۔ وہ سلیمانؑ کی جانب سے ہے)

دوسرا مفہوم: کتاب کا لفظ معاملہ کرنے والے فریقین کے درمیان لکھے ہوئے وثیقہ یا دستاویز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً:

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم (النور۔ ۳۳)

ترجمہ: (اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو)

تیسرا مفہوم: لفظِ کتابِ غیبی الواح اور ملکوتی حقائق کے معنوں میں بھی مستعمل ہے جن سے اس دنیا کے حادثات مراد ہیں مثلاً:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (الانعام، ۵۹)

ترجمہ: (خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے)

جب "کتاب" کے ساتھ لفظ "اہل" کی اضافت ہو تو یہ ایک خاص قرآنی اصطلاح بن جاتی ہے جس سے مراد آسمانی کتابوں کے ماننے والے ہیں۔ سورہ نساء آیت ۱۵۳ قابلِ ملاحظہ ہے:

یسئلک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتاباً من السمآءِ

ترجمہ: (یہ اہل کتاب آج تم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم آسمان سے کوئی تحریر ان پر نازل کراؤ)

اس آیت میں لفظِ کتاب دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ پہلے لفظ سے مراد آسمانی کتاب ہے کیونکہ اس کی طرف لفظ "اہل" کی اضافت ہے اور دوسرے لفظِ کتاب کا مفہوم عام تحریر ہے۔

سورۃ عنکبوت کی آیت ۴۸ میں (ما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب) کے ساتھ جملہ (ولا تخطہ بیمینک) ملایا گیا ہے جس سے یہ قرینہ وجود میں آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ لکھتے پڑھتے نہیں تھے اور اگر آپ نوشت و خواند کے ماہر ہوتے تو یہ آپ پر اتہام لگاتے کہ آپؐ کسی دوسری جگہ سے معلومات حاصل کرتے ہیں لیکن انھیں اس تہمت تراشی کا موقعہ نہ ملا کیونکہ آپ ناخواندہ تھے۔

اگر (الکتاب) سے مراد دوسری زبانوں میں لکھی ہوئی کتبِ مقدسہ ہوں تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ دوسری زبانوں میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس مفہوم کا بطلان آپ سے آپ ہو جاتا ہے کیونکہ دوسری زبانوں میں لکھی ہوئی کتبِ مقدسہ کی قرأت ہی اس تہمت کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھی اور یہ کافی تھا کہ آنحضرتؐ دوسری زبانوں میں قرأت پر قادر ہوتے اور ان کے مضامین کو نئے اسلوب

سے عربی زبان میں لکھنے کی قدرت رکھتے۔

اس آیت کے بین السطور میں ایک ایسا نکتہ ہے جو ممکن ہے کہ ڈاکٹر مذکور کی تفسیر کی تائید کرے اگرچہ اس کی طرف ڈاکٹر مذکور اور دیگر مفسرین نے توجہ مبذول نہیں کی۔ یہ نکتہ لفظ "تتلوا" کا وجود ہے جو مادہ "تلاوت" سے ماخوذ ہے۔ امام راغب اصفہانی کا قول ہے کہ تلاوت آیات مقدسہ کی قرأت سے مختص ہے جبکہ لفظ (اقرأ) عام قرأت کے لئے مستعمل ہے اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ "تتلوا" کے قرینہ سے یہاں الکتاب سے مراد کتاب مقدس ہے

مگر ظاہر ہے کہ کلمہ "تتلوا" اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ یہاں مورد بحث قرآن ہے اور "تتلوا" مشاکلت و موافقت کے طور پر استعمال ہوا ہے ایسا کرنا علم البدیع کی ایک معروف صناعت ہے چنانچہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ (انت تتلوا القران فعلاً و لم تکن تتلوا قبله ای کتابة اخری) یعنی تو اس وقت قرآن تلاوت کرتا ہے اور اس سے قبل کوئی دیگر تحریر تلاوت نہ کرتا تھا۔

دوسری آیت سورہ شوریٰ کی آیت (۵۲) بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم تعلم پر دلالت کرتی ہے۔ آیت یہ ہے:۔

وکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا	اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف
ما کنت تدری ما الکتاب	وحی کی ہے تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور
ولا الایمان ۔	ایمان کیا ہوتا ہے۔

یہ آیت اس بارہ میں موکدہ ہے کہ آنحضرتؐ نزول وحی سے قبل کتابت نہیں جانتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مذکور نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا اگر وہ اس کی طرف التفات کرتے تو شاید اس سے کتاب مقدس مراد لیتے جو غیر عربی زبان میں لکھی ہوئی ہو لیکن ہم اسے حسب سابق جواب دیتے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے یہاں الکتاب سے مقصود قرآن ہے اس تفسیر کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہے اور اس تفسیر کے مطابق یہ آیت مورد استدلال سے خارج ہے

۳۔ لفظ "امی" کی تفسیر میں مسلمان مفسرین کا نقطہ نظر ایک جیسا نہیں ہے اس کے علی الرغم ان کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ عہد رسالت سے قبل قرأت و کتابت کی مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے اور یہ بذات خود اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ کتابت و قرأت کی عدم مہارت کے متعلق مسلمانوں کا اعتقاد لفظ "امی" کی تفسیر پر مبنی نہیں ہے۔ بہر حال لفظ "امی" کا مفہوم غور طلب ہے۔

لفظ "امی" کا مفہوم لفظ "امی" کے بارے میں مسلمان مفسرین کی تین تفسیریں ہیں:۔

پہلی تفسیر: ناخواندہ اور خط و کتابت کو نہ جاننے والا۔

مفسرین کی اکثریت اس رائے کی تائید کرتی ہے اور اقلیت کے مقابلے میں اسے قابل ترجیح سمجھتی ہے۔ تائید کرنے والوں

کا بیان ہے کہ یہ لفظ (الام) سے منسوب ہے اور "امی" وہ شخص ہے جو کتابت اور انسانی معلومات کی اطلاع کے نقطہ نظر سے اپنی پیدائشی اور مادر زاد حالت پر قائم ہو۔ ان مفسرین کا ایک موقف یہ بھی ہے کہ یہ لفظ (الامت) کی طرف منسوب ہے اور "امی" وہ شخص ہے جو اکثر لوگوں کے طریقے پر ہو۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کی اکثریت کتابت و قرأت کو نہیں جانتی اور لکھنا پڑھنا جاننے والوں کی تعداد قلیل ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح "عامی" اس شخص کو کہتے ہیں جو عامۃ الناس کی روش پر ہو۔

بعض کا قول ہے کہ 'امت' کا ایک معنی 'فطرت' بھی ہے اور "امی" وہ شخص ہے جو اپنی پیدائشی حالت اور عدم معرفت و اطلاع کی ابتدائی کیفیت پر ہو۔ اعشی کا ایک شعر اس معنی کی وضاحت کرتا ہے اور ان مفسرین نے اسی سے استناد کیا ہے۔

لفظ "امی" (ام) سے مشتق ہو یا (امت) سے اور (امت) کا مفہوم کچھ بھی ہو بہر حال لفظ "امی" کا معنی غیر کاتب اور غیر قاری ہے۔

دوسری تفسیر: "امی" اسے کہتے ہیں جو ام القریٰ کے رہنے والوں میں سے ہو۔ اس تفسیر کی تائید کرنے والے لفظ "امی" کو (ام القریٰ) یعنی مکہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سورۂ انعام آیت ۹۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ولتنذر ام القریٰ ومن حولها" (ترجمہ: تاکہ اس کے ذریعے سے تم بستیوں کے اس مرکز یعنی مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو متنبہ کرو)۔ قدیم کتابوں میں اس احتمال کا ذکر موجود ہے اور شیعہ حضرات کی بعض احادیث اس کی تائید کرتی ہیں اگرچہ وہ معتبر نہیں ہیں۔ جیسا کہ یہ کہا گیا ہے کہ اس کلمہ کی اصل اسرائیلی ہے۔

اس احتمال پر درج ذیل دلائل وارد کئے گئے ہیں:

ا۔ لفظ (ام القریٰ) مکہ کے لئے عَلَم خاص نہیں ہے۔ مکہ چونکہ ارد گرد کی بستیوں کا مرکز ہے اس لئے اسے بھی ام القریٰ کہتے ہیں اور "ام القریٰ" کا مفہوم "مرکز القریٰ" ہے جس مقام کو بھی مختلف اطراف و نواح میں مرکزی حیثیت حاصل ہو اُسے ام القریٰ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اس لفظ کے استعمال سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ مجرد وصفی عنوان ہے نہ کہ عَلَم۔ سورہ قصص آیت (۵۹) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وما کان ربک مهلک القریٰ حتی یبعث فی امها رسولا" (ترجمہ: اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی زبان میں ہر مرکز و مجمع کو (ام القریٰ) کہا جاتا ہے اس لئے وصفی عنوان کی طرف منسوب کرنا ایک مہمل بات ہے۔

(ب) قرآن کریم میں یہ کلمہ ایسے لوگوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو مکی نہیں تھے جیسا کہ سورہ آل عمران (آیت ۲۰) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَ قل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءَاسلمتم" (ترجمہ: پھر اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں سے پوچھا کہ کیا تم نے بھی اس کی اطاعت و بندگی قبول کی؟) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مطابق عصر قرآن میں کتب سماوی سے نابلدین کے علاوہ عام عربوں کے لیے اس کلمہ کا اطلاق ہوتا تھا۔

ل المفردات ـ لفظ (ام) اور مجمع البیان ـ سورہ بقرہ آیت ۷۸ ـ مؤلف)

سابقہ بحث کے علاوہ یہ کلمہ عام یہودیوں کے لیے بھی مستعمل تھا جو ناخواندہ تھے باوجودیکہ وہ اہل کتاب میں شمار ہوتے تھے۔ سورہ بقرہ آیت ۷۸ میں ہے:۔

"ومنھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی"

ترجمہ: ان میں سے ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لئے بیٹھے ہیں)۔

ظاہر ہے کہ وہ یہود جنھیں قرآن نے (الامیین) کا نام دیا ہے وہ اہلِ مکہ میں سے نہ تھے بلکہ ان کی کثیر تعداد مدینہ اور اس کے نواح میں سکونت پذیر تھی۔

ج۔ ادبی قواعد کا اقتضائیہ ہے کہ اگر (ام القریٰ) کی طرف نسبت مقصود ہو تو علم صرف کے قاعدہ نسبت کی رو سے (قروی) کہنا چاہیے نہ کہ (امی) یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب مرکب اضافی کی طرف نسبت ہو اور بالخصوص جبکہ مضاف (اب) یا (ام) یا (بنت) ہو تو یہ نسبت مضاف الیہ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ مضاف کی طرف۔ ابی طالب کی طرف نسبت ہو تو ہم طالبی کہتے ہیں اور ابو حنیفہ اور بنی تمیم کی طرف نسبت ہو تو علی الترتیب حنفی اور تمیمی کہا جاتا ہے۔

تیسری تفسیر: امیوں سے مراد وہ عرب مشرکین ہیں جو کسی آسمانی کتاب کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ مفسرین کے نزدیک یہ نظریہ قدیم ہے جیسا کہ مجمع البیان میں سورہ آل عمران کی آیت (۲۰) کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔ یہ آیت (وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین) بتاتی ہے کہ "امیین" اہلِ کتاب کے علاوہ ہیں۔ یہ رائے عظیم مفسر صحابی عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ یہی رائے سورہ بقرہ کی آیت (۷۸) کے ذیل میں ابو عبیدہ کی طرف منسوب ہے۔ صاحب مجمع البیان (طبرسی مرحوم) نے اس رائے کو سورہ آل عمران کی آیت (۷۵) کے ذیل میں اختیار کیا ہے۔ زمخشری نے اپنی کشاف میں یہی رائے اس آیت اور سورہ آل عمران کی آیت (۷۵) کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں سورہ بقرہ کی آیت (۷۸) اور آل عمران کی آیت (۲۰) کے ذیل میں اسی احتمال کو نقل کیا ہے۔

فی الحقیقت یہ معنی تیسرا مستقل معنی نہیں ہے کیونکہ وہ تمام لوگ جو کسی سماوی کتاب کا اتباع نہیں کرتے انھیں امیین کا نام نہیں دیا جاتا۔ مشرکین عرب کی جہالت کی وجہ سے اس کا اطلاق صرف ان پر ہوتا ہے اور مشرکین عرب کے لیے اس لفظ کا استعمال اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ کتبِ سماویہ میں سے کسی کتاب کے متبع نہیں تھے بلکہ اس لفظ کے استعمال کا مدار علیہ ان کا ناخواندہ ہونا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ بصیغہ جمع آئے اور اس کا اطلاق مشرکین عرب پر ہو تو اس صورت میں کتب سماویہ میں سے کسی کتاب کا متبع نہ ہونے کا احتمال موجود ہے لیکن جب یہ کلمہ مفرد شکل میں استعمال ہو اور اس کا اطلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو تو ایسی صورت میں کسی مفسر کے نزدیک بھی کتبِ سماویہ میں سے کسی کتاب کے عدمِ اتباع کا احتمال مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اس آخری صورت میں مفسرین کو مندرجہ ذیل صرف دو احتمالات کے مابین تردد لاحق ہوتا ہے۔

اول - یہ کہ آپ خط و کتابت نہیں جانتے تھے

دوم - یہ کہ آپ اہل مکہ میں سے تھے۔

چونکہ دوسرا احتمال لفظ اُمّی کا صحیح مفہوم نہیں ہے اس لئے آنحضرتؐ کے لیے لفظِ اُمّی کا استعمال صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا اور آپ خط و کتابت نہیں جانتے تھے۔

اس کلمہ کے مفہوم میں ایک چوتھا احتمال بھی موجود ہے وہ یہ کہ لفظ "امی" کتاب مقدس کے متون کی عدم اطلاع کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ احتمال ڈاکٹر سید عبداللطیف نے اپنی طرف سے اختراع کیا ہے۔ اور اس طرح اس نے اپنے اس مفہوم اور ہمارے بیان کردہ تیسرے مفہوم کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ تیسرا مفہوم قدیم مفسرین کے ہاں معروف تھا لیکن ڈاکٹر مذکور کا بیان ہے کہ

"(اُمّی) اور (اُمیون) کے الفاظ مختلف مقامات پر قرآن میں استعمال ہوئے ہیں لیکن ہر جگہ ان کی تفسیر ایک ہی بیان کی گئی ہے۔ لغت میں کلمہ (امی) کا اصلی معنی الطفل الولید (مولود بچہ) ہے اور زندگی کی اس حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر ایسے شخص کو جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو ضمنی طور (امی) کہتے ہیں۔

"کلمہ (امی) اس شخص کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو ام القریٰ یعنی ام المدن یا مرکزی بڑے شہر کا رہنے والا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ریگستانی علاقہ کے عرب بدو مکہ کو اس صفت کا مصداق سمجھتے تھے اس لئے مکہ کے رہنے والے کو (امی) کہا جاتا تھا۔

"کلمہ (امی) کا استعمال اس شخص کے لیے بھی ہوتا ہے جو قدیم سماوی کتابوں کے متون سے ناواقف ہو اور یہودیت اور مسیحیت کا پیروکار نہ ہو۔ یہود اور عیسائیوں کو قرآن میں (اہل الکتاب) کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن میں اسلام سے قبل کے عربوں کے لیے کلمہ (الامیین) اس اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے کہ وہ کتاب مقدس نہیں جانتے تھے اور تورات و انجیل کا اتباع کرنے والوں کے زمرے میں نہیں تھے بلکہ اہل کتاب کے مقابلے میں تھے۔

"جب کلمہ (امی) کے مختلف معانی ہیں تو ہمیں معلوم نہیں کہ مفسرین و مترجمین قرآن۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں — نے صرف ابتدائی معنی الطفل الولید (یعنی مولود بچہ جو کچھ نہ جانتا ہو) کو کیوں اختیار کیا اور اس کی تعبیر یہ کہ (امی) وہ شخص ہے جو قرأت و کتابت سے نابلد ہو اور اس کے نتیجے میں قبل اسلام کے اہل مکہ کو (الامیین) یا جاہل گروہ کے لقب سے کیوں ملقب کیا؟"

کلام ہذا پر ناقدانہ نظر

۱- ہم نے دیکھا ہے کہ قدیم مفسرین نے لفظ (امی) اور (امیون) کی تین تفسیریں بیان کی ہیں یا تین احتمالات کا ذکر کیا ہے اور صرف ایک معنی اختیار نہیں کیا۔ یہ چیز ڈاکٹر موصوف کے دعویٰ کے خلاف ہے۔

۲- کسی ایک مفسر نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ لفظ (امی) کا معنی الطفل الولید (مولود بچہ) ہے جو کچھ نہ جانتا ہو اور اس طرح اس سے یہ ضمنی معنی مراد لیا جائے کہ (امی) وہ ہے جسے لکھنے پڑھنے کی استطاعت نہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس لفظ کی بنیاد (الولید) پر نہیں بلکہ ان (کبار) عمر رسیدہ لوگوں پر ہے جو اپنی پیدائشی حالت پر قائم ہوں اور کسی

شخص پر لفظ (امی) کا اطلاق علمائے منطق کی اصطلاح میں عدم اور ملکہ کے باب سے ہے۔ (امی) صرف اس شخص کو کہتے ہیں جو سیکھنے کا ملکہ رکھتا ہو لیکن عدمِ تعلم کی راہ اختیار کرے۔ منطق کی کتابوں میں "ملکہ" و "عدم ملکہ" کی مثالوں کے بارے میں مسلمان علماء کی بحث و تمحیص موجود ہے۔

۳۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ بیان (کہ کلمہ 'امی' کا استعمال اس شخص کے لئے بھی ہوتا ہے جو قدیم سماوی کتابوں کے متن سے ناواقف ہو) صحیح نہیں ہے۔ مفسرین اور علمائے لغت کے اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ جمع کی صورت میں اس لفظ سے مراد اہلِ کتاب کے مقابلے میں مشرکین عرب ہیں کیوں کہ ان کی غالب اکثریت قرأت و کتابت سے ناواقف تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک حقارت آمیز لقب تھا جو یہود و نصاریٰ کی طرف سے انھیں عطا ہوا تھا۔

ہمارے لئے یہ سمجھنا ممکن نہیں ہے کہ وہ لوگ جنھیں (الامیین) کا نام دیا گیا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ کسی خاص کتاب کی لغت سے ناواقف تھے باوجودیکہ وہ اپنی خاص زبان لکھتے اور پڑھتے تھے۔

بہرحال اس تفسیر کی بنیاد یہ ہے کہ اس کلمہ کا ماخذ اور مصدر لفظ (ام) یا (امت) ہے اور ان دونوں لفظوں سے ابتدائی پیدائشی حالت پر قائم رہنے کا مفہوم نکلتا ہے۔

مفسرین نے اگرچہ اس کلمہ کو (ام القریٰ) کی طرف منسوب کرنے کے احتمال کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر وہ اشکالات وارد ہوتے ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں اس لئے اسے (ام القریٰ) کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اس بحث کے بعد ہندی عالم کے لیے مجالِ تعجب نہیں ہے

روایات اور مورخین کی کتابوں میں اس لفظ کے استعمالات اس معنی کی تائید کرتے ہیں بلکہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہ اسی معنی یعنی ناخواندہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

بحار الانوار (جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۹) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے آپؐ نے فرمایا: "نحن امة امية لا نقرأ ولا نكتب" (ترجمہ: ہم ایک ناخواندہ قوم ہیں اور لکھنے پڑھنے سے کورے ہیں)

ابن خلکان اپنی تاریخ کی جلد ۴ میں معتصم اور متوکل کے وزیر محمد بن عبدالملک المعروف بابن زیات کے حالات میں لکھتا ہے:

"وہ ابتداً میں کاتبوں میں سے تھا اور احمد بن عمار بن شاذی بصری معتصم کا وزیر تھا۔ معتصم کے پاس کسی گورنر کا خط آیا۔ وزیر نے وہ خط معتصم کو پڑھ کر سنایا۔ اس تحریر میں (الکلاء) کا ذکر تھا۔ معتصم نے وزیر سے پوچھا کہ (الکلاء) کیا ہوتا ہے۔ وزیر کو علم ادب میں اتنی دسترس حاصل نہ تھی اور اس نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

معتصم نے کہا: امی خلیفہ اور عامی وزیر! (خلیفہ معتصم زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا) پھر اس نے کہا کہ وہ دیکھو دروازے پر کون ہے۔ وہ محمد بن زیات مذکور تھا۔ اسے خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے اس سے (الکلاء) کے بارے میں استفسار کیا۔

اس نے کہا: (الکلاء) مطلق گھاس کو کہتے ہیں۔ اگر وہ ہری ہو تو اسے خلاء (تر گھاس) کہا جائے گا۔ اور جب سوکھ

جائے تو وہ حشیش بن جاتی ہے۔ اس طرح اس نے انواع و اقسام کی نباتات کا ذکر کیا ... معتصم کو معلوم ہوا کہ ابن بیطار صاحب علم و فضل ہے۔ اس لیے اس نے اسے اپنا وزیر بنا کر حکومت کے کاروبار میں شریک کر لیا اور اس کا ہاتھ کشادہ کر دیا۔"

دوسرا دعویٰ ڈاکٹر مذکور کا دعویٰ ہے کہ آیاتِ قرآنی سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے اور پڑھتے تھے اور ایسی آیات میں سے سورہ آل عمران کی آیت (۱۶۴) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ہ	درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے۔ ان کی زندگیاں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

اس آیت کے پیشِ نظر ڈاکٹر مذکور کہتے ہیں کہ قرآن نے جس بات کی صراحت کی ہے اس کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو قرآن کی تعلیم دے اور یہ امر مسلّم ہے کہ جس شخص سے کتاب یا اس کے مضامین و مطالب کی تعلیم دینا مطلوب ہو اس کے لئے کم از کم شرط یہ ہے کہ وہ قلم کے استعمال یا بدرجہ آخر قلم سے لکھی ہوئی تحریر کی قرأت کی استطاعت رکھتا ہو۔

یہ استدلال بوجوہ ذیل تعجب انگیز ہے:

۱۔ مسلمانوں کے ہاں جو چیز متفق علیہ ہے اور جس کی نفی ڈاکٹر مذکور کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل کبھی لکھتے پڑھتے نہیں تھے۔ اس مذکورہ استدلال سے بعید ترین جو نتیجہ متصور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت دورِ رسالت میں اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے جیسا کہ سید مرتضیٰ اور شعبی اور ایک دیگر جماعت کا عقیدہ ہے لیکن اس سے ڈاکٹر مذکور کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ استدلال اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اسے دورِ رسالت سے منسوب نہ کیا جائے۔ اس معاملے کی وضاحت اس طرح بھی جاسکے کہ تعلیمات کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کتابت، قرأت اور ریاضیات وغیرہ کی تعلیم ہے جس کے لئے معلم کو قلم و قرطاس اور تختہ سیاہ وغیرہ وسائل توضیح کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ معلم بذاتِ خود کھڑا ہو کر وہ عملی مشق بھی سرانجام دے تاکہ مطلوبہ تعلیم متحقق ہو جائے۔ تعلیم کی دوسری قسم حکمت و فلسفہ و اخلاق اور حلال و حرام کے قبیل سے ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ اس کے لئے قلم و قرطاس، نقشہ جات اور تختہ سیاہ کی مطلقاً حاجت نہیں ہے۔ ہمارے پیشِ نظر حکمائے مشائین کی مثال موجود ہے۔ ان کا نام مشائین صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے تلامذہ کو چلتے چلتے دلائل اور علامتوں کے ذریعے سے

تعلیم دیتے تھے۔ہاں تو کبھی کبھار تلامذہ کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ فنِ کتابت سیکھیں اور اپنے اسباق کو مدون کر لیں تاکہ وہ نسیان کی دست برد سے محفوظ ہو جائیں - اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو علم کی حفاظت و تقیید کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے (قیدوا العلم) یعنی علم کو مقید و محفوظ کر لو اور جب صحابہؓ آنحضرتؐ سے تقیید و حفاظتِ علم کا طریقہ دریافت کرتے تو آپؐ انہیں کتابت کا حکم فرماتے[1]

اور آنحضرتؐ فرماتے تھے۔" اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش و خرم رکھے جس نے میری بات کو سنا۔ اسے محفوظ کر لیا اور نہ سننے والوں تک اسے پہنچایا"[2] اور جب مسلمان آنحضرتؐ سے آپؐ کے خلفائ کے بارے میں پوچھتے تھے تو آپؐ انھیں جواب دیتے تھے کہ میرے خلفاء وہ ہیں جو میرے بعد میرے طریقے پر عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی اس طریقہ کی تعلیم دیں گے[3] اور آنحضرتؐ یہ بھی فرماتے تھے کہ والد کے ذمہ اولاد کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے اچھے نام تجویز کرے۔ انھیں کتابت سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا نکاح کرائے -

قرآنِ کریم پوری صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے :

یایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم	اے ایمان والو! جب کسی مقررہ مدت کے لئے تم
بدین الیٰ اجل مسمًّی فاکتبوہ ولیکتب	آپس میں قرض کا لین دین کرو، تو اسے لکھ لیا کرو
بینکم کاتب بالعدل"	فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص
(البقرہ ۲۸۲)	دستاویز تحریر کرے۔

اس طرح ہم سب مسلمانوں کو مجبور کر دیا گیا کہ ہم قرآن اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں کتابت و قرأت کا علم ایک مبارک فن کی حیثیت سے حاصل کریں۔ اپنے دینی آثار کی حفاظت کریں ، اپنی اولادوں کے حقوق ادا کریں اور ان کے معاشی امور کو منظم شکل دیں۔ پس اس طرح تاریخ میں حرف و قلم کی ترقی کی ایک تحریک برپا ہوئی یہ تحریک ان لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھی جن میں سے پڑھنے والے انگلیوں پر گنے جاتے تھے۔ وہ علوم کی تحصیل کا پورا اہتمام کرتے تھے اور قرأت و کتابت کی نشر و اشاعت کرتے تھے یہاں تک کہ ان میں بعض نے کئی زبانیں سیکھیں تاکہ ان کے ذریعے اسلام کا آوازہ بلند کیا جا سکے اور پیغام اسلام اطرافِ عالم میں پہنچایا جا سکے۔

تاریخی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ جنگِ بدر کے بعض قیدی جو فدیہ ادا کرنے کی استطاعت سے محروم تھے انھیں رہائی پا کر دیا گیا اور جو ان میں سے لکھنا جانتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو اس کے بعد وہ آزاد ہیں -

ہاں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں اس فن کو اس حد تک رواج دیا اور انھیں علم و معرفت کی تحصیل کا اس قدر گرویدہ

---

[1] البحار - جلد ۲ - ص ۱۵۱ -
[2] الکافی جلد ۱ ص ۴۰۳ -
[3] البحار - جلد ۲ - ص ۱۴۴ -

بنادیا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تعلیم و تبلیغ کے سلسلے میں ذاتی سطح پر قرأت و کتابت کی محتاج ہو۔

سید عبداللطیف کا بیان ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے قرآن کی پہلی نازل کردہ سورت میں قلم اور کتاب کا ذکر کیا ہے کیا یہ اس امر کی صریح اور واضح دلیل نہیں ہے کہ آنحضرتؐ قرأت و کتابت جانتے تھے . . . . . اور کیا یہ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کو تو علم اور قرأت و کتابت کا شوق و رغبت دلاتے ہوں اور بذاتِ خود قرأت و کتابت سے بے اعتنائی برتتے ہوں حالانکہ آنحضرتؐ ہر میدان میں پیش پیش تھے۔

یہ استدلال بھی عجیب ہے ۔

منطقی نتیجہ کے طور پر۔ ڈاکٹر مذکور نے ان آیات کی یہ تعبیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ان آیات کو لیے ایک خاص بندے پر بندوں کی ہدایت کے لیے نازل کرنے والا ہے وہ جانتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کے قلبِ مقدس پر یہ آیات نازل کی گئی تھیں وہ بھی جانتے تھے کہ انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں لکھنے پڑھنے کی اہمیت و قدر و قیمت کیا ہے۔ لیکن یہ اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بھی قرأت و کتابت کرتے تھے اور قلم و قرطاس سے کام لیتے تھے ۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایک چیز کا حکم کیوں دیتے تھے جبکہ خود اپنے امور کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے تو یہ ایسا ہی سوال ہے جس طرح یہ کہا جائے کہ طبیب اپنے مریض کے لیے جو نسخہ تجویز کرتا ہے اسے خود اپنے لیے استعمال کیوں نہیں کرتا۔ ہاں جب طبیب بذاتِ خود بیمار ہو جائے تو اگر ضرورت لاحق ہو تو وہ اس نسخے کے مطابق عمل کرے گا بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ بیمار طبیب کسی دوسرے سے علاج کروائے۔ لیکن کیا یہ لازم ہے کہ جو کچھ وہ اپنے مریضوں کے لئے تجویز کرتا ہے اپنے لئے بھی وہ اسی پر عمل کرے جبکہ وہ ان جیسا مریض نہ ہو!!

یہ چیز قابلِ ملاحظہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا انتہائی احساس تھا کہ دوسرے لوگوں کو کتابت و قرأت کی بہت زیادہ احتیاج لاحق ہے اور اس فن کی معرفت انکے لئے حصولِ کمال کا پیش خیمہ اور اس کا فقدان ان کے حق میں باعثِ نقصان ہے ۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت، قربانی، تقویٰ، صداقت، نیکی، حسنِ اخلاق، مشاورت، تواضع اور جملہ اخلاق و آدابِ حسنہ میں پیش پیش تھے کیونکہ ان سب محاسن کا حصول آپؐ کے لیے باعثِ کمال اور ان کا فقدان آپؐ کے لیے نقصان شمار ہوتا ہے۔ لیکن کتابت و قرأت کا موضوع اس قبیل سے نہیں ہے ۔

انسانیت کے لیے قرأت و کتابت کی بنیادی قدر و قیمت ان خدمات میں پوشیدہ ہے جو یہ فنون سرانجام دیتے ہیں۔ یہ دونوں فن انسان کو دوسروں کی زندگی میں پیش آمدہ حالات کی واقفیت بہم پہنچاتے ہیں اور ان کے ذریعے انسان کی اپنی زندگی میں رونما ہونے واقعات کی اطلاع دوسروں تک پہنچائی جاتی ہے۔ خط و کتابت ایسی رموز و علامات ہیں جن پر انسانوں کا اتفاق ہے اور ان کے ذریعے لوگوں کے افکار و مقاصد معلوم کئے جا سکتے ہیں اور خطوط کی پہچان ایک فرد سے دوسرے فرد تک ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلے تک اور ایک نسل سے دوسری نسل تک معلومات منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔ نیز خط و کتابت کے ذریعہ انسان

اپنی معلومات کو فنا و نسیان کی دست برد سے بچا سکتا ہے۔ مزید براں خط و کتابت کی مہارت بہم پہنچانا زباندانی کے مترادف ہے۔ اگر انسان ایک سے زائد زبانیں سیکھ لے تو اسے انسانیت کے بارے میں معلومات مہیا کرنے کے بیشتر ذرائع حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ کسی لغت اور قرأت و کتابت کی پہچان واقعیت کے اعتبار سے علم نہیں ہے بلکہ علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور علم تو کسی حقیقت اور قانونِ واقعی سے متعلق انسانی ادراک کا نام ہے جیسا کہ ہم علوم طبیعیات و منطق و ریاضیات میں ادراک حاصل کرتے ہیں۔ ان علوم میں انسان خارجی اور ذہنی اشیاء کے درمیان تکوینی اور واقعی روابط اور علت و معلول کا تعلق دریافت کرتا ہے اور اسی کا نام علم ہے۔

جہاں تک لغت اور اس کے قواعد وغیرہ کی معرفت کا تعلق ہے تو یہ علم نہیں ہے کیونکہ اس سے ہمیں اشیاء کے درمیان واقعی رابطے کا ادراک حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ وضعی، اعتباری اور تعاقدی امور کی کڑیاں ہیں جن کی حیثیت فرض و اتفاق سے متجاوز نہیں ہے اور ان کی پہچان علم نہیں ہے بلکہ حصولِ علم کا ذریعہ یا مفتاح ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان وضعی امور کے حصول کے دوران میں واقعی مظاہر رونما ہوتے ہیں یہ مظاہر لغات کے ہیر پھیر اور ان کی تصریفات و ترکیبات سے متعلق ہوتے ہیں اور کمالِ افکار اور قانونِ طبیعی کی مطابقت سے پیش آتے ہیں اور اس کے نتیجے میں فلسفہ اور علم کے ان طبیعی قوانین کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو قرأت و کتابت کی قدر و قیمت اس بات میں مضمر ہے کہ انسان کے پاس دوسروں کے علوم کی چابیاں ہوں۔

لیکن کیا طریقِ معرفت اور اکتسابِ علم کا انحصار صرف اسی ذریعے پر ہے یعنی یہ کہ انسان دوسروں کے علمی ذخائر سے استفادہ کرے اور یہ مفتاح حاصل کرے جس سے دوسروں کے مشکل اور دشوار فہم علوم تک رسائی ہو؟ اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ لازم ہے کہ آنحضرتؐ افرادِ انسانیت کے علوم سے استفادہ کریں؟ اگر معاملہ اسی طرح کا ہے تو پھر تنوع و ابتکار اور اشراق و الہام کا محلِ وقوع کہاں ہے؟ اور نیچر (فطرت) سے براہِ راست علم حاصل کرنے کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ کتابت و قرأت کے ذریعے علم حاصل کرنا تحصیلِ علم کا ناقص ترین ذریعہ ہے کیونکہ انسانی تحریروں میں حقائق اور وہم و گمان خلط ملط ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرأت و کتابت کے ذریعے علم حاصل کرنے والے کا علم ناپختہ اور نامکمل ہوتا ہے اور اسے حصولِ علم کا ادراک نہیں ہوتا۔ مشہور فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ کے متعلق منقول ہے کہ اس نے بلند پایہ مقالات کا ایک سلسلہ نشر کیا اور اس کی آواز آفاق میں گونجی اور اس کے نئے نئے اور اچھوتے افکار و نظریات نے سب لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف جیسے ایک تعجب کرنے والے نے گمان کیا کہ ڈیکارٹ کے پاس نسخوں اور علمی کتابوں کے انبار ہوں گے جن سے وہ اپنی معلومات اخذ کرتا ہوگا۔ چنانچہ وہ ڈیکارٹ کی ملاقات کے لئے گیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ اسے لائبریری دکھائی جائے۔ ڈیکارٹ اسے ایک مکان میں لے گیا جہاں اس نے ایک بچھڑے کا جسم چیرا ہوا تھا۔ ڈیکارٹ نے اسے بچھڑا دکھلایا اور کہا: "یہ میرا مکتب ہے میں نے اپنی معلومات اس سے حاصل کی ہیں۔"

سید جمال الدین اسد آبادی مرحوم کہا کرتے تھے "میں بعض لوگوں سے متعجب ہوتا ہوں جو اپنے جیسے لوگوں کی کتابیں اور

تحریریں مدت العمر چراغ کی روشنی میں پڑھتے رہتے ہیں۔ کیا انھیں کبھی یہ خیال دامنگیر نہیں ہوتا کہ وہ چراغ کا مطالعہ کریں؟ اگر کسی رات وہ کتاب کو بند کر دیں اور چراغ کا مطالعہ کریں تو انھیں کتاب کی بہ نسبت زیادہ وافر اور زیادہ وسیع معلومات حاصل ہوں گی"۔

یہاں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس دنیا کی زندگی میں بحیثیتِ عالم داخل ہوا ہو۔ بلکہ تمام لوگ شروع میں جاہل ہوتے ہیں اور پھر ایک ایک کرکے چیزوں کا علم حاصل کرتے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر شخص بذاتہٖ جاہل ہوتا ہے اور پھر اپنے قوٰی اور دیگر اسباب کے مطابق عالم بنتا ہے اور ہر انسان معلم یعنی الہامی قوت کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الم یجدک یتیماً فاٰوی ٥ ووجدک	کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟
ضآلاً فهدٰی ٥ ووجدک عآئلا	اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں
فاغنیٰ ٥ (الضحیٰ ۶-۸)	نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔

ہماری ساری بحث معلم کے بارے میں ہے اور یہ کہ معلم کون ہو سکتا ہے؟

کیا یہ لازمی ہے کہ انسان اپنی معلومات دوسرے انسان سے حاصل کرے؟ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ انسان کے ہاتھ میں دوسروں کے علوم کی مفتاح ہو یعنی اسے چاہیئے کہ وہ قرأت و کتابت سیکھے۔ کیا انسان کے مقدور میں یہ نہیں ہے کہ وہ سحر خیزی کرے اور اللہ سے روشنی کا طالب ہو؟ کیا انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے کنارہ کشی اختیار کر کے خلوت گزیں ہو جائے اور فطرت (نیچر) کی کھلی کتاب کا مطالعہ کرے؟ کیا انسان غیب اور ملکوت کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اس کا معلم و ہادی ہو؟ قرآن کریم کی سورہ النجم (آیات ۳-۵) میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

وما ینطق عن الھوی ٥ ان	وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی
ھو الا وحی یوحیٰ ٥ علمہ شدید	ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ اسے زبردست
القوی ٥	قوت والے نے تعلیم دی ہے)

امام علیؑ آنحضرتؐ کے بارے میں فرماتے ہیں:

جب آپؐ کا دودھ چھڑایا گیا تو اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں میں سے ایک عظیم فرشتہ آپؐ پر متعین کر دیا جو آپؐ کو دنیا میں مکارم و محاسنِ اخلاق کے طریق پر چلاتا تھا۔"

فارسی کے عظیم شاعر کی مثنوی کے اشعار بھی اس موضوع پر ہیں۔

اور ابن خلدون اپنے معروف "مقدمہ" کی فصل" خط و کتابت کا شمار انسانی صنائع میں ہوتا ہے"۔ کے تحت اس امر پہ بحث کرتا ہے کہ کتابت و تحریر اس جہت سے ایک کمال ہے کہ انسانی اجتماعی زندگی میں بعض لوگ بعض دوسروں کی معلومات کے محتاج ہوتے ہیں اور خط و کتابت یہ معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ وہ مختلف تہذیبوں میں کتابت و تحریر پر مکمل بحث کرنے کے بعد حجاز میں خط

کتابت کے بارے میں تحریر کرتا ہے :

"اوائلِ اسلام میں عربی رسم الخط نہ صرف یہ کہ پختگی و مضبوطی اور کمال و عمدگی کے نقطۂ نظر سے عروج کو نہ پہنچا تھا بلکہ متوسط درجے کا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اہلِ عرب دیہاتی اور وحشیانہ طرز کی زندگی گذار رہے تھے اور انھیں علوم و فنون سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے جب اپنے مخصوص رسم الخط میں قرآن کریم کو لکھا تو یہ رسم الخط اصول کتابت کے لحاظ سے غیر مستحکم اور بعض مقامات پر مروجہ قواعدِ فن کے مخالف تھا۔ بہرحال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ لکھا تابعین نے اُسے من و عن قائم رکھا اور اس سے انحراف نہ کیا....."[1]

آخری قرآنی مقطع

جس پر ڈاکٹر مذکور نے انحصار کیا ہے وہ سورہ "البینہ" کی آیات ۲-۴ ہیں۔ ڈاکٹر مذکور کا بیان ہے :-

"سب سے تعجب انگیز بات جس کی طرف مترجمین و مفسرین نے التفات نہیں کیا یہ آیت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے :

رسولٌ من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ۔ (اللہ کی طرف ایک رسول جو صحیفے پڑھ کر سنائے)

یہاں قابلِ ملاحظہ یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ نہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقدس صحیفے لوحِ قلب سے (یعنی حافظہ سے) انہیں پڑھتے تھے بلکہ یہ صراحت کی ہے کہ آپؐ ان صحیفوں کو پڑھتے تھے اور وہ آپؐ کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔"

اس استدلال کے جواب کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دو الفاظ "یتلوا" اور "صحفا" کے مدلول کو سمجھا جائے۔

صحیفہ کے معنی ورق ہے اور صحف' صحیفہ کی جمع ہے اور جب اس آیت کو اگلی آیت (فیھا کتب قیمۃ) کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے پاک اور منزہ اوراق پڑھتے تھے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہیں اور صحف سے مقصود وہ چیزیں ہیں جن پر قرآن کریم لکھا جاتا تھا اور اس طرح اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے قرآن پڑھتے تھے۔

جہاں تک لفظ "یتلوا" کا تعلق ہے اس کا مادہ "تلاوت" ہے اور ہمیں کوئی ایسی سند معلوم نہیں جس کی بنا پر تلاوت کی یہ تفسیر کی جائے کہ اس کا مفہوم ورق کو دیکھ کر قرأت کرنا ہے۔ اہلِ لغت کے کلام اور دو الفاظ (قرأت) اور (تلاوت) کے مواقع استعمال کی طرف رجوع کرنے سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر تکلم کو قرأت یا تلاوت نہیں کہتے بلکہ تلاوت یا قرأت کی صورت یہ ہے کہ کسی متن سے تکلم (بولنے کا عمل) کیا جائے خواہ وہ متن کسی ورقہ سے ناظرہ پڑھا جائے یا لوحِ قلب (یعنی حافظہ) سے پڑھا جائے۔ قرآن کریم پڑھنے کے لیے قرأت اور تلاوت دونوں الفاظ مستعمل ہیں خواہ طبع شدہ قرآن کو دیکھ کر پڑھا جائے یا حافظہ کی امداد حاصل کی جائے باوجودیکہ ان دونوں لفظوں کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے۔ تلاوت متن مقدس کی قرأت سے مختص ہے لیکن 'قرأت' عام لفظ ہے اور یہ کہنا صحیح ہے کہ میں نے منطق کی کتاب کی قرأت کی اور یہ صحیح نہیں

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۲، طبع دار الفکر۔

ہے کہ میں نے اس کی تلاوت کی۔

بہرحال کسی لکھی ہوئی تحریر کے متن کی قرأت کے عنصر کو قرأت کے مفہوم اور تلاوت کے مفہوم میں کوئی عمل دخل حاصل نہیں ہے۔
اس بنا پر سابقہ آیت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے اس قرآن کی تلاوت کرتے تھے جو صحفات پر لکھا ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں تو اس معاملہ میں پوچھ گچھ کرنی چاہیے کہ ہمارے لیے یہ فرض کر لینا کیوں لازم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی آیات کی تلاوت کے سلسلے میں کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھنے کی احتیاج تھی؟

بیشک ہم جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حفظ کرتے تھے اور دوسرے سینکڑوں مسلمان بھی یاد کرتے تھے۔ قرآن نے آپ کے لئے اس حفاظت کی ضمانت اپنے اس بیان میں بہم پہنچائی ہے:

سنقرئک فلا تنسیٰ (الاعلیٰ ۶) (ہم تمھیں پڑھوا دیں گے۔ پھر تم نہیں بھولو گے۔)

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات میں سے کسی آیت سے بھی کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا جانتے تھے بلکہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ اس کے برعکس ہے اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ قرآنی آیات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ لکھتے اور پڑھتے تھے تو یہ مفروضہ صرف کسی وقت دورِ رسالت کے ساتھ مرتبط ہو سکتا ہے حالانکہ ڈاکٹر مذکور کا دعویٰ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل بھی بہت اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

تیسرا دعویٰ: ڈاکٹر سید عبد اللطیف دعویٰ کرتا ہے کہ احادیث و تواریخ اس کے مدعا کا ثبوت مہیا کرتی ہیں اور اس ضمن میں وہ دو واقعات کا ذکر کرتا ہے:۔

پہلا واقعہ:

اخبار مذکورہ کے ضمن میں بخاریؒ نے کتاب العلم میں ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد علیؓ کو ایک خفیہ تحریر دی اور خصوصیت کے ساتھ انھیں حکم دیا کہ اسے کھولا نہ جائے بلکہ مکتوب الیہ کا نام یاد رکھا جائے اور یہ تحریر مکتوب الیہ کو پہنچا دی جائے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تحریر علیؓ کے سپرد کرتے ہیں اور علیؓ جو آپؐ کے داماد اور معتمد علیہ ہیں ان کو بھی اس کے مضمون کا علم نہیں تو ایسی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ اس تحریر کا کاتب اور کون ہو سکتا ہے؟

یہ پہلا واقعہ ہے جس کا ذکر ڈاکٹر مذکور نے کیا ہے۔

افسوس ہے کہ اس قبیل کی تحریر صحیح بخاری میں موجود تو ہے لیکن یہ مذکور نہیں کہ اس مکتوب کے حامل علیؓ تھے۔ اس طرح ڈاکٹر مذکور کا استدلال بے وزن ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تو اپنی بحث کا مرکزی کردار علیؓ کی شخصیت کو قرار دیتا ہے۔ نیز علیؓ سے تحریر کو مخفی رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے اس تحریر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود لکھا تھا۔

بخاریؒ کا بیان یہ ہے:۔

"اور بعض اہلِ حجاز نے مناولہ[1] کے قابلِ اعتبار ہونے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے جبکہ آپؐ نے ایک تحریر امیرِ لشکر کے لئے لکھی اور اس سے فرمایا کہ تم فلاں مقام پر پہنچ کر اس تحریر کو پڑھنا۔ جب وہ مذکورہ مقام پر پہنچ گئے تو امیرِ لشکر نے اسے لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم جو اس تحریر میں تھا لوگوں کو بتلایا"[2]

لیکن بخاریؒ نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ اس لشکر کے امیر علیؓ تھے اور اس روایت کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کو کھولنے والا اس کا حامل ہی تھا نہ کہ کوئی تیسرا شخص جیسا کہ سید عبداللطیف کا گمان ہے

بخاریؒ نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ بطنِ نخلہ کے قصہ سے متعلق ہے جو سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ابن ہشام نے "سریہ عبداللہ بن جحش" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر عبداللہ بن جحش کو دی تھی اور اسے فرمایا تھا کہ دو دن کے سفر کے بعد اس تحریر کو کھولنا اور اس کے مضمون کے مطابق عمل کرنا۔ بحار الانوار میں بھی یہی منقول ہے۔ واقدی اپنے کتاب مغازی میں تصریح کرتا ہے کہ اس تحریر کے کاتب ابی بن کعبؓ تھے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ واقدی کا بیان ہے:۔

"عبداللہ بن جحش نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھی تو مجھے بلا کر فرمایا: صبح کے وقت ہتھیار بند ہو کر آؤ میں تمہیں کسی طرف بھیجوں گا۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ میں صبح کے وقت پہنچا۔ میرے پاس تلوار کمان، تیر دان اور ڈھال تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی اور چل دیے اور مجھے اپنے دروازے پر کھڑا پایا کیونکہ میں آپؐ سے پہلے مسجد سے نکل آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ قریش کی ایک جماعت بھی کھڑی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ کو بلایا وہ حاضرِ خدمت ہوا اور اس نے آنحضرتؐ کے حکم سے ایک تحریر قلمبند کی۔ پھر آنحضرتؐ نے مجھے بلایا اور خولانی چمڑے پر لکھی ہوئی ایک تحریر دی اور فرمایا: میں نے تمہیں اس جماعت کا امیر مقرر کیا ہے۔ تم جاؤ اور جب دو راتوں کی مسافت طے کر لو تو میرے اس مکتوب کو کھولو اور اس میں جو حکم درج ہے۔ اس کی تعمیل کرو۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ کس طرف جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا نجدی سمت میں جاؤ اور آپؐ نے ایک کنوئیں کی نشاندہی فرمائی۔ عبداللہ بن جحشؓ ساتھیوں سمیت روانہ ہو گیا۔ جب ابن ضمیرہ کے کنوئیں پر پہنچا تو خط کھولا اور اسے پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا:۔ اللہ کے نام اور اس کی برکتوں سے برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ بطنِ نخلہ پہنچ جاؤ۔ اپنے ساتھیوں

---

[1] محدثین کی اصطلاح میں مناولہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک استاد اپنی کتاب اپنے کسی شاگرد کو عطا کرے اور یہ کہے کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی روایت کی میں تمہیں اجازت دیتا ہوں (مترجم)

[2] صحیح بخاریؒ۔ جلد ۱ صفحہ ۲۵۔

میں سے کسی کو اپنے ساتھ آگے چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ میرے حکم کے مطابق صرف ان کو ساتھ لے کر جانا جو تمہارے حکم کی پیروی اختیار کریں۔ اس طرح بطنِ نخلہ پہنچ جاؤ۔ وہاں قریش کے قافلوں کی دیکھ بھال کرتے رہو۔" جب عبداللہ بن جحش نے یہ خط اپنے ہمراہیوں کو پڑھ کر سنایا تو کہا : میں تم میں سے کسی کو آگے چلنے پر مجبور نہیں کرتا۔ تم میں سے جو کوئی شہادت کا طلبگار رہے اسے چاہیئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرے اور جو کوئی واپس جانا چاہے وہ اسی وقت چلا جائے۔ ان سب نے بیک زبان کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمہاری بات سننے والے اور اطاعت کرنے والے ہیں۔"

دوسرا واقعہ

ڈاکٹر مذکور جس دوسرے واقعہ سے استدلال کرتا ہے وہ صلحِ حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ اس کا بیان ہے :

" اور جس طرح بخاریؒ اور ابن ہشامؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کا ورق لیا اور اپنے ہاتھ سے لکھا۔"

ڈاکٹر مذکور کے استدلال کا جواب یہ ہے:

بخاریؒ نے اس کا ذکر ایک روایت میں کیا ہے لیکن دوسری روایت میں اس کے برخلاف ذکر کیا ہے۔ علماء سنت کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ اگرچہ بخاریؒ کی عبارت سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ کاتبِ معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے لیکن راوی کا مقصود یہ نہیں ہے۔

صاحبِ سیرت حلبیہ بھی حسبِ عادت واقعہ بیان کرنے کے بعد یہی ذکر کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کلمہ جس پر کافر نمائندے کا اعتراض تھا اسے مٹانے کے لیے علیؓ کی امداد حاصل کی۔ وہ بخاریؒ کی روایت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آنحضرتؐ کا اعجاز تھا لیکن وہ اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے بعضؒ کا یہ قول بھی نقل کرتا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک اس طرح کی یہ روایت غیر معتبر ہے اور مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کا حکم دیا نہ کہ بذاتِ خود لکھا تھا۔

جہاں تک سیرتِ ابنِ ہشام کا تعلق ہے تو اس میں یہ مضمون نہیں ہے اور نہ معلوم ڈاکٹر مذکور نے یہ مضمون ابنِ ہشام کی طرف کیوں منسوب کر دیا ہے،

قبل ازیں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اکثر تاریخی نقول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی لکھا گیا وہ علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ طبری اور ابن اثیر کی عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ باوجود اس بات کے کہ آنحضرتؐ خود لکھتے نہیں تھے۔ آپؐ نے عہد کی پاسداری کی اور وہ کلمہ اپنے ہاتھ سے لکھ دیا۔

کچھ بھی ہو اس استدلال سے جو بعید ترین چیز بھی ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دورِ رسالت

لہ مغازی الواقدی، جلد ۱، صفحہ ۱۳-۱۴

ہیں کسی وقت ایک دفعہ یا دو دفعہ لکھا لیکن ہمارے موضوع بحث کا تعلق زمانہ ماقبل بعثت سے ہے۔

اس مضمون کے شروع میں ہم لکھ چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمنوں نے آنحضرتؐ پر یہ اتہام لگایا کہ آپؐ دوسروں کی باتیں سن کر ان کی تعلیمات نقل کرتے تھے لیکن انہوں نے آپؐ پر یہ الزام تراشی کبھی نہیں کی کہ آپؐ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور اپنے پاس رکھی ہوئی کتابوں سے مضامین اخذ کرتے تھے۔

ممکن ہے کوئی ایسا شخص بھی نمودار ہو جائے جو کہہ دے کہ آپؐ کے دشمنوں نے آپؐ پر یہ اتہام بھی لگایا تھا جیسا کہ اس بارے میں قرآن کہتا ہے:۔

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا	اور وہ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں
فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا"	ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام
(الفرقان - ۵)	سنائی جاتی ہیں۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے اتہامات تعصب اور حقارت کی وجہ سے تھے اور قرآن نے اس کو ظلم اور زور یعنی بڑی بے انصافی اور بحث جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ آیت اس دعوٰی کے بارے میں صریح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود لکھا کرتے تھے کیونکہ "اکتتاب" کا لفظ 'کتابت' اور 'طلب کتابت' دونوں معنوں میں آتا ہے طلب کتابت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کو لکھنے کے لئے کہا جائے اور اس آیت کے ذیل میں ایک قرینہ موجود ہے کہ اس کا مقصود دوسرا معنی یعنی طلب کتابت ہی ہے۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جسے اس نے لکھ لیا ہے (یا دوسروں نے اس کے لئے لکھا ہے) اور یہ اسے صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں 'اکتتاب' بصیغہ ماضی اور 'املا' بصیغہ مضارع استمراری مذکور ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ امور جن کو اس شخص نے پہلے سے لکھوا لیا ہے دوسرے لوگ جو قرأت جانتے ہیں وہ صبح و شام اسے پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور وہ انہیں سیکھ لیتا اور محفوظ کر لیتا ہے۔

جب ہم نے یہ فرض کر لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأت جانتے تھے تو کفار کا یہ قول بے محل معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ آپؐ کے لئے صبح و شام تلاوت کرتے تھے اور آپؐ ان سے سیکھ کر یاد کر لیتے تھے بلکہ یہ ممکن تھا کہ صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا جاتا کہ آپؐ ان مضامین کی طرف دوبارہ رجوع کرتے تھے اور انہیں یاد کر لیتے تھے۔

کافروں اور اتہام تراشی کرنے والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف قسم کے اتہامات لگائے اور صرف ایک تہمت پر اکتفا نہ کیا بلکہ جنون اور سحر اور دوسروں کی سنی سنائی باتوں سے استفادہ تک کے الزامات لگائے ..... لیکن وہ آپؐ پر یہ الزام لگانے کی جسارت نہ کر سکے کہ آپؐ قرأت و کتابت جانتے تھے اور دوسری کتابوں سے اخذ کردہ مضامین اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے کافروں کو سناتے تھے۔

آخری نتیجہ

"تاریخ کے قطعی واقعات کی سراغ رسانی اور قرآن کی شہادت اور کثیر تاریخی قرائن کے فیصلے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لوحِ ضمیر کسی فردِ بشر کی شاگردی سے مبرا تھی۔ آں حضرتؐ نے صرف تعلیم الٰہی کی چھاؤں میں علم حاصل کیا اور صرف حق تعالیٰ سے کسبِ فیض کیا۔ آپؐ ایک پھول تھے جس کی خبر گیری و نگہبانی واجب الوجود جل وعلا کے دستِ قدرت نے کی۔ آں حضرتؐ نے بذاتِ خود قلم و قرطاس اور سیاہی کو استعمال نہ کیا اور قرأت و کتابت سے سروکار نہ رکھا۔ اس کے باوجود آپؐ کی کتابِ مقدس قلم اور اس کے آثار کی قسم کھاتی ہے:

ن والقلم وما یسطرون۔ ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔ القلم۔ ۱

اور اولین پیغامِ الٰہی میں آپؐ کو قرأت کا حکم دیا جاتا ہے اور استعمالِ قلم کے فن کو تخلیق کی نعمت کے بعد عظیم ترین نعمت تعبیر کیا گیا ہے:

اقرا باسم ربک الذی خلق۔ پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ (العلق۔ ۱)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ انسان جس نے قلم کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا جب وہ مدینہ میں داخل ہوتا ہے تو قلم کے استعمال کی تحریک برپا کر دیتا ہے۔ ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ انسان جس نے کبھی کسی معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی دارالعلوم میں داخلہ لیا تھا وہ انسانیت کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتا ہے اور انسانیت کی تاریخ میں جامعات و کلیات کا ایک وسیع نظام قائم کر دیتا ہے۔

امام رضا دیگر اہلِ ادیان کے ساتھ اپنے محاورہ و گفتگو میں کہتے ہیں:

"...... آنحضرتؐ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آپؐ یتیم، محتاج اور اجرت پر بکریاں چرانے والے تھے۔ آپؐ نے نہ کبھی کوئی کتاب مطالعہ کی اور نہ ہی کسی معلم سے رجوع کیا یہاں تک کہ آپ پر قرآن نازل ہوا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قصے اور اُن کی حرف بحرف خبریں اور ماضی اور قیامت تک آنے والے زمانے کے بارے میں اخبار و احوال درج ہیں..."[1]

در اصل وہ بدیہی امر جو تمام لوگوں کے لئے تعجب انگیز ہے اور جو قرآن کریم کی عظمت کا سب سے بڑا مظہر ہے اور قرآن کے برحق آسمانی کتاب ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ عظیم کتاب جو مبداءِ و معاد اور انسانیت کے بارے میں نظریات نیز اخلاق، قانون، قصص اور پند و نصائح کے ابواب میں معرفت و حکمت سے لبریز ہے اور حسن و جمال اور ادبی فصاحت و بلاغت کا خزینہ ہے ایک ایسے ناخواندہ آدمی کی زبانِ فیض ترجمان پر جاری ہوئی جو کسی درس گاہ میں داخل نہ ہوا اور جس نے اپنے دور کے علماء میں سے کسی عالم سے فیض حاصل نہیں کیا اور اپنے عہد کی متداول کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔

---

[1] عیون اخبار الرضا۔ ص ۱۳۶۔

بلاشبہ وہ نشانی اور معجزہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر فرمایا وہ کتابی، تبلیغی اور حدیثی معجزہ ہے جس کا ارتباط فکر و احساس اور ضمیر سے ہے۔ اور اس معجزے اور اس کتاب نے اپنی معنوی خارقِ عادت قدرت کا عالمگیر ثبوت مختلف ادوار میں مہیا کیا ہے اور مرورِ زمانہ اس پہ کہنگی کے اثرات مترتب نہیں کر سکا۔ بلکہ اس کتاب نے کروڑوں اور اربوں قلوب کو اپنی طرف کھینچا ہے اور جب بھی اسلام کی تحریکی زندگی کی طاقت موجزن ہوتی ہے تو ہر دور میں یہ کتاب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ کثیر دماغوں کو اس کتاب نے غور و فکر پر آمادہ کیا اور بیش از بیش قلوب اس کے معنوی ذوق و شوق سے فیض یاب ہوئے۔ سحر خیزوں اور شب زندہ داروں نے اس سے معنوی غذا حاصل کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کے باعث بوقتِ سحر اور نیم شب کو اکثر لوگوں کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے اور متعدد قوموں نے اس کتاب کے طفیل استعمار اور ظلم و استبداد کے چنگل سے نجات حاصل کی۔

کیوں نہ ہو۔۔۔۔ عنایت الٰہی سے امید ہے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ قرآنی اعجاز کے کرشمے زیادہ سے زیادہ دکھلائے گا۔
یہ وہ قرآن ہے جو ایک ایسے اللہ کے بندے پر نازل ہوا جو یتیم تھا اور بکریاں چراتے ہوئے صحرانوردی کیا کرتا تھا۔ جو اُمّی (نا خواندہ) تھا اور جس نے کبھی کسی تعلیمی مکتب میں داخلہ نہیں لیا۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء	یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور
واللہ ذوالفضل العظیم	اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے